

تفسیر مطہری

جلد دوم

بقیہ سورۃ بقرہ سے سورۃ نساء
پارہ ۳ تا پارہ ۴

تالیف

حضرت علامہ قاضی محمد شکار اللہ عثمانی مجددی پانی پتی

تشریحی ترجمہ مع ضروری اضافات

مولانا سید عبد الدائم الجلالی

رفیق ندوۃ المصنفین

ناشر

دارالاشاعت

اردو بازار کراچی ۱ — فون ۲۱۳۷۹۸

کاپی رائٹ رجسٹریشن نمبر
اس ترجمہ و کمپوزنگ کے حقوق ملکیت پاکستان میں بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں۔

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی
طباعت : ۱۹۹۹ء شکیل پریس کراچی۔
ضخامت : صفحات در ۶ جلد

﴿.....ملنے کے پتے.....﴾

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
ادارۃ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
مکتبہ رحمانیہ ۱۸۔ اردو بازار لاہور

بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت العلوم 26۔ تھہ روڈ لاہور
کشمیر بک ڈپو۔ صیوٹ بازار فیصل آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
یونیورسٹی بک انجمن خیبر بازار پشاور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین تفسیر مظہری اردو جلد دوم

| صفحہ | عنوان | صفحہ | عنوان |
|------|--|------|--|
| ۳۱ | قریہ مراد ہے حدیث :- ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء کی تفصیل | ۱۵ | تلك الرسل فضلنا بعضهم علی بعض |
| ۳۳ | آیت :- وَاذْقَالَ اِبْرَاهِيمُ رَبِّ اَرْنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتٰی کی تفصیل | ۱۶ | رسول اللہ ﷺ کی تمام انسانوں پر فضیلت |
| ۳۴ | حدیث :- نحن احق بالشک من ابراهیم | ۱۷ | رسول اللہ ﷺ کے بعض معجزات اور خصوصیات |
| ۳۵ | حدیث :- لیس الخیر کا لمعاينة صوفیہ کے نزدیک عروج و نزول کی حقیقت | ۱۸ | حدیث ان اللہ خلق خلقه فی ظلمة ارجح کی تشریح |
| ۳۸ | حدیث :- ماضر عثمان ماعمل بعد اليوم | ۱۹ | مسئلہ :- تقدیر الہی پر ایمان |
| ۴۰ | حدیث :- لا یدخل الجنة منان ولا عاق ریاء اور شہرت پرستی کی ممانعت | ۲۰ | احادیث :- لا تفضلوا بین انبیاء اللہ اور لا تخیرونی علی موسیٰ اور لا قول ان احد الفضل من یونس کی تشریح |
| ۴۱ | حدیث :- یا کم مال وارثه احب الیہ من ماله حدیث :- نفی کتفہا من الانفاق | ۲۱ | مسئلہ :- تمام حوادث اللہ کے ہاتھ میں ہیں اور اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں |
| ۴۲ | مسئلہ :- نابالغ کے مال پر زکوٰۃ واجب نہیں | ۲۲ | حضرت عمرؓ کا قول کہ رسول اللہ ﷺ کے وفات پاتے ہی عرب مرتد ہو گئے اور انہوں نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا ارجح |
| ۴۳ | حدیث :- حرام مال سے صدقہ قبول نہیں | ۲۳ | مسئلہ :- جتنا سایہ اصل کا محتاج ہوتا ہے اس سے بڑھ کر یہ کائنات اپنی ہستی اور بقاء ہستی کے لئے خالق کی محتاج ہے |
| ۴۴ | اگر مال اسباب اور غیر منقولہ املاک بغرض تجارت ہو تو اس کی زکوٰۃ واجب ہے، کیا ہر سال کی زکوٰۃ واجب ہے | ۲۴ | حدیث :- اللہ سوتا نہیں اور نہ سوتا اس کے لئے زیبا ہے۔ |
| ۴۵ | حدیث :- مامن مسلم یغرس غرسا و یزرع زرعاً کی تشریح۔ | ۲۵ | کری کا ذکر اور تمام زمینوں اور آسمانوں کا کربسی سے توازن |
| ۴۶ | حدیث :- لا یدخل ہذا فی بیت قوم الا دخلہ الذل مسئلہ :- انگور، چھوڑے اور ہر قسم کے غلہ کا عشر یا نصف عشر ادا کرنا واجب ہے۔ | ۲۶ | آیہ انکری کے فضائل |
| ۴۷ | سبزیاں اور ترکاریاں کیا عشر سے مستثنیٰ ہیں۔ | ۲۷ | جماد کی غرض دفع فساد ہے جبراً مسلمان بنانا مقصود نہیں |
| ۴۸ | مسئلہ :- کیا غلہ کی زکوٰۃ دینے کیلئے سال تمام ہونا اور عاقل، بالغ ہونا ضروری ہے یا صرف اسلام کافی ہے اور کیا غلہ کا | ۲۸ | مسئلہ :- ایمان محض عطاء خداوندی ہے |
| ۴۹ | | ۲۹ | حدیث مامن مولود الی یولد علی الفطرة کی تشریح |
| | | ۳۰ | نبرد اور حضرت ابراہیمؑ کا قصہ |
| | | ۳۱ | آیت :- اَوَكَا لَئِذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَۃٍ کے ذیل میں ار میا |
| | | ۳۲ | یا عزیز کا قصہ اور اس امر کی تشریح کی قریہ سے کون سا |

| صفحہ | عنوان | صفحہ | عنوان |
|------|---|------|---|
| ۶۴ | مسئلہ :- سود کی حرمت، سود کی حرمت کی علت کیا ہے۔ کیا آیت ربوا مجمل ہے؟ | ۵۷ | نصاب یعنی پانچ وقت ہونا لازم ہے |
| " | مسئلہ :- ناپ تول کی چیزوں کو اگر ہم جنس چیزوں کے عوض فروخت کیا جائے تو کمی بیشی اور ادھار ناجائز ہے کسی ایک چیز کی تاخیر ادا کے عوض یا ردی ہونے کی وجہ سے مقدار میں کمی بیشی کرنا ناجائز ہے | " | مسئلہ :- خراجی زمین کی پیداوار کا حکم اور اس کی تفصیل |
| " | مسئلہ :- چھوڑوں کے عوض کھجوروں کی اور کشمش کے عوض انگوروں کی اور تر گندم کے عوض خشک گندم کی بیج کا حکم | ۵۸ | مسئلہ :- چاندی اور سونے کی کان کا حکم، عام معدن کا حکم |
| " | مسئلہ :- گنتی سے بچنے والی چیزیں جن کا حجم تقریباً برابر ہوتا ہے | ۵۰ | مسئلہ :- کھرا مال بچا کر ردی مال زکوٰۃ میں دینا جائز نہیں |
| " | مسئلہ :- جو کمی بیج گیہوں کے عوض | " | اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی فضیلت اور کتبوحی کی مذمت |
| " | مسئلہ :- گیہوں کی بیج لوہے کے عوض | ۵۲ | علماء کی فضیلت |
| ۶۶ | مسئلہ :- کسی جانور کی بیج لوہے یا گیہوں کے عوض | " | چھپا کر دینا ظاہر طور پر دینے سے افضل ہے |
| " | مسئلہ :- ہم جنس یا غیر جنس جانوروں کا باہمی تبادلہ | ۵۳ | حدیث :- سبعة یظلہم اللہ کی تفصیل |
| " | مسئلہ :- بیج کو شرائط سے مشروط کرنے کا حکم اور اس میں اختلاف بعض شرائط بیکار ہوتی ہیں نہ ان سے بیج فاسد ہوتی ہے، نہ خود ان کی پابندی کی جاتی ہے، بعض شرطیں بیج کو فاسد نہیں کرتیں اور خود بھی ان کی پابندی ضروری ہوتی ہے، بعض شرطیں بیج کو فاسد کر دیتی ہیں ایسی بیج سود کے حکم میں ہوتی ہے | " | حدیث :- ثلاثہ یحبہم اللہ و ثلاثہ یبغضہم کی تفصیل |
| ۶۹ | مسئلہ :- حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے | ۵۴ | حدیث :- صدقة السر تطفئ الذنب |
| ۷۲ | حدیث :- ما احداکثر من الربوا الا کان عاقبة امرہ الی قلة کی توضیح | ۵۵ | مسئلہ :- مال کو برباد کرنا حرام ہے |
| ۷۴ | حدیث :- ما نقصت صدقة من مال وما زاد الله بعفو الاعزاء وما تواضع احد لله الارفعہ | ۵۵ | مسئلہ :- نفلی خیرات غیر مسلم ذمی کو دی جاسکتی ہے، زکوٰۃ عشر وغیرہ کا مستحق صرف مسلمان ہے |
| " | حدیث :- الخلق عیال الله | ۵۶ | مسئلہ :- دینی طالب علم اور مجاہدین اور سوال نہ کرنے والے فقراء جیسے اصحاب صفہ جن کی تعداد چار سو تھی خیرات کے زیادہ مستحق ہیں |
| ۷۵ | خطبہ الوداع کی حدیث :- الاکل شیء من امر الجاہلیۃ تحت قدمی موضوع | ۵۷ | سوال کی ممانعت اور مقدار مال جس کی موجودگی میں سوال کی ممانعت ہے |
| " | حدیث :- نہی رسول اللہ ﷺ ان تشتري التمرة حتی تطعم وقال اذا ظهر الربوا فی قرية الخ | ۵۸ | جہاد کے لئے گھوڑا لانے کے متعلق حدیث |
| " | حدیث :- ما من قوم یظهر الربوا فیہم الخ | " | آیت :- الَّذِیْنَ یَاۡکُلُوْنَ الرِّبَاۤیَ تَشْرِیۡحٌ |
| ۷۶ | مسئلہ :- سود خور کو قید کر دیا جائے جب تک توبہ نہ کرے نہ چھوڑا جائے، اگر وہ طاقتور ہو اور گرفتار نہ ہو سکے تو حاکم اسلام اس کے خلاف جنگ کرے، ہر تارک فریضہ اور | " | حدیث معراج کے ذیل میں سود خوروں کو دیکھنے کا بیان جن کے پیٹ کیا تھے کو ٹھڑیاں تھیں |
| | | ۵۹ | سود کھانے والے، کھلانے والے، لکھنے والے اور گواہی دینے والے کے متعلق حدیث |
| | | ۶۰ | مسئلہ :- دوائی عذاب کافروں کے لئے مخصوص ہے |
| | | " | مسئلہ :- بیج کیا ہے، دیوانہ اور نا سمجھ بچہ کی بیج درست نہیں سمجھ رکھنے والے بچہ کی بیج درست ہے |
| | | " | مسئلہ :- بغیر زبان سے الفاظ کے، بیج کے لین دین |
| | | ۶۱ | مسئلہ :- فضولی کی خرید فروخت، بیج کی صحت کیلئے ولایت شرعیہ لازم ہے |
| | | ۶۲ | مسئلہ :- بیج کے چار اقسام اور ان کے احکام |

| صفحہ | عنوان | صفحہ | عنوان |
|------|--|------|--|
| ۸۴ | سے تبادلہ نہیں ہوتا ان کے اندر شئی مبادلہ کا کسی قدر مجہول ہونا بھی درست ہے لیکن جہاں مال کا مال سے تبادلہ ہوتا ہے جیسے بیع اجارہ اور اقرار تو ان میں مکمل علم کی ضرورت ہے | ۷۶ | مرتب کبیرہ کے متعلق یہی حکم ہے کہ اگر وہ گناہ اور ترک فریضہ پر جے ہوئے ہوں تو ان کو قید کیا جائے تا وقتیکہ وہ توبہ نہ کر لیں |
| " | مسئلہ :- شریعت نے قرض کو عاریت کی طرح قرار دیا ہے مگر بدل قرض کو اصل قرض کا حکم دیا ہے | " | حضرت ابو بکرؓ کا قول لو منعونی عقلا جاہدتمہم |
| " | مسئلہ :- کن چیزوں کا قرض لینا دینا جائز ہے | " | حدیث :- مالدار اگر قرض کی ادائیگی کو ٹالتا ہے تو یہ ظلم ہے |
| " | مسئلہ :- قرض لینے والا قرض دینے والے کو کوئی تحفہ دینے کی شرط، قرض لینے کے وقت نہیں کر سکتا یہ ناجائز ہے لیکن بغیر شرط لگائے اگر دونوں میں تحفہ دینے لینے کی رسم ہو تو کوئی حرج نہیں | " | مسئلہ :- مرد کے مال کا حکم کہ کیا اس کا مال فنی ہے یا وارثوں کی میراث |
| ۸۵ | مسئلہ :- کیا روٹی اور خمیر قرض دینا لینا جائز ہے | " | مسئلہ :- تنگدست کو اداء قرض کی مہلت دینی واجب ہے |
| ۸۶ | مسئلہ :- تحریر قرض اور اس سے متعلق بحث | ۷۷ | حدیث :- من یسر علی معسر الخ |
| " | مسئلہ :- قرض دار کا اقرار کرنا قرض کا ثبوت ہے | " | نادار کو اداء قرض کی مہلت دینے اور قرض معاف کر دینے کے متعلق احادیث |
| " | مسئلہ :- دیوانے، پاگل، دماغی مریض اور بچہ کی گواہی جائز نہیں | ۷۸ | آیت :- واتقوا یوماً ترجعون فیہ الی اللہ کی تشریح سب سے آخر میں یہی آیت نازل ہوئی اس کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ کم و بیش ۲۱ روز زندہ رہے اور ۳ ریح الاولیاء کو حضور ﷺ کی وفات ہوئی۔ |
| ۸۷ | کیا غلام کی شہادت معتبر ہے | ۷۹ | مسئلہ :- بیع مسلم جائز ہے |
| " | مسئلہ :- مسلمان کے خلاف کافر کی گواہی معتبر نہیں، ہاں ایک فرقہ کے کافر کی دوسرے فرقہ کے کافر کے خلاف شہادت قابل قبول ہے | " | مسئلہ :- اگر ادائے بیع کی مدت مقرر نہ ہو تو مسلم جائز نہیں اگر قیمت فوراً ادا نہ کی جائے اور ادائیگی کی مدت مقرر کر لی جائے تو درست ہے |
| ۸۸ | مسئلہ :- زنا کے گواہ چار مرد ہونا لازم ہیں دوسرے امور کی شہادت کے لئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں کافی ہیں | ۸۰ | مسئلہ :- ادائے ثمن، ادائے بیع، ادائے مہر کی میعاد مقرر کرنی لازم ہے، میعاد سے پہلے مطالبہ جائز نہیں مگر قرض کی ادائیگی کی میعاد لازم نہیں، میعاد سے پہلے مطالبہ صحیح ہے |
| " | تقریری جرائم اور قصاص میں عورتوں کی شہادت غیر مقبول ہے | " | مسئلہ :- جب تک چیز کی جنس، نوع، صفت اور مقدار معلوم نہ ہو، بیع مسلم ناجائز ہے، میعاد اداء بھی مقرر ہونی چاہئے لیکن کیا اس المال کی مقدار اور اداء بیع کا مقام بھی معلوم ہونا ضروری ہے اور کیا وقت بیع سے وقت ادائے بیع کا بازار میں موجود ہونا لازم ہے یہ مسئلہ اختلافی ہے |
| " | کیا عورتوں کی شہادت نکاح طلاق وغیرہ میں معتبر ہے؟ | " | مسئلہ :- ناپ تول والی اور غیر متفاوت گنتی کی چیزوں کی بیع مسلم جائز ہے کیا معدودات متفاوتہ کی بیع مسلم درست ہے |
| ۸۹ | مسئلہ :- حدیث کی روایت کے لئے راوی کا آزاد ہونا یا مرد ہی ہونا یا متعدد ہونا لازم نہیں | ۸۱ | مسئلہ :- کیا جانور کی بیع مسلم درست ہے |
| ۹۰ | حدیث :- ان دماء کم واسوالکم واعراضکم حرام | " | مسئلہ :- کیا جانور قرض لینا دینا جائز ہے |
| " | حدیث :- حرمة مالکم کحرمة دمکم | ۸۳ | مسئلہ :- نکاح، طلع، صلح اور وہ تمام عقود جن میں مال کا مال |
| " | حدیث :- من قتل دون ماله فهو شهید الخ | | |
| " | مسئلہ :- مالی معاملہ نہ ہو تو ایک گواہی کیساتھ مدعی کو ملا کر | | |

| صفحہ | عنوان | صفحہ | عنوان |
|------|---|------|--|
| ۹۷ | مسئلہ :- خرید و فروخت کا گواہ بنانا مستحب ہے | ۹۲ | ڈگری دیدینا درست نہیں، مالی معاملہ تو مسئلہ اختلافی ہے |
| ۹۸ | حدیث :- ابتاع النسی بینه فرساً من اعرابی اس حدیث میں تنہا خزیمہ کی شہادت کو دو گواہوں کے قائم مقام قرار دیا گیا | " | مسئلہ :- گواہ پر لازم ہے کہ لفظ اشہد کہہ کر گواہی دے |
| ۹۹ | حاکم کو اگر واقعہ خود معلوم ہو تو اپنے علم کی بناء پر فیصلہ کرنا جائز ہے | " | مسئلہ :- جن امور کی مردوں کو اطلاع نہیں ہوتی اور مرد مشاہدہ نہیں کرتے ان کے متعلق تنہا عورتوں کی شہادت معتبر ہے، کیا تنہا ایک عورت کی شہادت کافی ہے یا دو ہونی چاہئیں یا چار یہ مسئلہ نزاعی ہے |
| ۱۰۰ | مسئلہ :- بادشاہ ہو یا کوئی اور اگر کسی پر اس کا کوئی حق ہو اور اس کو اپنے حق کا یقینی علم بھی ہو اور مدعی علیہ منکر ہو تو اس سے جبراً اپنا حق وصول کرنا جائز ہے | ۹۳ | مسئلہ :- فاسق کی شہادت ناقابل قبول ہے |
| " | مسئلہ :- اگر دوسری عدالت میں مقدمہ لے جایا گیا ہو تو پہلی عدالت یا سابق حاکم کے علم کی بناء پر یہ دوسرا حاکم فیصلہ نہیں دے سکتا | " | مسئلہ :- عدالت یعنی فاسق نہ ہونے کا معنی ہے فرائض کو ادا کرنا اور کبار سے پرہیز رکھنا اور صفائے پر جم نہ جانا۔ |
| " | مسئلہ :- مشتری اور بائع کسی کاتب یا شاہد کو ضرر نہ پہنچائیں اور نہ کاتب و گواہ مشتری و بائع کو ضرر پہنچائیں | " | مسئلہ :- فاسق کی وجہ سے جن لوگوں کی شہادت مقبول نہیں یا اشتراک نسبی یا باہمی دشمنی کی وجہ سے مقبول نہیں ان کا بیان۔ |
| ۹۹ | مسئلہ :- رہن عقد لازم ہے اگر ایک درہم بھی قرض کا ادائیگی سے رہ گیا ہو، راہن مالی مرہون کو واپس نہیں لے سکتا | ۹۴ | مسئلہ :- کیا حاکم گواہ کے صرف ظاہری حال کو دیکھ لے یا اس کی اندرونی انکوائری بھی ضروری ہے |
| " | مسئلہ :- بغیر سفری حالت کے بھی رہن درست ہے | " | مسئلہ :- ہمارے زمانہ میں کچھ شرطوں کے ساتھ فاسق کی شہادت قابل قبول ہے |
| " | مسئلہ :- مالی مرہون پر قبضہ کے بغیر رہن لازم نہیں ہوتا مشاع کار رہن درست نہیں ہے۔ | " | مسئلہ :- متاخرین کے نزدیک اندرونی انکوائری کی جگہ گواہوں سے قسم لینی کافی ہے |
| ۱۰۰ | مسئلہ :- بغیر مرتن کی رضامندی کے راہن مال مرہون سے کسی قسم کا فائدہ حاصل نہیں کر سکتا | ۹۵ | حدیث :- انکم فی زمان من ترک منکم عشر ما امر بہ ہلک |
| " | مسئلہ :- راہن مالی مرہون میں کسی طرح کا شرعی تصرف نہیں کر سکتا اگر مالی مرہون کو بیع یا ہبہ وغیرہ کرے گا تو یہ بیع اور ہبہ مرتن کی اجازت پر موقوف رہے گا | " | مسئلہ :- فاسق اہل شہادت ہے حاکم اگر اس کی شہادت کو قبول کر لے تو درست ہے لیکن گناہ گار ہوگا |
| ۱۰۱ | مسئلہ :- مرہون کا نفقہ راہن کے ذمہ واجب ہے | ۹۶ | مسئلہ :- اگر حاکم کی عدالت قریب ہو اور گواہ کو طلب کیا جائے تو جانا لازم ہے، حدیث من کتم شہادۃ الخ |
| " | مسئلہ :- مرہون کی پیدلوار کا مالک راہن ہے مگر مالی رہن کے ساتھ اس کی پیدلوار بھی رہن رہے گی | " | مسئلہ :- اگر گواہ زیادہ بڑھا ہو اور مدعی اس کو سوار ہونے کیلئے کوئی سواری دیدے تو کیا اسکی شہادت قبول کی جاسکتی ہے؟ |
| " | مسئلہ :- مرتن نے مرہون پر جو کچھ خرچ کیا ہوا اس کا حکم | " | مسئلہ :- گواہ کو کھانا کھلانا جبکہ پہلے سے شرط نہ کر لی ہو |
| " | مسئلہ :- راہن مر جائے تو مرتن کا حق مالی مرہون کو فروخت کر کے ادا کیا جائے گا راہن کے وارث مالی مرہون کو میراث میں نہیں لے سکتے۔ | ۹۷ | حدیث :- سر شوت دینے والا اور لینے والا دونوں جہنم میں |
| ۱۰۲ | مسئلہ :- اگر راہن کے قبضہ میں مالی مرہون ہلاک ہو جائے | ۹۸ | مسئلہ :- اگر واقعہ یاد نہ ہو تو صرف اپنی تحریر کو دیکھ کر کیا شہادت دینی جائز ہے |
| | | " | مسئلہ :- کیا یہ جائز ہے کہ حاکم اپنے رجسٹر کے اندراجات پر عمل کرے۔ |
| | | " | حدیث :- اذاریت مثل الشمس فاشہد |

| صفحہ | عنوان | صفحہ | عنوان |
|------|--|------|---|
| ۱۱۲ | حدیث :- ترکست فیکم العقلین مسئلہ :- اللہ کی کتاب اور آل رسولؐ اور فقراء، صوفیہ کا دامن پکڑنا ضروری ہے | ۱۰۳ | اور راہن کی کوئی خطانہ ہو تو کیا اس کو ہلاکت کا ذمہ دار قرار دیا جائے گا یا نہیں حدیث :- لا ایمان لمن لا امامۃ لہ ولادین لمن لا عہد لہ الخ مسئلہ :- شہادت کو پوشیدہ رکھنا حرام ہے |
| ۱۱۳ | مسئلہ :- گناہ کرنے سے دل پر زنگ آجاتا ہے آخرت میں اللہ بھول چوک کا مواخذہ نہیں کرے گا، دنیا میں نسیان اور خطا کو کالعدم نہیں کہا جاسکتا، بھول کر ترک کی ہوئی نماز یا روزہ کی قضاء سجدہ سوء، کفارہ اور قتل خطا کی وجہ سے میراث سے محرومی دنیوی احکام شریعت میں موجود ہے | ۱۰۴ | مسئلہ :- اگر مشہور (مدعی) گواہ کے گواہ ہونے سے ناواقف ہو تو شاہد پر واجب ہے کہ وہ اپنا شاہد ہو نامدعی کو بتا دے |
| ۱۱۳ | مسئلہ :- نماز میں بھول کر کلام کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے | ۱۰۶ | حدیث :- خیر امتی قرنی ثم الذین یلونہم حدیث :- الاخبرکم بخیر الشہداء الخ مسئلہ :- غیر مادی مخلوق بھی ممکنات کی ایک قسم ہے مسئلہ :- قلبی افعال کا مواخذہ ہو سکتا ہے |
| ۱۱۴ | مسئلہ :- کیا بھول کر جماع کرنے سے حج فاسد ہو جاتا ہے مسئلہ :- کیا غلطی سے یا جبر کی وجہ سے دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے | ۱۰۷ | اندرونی برائیوں اور خوبیوں کا بیان حدیث :- من ہم بسیئۃ علم یعمل بہا الخ مسئلہ :- حساب حق ہے |
| ۱۱۴ | مسئلہ :- کیا بھول کر کچھ کھالینے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اور غلطی سے کھالینے سے فاسد ہو جاتا ہے | ۱۰۸ | مسئلہ :- چھوٹے بڑے گناہوں کی سزا دینے کا اللہ کو حق ہے لیکن ان پر عذاب لازم نہیں اللہ جس کو چاہے بخش دے |
| ۱۱۵ | مسئلہ :- کیا ذبح کرتے وقت اگر بسم اللہ کہنی بھول گیا تو ذبیحہ حلال ہے سورہ بقرہ ختم کر کے آمین کہنا مستحب ہے | ۱۰۹ | بعض لوگ بلا حساب جنت میں جائیں گے بلا حساب جنت میں جانے والا اگر وہ صوفیہ اور شیعہ وغیرہم کا ہو گا مسئلہ :- صحابہؓ اور اہل السنۃ والجماعت کے ایمان کی تعریف |
| ۱۱۸ | سورہ آل عمران اللہ کے اسم اعظم کی تحقیق جو دعاء حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ کے اندر کی تھی | ۱۱۱ | بنی اسرائیل کے بہتر فرقے بن جانے کی صراحت (الحدیث) مسئلہ :- ناممکن عمل پر مکلف کرنا شریعت میں وارد نہیں قدرت شرط ہے، قدرت موجود قبل از فعل اور قدرت حقیقی موجود مع الفعل کا فرق حدیث :- ان اللہ تجاوز عن امتی ما وسوست بہ صدورھا |
| ۱۲۰ | اللہ کا اسم اعظم لے کر دعاء کی جائے تو وہ قبول فرماتا ہے فائدہ ایک شبہ اور اس کا ازالہ الفرقان کی تحقیق | ۱۲۱ | فائدہ :- اگر مؤمن نفسانی اور قلبی واردات خبیثہ کو دفع کرنے کی کوشش میں لگا رہے تو مجھے امید ہے کہ واردات خبیثہ پر اس کی گرفت نہ ہوگی |
| ۱۲۱ | اللہ سے زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے | | |

| صفحہ | عنوان | صفحہ | عنوان |
|------|---|------|--|
| ۱۳۸ | حضرت ابن عباسؓ کی حدیث اللہ نے اجسام سے چار ہزار برس پہلے ارواح کو پیدا کیا | ۱۲۲ | اللہ ماں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں جیسی چاہتا ہے بنادیتا ہے حدیث :- ان خلق احدکم بجمع فی بطن امہ اربعین يوماً |
| ۱ | حدیث :- الاسلام ان تشهد ان لا اله الا الله الخ آیت :- شهد الله انه لا اله الا الله الخ | ۱۲۳ | آیات حکمت کی تشریح |
| ۱۳۹ | رسول اللہ ﷺ کی نبوت میں اہل کتاب کے اختلاف کی تفصیل | ۱۲۴ | آیات متشابہات کی تشریح |
| ۱۴۰ | اہل کتاب کا رسول اللہ ﷺ سے مناظرہ کا ذکر نبی ﷺ کے ذمے صرف تبلیغ ہے | ۱۲۵ | ایک شبہ اور اس کا ازالہ |
| ۱۴۱ | حدیث :- ای الناس اشد عذاباً علماء یهود کا تذکرہ | ۱۲۶ | فی قلوبہم زینغ سے کون لوگ مراد ہیں |
| ۱۴۲ | یسودی عالم ابن صوریہ کا ذکر قرآن کا فیصلہ کہ اہل کتاب حق پر نہیں ہیں | ۱۲۷ | آیات حکمت اور متشابہات کی بحث، کیا متشابہات کی تاویل جائز ہے، کیا کسی حکم کو وقت حاجت سے مؤخر کرنا جائز ہے رویت الہی کی بحث |
| ۱۴۳ | یسودیوں کا غلط اعتقاد | ۱۲۸ | متشابہات میں پڑنا دین میں فتنہ ڈالنے کے لئے ہے |
| ۱ | آیت :- قل اللهم مالک المک کی شان نزول | ۱۲۹ | متشابہات کی تاویل سے صرف خدا وقف ہے |
| ۱ | آیت :- قل اللهم مالک المک کی تفسیر | ۱۳۰ | اللہ اور اللہ کے رسول کے درمیان متشابہات ایک راز ہے |
| ۱۴۴ | اللہ کی تحقیق | ۱۳۱ | راسخین فی العلم کون لوگ ہیں |
| ۱۴۵ | مسئلہ :- وجود خالص خیر ہے جو واجب کی طرف سے حاصل ہوئی ہے اور عدم شر ہے جو ممکن کا جزء ذاتی ہے | ۱۳۲ | حدیث :- کوئی قلب ایسا نہیں جو رخن کی چٹکی میں نہ ہو مسئلہ :- وعدہ خداوندی کے خلاف ہونا ناممکن ہے لیکن وعید عذاب کی خلاف ورزی جائز ہے غزوہ بدر کا قصہ |
| ۱ | آیت :- ان الله علی کل شیء قدیر کی تفسیر | ۱۳۳ | بدر کے مجاہدین کی تعداد |
| ۱۴۶ | وہ آیات جو مقبول الشفاعت ہیں | ۱۳۴ | ایک شبہ اور اس کا ازالہ |
| ۱ | آیت :- لا یتخذ المؤمنون الکافرین کی شان نزول | ۱۳۵ | تریزن شہوات کی بحث |
| | فصل | ۱۳۶ | تمطار کی تشریح |
| ۱۴۷ | حب فی اللہ اور بغض فی اللہ، فاسق کی دوستی کی ممانعت | ۱۳۷ | جنت کی نعمتوں کی تفصیل اور اس کی صراحت کہ تمام انسانی مرغوبات جنت میں ملیں گے |
| ۱ | مسئلہ :- تقیہ کی بحث | ۱۳۸ | جنت کی نعمتوں میں ازواج کے خصوصی تذکرہ کی وجہ دنیوی نعمتیں اللہ کو پسند نہیں |
| ۱۴۸ | کفار کی دوستی، خدا کی دوستی سے محروم کر دیتی ہے | ۱۳۹ | حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام سے والمانہ محبت ہونے کا راز |
| ۱۴۹ | آیت :- ان الله یدنی العبد فیضع علیہ کفہ | ۱۴۰ | محض ایمان مستحق مغفرت بنادیتا ہے |
| ۱ | آیت :- ما منکم من احد الا سیکلمہ ربہ | ۱۴۱ | سحر کے وقت استغفار کرنے کا ذکر |
| ۱۵۰ | بندہ کی خدا سے محبت اور خدا کی بندہ سے محبت اللہ سے | ۱۴۲ | اللہ ہر رات دنیوی آسمان کی طرف نزول اجلال فرماتا ہے |
| ۱۵۱ | محبت کے لئے رسول اللہ ﷺ کا اتباع لازم ہے | ۱۴۳ | مستغفرین بالا سجد کی تفصیل |
| ۱ | ایک سوال اور اس کا جواب | ۱۴۴ | |

| صفحہ | عنوان | صفحہ | عنوان |
|------|---|------|---|
| ۱۴۳ | مباہلہ کا بیان اور خلفاء ثلاثہ کے خلیفہ نہ ہونے پر رافضیوں کی دلیل کا رد | ۱۵۲ | آل ابراہیم و آل عمران کی تشریح |
| ۱۴۵ | مسئلہ :- اگر اپنے مذہب کے خلاف صحیح حدیث مل جائے تو حدیث پر عمل واجب ہے | ۱۵۳ | علمین کا معنی |
| ۱۴۶ | حدیث :- لا طاعة للمخلوق فی معصیۃ الخالق علماء اور صوفیہ کے اس قول پر عمل کرنا جس کی شرعی سند نہ ہو جائز ہے یا ناجائز۔ | ۱۵۴ | امر آہ عمران کا قصہ |
| ۱۴۷ | مسئلہ :- قبروں پر مسجدیں بنانا چراغ جلانا اور طواف کرنا ناجائز ہے | ۱۵۵ | گر جا کی خدمت کے لئے لڑ کے کو وقف کئے جانے کا دستور |
| ۱۴۸ | رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک ہر قل کے نام | ۱۵۶ | حدیث :- جو بچہ پیدا ہوتا ہے، پیدائش کے وقت شیطان اس کو مس کرتا ہے سوائے حضرت عیسیٰ کے |
| ۱۴۹ | حضرت جعفرؓ کی حبشہ کو ہجرت اور نجاشی کے سامنے کفار قریش سے مناظرہ | ۱۵۷ | حضرت فاطمہؓ اور آپ کی اولاد کا معصوم ہونا |
| ۱۵۱ | آیت :- ودت طائفة من اهل الكتاب کی شان نزول | ۱۵۸ | حضرت مریمؓ اور حضرت فاطمہؓ کی کراستیں |
| ۱۵۲ | یہودی علماء کی تدبیر مسلمانوں کو دین سے پھیرنے کے لئے کارگر نہیں ہوئی | ۱۵۹ | حضرت مریمؓ علیہا السلام کی پرورش کا واقعہ |
| ۱۵۳ | ہدایت صرف اللہ کی طرف سے ہوتی ہے | ۱۶۰ | حضرت زکریاؓ کا مریمؓ کی کفالت کرنا |
| ۱۵۴ | مسلمان کی امانت داری اور یہودی کی خیانت | ۱۶۱ | حضرت مریمؓ کے پاس رزق جنت سے آتا تھا |
| ۱۵۵ | حدیث :- امرت ان اقاتل الناس حتی یشہدوا الخ | ۱۶۲ | اولیاء اللہ کی کرامت کا ثبوت |
| ۱۵۶ | منافق کی نشانیں | ۱۶۳ | حضرت زکریاؓ کی دعاء |
| ۱۵۷ | بیمین غموس | ۱۶۴ | حضرت زکریاؓ کو حضرت یحییٰؓ کے پیدائش کی بشارت |
| ۱۵۸ | حدیث :- الدواوین ثلثتہ لالعبابہ | ۱۶۵ | حضرت یحییٰؓ کی فضیلت |
| ۱۵۹ | تین آدمی جن سے اللہ بات نہیں کرے گا | ۱۶۶ | حضرت زکریاؓ علیہ السلام کا اپنے بڑھاپے کے باوجود لڑکے کی پیدائش پر اظہار حیرت |
| ۱۶۰ | عبادت خداوندی کا حصر صرف توحید میں ہے | ۱۶۷ | حضرت مریمؓ، حضرت خدیجہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرت آسیہؓ زوجہ فرعون کے فضائل |
| ۱۶۱ | ربانیین کی تشریح | ۱۶۸ | قرعہ اندازی کے لئے دریا میں قلموں کا ڈالنا |
| ۱۶۲ | اللہ کا تمام نبیوں سے عہد و پیمان | ۱۶۹ | لفظ مسیح کی تحقیق |
| ۱۶۳ | ایک انصاری کا مرتد ہونا اور پھر مسلمان ہو جانا | ۱۷۰ | حضرت عیسیٰؓ کی پیدائش |
| ۱۶۴ | ان الذین کفروا بعد ایمانہم الخ کی شان نزول | ۱۷۱ | حضرت عیسیٰؓ کے معجزات اور فضائل |
| ۱۶۵ | حدیث :- يقول الله لاھون اهل النار عذابا | ۱۷۲ | حضرت عیسیٰؓ کو طبعی معجزہ کیوں دیا گیا |
| ۱۶۶ | کفر کی حالت میں مرنا خیرات قبول نہ ہونے کا سبب ہے | ۱۷۳ | حضرت عیسیٰؓ کا مکتب میں جا کر بچوں کو غیب کی باتیں بتانا |
| ۱۶۷ | پارہ لسن تنا | ۱۷۴ | حضرت عیسیٰؓ کی قوم کو تبلیغ |
| ۱۶۸ | آیت :- لن تنالوا البر حتی تنفقوا کی تفسیر، محبوب ترین | ۱۷۵ | حضرت عیسیٰؓ کا اپنے حواریوں کو مدد کے لئے بلانا |
| ۱۶۹ | | ۱۷۶ | ومسکروا ومسکر اللہ کی تفسیر |
| ۱۷۰ | | ۱۷۷ | حضرت عیسیٰؓ کا آسمان پر اٹھایا جانا اور قیامت سے پہلے اترنا |
| ۱۷۱ | | ۱۷۸ | حضرت عیسیٰؓ کے زمین پر اترنے کی تفصیل |
| ۱۷۲ | | ۱۷۹ | حضرت عیسیٰؓ کے آسمان پر اٹھائے جانے کی تفصیل |
| ۱۷۳ | | ۱۸۰ | قیاس بھی ایک شرعی دلیل ہے |

| صفحہ | عنوان | صفحہ | عنوان |
|------|--|------|--|
| ۲۱۶ | انصار کے ابتدائی اسلام کا واقعہ اور عقبہ ثلوی کی بیعت | ۱۹۶ | مال میں سے زکوٰۃ دانا کرنا اور صدقہ دینا |
| ۲۱۷ | مصعب بن عمیر کی تبلیغ اسلام اور ان کی اسلام سے متعلق گفتگو | ۱۹۷ | اگر مقدار واجب سے کم دے گا تو واجب ادا نہ ہوگا |
| ۲۱۸ | عقبہ ثانیہ کی بیعت | ۱۹۸ | زکوٰۃ کس مال پر واجب ہے |
| ۲۱۹ | عقبہ ثانیہ کی بیعت کے بعد شیطان کا چیلنا | ۱۹۹ | کیا آیت میں انفاق سے مراد زکوٰۃ ہے؟ |
| ۲۲۰ | امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، ان لوگوں کا بیان جو دوسروں کو نیکی کی ہدایت کرتے ہیں اور خود اپنے کو بھول جاتے ہیں | ۲۰۰ | حضرت ابو طلحہ کا باغ بیرحاء صدقہ میں دینا |
| ۲۲۱ | ضوابط الہیہ میں سستی کرنے والے کی تمثیل | ۲۰۱ | راہِ خدا میں دینے کا مفہوم کیا ہے |
| ۲۲۲ | ایک سوال اور اس کا جواب | ۲۰۲ | آیت: کُلْ الطَّعَامَ کَانَ حَلَالِیْنِ اسرائیل کی تفسیر |
| ۲۲۳ | مسائل میں علماء کا مختلف الرائے ہونا | ۲۰۳ | آیت: - وَعَلِیْکُمْ بِالصَّدَقِ وَاِیَّاکُمْ وَالْکَذِبِ |
| ۲۲۴ | حدیث: - اختلاف العلماء رحمة | ۲۰۴ | اللہ پر جھوٹ باندھنے والے ہی ظالم ہیں |
| ۲۲۵ | آیت: - فَاَمَّا الَّذِیْنَ اَسْوَدَتْ وُجُوهُہُمْ مِّنْ بَدْعِیْ | ۲۰۵ | آیت: - اول بیت وضع سے مراد کعبہ ہے |
| ۲۲۶ | مراد ہیں اسی طرح حدیث انی علی الحوض میں پرے روکے جانے والوں سے مراد بدعتی ہیں | ۲۰۶ | سب سے پہلی مسجد مسجد حرام کس نے بنائی اور کیسے بنی؟ |
| ۲۲۷ | حدیث: - با ادر و ابالاعمال فتننا | ۲۰۷ | کعبہ اور بیت المقدس وغیرہ میں نماز کے فضائل، کیا یہ حکیم |
| ۲۲۸ | حدیث: - لا یدخل الجنة احد اعمله | ۲۰۸ | فضیلت صرف فرض نماز کے سلسلہ میں ہے یا عام ہے؟ |
| ۲۲۹ | امت محمدیہ اور صحابہ کی فضیلت | ۲۰۹ | بیت اللہ کا احترام احادیث اور آیات کی روشنی میں |
| ۲۳۰ | امت محمدیہ کے مردان ہدایت کی قوت ارشاد | ۲۱۰ | مسجد حرام میں داخل ہونے والا مومن ہے |
| ۲۳۱ | حدیث: - اندرون ما الایمان باللہ وحدہ | ۲۱۱ | حج کی فرضیت اور شرائط ائمہ کا باہمی اختلاف مع دلائل |
| ۲۳۲ | حدیث: - نماز عشاء کو دیر سے پڑھنے کے متعلق کافروں اور بدعتیوں سے اندرونی دوستی رکھنے کی ممانعت | ۲۱۲ | کیا عورت بلا تحریم کے حج کر سکتی ہے؟ |
| ۲۳۳ | کافروں سے دوستی کا جواز بشرطیکہ مسلمانوں سے اسلام کی وجہ سے ان کو دشمنی نہ ہو | ۲۱۳ | حج میں توشہ لے جانا واجب ہے |
| ۲۳۴ | حدیث: - هل نفعنا اباطالب شینا الخ | ۲۱۴ | ترک حج پر سخت وعید |
| ۲۳۵ | صابر متقی اور اللہ پر بھروسہ رکھنے والے کو دنیا کی کوئی طاقت ضرر نہیں پہنچا سکتی | ۲۱۵ | کعبہ کی صورت اور حقیقت |
| ۲۳۶ | غزوہ احد کے لئے رسول اللہ ﷺ کا برآمد ہونا اور غزوہ احد کے متعلق آیت کا نازل ہونا | ۲۱۶ | نماز و قرآن کی صورت و حقیقت |
| ۲۳۷ | غزوہ بدر کا مجمل تذکرہ | ۲۱۷ | انصار میں پھوٹ پیدا کرانے کیلئے یہودیوں کی فتنہ انگیزی |
| ۲۳۸ | بنو قریظہ کا محاصرہ | ۲۱۸ | حدیث: - انی تارک فیکم کتاب اللہ و اہل بیتی |
| ۲۳۹ | احد کی لڑائی میں حضرت جبریلؑ و حضرت میکائیلؑ کا | ۲۱۹ | اہل بیت اور ان علماء کا ذکر جو ہدایت کے قطب ہیں |
| | کافروں سے لڑنا | ۲۲۰ | تقویٰ کا حق دل اور نفس وغیرہ کی تو نگری ہے |
| | | ۲۲۱ | کمال ولایت کیا ہے؟ |
| | | ۲۲۲ | اسلام ہی پر تہمدی موت ہو، اس کی تشریح |
| | | ۲۲۳ | اجماع کے اتباع کا حکم |
| | | ۲۲۴ | اس امت کے تتر فتر فتنے بننے کی صراحت |
| | | ۲۲۵ | اسلام میں اول ترین بغاوت |
| | | ۲۲۶ | مکروہ انصار پر اللہ کا احسان |
| | | ۲۲۷ | حدیث: - ان اللہ یرضی لکم ثلاثا ویبغض لکم ثلاثا |

| صفحہ | عنوان | صفحہ | عنوان |
|------|---|------|---|
| ۲۸۱ | احد کے شہیدوں کی نماز رسول اللہ ﷺ نے آٹھ برس کے بعد پڑھی | ۲۴۰ | آیت :- لیس لک من الامر شیء کا شان نزول |
| ۴ | نماز سے کیا مراد ہے؟ | ۴ | احد کے دن رسول اللہ ﷺ نے کافروں پر لعنت کی اور بعض قبائل کیلئے بددعاء کی، اس کی ممانعت میں آیت کا نزول |
| ۲۸۲ | غزوہ ہمراء الاسد کا بیان | ۲۴۲ | سود کھانے کی ممانعت، سود کھانے سے دل میں ایسی سختی پیدا ہو جاتی ہے کہ انجام کار کفر تک پہنچا دیتی ہے |
| ۲۸۳ | غزوہ بدر صغریٰ کا ذکر | ۴ | حدیث :- بادر و ابالاعمال سبعا |
| ۲۸۴ | حدیث :- کچھ مانگو تو اللہ سے مانگو اور مدد چاہو تو اللہ سے چاہو | ۲۴۳ | سختاوت کی فضیلت |
| ۲۸۵ | حدیث :- سب سے اچھا آدمی کون سا ہے فرمایا جس کی عمر لمبی ہو اور اعمال اچھے ہوں | ۲۴۴ | غصہ کو ضبط کرنے کا ذکر |
| ۲۸۸ | بخل اور ترک زکوٰۃ پر وعید | ۴ | احسان اور حسن سلوک اللہ کو مرغوب ہے |
| ۲۸۹ | حدیث :- قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے | ۲۴۵ | استغفار اور صلوة استغفار کا بیان |
| ۲۹۲ | کعب بن اشرف کو قتل کرنے کے لئے محمد بن مسلمہ اور ابو نائلہ کا جانا | ۲۴۶ | حدیث :- استغفار کرنا لاگناہ پر قائم رہنے والا نہیں ہوتا۔ |
| ۲۹۵ | مسئلہ :- کیا رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے کی وجہ سے کبھی معاذ کافر کو قتل کرنا جائز ہے | ۴ | حدیث :- گناہوں پر قائم رہتے ہوئے استغفار کرنے والا ایسا ہے جیسے کوئی خدا سے مذاق کرے۔ |
| ۲۹۷ | صبر کیا ہے؟ کیا صبر کافروں سے انتقام لینے کے منافی ہے | ۲۵۲ | صغائر پر جملہ بڑا کبیرہ ہو جاتا ہے |
| ۲۹۸ | علم کو چھپا رکھنے کی ممانعت | ۲۵۵ | جنگ احد کا بیان |
| ۳۰۰ | بیار، نماز پہلو کے بل یا چت لیٹ کر پڑھے | ۲۵۹ | کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے اعمال کا مقصد صرف شکر ادا کرنا ہوتا ہے، ان کو دنیا سے یا آخرت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا |
| ۳۰۱ | فکر کا معنی | ۲۶۲ | مسئلہ :- مسلمانوں کو مصائب میں مبتلا کرنا اللہ کی مہربانی ہے |
| ۴ | اللہ کی ذات میں تفکر کرنے کی ممانعت | ۲۶۳ | مسئلہ :- جنگ احد میں فرار ہونے کی وجہ سے صحابہؓ پر طعن کرنا جائز نہیں۔ |
| ۴ | اللہ کا ذاتی علم نہ حصولی ہے نہ حضوری بلکہ سب سے وراء ہے | ۲۶۵ | حدیث :- من تشبه بقوم فهو منهم |
| ۳۰۸ | حدیث :- فاجر پر رشک نہ کرو | ۲۶۶ | باہم مشورہ کرنے کا حکم |
| ۴ | حدیث :- دنیا آخرت کے مقابلہ میں ایسی ہے، جیسے کوئی سمندر میں اپنی انگلی ڈبو لے | ۲۶۸ | توکل کیا ہے؟ |
| ۳۰۹ | حدیث :- حضرت عمرؓ نے عرض کیا تھا کہ کسریٰ اور قیصر تو ایسے عیش و راحت میں ہیں اور آپ رسول خدا ہوتے ہوئے ایسی حالت میں | ۲۶۹ | مال غنیمت میں چوری کرنے پر وعید |
| ۴ | حدیث :- دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے | ۲۷۱ | قریش اور عرب کے فضائل |
| ۴ | نجاشی کے جنازہ کی غائبانہ نماز کا ذکر | ۲۷۲ | احد کے شہیدوں کی تعداد |
| ۳۱۰ | صبر رکھنا، جنگ میں ثابت قدم رہنا، فوج کی دیدہ بانی کرنا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا منتظر رہنا | ۲۷۳ | مسئلہ :- کیا شہید کے درجہ کو کوئی اور بھی پہنچ سکتا ہے |
| ۴ | سورہ آل عمران کے فضائل | ۲۷۴ | چاہ معونہ کو بھیجے ہوئے جہادی دستہ کا ذکر |
| ۴ | | ۲۷۵ | باجرایع علماء شہید کو غسل نہ دیا جائے، اگر کوئی شخص بحالت جنابت شہید ہوا ہو تو کیا اس کو غسل دیا جائے گا |
| | | ۲۷۸ | شہید کے جنازہ کی نماز کے متعلق ائمہ کا اختلاف |
| | | ۲۷۹ | احد کے شہیدوں کی نماز پڑھی گئی؟ |

| صفحہ | عنوان | صفحہ | عنوان |
|------|---|------|---|
| ۳۳۴ | والدین کا حکم | | سورة النساء |
| ۳۳۶ | مسئلہ :- مال کا حصہ ایک تہائی سے گھٹ کر چٹا کب ہوتا ہے | ۳۱۳ | حدیث :- عورتیں آدم کی پبلی سے پیدا ہوئی ہیں |
| ۱ | مسئلہ :- اگر جید صحیح میت کے بھائی بہنوں کے ساتھ | | رشتہ قرابت جوڑنے اور توڑنے کا بیان |
| ۴ | موجود ہو تو کیا حکم ہے | ۳۱۴ | حدیث :- لایتم بعد الاحتلام |
| ۳۴۱ | مسئلہ :- جد و صحیحہ کا حکم | ۳۱۵ | مسئلہ :- پیام نکاح دینے والا جس عورت سے نکاح کرنا |
| ۴ | مسئلہ :- ترکہ سے تعلق رکھنے والے حقوق کی ترتیب | ۳۱۶ | چاہتا ہے اس کا چہرہ دیکھ سکتا ہے |
| ۲ | مسئلہ :- ایک تہائی ترکہ میں وصیت کا نفاذ | ۳۱۸ | چار عورتوں سے زیادہ کو نکاح میں رکھنا جائز نہیں |
| ۳۴۲ | حدیث :- جب کوئی جنت میں داخل ہوتا ہے تو اپنے ماں | ۳۱۹ | مسئلہ :- اگر مسلمان ہونے کے وقت چار عورتوں سے |
| ۱ | باپ بیوی اور ولاد کے متعلق سوال کرتا ہے | | زیادہ یادو بہنیں اس کے نکاح میں ہوں تو کیا کرے ؟ |
| ۳۴۳ | حدیث :- وارث کے لئے وصیت نہیں | ۳۲۰ | مسئلہ :- غلام کے لئے دو عورتوں سے زیادہ کو نکاح میں |
| ۱ | شوہر اور بیوی کا حکم | | رکھنا جائز نہیں، نکاحوں کی کثرت افضل ہے اور جوش |
| ۳۴۵ | اخینائی بھائی بہن کی میراث | | شہوت سے مغلوب کے لئے نکاح فرض ہے |
| ۴ | مقدار وصیت، اور وارثوں کی میراث کی کاٹ | ۳۲۱ | عدل نہ کر سکنے کی صورت کا حکم |
| | فصل | ۳۲۲ | مسئلہ :- نکاح شغار (یعنی تور) کا نکاح ناجائز ہے |
| ۱ | وصیت کے اقسام | ۳۲۳ | مسئلہ :- اپنا کل مال بیوی بچوں کو دے کر خود ان کا دست |
| ۳۴۷ | مسئلہ :- عول کی بحث | | نگہ بن جانا جائز نہیں |
| ۳۴۸ | مسئلہ :- عصبہ کے اقسام | ۳۲۴ | مسئلہ :- لڑکے اور لڑکی کا بالغ ہونا |
| ۳۴۹ | مسئلہ :- رد کی بحث | ۳۲۵ | مسئلہ :- سادہ لوح بے وقوف کو مالی تصرفات سے روک |
| ۳۵۰ | مسئلہ :- اگر فرضیت اور عصبیت دونوں وجوہ استحقاق جمع | | دینے کا حکم |
| ۱ | ہو جائیں تو کیا حکم ہے | ۳۲۶ | مسئلہ :- ہو شمند اگر سادہ لوح ہو جائے تو کیا حکم ہے |
| ۴ | مولی عتاقہ کی وراثت کب ثابت ہوگی | ۳۲۷ | مسئلہ :- قرض داری کی وجہ تصرفات سے روک دینا |
| ۴ | مسئلہ :- ذوی الارحام کی بحث | ۳۲۸ | مسئلہ :- کیا ادائے قرض کے لئے قرض دار مفلس کی |
| ۴ | ذو جہتین (یعنی عصبہ اور اہل فرض) کا حکم | | اجازت درست ہے |
| ۳۵۲ | مسئلہ :- ذوی الارحام کے اقسام | ۳۲۹ | مسئلہ :- کیا یتیم کے سر پرست کے لئے یتیم کا مال کھانا |
| ۴ | مسئلہ :- قاتل کو میراث نہیں مل سکتی، امام ابو حنیفہ کے | | جائز ہے |
| ۳۵۳ | نزدیک قتل عمد اور قتل خطاء میں کوئی فرق نہیں | ۳۳۰ | آیت :- لدرجال نصیب مما ترک الوالدان کا |
| ۴ | مسئلہ :- نہ مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے نہ کافر مسلمان کا | | شان نزول |
| ۳۵۴ | مسئلہ :- عیسائی یہودی کافر اور یہودی عیسائی کا وارث ہوتا ہے | ۳۳۱ | آیت :- واداحضر القسمة اولوا القربی والیتمی |
| ۳۵۵ | مسئلہ :- انبیاء کسی کے وارث نہیں ہوتے نہ کوئی ان کا | | الح کی تشریح اور یتیم کا مال کھانے کی ممانعت |
| | وارث ہوتا ہے | ۳۳۲ | تقسیم میراث کے مسائل |
| | زنا اور اس کی سزا | ۳۳۳ | میت کی اولاد اور میت کے بیٹے کی اولاد کا حکم |

| صفحہ | عنوان | صفحہ | عنوان |
|------|--|------|---|
| ۳۶۶ | مس بالشہوۃ سے بھی مصاہرت حرام ہو جاتی ہے | ۳۵۵ | مسئلہ :- لواطت اور اس کی سزا |
| ۴ | نسبی اور رضاعی محرمات کے مسائل | ۳۵۷ | ایک شبہ اور اس کا ازالہ |
| ۳۶۷ | کتنا ہی کم دودھ پیا ہو حرمت رضاعت ہو جاتی ہے | ۴ | توبہ کر لینے کے بعد اذیت نہ دی جائے |
| ۳۶۸ | شیر خواری کی مدت کے بعد عورت کا دودھ پینے سے | ۳۵۸ | سانس کا غرہ ہونے یا مغرب کی جانب سے سورج نکلنے |
| ۱ | حرمت رضاعت نہیں ہوتی | ۳۶۱ | سے پہلے توبہ قبول ہو سکتی ہے اس مضمون کی احادیث |
| ۳۷۰ | مسئلہ :- شیر خواری کی مدت دو سال ہے | ۴ | بہت زیادہ مہر مقرر کرنے کا بیان |
| ۳۷۲ | مسئلہ :- وہ خسرانی عورتیں جن سے نکاح حرام ہے | ۳۶۲ | رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیوں اور بیبیوں کے مہر کا ذکر |
| ۴ | مسئلہ :- دو بہنوں کو نکاح میں جمع رکھنا حرام ہے | ۳۶۴ | مسئلہ :- جماع سے مہکا وجوب ہوتا ہے یا خلوت صحیحہ سے |
| ۴ | مسئلہ :- دودھ پلانے والی آنکا اعزاز اور رضاعی رشتہ داروں | ۳۶۵ | مسئلہ :- باپ کی منکوحہ سے نکاح حرام ہے |
| ۴ | کے رشتہ کو قطع کرنے کی حرمت | | زنا باعث حرمت مصاہرت ہے |

..... تفسیر مظہری اردو جلد ۲ ❀

❀ پارہ تک الملک (البقرة) ❀

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تِلْكَ الرُّسُلُ

تِلْكَ سے مرسلین کی جماعت کی جانب اشارہ ہے آیت مندرجہ بالا وَ اِنَّكَ لَمِنَ الرُّسُلِ سے جماعت مرسلین کا علم ہو چکا تھا الرسل میں لام استغرائی ہے (یعنی تمام پیغمبر) تِلْكَ موصوف ہے۔ الرسل اس کی صفت ہے۔ دونوں کا مجموعہ مبتدا ہے اور فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ خبر ہے۔

فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ

(ہم نے) مذکورہ بالا پیغمبروں کی جماعت میں سے ایک کو دوسرے پر برتری عطا فرمائی) (لغت میں) فضل کا معنی ہے کسی صفت میں زیادتی یعنی وصف مشترک میں ایک چیز کا دوسری چیز سے بڑھ جانا لیکن عرف اور اصطلاح میں فضل ایسے کمال کی زیادتی کو کہتے ہیں جس پر دنیا میں ستائش اور آخرت میں ثواب مرتب ہو۔ اب اگر ایک میں مخصوص طور پر ایک کمال ہو اور دوسرے میں خصوصیت کے ساتھ دوسرا کمال تو فی الجملہ ہر ایک کو دوسرے پر برتری حاصل ہو جاتی ہے یعنی (جد اجدا) دینیو ستائش اور اخروی ثواب کا استحقاق دونوں کو حاصل ہوتا ہے لیکن پوری پوری فضیلت اسی کو حاصل ہوتی ہے جس کو ثواب اور قرب الہی زیادہ حاصل ہو تمام انبیاء اور پیغمبر اگرچہ وصف رسالت و نبوت میں شریک ہیں اور سب کو اجر و ثواب کا استحقاق ہے لیکن کثرت ثواب اور مراتب قرب میں ان کے آپس میں اتنا تفاوت ہے کہ اللہ کے سوا کوئی بھی اس سے واقف نہیں ہاں اللہ کے بتانے سے ہی اس کا علم ہو سکتا ہے چنانچہ ارشاد ہے :

مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ

ان میں سے کوئی تو وہ تھا جس سے اللہ نے کلام کیا۔ اہل تفسیر کہتے ہیں اس سے مراد حضرت موسیٰ ہیں کیونکہ اللہ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے متعلق ہی فرمایا ہے فَلَمَّا جَاءَ مُوسٰی لِمِيقَاتِنَا وَ كَلَّمَهُ رَبُّہُ الخ لیکن اس آیت سے تو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت موسیٰ کو ہی یہ فضیلت دی گئی تھی (ہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہونا اس سے ثابت ہوتا ہے پس ہو سکتا ہے کہ اللہ نے کسی دوسرے پیغمبر سے بھی کلام کیا ہو) اسی لئے بعض لوگ کہتے ہیں کہ آیت مذکورہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ دونوں مراد ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے طور پر کلام کیا اور حضور سرور کائنات فخر موجودات (علیہ التحیۃ والسلام) سے شب معراج میں جبکہ بقدر دو کمانوں کے یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا تھا اس وقت اللہ نے اپنے بندہ کو وحی سے سرفراز فرمایا ان دونوں حالتوں اور کلاموں میں عظیم الشان تفاوت ہے۔

وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ

(اور کوئی وہ تھا جس کو بمراتب بلندی عطا فرمائی) یعنی بعض کو بعض پر یا بعض کو باقی تمام پر بہت درجے؟ اونچا کر دیا بعض انبیاء کو بعض پر بمراتب بلندی تو بہت سے انبیاء کو حاصل ہوئی تھی رسولوں کو انبیاء پر فضیلت عطا کی گئی تھی پھر اُولُوا الْعِزْمِ رسولوں کو دوسرے رسولوں پر بھی بہت رفعت حاصل تھی لیکن تمام رسولوں اور پیغمبروں پر برتری صرف رسول ﷺ کو حاصل ہوئی تھی۔ اس قول کا ثبوت احادیث سے ہوتا ہے اور اسی پر اجماع امت ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میں بنی آدم کا سردار ہو گا اور (میرا یہ کلام بطور) فخر نہیں ہے۔ میرے ہاتھ میں حمد کا پھر برا ہو گا اور (میرا یہ قول بھی بطور) فخر نہیں ہے آدم کی تمام اولاد اور اس کے علاوہ دوسرے بھی میرے ہی جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور زمین پھٹ کر سب سے پہلے قبول کی جائے گی۔ احمد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ کچھ صحابی بیٹھے باتیں کر رہے تھے حضور اقدس ﷺ برآمد ہوئے اور صحابیوں کو باتیں کرتے سنا۔ ایک صاحبؓ کہہ رہے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے اپنا خلیل بنالیا تھا۔ دوسرے نے کہا موسیٰ علیہ السلام سے اللہ نے کلام کیا۔ تیسرے نے کہا عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ اور روح اللہ تھے۔ چوتھے بولے آدم علیہ السلام کو صلی اللہ بنالیا تھا۔ حضور ﷺ نے برآمد ہو کر فرمایا میں نے تمہاری تعجب آگیاں باتیں سنیں کہ ابراہیمؑ خلیل اللہ تھے بیشک وہ ایسے ہی تھے اور موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ تھے واقعی وہ ایسے ہی تھے اور عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ اور روح اللہ تھے حقیقت میں وہ ایسے ہی تھے اور آدم علیہ السلام صلی اللہ تھے وہ اسی طرح تھے لیکن میں حبیب اللہ ہوں (ﷺ) اور میرا یہ کلام بطور) فخر نہیں۔ میں ہی جنت کی زنجیر سب سے پہلے کھٹ کھٹاؤں گا اور اللہ میرے لئے جنت کو کھول دیگا اور مجھے اندر داخل فرمائے گا۔ اس وقت میرے ساتھ فقراء مسلمین بھی ہو گئے اور (یہ بات بطور) فخر نہیں۔ میں اللہ کے ہاں تمام اگلوں پچھلوں سے زیادہ معزز ہوں اور (یہ کلام بھی بطور) فخر نہیں۔ (ترمذی و دارمی)۔

حضرت جابر راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں قائد مسلمین ہوں اور (یہ کلام بطور) فخر نہیں۔ میں خاتم النبیین ہوں اور (یہ کلام بطور) فخر نہیں میں سب سے اول سفارش کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے میری سفارش مانی جائے گی اور (یہ بات بھی بطور) فخر نہیں۔ (دارمی) حضرت ابی بن کعب راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کا دن ہو گا تو میں انبیاء کا امام خطیب اور ان کی طرف سے سفارشی ہو گا اور کوئی فخر نہیں۔ (ترمذی) حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زمین پھٹ کر سب سے اول میں ہی برآمد ہو گا اور مجھے جنت کا خلعت پہنایا جائے گا۔ پھر عرش کے دائیں جانب اس مقام پر میں کھڑا ہو گا کہ میرے سوا اس جگہ پر مخلوق میں سے کوئی کھڑا نہ ہو گا۔ (ترمذی)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (میرے لئے) اللہ سے وسیلہ طلب کرو صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وسیلہ کیا چیز ہے فرمایا جنت کا سب سے اونچا درجہ ہے جس پر صرف ایک شخص پہنچے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ پہنچنے والا میں ہی ہو گا، (ترمذی) یہ تمام احادیث اگرچہ آحاد ہیں لیکن معنی کے لحاظ سے ان میں توازن ہے اور امت اسلامیہ نے ان کو مانا ہے۔

امام محی السنۃ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ان جیسے تمام معجزات دیئے گئے تھے جو دوسرے پیغمبروں کو الگ الگ دیئے گئے تھے اور اس مجموعہ معجزات کے علاوہ بھی آپ کو معجزات عطا فرمائے گئے تھے جیسے انگلی کے اشارہ سے چاند کا پھٹ جانا۔ آپ کے جدا ہونے کی وجہ سے ستونیاں حنظلہ کا روٹنا پتھروں اور درختوں کا آپ کو سلام کرنا چوپایوں کا کلام کرنا اور آپ کی رسالت کی شہادت دینا۔ آپ کی انگلیوں کے درمیان سے فوارہ کی طرح پانی کا پھوٹ کر نکلنا، ان کے علاوہ بی شمار معجزات تھے جن میں سب سے نمایاں قرآن مجید ہے جس کی مثل پیش کرنے سے آسمان و زمین کے باشندے عاجز رہے اس بیان کے بعد بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر نبی کو کوئی ایسا معجزہ دیا گیا جو دوسرے انسانوں کی قدرت سے خارج تھا اور مجھے جو معجزہ عطا کیا گیا وہ اللہ کا کلام ہے جو میرے پاس وحی کے ذریعے سے بھیجا گیا پس مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے متبعین کی تعداد زیادہ ہوگی۔ (بخاری و مسلم)۔

بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے بحوالہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں عطا کی گئیں ایک ماہ کی مسافت تک میرا رب ڈال کر میری مدد کی گئی زمین

کو میرے لئے مسجد اور پاک قرار دیا گیا لہذا میری امت میں سے جس کسی کو (جہاں) نماز کا وقت آجائے وہ (وہیں) نماز پڑھ لے (خواہ مسجد ہو یا گھر یا صحرا وغیرہ) میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا مجھ سے پہلے کسی نبی کے لئے حلال نہیں کیا گیا اور مجھے شفاعت (کا حق) دیا گیا اور ہر نبی کو صرف اسی کی قوم کی ہدایت کے لئے بھیجا جاتا رہا مگر مجھے سب لوگوں کی ہدایت کیلئے بھیجا گیا۔ (متفق علیہ)

بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چھ امور میں مجھے انبیاء پر برتری عطا فرمائی گئی مجھے الفاظ جامعہ (یعنی ایسے الفاظ جو باوجود مختصر ہونے کے معانی کثیرہ اور حقائق عظیمہ کو حاوی ہوں) دیئے گئے دشمنوں کے دلوں میں رعب ڈال کر میری مدد کی گئی۔ مال غنیمت میرے لئے حلال کیا گیا۔ میرے لئے زمین کو مسجد اور پاک قرار دیا گیا۔ مجھے تمام مخلوق (جن و انس) کے لئے بھیجا گیا۔ مجھ پر انبیاء کو ختم کر دیا گیا، (مسلم) اس بحث کی تفصیل بہت طویل ہے مگر مقام مفصل بیان کی اجازت نہیں دیتی اس موضوع پر بڑی بڑی کتابیں تصنیف کی جا چکی ہیں۔

وَإِذْ نَادَىٰ عِيسَىٰ ابْنَ مَرْيَمَ الْبَنَاتِ
عِيسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَظَرْتُ فِيكِ سَائِمَةً لِّمَا كُنتَ فِي الْكَافِرِينَ
اور عیسیٰ بن مریمؑ کو ہم نے کھلے ہوئے معجزات عطا کئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پالنے کے اندر ہی لوگوں سے باتیں کیں آپ مادر زاد نابینا اور برص کی بیماری والے کو تندرست کر دیا کرتے تھے۔ آپ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے اور آسمان سے آپ پر خوان اتار دیتے تھے۔

وَإِذْ نَادَىٰ بِرُوحِ الْقُدُسِ
(اور جبریل علیہ السلام کے ذریعہ سے ہم نے اس کی مدد کی تھی) اس کی تشریح پہلے گزر چکی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہودی حد سے زیادہ آپ کی توہین کرتے تھے (نعوذ باللہ حرامی بچہ کہتے تھے) اور عیسائی آپ کی تعظیم میں بہت آگے بڑھ چکے تھے (نعوذ باللہ خدا کا بیٹا کہنے لگے تھے)۔

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَقْتَلْنَا الْكَافِرِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ يَنْفَرُونَ
(مفعول مخدوف ہے) یعنی اگر اللہ سب لوگوں کو ہدایت کرنا چاہتا تو
مِنْ بَعْدِهِمْ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ
لیکن اللہ نے اپنی جلالی و جمالی صفات اور اپنے مختلف اسماء (مثلاً ہادی، مضل، غفار، قہار، منتقم اور غفوکا ظہور چاہا اس لئے (کفر و اسلام اور ہدایت و گمراہی میں) لوگ مختلف ہو گئے۔

فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ
پس کچھ تو ایمان لے آئے (یعنی اللہ نے اپنی مہربانی سے دین انبیاء کا پابند رہنے کی ان کو ہدایت، توفیق عطا فرمادی) یہ وہی لوگ تھے جن کا دین اللہ کی صفت ہدایت کا مظہر قرار پایا۔
وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ
اور کچھ وہ لوگ ہوئے جنہوں نے کفر کیا یعنی اللہ نے تقاضائے عدل کے تحت انکی مدد نہیں کی۔ یہ وہی لوگ تھے جن کا دین اللہ کی صفت اضلال کا مظہر قرار پایا۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا پھر ان پر اپنا نور ڈالا پس جس نے وہ نور پالیا ہدایت یاب ہو گیا اور جو نور کو نہ پاس کا وہ گمراہ ہو گیا اسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ علم الہی کے مطابق قلم (لکھ کر) خشک ہو گیا، (احمد و ترمذی)۔

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَقْتَلْنَا
اس جملہ کا دوبارہ ذکر اوّل جملہ کی تاکید کے لئے ہے۔
وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ
لیکن اللہ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے اس پر اعتراض کرنا درست نہیں۔

کوئی اس کی حکمت کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ بغوی کا بیان ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی بن ابی طالب سے دریافت کیا امیر المؤمنین مجھے تقدیر کی حقیقت بتا دیجئے۔ فرمایا یہ تاریک راہ ہے اس پر نہ چل۔ اس نے مکرر سوال کیا آپ نے فرمایا یہ گہرا سمندر ہے اس میں داخل نہ ہو اس نے سوال کا پھر اعادہ کیا تو فرمایا یہ پوشیدہ راز ہے اس کی جستجو نہ کر۔ یعنی حقیقت تقدیر ناقابل فہم ہے

انسانی دانش کی وہاں تک رسائی نہیں جس طرح گہرے سمندر میں گھسنا اور تاریک راہ میں چلنا تب ہی آفریں ہے اسی طرح اس حقیقت (سربستہ) کی جستجو ہلاکت انگیز ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں نے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے جس نے تقدیر کے معاملہ میں کچھ گفتگو کی اس سے قیامت کے دن باز پرس ہوگی اور اگر کچھ نہ کہا تو سوال نہ ہوگا۔ (ابن ماجہ)۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر اللہ تمام آسمان و زمین کے رہنے والوں کو عذاب دے تو اس کا عذاب ظلم نہ ہوگا اور اگر سب پر رحم فرمائے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہوگی (یعنی اعمال موجب سزا ہیں اور مجرم کو سزا دینا ظلم نہیں اور رحم کرنا اس کی مہربانی ہے اور مہربانی اعمال کے زیر اثر نہیں بلکہ اعمال سے بہتر ہوگی اگر تم کو وہ احد کے برابر سونا راہ خدا میں خرچ کرو تو اللہ قبول نہیں فرمائے گا۔ تاوقتیکہ تمہارا ایمان تقدیر پر نہ ہو اور جب تک تم کو اس کا یقین نہ ہو کہ جو کچھ تم کو پہنچنے والا ہے وہ پہنچ کر رہے گا اور نہیں پہنچنے والا ہے تو نہیں پہنچے گا۔ اگر اس عقیدہ کے خلاف دوسرے عقیدہ پر مرد گے تو دوزخ میں جاؤ گے۔ حضرت ابن مسعود اور حضرت خدیفہ بن یمان رضی اللہ عنہم کے اقوال بھی اسی مضمون کے مردی ہیں بلکہ حضرت زید بن ثابت نے تو فرمان نبوی اسی مضمون کا بیان کیا ہے۔ (احمد ابوداؤد، ابن ماجہ)۔

..... ایک شبہ

آیت مذکورہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ بعض انبیاء بعض سے افضل تھے لیکن حضرت ابوسعید و حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ کے پیغمبروں کے درمیان (باہمی) تفصیل نہ کرو۔ دوسری روایت میں ہے کہ ایک کو دوسرے پر برتری نہ دو (تخین) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے موسیٰ (علیہ السلام) سے برتر نہ کو ایک دوسری حدیث میں فرمایا میں قائل نہیں کہ کوئی بھی یونس بن مٹی سے افضل ہے (متفق علیہ)۔

..... ازالہ

حضور ﷺ کی مراد یہ ہے کہ جب تک اللہ نہ بتا دے خود اپنی رائے سے دلیل شرعی کے بغیر ایک پیغمبر کو دوسرے پر فضیلت دینا جائز نہیں کیونکہ فضیلت کا معنی کثرتِ ثواب اور قربِ خداوندی کے زیادتی کے علاوہ اور کچھ نہیں اور انسانی رائے سے اس کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا ہاں اگر قرآن یا حدیث سے بعض انبیاء کی بعض پر فضیلت ثابت ہو تو تفصیل بین الانبیاء میں کوئی حرج نہیں ہے اب اگر دلیل فضیلت قطعی ہو تو تفصیل شخصی کا عقیدہ رکھنا واجب ہے اور اگر دلیل متن حدیث یا اسناد حدیث کے لحاظ سے ظنی ہو جس میں غلطی کا احتمال ہو سکتا ہو تب بھی تفصیل بین الانبیاء کا عقیدہ رکھنے میں کوئی گناہ نہیں اسی پر انبیاء کے علاوہ دوسروں کو قیاس کرنا چاہئے کہ دلیل ظنی کی بنا پر کسی عالم (صحابی، تابعی وغیرہ) کو دوسرے عالم پر فضیلت دینے میں کوئی حرج نہیں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ مؤخر الذکر دونوں حدیثیں اس وقت کی ہوں جبکہ رسول اللہ ﷺ کو تمام انبیاء پر اپنی فضیلت معلوم نہ ہوئی ہو، واللہ اعلم۔

مسئلہ :- معتزلہ کا قول ہے کہ جو چیز بندوں کے لئے اصل یعنی زیادہ مفید ہے اس کو کرنا خدا پر واجب ہے اہل سنت کہتے ہیں کہ اللہ پر کوئی چیز لازم نہیں تمام حوادث اس کی مشیت کے تابع ہیں وہ سب کچھ کر سکتا ہے اچھا یا برا الی ایمان ہو یا کفر اس آیت سے اہل سنت کے قول کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام آدمیوں کے دل ایک آدمی کے دل کی طرح رخص کی چٹکی میں ہیں جس طرح چاہتا ہے موڑ دیتا ہے اس کے بعد حضور ﷺ نے دعا کی اے اللہ! اے دلوں کو پھیر دینے والے ہمارے دلوں کو اپنی طاعت کی طرف پھیر دے (مسلم، احمد، ترمذی، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت انس کی روایت سے اور امام احمد نے

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی یہ حدیث نقل کی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ
کو خرچ کرنا تم پر واجب کر دیا ہے اس کو خرچ کرو۔

مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ
اس دن کے آنے سے پہلے جس میں تم اپنے قصور کی تلافی اور عذاب خداوندی سے بچاؤ
نہیں کر سکو گے۔

لَا بَيْعٌ
کیونکہ اس روز خرید و فروخت نہ ہوگی کہ مال حاصل کر کے راہ خدا میں خرچ کر سکو یا عذاب سے اپنی جانوں کو
بچانے کے لئے بطور عوض مال دے سکے۔

فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ
اور نہ دوستی ہوگی کہ دوست تمہاری مدد کر سکیں یا دوستی کی وجہ سے چشم پوشی کر سکیں۔
وَلَا شَفَاعَةٌ

(اور نہ بغیر اذن خدا سفارش ہوگی) ابو عمر و اور ابن کثیر نے اس آیت میں لا کے بعد تینوں لفظوں پر اور
نورہ ابراہیم کی آیت لَا يَتَّبِعُ فِيهِ وَلَا خِلَالٌ میں دونوں لفظوں پر اور سورہ طور کی آیت لَا تَلْعَوُ فِيهَا وَلَا تَأْتِيهِمْ میں دونوں
لفظوں پر فتح بغیر تینوں کے پڑھا ہے اور اصل استعمال یہی ہے (یعنی لافنی جنس کے لئے ہے اور یہی لا کا اصل استعمال ہے باقی
قاریوں نے ہر جگہ لا کے بعد رفع مع تینوں پڑھا ہے کیونکہ یہ سوال مخدوف کا جواب ہے سوال ہوتا تھا کہ کیا اس روز بیع یا دوستی یا
سفارش ہو سکے گی اس کا جواب دیا اس روز نہ بیع ہوگی نہ دوستی نہ سفارش۔

وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ
اور کافر ہی بیجا حرکتیں کرنے والے ہیں عبادت بے محل کرتے ہیں اور مالی
صرف بے محل کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں اللہ کے احکام کی تعمیل نہیں کرتے اور اپنی جانوں کو عذاب خداوندی میں مبتلا کرتے ہیں
اس طرح وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ پس اے ایمان والو! تم ان کی طرح نہ بنو۔ یا آیت میں الکافرون سے مراد وہ کافر ہیں
جو زکوٰۃ کی فرضیت کے منکر تھے۔

بیضاویؒ نے لکھا ہے الکافرون سے مراد وہ زکوٰۃ نہ دینے والے ترک زکوٰۃ کی برائی کی شدت کو ظاہر کرنے کے لئے
زکوٰۃ نہ دینے کو کفر سے تعبیر کیا۔ جیسے چچہ کرنے کو کفر کرنے سے تعبیر کیا ہے اور من لم یحجج کی جگہ من کفر فرمایا ہے نیز
آیت وَيَلِّ لِّلْمُشْرِكِينَ الَّذِينَ لَا يَأْتُونَ الزَّكَاةَ میں عدم ادائے زکوٰۃ کو مشرکوں کی صفت قرار دیا ہے اور یہ اشارہ کیا ہے کہ
ترک زکوٰۃ کافروں کی خصوصیت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی وفات کے بعد عرب مرتد
ہو گئے اور کہنے لگے ہم زکوٰۃ نہیں دیں گے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر یہ اونٹ کی ٹانگ باندھنے کی رسی دینے سے
بھی انکار کریں گے تو میں ان کے خلاف جہاد کروں گا میں نے کہا اے جاننشین رسول اللہ ﷺ لوگوں کو ملائے رکھئے ان سے نرمی
کیجئے فرمایا تم جاہلیت میں تو بڑے پکے تھے (اب) اسلام میں کیا ضعیف ہو گئے یقیناً وحی ختم ہو گئی دین کامل ہو گیا تو کیا میری زندگی
میں دین میں نقصان ہو سکے گا۔ (واہ زین)۔

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ
(یعنی عبادت کا مستحق اللہ ہی ہے اس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں۔ اسی کا دانا بینا
شنو اور صاحب قدرت و ارادہ ہونا درست ہے اور تمام مناسب صفات اس کیلئے لازم ہیں وہ خود ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا
اور اس کی تمام صفات بھی ازلی ابدی ہیں کیونکہ عدم فعلیت اور امکان سے وہ پاک ہے پس حیات ہی اس کی تمام صفات کمالیہ کا
سرچشمہ ہے۔

الْقَيُّومُ
(مخلوق کو تھامنے والا) عمرو بن مسعود کی قرات میں الْقَيَّامُ اور علقمہ کی قرات میں الْقَيِّمُ ہے۔ بغویؒ
نے لکھا ہے ان تمام الفاظ کا معنی ایک ہی ہے۔ قیوم کا معنی ہے نگران (ابن مجاہد) یا ہر نفس کے اعمال کا نگران (کلبی) قیوم کا ترجمہ
منتظم بھی کیا گیا ہے۔ ابو عبیدہؒ نے کہا قیوم کا معنی ہے غیر فانی، بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ قیوم وہ ہے جو ہمیشہ مخلوق کی حفاظت اور
تدبیر کرنے والا ہو سیوطی نے ترجمہ کیا ہے ہمیشہ باقی رہنے والا میں کہتا ہوں ان تمام اقوال کا مشترک معنی یہ ہے کہ اللہ لازوال

ہے بذات خود موجود ہے دوسری چیزوں کی نگرانی کرنے اور ہستی کو قائم رکھنے والا ہے اس کے بغیر کسی چیز کی بقاء اور ہستی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، اللہ کے قیوم ہونے کا تقاضا ہے کہ جس طرح ہر چیز اپنی ہستی کے لئے خدا کی محتاج ہے اسی طرح بقائے ہستی میں بھی اس سے بے نیاز نہیں ہے جس طرح سایہ اصل شے کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ کائنات اللہ کی محتاج ہے شانِ اعلیٰ اللہ کی ہی ہے۔

لَا تَأْخُذُكَ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ (اس کو نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند) اونگھ کا ذکر نیند سے پہلے کیا باوجودیکہ زور بیان کا تقاضا تھا کہ نیند کا ذکر اونگھ سے پہلے کیا جاتا (کیونکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو نیند نہیں آتی نیند تو نیند اونگھ بھی نہیں آتی) طرزِ بیان مذکور کی وجہ یہ ہے کہ وجود خارجی کے لحاظ سے اونگھ نیند سے پہلے ہوتی ہے اونگھ اعصاب دماغی کی وہ سستی ہوتی ہے جو نیند کا پیش خیمہ ہوتی ہے اور نیند اس استرخائی کیفیت کو کہتے ہیں جو مرطوب بخارات کے چڑھنے سے دماغی اعصاب میں پیدا ہو جاتی ہے اور پٹھوں کے اس ڈھیلے پن کی وجہ سے ظاہری حواس (بیرونی) احساس سے بیکار ہو جاتے ہیں۔

آیت مذکورہ میں صفتِ سلیمہ کا اظہار ہے جس سے تشبیہ (مخلوق سے مشابہت) کی نفی ہو رہی ہے گویا اللہ کے جی قیوم ہونے کی یہ تائید ہے۔ نیند موت کی بہن ہے جس کو نیند یا اونگھ آتی ہے اس کا (بیرونی) نظامِ زندگی درست نہیں رہتا وہ اشیاء کی حفاظت اور نگہداشت سے (نیند کے اوقات میں) قاصر ہو جاتا ہے اسی لئے اَلْقِيَوْمَ لَوْ لَا تَأْخُذُكَ دُرِّمِیَانِ حَرْفِ عَاطِفٍ نَحْنُ لَآیَا (کیونکہ حرفِ عطف مغایرت برداشت کرتا ہے اور یہاں فقہانِ نوح اللہ کی قیومیت کی دلیل ہے) حضرت ابو موسیٰ اشعرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے مجمع میں کھڑے ہو کر پانچ باتیں فرمائیں۔ فرمایا کوئی شک نہیں کہ اللہ نہیں سوتا اور نہ سوتا اس کیلئے زیبا ہے وہ میزان کو نیچا اونچا کرتا ہے اسکے سامنے رات کے اعمال دن کے اعمال سے پہلے لائے جاتے ہیں اور دن کے اعمال کی پیشی رات کے اعمال (آنے) سے پہلے ہو جاتی ہے۔ اس کا حجاب نور ہے اگر پردہ نور الٹ جائے تو اس کے انوارِ جمال حدِ نگاہ تک مخلوق کو سوختہ کر دیں، (مسلم)۔

لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے یہ جملہ اللہ کی قیومیت کی تائید اور توحید الوہیت کی دلیل ہے مراد یہ ہے کہ زمین و آسمان کی حقیقت کا جن اجزاء سے قوام ہوا ہے یا وہ اشیاء جو آسمان و زمین کے قوامی اجزاء تو نہیں ہیں مگر ان کے اندر موجود ہیں سب کی سب اللہ ہی کی ہیں اَلَا تَرَ لَہُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا فِیْہِنَّ کَمَا جَا تَا تُو مَفْہُومٌ مَذکور اس جملہ سے پورے طور پر ادا نہیں ہوتا۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ (اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے کون سفارش کر سکتا ہے) یہ عظمتِ خداوندی کا اظہار ہے اور اس امر کا بیان ہے کہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے برابر اور ہمسر نہیں کہ خود سفارش کر کے اللہ کے عذاب کو دور کر سکے مقابلہ کر کے عذاب کو روک دینے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْہِمْ وَمَا خَلْفَہُمْ (وہی ان کے سامنے کی اور پیچھے کی چیزوں کو جانتا ہے) یعنی ان سے پہلے کی اور بعد کو آنے والی چیزوں کو یا ان چیزوں کو جانتا ہے جن کو انسان جانتے ہیں اور ان چیزوں کو بھی جن کو انسان نہیں جانتے یا ان چیزوں کو جانتا ہے جن کو لوگ لیتے یا ترک کرتے ہیں کسی چیز کو انداز کر دینا بتاتا ہے کہ انداز کرنے والے نے اس چیز کو پس پشت پھینک دیا۔ ہم کی ضمیر مافی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ کی طرف راجع ہے مافی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ عاقل اور بے عقل دونوں کو شامل ہے لیکن اہل عقل کو بے عقل مخلوق پر ترجیح دے کر ایسی ضمیر ذکر کر دی جو اہل عقل کے لئے مخصوص ہے اور بے عقل مخلوق اہل عقل کے ذیل میں آگئی یا ہُمْ کی ضمیر ذاک کی طرف راجع ہے (جو مَنْ ذَا الَّذِیْ میں مذکور ہے) اور ذاک سے مراد ہیں انبیاء اور ملائکہ۔

وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ عِنْدَہٗ (اور اہل علم اللہ کے علم کے کسی حصہ کا احاطہ نہیں کر سکتے) یعنی اللہ کے معلومات کے کسی حصہ کو پورے طور پر نہیں جان سکتے۔ اللہ کو ہر چیز معلوم ہے پھر مینِ علم کی قید لگانے سے اس بات پر

تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ کوئی علمی احاطہ نہیں کر سکتا۔ احاطہ علمی کی نفی سے مراد ہے ایسے علم کامل کی نفی جو تمام اشیاء کی حقیقت کو محیط ہو۔ علم محیط صرف باری تعالیٰ کی خصوصیت ہے کسی مخصوص چیز کی حقیقت کا کامل علم بطور قدرت ممکن ہے کہ کسی کو ہو جائے لیکن تمام اشیاء کی حقیقت کوئی نہیں جانتا علم سے مراد وہ علم غیب ہے جو اللہ کے لئے مخصوص ہے یعنی اللہ کے علم غیب کے کسی حصہ کو کوئی احاطہ کے ساتھ نہیں جانتا۔

إِلَّا بِمَا شَاءَ (ہاں جس چیز کا علم اللہ دینا چاہے) تو اس کو مخلوق کا علم محیط ہوتا ہے اور اس کا علم اللہ نے خود ارشاد فرمایا ہے وَمَا أَوْتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ط وَلَا يُحِيطُونَ میں واو حالیہ ہے اور يَعْلَمُ کی ضمیر فاعلی ذوالحال ہے۔ یا داؤ عاطفہ ہے دونوں جملوں کا مجموعہ بتا رہا ہے کہ محیط کل اور ہمہ گیر علم ذاتی اللہ کی خصوصیت ہے اور یہ اللہ کی وحدانیت کا ثبوت ہے اس لئے دونوں جملوں کے درمیان حرف عطف کو ذکر کیا۔

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (اس کی کرسی آسمانوں اور زمینوں کو اپنے اندر سمائے ہوئے ہے) بیضاوی نے لکھا ہے یہ کھنکھناتہ کی تصویر کشی مقصود ہے ورنہ واقع میں نہ اللہ کی کرسی ہے اور نہ وہ کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کرسی سے مراد علم ہے مجاہد کا بھی یہی قول ہے صحیفہ علمی کو کراستہ اسی وجہ سے کہتے ہیں بعض علماء کا قول ہے کہ کرسی سے مراد حکومت اور اقتدار سے مراد وہ کرسی حکومت کو عرب کرس کہتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اگر کرسی کا معنی علم یا اقتدار قرار دیا جائے تو آیت لہ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ يَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ کے بعد جملہ مذکورہ کا ذکر بے سود ہوگا (کیونکہ آیت مذکورہ کا ابتدائی حصہ اللہ کے اقتدار پر اور آخری حصہ اللہ کے کمال علمی پر دلالت کر رہا ہے)۔

محدثین کا مشہور قول یہ ہے کہ کرسی ایک جسم ہے (جس میں لسانی، چوڑائی اور موٹائی ہے) بغوی کا بیان ہے کہ کرسی (کے مصداق) میں علماء کا اختلاف ہے حسن کا قول ہے کہ کرسی ہی عرش ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ کرسی عرش کے سامنے قائم ہے اور آیت وَسِعَ الْكُرْسِيُّ کا مطلب یہ ہے کہ کرسی کی وسعت زمین اور آسمان کی وسعت کے برابر ہے۔

ابن مردویہ رحمۃ اللہ نے حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا فرمان نقل کیا ہے کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں کرسی کے مقابلہ میں ایسی ہیں جیسے کسی بیابان میں کوئی چھلا پڑا ہو اور کرسی سے عرش کی بڑائی (بھی) ایسی ہے جیسے چھلے سے بیابان کی بڑائی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول مروی ہے کہ کرسی کے اندر ساتوں آسمان ایسے ہیں جیسے کسی ڈھال میں سات درہم ڈال دیئے جائیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور مقاتل رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ کرسی کے ہر پایہ کا طول ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کے برابر ہے کرسی عرش کے سامنے ہے کرسی کو چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں ہر فرشتے کے چار منہ ہیں ان فرشتوں کے قدم ساتویں نخلی زمین کے نیچے پتھر پر ہیں یہ مسافت پانچ سو برس کی راہ کے برابر ہے ایک فرشتہ کی شکل ابوالبشر یعنی حضرت آدم کی طرح ہے جو سال بھر تک آدمیوں کے لئے رزق کی دعا کرتا رہتا ہے۔ دوسرے فرشتے کی صورت چوپایوں کے سردار یعنی بیل کی طرح ہے۔ چوپایوں کے لئے سال بھر رزق مانگتا رہتا ہے لیکن جب سے گوسالہ کی پوجا کی گئی اس وقت سے اس کے چہرہ پر کچھ خراشیں ہو گئی ہیں تیسرے فرشتے کی صورت درندوں کے سردار شیر کی طرح ہے جو سال بھر درندوں کے لئے رزق کا طالب رہتا ہے چوتھے فرشتے کی صورت پرندوں کے سردار یعنی گدھ کی طرح ہے جو پرندوں کے لئے سال بھر رزق کا سوال کرتا رہتا ہے۔

بعض احادیث میں آیا ہے کہ حاملین عرش اور حاملین کرسی کے درمیان ستر حجاب تاریکی کے اور ستر حجاب نور کے ہیں اور ہر حجاب کی موٹائی پانچ سو برس کی راہ کے برابر ہے اگر یہ حجابات نہ ہوں تو کرسی کے اٹھانے والے عرش کو اٹھانے والوں کے نور سے سوختے ہو جائیں۔

اصل میں کرسی صرف اتنی ہی جگہ کو کہتے ہیں جس پر بیٹھا جاتا ہے نشست گاہ سے فاضل جگہ کو کرسی نہیں کہا جاتا گویا لفظ کرسی "کرس" سے بنا ہے کرس کا معنی ہے کسی چیز کے اجزاء کو باہم جوڑ دینا۔ کرسی، عرش اور بیت کی نسبت خدا کی طرف کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ چیزیں ایک خاص قسم کے جلوہ الہی کے لئے مخصوص ہیں۔

آیت فَسَوَّاهُنَّ سَمَوَاتٍ کی تفسیر کے ذیل میں ہم نے لکھا ہے کہ عرش کی شکل کا کردی ہوتا اور اس کا آسمانوں کو محیط ہونا حدیث سے مستنبط ہے لیکن اس جگہ حضرت ابوذرؓ کی روایت مذکورہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ کرسی آسمانوں کو محیط ہے اور عرش کرسی کو گھیرے ہوئے ہے اور بعض آسمان بعض کا احاطہ کئے ہوئے ہیں اس قول کا تقاضا ہے کہ ہر آسمان بھی کردی ہو اسی لئے بعض لوگ قائل ہیں کہ آٹھواں آسمان کرسی ہے اور نواں آسمان عرش، لیکن اللہ نے جو آسمانوں کی تعداد سات بتائی ہے اور عرش و کرسی کا شمار آسمانوں میں نہیں کیا اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ دوسرے آسمانوں سے عرش و کرسی کی ماہیت جدا ہے اور خاص تجلیات کے لحاظ سے ان کو دوسرے آسمانوں سے امتیاز حاصل ہے، واللہ اعلم۔

۱۔ ہیئت قدیم کے یونانی اور مصری علماء کہتے تھے جیسا کہ سچ شد اور شرح چغنی وغیرہ کتب میں مذکور ہے کہ مجموعہ عالم کی شکل کردی ہے گویا یہ کائنات ایک پیاز کی گانٹھ ہے جس کے تیرہ پرت ہیں اور ہر چھلکا اپنے اندرونی چھلکوں کو محیط ہے سب کو محیط فلک الافلاک یا فلک اطلس ہے اس کے اندر فلک ثوابت ہے اس کے نیچے فلک زحل پھر فلک مشتری پھر فلک مریخ پھر فلک شمس پھر فلک زہرہ پھر فلک عطارد پھر فلک قمر گویا فلک قمر فلک دنیا ہے اور ہماری جانب سب سے اول یہی ہے اور آخری انتہائی نواں آسمان فلک الافلاک ہے فلک قمر کے نیچے کرہ ہارے اور کرہ ہارے کے نیچے کرہ ہوا اور کرہ نیچے پانی اور پانی کے نیچے زمین اور یہی زمین مرکز عالم ہے، علماء ہیئت قدیم افلاک کو تیرہ حصہ کرتے تھے قرآن مجید اور احادیث مقدسہ میں عرش کرسی اور سبع سموات کے الفاظ آئے ہیں سبع سموات کے ساتھ طباقاً کا لفظ بھی مذکور ہے کچھ علماء اسلام نے یونانی ہیئت و فلسفہ کی صداقت تسلیم کرنے میں امتناع کیا کہ قرآن مجید کی عبارت کو بھی اس کے مطابق بنانے کی ضرورت کو شش کی، کچھ احادیث کے اشارات یا صراحتوں کو اپنے مطلب کی تائید میں لے آئے فصولاً و اضلاً و اعراضاً اور کرسی کی آٹھواں آسمان بنادیا، طباقاً کا ترجمہ تیرہ کر دیا، عرش و کرسی کو الگ ذکر کرنے کی وجہ ماہیات کے امتیاز اور خصوصی تجلیات کی بارش کو قرار دیا لیکن فلسفہ قدیم تو آسمانوں کو ازلی ابدی قدیم بالغیر کہتا ہے عمر میں خدا کے برابر قرار دیتا ہے ان کا پھنسا اور پھر جوڑا جانا محال سمجھتا ہے بلکہ مادہ عناصر کو بھی لازوال کہتا ہے اور زمانہ کو بھی حادث نہیں مانتا، فلسفہ کا وہ کون سا عقیدہ اور فکر یہ ہے جو قرآنی صراحت یا حدیث کی عبارت سے جوڑ کھا سکتا ہے پھر صرف ترتیب عالم کے سلسلہ میں قرآنی صراحت اور وحی غیر منطوق کی عبارت کو ہیئت قدیم کے مطابق بنانے کی کوشش مملکت نہیں تو اور کیا ہے کیا یہ تفسیر بالرائے نہیں اگر فلسفہ اور ہیئت کو قرآن کے مطابق بنانے کی کوشش کی جاتی تو پھر بھی یہ کادش قابل برداشت ہوتی، سودمند نہ ہوتی مگر تباہ کن بھی نہیں ہوتی مگر قرآن کو توڑنا اور بے مزہ تادیلیں کر کے فلسفہ سے جوڑنا تو قرآن کو باز پچھ حکماء بنادے گا، کسی فلسفہ کو اصل صداقت کا حامل نہیں قرار دیا جاسکتا، ایک فلسفہ دوسرے کی تکذیب کرتا ہے جدید قدیم کو داستان پارینہ قرار دیتا ہے، موجودہ سائنس افلاک کو محیط مانتی ہی نہیں سات آسمان نہیں دس کرہ آسمان کہتی ہے تیس کرہ زمینیں قرار دیتی ہے وہ کہتی ہے چالیس کرہ گیندیں خلاء میں فطری ضابطہ جذب کے زیر اثر معلق ہیں کوئی اونچی کوئی نیچی دکھائی دیتی ہے واقع میں نہ کوئی لوہے نہ نیچے کوئی خنسی ہی نہیں پھر تحت اور فوق کا حقیقہ تصور ہی نہیں کیا جاسکتا، ہر کرہ کا دوسرے کرہ سے فاصلہ لاکھوں کرہوں میل بلکہ بعض کا فاصلہ تو ناقابل احاطہ ہے، اس کا حساب کرنے سے علم حساب عاجز ہے، کوئی کرہ اتنا چھوٹا ہے کہ ہمارے ایک دن ایک رات میں اس کی دوری حرکت پوری ہو جاتی ہے کوئی اتنا بڑا ہے کہ اس کی دوری حرکت ہمارے پچیس ہزار سال میں پوری ہوتی ہے، یہ ساری فضا مادہ سیال یا چمکدار برقیات سے بھری ہوئی ہے، ہر کرہ اپنے محور پر گھوم رہا ہے، زمین بھی گھوم رہی ہے، بڑے بڑے سیارے ہیں چاند، سورج، مریخ، زحل، مشتری، عطارد، زہرہ باقی سیاروں کی کامل شناخت آلات اور مراصد پر موقوف ہے چالیس کرہوں میں بھی کائنات کا حصہ نہیں یہ آخری کتنی نہیں جتنا معلوم ہوا ہے وہ بہت قلیل حصہ ہے، خدا جانے نامعلوم کتنا باقی ہے کیا سائنس کے یہ مسلمات غلط ہیں ممکن ہے کچھ وہم کی کارپردازی ہو کچھ حقیقت ثابت ہو جس زمانہ میں جس فلسفہ نے جو کچھ کہا صحیح سمجھ کر ہی کہا کہ، فلسفہ کا یونانی رد و بدل ہو تا رہے گا اور ہو تا رہا ہے لیکن حقیقت قرآنیہ اپنی جگہ ثابت ہے ناقابل تغیر ہے، فلسفہ قدیم یا (بقیہ اگلے صفحہ پر)

وَلَا يَكُونُ
حِفْظُهُمَا

(یہ لفظ آود سے ماخوذ ہے آود کا معنی ہے کچی)

(یعنی آسمان و زمین یا کرسی اور کرسی کے اندر سمائی ہوئی چیزوں کی حفاظت کا اللہ پر بار نہیں پڑتا، ان کی نگہداشت اللہ کو تھکا نہیں دیتی)، یہ اور اس سے پہلے کا جملہ اللہ کی علمی وسعت اور اس کی عمومی واقفیت کی ہمہ گیری کا بیان ہے یا مرتبہ خداوندی کی عظمت و جلال اور اس کی قیومیت محیطہ کا اظہار ہے مذکورہ بالا دونوں جملے ایک ہی جملہ کا حکم رکھتے ہیں اور چونکہ گزشتہ کلام میں سے ہر جملہ سابق جملہ کی تاکید اور توضیح ہے (گویا ایک ہی کلام کے متعدد اجزاء ہیں) اس لئے کسی جملہ کا دوسرے پر عطف نہیں کیا۔

وَهُوَ الْعَلِيُّ

(اللہ ہر مثل اور نظیر سے برتر و بالا ہے) کوئی کسی طور پر اس کی طرح نہیں نہ ذات کے لحاظ سے نہ اوصاف کے لحاظ سے۔ تعریف کرنے والے اس کی تعریف کرتے ہیں اور بیان کرنے والے اس کے اوصاف بیان کرتے ہیں لیکن وہ ہر تعریف اور بیان سے برتر ہے اس کی شان وہی ہے جو اسی کے لئے ذیبا ہے۔

الْعَظِيمُ

وہ اتنی عظمت والا ہے کہ تمام کائنات اس کے مقابلہ میں بے مقدار ہے۔ آیت الکرسی میں خصوصیت کے ساتھ اللہ کی ذات و صفات کے مباحث بیان کئے گئے ہیں یہ آیت بتا رہی ہے کہ اللہ ہی کا وجود اصلی اور حقیقی ہے اسکی ہر صفت کامل ہے اس کی حیات اور حیات کی تابع دوسری صفات مثلاً علم، قدرت، ارادہ، سنا، دیکھنا اور کلام کرنا سب ہی اوصاف کمال ہیں وہ ساری کائنات کو ہستی اور قوام ہستی عطا کرنے والا ہے ہر چیز کا قیام اسی کی ذات سے ہے لیکن یہ قیام ایسا نہیں جیسا عرض کا جو ہر کے ساتھ ہوتا ہے بعض اکابر کا قول ہے کہ عالم ایک مجموعہ اعراض ہے جو ذات واحد میں جمع ہیں اس قول سے دھوکہ ہو سکتا ہے کہ ذات خداوندی سے عالم کا قیام اس طرح ہے جس طرح جوہر کے ساتھ عرض کا قیام ہوتا ہے مگر یہ مطلب غلط ہے قیام عالم باللہ کی کیفیت ناقابل تصور ہے خیال کی پسنائیاں اس کو نہیں سمجھ سکتیں قیام کے مفہوم کی قریب الفہم تعبیر کے لئے ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ اللہ ہماری رگ و جان سے بھی زیادہ قریب ہے مگر یہ قریب مکانی نہیں، نہ حلوئی ہے اللہ احتیاج مکانی اور حلول سے پاک ہے ہر تغیر اور ضعف سے منزہ ہے مالک الملک والملکوت ہے، اسکی گرفت بہت سخت ہے اس کا انتقام ناقابل برداشت ہے اس کی اجازت کے بغیر کوئی اس سے سفارش بھی نہیں کر سکتا۔ اس کا علم

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) تحقیقات جدیدہ کے موافق بنانے کے لئے آیات و احادیث میں تاویل بارود کرنا مذہبی افلاس کا ثبوت اور عقلی دہشت زدگی کی علامت ہے۔

قرآن مجید میں سبع سموات کلمہ حصر نہیں کہ زیادتی کا انکار کیا جائے نہ مزید کی کوئی خاص شمار بتائی ہے کہ تعداد کو محدود کر دیا جائے طباقاً کا ترجمہ نہ برت محض احتمال ہے احتمال سے تعین نہیں ہوتی طباقاً عن طبق کا ترجمہ نہ برت نہیں درجہ بدرجہ ہے طباقاً کا ترجمہ بھی درجہ بدرجہ ہو سکتا ہے اور یہ ترتیب درجات بھی اضافی اور عری ہے حقیقی فوق و تحت کو تسلیم کرنا ضروری نہیں غیر محاذی اشیاء میں زیر و زبر اور بالا و پست کا تصور بلکہ وقوع ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ احاطہ کا قول غلط ہو اور تاثیر جذب کے زیر اثر تمام کروی اجسام جدا جدا معلق ہوں، حدیث معراج میں ایک آسمان کا دوسرے آسمان سے فاصلہ پانسو برس کی راہ کے برابر بتایا گیا ہے اگر یہ طباقاً کے لفظ کے منافی نہیں تو پھر تمام کرات کو جدا جدا اور درجہ بدرجہ قرار دینا کیوں طباقاً کے مفہوم کے خلاف قرار دیا جاسکتا ہے، حضرت ابو ذر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بھی احاطہ کرسی صراحتہ ثابت ہوتا ہے نہ استنباطاً کیونکہ اس میں عظمت کرسی کی تصویر کشی کی گئی ہے، دوسرے آسمانوں کو کرسی کے مقابلہ میں اتنا چھوٹا دکھایا گیا ہے جیسے سپر کے اندر سات چھلے یا صحراء میں ایک چھلا زیادہ ہے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ کرسی سموات کو محیط ہے لیکن یہ احاطہ محتاج تاویل ہے جسمانی احاطہ ہے یا اقتدار اور حکم کا احاطہ یا عظمت و بزرگی کا احاطہ کوئی تعین از خود نہیں کی جاسکتی اللہ ہر چیز کو محیط ہے کیا یہ احاطہ جسمانی ہے یا قدرت حکمت اور علم کا احاطہ ہے یا حکم اور اقتدار کا احاطہ ہے اہل ایمان کے قلوب کا رخنہ کی چٹکی میں ہونا کیا قلوب کے جسمانی احاطہ پر دلالت کرتا ہے پھر وسعت کرسی کو جسمانی جوف سے تعبیر کر اور فلک ہشتم کو ہر طرف سے سموات کو محیط ماننا فلسفہ قدیم سے شکست خوردگی کی علامت نہیں تو اور کیا ہے، پس مسلک اس فقیر کی نظر میں یہ ہے کہ احادیث مقدسہ اور قرآن مجید کی صراحتوں میں کوئی ایسی تاویل اور تعین اور خواہ مخواہ ایسا استنباط نہ کیا جائے جس کا مقصود ہی فلسفہ سے تطبیق ہو، ہاں اگر کوئی فلسفہ قرآنی صراحت کی تائید کر رہا ہو تو اس کو شہادت میں پیش کیا جاسکتا ہے، واللہ اعلم۔

ہمہ گیر ہے ہر ظاہر اور پوشیدہ چیز کی حقیقت کو ہر طرح محیط ہے اس کی معلومات کا علم کسی کو نہیں ہاں اگر وہی کچھ بتادے تو ہو سکتا ہے اس کی حکومت اور قدرت سے کوئی چیز خارج نہیں وہ بعض مخلوق پر جلوہ انداز ضرور ہوتا ہے لیکن یہ برتو افگنی اس کی ذاتی برتری میں رخنہ انداز نہیں ہوتی کوئی امر دشوار اس کے لئے تعب آفریں نہیں ہوتا کسی شے میں مشغولیت اس کو دوسری چیز سے غافل نہیں بنا سکتی وہ تمام نامناسب اوصاف سے پاک اور کل حمد کرنے والوں کی ستائش سے برتر ہے۔ وہ رسول مکرم ﷺ جس کے دست مبارک میں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا ہو گا خود ذات الہی کی حمد کا حق ادا کرنے سے قاصر تھا اسی لئے اس نے (اپنی دعا میں) کہا تھا تو دیا ہی ہے جیسی تو نے اپنی شاکہ ہے۔ اللہ کی عظمت کے سامنے ہر چیز حقیر ہے۔ اس کی بزرگی پورے طور پر کوئی عالم نہیں جانتا نہ کسی عابد کی عبادت اللہ کی عظمت کا حق ادا کر سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی عبادت کے قصور کا اقرار کیا ہے فرمایا ہے ہم نے تیری عبادت تقاضائے عبادت کے برابر نہیں کی اسی لئے جب حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ قرآن میں سب سے بڑھ کر عظمت والی آیت کونسی ہے فرمایا آیت **الْحَمْدُ لِلّٰهِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ** ۱۱ بسم اللہ۔ عرض کیا گیا سب سے زیادہ عظمت والی سورت کونسی ہے فرمایا قل ھو اللہ احد (دارہ برایت معنی بن عبد اللہ) حارث بن اسامہ رضی اللہ عنہ نے بروایت حسن مرسل بیان کیا کہ سب سے بڑھ کر عظمت والی آیت آیت الکمری ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابوالمزدر (رضی اللہ عنہ) اللہ تعالیٰ کی کتاب کی سب سے زیادہ عظمت والی آیت کونسی ہے میں نے عرض کیا اللہ لا الہ الا ھو الحق القیوم حضور ﷺ نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا تجھ کو علم مبارک ہو۔ پھر فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس آیت کی ایک زبان اور دو لب ہیں پایہ عرش کے پاس فرشتہ اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے۔ (مسلم)

میں کہتا ہوں شاید اس آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ فرشتے اس آیت کی تلاوت کر کے اللہ کی تقدیس کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ عالم مثال میں ہر چیز کی ایک صورت ہے یہاں تک کہ قرآن کی آیات قرآن کی اور رمضان کی بھی (عالم مثال میں) شکلیں معین ہیں۔ ابن مردویہ نے بروایت حضرت ابن مسعود اور ابن راہویہ نے اپنی مسند میں بروایت حضرت عوف بن مالک اور امام احمد و امام مالک نے بروایت حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ آیت والکمری آیات قرآنی کی سردار ہے (ترمذی و حاکم) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آیت والکمری (ثواب میں) چوتھائی قرآن (کی برابر) ہے (احمد) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص آیت الکمری اور **حَمْدٌ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ** کی دو آیتیں صبح کو پڑھے گا وہ دن بھر شام تک محفوظ رہے گا اور جو شام کو پڑھے گا وہ رات بھر (اللہ کی) امان میں صبح تک رہے گا۔ (رواہ الترمذی والداری) ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے رمضان کی زکوٰۃ کے مال کی حفاظت پر مامور فرمایا (رات کو) کوئی آکر لب بھر بھر کر غلہ اٹھا کر لینے لگا میں نے اس کو پکڑ لیا اور اس سے کہا میں تجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے کر جاؤں گا وہ بولا میں محتاج ہوں، عیالدار ہوں بڑا ضرورت مند ہوں میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا حضور ﷺ نے فرمایا ابوہریرہ رات والے تمہارے قیدی کا کیا ہوا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس نے اپنی سخت محتاجی اور عیال داری کا دکھ ظاہر کیا تھا مجھے اس پر رحم آگیا میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ فرمایا آگاہ ہو جاؤ اس نے تم سے جھوٹ بولا آئندہ وہ پھر لوٹ کر آئے گا یہ سن کر مجھے اس کے دوبارہ آنے کا یقین ہو گیا۔ چنانچہ میں اس کی تاک میں رہا وہ آیا اور پھر لب میں غلہ بھرنے لگا فوراً میں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا اب تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تجھے ضرور لے کر جاؤں گا۔ اس نے پہلے کی طرح پھر وہی بات کہی کہ مجھے چھوڑ دو الخ۔

اور (صبح کو) رسول اللہ ﷺ نے بھی وہی بات فرمائی جو پہلے فرمائی تھی آخر تیسری بار (جب وہ پھر چوری کرنے آیا تو) میں نے کہا یہ آخری بار ہی ہے تو دوبارہ نہ آنے کا وعدہ کرتا ہوں پھر واپس آتا رہا (اب تو میں تجھے ضرور ہی لے جاؤں گا) اس نے

کہا تم مجھے چھوڑ دو۔ میں تم کو چند لفظ ایسے سکھاتا ہوں جن سے اللہ تم کو فائدہ عطا فرمائے گا۔ جب تم اپنے بستر پر (رات کو لیٹنے کے لئے) جاؤ تو آیہ الکرسی اللہ لا الہ الا انت سبحانک انی اعوذ بک من الخوف والهم والحزن لیا کرو تمہاری نگہداشت کے لئے اللہ کی طرف سے ایک نگران مقرر رہے گا پھر صبح تک کوئی شیطان تمہارے پاس آنے نہ پائے گا۔ میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ صبح کو خدمت گرامی میں پہنچا تو حضور ﷺ نے فرمایا تمہارا رات والا قیدی کیا ہوا۔ میں نے عرض کیا حضور اس نے کہا میں تم کو چند لفظ ایسے بتاتا ہوں کہ ان کے ذریعہ سے اللہ تم کو فائدہ عطا فرمائے گا۔ ارشاد فرمایا سنو وہ ہے تو جھوٹا مگر اس نے یہ بات تم سے سچ کہی کیا تم واقف ہو کہ تین راتوں سے تم کس سے گفتگو کرتے رہے۔ میں نے عرض کیا نہیں فرمایا وہ شیطان ہے (بخاری) نسائی، ابن حبان اور دارقطنی نے بروایت حضرت ابو امامہ اور شعب الایمان میں بیہقی نے بروایت حضرت صلصالؓ ویکھی و حضرت علیؓ بن ابی طالب مرفوعاً بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے گا اس کو (حجاب) موت کے علاوہ جنت کے داخلہ سے اور کوئی چیز روکنے والی نہ ہوگی۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ جو شخص بستر خواب پکڑتے وقت آیت الکرسی پڑھے گا اللہ اس کے گھر کو اس کے ہمسایہ کے گھر کو اور گرد گرد کے دوسرے گھر والوں کو اپنی امان میں رکھے گا۔ بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انسؓ کی مرفوع روایت لکھی ہے کہ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے گا اللہ اگلی نماز تک اس کا محافظ رہے گا اور اسکی پابندی صرف نبی کریمؐ سے یا صدیق یا شہید سے

لَا إِلَهَ إِلَّا فِي الدِّينِ (دین میں کسی طرح کا جبر نہیں ہے۔ ابو داؤد نسائی اور ابن حبان نے حضرت ابن عباسؓ کا مقولہ نقل کیا ہے کہ) (اسلام سے پہلے مدینہ میں) جس عورت کا بچہ نہ جیتا تھا وہ منت مان لیتی تھی کہ اگر میرا بچہ کوئی زندہ رہا تو میں اس کو یہودی بنادوں گی (یہ منت قبائل انصار کی عورتیں مانتی تھیں) چنانچہ بنو نضیر (کے یہودیوں) کو جب جلاوطن کیا گیا تو ان کے اندر کچھ انصار کے بچے بھی تھے (جن کو یہودی بنادیا گیا تھا) انصار کہنے لگے یہ تو ہمارے بچے ہیں ہم ان کو نہیں جانے دیں گے اس پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی نزول آیت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اپنے آدمیوں کو اختیار دے دو اگر وہ تمہارے ساتھ رہنا پسند کریں تو تم میں سے ہیں (ان کو مدینہ سے خارج نہ کیا جائے) اور اگر وہ ان (یہودیوں) کے ساتھ رہیں تو یہودیوں کے ساتھ ان کو بھی جلاوطن کر دو مجاہد کا بیان ہے کہ قبیلہ اوس کے کچھ لوگ یہودی قبائل میں اپنے بچوں کو دودھ پلویا کرتے تھے (جب یہودیوں کو جلاوطن کیا گیا تو) جن لڑکوں نے یہودیوں کا دودھ پیا تھا وہ کہنے لگے کہ ہم بھی انہی کے ساتھ جائیں گے ورنہ (کم از کم) ان کا مذہب اختیار کریں گے ان لڑکوں کے سر پر ستونوں نے ان کو (دونوں باتوں سے) روکا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن جریر نے بوساطت سعید یا عکرمہ حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ قبیلہ سالم بن عوف کے انصار یوں میں سے ایک آدمی تھا جس کا نام حصین تھا۔ حصین کے دو بیٹے عیسائی تھے لیکن وہ خود مسلمان ہو گئے تھے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا میرے دونوں بیٹے تو عیسائیت کے سوا کسی دین کو مانتے نہیں کیا میں جبر کر کے ان کو مسلمان بنا لوں اس پر آیت لَا إِلَهَ إِلَّا فِي الدِّينِ نازل ہوئی، آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایماندار ہونے میں جبر کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اگر اہل

دنیا نے مجالس میں حسن کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جبرئیلؑ نے مجھ سے آکر کہا کہ جنی شیطان تمہارے ساتھ فریب کرنے (کی گھات) میں لگا رہتا ہے لہذا جب بستر پر پہنچا کرو تو آیت الکرسی پڑھ لیا کرو، فردوس میں حضرت ابو قتادہؓ کی روایت سے منقول ہے کہ بے چینی کے وقت جو شخص آیت الکرسی پڑھتا ہے اللہ اس کی مدد کرتا ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک روز برآمد ہوئے اور فرمایا کہ تم میں سے کوئی مجھے بتا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں سب سے زیادہ عظمت والی سب سے بڑھ کر عدل آگئیں اور خوفناک ترین اور سب سے بڑھ کر امید آفریں کوئی آیت ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے خود آنحضور ﷺ سے سنا ہے کہ قرآن میں سب سے زیادہ عظمت والی آیت لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ الخ ہے اور سب سے بڑھ کر عدل آگئیں آیت إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ الخ ہے اور خوفناک ترین آیت فَمَنْ يَعْمَلْ يَشْغَلْ دَرَّةً حَيْرًا كَبِيرَةً، وَمَنْ يَعْمَلْ يَشْغَلْ دَرَّةً شَرًّا كَبِيرَةً ہے اور سب سے زیادہ امید آفریں آیت قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ إِلَىٰ آخِرِهِمْ، مولف رحمۃ اللہ

(جبر) کا صرف یہ معنی ہے کہ کسی سے بزور ایسا کام کر لیا جائے جس کو وہ اپنی خوشی سے نہ کرنا چاہتا ہو ایسا اکراہ قول و فعل میں تو ممکن ہے ایمان میں ممکن نہیں ایمان تو صرف ایک قلبی عقیدہ کا نام ہے اور قلبی عقیدہ اکراہ سے نہیں پیدا ہو تا یا لا اکراہ فی الدین ہے تو جملہ خبریہ منفیہ مگر اس کا معنی (انثائی یعنی) نہیں کا ہے یعنی ایمان پر کسی کو مجبور نہ کرو کیونکہ ایمان جبر سے نہیں پیدا ہوتا جبر کرنا بے فائدہ ہے یا ممانعت کی یہ وجہ ہے کہ ایمان اور دوسری تمام عبادتوں کا حکم آزمائش کے لئے (کہ کون کرتا ہے اور کون نہیں کرتا) اللہ نے فرمایا ہے لَبَسُوا لَكُمْ أَنْتُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا اور تعمیل حکم میں خلوص کا ہی اعتبار ہے اللہ نے فرمایا فَاعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لیکن جبر کرنے میں نہ آزمائش رہتی ہے نہ خلوص۔

کیا یہ حکم عام ہے یا مخصوص، بعض علماء کا قول ہے کہ عدم اکراہ کا حکم صرف اہل کتاب کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ بیان مذکور بالا ہو گیا ہے کہ انصاریوں کے جو بچے یہودی یا عیسائی ہو گئے تھے انہی کے سلسلہ میں آیت لا کراہ فی الدین کا نزول ہوا تھا۔ میں کہتا ہوں مورد کی خصوصیت حکم کی خصوصیت کو نہیں چاہتی اس لئے حکم عام رہے گا۔

بعض علماء نے کہا آیت مذکورہ کا حکم آیت قَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً اور جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ کے حکم سے منسوخ ہو گیا بقول بغوی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے، میں کہتا ہوں نسخ تو اسی وقت ممکن ہے جب دو حکموں میں تعارض ہو، مگر یہاں تو ایک حکم دوسرے کی ضد نہیں ہے قتال اور جہاد کا حکم اس لئے تو نہیں دیا گیا کہ جبراً مؤمن بنایا جائے بلکہ زمین پر بگاڑ اور تباہی کو روکنے کے لئے جہاد کا حکم دیا گیا ہے کہ فر ملک میں تباہی مچاتے ہیں اور اللہ کے بندوں کو راہ مستقیم پر چلنے اور اللہ کی عبادت کرنے سے روکتے ہیں پس ان کو قتل کرنا ایسا ہی جیسے سانپ، بچھو اور کانٹے والے کتے کو قتل کرنا بلکہ اس سے بھی زیادہ اہم ہے، اسی لئے اللہ نے ادائے جزیہ کی صورت میں قتال کے حکم کو ختم کر دیا اور فرمادیا حَتَّىٰ يَعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ اور یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بچوں، عورتوں، درویشوں تارک الدنیا عالموں، پاجوں اور اندھوں کو قتل کرنے کی ممانعت فرمادی کیونکہ ان کی طرف سے بگاڑ اور تباہی ممکن نہیں، جبراً ایمان کا تو تصور ہی نہیں کیا جاسکتا پھر اسکے منسوخ ہونے کا معنی ہی کیا ہو سکتا ہے۔

یعنی حقیقت کھل گئی ہے، رسول اللہ ﷺ کے معجزات اور عقلی شواہد نے بتا دیا قَدْ تَبَيَّنَ الشُّكُّ مِنَ الْغَيْبِ کہ ایمان ہی سیدھا راستہ ہے جو لازوال سعادت تک پہنچاتا ہے اور کفر کا راستہ ٹیڑھا ہے جو ابدی بدبختی تک پہنچاتا ہے اب انسانوں کا ہر عذر ختم ہو گیا حجت تمام ہو گئی آزمائش صحیح ہو گئی اکراہ کی ضرورت نہیں رہی۔

بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ اکراہ کا معنی ہے کسی کو ایسا کام کرنے پر مجبور کرنا جس میں اسے خود بھلائی نظر نہ آتی ہو لہذا دین میں اکراہ نہیں ہو سکتا کیونکہ دین کی بھلائی، مگر اہی سے مستند ہو گئی ہے اور ہر دانشمند جب ہدایت واضح ہو گئی تو لا محالہ نجات و سعادت کی طلب میں وہ ہدایت کو ماننے کی طرف پیش قدمی کرے گا ہی اکراہ کی کوئی ضرورت ہی نہیں، بیضاوی کے اس بیان پر لازم آتا ہے کہ ہر عقلمند اپنی مرضی اور خوشی سے مؤمن ہو جائے (کیونکہ ہر ہوشمند دین کی بھلائی دیکھ چکا) حالانکہ بکثرت عاقل کافر ہیں اور اگر دانشمند سے عقل سلیم رکھنے والا مراد ہو اور کافر اگرچہ بکثرت دانشمند ہیں مگر ان کی عقل سلیم نہیں ہے اس لئے ایمان میں ان کو بھلائی نظر نہیں آتی تو لا محالہ اکراہ کی ضرورت ان کے لئے باقی رہتی ہے (یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ دین میں اکراہ کی ضرورت نہیں رہی)۔

فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ طاغوت طغیان سے ماخوذ ہے اس کا وزن فعلوت ہے (اصل میں طغوت تھا) لول واؤ کو طاء اور غین کے درمیان لے گئے اور الف سے بدل دیا، یا طاغوت کا وزن فاعول ہے لام کو تاء سے بدل دیا یعنی اصل میں طاغول تھا لام کو حذف کر کے تاء کو بڑھا دیا۔

طاغوت سے مراد ہے اللہ کے سوا دوسرے تمام معبود یا وہ معبود جو اللہ کی عبادت سے مانع ہوں خواہ جتنی شیطان ہو یا انسان (یعنی جس نے اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کیا اور اللہ کو اس طرح مانا جس طرح رح رسول وَيُؤْمِنُ بِاللَّهِ

ﷺ نے بتایا کیونکہ رسول کو مانے بغیر اور آپ کی ہدایت سے ہٹ کر اللہ کو بالکل صحیح طور پر ماننا ممکن ہی نہیں (ذات و صفات کا مسئلہ عقل کی رسائی سے خارج ہے رسول برحق کی مشعل راہ کی ضرورت ہے)۔

فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ (تو اس نے پکڑنا چاہا مضبوط رسی کو) مضبوط رسی کو پکڑنے سے مراد ہے حق کو تمام لینا حق کو پکڑنے کی تعبیر بطور استعارہ مضبوط رسی کو پکڑنے سے کی ہے۔

لَا انفصامَ لَهَا (رسی بھی ایسی جو ٹوٹ نہیں سکتی)۔
وَاللَّهُ سَمِيعٌ (یعنی تم جو لوگوں کو دعوت حق دے رہے ہو اور جو تمہارا قول ہے اور جو ان کے اقوال ہیں اللہ سب کو سننے والا ہے)۔

عَلَيْهِمُ ۝ اس آیت میں اعمال اور ارادوں کو درست رکھنے کی ترغیب اور کفر و نفاق سے توجہی بازداشت ہے۔

اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا (یعنی اللہ ایمان والوں کا دوست ہے ان کا کارساز ہے، الَّذِينَ آمَنُوا سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو اللہ مؤمن بنانا چاہتا ہے۔)

يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ (یعنی جن لوگوں کا مؤمن ہونا خدا چاہتا ہے ان کو اپنی توفیق و ہدایت کی مدد سے جمالت، نفس پرستی، ذہنی وسوسوں اور کفر تک پہنچانے والے شبہات سے نکال کر اس صراطِ مستقیم پر لا ڈالتا ہے جو ایمان تک ان کو پہنچا دیتی ہے۔)

واقعی نے لکھا ہے کہ قرآن مجید میں جس جگہ الفاظ ظلمت و نور آئے ہیں ان سے مراد کفر و ایمان ہے وہاں صرف سورہ انعام کی آیت جَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ میں شب و روز مراد ہیں، آیت مذکورہ بتا رہی ہے کہ ایمان (اختیاری نہیں) صرف عطیہ خداوندی ہے، جملہ يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ یا تو لفظ اللہ کی دوسری خبر ہے یا اموات کی ضمیر کا حال ہے یا الذین کا حال ہے یا دونوں سے حال ہے یا مستقل علیحدہ کلام ہے جس سے مفہوم ولایت کی توضیح یا تاکید ہو رہی ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (یعنی جن لوگوں نے ایمان سے انکار کر دیا ان کے دوست شیطان ہیں انسانی شیطان اور جناتی شیطان، انسانی شیطانوں میں سے کعب بن اشرف اور حی بن اخطب (یہودی) بھی تھے، یا طاغوت سے مراد ہے انسان کو گمراہ کرنے والی ہر چیز خواہ خواہش نفس ہو یا شیطان وغیرہ کافروں کے خیال میں یہ گمراہی آفریں چیزیں ان کی دوست اور کارساز ہوتی ہیں مگر واقع میں وہ دوست نہیں دشمن ہیں۔)

يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ (یعنی کافروں کے یہ دوست ان کو فطری نور سے نکال کر شکوک و شبہات، نفس پرستی اور کفر انگیز تباہی کے اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جناب رسول ﷺ نے فرمایا کوئی بچہ ایسا نہیں کہ فطرت پر نہ پیدا کیا جائے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی اور عیسائی اور مجوسی بنا لیتے ہیں (بخاری و مسلم) ابن جریر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمن ابی لبابہ کا قول نقل کیا ہے کہ الذین کفروا سے وہ عیسائی مراد ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو مانتے تھے لیکن جب محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو انہوں نے آپ کو نہیں مانا۔

ظلمت سے مراد ہیں شکوک و شبہات، نفس پرستی اور فطری قابلیت کا بگاڑ جس کا نتیجہ کفر ہے نور سے تاریکی کی طرف نکال کر لے جانے کا سبب طاغوت ہے اس لئے اخراج کی نسبت طاغوت کی طرف کر دی گئی لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ اللہ کی قدرت اور ارادہ کا تعلق اخراج سے نہیں (یقیناً اللہ کی قدرت اور ارادہ سے ہر قسم کا گناہ ہوتا ہے مگر گناہ کا ذریعہ اور سبب شیطان ہوتا ہے) لفظ طاغوت کا اطلاق مذکر پر بھی ہوتا ہے اور مؤنث پر بھی واحد پر بھی اور جمع پر بھی، اللہ نے فرمایا ہے، يُرِيدُونَ أَن

۱۔ حضرت ابودرداءؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میرے بعد ابو بکر اور عمرؓ کی اقتداء کرنا یہ اللہ کی تائی ہوئی رسی ہیں۔ جس نے ان کو پکڑ لیا اس نے اللہ کی مضبوط رسی کو پکڑ لیا جو ٹوٹ نہیں سکتی۔ (مؤلف رحمہ اللہ)

يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ (اس میں طاغوت کے لئے واحد مذکر کی ضمیر لائی گئی ہے) دوسری آیت ہے وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتِ أَنْ يَعْبدُوهَا (اس میں واحد مونث کی ضمیر طاغوت کے لئے استعمال کی گئی ہے) ابن جریر نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ کچھ لوگ حضرت عیسیٰ پر ایمان رکھتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد آپ پر ایمان نہ لائے اور کچھ لوگ حضرت عیسیٰ کی نبوت کے منکر تھے رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو آپ کی نبوت پر وہ ایمان لے آئے ان دونوں فرقوں کے متعلق آیت مذکورہ کا نزول ہوا، طبرانی نے کبیر میں اور ابن منذر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ آیت کا نزول ان لوگوں کے حق میں ہوا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر تو ایمان لے آئے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے منکر ہوئے، واللہ اعلم۔

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۵﴾

یہی لوگ دوزخی ہیں دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے یہ

کافروں کے لئے دھمکی اور وعید عذاب ہے اس سے پہلے مؤمنوں کے لئے وعدہ ثواب کا اس لئے ذکر نہیں کیا کہ اہل ایمان کی شان بڑی با عظمت ہے (کافروں کی وعید کا مؤمنوں کے وعدہ سے مقابلہ نہ کیا گیا) یہ توجیہ بعض علماء نے کی ہے لیکن صحیح ترین توجیہ یہ ہے کہ آیت اللہ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ہر قسم کے وعدہ کو محض ہے (صراحت وعدہ کی کوئی ضرورت نہیں)۔

اَلَمْ تَدْرِ اِلٰی الَّذِیْ حَاجَّجْنَا بِرُحْمٰی رَبِّہٖ
سے اس کے رب کے متعلق جھگڑا کیا تھا، نمرود کی کٹ جتنی اور حماقت پر اس آیت میں تعجب دلایا گیا ہے، بغوی نے لکھا ہے کہ نمرود ہی پہلا شخص ہے جس نے سر پر تاج اوڑھا، ربوبیت کا دعویٰ کیا اور زمین پر زبردستی کی۔

اَنْ اَتَّهٗ اللّٰهُ الْمَلٰٓئِکَہُ
اَنْ سے پہلے لام مخدوف ہے جھگڑا کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اللہ نے اس کو حکومت عطا کی تھی اس لئے اس نے سرکشی کی حکومت کا غرور اس کے جھگڑا کرنے کی علت تھا یعنی اس نے عطاء خداوندی کے تقاضے کے خلاف کیا عطاء کا لازمی تقاضا تو یہ تھا کہ وہ شکر کرتا مگر کیا اس نے برعکس عرب کہتے ہیں عَادَیْتَنِیْ لَا اَنْتَیْ اَحْسَنْتَ اِلَیْکَ (تو میرا دشمن اس لئے ہو گیا کہ میں نے تجھ سے بھلائی کی) یا لفظ وقت مخدوف ہے یعنی جبکہ اللہ نے اس کو حکومت عطا کی تھی اس وقت اس نے جھگڑا کیا۔

بعض معتزلہ جو کہتے ہیں کہ اللہ کافر کو حکومت نہیں دیتا ہے ان کے قول کے خلاف اس آیت میں (کافر کو ملک عطا کرنے کی) صراحت ہے، بغوی نے لکھا ہے کہ روئے زمین کے چار بادشاہ ہوئے دو مؤمن اور دو کافر حضرت سلیمان اور ذوالقرنین مؤمن، اور نمرود و بخت نصر کافر روایت میں آیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت توڑ دیے تو نمرود نے ان کو قید کر دیا، پھر جلاڈالنے کے لئے جیل سے باہر نکال کر پوچھا تیرا رب کون ہے حضرت نے فرمایا میرا رب وہ ہے جو زندگی عطا فرماتا اور موت دیتا ہے اس طرح حضرت ابراہیم غالب آگئے اور نمرود کچھ نہ کر سکا، دوسری روایت میں آیا ہے کہ یہ واقعہ آگ میں پھینکے جانے سے بعد کا ہے آپ کو آگ میں جب پھینک دیا گیا (اور اللہ نے بچالیا) تو ملک میں کال پڑ گیا لوگ راشن مانگنے نمرود کے پاس آنے لگے نمرود کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی شخص غلہ مانگنے اس کے پاس آتا تو اول وہ پوچھتا کہ تیرا رب کون ہے اگر وہ جواب دیتا آپ میرے رب ہیں تو نمرود اس کے ہاتھ غلہ فردخت کرتا۔ حضرت ابراہیم بھی اس کے پاس پہنچے اور اس کے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا الَّذِیْ یُّحْیِیْ وَیُمِیْتُ تو وہ لا جواب ہو گیا اور آپ کو کچھ نہیں دیا حضرت ناکام واپس آگئے اثناء واپسی میں ریت کے ایک ٹیلہ کی طرف سے گزرے اور گھر والوں کو بھلانے کے لئے تھیلے میں کچھ ریت بھر لی اور گھر پہنچ کر سامان کو یونہی رکھ کر سو گئے بیوی نے اٹھ کر سامان کو کھول کر دیکھا تو اس کے اندر سے اعلیٰ ترین غلہ برآمد ہوا بیوی نے کھانا پکایا اور لے کر حضرت ابراہیم کے پاس پہنچیں آپ نے فرمایا یہ کہاں سے آیا بیوی نے کہا اسی آلے سے بنایا گیا ہے جو آپ لائے تھے آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

اِذْ قَالَ اِبْرٰہِیْمُ
اِذْ ظُرِفَ زَمَانٌ ہے اور "قَالَ اَنَا اُحْیِیْ وَ اُمِیْتُ" حَاجَّ کا بیان ہے یا جہد اکلام ہے اور

ایک محذوف سوال کا جواب ہے یعنی کیفیتِ خصومت کے متعلق سوال مقدر کا جواب ہے ان دونوں صورتوں میں ظرفِ زمان کا تعلق جملہ قائل سے ہو گا یا یوں کہو کہ ظرف کا تعلق حَاجَّ سے ہے اور قائل حَاجَّ کا بیان ہے یا جہدِ اکلام ہے یا یوں کہا جائے کہ یہ ظرف جملہ ان اَنَّاہُ اللہُ الْمَلِکَ سے بدل ہے۔

رَبِّیٰ حمزہ کی قرأت میں وصل و وقف دونوں حالتوں میں اس جگہ یا ہر اکن ہے مندرجہ ذیل آیات میں بھی یاء کی قرأت حمزہ کے نزدیک اسی طرح ہے، رَبِّیَ الْفَوَاحِشِ، عَنْ آيَاتِي الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ، قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ اَتَانِي الْكِتَابَ، مَسْنِي الصُّرُ، عِبَادِيَ الضَّالِّحُونَ، عِبَادِيَ الشَّكُورُ، مَسْنِي الشَّيْطَانُ، اِنْ اَرَادَنِي اللّٰهُ، اِنْ اَهْلَكْنِي اللّٰهُ۔ کیسائی صرف آیت لِعِبَادِيَ الَّذِينَ اَمَنُوا میں حمزہ کے موافق ہیں اور ابن عامر آیت لِعِبَادِيَ الَّذِينَ میں بھی اور آيَاتِي الَّذِينَ میں بھی ساکن پڑھتے ہیں (باقی آیات میں یاء کو فتح دیتے ہیں باقی قراء ان تمام مقامات میں یاء کو مفتوح پڑھتے ہیں۔

الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُؕ نمرود نے حضرت ابراہیم سے سوال کیا تھا کہ تمہارا وہ رب کون ہے جس کی طرف سے تم ہم کو دعوت دے رہے ہو، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں فرمایا میرا رب وہ ہے جو زندگی بھی دیتا ہے اور موت بھی، نمرود شاید طمہ تھا اور بد عقل بھی دوسرے طمہوں کی طرح اس کا خیال ہو گا کہ کائنات کے تمام حوادث محض اتفاقی ہوتے ہیں جب ہی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عالم امکان کی دو محسوس نشانیاں استدلال الوہیت و خلافت میں ذکر فرمائیں احیاء اور اِِمَاتِ اللہ کے واجب الوجود اور صانع مطلق ہونے کی واضح نشانیاں ہیں شاید نمرود کا یہ بھی گمان ہو گا کہ اہل عقل اپنے فعال کے خود خالق ہیں جیسے اس امت میں معتزلہ اور روافض کا خیال ہے اس لئے اس نے دو آدمیوں کو طلب کیا ایک کو قتل کرادیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا اور

قَالَ اَنَا اُنْحٰی وَاُمِيتُؕ بولا میں ہی زندہ کرتا اور مارتا ہوں (گویا نمرود نے عمل حیوۃ و موت کو تخلیق موت و حیات قرار دیا اور خلافت و سیبیت میں فرق نہ کر سکا) اگر آتا کے بعد وصل کی حالت میں حمزہ متحرک ہو تو اہل مدینہ اَنَّا کے الف کو قائم رکھتے ہیں اور مد کے ساتھ پڑھتے ہیں باقی قراء حذف کر دیتے ہیں لیکن وقف کی حالت میں تمام قاری الف کو ثابت رکھتے ہیں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ نمرود انتہائی غبی ہے جو معمولی حوادث کے استدلال کو بھی نہیں سمجھ سکتا تو روئے سخن بدلا اور

قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يٰٓاْتِيْ بِالسَّمٰوٰتِ مِنَ الْمَشْرِقِؕ کہا یہ حقیقت ہے کہ اللہ ہی سورج کو مشرق سے برآمد کرتا ہے یعنی اللہ سورج کو مغرب سے نکال سکتا ہے یا جس طرح اس کی مشیت ہو کر سکتا ہے۔

فَاْتِ بِهَآءِ مِنَ الْمَغْرِبِ۔ پس تو اگر اپنے اعمال پر خود اپنے کو قادر جانتا ہے اور اللہ کا انکار کرتا ہے تو سورج کو مغرب سے برآمد کر۔

فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَؕ اس دلیل کو سن کر نمرود متحیر، دہشت زدہ اور لا جواب ہو گیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر ابراہیم اپنے رب سے دعا کریگا تو اس کا رب سورج کو مغرب سے برآمد کر دے گا جس طرح آگ کو اس نے خشکی اور سلامتی میں تبدیل کر دیا۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِيْنَؕ یعنی زبردست کافروں کو اللہ سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق نہیں دیتا خواہ ان کے سامنے اللہ کی کسی ہی نشانیاں آجائیں جب تک وہ دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں ان کو راہِ راست بھائی نہیں نکلا

اَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ

قریہ سے مراد ہے بیت المقدس یا دیر ہر قل، آگے ہم قصہ ذکر کریں گے کہ لَٰذِي میں کاف زائد ہے اور لَٰذِي کا عطف لَٰذِي حَاجَّ پر ہے یہ گزرنے والا شخص ار میا تھا بقول ابن اسحاق ار میا ہی خضر تھے، لیکن حاکم نے حضرت علیؑ اور اسحاق بن بشیر نے حضرت عبد اللہ بن سلام کا قول نقل کیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی یہی کہا ہے کہ یہ (ار میا نہیں) عزیز تھے،

مجاہدؓ نے واقعہ نمرود کے ساتھ اس قصہ کی منظم کو پیش نظر رکھ کر صراحت کی ہے کہ یہ شخص کوئی کافر تھا لیکن مجاہد کا یہ استدلال غلط ہے کیونکہ کافر اس عزت افزائی کا مستحق نہیں ہو سکتا، اگر اس کی توجیہ میں کوئی یہ کہے کہ وہ کافر تھا لیکن نشان قدرت کو آنکھوں سے دیکھنے کے بعد وہ مؤمن ہو گیا تھا تو ہم کہیں گے کہ پھر یہ شخص مؤمن بالغیب نہ رہا اور ایمان بالشہودنا قابل اعتبار ہے (لہذا ایسا شخص عزت افزائی کے قابل نہیں) دونوں قصوں کی وجہ جامع صرف یہ ہے کہ دونوں واقعے تعجب انگیز ہیں اگرچہ ایک قصہ میں اودعاء ربوبیت نہیں ہے جو شخص قدم بہ قدم اور لمحہ بہ لمحہ اپنی کمزوری محسوس کر رہا ہو اس کو اگر مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر تعجب ہو تو کیا بعید ہے ایسا تو ہوتا ہی رہتا ہے دیکھو نطفہ سے آدمی اور بیج سے درخت کس طرح بن جاتا ہے (یہ کیا کچھ کم تعجب انگیز ہے)۔

یعنی وہ بستی ویران ہو گئی تھیں پہلے چھتیں گری تھیں اور اوپر سے دیواریں بھی گر گئیں۔

قَالَ اَنِّي يُحْيِي هٰذِهِ اللّٰهَ بَعْدَ مَوْتِهَا
تو اس نے کہا اس بستی کو (یعنی بستی والوں کو) مرے پیچھے اللہ کیسے زندہ کرے گا (یہ استفہام انکاری نہیں بلکہ) عادیہ چونکہ ایسا ہونا بعید تھا تو انہوں نے اس بستی کو زندہ کرنے کی تمنا کی اور آگے درخواست کی پھر وہ بطور تواضع اپنے کو اس قابل بھی نہ جانتے تھے کہ ان کی درخواست قبول ہو سکے اس لئے استفہام تمنائی کیا۔

محمد بن اسحاق نے بروایت وہب بن منہ قصہ اس طرح لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ارمیا کو ناشیہ بن اموص شاہ بنی اسرائیل کے پاس اس کی امداد کے لئے مقرر فرمایا تھا ناشیہ نیک آدمی تھا حضرت ارمیا اس کے پاس اللہ کے احکام لے کر جاتے تھے جب بنی اسرائیل کے گناہ بہت بڑھ گئے تو اللہ نے ارمیا کے پاس وحی بھیجی کہ آئندہ میں اسرائیلیوں کو عظیم ترین مصیبت میں مبتلا کروں گا ایک ظالم کو ان پر مسلط کروں گا اور ان کی بیشتر تعداد کو تباہ کر دوں گا یہ حکم سن کر ارمیا نے فریاد و زاری کی (اور بے قرار ہو گئے) اس پر وحی آئی جب تک تیری اجازت نہ ہوگی میں ان کو تباہ نہیں کروں گا اس حکم سے ارمیا خوش ہو گئے اس طرح تین سال گزر گئے مگر بنی اسرائیل کی نافرمانیاں بڑھتی ہی گئیں وحی آتا بھی کم ہو گئی بادشاہ نے ہر چند توبہ و استغفار کا مشورہ دیا، مگر لوگوں نے نہ مانا آخر بخت نصر شاہ بابل نے ناقابل مقابلہ فوج لے کر بنی اسرائیل کی طرف مارچ کیا بنی اسرائیل کا بادشاہ ڈر گیا، حضرت ارمیا نے فرمایا مجھے اللہ کے وعدہ پر پورا اعتماد ہے اس کے بعد بحکم خدا ایک فرشتہ اسرائیلی آدمی کے بھیس میں حضرت ارمیا کے پاس آیا اور کہا اے اللہ کے نبی میں اپنے گھر والوں کے متعلق آپ سے مسئلہ پوچھنے آیا ہوں میں نے ہمیشہ ان سے اچھا سلوک ہی کیا مگر وہ میری ناراضگی بڑھانے کی حرکتیں کرتے ہیں حضرت ارمیا نے فرمایا تم ان سے بھلائی کرتے رہو قطع تعلق نہ کرو اور خیر کی بشارت دو (فرشتہ چلا گیا) کچھ مدت کے بعد وہی فرشتہ اسی آدمی کے بھیس میں پھر آیا اور پہلے کی طرح سوال کیا اور جواب بھی اس کو پہلے ہی کی طرح ملا کچھ زمانہ کے بعد بخت نصر نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا اس وقت ارمیا بیت المقدس کے دیوار پر بیٹھے ہوئے تھے اور بنی اسرائیل کا بادشاہ آپ سے کہہ رہا تھا اللہ کا وعدہ کیا ہوا جو آپ سے کیا تھا لیکن حضرت ارمیا علیہ السلام کو اللہ کے وعدہ پر بھروسہ تھا اور وہ خوش تھے اچانک وہی فرشتہ اسی آدمی کے بھیس میں پھر آیا اور اپنے گھر والوں کی شکایت کی حضرت ارمیا نے فرمایا کیا ابھی تک وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے فرشتہ نے کہا یا نبی اللہ اب تک توجہ دیکھ مجھے بہو نچتا تھا میں صبر کرتا تھا لیکن اب تو وہ اللہ کی ناراضگی کے عظیم ترین کام کرتے ہیں اس لئے مجھے اللہ کے لئے غصہ آیا ہے جس خدا نے آپ کو برابر حق نبی بنا کر بھیجا ہے میں اسی خدا کے واسطے آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ ان کے لئے بددعا کیجئے اللہ ان کو غارت کرے۔

یہ سن کر حضرت ارمیا علیہ السلام نے دعا کی اے زمین و آسمان کے بادشاہ اگر وہ تیری ناراضگی کے کام کر رہے ہیں تو ان کو تباہ کر دے، دعا کے بعد فوراً اللہ تعالیٰ نے ایک بجلی گرائی جس سے قربان گاہ میں آگ بھڑک اٹھی اور سات دروازے زمین

میں دھنس گئے حضرت ارمیا (علیہ السلام) نے عرض کیا اے میرے رب تیرا وعدہ کیا ہوا، خدا آئی ان پر جو عذاب آیا وہ صرف تیری بددعا سے آیا ہے اس وقت حضرت ارمیا کو معلوم ہوا کہ وہ شخص حقیقت میں اللہ کا بھیجا ہوا فرشتہ تھا اس کے بعد ارمیا جنگل کو نکل گئے۔

بخت نصر نے آکر بیت المقدس کو تباہ کر دیا اور ملک شام کو روند ڈالا، اسرائیلیوں کو قتل کیا اور قیدی بنایا، یہی وہ پہلی سزا تھی جو اللہ نے نبی اسرائیل کو ان کی بے جا حرکتوں کی وجہ سے دی تھی۔

جب بخت نصر لوٹ کر بابل کو چلا گیا تو ارمیا نے گدھے پر سوار ہو کر (جنگل سے واپس) آئے آپ کے ساتھ توشہ دان میں کچھ عرق انگور اور ایک ٹوکری انجیر تھے آکر بیت المقدس پر ٹھہر گئے اور تباہی کو دیکھ کر بولے اِنْتِی فُجِحِیْ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِہَا پھر آپ نے رسی سے گدھے کو باندھا اور اللہ نے آپ پر نیند مسلط کر دی۔

فَاَمَّا تِلْكَ اُمَّةٌ اَلْفٌ مَّا تِلْكَ اُمَّةٌ اَلْفٌ مَّا تِلْكَ اُمَّةٌ اَلْفٌ (یعنی موت نما نیند مسلط کر دی) سعید بن منصور نے حسن بصری کا قول اور ابن ابی حاتم نے قتادہ کا قول نقل کیا کہ یہ نیند چاشت کے وقت شروع ہوئی تھی پھر

صَاۡتَةً عَامٍ سو برس تک وہ مردہ رہا، گدھا، انگور اور انجیروں کا ٹوکرا بھی ان کے پاس ہی رہا، اللہ نے لوگوں کی نظروں سے ان کو چھپا دیا کوئی آپ کو نہ دیکھ سکا، ستر سال اسی حالت پر گزر گئے۔ ستر برس کے بعد اللہ نے ایک فرشتہ نوشک شاہ فارس کے پاس بھیجا فرشتے نے جا کر کہا اللہ تجھے حکم دیتا ہے کہ بیت المقدس اور ایلیا کی از سر نو تعمیر کر، تاکہ یہ پہلے سے زیادہ آباد ہو جائیں، حسب الحکم نوشک نے آباد کاری شروع کر دی ادھر ایک مجسمہ بخت نصر کے دماغ میں گھس گیا اور اللہ نے مجسمہ کے ذریعہ سے اس کو ہلاک کر دیا اور جو اسرائیل بابل میں اس وقت تک زندہ رہ گئے تھے ان کو رہائی دلا دی وہ سب بیت المقدس اور اس کے مضافات میں واپس آ گئے اور تیس برس میں پہلے سے بہتر آبادی ہو گئی اس وقت اللہ تعالیٰ نے ارمیا (علیہ السلام) کو پھر زندہ کر کے۔

ثُمَّ بَعَثْنَاهُ قَالَ لَمْ يَلِثْتُ اٹھا دیا یہ وقت غروب آفتاب سے کچھ پہلے کا تھا اللہ نے آپ کے پاس ایک فرشتہ بھیجا اور اس نے ارمیا سے پوچھا آپ کا یہاں توقف کتنا ہوا، ارمیا کو خیال ہوا کہ یہ یوم خواب کا ہی سورج ہے (جو قریب غروب ہے) اس لئے

قَالَ لَيْثْتُ يَوْمًا کہا کہ میں ایک دن یہاں ٹھہرا پھر سورج کی طرف منہ موڑ کر دیکھا تو سورج کو قریب غروب دیکھ کر فرمایا

اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ یادوں سے کچھ کم

قَالَ بَلْ لَيْثْتُ مِائَةً عَامٍ فرشتہ نے کہا نہیں، بلکہ آپ یہاں سو برس رہے۔

فَاَنْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ اب اپنے کھانے پینے یعنی انجیر اور عرق کو دیکھ لو کہ

لَمْ يَكُنْ نَجْوًا کیا ہے، کسائی نے کہا گویا برسوں کی مدت ان پر نہیں گزری تھی، حمزہ، کسائی اور یعقوب نے حالت وصل میں لَمْ يَكُنْ نَجْوًا کی ہاء کو حذف کر کے يَتَسَنَّنْ پڑھا ہے لیکن حالت وقف میں باقی رکھا ہے اسی طرح آیت فِيْهَذَا هُمْ اَقْتَدٰہ میں بھی اصحاب ثلاثہ کی یہی قرأت ہے جو لوگ ہاء کو حذف نہیں کرتے وہ اس کو اصلی (یعنی مادہ کی) ہاء قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ لفظ يَسَنَّةٌ سے بنا ہے اور يَسَنَّةٌ کی تاء اصل میں ہا تھی اور يَسَنَّةٌ کی اصل سخت تھی کیونکہ يَسَنَّةٌ کی تصغیر يَسَنِيَّةٌ آتی ہے اور مصدر مَسَانِيَّةٌ آتا ہے لیکن اگر اس کو اصلی ہانہ کہا جائے اور لام کلمہ میں اصلاً واو قرار دیا جائے تو یہ ہاء سکتہ ہوگی واو کو فتح ماقبل کی وجہ سے الف سے بدل دیا پھر الف کو حذف کر دیا اور ہا سکتہ حالت وقف میں بڑھادی۔ بعض علماء کا قول ہے کہ لَمْ يَتَسَنَّنْ کی اصل لَمْ يَتَسَنَّنْ تھی (اصل مادہ تَنَّنْ ہے) اَلْحَمَّاءُ الْمَسْنُونُ کا اور اس کا ایک مادہ ہے تیسرے نون کو حرف علت سے بدل دیا

گیا ہے جیسے آیت دَسَّاهَا میں (دَسَّاهَا اصل میں دَسَّسَ تھا) لَمْ يَتَسَنَّهٖ کی مفرد ضمیر طعام و شراب کی طرف راجع ہے (مرجع اگرچہ تشبیہ ہے ضابطہ کے مطابق تشبیہ کی ضمیر ہونی چاہئے لیکن مفرد لانے کی وجہ یہ ہے کہ (طعام و شراب کی جنس ایک ہی ہے یعنی دونوں غذا ہیں۔

وَ اَنْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ اور اپنے گدھے کی طرف دیکھو حسب الحکم ار میا نے گدھے کی طرف دیکھا، بقول بعض علماء گدھا دیا ہی زندہ سالم کھڑا تھا جیسا اس کو باندھ کر سوئے تھے سو سال تک گدھے نے نہ کچھ کھایا نہ پیا، نئی رسی اس کے گلے میں بندھی ہوئی تھی رسی بھی خراب نہیں ہوئی تھی، بعض اہل علم کا قول ہے کہ گدھا مر چکا تھا ہڈیاں بھی گل چکی تھیں پھر ار میا کی نظر کے سامنے بحکم خدا ایک ہوا میدان اور پہاڑ سے اس کی ہڈیاں سمیٹ کر لائی کیونکہ پرندے اور درندے ان کو جا بجالے جا چکے تھے (پھر اللہ نے گدھے کو زندہ کر دیا)۔

میں کہتا ہوں کہ مؤخر الذکر قول پر لفظ وَ اَنْظُرْ دلالت کر رہا ہے کیونکہ اگر کھانے پینے کی طرح گدھا بھی صحیح سالم باقی ہوتا تو فَ اَنْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ وَ حِمَارِكَ کہنا چاہئے تھا (دوبارہ مستقل طور پر اَنْظُرْ کہنے کی ضرورت نہ تھی)۔ وَلِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ یعنی ہم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کی دلیل لوگوں کو دکھانے کے لئے تجھے بنائیں گے، بعض علماء کے نزدیک آیت کے شروع میں وَ اَوْزَاعُہٗ، قراء نے کہا اس آیت کا تعلق فعل محذوف سے ہے (اور وَ اَوْعُظْ جملہ کے لئے ہے) یعنی اور ہم نے ایسا اس لئے کیا کہ لوگوں کو دکھانے کے لئے تیری دوبارہ زندگی کو حیات بعد الموت کی دلیل بنائیں۔

وَ اَنْظُرْ اِلٰی الْعِظَامِ یعنی گدھے کی ہڈیوں کو دیکھو یہ مطلب اس صورت میں ہو گا جب گدھے کو مردہ اور فنا شدہ مان لیا جائے، اکثر اہل تفسیر کا یہی قول ہے بعض لوگوں کا قول ہے کہ خود حضرت ار میا علیہ السلام کی ہڈیاں مراد ہیں (لول) آپ کی آنکھیں اور سر زندہ کیا گیا اس وقت تک باقی بدن فرسودہ بوسیدہ ہی تھا اور ہڈیاں صاف (بے گوشت اور) پرانہ بڑی ہوئی تھیں۔ لیکن اس قول کی تردید رسول ﷺ کے اس فرمان سے ہوتی ہے کہ انبیاء کے اجسام اللہ نے زمین کے لئے حرام کر دیئے ہیں (زمین ان کو گلا نہیں سکتی)۔

کِس طرح ہم ان کو زمین سے اٹھا کر باہم جوڑتے ہیں یہ ترجمہ نُنْشِزُ پڑھنے کی صورت میں ہو گا جو اہل حجاز و اہل بصرہ کے علاوہ تمام قاریوں کی قرأت ہے اہل حجاز و بصرہ نُنْشِزُ ہا راء کے ساتھ پڑھتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ان کو کیسے زندہ کرتے ہیں (انہار زندہ کرنا اور نشور زندہ ہونا) آیت میں آیا ہے ثُمَّ اِذَا شَاءَ اَنْشُرْہٗ اَیْکَ اور آیت ہے وَ اِلَیْہِ النُّشُورُ ثُمَّ نَكْسُوْہَا لَحْمًا (پھر ہم ہڈیوں کو گوشت پہناتے ہیں چنانچہ اللہ نے ہڈیوں کو گوشت اور خون (کالباں) پہنا دیا اور وہ آدمی زندہ ہو گیا یا ہڈیاں گوشت کا لباس پہن کر گدھے کا مجسمہ بن گئیں پھر فرشتہ نے اس میں روح پھونک دی اور گدھا زندہ اٹھ کھڑا ہوا اور ریگنے لگا، آیت میں الفاظ کی کچھ تقدیم و تاخیر ہے اصل عبارت اس طرح تھی، بَلْ لَبِثْتَ مِائَةً عَامٍ مِّمَّنَّا ثُمَّ اَحْيٰیْنَاکَ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِکَ وَ شَرَابِکَ لَمْ یَتَسَنَّہٗ وَ اَنْظُرْ اِلٰی حِمَارِکَ وَ اَنْظُرْ اِلٰی الْعِظَامِ کَیْفَ نُنْشِزُہَا ثُمَّ نَكْسُوْہَا لَحْمًا وَ فَعَلْنَا ذٰلِکَ لِیَجْعَلَکَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ، بلکہ تو سو سال یہاں رہا، ہم نے تجھے مردہ کر دیا تھا پھر زندہ کر دیا، اب اپنے کھانے پینے کو دیکھ لے کہ کوئی چیز خراب نہیں ہوئی ہے اور گدھے کو دیکھ لو ہڈیوں کو دیکھ کہ کس طرح ہم ان کو جمع کر کے جوڑتے اور پھر ان کو گوشت پہناتے ہیں ہم نے یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ تجھے لوگوں کو (قیامت کا) یقین دلانے کے لئے نشانی بنائیں۔

فَلَمَّا تَبٰیۤنَ لَہٗ ذٰلَکَ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ جب اللہ کی حکمت (اور قدرت) اس شخص پر کھل گئی تو اس نے کہا مجھے یقین ہے کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے اعلم قرأت جمہور کی ہے، حزرہ اور کسائی نے اِعْلَمَ بے ضابطہ امر پڑھا ہے، اس صورت میں کہنے والا فرشتہ ہو گا اللہ یا اس شخص نے خود اپنے نفس کو خطاب کیا ہو گا۔ روایت میں آیا ہے کہ بخت نصر بیت المقدس کو تباہ کر کے نبی اسرائیل کو قید کر کے بابل لے گیا، قیدیوں میں حضرت

عزیر علیہ السلام، حضرت دانیال علیہ السلام اور حضرت داؤد کی نسل کے کچھ لوگ بھی تھے کچھ مدت کے بعد عزیر قید سے چھوٹ گئے اور گدھے پر واپس آگئے، دیر ہرقل پر پہنچے تو دجلہ کے ساحل پر اتمے اور بستی میں چکر لگایا مگر کوئی آدمی نہ ملا، ہاں تمام درخت پھلوں سے لدے ہوئے تھے آپ نے کچھ پھل کھائے اور انگوروں کا عرق نخوڑ کر پیا اور بقیہ پھل ایک ٹوکری میں رکھ لئے اور بچا ہوا عرق مشکیزے میں بھر لیا اور بستی کی تباہی کو دیکھ کر بولے اَنّی یُحییٰ ہٰذِیہ اللّٰہُ بَعْدَ مَوْتِہَا الخ۔

قائدؒ نے حضرت کعبؑ کا قول اور ضحاک و ابن عساکر نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نیز سدی نے بروایت مجاہد حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب سو برس تک مردہ رکھنے کے بعد اللہ نے عزیرؑ کو زندہ کر دیا تو وہ گدھے پر سوار ہو کر اپنے محلہ میں آئے لیکن نہ لوگوں کو پہچان سکے نہ ان کے مکانوں کو نہ لوگوں نے ان کو پہچانا صرف اندازہ سے اپنے گھر پر پہنچے تو ایک نابینا لالچ بڑھیا ملی جس کی عمر ۱۲۰ سال تھی حقیقت میں وہ حضرت عزیر علیہ السلام کی باندھی تھی جب حضرت گھر سے نکلے تھے تو وہ بیس برس کی تھی آپ نے اس بڑھیا سے پوچھا کیا یہ عزیر کا مکان ہے بڑھیا نے کہا جی ہاں! لیکن میں نے عزیر کا تذکرہ اتنی مدت کے بعد آج سنا ہے (تم کون ہو) حضرت نے فرمایا میں عزیر ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے سو سال تک مردہ کر دیا تھا پھر زندہ کر دیا، بڑھیا نے کہا، عزیر علیہ السلام تو مقبول الدعوات شخص تھے اگر تم عزیر ہو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ میری آنکھیں واپس مل جائیں حضرت نے دعا کی اور اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیر دیا آنکھیں درست ہو گئیں پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اللہ کے حکم سے اٹھ کھڑی ہو بڑھیا بالکل تندرست ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی اور حضرت کو دیکھ کر پہچان کر بولی میں شہادت دیتی ہوں کہ آپ بلاشبہ عزیر ہیں۔

اس وقت حضرت عزیر علیہ السلام کا بیٹا سو سال کا بوڑھا تھا اور پوتے پوتیاں بھی بوڑھے ہو چکے تھے مگر آپ کے سر اور داڑھی کے بال سیاہ تھے باندی آپ کو لے کر بنی اسرائیل کے جلسوں میں پہنچی اور پکار کر کہا، یہ عزیر ہیں لوگوں نے اس کی بات کو سچ نہ جانا باندی نے کہا میں تمہاری فلاں باندی ہوں، عزیر (علیہ السلام) کی دعا سے اللہ نے میری آنکھیں لوٹا دیں اور میرے پاؤں چلا دیئے یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو سو برس تک مردہ کر دیا تھا پھر زندہ کر دیا یہ سن کر لوگ اٹھے اور حضرت کے بیٹے نے کہا میرے باپ کے دونوں شانوں کے درمیان ہلالی شکل کا ایک کالا مسہ تھا کھول کر دیکھا گیا تو آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مسہ برآمد ہوا اور ثابت ہو گیا کہ آپ عزیرؑ ہی ہیں۔

سدیؒ اور کلینیؒ کا بیان ہے کہ جب حضرت عزیرؑ اپنی قوم کے پاس لوٹ کر پہنچے تو تورات موجود نہ تھی کیونکہ بخت نصر نے تورات جلادی تھی آپ رو دیئے ایک فرشتہ نے ایک برتن میں پانی لا کر پلایا، پلاتے ہی پوری تورات کا فوٹو دل میں اتر آیا، آپ بنی اسرائیل کے پاس لوٹ کر آئے تو تورات یاد تھی فرمایا میں عزیرؑ ہوں لوگوں نے آپ کی بات جھوٹ جانی، آپ نے اپنی یاد سے پوری توریت لکھوا دی بنی اسرائیل کہنے لگے توریت تو ضائع ہو چکی تھی کسی کو بھی یاد نہ تھی، اب جس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ نے توریت ڈالی وہ بلاشبہ خدا کا پیٹا ہی ہے سورہ توبہ میں پورا قصہ انشاء اللہ ذکر کیا جائے گا۔

وَلَمَّا قَالُوا اِبْرٰہِیْمُ رَبِّیْٓ اَسْمٰی کَیْفَ تَحْمِلُ الھٰمُوۡتٰی
اور یاد کرو (اس واقعہ کو) جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا اے میرے رب مجھے دکھا دے کہ مردوں کو تو زندہ کس طرح کرتا ہے۔

(وجہ سوال) حسن، قائدؒ، عطاء خراسانی اور ابن جریرؒ رحمہم اللہ تعالیٰ نے سوال مذکور کی وجہ یہ بیان کی کہ گدھے کی ایک لاش حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سمندر کے کنارے پر پڑی دیکھی جب سمندر چڑھتا تھا تو دریائی (مردار خور) جانور (سمندر کے پانی کے ساتھ) آکر اس لاش کو کھاتے تھے اور پانی کے اتار کے بعد صحرائی درندے اور پرندے اس کو کھانے لگتے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ کیفیت دیکھ کر تعجب ہوا اور عرض کیا میرے رب میں یہ تو جانتا ہوں کہ تو اس (مردار کے مختلف حصوں) کو سمندر و صحراء سے لا کر یکجا (کر کے زندہ) کر دے گا لیکن مجھے دکھا دے کہ تو اس کو کس طرح زندہ کرے گا تاکہ آنکھوں سے دیکھنے کے بعد میرے ایمان میں اضافہ ہو جائے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ جب نمرود نے دو آدمیوں کو بلوا کر ایک کو قتل کرادیا اور دوسرے کو آزاد کر دیا، اور بولا أَنَا أَحْيَىٰ وَأَمَيَّتُ، تو حضرت ابراہیم نے فرمایا اللہ تو مرنے کے بعد زندہ کرے گا (اگر تو بھی کر سکتا ہے تو کر) نمرود نے کہا کیا تو نے خدا کو ایسا کرتے دیکھا ہے، ابراہیم علیہ السلام ہاں نہ کہہ سکے اور اس وقت اللہ نے مذکورہ بالا سوال کیا تاکہ نمرود کی ایسی بات کے جواب میں ہاں کہہ سکیں۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب اللہ نے ابراہیم کو اپنا خلیل بنالیا تو بحکم خدا فرشتہ موت نے آکر آپ کو یہ بشارت دی ابراہیمؑ نے کہا، اس بات کی نشانی کیا ہے فرشتہ نے کہا اللہ آپ کی دعا قبول فرمائے گا اور آپ کی درخواست پر مردوں کو زندہ کر دے گا اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مذکورہ بالا سوال کیا۔

اللہ نے فرمایا کیا تجھے یقین نہیں ہے کہ مار دینے کے بعد میں دوبارہ اجزاء کو جوڑ کر زندہ کر سکتا ہوں، اللہ اگرچہ واقف تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایمان سب سے زیادہ پختہ ہے لیکن صرف اس وجہ سے کہ ابراہیم علیہ السلام کے جواب کو دوسرے لوگ سن لیں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مذکورہ بالا سوال کیا۔

قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قُلُوبِي ﴿۱۰﴾ ابراہیم علیہ السلام نے کہا مانا کیوں نہیں مگر میرا یہ سوال تو اپنے دل کے ٹھہراؤ کے لئے ہے، یعنی مجھے قلبی اطمینان ہو جائے بصیرت اور سکون قلب معاینہ کے بعد بڑھ جائے استدلال (عقلی) اور وحی (وجدانی) کے ساتھ مشاہدہ مل جائے توحی کا ٹھہراؤ ہو جائے، یا یہ مطلب ہے کہ میرے دل کو اس بات کا اطمینان ہو جائے کہ تو نے مجھے اپنا خلیل بنالیا ہے اور میری دعا کو تو قبول فرمائے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نَحْنُ أَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ رَبِّ ارْنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ (الایہ) وَرَجِمَ اللَّهُ لُوطًا لِّذَكَانِ يَأْوِي إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ، وَلَوْ لَبِثْتُ الْيَسْجَنَ طَوْلَ مَا لَبِثَ يُوسُفُ لَا حَبِثُ الدَّاعِي (متفق علیہ) یعنی ہم ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کے حق دار ہیں جب کہ انہوں نے رَبِّ ارْنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ کہا تھا (اور اپنے لفظوں سے شک کا اظہار کیا تھا) اور لوط پر اللہ کی رحمت ہو وہ ایک قوی سہارے کی طرف رجوع کرنا چاہتے تھے (یعنی ظاہری سہارے کے طالب تھے) اور اگر میں قید خانہ میں اتنی طویل مدت تک رہتا جتنی مدت یوسف رہے تو میں (بادشاہ کی طرف سے) بلانے والے کے قول کو (بلا شرط) مان لیتا (اور اس کے ساتھ چلا جاتا)۔

اس حدیث کی معنوی تشریح مختلف طور پر کی گئی ہے، اسماعیل بن حنی مرتبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے کہ اللہ کا مردوں کو زندہ کرنا نہ رسول اللہ ﷺ کے لئے کوئی شک کی چیز تھا نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے اس میں کسی کو شک نہ تھا شک صرف اس بات میں تھا کہ کیا اللہ تعالیٰ ہماری دعا بھی قبول فرمائے گا یا نہیں لیکن اس تشریح کی تردید خود آیت اُولَٰئِكَ نَبُذْنٰهُمْ قُلُوبُهُمْ سے ہو رہی ہے (آیت بتا رہی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد احیاء موتی کے متعلق اطمینان قلب حاصل کرنا تھا)۔

امام ابو سلیمان خطابی نے کہا کہ حدیث میں شک کا اعتراف ہی نہیں ہے رسول اللہ ﷺ نے نہ اپنے شک کا اعتراف کیا نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شک کرنے کا بلکہ شک کی نفی موجود ہے مطلب یہ ہے کہ جب مجھے شک نہیں تو ابراہیم کو تو بدرجہ اولیٰ شک نہ ہونا چاہئے (گویا) حضورؐ نے تواضع و انکسار نفس کے طور پر اپنے کو چھوٹا اور ابراہیمؑ کو بڑا قرار دیا، حدیث لَوْ لَبِثْتُ فِي السِّجْنِ مَا لَبِثْتُ يُوسُفَ لَا حَبِثُ الدَّاعِي کا بھی یہی مطلب ہے حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی درخواست شک کی وجہ سے نہیں تھی (یقین تو ان کو پہلے ہی تھا) بلکہ معاینہ سے علم و یقین میں اضافہ چاہتے تھے، استدلال سے اطمینان قلب اور معرفت کا حصول اتنا نہیں ہوتا جتنا آنکھوں سے دیکھنے سے ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ خبر معاینہ کے برابر نہیں ہوتی، اللہ نے حضرت موسیٰ کو بنی اسرائیل کے گنوا سالہ پرستی کی اطلاع دے دی، مگر آپ نے تورات کی تختیاں نہیں پھینکیں لیکن جب انکی حرکت اپنی آنکھوں سے دیکھ لی تو تختیاں پھینک دیں کہ وہ ٹوٹ گئیں، یہ حدیث امام احمد اور طبرانی نے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کی ہے لیکن جو حدیث طبرانی نے حضرت انسؓ کی روایت سے اور خطیب نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے اچھی اسناد کے ساتھ بیان کی ہے اس میں حضرت موسیٰ کے واقعہ کا ذکر نہیں ہے (صرف لبس الخبر کا المعاینۃ مذکور ہے)۔

یہ بھی روایت ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو شک کیا لیکن ہمارے حضور اقدس ﷺ نے شک نہیں کیا، میں کہتا ہوں یہ قول اور یہ توجیہ حدیث میں ضعیف ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شک نہ کرنا تو خود آیت میں مذکور ہے دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بکلی ذلِکَن لَّیَظْمِیْنَ قَلْبِیْ کہا تھا اس کلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف شک کی نسبت کس طرح کی جاسکتی ہے اور دفع توہم کی ضرورت ہی کیا ہے میرے نزدیک تحقیق وہ ہے جو صوفیہ صافیہ نے بیان کی ہے کہ سلوک کے دو مقام ہیں (۱) عروج (۲) نزول۔

عروج یہ ہے کہ آدمی تمام بشری اوصاف کا لباس اتار پھینکے اس کے اندر ملکوتی صفات اور قدسی احوال پیدا ہو جائیں، رسول ﷺ نے جب خود بے درپے روزے رکھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بے درپے روزے رکھنے کی ممانعت فرمائی صحابہ نے عرض کیا یا رسول ﷺ آپ بھی تو بے درپے روزے رکھتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا میں تمہاری (اس ظاہری بشری) ہیئت کی طرح نہیں ہوں مجھے تو میرا رب کھلاتا پلاتا ہے اس حدیث میں مقام عروج ہی کا بیان ہے، اہل اللہ کی اصطلاح میں اس سیر حیوۃ کو سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کہتے ہیں۔ نزول کا یہ معنی ہے کہ عروج کے بعد پھر لوٹ کر بشری صفات سے موصوف ہو جائے اس رجوعی سیر کو سیر من اللہ باللہ کہتے ہیں، مقام نزول مقام تکمیل ہوتا ہے اس مقام پر پہنچنے والا مخلوق کو خالق کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہے (یعنی صاحب دعوت ہوتا ہے)۔

نزول کی حکمت یہ ہے کہ فیض بخشنے والے اور فیض قبول کرنے والے میں باہم مناسبت ہونی ضروری ہو تاکہ فیض یابی میں سہولت ہو جیسے رنگ ریزی اور رنگ پذیری بغیر باہمی تناسب کے نہیں ہوتی (اسی طرح فیض بخشی اور فیض یابی کے درمیان خواص و صفات اور احوال میں قدرے مشابہت لازم ہے بالکل بیگانگی مانع استفادہ ہے) اسی لئے انسانوں کی ہدایت کے لئے اللہ نے انسانوں کو بنی بنا کر بھیجا، عوام براہ راست انبیاء کی وساطت کے بغیر بارگاہ الہی سے فیض یاب نہیں ہو سکتے (اللہ نور محض ہے اور

یاد رکھنا چاہئے کہ سلوک میں مقام عروج تک پہنچنے سے صرف اپنی تکمیل ہوتی ہے عارف کا رخ صرف حق تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے، معرفت حق اس کو حاصل ہوتی ہے وہ صفات بشریہ فنا کر چکتا ہے، بشری انانیت کھو دیتا ہے وہ اس صاف آئینہ کی طرح ہوتا ہے جس پر اگر آفتاب کا عکس پڑتا ہے تو پار ہو جاتا ہے اور اس کے ذرہ ذرہ کو روشن کر دیتا ہے یہاں تک کہ سوائے آفتاب کی شعاعوں کے آئینہ کی ہستی نظر ہی نہیں آتی وہ نور چلن ضرور ہوتا ہے مگر عکس ریز نہیں ہوتا خود روشن ہوتا ہے لیکن دوسروں کو روشنی نہیں دے سکتا، تاریک کمرہ میں اس کا عکس نہیں پہنچتا مقام عروج میں انسان میں محض ملکوتی صفات پیدا ہو جاتی ہیں نہ کھانے پینے کی خواہش نہ دکھ سکھ کا احساس نہ اس کے اندر بشری تقاضے کا فرما لیکن صاحب عروج کی مزید تکمیل کے لئے اس کو پھر لوٹا کر بشری صفات کے ساتھ متصف کیا جاتا ہے، خالص ملکوتیت اور نری قدسیت باقی نہیں رہتی خواص بشریت اور لوازم انسانیت پھر بدرجہ اتم اس میں نمودار ہو جاتے ہیں اب وہ دوسرے انسانوں کی طرح ہوش حواس کی دنیا میں ہوتا ہے، علائق بشری سے وابستہ ہو جاتا ہے، لذت والہ، پیاس اور بھوک مٹتی اور خشکی خواہشات کا احساس اس میں پیدا ہو جاتا ہے، اب وہ دوسرے انسانوں سے علیحدہ نہیں ہوتا سب کے ساتھ مخلوط ہوتا ہے جب دوسرے آدمیوں سے اس کو مناسبت تامہ ہو جاتی ہے تو مقام عروج میں جو کچھ دیکھ کر آتا ہے اس مقام نزول میں اتر کر دوسروں کو بھی بتاتا ہے جس چشمہ سے خود سیراب ہو چکا ہوتا ہے دوسروں کو بھی اسی پانی سے سیراب کرتا ہے اب وہ ایسا آئینہ ہو جاتا ہے جس کا ایک رخ روشن ہوتا ہے اور دوسرے رخ پر بشریت کا مصالحہ لگا ہوتا ہے روشن رخ سے وہ آفتاب الوہیت و وحدت کی شعاعیں کھینچتا ہے اور تاریک رخ کی وجہ سے اس نور بے کیف اور ہدایت الہی کی روشنی کو اپنے اندر روک کر تاریک دلوں پر عکس ریزی اور نور پاشی کرتا ہے، پس اس مقام پر اس کو دوسرے انسانوں سے جتنی زیادہ مناسبت ہوتی ہے اور اتنی ہی اس کی تبلیغ و ہدایت سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے، مرتبہ عروج پر کامل طور پر فائز تو سب ہی انبیاء اور اہل عرفان ہوتے ہیں مگر درجات کا فرق ہوتا ہے اور کمال عروج سب کو حاصل ہوتا ہے لیکن مقام نزول کے اعتبار سے انبیاء ایک جیسے نہیں ہوتے یہی وجہ ہے کہ ہر پیغمبر کی تبلیغ سے بھی ایک جیسا فائدہ نہیں ہوتا، کسی سے فیض یاب کم لوگ ہوتے ہیں کسی سے زیادہ۔

عام انسان کثافت خالص ظلمت کا نور سے جوڑ نہیں ہو سکتا) یہی وجہ ہے کہ انسانوں کے لئے فرشتوں کو بھی پیغمبر بنا کر نہیں بھیجا (کیونکہ فرشتے بشری آلاتوں سے قطعاً پاک اور مجسم نور ہیں ان سے ظلمانی الطبع انسانوں کو کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

(ترجمہ) اگر زمین پر ملائکہ چلتے پھرتے ہوتے تو ہم ان کی ہدایات کے لئے آسمان سے فرشتہ کو رسول بنا کر اتارتے، دوسری جگہ فرمایا (ترجمہ) اگر ہم پیغامبر کو فرشتہ بناتے تو اس فرشتہ کو مرد بناتے اور انسانی جامہ پہناتے جس شخص کی حالت نزول جتنی کامل ہوگی اتنی ہی اس کی تبلیغ کامل اور دعوت آفاق گیر ہوگی، دیکھو اگر کوئی شکاری کسی بلند ترین مقام سے شکار کے تیر مارے تو اکثر نشانہ خطا ہو جاتا ہے (اسی طرح صاحب عروج جب تک مقام نزول پر اتر کر تبلیغ نہیں کرے گا دعوت ناکام رہے گی) حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے فرمایا حضرت نوح کی دعوت فراق کے ساتھ تھی اس لئے لوگوں نے رد کر دی اور رسول (ﷺ) کی دعوت مقارنت کے ساتھ تھی اس لئے لوگوں نے مان لی، شیخ کا مطلب یہ ہے کہ عوام کی استعداد و صلاحیت انتہائی پست ہوتی ہے اور حضرت نوح مقام عروج پر تھے، آپ کے اور عوام کے درمیان زیادہ قرب نہ تھا فریقین کے احوال میں باہم مناسبت نہ تھی اس لئے دعوت ناکام رہی اور رسول (ﷺ) (تکمیل عروج کے بعد) انتہائے نزول پر اتر آئے تھے (اور عوام سے آپ کے احوال قریب اور متناسب ہو گئے تھے) اس لئے آپ کی دعوت پر لوگوں نے لبیک کہی عارف کامل پر جب نزول کے آثار نمایاں ہوتے ہیں تو اس وقت وہ بالکل عوام کی طرح اسباب (ظاہری) کے دامن سے وابستہ نظر آتا ہے اسی مقام پر اتر کر رسول اللہ ﷺ نے جنگ کے موقع پر تہہ برتہ زہہ پہنی تھی (اور جسم مہدک کی حفاظت کے لئے لوہے کی زرہ استعمال کی تھی) اور مدینہ کے گرد اگر دشمن کی روک کے لئے خندق کھدوائی تھی، اسی مقام پر عارف کامل اپنے یقین کی زیادتی اور قلبی سکون حاصل کرنے کے لئے استدلال قطعی کا خواہاں ہوتا ہے پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ اسی مقام کی تشریح ہے اور حضرت لوط علیہ السلام نے لَوْ اَنْ يَكُفُّ قُوَّةَ اَوْ اَوْى اِلٰى رُكْنٍ شَدِيدٍ اِسى مقام میں کہا تھا، حدیث مذکور میں رسول اللہ ﷺ نے زیادتی یقین کی طلب کو (لفظی اور) ظاہری مشابہت کی وجہ سے شک فرمایا اور نحن احق بالشک من ابراہیم فرما کر اپنے مقام نزول کی تعبیر کی، مراد یہ ہے کہ ہمارا مقام نزول تو ابراہیم علیہ السلام کے مقام نزول سے زیادہ کامل ہے اس لئے زیادتی یقین کی طلب ہم کو ابراہیم سے زیادہ ہونی چاہئے حقیقت میں بھی رسول اللہ ﷺ کا مقام نزول حضرت ابراہیم کے درجہ نزول سے بڑھا ہوا تھا اسی لئے تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے آپ کو بھیجا گیا اسی طرح آپ کا مرتبہ عروج بھی ہر عروج سے بلند تھا، فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی، گویا آپ کمال کے دونوں جہات (عروج و نزول) کو محیط تھے، رہا حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق حضور ﷺ کا ارشاد مذکور تو اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت لوط مقام نزول میں تھے اس تشریح پر یہ حضرت لوط علیہ السلام کی مدح ہوگی، باقی حضرت یوسف علیہ السلام کے تذکرہ والی حدیث سے تو ثابت ہو ہی رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا مرتبہ نزول حضرت یوسف علیہ السلام کے درجہ نزول سے زیادہ کامل تھا اگر حضرت یوسف علیہ السلام کا نزول حضور ﷺ کے مرتبہ نزول کے برابر ہوتا تو (پہلی ہی مرتبہ بلانے والے کی دعوت کو قبول کر لیتے، واللہ اعلم۔

قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ (جب تو اطمینان قلب کے لئے اپنی نظر سے مُردوں کو زندہ کرنے کی کیفیت دیکھنا چاہتا ہے) تو چار پرندے پکڑ لے، الطیر مصدر (بمعنی اسم فاعل ہے یا طائر کی جمع ہے جیسے صحب صاحب کی جمع ہے مجاہد عطاء بن رباح اور ابن جریر نے بیان کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار پرندے لے لئے، مور، مرغ، کبوتر، کوا حضرت ابن عباس کے ایک قول میں بجائے کبوتر کے گدھ آیا ہے۔

عطاخر اسانی کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ سبز بلخ، کالا کوا، سفید کبوتر اور سرخ مرغ لے لے، میں کہتا ہوں، چار پرندے لینے کا حکم شاید اس وجہ سے دیا کہ انسان اور دوسرے تمام حیوان چار اخلاط سے بنے ہیں اور چار اخلاط چار عناصر سے پیدا ہوتے ہیں، سرخ مرغ خون کی تعبیر ہے اور سفید کبوتر بلغم کی اور سیاہ کوا سوداء کو بتا رہا ہے

اور سبز لٹخ سغراء کو۔ ان چاروں کو مرے پیچھے زندہ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ انسانی اجزاء بھی مرنے کے بعد زندہ کئے جاسکتے ہیں۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ اس میں اس بات کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ مذکورہ جانوروں کے خصوصی اوصاف کو فنا کئے بغیر نفس کو حیات ابدی حاصل نہیں ہو سکتی ظاہری سجاوٹ اور خواہشات کی محبت طاووس کی خصوصیت ہے، رعب داب اور حملہ کرنے میں مرغ مشہور ہے، دنائت نفس اور طول آرزو کوئے کی صفت ہے، بلندی کی طلب اور ہوا کی طرف اٹھنا کبوتر کا خاصہ ہے

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مقام نزول و دعوت میں تھے اس لئے آپ کو اللہ نے ہدایت کا طریقہ سکھایا کہ مرید کو فنا اور بقاء دونوں کی تعلیم دیں چنانچہ آپ نے جانوروں کو پکڑ کر پارہ پارہ کیا گویا یہ سلوک و فنا کی طرف اشارہ ہے پھر آپ نے ان کو بحکم خدا پکارا اس سے اشارہ جذب الی اللہ اور بقاء کی طرف ہے (بہاری یہ تمام تفصیل قرآن سے غیر متعلق ہے یہ صرف اہل بصیرت کی بصیرت اندوزیاں ہیں) واللہ اعلم۔

فَصْرُ هُنَّ ابو جعفر اور حمزہ کی قرأت **فَصْرُ هُنَّ** ہے یعنی ان کو پارہ پارہ اور ریزہ ریزہ کر دے یہ لفظ **صَارَ يَصِيرُ صَيْرًا** سے مأخوذ ہے اور قراء کے نزدیک **صَارِ يَصِيرُ** صریحاً کا مقلوب ہے، باقی قاریوں کے **فَصْرُ هُنَّ** پڑھا ہے یعنی ان کو ہلا لے ملا لے، اس وقت (اس لفظ کا مادہ **صَوَّرَ** ہو گا اور یہ) **صَرَّتْ أَصْوَرُ** سے مأخوذ ہو گا عطاء نے کہا **صُرَّ هُنَّ** کا معنی ہے ان کو جمع کر لے، **صَارَ يَصُوْرُ** کا معنی جمع کرنے کا ہے۔

الْيَكَّ (اپنی طرف) برقرات جمہور اس کا تعلق **فَصْرُ هُنَّ** سے ہے اور برقرات حمزہ ایک لفظ محذوف سے تعلق ہے یعنی **سَنْضَمًا إِلَيْكَ**۔

ثُمَّ اجْعَلْ عَلَى كُلِّ جَبَلٍ مِنْهُنَّ جُزْءًا پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک حصہ رکھ دے، عاصم نے بروایت ابو بکر **جُزْءًا** قرآن میں ہر جگہ پڑھا ہو اور ابو جعفر نے **جُزْءًا** اور جمہور نے **جُزْءًا**۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ پرندوں کو ذبح کر کے ان کے پر نوچ کر سب پر اور خون اور گوشت مخلوط کر لیں پھر اس مخلوط کے حصے کر کے پہاڑوں پر رکھ دیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے سات حصے کر کے سات پہاڑوں پر رکھ دیئے اور سب کے سر اپنے پاس روک رکھے، ابن جریر اور سدی کی بھی روایت ہے لیکن ابن جریر نے بوساطت ابن اسحاق نیز قتادہ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیم نے ہر پرندہ کے چار حصے کر کے ایک ایک حصہ پہاڑ پر رکھ دیا (یعنی چار پہاڑوں پر چار حصے رکھ دیئے)۔

ثُمَّ ادْعُهُنَّ پھر ان کو پکارو یعنی یوں کہو کہ بحکم خدا آ جاؤ۔
يَأْتِيَنَّكَ سَعْيًا وہ جلد جلد آتے ہوئے یا تیز تیز پیدل دوڑے ہوئے آ جائیں گے۔ حسب الحکم حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو پکارا فوراً ہر پرندہ کے خون کا ہر قطرہ دوسرے قطرہ سے ہر پر دوسرے پر سے اور ہر ہڈی اور ٹکڑا دوسری ہڈی اور ٹکڑے سے ملنے لگا اور ابراہیم علیہ السلام کی نظر کے سامنے ہر جسم بغیر سر کے پورا بن گیا پھر جسم اپنے اپنے سروں کی طرف آئے اور سروں سے جڑ کر بحکم خدا زندہ پرندے بن گئے۔

وَأَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ اور جان رکھ کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے یعنی کوئی چیز اس کو اس کے ارادہ سے روک نہیں سکتی۔
حَكِيمٌ پوری حکمت والا ہے اس کا ہر فعل اور ترک مبنی پر حکمت ہے سابق میں (حضرت عزیزیار میا علیہم السلام کے قصہ کے خاتمہ پر) فرمایا **ثُمَّ اجْعَلْ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ** اور اس جگہ (حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کے خاتمہ پر) فرمایا **إِعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ** اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ (عزیزیار میا کا قول **أَنْتَ يَجِيئُ هَذِهِ** اللہ بعد موتہا صرف اظہار

تعب کے لئے تھا اور حیرت اس امر پر تھی کہ مرے پیچھے زندہ کرنا معمول دنیوی کے خلاف ہے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول رَبِّ اَرْنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ کی بنا ایک نازک ترین حقیقت (حالت نزول) پر تھی جس سے حکمت الہیہ کا تقاضا پورا ہوتا تھا، واللہ اعلم۔

بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عزیرؑ کو سو برس مردہ رکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی مراد کھائی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد بڑی آسانی اور حسن اسلوب کے ساتھ فوراً پوری کر دی اس سے ثبوت مل رہا ہے اس امر کا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت عزیرؑ پر فضیلت حاصل تھی نیز حسن ادب کے ساتھ سوال اور عاجزانہ دعا بہت برکت رکھتی ہے (یعنی حضرت عزیرؑ کے کلام میں صرف اظہارِ تعجب ہے اور حضرت ابراہیمؑ کے کلام میں عاجزانہ طلب ملتجیانہ دعا اور بالادب سوال ہے اسی دعا کی برکت تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سوال آسانی کے ساتھ پورا کر دیا گیا اور حضرت عزیرؑ کو سو برس مردہ رہنے کے بعد مراد ملی۔)

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
ہر راہ خیر میں خرچ کرنا۔ اس عبارت میں مضاف مخدوف ہے خواہ مبتدا کی جانب حذف مانا جائے یا خبر کی جانب یعنی جو لوگ راہ خدا میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے۔

كَمْثَلِ حَبَّةِ أَتَبْتُ سَبْعَ سَنَائِلٍ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةَ حَبَّةٍ
جیسے غلہ کا کوئی ایک دانہ جس میں سات بالیں نکلیں اور ہر بال میں سودانے ہوں (اس طرح ایک دانہ کے سات سودانے ہو جائیں) یا یوں کہا جائے کہ راہ خدا میں اپنا مال خرچ کرنے والوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بونے والا جس میں سات بالیں نکلیں اور۔
أَتَبْتُ اس دانہ نے پیدا کیا، دانہ کی طرف پیدا کرنے کی نسبت مجازی ہے (پیدا کرنے والا حقیقت میں اللہ ہے) دانہ بالیاں پھوٹنے کا سبب ہے (مسبب کی جگہ سبب کا استعمال مجازاً ہوتا ہے) ایک بالی میں سودانے (بعض اناج میں ہوتے ہیں) جیسے چینایا دوان۔

وَاللَّهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ
وَاللَّهُ وَاسِعٌ
یعنی دنیا اور آخرت میں اللہ جس شخص کے لئے جتنے گنا چاہے کر سکتا ہے۔
کیونکہ اللہ بڑی سمائی والا ہے جس پر جتنی زیادہ مہربانی کرے کر سکتا ہے اس کیلئے کوئی تنگی نہیں۔
وہ خرچ کرنے والوں کی نیتوں سے بخوبی واقف ہے نیتوں کے موافق ہی جزا عطا کرے گا۔

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
بن عوف چار ہزار درہم صرف خیر کے لئے خرچہ مت گرامی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے پاس آٹھ ہزار درہم تھے چار ہزار تو میں نے اپنے اور اپنے بچوں کے لئے رکھ لئے ہیں اور چار ہزار میں اپنے رب کو قرض دینے لایا ہوں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو درہم تم نے اپنے پاس روک لئے اور جو راہ خدا میں دیئے ہیں سب میں اللہ برکت دے۔ حضرت عثمانؓ نے غزوہ تبوک کے موقع پر مسلمانوں کو ایک ہزار اونٹ ان کے کجاووں اور عرق گیر سمیت دیئے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ کلبی نے حضرت عبدالرحمن بن سرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ بھی بیان کیا کہ جیش عسرت (یعنی جنگ تبوک کی تیاری) کے موقع پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار دینار لا کر رسول اللہ ﷺ کی گود میں ڈال دیئے میں

۱۔ وہ ضابطہ تخلیق جو اس دنیا میں جاری ہے آدمی اس کو ضابطہ فطرت سمجھتا ہے کیونکہ اس کے خلاف آدمی کو کوئی مثال نہیں ملتی، لیکن آدمی کے مسلمہ ضابطہ فطرت کے خلاف اگر کوئی صورت پیش آئے یا خرق فطرت کی اس کو اطلاع دی جائے تو خبر دینے والے کی سچائی پر اعتماد کرنے کی وجہ سے وہ اگرچہ اس کو مان لیتا ہے اور یقین کر لیتا ہے لیکن باوجود یقین کے اس کو تھیر لور تعجب ضرور ہوتا ہے، اسی حیرت اور تعجب کی وجہ سے وہ اپنے علمی یقین کو یقین مشاہدہ سے بدلنا چاہتا ہے اور علم الیقین سے ترقی کر کے عین الیقین حاصل کرنے کا خواستگار ہوتا ہے، حضرت مولف کا مطلب بھی یہی ہے کہ حضرت عزیرؑ حضرت ابراہیمؑ کا سوال انکار ہی نہ تھا بلکہ تعجب آگیا تھا اور آپ عین الیقین کے خواستگار تھے، ۱۲۔

نے خود دیکھا کہ (انتہائی مسرت کے ساتھ) رسول اللہ ﷺ ان میں دست مبدک ڈالتے ان کو الٹ پلٹ کرتے اور فرماتے تھے آج کے بعد عثمان جو عمل بھی کرے اس کو (کسی عمل سے) ضرر نہیں ہوگا اس پر اللہ نے آیت مذکورہ نازل فرمائی۔ امام احمد نے بھی حضرت عبدالرحمن بن سرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بیان کی ہے لیکن اس میں نزول آیت کا ذکر نہیں ہے۔
 ثُمَّ لَا يُلْبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا مِثْلَ ثَلَاثِ آدَمِيٍّ
 بعد نہ کسی قسم کا احسان رکھتے ہیں نہ دکھ دینے کی کوئی بات کرتے ہیں۔ مِثْلًا کا یہ معنی ہے کہ جس پر احسان کیا ہے اس پر احسان کی شہار کرے (یعنی احسان رکھے) اور آدمی سے یہ مراد ہے کہ احسان کے بعد اس پر اپنی فوقیت قائم کرے اور اسے کو بالادست قرار دے یا یہ کہے کہ تو مجھ سے کتنا مانگے گا۔ مجھے کتنا ستائے گا یا اپنے دینے کا ایسے لوگوں سے مذکرہ کرے جن کا مطلع ہونا لینے والے کو ناگوار ہو۔

بغویؒ نے نقل کیا ہے کہ عبدالرحمان بن زید بن اسلم رضی اللہ عنہ بیان کرتے تھے کہ میرے باپ کہا کرتے تھے جب تو کسی کو کچھ دے اور پھر تجھے محسوس ہو کہ اس کو تیرا سلام کرنا بھی گراں گزرتا ہے تو اس کو سلام بھی نہ کر۔
 لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۵۰﴾
 ان کا اجر خصوصیت کے ساتھ ان کے رب کے پاس ہے ان کو نہ (آئندہ کا) خوف ہوگا نہ (پچھلے کا) غم۔ (الذین مبتدأ ہے اور لَهُمْ أَجْرُهُمْ خبر ہے) مبتدا کے اندر شرط کا معنی ہے لہذا خبر پر فاء آئی چاہئے لیکن اس جگہ فاء مذکور نہیں اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ درپردہ یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ وہ اس سلوک کے پہلے سے ہی مستحق ہیں خواہ انفاق کریں یا نہ کریں اور اب تو انفاق فی سبیل اللہ کرتے ہیں اس لئے ان کا استحقاق مستحکم ہو گیا۔

بھلی بات اور نرمی سے سائل کو رد کر دینا۔ کبھی نے کہا اس سے مراد وہ نیک دعا ہے جو کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے لئے اس کی غیر موجودگی میں کرتا ہے۔ ضحاک نے کہا باہمی نزاع کو دور کرنے کے متعلق اس آیت کا نزول ہوا (یعنی قول معروف سے وہ بات مراد ہے جو مسلمانوں کے باہمی نزاع کو دور کرنے کے لئے کہی جائے)۔
 وَمَغْفِرَةٌ
 اور معاف کر دینا یعنی جو سائل اصرار کے ساتھ سوال کرتا ہے اور پیچھے پڑ جاتا ہے اس کو مناسب الفاظ کے ساتھ رد کرنا اور درگزر کرنا (زجر نہ کرنا اور سخت الفاظ استعمال نہ کرنا) بغویؒ نے لکھا ہے مغفرت سے مراد یہ ہے کہ سائل کا پردہ فاش نہ کرے اور اس کی محتاجی پر پردہ ڈالے رکھے (گویا بغوی کے نزدیک مغفرت کا لغوی معنی یعنی چھپانا مراد ہے مجازی معنی یعنی معاف کرنا مراد نہیں ہے)۔

بعض علماء نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ نرم الفاظ میں رد کرنے سے من جانب اللہ مغفرت کا حصول اس کو مقصود ہو بعض لوگوں کا قول ہے کہ مغفرت سے مراد یہ ہے کہ سائل رد کرنے والے کے انکار سے درگزر کرے اور اس کو معذور سمجھے۔ کبھی اور ضحاک کے نزدیک مراد یہ ہے کہ جو شخص بھی اس کی حق تلفی کرے اس کو معاف کر دے۔
 خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا أَذًى
 یعنی بھلی بات اور مغفرت اس دینے سے بہتر ہے جس کے پیچھے دینے والے کی طرف سے لینے والے کو دکھ پہنچے۔ قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ مبتدا ہے اور خَيْرٌ دونوں کی خبر ہے قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ مکرہ مخصوصہ ہے اس لئے اس کا مبتدا ہونا درست ہے۔

وَاللَّهُ غَنِيٌّ
 یعنی جس عطاء کے بعد احسان رکھا جائے یا دکھ دیا جائے اس کی اللہ کو پرواہ نہیں۔
 حَلِيمٌ ﴿۵۱﴾
 احسان رکھنے والے اور دکھ دینے والے کو فوری عذاب نہیں دیتا کیونکہ بڑی برداشت والا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ لَا (اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اپنی خیرات کے ثواب کو سائل پر احسان رکھنے اور دکھ دینے سے انکار نہ بناؤ یعنی دونوں میں سے کوئی فعل کر کے صدقہ کو رائیگاں نہ کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک احسان رکھنے سے مراد ہے اللہ پر احسان رکھنا اور عام مفسرین نے لینے والے پر احسان رکھنا مراد لیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دینے کے بعد احسان جتانے والا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا (یعنی جب تک لینے والا اس کو معاف نہ کر دے اور ماں باپ راضی نہ ہو جائیں) واللہ اعلم رواہ الترمذی والدارمی۔

كَالَّذِي يُبْفِقُ مَالَهُ رِثَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
جیسے وہ شخص اپنے ثواب کو اکارت کر دیتا ہے جو لوگوں کے دکھانے کے لئے خیرات کرتا ہے حالانکہ اس کا ایمان نہ اللہ پر ہوتا ہے نہ روزِ آخرت پر۔
كَالَّذِي فِي كَافٍ مَحَلٍ نَصَبٌ مِّنْهُ عَنِ النَّاسِ مَقْبُولٌ مَّطْلُوقٌ ہونے کی وجہ سے ہے یا حال ہونے کی بنا پر اول صورت میں اس طرح ترجمہ ہوگا کہ اس شخص کے ثواب کو ریاکیاں کرنے کی طرح اپنے ثواب کو اکارت نہ کرو جو اٹخ اور مؤخر الذکر صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ ثواب کو برباد کرنے میں اس شخص کی طرح نہ ہو جاؤ جو اٹخ رِثَاءَ النَّاسِ کا نصب مقبول نہ، یعنی فعل مذکور کی علت ہونے کی بنا پر ہے یعنی لوگوں کو دکھانے کی غرض سے وہ مال خرچ کرتا ہے یا حال ہونے کی وجہ سے نصب ہے۔ یعنی لوگوں کو دکھاتے ہوئے خرچ کرتا ہے یا مقبول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی لوگوں کی دکھاوٹ کا خرچ کرتا۔ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ اتفاق صدقہ کی قید نہیں ہے کیونکہ ریاکاری سے خیرات کا ثواب بہر حال برباد ہو جاتا ہے خواہ ریاکاری کرنے والا مومن ہی ہو۔ بلکہ اس جملہ کا ذکر حقیقت میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ دکھاوٹ کیلئے خیرات کرنی مومن کی شان نہیں منافق کی خصوصیت ہے۔

فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ
اس ریاکار کی حالت ایسی ہے جیسے پتھر کی چکنی چٹان صفوان یا جمع ہے اور صفوانہ اس کا مفرد ہے یا مفرد ہے اور صفی جمع ہے۔

عَلَيْهِ ثَرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا
جس پر خاک پڑی ہو اور موٹے قطروں کی بارش اس پر برسے اور صاف چمکانے کے چھوڑ دے۔

لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا
یعنی جو کچھ دنیا میں کمائی کی تھی آخرت میں اس سے بالکل نفع حاصل نہ کر سکیں گے۔ چونکہ الذی سے جنس یا جمع مراد ہے گو لفظ مفرد ہے اس لئے معنوی لحاظ سے لایققدرون کی ضمیر جمع الذی کی طرف راجع ہے۔

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ
اور اللہ کافر (یعنی کفر پر جم جانے والی) قوم کو ہدایت نہیں کرتا اس جملہ میں درپردہ اس طرف اشارہ ہے کہ ریاکاری اور منت نمی اور سائل سے اذیت رساں بات کہنا کافروں کی خصوصیات ہیں مؤمن کے لئے زیبا نہیں۔ یا (کافر سے مراد ہے ناشکری کرنے والا) معمم حقیقی کی نعمتوں کا کفران اور ناشکری کرنے والوں کو اللہ ہدایت نہیں کرتا۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں سب سے زیادہ شرک سے لاپرواہ ہوں اگر کوئی ایسا عمل کرتا ہے جس کے اندر کسی دوسرے کو میرا سا جی قرار دیتا ہے (یعنی خالص میری رضا حاصل کرنے کے لئے نہیں کرتا) تو میں اس کو اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں میں اس سے بیزار ہوں اس کا عمل اسی شریک کے لئے ہوگا جس کے لئے اس نے کیا ہوگا۔ (رواہ مسلم)۔

حضرت جندب کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص شررت طلبی کے لئے عمل کرتا ہے اللہ بھی اس کے عمل کو شررت طلبی کے لئے قرار دیتا ہے اور جو ریاکاری کرتا ہے اللہ بھی اس کے کام کو ریاکاری قرار دیتا ہے (بخاری و مسلم) حضرت ابو سعید بن ابوفضالہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن یعنی اس دن جس کا آنا یقینی ہے لوگوں کو جمع کرے گا تو ایک پکارنے والا ندا دے گا جس نے کوئی کام اللہ کے لئے کیا ہو اور اس میں کسی دوسرے کو اللہ کے ساتھ شریک بنایا ہو اس کو چاہئے کہ اپنا ثواب اسی شریک سے طلب کرے۔ اللہ سب سے زیادہ شرک سے بیزار ہے۔ (رواہ احمد) حضرت محمود بن لبید راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے تمہارے متعلق سب سے زیادہ اندیشہ شرکِ اصغر کا

ہے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ شرک اصغر کیا ہے۔ فرمایا ریاکاری (رواہ احمد) بیہقی نے شعب الایمان میں اتنا مزید نقل کیا ہے کہ جزائز کے دن اللہ فرمائے گا۔ ان کے پاس جاؤ جن کو دنیا میں تم اپنے اعمال دکھایا کرتے تھے جا کر دیکھ لو کہ ان کے پاس تم کو جزایا بھلائی ملتی ہے۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے مجھے اپنی امت کے متعلق شرک اور پوشیدہ خواہش نفس کا اندیشہ ہے میں نے عرض کیا، کیا حضور کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت شرک کر سکے گی فرمایا ہاں، سنو کوئی شک نہیں کہ وہ نہ سورج کی پوجا کرے گی نہ چاند کی نہ پتھر کی نہ بت کی بلکہ وہ اپنے اعمال میں دکھاوٹ کرے گی اور پوشیدہ نفسانی خواہش کی صورت (مثلاً) اس طرح ہوگی کہ صبح کو لوگ روزہ دار ہوں گے لیکن (پھر) کوئی نفسانی خواہش ان کے سامنے آئے گی تو روزہ چھوڑ دیں گے۔ (رواہ احمد و بیہقی)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ قیامت کے دن سب سے اول ایک شہید کا فیصلہ ہوگا پیشی کے وقت اللہ اس کو اپنی نعمتیں بتائے گا وہ ان کا اقرار کرے گا اللہ فرمائے گا تو پھر ان نعمتوں کے سلسلہ میں تو نے کیا کیا وہ عرض کرے گا میں تیری راہ میں لڑ کر شہید ہو گیا اللہ فرمائے گا تو جھوٹ کہتا ہے تو صرف بہادر کہلوانے کے لئے لڑا تھا چنانچہ تجھے بہادر کہہ دیا گیا اس کے بعد بحکم خداوندی منہ کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ اس کے بعد اس شخص کی پیشی ہوگی جس نے علم سیکھا سکھایا اور قرآن پڑھا ہوگا اس کو بھی اللہ تعالیٰ اپنی نعمت بتائے گا۔ وہ اقرار کرے گا۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا تو نے اس نعمت کا کیا کیا وہ عرض کرے گا میں نے علم سیکھا سکھایا اور تیری خوشنودی کے لئے قرآن پڑھا اللہ فرمائے گا تو نے جھوٹ کہا تو نے عالم کہا جانے کے لئے علم سیکھا تھا اور قاری کہلوانے کے لئے قرآن پڑھا تھا پھر اس کو بھی بحکم خداوندی منہ کے بل کھینچ کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ پھر ایک شخص پیش ہوگا جس کو اللہ نے وسیع روزی عطا کی ہوگی اور ہر قسم کا مال مرحمت فرمایا ہوگا اس کو بھی اللہ اپنی نعمتیں یاد دلائے گا اور وہ اقرار کرے گا اللہ پوچھے گا تو نے ان نعمتوں میں کیا کیا وہ عرض کرے گا میں نے کسی ایسے راستہ میں خرچ کرنے سے دریغ نہیں کیا جس میں صرف کرنا تجھے پسند تھا اللہ فرمائے گا تو نے جھوٹ کہا تو نے یہ کام صرف نخی مشہور ہونے کے لئے کئے تھے چنانچہ تجھے نخی کہہ دیا گیا پھر بحکم الہی اس کو منہ کے بل گھسیٹ کر آگ میں پھینک دیا جائے گا۔ (رواہ مسلم) بغوی نے یہ حدیث بیان کرنے کے آخر میں اتنا زیادہ نقل کیا ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے میرے زانوں پر (ہاتھ) مار کر فرمایا ابو ہریرہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں یہی تینوں ایسے ہوں گے کہ قیامت کے دن سب سے اول دوزخ ان پر بھڑکے گی (یعنی سب سے پہلے یہی تینوں دوزخ کا ایندھن ہوں گے)۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ ابْتِغَاءَ مَوْضِعَاتٍ مِنَ اللَّهِ وَيَتَنَبَّهَاتُ
تعالیٰ کی خوشنودی کی طلب اور اسلام کو مضبوط بنانے اور اللہ کو مضبوط بنانے اور اللہ کے وعدہ جزا کی تصدیق کرنے اور ثواب کی امید رکھنے کی وجہ سے اپنا مال راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ تثبیت سے مراد تثبیت مالی ہو یعنی مال کے نفع اخروی کو قائم رکھنے کی غرض سے خرچ کرتے ہیں کیونکہ قائم رہنے والا وہی مال ہے جو آخرت میں صاحب مال کے لئے سود مند ہو اس کے علاوہ ہر مال فانی ہے حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کس کو اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ پیارا ہے صحابہ نے عرض کیا ہم میں کوئی ایسا نہیں جس کو اپنا مال وارث کے مال سے زیادہ پیارا نہ ہو فرمایا تو اس کا مال وہی ہے جو اس نے پہلے سے بھیج دیا اور وارث کا مال وہ ہے جو پیچھے چھوڑ گیا۔ (رواہ البخاری) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ لوگوں نے (تقسیم کرنے اور لوگوں کو کھلانے کے لئے) ایک بکری ذبح کی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کتنا حصہ (دینے اور کھلانے سے) باقی رہ گیا صحابہ نے عرض کیا صرف شانہ باقی رہا ہے اور کچھ نہیں رہا فرمایا (یوں سمجھو کہ) سب باقی رہا شانہ نہیں رہا (یعنی شانہ کا ثواب جمع نہیں ہوا باقی گوشت کا ثواب جمع ہو گیا) (رواہ الترمذی) ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

مِنْ أَنْفُسِهِمْ مِنْ ابْتَدَأَ بِهٖ ۖ لَعْنَةُ إِيْمَانٍ وَ تَصَدِّقٍ كُو مضبوط کرنا یا مال کو قائم رکھنا خود ان کے نفسوں کی طرف

سے ہوتا ہے (کسی کے دباؤ یا لالچ کی وجہ سے نہیں ہوتا کیا میں تب بعضیہ ہے یعنی جو لوگ اپنے نفسوں کی بعض قوتوں کو ایمان پر مستحکم کرنے اور جمانے کے لئے راہ خدا میں مال خرچ کرتے ہیں نفس کی قوتیں متعدد ہیں بعض کا تعلق مال کو خرچ کرنے سے ہے اور بعض روح کو کام میں لانے کا سرچشمہ ہیں مال جان کا ہمزاد ہے جو شخص اللہ کی خوشنودی کے لئے مال صرف کرتا ہے وہ اس قوت کو ایمان پر مستحکم کرتا ہے جو صرف مال کا مبداء ہے اور جو مال و جان دونوں اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے وہ نفس کی ساری قوتوں کو ایمان پر جماتا ہے۔

بیضاویؒ نے لکھا ہے آیت میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ راہ خدا میں مال صرف کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ خلل اور مالی محبت سے نفس پاک ہو جائے۔ میں کہتا ہوں کہ اسی وجہ سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بچہ کے مال پر زکوٰۃ واجب ہی نہیں ہے کہ سرپرست اس کی طرف سے ادا کرے کیونکہ زکوٰۃ کی اصل علت یہ ہے کہ راہ خدا میں مال کو (جو جان کا ہمزاد ہے) خرچ کر کے مأمور کا امتحان لیا جائے (کہ مال کی محبت دل گیر ہے یا حکم خدا کی تعمیل کا جذبہ غالب ہے) اور سرپرست کے ہاتھوں بچہ کی طرف سے صرف کرانے سے یہ مصلحت پوری نہیں ہوتی۔

جیسے ہموار اونچے میدان کا باغ اس جگہ اور سورہ مؤمنون کی آیت اِلٰی رَبْوَةٍ مِّنْ اَمَامٍ عَامِرٍ اور عاصم نے ربوۃؒ راء پڑھا ہے لیکن دوسرے قاریوں نے بضم راء ربوۃ پڑھا ہے دونوں لغت آئے ہیں۔ ربوۃ وہ اونچا ہموار مقام جہاں نہریں بہہ رہی ہوں لیکن نہروں کے کنارے طرفین کی زمین سے نہ اونچے ہوں نہ نیچے اس لئے نہ پانی اوپر آسکتا ہونہ زمین اونچی اور پانی نیچا ہو۔ ایسے باغ کے درخت نہایت حسین اور صاف ستھرے ہوتے ہیں اسی لئے باغ کے ربوۃ پر واقع ہونے کی صراحت فرمائی۔

اَصَابَهَا وَاَيْلٌ فَانْتَأَتْ اُكْلَهَا ضَعْفَيْنِؕ جس پر اگر موٹے قطروں کی خوب بارش برس جائے تو اس کے درخت دو گنے پھل دیں۔ اُكْلَهَا بسکون کاف قرأت نافع وابن کثیر و ابو عمر و بضم کاف قرأت جمہور اُكْل (بمعنی مَآکُول کھائی جانے والی چیز یعنی) پھل ضَعْفَيْنِ حال ہونے کی بنا پر حالت نصب میں ہے یعنی بارش نہ ہونے سے جتنے پھل اس باغ میں پیدا ہو سکتے ہیں اس سے دو گنے پھل بارش کے بعد پیدا ہوتے ہیں (گویا ضَعْفَيْنِ سے مراد ہوا ایک کا دو گنا) جیسے آیت ذَوَّجْنِ اثْنَيْنِ میں زوج سے مراد ہیں دو۔ بعض کے نزدیک دو ضعف سے چار مراد ہیں کیونکہ ضعف ایک کا دو گنا ہوتا ہے اور دو ضعف چار گنا۔

فَاِنْ لَّمْ يَصِبْهَا وَاَيْلٌ فَطَلٌّ پس اگر اس پر بڑی بارش نہ ہو تو بارش کا ایک چھینٹا ہو جائے (تب بھی اس کے لئے کافی ہے) طَلٌّ کے بعد اَصَابَهَا مخدوف ہے یا طَلٌّ سے پہلے مخدوف ہے بہر تقدیر بمقصد یہ ہے کہ بارش کی کمی بیشی سے اس باغ کو کوئی نقصان نہیں ہوتا یا یہ معنی ہے کہ چونکہ اس کی زمین اچھی اور ہوا ٹھنڈی ہے اس لئے خفیف بارش ہی اس کے لئے کافی ہے طَلٌّ چھوٹی بوندوں کی بارش کو کہتے ہیں۔

اگر مضاف کو مخدوف مانا جائے تو پوری آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کی خیرات کی حالت مذکورہ باغ کی طرح ہے (باغ پر کثیر بارش ہو تو پھل زیادہ ہو جاتے ہیں کم بارش ہو تب بھی پھل ضرور پیدا ہوتے ہیں) یہی حالت مؤمن کی خیرات کی ہے اگر اس خیرات کے ساتھ ثواب کو دو گنا کر دینے والے اعمال بھی ملا دیے جائیں تو ثواب چند در چند حسب مشیت خداوندی ہو جاتا ہے ورنہ اصل عمل تو ضائع نہیں ہو سکتا اس کا اجر تو بہر حال لازمی ملے گا۔ اگر مضاف کو مخدوف نہ مانا جائے تو مطلب اس طرح ہو گا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والا مؤمن مذکورہ باغ کی طرح ہے جس طرح باغ میں پھل بقدر بارش پیدا ہوتے ہیں اسی طرح مؤمن کا ثواب بھی کم و بیش بقدر صرف ہو گا صرف اکارت نہیں جائے گا۔

وَاللّٰهُ يَمَّا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌؕ اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھتا ہے اس جملہ کا تعلق دونوں فریقوں سے ہے دکھاؤں کے لئے خرچ کرنے والے فریق کے لئے اس میں تحویف ہے اور خوشنودی خدا کے لئے خرچ کرنے والے فریق کے

لئے (مزید) ترغیب ہے۔

أَيُّودُ أَحَدَكُمُ

ہمزہء استفہامیہ انکار یہ ہے اور اس آیت کا ارتباط آیت لَا تَبْطُلُوا صَدَقَتِكُمْ بِالْمَنَى وَالْأَذَى

سے ہے۔

أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ تَحْتِهَا أَعْنَابٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ

باغ میں درخت تو دوسرے بھی ہیں لیکن کھجور و انگور کی فضیلت اور ان کے منافع کی کثرت کی وجہ سے خصوصیت کے ساتھ انہی دونوں پھلوں کا ذکر کیا اور آخر میں فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ بھی اس لئے فرمایا کہ کہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ باغ میں صرف کھجوریں اور انگور ہی ہیں اور کوئی پھل نہیں ہے یعنی اگر تم میں سے کسی کا ایک باغ ہو جس میں نہریں بہہ رہی ہوں کھجور اور انگور کے درخت خصوصیت کے ساتھ ہوں اور دوسرے پھلوں کے درخت بھی ہوں اور اسی حالت میں۔

وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ اس کو بڑھاپا آپہنچے اور کمائی کی طاقت نہ رہے وادو حال یہ ہے (ہم نے حال ہی کا ترجمہ کیا ہے) یا عاطفہ ہے لیکن عطف معنوی ہو گا یعنی کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اس کا ایک باغ ہو اور اس کو بڑھاپا آپہنچے۔

ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے یا عورتیں ہوں جو کمانے کی طاقت نہ رکھتے ہوں۔ اس جملہ میں بھی وادو عاطفہ یا حال یہ ہے عطف آصابہ پر ہو گا اور حال آصابہ کی ضمیر مفعول کا

فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ پھر اس باغ پر ایسی آندھی آجائے جس میں آگ ہو إِعْصَارٌ وہ تیز طوفانی ہوا جو زمین سے بشل عمودی اوپر کو جاتی ہے (بگول)۔

فَأَحْتَرَقَتْ اور اس سے باغ جل جائے مطلب یہ ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اس کے پاس عمدہ اعلیٰ مال ہو اور جب اس کو اپنے مال کی سخت ضرورت کا وقت آئے تو مال جل جائے۔ اور وہ مرتے دم تک حسرت و نامرادی کی زندگی بسر کرتا رہے جب یہ بات ہے تو کوئی کس طرح پسند کر سکتا ہے کہ قیامت کے دن جب کہ نیکیوں کی سخت ضرورت ہوگی اس کی ساری نیکیاں اکارت جائیں اور وہ آخرت میں ہمیشہ کے لئے ناکام و نامرادر ہے۔

عبد بن عمر رضی اللہ عنہ رلوی ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے دریافت کیا، آپ لوگوں کی رائے میں آیت أَيُّودُ أَحَدَكُمُ الخ کس بارہ میں نازل ہوئی تھی صحابہ نے جواب دیا اللہ اعلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غضب ناک ہو کر فرمایا کہ ہم جانتے ہیں یا نہیں جانتے (اللہ اعلم) کیا جواب ہے اللہ تو جانتا ہی ہے تم اپنا جواب دو (حضرت ابن عباس نے کہا اس آیت کا مجھے کچھ علم ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بھتیجے تم کو اور اپنے کو (کم سن ہونے کی وجہ سے) حقیر نہ سمجھو حضرت ابن عباس نے کہا اس آیت میں عمل کی تمثیل بیان کی گئی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس شخص کی تمثیل دی گئی ہے جو اللہ کی فرمان برداری کے کام کرتا ہے پھر اللہ اس پر شیطان کو مسلط کر دیتا ہے تو وہ گناہ کے کام کرنے لگتا ہے آخر وہ اپنے اعمال کو ڈبو دیتا ہے۔

كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ یونہی اللہ تمہارے لئے نشانیاں واضح کرتا ہے کہ تم ان پر غور کرو اور نصیحت حاصل کرو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا كَسَبْتُمْ اے اہل ایمان اپنی پاکیزہ کمائی میں سے راہ خدا میں خرچ کرو۔ طِبَّات سے مراد عمدہ کھری چیزیں لیکن حضرت ابن مسعود اور مجاہد نے اس کی تشریح میں فرمایا کہ حلال چیزیں مراد ہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو بندہ حرام مال کما کر اس میں سے خیرات کرتا ہے اس کی خیرات قبول نہیں ہوتی۔ نہ حرام مال خرچ کرنے میں برکت حاصل ہوتی ہے اور جو کچھ اپنے پیچھے چھوڑ جاتا ہے وہ دوزخ تک جانے کا اس کے لئے سامان ہو جاتا ہے وہ برے (عذاب) کو بری (کمائی کی) خیرات سے منانہیں سکتا بلکہ برے کو بھلے سے مناسکتا ہے ناپاک سے ناپاک دور نہیں ہوتا۔ رواہ احمد

یہ آیت اجماع علماء اور جمہور اہل سنت کی بڑی پکی دلیل ہے داؤد (ظاہری) کے اس قول کے خلاف کہ سوائے موسیٰ اور سونے چاندی کے اور کسی چیز میں زکوٰۃ واجب نہیں جمہور کے نزدیک منقولہ اور غیر منقولہ چیزوں پر بشرطیکہ تجارت کی ہوں زکوٰۃ واجب ہے تجارت کی شرط اس لئے ہے کہ مال زکوٰۃ کا نامی ہو بشرط ہے اور سامان میں بغیر نیت تجارت کے نمو نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا سامان میں زکوٰۃ واجب نہیں سوائے اس سامان کے جو تجارت کے لئے ہو۔ رواہ الدار قطنی۔

حضرت سمرہ بن جندب کا بیان ہے کہ ہم کو سامان تجارت کی زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم رسول اللہ ﷺ دیا کرتے تھے۔ رواہ ابو داؤد والدار قطنی والبراز۔

براز نے سلیمان بن سمرہ کی روایت بھی بحوالہ سمرہ نقل کی ہے لیکن اس روایت کی اسناد میں کچھ جہالت ہے (بعض راوی مجہول ہیں)۔

سامان میں زکوٰۃ کا وجوب اس حدیث سے بھی ہوتا ہے جو حماس نے روایت کی ہے حماس کا بیان ہے کہ کچھ کچھ چمڑے اپنی گردن پر اٹھائے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے گزرا۔ امیر المؤمنین نے فرمایا حماس تم زکوٰۃ ادا نہیں کرتے میں نے عرض کیا۔ میرے پاس تو سوائے اس کے اور کوئی مال نہیں فرمایا۔ یہ تو مال ہے نیچے اتار دو میں نے اتار کر آپ کے سامنے رکھ دیا آپ نے ان کی گنتی کی اور قابل زکوٰۃ پایا اور فرمایا ان کی زکوٰۃ واجب ہے چنانچہ ان چیزوں کی آپ ﷺ نے زکوٰۃ وصول کر لی۔ رواہ الشافعی واحمد وعبدالرزاق وابن ابی خبیہ وسعید بن منصور والدار قطنی۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اونٹوں میں ان کی زکوٰۃ اور گائے بھینسوں میں ان کی زکوٰۃ اور کپڑے میں اس کی زکوٰۃ واجب ہے اس روایت میں اَلْبَزَّ زاء منقوطہ کے ساتھ آیا ہے دار قطنی نے اس حدیث کو تین کمزور طریقوں سے نقل کیا ہے دو طریقوں میں موسیٰ بن عبیدہ زیدی آتا ہے جس کے متعلق امام احمدؒ نے کہا ہے کہ اس کی روایت لینا جائز نہیں اور تیسرے طریقہ میں عبد اللہ بن معاویہ بن عاصم آتا ہے جس کو نسائی نے ضعیف اور بخاری نے منکر قرار دیا ہے اسی طریقہ میں ایک راوی ابن جریج بھی ہے جس نے عمران بن انیس سے سن کر یہ حدیث نقل کی ہے لیکن بخاری نے کہا کہ ابن جریج نے عمران بن انیس سے حدیث نہیں سنی۔ ایک چوتھے سلسلہ سے دار قطنی اور حاکم نے اس حدیث کو اس طرح نقل کیا ہے۔ اونٹوں میں ان کی زکوٰۃ اور بکریوں میں ان کی زکوٰۃ اور گائے بھینسوں میں ان کی زکوٰۃ اور کپڑے میں اس کی زکوٰۃ واجب ہے اور جو شخص درہم یا دینار اٹھا رکھے گا کہ نہ قرض خواہ کو دیگا نہ راہ خدا میں خرچ کرے گا تو حقیقتاً یہ اس کے لئے کمزور ہوگا جس سے قیامت کے دن اس کو داغا جائے گا۔ اس اسناد میں کوئی خرابی نہیں ہے۔

ابن دقیق کا بیان ہے کہ میں نے (حاکم کی کتاب) مستدرک کے نسخہ میں البز کی جگہ البز (گیسوں) دیکھا تھا اگر کسی تجارتی سامان کو چند سال تک فروخت نہ کرے تو اس مسئلہ میں علماء کے اقوال مختلف ہیں امام مالکؒ کے نزدیک زکوٰۃ واجب نہیں خواہ کتنا ہی طویل زمانہ گزر جائے لیکن جب فروخت کرے گا تو صرف ایک سال کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی باقی تینوں اماموں کے نزدیک ہر سال کی زکوٰۃ واجب ہے خواہ فروخت نہ کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو سامان تجارت کے لئے ہو اس کی زکوٰۃ دی جائے۔ اور یہ حکم عمومی ہے خواہ فروخت کیا جائے یا نہ کیا جائے (وجوب میں کوئی فرق نہیں آتا)

وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنْهُ لَبِئْسَ مَا تَحْتَسِبُونَ اور ان چیزوں میں سے کچھ راہ خدا میں خرچ کر دو جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کی ہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اس آیت میں صدقہ نافلہ مراد ہے (زکوٰۃ مراد نہیں) حضرت انس بن مالکؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو مسلمان کوئی درخت یا کھیت بوتا ہے اور اس میں سے کوئی آدمی یا پرندے یا چوپائے کھاتے ہیں تو مالک کے لئے وہ خیرات ہوتی ہے (یعنی خیرات کا ثواب رکھتی ہے) رواہ احمد والشیخان والترمذی۔

میں کہتا ہوں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کھیتی کرنی مستحب ہے لیکن حضرت ابوالامامہؓ کی حدیث ہے کہ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا یہ یعنی بھتی کے اوزار جس قوم کے گھر میں داخل ہوتے ہیں اس قوم کے اندر ذلت داخل ہو جاتی ہے۔ (رواہ البخاری) یہ حدیث کاشت کاری کی نحوست پر دلالت کر رہی ہے (واللہ اعلم) صحیح یہ ہے کہ آیت مذکورہ زکوٰۃ کے متعلق ہے کیونکہ امر و جواب کے لئے ہے استجاب پر محمول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ پس زمین کی پیداوار کا عشر دینا اس آیت کی روشنی میں واجب ہے۔

مسئلہ :- علماء کا اتفاق ہے کہ کھجور، انگور اور ہر قسم کے غذائی غلہ میں دسواں حصہ ادا کرنا واجب ہے بشرطیکہ سچائی بارش، چشمے، وادی اور دریا کے پانی سے ہو جس کو حاصل کرنے کے لئے (کھدائی وغیرہ کی) کوئی مشقت اٹھانی نہیں پڑتی لیکن اگر آب پاشی، ڈول یا چرس وغیرہ سے ہو تو پیداوار کا بیسواں حصہ واجب ہے۔ گھاس اور ایندھن کی لکڑی پر زکوٰۃ واجب نہیں بشرطیکہ زمین اس کے لئے محفوظ نہ کر دی گئی ہو۔

اقسام مذکورہ کے علاوہ دوسری پیداوار کی زکوٰۃ واجب ہونے میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر قسم کے غلہ پھل اور سبزی میں زکوٰۃ واجب ہے کیونکہ آیت مذکورہ کا حکم عام ہے اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کا بھی فرمان ہے کہ جو چیز بارش اور چشموں کے پانی سے سیراب ہو یا عشری ہو اس میں عشر لازم ہے اور جس کی سچائی آب پاشی سے ہو اس میں نصف عشر (بیسواں حصہ) لازم ہے۔ یہ حدیث حضرت ابن عمر کی روایت سے بخاری، ابوداؤد، نسائی، ابن حبان اور ابن جارد نے نقل کی ہے اور مسلم نے حضرت جابر کی روایت سے اور ترمذی و ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے اور نسائی و ابن ماجہ نے حضرت معاذ کی روایت سے اور ابوداؤد وغیرہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت سے بیان کی ہے۔

امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک زکوٰۃ صرف اس پیداوار میں ہے جس میں غذائیت ہے جیسے کھجور، انگور، چنا، جو، گیہوں، چاول وغیرہ امام ابو یوسف، امام محمد اور امام احمد کے نزدیک زکوٰۃ کا وجوب اس کیل اور ذنی چیز میں ہے جو لوگوں کے پاس (بطور ذخیرہ) رہ سکتی ہو (ذخیرہ کر کے رکھنے سے خراب نہ ہوتی ہو) جیسے تل، بادام، فندق، پستہ، زعفران، زیرہ، کسم کے بیج وغیرہ۔ سبزی میں زکوٰۃ واجب نہ ہونے کی دلیل حضرت معاذ کی حدیث ہے کہ جس کی سینچائی بارش یا دریا کی پانی سے ہو اس میں عشر ہے اور جس کی سیرابی آب کشی سے ہوئی ہو اس میں نصف عشر ہے۔ اور یہ زکوٰۃ کھجور، گیہوں اور غلہ میں ہے کھیر، لکڑی، خر بوزہ، تربوز، انار، مگن اور سبزیاں معاف ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان میں زکوٰۃ معاف کر دی ہے۔ رواہ الدارقطنی والحاکم و البیہقی۔

لیکن اس حدیث کی روایت میں ضعف بھی ہے اور انقطاع بھی۔ اس کے راویوں میں سے اسحاق اور ابن تافع ضعیف ہیں۔ یحییٰ بن معین (مشہور ناقد) نے کہا ہے کہ اسباق کچھ نہیں اس کی حدیث نہ لکھی جائے اور امام احمد اور نسائی نے اس کو متروک الحدیث قرار دیا ہے۔ ترمذی کی روایت باس الفاظ آئی ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے لکھ کر پوچھا کہ سبزی ترکاری کا کیا حکم ہے حضور ﷺ نے فرمایا ان میں زکوٰۃ نہیں۔

یہ روایت بھی ضعیف ہے ترمذی نے لکھا ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے کسی فرمان کا اس بارے میں صحیح ثبوت نہیں۔ ہاں موسیٰ بن طلحہ نے رسول اللہ ﷺ سے مرسل نقل کی ہے۔ دارقطنی نے عل میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کا مرسل ہونا صحیح ہے۔ بیہقی نے موسیٰ بن طلحہ کی حدیث سے اس کو نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ موسیٰ جلیل القدر تابعی تھے اور کوئی شک نہیں ہے کہ ان کی ملاقات حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی لیکن ابن عبد البر کا قول ہے کہ موسیٰ نے حضرت معاذ سے ملاقات کی نہ ان کا زمانہ پایا۔

دارقطنی نے چند طریقوں سے موسیٰ بن طلحہ بروایت طلحہ مرفوعاً نقل کیا ہے کہ سبزیوں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اس روایت کے ایک طریق اسناد میں حراث بن نبهان ہے جس کا ضعف ایک جماعت کے اقوال سے منقول ہے اور دوسرے طریق

میں نصر بن حماد واقع ہے جس کو یحییٰ نے کذاب کہا ہے اور یعقوب بن ابی شیبہ نے کہا ہے کہ یہ کچھ نہیں ہے اور مسلم نے اس کو ضعیف الحدیث قرار دیا ہے۔ تیسرے طریق میں محمد بن جابر داخل ہے جو کچھ نہیں ہے۔ اس کے متعلق امام احمد نے کہا کہ اس کی روایت کردہ حدیث وہی نقل کرے گا جو اس سے بھی زیادہ شریر ہوگا۔ دارقطنی نے مردان بن محمد سخاوی کے طریق سے بروایت موسیٰ بن طلحہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی ہے لیکن مردان بن محمد کی روایت کو دلیل میں پیش کرنا درست نہیں۔

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں موسیٰ بن طلحہ کا قول نقل کیا ہے کہ سوائے گیسوں جو کھجور، انگور اور کشمش کے اور چیزوں میں زکوٰۃ واجب نہیں اور یہ بھی کہا ہے کہ حضرت معاذؓ کے نام جو خط رسول اللہ ﷺ نے بھیجا تھا وہ معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہم کو ملا ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ موسیٰ بن طلحہ سے مرسل حدیث صحیح ہے۔ ترمذی وغیرہ کی یہی رائے ہے اور مرسل قابل حجت ہے خصوصاً ایسی حالت میں کہ دوسری روایات بھی اس کی تائید میں موجود ہیں جن کو مختلف سندوں سے ہم نقل کر چکے ہیں پھر دارقطنی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جو مرفوع حدیث نقل کی ہے وہ بھی مؤید ہے اگرچہ اس کے سلسلہ میں صقر بن حبیب داخل ہے جو بہت ضعیف ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علیؓ والی حدیث کو موقوفاً نقل کیا ہے اس کے سلسلہ میں قیس بن ربیع آتا ہے جو ہے تو سچا لیکن اس کا حافظہ قوی نہیں۔

دارقطنی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ زمین سے پیدا شدہ سبزی (ترکاری) میں زکوٰۃ نہیں ہے اس کے سلسلے میں صالح بن موسیٰ واقع ہے جو بخاری کے نزدیک منکر الحدیث اور نسائی کے نزدیک متروک الحدیث ہے۔

محمد بن حش کا ایک بیان ہے کہ حضرت معاذؓ کو یمن بھیجتے وقت رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ ہر چالیس دینار پر ایک دینار لینا اور سبز یوں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ یہ بیان بھی دارقطنی نے نقل کیا ہے اس میں صالح بن موسیٰ داخل ہے (جو منکر اور متروک ہے) اس جگہ ہم کچھ دوسری احادیث بھی نقل کرتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سوائے کھجور، کشمش، گیسوں اور جو کے اور کسی پھل پر زکوٰۃ نہیں ہے بس انہی چار پر زکوٰۃ واجب ہے۔ حاکم اور بیہقی نے ابو بردہؓ کی روایت نقل کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو موسیٰ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کو تعلیم دین کیلئے یمن بھیجا تو بقول حضرت ابو موسیٰ ان کو حکم دیا کہ سوائے ان چار چیزوں کے اور کسی چیز پر زکوٰۃ نہ وصول کرنا جو، گیسوں، کشمش، چھوڑا، بیہقی نے لکھا کہ اس حدیث کا سلسلہ متصل ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

طبرانی نے بروایت موسیٰ بن طلحہ حضرت عمرؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان چار چیزوں میں زکوٰۃ کا طریقہ جاری فرمایا۔ دارقطنی نے اس حدیث کو بروایت عمرو بن شعیب از شعیب بحوالہ والد شعیب بیان کیا ہے۔ امام ابو یوسف نے بروایت موسیٰ بن طلحہ حضرت عمرؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زکوٰۃ واجب نہیں ہے مگر چار میں چھوڑا، کشمش، گیسوں اور جو۔

بیہقی نے بروایت شعبی بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل یمن کو لکھا تھا زکوٰۃ صرف چار میں واجب ہے گیسوں، جو، چھوڑا، کشمش، ان چار کے ساتھ ایک پانچویں چیز یعنی جوار میں بھی زکوٰۃ واجب ہونے کی روایت آئی ہے لیکن یہ روایت ضعیف اور کمزور ہے۔

میں کہتا ہوں جب علماء کا اجماع اور اتفاق ہو گیا کہ وجوب زکوٰۃ کا حصر مذکورہ بالا چار چیزوں ہی پر نہیں ہے تو لا محالہ حدیث کی کوئی توجیہ کرنی لازم ہے یعنی لفظ مثل کو مقدار قرار دیا جائے گا یعنی ان چاروں کی طرح کی چیزوں میں زکوٰۃ کا وجوب ہے (مثلاً حدیث لا زکوٰۃ الا فی اربعة التمر والربیب والحنطة والشعیر کی توجیہ بخلاف مضاف اس طرح ہوگی کہ لا زکوٰۃ الا فی اربعة یعنی لا زکوٰۃ الا فی مثل اربعة زکوٰۃ نہیں ہے مگر ان چار ایسی چیزوں میں، پس (جب زکوٰۃ کے وجوب

کا حصر نہیں بلکہ ان کی طرح دوسری چیزوں میں بھی زکوٰۃ واجب ہے اور ملکیت اشیاء واجب زکوٰۃ کے لئے کافی ہے تو امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک غذا بیت علیہ ملکیت ہے (یعنی جو چیزیں غذائی طور پر مستعمل ہیں ان میں زکوٰۃ واجب ہے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ وجہ مماثلت دو لوصاف کو قرار دیا جائے ایک تو یہ کہ ان چاروں کی طرح دوسری چیزیں ذخیرہ اندوزی کے قابل ہوں (ذخیرہ اندوزی سے خراب نہ ہوتی ہوں ساگ پات اور سبز ترکاریاں جمع کر کے رکھ چھوڑنے سے خراب ہو جاتی ہے) اور سبب غناء بن سکیں۔ کھیتی کی پیداوار میں سال بھر جمع رہنا شرط نہیں ہے کیونکہ زکوٰۃ کے وجوب کے لئے مال کا نمونہ شرط ہے اور غلہ تو سر اسرنامی ہی ہے یہ فیصلہ اجماعی ہے۔

مالک غلہ کا عاقل اور بالغ ہونا بھی وجوب عشر کے لئے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شرط نہیں ہے اور دوسرے اماموں کے نزدیک تو کسی مال کے مالک کا عاقل بالغ ہونا وجوب زکوٰۃ کی شرط نہیں ہے (یہاں تک کہ صغیر سن بچے اور دیوانے کے مال پر بھی زکوٰۃ واجب ہے) دونوں مسکوں میں امام اعظم کے فرق کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مال کی زکوٰۃ خالص عبادت ہے اور ہر عبادت کے لئے نیت ضروری ہے اور صحت نیت کے لئے نیت کرنے والے کا عاقل بالغ ہونا لازم ہے لہذا نابالغ اور دیوانہ کے مال پر زکوٰۃ کا وجوب نہیں جس طرح ان دونوں پر نماز واجب نہیں) لیکن عشر عبادت ضرور ہے مگر موت آمیز (گویا عشر کی دو خصوصیتیں ہیں عبادت ہونا اور مشقت آمیز ہونا) پس عبادت ہونے کے لحاظ سے عشر دینے والے کا مسلمان ہونا شرط ہے کافر پر عشر نہیں خرچ لازم جیسے عشری زمین کو اگر غیر مسلم خرید لے تو جمہور کے نزدیک اس کے ذمہ خرچ ہوگا عشر نہ ہوگا۔ امام محمد عشری زمین میں عشر ہی لازم ہونے کے قائل ہیں (خواہ اس کا مالک مسلم ہو یا غیر مسلم) اور مؤنت مالی ہونے کے لحاظ سے بچہ اور دیوانہ پر بھی عشر واجب ہے جیسے بیوی کا نفقہ وغیرہ ان کے مال میں لازم ہے۔

کیا پیداوار پر عشر لازم ہونے کے لئے مقدار نصاب شرط ہے؟

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مقدار نصاب شرط نہیں ہے بلکہ پیداوار کتنی ہی ہو عشر واجب ہے کیونکہ احادیث مذکورہ میں الفاظ عام ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز، مجاہد اور ابراہیم غنی کا بھی یہی قول ہے عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ نے مؤخر الذکر تینوں حضرات کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے کہ زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہے پیداوار کم ہو یا زیادہ غنی کے قول میں اتنا زائد ہے یہاں تک کہ دس دینار میں بھی ایک دینار ہے۔ امام ابو یوسف نے بھی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے بوساطت حماد، ابراہیم غنی کا قول اسی طرح نقل کیا ہے۔ لیکن امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک عشر کے لئے نصاب شرط ہے اور مقدار نصاب پیانہ سے ناپ کر بیچ جانے والی چیزوں میں پانچ وسق ہے ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے (اور ایک صاع رائج الوقت وزن سے تقریباً چار سیر ہوتا ہے) اور جو چیزیں وسق کے ناپ سے نہیں فروخت ہوتیں۔ ان میں وہ مقدار عددی معتبر ہے جس سے ان چیزوں کی فروخت ہوتی ہے پس ہر پانچ عدد دان کی مقدار نصاب ہوگی مثلاً روٹی کی پانچ گانٹھیں مقدار نصاب ہیں ہر گانٹھ کا وزن تین سو سیر، زعفران پانچ سیر وغیرہ، پانچ وسق غلہ کی قیمت کا اندازہ ادنیٰ غلہ سے کیا جائے گا۔ یہ قول امام ابو یوسف کا ہے۔ جمہور کے نزدیک جو عشر کے لئے مقدار نصاب شرط ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ رواہ البخاری و مسلم من حدیث ابی سعید الخدری، مسلم نے یہ روایت حضرت جابر کے حوالہ سے بھی اور بیہقی نے حضرت عمرو بن حزم کی روایت سے۔

مسئلہ :- ہر زمین کی پیداوار پر عشر واجب ہے آیت کا حکم مطلق ہے کسی خاص قسم کی زمین کی قید نہیں ہے اگر مسلمان خراجی زمین کا مالک ہو جائے تو (دو صورتیں ہیں) یا خراج ساقط ہو جائے گا صرف عشر قائم رہے گا یا خراج و عشر دونوں قائم رہیں گے خراج زمین کا اور عشر پیداوار کا۔ مؤخر الذکر قول جمہور کا ہے کیونکہ خراج زمین کا ٹیکس ہے پیداوار سے اس کا تعلق نہیں اور عشر پیداوار کی زکوٰۃ ہے زمین کی زکوٰۃ نہیں۔ اسی لئے پیداوار میں (بصورت مذکورہ) نصاب کی شرط ہے۔ امام اعظم نے فرمایا خراجی زمین کا خراج بھی ساقط نہیں ہو سکتا اور عشر و خراج جمع بھی نہیں ہو سکتے۔ عشر زمین کی زکوٰۃ ہے کھیتی کی نہیں اسی لئے

پیداوار کا نصاب تک پہنچنا امام صاحب کے نزدیک لازم نہیں ہے۔ حقیقت میں خراج کے ساقط ہونے یا نہ ہونے کی بحث کا یہ مقام ہی نہیں (یہ مقام صرف بیان عشر کا ہے) اور عشر و خراج کے جمع ہونے کی ممانعت پر کوئی شرعی دلیل نہیں (لہذا جمہور کے نزدیک خراجی زمین میں دونوں واجب ہیں) رہی وہ حدیث جو ابن عدی نے کامل میں اور ابن جوزی نے بروایت یحییٰ بن عصبہ ذکر کی ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت حماد بن عمار و ترمذی و ابراہیم بن حوالہ علقمہ بیان کیا کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کسی مسلمان پر عشر اور خراج جمع نہیں ہوتے تو یہ روایت ہی غلط ہے ابو حاتم نے کہا یہ رسول اللہ ﷺ کا کلام نہیں ہے۔ یحییٰ بن عصبہ قریبی جھوٹا تھا اسے خود حدیث بنا کر ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ سے اوپر والے لوگوں پر دروغ بندی کی ہے۔ ابن عدی نے کہا اس اسناد کے ساتھ اس حدیث کا راوی یحییٰ بن عصبہ کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں یہ ابراہیم کے قول کی نقل ہے لیکن ابراہیم قابل حجت نہیں، نہ ان کا قول حجت ہے، اسی طرح شعبی اور عکرمہ کا بھی یہی قول ہے کہ عشر اور خراج جمع نہیں ہوتے نہ کسی ایک زمین میں نہ کسی ایک مال میں ان دونوں آثار کو ابن ابی شیبہ نے نقل کیا ہے۔ صاحب ہدایہ کا یہ دعویٰ قابل تسلیم نہیں کیونکہ ابن منذر نے بیان کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے خراج و عشر کو جمع کیا تھا اور عمر بن عبدالعزیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلنے والے تھے اگر مسئلہ اجماعی ہوتا تو عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ سے یہ اجماع مخفی نہ رہتا۔

”مسئلہ“

کے اطلاق میں معدن سے نکلنے والا چاندی سونا داخل ہے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا مشہور قول یہی ہے اگر مقدار نصاب کو پہنچ جائے گا تو زکوٰۃ کی طرح چالیسواں حصہ دینا ہو گا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا مصرف بھی زکوٰۃ ہی کی طرح ہے۔ مگر امام مالکؒ کے نزدیک اس کا مصرف مال فرائی (کافروں کا جو مال بغیر جنگ کے ہاتھ آئے) کی طرح ہے۔ ایک روایت میں امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ اور (مشہور قول کے اعتبار سے امام احمدؒ کے نزدیک یہ آیت معدنی اشیاء (یعنی سونے چاندی) کو شامل نہیں ہے بلکہ مال غنیمت کی طرح اس میں بھی پانچواں حصہ واجب الادا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ بات یہ ہے کہ سونا چاندی زمین ہی کا ایک جزو ہے پہلے کفار کے قبضہ میں تھا پھر مسلمانوں کو مل گیا لہذا اس کا حکم وہی ہو گا جو کافروں کی دوسری چیزوں کا ہے۔ اسی کی موافقت میں امام شافعیؒ کا بھی ایک قول مروی ہے۔ ہمارے نزدیک آیت مذکورہ معدنی اشیاء، (چاندی سونے) کو شامل نہیں ہے ہمارے اس قول کی دلیل یہ ہے کہ اخراج کا حقیقی معنی ہے کسی ایسی چیز کو برآمد کرنا جو پہلے اندر موجود ہو غلہ اور پھل زمین کے اندر پہلے موجود نہیں ہوتے اس لئے ان کے لئے لفظ اخراج کا استعمال حقیقی نہیں مجازی ہے (یعنی اس جگہ اخراج کا معنی ہے پیدا کرنا) اور یہی مجازی معنی آیت میں باتفاق علماء مراد ہے اب یہ نہیں ہو سکتا کہ حقیقی معنی بھی مراد لیا جائے (اور معدنی اشیاء کو حکم آیت میں داخل قرار دیا جائے) اور نہ حقیقت اور مجاز دونوں بیک وقت ایک جگہ جمع ہو جائیں گے اور اصول فقہ کی صراحت اس کے خلاف ہے۔ حقیقت اور مجاز کا بیک وقت مراد لینا جائز ہے لیکن امام شافعیؒ حقیقت و مجاز کے اجتماع کو جائز کہتے ہیں۔ اسی آیت کی طرح (أَوَّلًا مِّنْ نِّسَاءٍ) بھی ہے اس آیت میں لمس (چھونے) سے بالا جماع مراد مباشرت ہے یعنی مجازی معنی مراد ہے لہذا حقیقی معنی (یعنی چھونا) مراد نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عورت کو صرف چھونا قفس و ضو نہیں امام شافعیؒ کے نزدیک عورت کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک حقیقت و مجاز دونوں کو بیک وقت مراد لینا جائز ہے۔

امام احمدؒ کے نزدیک ہر معدنی چیز کا پانچواں حصہ واجب الادا ہے خواہ وہ جامد یا قابل سیلان ہو جیسے جست چونا یا جامد قابل سیلان ہو جیسے سونا چاندی لوہا وغیرہ یا سیال ہو جامد نہ ہو۔ جیسے مٹی کا تیل پٹرول تار کول وغیرہ کیونکہ اس سب کو مال غنیمت قرار دیا جاسکتا ہے (اور مال غنیمت کا پانچواں حصہ واجب الادا ہے) امام اعظمؒ کہتے ہیں کہ صرف جامد قابل سیلان اشیاء

یعنی چاندی سونے لوہے وغیرہ میں پانچواں حصہ واجب ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے فِي الرِّكَازِ الْخُمْسُ رِكَازٌ مِّنْ پانچواں حصہ ہے اور لفظ رِكَاز کا اطلاق صرف ان ہی چیزوں پر ہوتا ہے جو جامد قابل سیلان ہوں زمین کے اندر کی وہ چیزیں جو جامد ناقابل سیلان ہوں (وہ رِكَاز نہیں ہیں) ان سے تخیم بھی جائز ہے۔ امام مالکؒ امام شافعیؒ کے نزدیک زکوٰۃ کا وجوب صرف سونے چاندی میں ہے لوہے وغیرہ کی کان حکم وجوب سے خارج ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ثنیت (یعنی اشیاء کی قیمت بننے کی صلاحیت) جو زکوٰۃ کے لئے شرط ہے وہ صرف نمونہ پر ہونے کی وجہ سے ہے اور زمین سے جو چیز برآمد ہوتی ہے وہ تو سر اسر نمونہ ہی ہے اس لئے غلہ، پھل وغیرہ کی زکوٰۃ کے لئے باتفاق علماء سال کا دوران شرط نہیں ہے باوجودیکہ یہ چیزیں نقد میں سے نہیں ہیں پھر کوئی وجہ نہیں کہ معدنی اشیاء کی زکوٰۃ کے لئے ان کا نقدی ہونا (یعنی قیمت بننے کی صلاحیت رکھنا) ضروری قرار دیا جائے۔

امام شافعیؒ معدن میں وجوب زکوٰۃ کے قائل ہیں اس قول کی دلیل وہ حدیث ہے جو امام مالکؒ نے مؤطا میں لکھی ہے کہ ربیعہ بن عبد الرحمن نے کسی (نامعلوم الاسم) کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے بلال بن حارث مزی کو قبلہ کی طرف والی کانین بطور جاگیر عطا فرمادیں یہ کانیں فرغ کی طرف تھیں اس وقت تک ان کانوں سے سوائے زکوٰۃ کے اور کچھ (سرکاری طور پر) نہیں لیا جاتا۔ ابن عبد البر نے کہا مؤطا میں یہ حدیث منقطع ہے ابن جوزی نے کہا ربیعہ نے صحابہؓ کو پایا تھا ایسی حالت میں صحابی (کے نام) کو نہ جانا (روایت میں) نقصان رسال نہیں اور اس کو مرسل نہیں کہا جاسکتا۔ ابو عبیدہؓ نے کتاب الاموال میں لکھا ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے اور منقطع ہونے کے باوجود اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس میں زکوٰۃ لینے کا حکم دیا تھا بلکہ روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آج تک ان کی زکوٰۃ لی جاتی ہے اس لئے جائز ہے کہ وصول زکوٰۃ حاکموں کا اجتہاد ہو۔ امام شافعیؒ رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث مذکور نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ علماء حدیث نے اس حدیث کو نہیں لیا ہے اور نہ (اپنی کتابوں میں) نقل کیا ہے نہ بطور جاگیر عطا کرنے سے زائد رسول اللہ ﷺ کا کوئی حکم اس میں ہے کانوں میں وجوب زکوٰۃ کا حکم رسول اللہ ﷺ سے مروی نہیں ہے۔

حاکم نے مستدرک میں در اور دی کا بیان لکھا ہے کہ ربیعہ نے بروایت حارث بن ہلال بن حارث مزی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبلہ والی کانوں کی زکوٰۃ حارث کے باپ سے لی تھی ابن جوزی نے بھی در اور دی کی یہ روایت نقل کی ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ وہ حدیث ہے جو صحاح ستہ میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ رِكَازٌ مِّنْ پانچواں حصہ ہے۔ لفظ رِكَاز معدن کو بھی شامل ہے اور کنز (یعنی مسلمانوں کے قبضہ سے پہلے کے گڑے ہوئے خزانہ) کو بھی قاموس میں رِكَاز کے معنی کے ذیل میں ہے کہ رِكَاز وہ ہے جو کانوں کے اندر اللہ پیدا کرتا ہے اور جاہلیت کے دینے (مسلمانوں کے قبضہ سے پہلے کے گڑے ہوئے خزانے) اور کان سے برآمد ہونے والے سونے چاندی کے ٹکڑے۔ نہایت میں ہے کہ اہل حجاز کے نزدیک رِكَاز اس خزانہ کو کہتے جو جاہلیت کے زمانہ کا ہو (یعنی مسلمانوں کے قبضہ سے پہلے کافروں نے زمین کے اندر دبا دیا ہو) اور اہل عراق کے نزدیک رِكَاز کان کو کہتے ہیں لفظ رِكَاز میں دونوں احتمال ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ جب رِكَاز کے ساتھ الف لام استغراق کا ہو تو رِكَاز کے تمام اقسام پر اس کا اطلاق واجب ہو گا لا محالہ کان سے برآمد ہونے والی اشیاء میں پانچواں حصہ واجب الادا ہو گا بخاری کے نزدیک لفظ رِكَاز مشترک ہے لیکن واقعہ ایسا نہیں بلکہ رِكَاز کلی متواطی ہے لفظ رِكَاز ایک ہی معنی کے لئے موضوع ہے لیکن یہ معنی مشترک ہے (جاہلیت کے دینوں کو بھی کہا جاسکتا ہے اور معدنی اشیاء کو بھی کیونکہ دونوں زمین کے اندر گڑے ہوئے ہوتے ہیں)۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مرفوعاً نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رِكَاز میں خمس ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ رِكَاز کیا ہے؟ فرمایا سونا چاندی جو اللہ نے زمین کے اندر آسمان و زمین کی پیدائش کے دن ہی پیدا کر دیا ہے لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ در اور دی کی نقل کردہ روایت میں جو لفظ زکوٰۃ آیا ہے اس سے مجازاً خمس (پانچواں حصہ) مراد ہے دیکھو کہ کنز میں بالاجماع خمس واجب ہے لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا مصرف زکوٰۃ کی طرح ہے اور لفظ زکوٰۃ کا خمس پر اطلاق ہوتا ہے معہاج میں ہے کہ فقہ شافعی کے مطابق کنز کا مالک وہی ہے جس کو کنز ملا ہو اور اس پر زکوٰۃ (خمس) لازم ہے اور بالفرض اگر دونوں حدیثوں میں تعارض مان بھی لیا جائے تب بھی حدیث (فِي الزَّكَاةِ الْخُمْسُ) زیادہ صحیح اور قوی تر ہے، واللہ اعلم۔

وَلَا تَيَسَّمُوا (اور قصد نہ کرو لا تیسیموا تھا ایک تاء کو ساقط کر دیا گیا۔ ابن کثیر نے بروایت بزی وصل کی حالت میں قرآن میں ۳۱ جگہ ساقط شدہ تاکو لوٹا کر تشدید تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ نمبر ۲ آل عمران میں وَلَا تَفَرَّقُوا، نمبر ۳ النساء میں إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّيْتُمْ، نمبر ۴ المائدہ میں وَلَا تَعَاوَنُوا، نمبر ۵ انعام میں فَتَفَرَّقَ بِكُمْ، نمبر ۶ الاعراف میں فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ، نمبر ۷ یس میں، نمبر ۸ یس میں، نمبر ۹ یس میں، نمبر ۱۰ یس میں وَلَا تَنَازَعُوا یہ دونوں لفظ الانفال میں آئے ہیں، نمبر ۱۱ التوبہ میں هَلْ تَرَبَّصُونَ، نمبر ۱۲ ہود میں وَان تَوَلَّوْا، نمبر ۱۳ اور فَتَوَلَّوْا، نمبر ۱۴ وَلَا تَكَلِّمُ نَفْسٍ، نمبر ۱۵ الحجر میں مَا تَنْزِلُ، نمبر ۱۶ اذ تَلْقَوْنَهُ، نمبر ۱۷ فَاِنْ تَوَلَّوْا، نمبر ۱۸ الشعراء میں مَنْ تَنْزِلُ، نمبر ۱۹ الشَّيَاطِينُ تَنْزِلُ، نمبر ۲۰ احزاب میں وَلَا تَبْرَحْنِ، نمبر ۲۱ وَلَا اَنْ تَبْدَلُ، نمبر ۲۲ الصّٰقَاتِ میں لَا تَنَا صِرُونَ، نمبر ۲۳ الجمرات میں وَلَا تَنَابَزُوا، نمبر ۲۴ وَلَا تَجَسَّسُوا، نمبر ۲۵ وَلِيَتَعَارَفُوا، نمبر ۲۶ الممتحنہ میں اَنْ تَوَلَّوْا، نمبر ۲۷ الْهٰكِي، نمبر ۲۸ تَكَادُ تَمَيَّزُ، نمبر ۲۹ لَمَّا تَخْيِرُونَ، نمبر ۳۰ وَاللَّيْلِ مِنْ نَارًا تَلْظِي، نمبر ۳۱ القدر میں تَنْزِلُ، بعض لوگوں نے بروایت بزی دو لفظ اور بھی نقل کئے ہیں نمبر ۱ آل عمران میں وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَتُّونَ نمبر ۲ الواقعة میں فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ۔

اگر وصل نہ ہو اور ابتداء میں تاء واقع ہو تو سوائے تخفیف (یعنی ایک تاء کو ساقط کرنے کے) اور کوئی صورت نہیں۔ اب اگر تاء سے پہلے حرف مد ہوگا جیسا کہ اس آیت میں ہے تو تمکین میں زیادتی کی جائے گی یہ تمام تفصیل شیخ ابن کثیر سے بروایت بزی منقول ہے دوسرے قاریوں کے نزدیک ہر جگہ وصل ہو یا ابتداء ایک تاء کو تخفیف کیا جائے گا۔

الْخَبِيثَاتُ مِنْهُ تُنْفِقُونَ یعنی ردی مال، خراب، تُنْفِقُونَ حال ہے تیسیموا کی ضمیر فاعل ذوالحال ہے یہ بھی احتمال ہے کہ بئنه کا تعلق تُنْفِقُونَ سے ہو اور بئنه کی ضمیر الخبیث کی طرف راجع ہو۔ حاکم، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ نے حضرت براء کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول ہمارے گروہ انصار کے متعلق ہوا تھا ہم نخلستانوں والے تھے ہم میں سے کچھ لوگ دل سے خیرات دینا نہیں چاہتے تھے اس لئے اپنے درختوں سے جا کر کم و بیش چھواروں کا خوشہ لٹوا ہوا لاکر دیدیتے تھے اور خوشہ بھی کمزور گٹھلی والے خراب ردی چھواروں کا ہوتا تھا۔ ابو داؤد نسائی اور حاکم نے حضرت سہیل بن حنیف کی روایت سے لکھا ہے کہ کچھ لوگ اپنے بدترین پھل عشر میں لاکر دیتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حاکم نے حضرت جابر کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر میں ایک صاع چھواروں کا حکم دیا، میں خراب چھوارے لے آیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی، ابن ابی حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے لکھا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ارزاں غلہ خرید کر صدقہ میں دیتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَسْتُ بِأَخِيذُ بِهِ إِلَّا أَنْ تُعْمَضُوا فِيهِ یعنی اللہ کی راہ میں تو تم برا مال دیتے ہو حالانکہ بغیر چشم پوشی کے خود (باہم تبادلہ میں) ویسا مال نہیں لیتے۔ مطلب یہ کہ تم اپنے حق میں ردی مال نہیں لیتے اور راہ خدا میں دیتے ہو ایسا کرنے کا قصد بھی نہ کرو۔

اغماض کا معنی ہے آنکھ بند کرنا یاں مجازاً در گزر کرنا مراد ہے (تفسیری مطلب عام اہل تفسیر کے نزدیک یہ ہے کہ) اگر کسی کا دوسرے پر حق ہو اور وہ ایسا خراب مال دے تو یہ شخص قبول نہیں کرتا ہاں قصد اگر حق چھوڑ دینا چاہتا ہو تو لے لیتا

ہے۔ حسن بصریؒ کو رقادہ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اگر ایسا دی مال تم بازار میں بکتا دیکھتے ہو تو کھرے مال کی قیمت میں اس کو نہیں خریدتے۔ ایک روایت میں حضرت براءؓ کی طرف اس (تشریح) کی نسبت کی گئی ہے کہ اگر ایسا مال تم کو ہدیہ میں بھیجا جاتا ہے تو قبول نہیں کرتے سوائے اس کے کہ بھیجنے والے کی شرم ہو تو ناراضگی کے ساتھ لے لیتے ہو تو جو چیز اپنے لئے پسند نہیں وہ اللہ کی راہ میں دینا کیوں پسند کرتے ہو۔ ردی مال راہِ خدا میں دینے کی ممانعت اس وقت ہے جب سارا مال کھرا ہو لیکن اگر سب ہی خراب ہو تو عشر میں خراب مال ہی دینا ممنوع نہیں۔ اگر کچھ مال کھرا اور کچھ خراب ہو تو ہر قسم کے مال میں سے کچھ کچھ دینا چاہئے۔

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ حَمِيدٌ ﴿۵۱﴾ اور جان رکھو کہ اللہ کو تو تمہارے صدقات کی ضرورت نہیں تمہارے صدقات کا نفع تمہارے ہی طرف لوٹ کر آئے گا، اللہ کے تمام افعال مستوجب حمد ہیں۔

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ ﴿۵۲﴾ شیطان تم کو مفلس ہو جانے سے ڈراتا ہے لفظ وعدہ کا استعمال خیر و شر (اچھے برے) دونوں میں ہوتا ہے لیکن اگر کوئی خصوصی قرینہ نہ ہو تو خیر کا وعدہ مراد ہوتا ہے اور شر کے لئے ایعاد (ڈرانا، باب افعال) استعمال ہوتا ہے، فقر کا معنی ہے بد حالی اور مال کی کمی یہ لفظ فَقَارُ الظَّهْرِ سے بنا ہے (فَقَارُ الظَّهْرِ پشت کے مہرے) مطلب یہ ہے کہ شیطان تم کو ڈراتا ہے کہ اگر صدقات دو گے تو مفلس ہو جاؤ گے۔

وَيَا مَعْشَرَ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۵۳﴾ اور تم کو گناہ کا حکم دیتا ہے، الفحشاء سے مراد ہے زکوٰۃ نہ دینا عام معصیت کوئی ہو، کلبی نے کہا سوائے اس آیت کے قرآن میں ہر جگہ فحشاء سے مراد زنا ہے۔

وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا ﴿۵۴﴾ اور اللہ تم سے تمہارے گناہوں کی معافی کا اور نعم البدل دینے کا وعدہ کرتا ہے (یعنی اگر تم راہِ خدا میں خرچ کرو گے تو اللہ وعدہ کرتا ہے کہ تمہارے گناہ معاف فرمادیں گے اور جو کچھ تم دو گے اس سے بہترین دنیا میں یا (صرف) آخرت میں تم کو عطا کرے گا۔

وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۵۵﴾ اور اللہ راہِ خدا میں خرچ کرنے والے کے لئے اپنے فضل کو وسیع کرنے والا اور جاننے والا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ ہر صبح دو فرشتے اترتے ہیں ایک کہتا ہے الہی راہِ خیر میں خرچ کرنے والے کو عوض عطا فرما، دوسرا کہتا ہے کہ الہی بخیل کو بربادی دے، (بخاری و مسلم)۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (مجھ سے) فرمایا بے گنتی نہ خرچ کرو نہ اللہ تعالیٰ بھی تجھے حساب سے دے گا اور جمع کر کے نہ رکھ ورنہ اللہ بھی جمع کر لے گا (تجھے نہیں دے گا) جہاں تک تجھ سے ہو سکے پسختی رہ (کچھ نہ کچھ دیتی رہ) بخاری و مسلم۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے کعبہ کے مالک کی وہ گھانا پانے والے ہیں، میں نے عرض کیا وہ کون، فرمایا وہ جو زیادہ مالدار ہیں لیکن اس حکم سے وہ مالدار مستثنیٰ ہیں جو اس طرح اور اس طرح آگے پیچھے اور دائیں و بائیں سے دیتے ہیں مگر ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں۔ بخاری و مسلم۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سخی اللہ کے قریب ہے، جنت کے قریب ہے، لوگوں سے قریب ہے، دوزخ سے دور ہے اور بخیل اللہ سے دور ہے، جنت سے دور ہے، لوگوں سے دور ہے، دوزخ سے قریب ہے اور جاہل سخی عبادت گزار بخیل سے اللہ کو زیادہ محبوب ہے۔ (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سخاوت جنت میں ایک درخت ہے۔ (جس کی شہنیاں جنت سے باہر جھکی ہوئی ہیں) پس جو شخص اس کی کوئی شاخ پکڑ لیتا ہے تو وہ شاخ اس آدمی کو جنت کے باہر نہیں رہنے دیتی (اٹھا کر اندر لے جاتی ہے) اور سنجوسی دوزخ میں ایک درخت ہے (جس کی شاخیں دوزخ سے باہر ہیں) پس جو شخص اس کی کوئی شاخ پکڑ لیتا ہے تو وہ شاخ اس آدمی کو دوزخ کے اندر لے جائے بغیر نہیں چھوڑتی، بیہقی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فرمان

مرفوعاً منقول ہے کہ خیرات دینے کی طرف جلد جلد آگے بڑھو کیونکہ مصیبت خیرات کو کوڈ کر (تمہارے پاس) نہیں پہنچ سکتی،
رواہ زین۔

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ اللہ حکمت عطا فرماتا ہے، حکمت سے مراد ہے مفید صحیح علم اور اس کے مطابق عمل جو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ ہو، ایسا علم بغیر وحی کے نہیں حاصل ہو سکتا اور وحی انبیاء کے پاس آتی ہے لہذا حکمت سب سے پہلے انبیاء کو حاصل ہوتی ہے اور انبیاء کی معرفت دوسروں کو۔

ابن مردویہ نے بطریق جویر از ضحاک حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ حکمت سے مراد قرآن ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قرآن سے مراد ہے تفسیر قرآن کیونکہ قرآن تو نیک بیک سب ہی پڑھتے ہیں۔
مَنْ يَشَاءُ (جس کو چاہتا ہے) یہ مفعول اول ہے (الْحِكْمَةُ مفعول دوم ہے) اس جگہ اہمیت مفعول دوم کی تھی

اس لئے اس کو مفعول اول سے پہلے ذکر کیا یہی وجہ ہے کہ
وَمَنْ يُؤْتِ الْحِكْمَةَ میں فعل مجہول ذکر کیا کیونکہ اصل مقصد حکمت کا ذکر ہے، (فاعل کا ذکر اس جگہ اصل مقصد نہیں ہے) یُؤْتِ جمہور کی قرأت ہے یعقوب کی قرأت میں یُؤْتِ ہے۔

فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا جس کو حکمت عطا کی گئی بلاشبہ اس کو بہت بڑی خیر دے دی گئی، خیراً میں تنوین عظمت خیر کو ظاہر کر رہی ہے یعنی ایسی خیر جس کے اندر دونوں جہاں کی بھلائیاں موجود ہوں۔

حضرت معاذیہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ جس کی بھلائی چاہتا ہے اس کو دین (کے مسائل) کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔ میں (دینی احکام) تقسیم کرنے والا (یعنی بتانے والا) ہوں دیتا (یعنی بھیجتا) اللہ ہے، متفق علیہ حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے صرف تین اعمال (کا سلسلہ باقی رہتا ہے)۔

۱۔ صدقہ جاریہ (جیسے کنواں، سبیل، مدرسہ، سڑک، مسافر خانہ وغیرہ، ۲۔ وہ علم جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں (جیسے تالیف کی ہوئی کوئی کتاب یا مفتی عالم شاگرد) ۳۔ صالح لولاد جو والدین کے لئے دعا کرے۔ رواہ مسلم
حضرت ابو مسعود انصاری راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو بھلائی کا راستہ بتاتا ہے اس کو بھی نیکی کرنے والے کے برابر ثواب ملتا ہے، رواہ مسلم۔

حضرت ابو دردار رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرما رہے تھے عابد پر عالم (دین) کی فضیلت ایسی ہے جیسے تمام ستاروں پر چود ہو جس کے چاند کی علماء (اسلام) انبیاء کے وارث ہیں لیکن انبیاء نے میراث میں کوئی درہم و دینار نہیں چھوڑا بلکہ علم کی میراث چھوڑی جو اس میراث کو لیتا ہے وہ بڑے نصیب والا ہے، رواہ احمد، والترمذی، وابوداؤد، وابن ماجہ والدارمی۔

حضرت ابو امامہ بابلی راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا دو آدمی ہیں ایک عابد دوسرا عالم، عابد پر عالم کی برتری ایسی ہے جیسے تم میں سے ادنیٰ آدمی پر میری برتری، پھر فرمایا بلاشبہ اللہ اس کے فرشتے اور تمام زمین آسمان والے یہاں تک کہ سوراخوں کے اندر چوئیاں اور پانی کے اندر مچھلیاں سب اس شخص پر رحمت بھیجتے ہیں جو لوگوں کو نیکی کی تعلیم دیتا ہے (یعنی معلم خیر پر اللہ رحمت نازل کرتا ہے اور تمام مخلوق اس کے لئے دعا رحمت کرتی ہے) رواہ الترمذی۔

وَمَا يَنْبَغُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ یعنی نصیحت پذیر نہیں ہوتے مگر دانشمند، مراد یہ ہے کہ صرف خیر اور دوسرے احکام کے متعلق اللہ نے جو آیات نازل فرمائی ہیں ان سے نصیحت اندوز اور خدا و علوم پر غور کرنے والے صرف وہی سمجھ دار لوگ ہوتے ہیں جن کا فہم و ہم کی مداخلت اور شیطانی خیالات سے پاک ہوتا ہے، میں کہتا ہوں کہ ایسا تفکر صرف اسی وقت ہو سکتا ہے جب کامل طور پر نفس (امارہ) فنا ہو جائے۔

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ اور تم جو کچھ خرچ کرتے ہو کسی طرح کا خرچ ہو تھوڑا ہو یا بہت سب کے سامنے ہو یا چھپا کر

حق راستہ میں ہو یا باطل راستہ میں۔

اَوْ نَذَرَ لَّهُمْ مِّنْ نَّذْرٍ (اور جو اللہ کی نذر مانتے ہو یعنی اللہ کی فرمانبرداری کا جو کام (عبادت ہو یا مالی صرف) تم اپنے اوپر واجب کر لیتے ہو، خواہ نذر کسی شرط کے ساتھ مشروط ہو (جیسے اللہ اگر میرا یہ کام کر دے گا تو میں دس روزے رکھوں گا یا دس مسکینوں کو کھانا کھلاؤں گا یا بلا شرط ہو۔

فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبُكُمْ (بلاشبہ اللہ اس کو جانتا ہے) تم کو اس کا بدلہ دے گا۔

وَمَا لِلظَّالِمِيْنَ (لیکن جو لوگ بے جا حرکتیں کرنے والے ہیں، راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے مانی ہوئی نذریں پوری نہیں کرتے یا دکھاؤں کے لئے دیتے ہیں یا گناہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں۔

مِنْ اَنْصَارٍ (ان کا کوئی مددگار نہیں کہ اللہ کے عذاب کو دفع کر سکے)۔

اِنْ تُبَدِّلُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ (یعنی اگر تم لوگوں کے سامنے خیرات دو بشرطیکہ دکھاؤں کے لئے نہ ہو تو یہ عمل اچھا ہے، (ابن کثیر) ورش اور حفصؓ نے اس آیت میں اور سورۃ النساء میں نِعِمَّا کو نون اور عین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، قالون اور ابو بکر اور ابو عمرو نے نون کا ٹوکسرہ پڑھا ہے مگر عین کی حرکت کا اخفاء کیا ہے اور سکون عین بھی جائز ہے، باقی قاریوں نے نون کا فتح اور عین کا کسرہ پڑھا ہے یہ سب لغات صحیح ہیں۔

وَلَنْ تُخَفُّوْهَا وَتَوْتُوْهَا الْفَقْرَاءُ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (اور اگر اہل احتیاج کو تم چھپا کر دو تو یہ فعل سب کے سامنے دینے سے بہتر اور افضل ہے، حضرت ابو امامہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چھپا کر خیرات کرنا رب کے غضب کی آگ) کو بجھا دیتی ہے اور عزیزوں سے اچھا سلوک کرنا عمر بڑھا دیتا ہے، رواہ الطبرانی بسند حسن۔

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس روز اللہ کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا اس روز سات (قسم کے) آدمیوں کو اللہ اپنے سایہ میں لے لے گا۔

۱۔ خلیفہ عادل (یا منصف حاکم) ۲۔ وہ جوان جس کی اٹھان اللہ کی عبادت میں ہوئی ہے ۳۔ وہ شخص جس کا دل مسجد سے نکلنے کے بعد بھی واپس آنے تک مسجد میں ہی لگا رہے ۴۔ وہ دو آدمی جو اللہ کی خوشنودی کے لئے باہم محبت کرتے ہیں، باہم اکٹھے ہوتے ہیں تب توجہ اللہ اور الگ الگ چلے جاتے ہیں تب اسی غرض سے ۵۔ وہ آدمی جو تنہائی میں اللہ کی یاد کرتا ہے اور روتا ہے ۶۔ وہ شخص جس کو کوئی بڑے حسب والی خوبصورت عورت اپنی طرف گناہ کے لئے بلاتی ہے اور وہ کہتا ہے میں اللہ سے ڈرتا ہوں ۷۔ وہ شخص جو اللہ کی راہ میں کچھ دیتا ہے اور اتنا چھپا کر دیتا ہے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی معلوم نہیں ہوتا کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا (بخاری و مسلم)۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی مرفوع روایت ہے فرمایا تین آدمی ہیں جو اللہ کو پیارے ہیں ایک وہ جو رات سے اٹھ کر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتا ہے، دوسرا وہ جو دائیں ہاتھ سے راہِ خدا میں کچھ دیتا ہے اور بائیں ہاتھ سے بھی چھپا کر دیتا ہے، تیسرا وہ جو کسی جہادی دستہ میں ہو سا تھی شکست کھا کر بھاگ گئے ہوں مگر وہ دشمن کے مقابل ثابت قدم رہے، (ترمذی)۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین آدمی ہیں جن سے اللہ محبت کرتا ہے اور تین آدمی ہیں جن سے اس کو نفرت ہے۔ جن سے اللہ کو پیار ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ کچھ لوگوں کے پاس ایک آدمی بغیر کسی استحقاق فرابت کے محض اللہ کے واسطے کچھ مانگنے آیا لیکن کسی نے کچھ نہ دیا صرف ایک آدمی لوگوں کی نظر سے بچ کر ہٹ گیا اور جا کر سائل کو اتنا چھپا کر کچھ دیا کہ اللہ کے اور لینے والے کے علاوہ کسی کو معلوم نہ ہوا، دوسرا یہ کہ ایک جماعت رات بھر (دشمن سے لڑنے کے لئے) سفر کرتی رہی جب (آخر رات کو) ایسا وقت آیا کہ لوگوں کو ہر مساوی المرتبہ چیز سے غنیمت زیادہ محبوب ہو گئی اور سب نے سونے کے لئے اپنے سر رکھ دیئے تو ایک آدمی کھڑا ہوا کہ مجھ سے دعا کرنے اور میری آیات کی تلاوت کرنے لگا۔ تیسرا وہ شخص جو کسی جہادی دستہ میں تھا مقابلہ کے وقت (سا تھی) شکست کھا کر بھاگ نکلے مگر یہ شخص دشمن کے مقابل اس وقت تک

ثابت قدم رہا کہ شہید ہو جائے یا اللہ فتح عنایت کر دے۔ جن تین لوگوں سے اللہ تعالیٰ کو نفرت ہے وہ یہ ہیں، زانی بوزھا، اترانے والا فقیر اور ظالم غنی (ان تینوں کے پاس اپنے گناہ کی کوئی وجہ نہیں ہوتی، بڑھاپے میں جوش جوانی نہیں ہوتا کہ زنا پر مجبور ہو، فقیر کے پاس دولت نہیں ہوتی کہ فخر اور غرور کرنے کا سامان ہو، مالدار اپنے گزارے کے لئے کسی کی حق تلفی پر مجبور نہیں ہوتا کیونکہ خود مالدار ہوتا ہے) رواہ الترمذی والنسائی۔

وَيُكْفِّرُ یہ قرأت حفص اور ابن عامر کی ہے ابن کثیر ابو عمر اور ابو بکر نے نكْفَرُ پڑھا ہے بہر حال یہ جملہ فعلیہ ہے اور ماقبل پر معطوف نہیں، یہ جملہ اسمیہ ہے مبتدا مخدوف ہے یعنی نَحْنُ نَكْفِرُ يَا اَللّٰهُ يَكْفِرُ نافع، حمزہ اور کسائی نے نكْفِرُ پڑھا ہے کیونکہ اس کا عطف مخرجا علیہ اور مدخول فاء مقام جزا ہے اس لئے جزم ہونا چاہئے۔

عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّئَاتِكُمْ ہم تمہارے گناہ ساقط کر دیں گے، مِّنْ زَانِدٍ ہوا یہ کہ ہم تمہارے کچھ گناہ معاف کر دیں گے اس وقت تفسیر ہو گا یعنی صیغہ تہ معاف کر دیں گے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چھپا کر خیرات کرنا گناہ (کی آگ) کو بھادتی ہے۔ رواہ الطبرانی فی الصغیر من حدیث ابی سعید الخدریؓ

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے یہ چھپا کر دینے کی ترغیب ہے، (کہ تمہاری پوشیدہ خیرات ضائع نہ ہوگی)۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هٰذَا مِنْكُمْ آپ پر ان کا ہدایت یافتہ ہو جانا لازم نہیں، نسائی، طبرانی، بزاز اور حاکم وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان نقل کیا ہے کہ لوگ اپنے رشتہ دار مشرکوں کو کچھ دینا پسند نہیں کرتے تھے، یہ بات حضور اقدس ﷺ سے دریافت کی تو آپ نے (رشتہ دار مشرکوں کو دینے کی) اجازت دے دی اس پر آیت مذکور نازل ہوئی، ابن ابی شیبہ نے حضرت محمد بن حنفیہ کی مرسل روایت بھی اسی طرح نقل کی ہے، ابن ابی حاتم نے حضرت عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ صرف اہل اسلام کو خیرات دینے کا حکم دیتے تھے اس پر یہ آیت اتری، اس کے بعد ہر مذہب کے آدمی کو خیرات دینے کا حکم حضور نے دے دیا، بغوی نے سعید بن جبیر کا قول بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے مرسل سعید بن جبیر کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا اپنے دین والوں کے علاوہ کسی کو خیرات نہ دو اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اس کے بعد حضور ﷺ نے تمام مذہب والوں کو خیرات دینے کی اجازت دیدی مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو اسلام میں داخل کرنے کی غرض سے جو آپ غیر مسلموں کی مالی امداد سے مسلمانوں کو روک رہے ہیں تو ایسا نہ کیجئے کیونکہ غیر مسلموں کو ہدایت یافتہ بنا دینا آپ کا ذمہ نہیں، کلبی نے شان نزول اس طرح نقل کی ہے کہ مسلمانوں کی کچھ سرالی رشتہ داریاں یہودیوں سے تھیں اسلام سے پہلے یہ یہودیوں کی مدد کرتے تھے لیکن مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے یہودیوں کو کچھ دینا مناسب نہیں سمجھا اور (ہاتھ روک لیا) مقصد یہ تھا کہ وہ مسلمان ہو جائیں (کیونکہ ان کی امداد کے سوا ان یہودیوں کے گذران کا کوئی ذریعہ نہ تھا) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ ۖ بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت یاب کر دیتا ہے کیونکہ ہدایت اسی کی طرف سے اور اسی کی مشیت سے ہوتی ہے۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ اور جو کچھ تم خیرات کرو گے یا مال خرچ کرو گے، خیر سے مراد ہے صرف خیرات یا مال۔ فَلَا نَفْسٍ لَّكُمْ تو خود اپنے لئے کرو گے یعنی اس کا نفع لوٹ کر تم کو ہی ملے گا لہذا دینے کے بعد نہ فقیر پر احسان رکھو نہ ناپاک مال راہ خدا میں خرچ کرو۔

وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا اَبْغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۚ وَاٰ حَالِیْہِ بے تنفیقوا کی ضمیر فاعل ذوالحال ہے مطلب یہ کہ تم جو کچھ خیرات کرو جس کی غرض سوائے خوشنودی رب کے حصول کے اور کچھ نہ ہو تو وہ تمہارے ہی لئے مفید ہوگی، یا داؤ عاطفہ ہے مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! تمہاری خیر خیرات تو صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے پھر کیا وجہ کہ اپنی خیرات کا احسان

فقیہ پر رکھتے ہو یا ناپاک مال دیتے ہو گویا یہ جملہ خبریہ ہے کہ جس میں مسلمانوں کے حال کے تقاضے کو بیان کیا ہے، یا مَا تُنْفِقُونَ لفظاً جملہ منفی ہے اور معنی کے لحاظ سے نہی ہے مراد یہ ہے کہ تمہاری خیرات کا مقصود خوشنودی رب کی طلب ہوئی چاہئے سوائے رضائے خدا کی طلب کے اور کسی غرض کے لئے خیرات نہ دو، اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ سوائے رضائے خداوندی کی طلب کے اور کسی غرض کے لئے خیرات کرنا ممنوع ہے، ورنہ مفت میں مال کی بربادی ہوگی اور مفت مال کی بربادی ناجائز ہے۔

وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُؤْتِ إِلَيْكُمْ اور جو مال راہ خدا میں تم صرف کرو گے وہ پورا پورا تم کو ادا کیا جائے گا یعنی اس کا ثواب کثیر چند در چند تم کو ملے گا، چونکہ یُؤْتِ کے اندر ادا کرنے کا معنی ہے اس لئے اس کے بعد اِلٰی لایا گیا، یا یہ مطلب ہے کہ جو مال راہ خدا میں تم خرچ کرو گے اس کا پورا انعم البدل تم کو دیا جائے گا گویا اس آیت میں اس فرشتہ کی دعا کی قبولیت کی صراحت ہے جو کہتا ہے کہ اسی خیرات کرنے والے کو عوض عطا فرما، یہ حدیث ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

مذکورہ بالا تینوں جملوں کے درمیان حرف عطف ذکر کیا گیا ہے حالانکہ بظاہر یہ جملہ شرطیہ سابق جملہ شرطیہ کی تاکید ہے اس لئے حرف عطف نہ ہونا چاہئے، حرف عطف کے ذکر کی وجہ یہ ہے کہ آخری جملہ سے پہلے جملہ کی تاکید ہی مقصود نہیں ہے بلکہ منت نہی اور ایذا رسانی کی برائی کو الگ الگ دلائل سے مدلل کرنا مقصد ہے پہلے جملہ کا مفاد یہ ہے کہ جس چیز کے دینے میں خود تمہارا فائدہ ہے اس کے دینے کا فقیر پر احسان رکھنا درست نہیں، دوسرے جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ جس چیز کو دینے سے تمہارے پیش نظر صرف اللہ کی خوشنودی کا حصول ہے اس کا فقیر پر احسان رکھنا تو گویا ایسے شخص سے عوض کی طلب کرنا ہے جس سے عوض مانگنے کے لئے عطا نہیں کی گئی تیسرا جملہ اس مضمون پر دلالت کر رہا ہے کہ جس چیز کا ایک بار بھی بدل لے لیا جائے اس کا احسان نہیں ہوتا جیسے بائع، جب اپنی چیز کی قیمت لے لیتا ہے تو خریدار پر اس کا احسان نہیں ہوتا اور تم کو تو کئی گنا معاوضہ ملے گا پھر فقیر پر تمہارا کیا احسان۔

وَأَنْتُمْ لَا تَنْظُرُونَ اور تمہاری حق تلفی نہیں کی جائے گی یعنی تمہارے اعمال کا ثواب کم نہیں کیا جائے گا، صدقہ فرض (زکوٰۃ عشر وغیرہ) صرف مسلمانوں کو دیا جائے گا، غیر مسلم کو دینا جائز نہیں، ہاں صدقہ نفل (یعنی وہ خیرات جو فرض نہیں) غیر مسلم کو بھی دینا جائز ہے، صدقہ فطر، کفارہ اور مال نذر کے متعلق علماء کا مسلک مختلف ہے امام اعظمؒ کے نزدیک ذمی (غیر مسلم) کو بھی دیا جاسکتا ہے کیونکہ آیت اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ کا حکم عام ہے لیکن ذمی کو زکوٰۃ دینے کا عدم جواز (اس آیت سے نہیں بلکہ) حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے نکلتا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب رسول اللہ ﷺ نے یمن کو (وصول زکوٰۃ کے لئے) بھیجا تو فرمایا ان کے دولت مندوں سے فرض زکوٰۃ وصول کی جائے اور انہی کے غریبوں کو لوٹا کر دے دی جائے، (متفق علیہ) صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث مشہور ہے کتاب اللہ کے عمومی حکم کو اس سے مقید کیا جاسکتا ہے (لہذا حدیث کا تقاضا ہے کہ ذمی کو زکوٰۃ نہ دی جائے اگرچہ کتاب اللہ میں حکم عام ہے فقراء مسلم ہوں یا ذمی سب کو زکوٰۃ دینا آیت کی رو سے درست ہے مگر حدیث نے فقراء مسلمین کے لئے زکوٰۃ کو مخصوص کر دیا)

ابن ہمام (شارح ہدایہ) نے لکھا ہے کہ آیت مذکورہ عام ہے لیکن بالاجماع حربی کافر کو مخصوص کر لیا گیا ہے (اور حربی کافر کو زکوٰۃ دینا ناجائز قرار دے دیا گیا ہے) اس کی وجہ دوسری آیت کا حکم ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّمَا يَنْهَاكُمْ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ اِلْح (پس اس آیت کی وجہ سے حربی کافر کو زکوٰۃ دینا ناجائز قرار پایا) جب ایک آیت کے حکم کی دوسری آیت سے ایک بار تخصیص ہو گئی (اور عام مخصوص البعض ہو گیا) تو پھر (دوبارہ) خبر واحد سے اس کی تخصیص جائز ہے (لہذا ذمی کو بھی اس حکم سے از روئے حدیث خاص کر لیا گیا اور ذمی کافر کو بھی زکوٰۃ دینا ناجائز قرار دے دیا گیا)۔

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ اس کا تعلق یا مَا تُنْفِقُوا سے ہے یعنی جو مال راہ خدا میں تم فقراء کو دو گے یا اس کا تعلق محذوف فعل سے ہے گزشتہ فعل اس محذوف پر دلالت کر رہا ہے اس لئے دوبارہ ذکر فعل کی ضرورت نہیں یعنی فقراء کو دینے کا قصد کر دیا، ہو کچھ خرچ کرو وہ فقراء کیلئے خاص کر دو، یا لِلْفُقَرَاءِ خبر مقدم ہے اور مبتدئ مؤخر محذوف ہے یعنی فقیروں کا تم پر حق ہے۔

(سوال سے) غنی بنادینے والی (مقدار) اس کے پاس موجود ہو تو قیامت کے دن اس سوال سے اس کے منہ پر خراشیں لپٹی ہوں گی۔ عرض کیا گیا رسول اللہ ﷺ غنی کر دینے والی مقدار کیا ہے فرمایا پچاس درہم یا اتنی قیمت کا سونا۔ رواہ ابوداؤد و الترمذی و النسائی وابن ماجہ والدارمی۔

حضرت سہل بن حنظلہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص ایسی حالت میں سوال کرے کہ اس کے پاس غنی کر دینے والی (مقدار زر) موجود ہو تو قیامت وہ (اپنے لئے) آگ بڑھانا چاہتا ہے۔ نقلی راوی کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ (گسی نے پوچھا رسول اللہ ﷺ وہ مقدار کیا ہے جس کی موجودگی میں سوال کرنا درست نہیں فرمایا جس سے صبح اور شام کا کھانا بنا سکے۔ دوسری روایت میں آیا ہے ایک دن رات کی پوری خوراک، رواہ ابوداؤد۔

میں کہتا ہوں کہ (احادیث مذکورہ میں بظاہر اختلاف ہے) کتنے مال کی موجودگی سوال کو حرام کر دیتی ہے اس کی تعیین میں احادیث مذکورہ کا باہم تعارض ہے اس تعارض کو اس طرح اٹھایا جاسکتا ہے کہ احادیث کے اختلاف کو لوگوں کے احوال کے اختلاف پر محمول کیا جائے مثلاً جس کے پاس آج کے لئے کھانا پورا پورا ہو اور کل کے لئے مل جانے کی امید ہو اس کو سوال کرنا درست نہیں لیکن اگر کل کو بھی میسر آنے کی امید نہ ہو تو سوال کرنا حلال ہے اور اس وقت تک سوال کرنا جائز رہے گا جب تک آئندہ کھانا میسر آنے کی امید نہ ہو جائے جس کے پاس کھانا تو بقدر ضرورت ہو مگر ستر عورت کے لئے لباس نہ ہو یا دوسری ضرورتیں پوری کرنے کی سبیل نہ ہو اس کیلئے اپنی ضرورت کے موافق سوال کرنا درست ہے۔ رہی چالیس درہم کی مقدار تو یہ ہر سوال کو حرام کر دیتی ہے۔ (چالیس درہم کا مالک نہ کھانا لگ سکتا ہے، نہ کپڑا، نہ کوئی اور ضرورت کی چیز۔

وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ (تم جو مال راہ خدا میں خرچ کرو گے اللہ اس سے بخوبی واقف ہے۔ اس کلام میں فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی ترغیب ہے خصوصاً مذکورہ بالا فقرہ کو دینے کی (یعنی) تمہارا دیا ہوا اللہ کے علم میں ہے بھی اس کا ثواب ضائع نہ ہو گا اس لئے بے تردد خدا کی راہ میں صرف کرو۔)

الْكَافِرِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِالْكَيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً (جو لوگ راہ خدا میں اپنا مال رات دن پوشیدہ اور ظاہر صرف کرتے ہیں یعنی ہر وقت اور ہر حالت میں دیتے ہیں جب کسی محتاج کی حاجت سامنے آتی ہے فوراً اس کو پورا کرتے ہیں قطعاً تاخیر نہیں کرتے نہ وقت کو بہانہ بناتے ہیں نہ مال کو۔)

ابن منذر نے سعید بن مسیب کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت عبدالرحمان بن عوف اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے متعلق ہوا ان دونوں بزرگوں نے جیش عسرت (تیموک کو جانیا لے تنگ حال مجاہدین کے لشکر) کو خرچ دیا تھا۔ ابن جریر، عبدالرزاق، ابن ابی حاتم اور طبرانی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت علی بن ابی طالب (کرم اللہ وجہہ) کے حق میں ہوا۔ آپ کے پاس چار درم تھے آپ نے ایک درم رات کو ایک درم دن کو ایک چھپا کر اور ایک علانیہ خیرات کیا تھا۔ بغوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے کہ جب آیت للفقراء الذین احصروا ان تاذل ہوئی تو حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے بہت سارے دینار اصحاب صفہ کو بھیجے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وسط رات میں ایک وسق چھوڑے بھیجے۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ دن میں علانیہ خیرات سے حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہ بن عوف کا بھیجا ہوا روپیہ اور رات کو پوشیدہ خیرات سے

امام احمد نے بروایت ابن ابی ملیکہ لکھا ہے کہ اکثر ایسا ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق کے ہاتھ سے اونٹ کی مہار چھوٹ کر گر گئی تو آپ نے اونٹ کو بٹھا کر خود اتر کر نکیل اٹھالی لوگ کہتے کہ حضرت آپ نے ہم کو حکم کیوں نہ دے دیا ہم اٹھادیتے فرماتے میرے حبیب ﷺ نے مجھے حکم دیا ہے کہ لوگوں سے میں کچھ نہ مانگوں، منہ رحمہ اللہ
لے خموش یا خدوش خراشیں، خدوش خدش کی جمع ہے، خدش کا معنی ہے لکڑی یا کسی اور چیز سے کھال کو اکھاڑ دینا، کدوح بھی خموش کا ہم معنی ہے اور کدوح اس نشان کو بھی کہتے ہیں جو خراش یا دانت سے کاٹنے سے پیدا ہو جاتا ہے، کدوح صفت مشبہ کا صیغہ ہے، نہایہ، منہ رحمہ اللہ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھیجے ہوئے چھوڑے مراد ہیں۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابولہامہ رضی اللہ عنہ حضرت ابو دردمان رضی اللہ عنہ، مکحول اور اوزاعی کا قول نقل کیا ہے کہ آیت مذکورہ کا نزول ان لوگوں کے حق میں ہوا جو جہاد کے لئے گھوڑے پالتے تھے گھوڑوں کو رات دن پوشیدہ اور علانیہ چارہ دیا جاتا تھا۔ یہ قول ابن ابی حاتم اور طبرانی نے بحوالہ یزید بن عبد اللہ بن غریب رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے مگر یزید اور عبد اللہ دونوں مجہول ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رلوئی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھے اور اس کے وعدہ کو سچا سمجھتے ہوئے کوئی گھوڑا راہ خدا میں کام آنے کیلئے پرورش کرتا ہے تو گھوڑے کا کھانا، پینا، لید، پیشاب (سب کچھ) قیامت کے دن اس کی میزان میں رکھا جائے گا۔ اور نیکیوں کی تول میں آئے گا (رواہ البخاری)۔

فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۵۷﴾
(تو ان کا اجر اللہ کے پاس مخصوص ہے نہ ان کو (کسی حق تلفی یا عذاب کا) خوف ہو گا نہ وہ (کسی فوت شدہ چیز پر غمگین ہوں گے) فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ الخ خبر ہے اور الَّذِينَ يَنْفِقُونَ مُتَدَانًا (یعنی فاء کا ماقبل فاء کے مابعد کا سبب ہے) بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ الَّذِينَ يَنْفِقُونَ مبتدا ہے اور خبر محذوف ہے یعنی يَنْفِقُونَ اس صورت میں فَلَهُمْ کی فاء عاطفہ ہوگی اور جملہ کا جملہ پر عطف ہوگا۔

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا (جو لوگ سود کھاتے ہیں) الرِّبَا کو الصَّلَاة کی طرح واؤ کے ساتھ ان لوگوں کے نزدیک لکھا جاتا ہے جو اس کو پڑھتے ہیں اور الربوا کی کتابت میں واؤ کے بعد الف بھی لکھا جاتا ہے کیونکہ یہ واؤ جمع کے مشابہ ہے۔

لَا يَقُومُونَ (یعنی وہ اپنی قبروں سے نہیں اٹھیں گے عبد الرزاق نے اپنی تفسیر میں حضرت عبد اللہ بن سلام کی روایت سے یہی مطلب لکھا ہے۔)

إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ
میں آیا ہوا شخص اٹھتا ہے، شیطان سے مراد جن خبیث کا معنی ہے سخت ضرب جس کے ساتھ بگاڑ بھی ہو۔ قاموس میں ہے خَبَطَ الشَّيْطَانُ فَلَدْنًا فَبَجَا (الشَّيْطَانُ) فَلَدْنَا، فلاں شخص کو جن نے چھو کر دکھ پہنچادیا، الْمَسُّ سے مراد ہے جنون یا چھو جانا، من المسس کا تعلق یقوم سے ہے یَايْتَحَبَّطُ سے مطلب اس طرح ہوگا کہ سود خور قبروں سے اس طرح ہی اٹھیں گے جیسے جن کے جھپٹے میں آیا ہوا آدمی جنون زدہ ہو کر اٹھتا ہے اور شیطان اس کی عقل خراب کر دیتا ہے یا (اگر مسس کا معنی لمس یا جائے تو) یہ معنی ہوگا کہ وہ اس طرح اٹھیں گے جیسے وہ شخص اٹھتا ہے جس کو شیطان کے چھو جانے سے دکھ پہنچ گیا ہو یعنی جن کے چھو جانے سے اس کا دماغ خراب ہو گیا۔ جسمانی بیماری، مرگی اور جنون کبھی جن کے چھو جانے سے پیدا ہو جاتا ہے اس لئے آیت میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں کیونکہ جن کے چھو جانے سے مرض کا پیدا ہو جانا قرآن سے بھی ثابت ہے اور حدیث سے بھی۔ قرآن میں حضرت ایوب کے قصہ میں آیا ہے رَبِّ اَنْتَ مَسِّنِي الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ اور حدیث رسول اللہ ﷺ میں استحاضہ کے بیان میں ہے کہ یہ شیطان کی ایک رگڑ (ایڑ) لگنے سے ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ عرب کا خیال تھا کہ جن انسان کو جیٹی بنا دیتا ہے۔ عرب ہی کے گمان کے موافق آیت میں انہما کیا گیا (یعنی واقع میں تو جن انسان کا کچھ نہیں بگاڑتا یہ صرف دور جاہلیت کا مفروضہ اور مسلمہ تھا اسی مفروضہ کے ساتھ سود خور کے قیام کو تشبیہ دی) لیکن جب مس جس سے مرض پیدا ہو جانا کتاب اللہ اور حدیث سے ثابت ہے تو اس توجیہ کی ضرورت نہیں۔ سود خوروں کے پیٹوں کو بھی بڑھا بڑھا کر اللہ ان کو ٹھڑیوں کی طرح کر دے گا جن کے اندر سانپ بھرے ہوں اس لئے وہ بو جھل ہو کر ٹھیک طرح کھڑے نہ ہو سکیں گے۔

حضرت ابو سعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شب معراج کے قصہ میں فرمایا پھر جبرئیل علیہ السلام مجھے لے

کر بہت سارے آدمیوں کے پاس پہنچے ان میں سے ہر ایک کا پیٹ بڑی کوٹھڑی کی طرح تھا یہ لوگ فرعون کے ساتھیوں کی گزرگاہ میں بالکل سامنے تھے فرعونیوں کی پیشی صبح شام دوزخ پر ہوتی ہے۔ فرعونی لوگ بھڑکائے ہوئے ان اونٹوں کی طرح جو اندھا دھند پتھروں اور (چھوٹے موٹے) درختوں کو روندتے چلے جاتے ہیں نہ سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں سامنے سے (دوڑے) آ رہے تھے جب ان ٹیل لوگوں کو ان کی آہٹ محسوس ہوئی تو وہ کھڑے ہونے لگے (تاکہ راستہ سے ہٹ جائیں) لیکن ان کے پیٹ ان کو لے بھٹکے آخر وہ پھپھڑ گئے پھر ایک شخص اٹھنے کا لیکن اس کا پیٹ اس کو لے جھکا اور وہ پھپھڑ گیا غرض وہ ہٹ نہ سکے اور فرعونی ان پر آ پہنچے اور آتے جاتے ان کو روندتے رہے ان پر یہ عذاب برزخ میں دنیا و آخرت کے درمیان ہو رہا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا فرعونی کہہ رہے تھے الہی کبھی قیامت برپا نہ کرنا کیونکہ قیامت کے روز اللہ فرمائے گا کہ فرعونیوں کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو۔ میں نے پوچھا جبریل علیہ السلام یہ کون لوگ ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے کہا "یہ وہ لوگ ہیں جو سود کھاتے تھے یہ نہیں اٹھیں گے مگر اس طرح جیسا کہ جن زدہ آدمی جن کے جھپٹے کی وجہ سے اٹھتا ہے۔ (رواہ البغوی)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شب معراج میں میں ایسے لوگوں پر پہنچا جن کے پیٹ سانپ بھری کوٹھڑیوں کی طرح تھے اور پیٹ کے باہر ہی سے سانپ نظر آ رہے تھے میں نے پوچھا جبریل یہ کون ہیں جبریل علیہ السلام نے کہا یہ سود خور ہیں (رواہ احمد و ابن ماجہ) ابو یعلیٰ نے اس آیت کی تشریح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن وہ لوگ اسی علامت سے پہچان لئے جائیں گے وہ کھڑے نہ ہو سکیں گے مگر جس طرح جن زدہ لرزتا اٹھتا ہے۔

ابن ابی حاتم نے صحیح سند سے حضرت ابن عباس کا قول بیان کیا ہے کہ سود خور قیامت کے دن پاگل دیوانہ (ہو کر) اٹھے گا۔ طبرانی نے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا فرمان بھی اسی طرح نقل کیا ہے مگر اس روایت میں مجنون خطبی کا لفظ ہے۔

آیت کا معنی اس طرح بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ سود خور سود خوری کے مقام سے دیوانہ کی طرح ہی اٹھتے ہیں۔ مطلب یہ کہ سود کا لقمہ کھاتے ہی سود خوار کا دل سیاہ پڑ جاتا ہے حق و باطل اور حلال و حرام کی تمیز اس کو جاتی رہتی ہے جس طرح دیوانہ کو اچھے برے کی تمیز نہیں ہوتی۔

بات یہ ہے کہ لقمہ حرام اس کے بدن کا جز بن جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کی حقیقت ہی بدل جاتی ہے دوسرے گناہ چونکہ بیرونی ہوتے ہیں اس لئے ان سے اندرونی جوہر نہیں بدلتا عارضی احوال کا تغیر ہو جاتا ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے سود خور پر لعنت کی ہے اور سود خوری کو زنا سے بھی سخت قرار دیا ہے۔ مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے اور سود کھلانے والے پر لعنت کی ہے۔ ابو داؤد اور ترمذی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں اتنا زائد نقل کیا ہے کہ (حضور ﷺ نے لعنت کی ہے) سود کے لکھنے والے پر اور سود کے گواہوں پر (بھی) اور فرمایا یہ سب برابر ہیں۔ نسائی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت سے بھی حدیث اسی طرح نقل کی ہے لیکن اس روایت میں گواہان سود کی جگہ زکوٰۃ روکنے والے کا ذکر ہے۔ حضرت عبد اللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدمی جو سود کا ایک درہم دانستہ کہتا ہے اس کا جرم چھتیس بار زنا سے زیادہ سخت ہے۔ رواہ احمد و الدار قطنی۔

ابن ابی الدنیاء نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بھی اسی طرح منقول ہے اس روایت میں حسب نقل بیہمتی اتنا زائد ہے کہ جس کا گوشت حرام کھا کر پیدا ہوا آگ اس کے لئے زیادہ مناسب ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سود ستر گناہ (کا)

مجموعہ) ہے جن میں سب سے چھوٹا گناہ مال سے زنا کرنا ہے۔ رواہ ابن ماجہ والبیہقی

ذَلِكْ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا
یہ عذاب اس لئے ہوگا کہ انہوں نے کہا تھا کہ بیع بھی تو سود ہی کی طرح ہے۔ یعنی یہ عذاب ان کے کفر اور حرام کو حلال قرار دینے کی وجہ سے ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ عذاب مذکورہ صرف کافروں کے ساتھ مخصوص ہے۔ مؤمن سود حور جس کو اپنے گناہ کا اقرار ہو ایسا عذاب نہیں پائے گا یا آیت میں عذاب کے دوائی ہونے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ لایقومون میں غیر معین مستقبل کی نفی ہے مستقبل کا کوئی حصہ مقرر نہیں اور فعل کے اندر مصدر ہوتا ہے تو گویا غیر معین مصدر کی نفی ہوئی اور نکرہ جب نفی کے بعد آتا ہے تو نفی عمومی اور استغراقی ہوتی ہے۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہ دوائی عذاب صرف کافروں کے لئے ہے۔ اگر کوئی مؤمن سود خوری کا مرتکب ہو تو اس کو یہ عذاب ہوگا ضرور مگر (دوائی نہ ہوگا) نبی کی شفاعت یا رب کی (براہ راست) رحمت اور توحید و رسالت محمدیہ ﷺ کے اقرار کی وجہ سے جاتا رہے گا۔

آیت میں کلام میں زور پیدا کرنے کے لئے ترتیب الفاظ کو الٹ دیا ہے ہونا تو چاہئے انما الربو امثل البیع سود بیع کی طرح ہے لیکن انہوں نے کہا بیع تو سود ہی کی طرح تھا گویا سود کو اصل قرار دیا اور بیع کو اس کے مشابہ (مطلب یہ کہ سود تو حلال ہی ہے اور بیع بھی منفعت خیزی میں کسی قدر سود کی طرح ہوتی ہے اس لئے وہ بھی درست ہے غرض اصلی صرف فائدہ اندوزی ہے)۔

وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ
اور اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے۔ فخر الاسلام (بزوی) نے لکھا ہے کہ لغت میں بیع مالی تبادلہ کو کہتے ہیں شریعت میں بھی اسی تبادلہ مالی کو بیع کہا گیا ہے۔ مگر باہم رضامندی کی شرط شرعاً لازم لگادی گئی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ لغوی معنی میں تراخی کی شرط ماخوذ ہے بغیر رضامندی کے اگر مالی تبادلہ ہو تو اس پر غصب کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ اختیار اور تراخی کے لئے اچھے برے اور نفع نقصان کی تمیز ضروری ہے اسی لئے پاگل اور نا سمجھ بچہ کی بیع اجماعاً درست نہیں (کیونکہ ان کے اندر قوت تمیز نہیں ہوتی) البتہ سمجھدار بچہ کی بیع کے متعلق علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی بیع بھی درست نہیں کیونکہ اس کی سمجھ ناقص ہوتی ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد کے نزدیک درست ہے مگر اس کے سر پرست کی رائے کا شامل ہونا ضروری ہے کیونکہ نقصان عقل کی وجہ سے اس کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے جب سر پرست کی رائے بھی اس کے موافق ہو جائے گی تو ضرر کا اندیشہ جاتا رہے گا۔ یہ شرط شریعت نے خود لگائی ہے۔ اللہ نے فرمایا فَلَیْمِلْ وَلِیُّهُ بِالْعَدْلِ دوسری آیت میں ہے وَابْتَئُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ۔

بیع سے مبادلہ مالی کا ایجاب و قبول ہوتا ہے اور ایجاب و قبول حقیقت میں انشاء ہے (بائع مشتری سے کہتا ہے یہ مال اتنے کو لے لے اور مشتری بائع سے کہتا ہے کہ یہ مال اتنے کو دیدے) لیکن شرعاً ایجاب و قبول کیلئے ماضی کے صیغے مقرر کئے گئے ہیں ایک کتابت میں نے بیع ڈالا دوسرا کتابت میں نے قبول کیا خرید لیا۔ لیکن اگر (دست بدست) لین دین ہو اور الفاظ نہ استعمال کئے جائیں (جس کو بیع بالتعاطی کہتے ہیں) تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ لین دین لفظی ایجاب و قبول کے قائم مقام مان لیا جائے گا۔ ایک روایت میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ کرخی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ بیع بالتعاطی کم قیمت چیز کی تو ہو جائے گی اعلیٰ چیز کی نہ ہوگی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا (قوی) قول یہی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قوی قول یہ ہے کہ بیع بالتعاطی قطعاً نہیں ہوتی۔ ہم کہتے ہیں کہ اصل مقصد ہے باہمی رضا مندی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَائُسٍ یَسْنُکُمْ اور تعاطی بھی باہمی رضا پر دلالت کرتی ہے۔

عقد بیع کرنے والے کو شرعی ولایت حاصل ہونا ضروری ہے خواہ مالک ہو یا وکیل (مختار ایجنٹ) یا وصی یا عزیز قریب وغیرہ (یعنی مشتری اور بائع خود روپیہ اور مال کے مالک ہوں یا طرفین میں سے کسی نے انکو خرید و فروخت کیلئے مقرر کیا ہو وغیرہ)۔

مسئلہ :- بیع فضولی (کوئی غیر متعلق شخص جو بائع اور مشتری کی اجازت دینے سے پہلے بائع مشتری کے نام پر کچھ لین دین کرے) کے متعلق علماء کا اختلاف ہے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک کے نزدیک اس کی فروخت درست ہے (اور بائع بعد میں اس کی خرید فروخت کو جاری اور قائم رکھ سکتا ہے) کیونکہ بعد میں حاصل ہونے والی اجازت سابقہ وکالت کی طرح ہو جائے گی (گویا اس کو پہلے سے فروخت کا اختیار حاصل تھا) مگر بعد میں بائع کی اجازت ضروری ہے۔ صاحبین کے نزدیک فضولی کی خریداری بھی بعد میں مشتری کی اجازت پر موقوف ہے بشرطیکہ فضولی نے یہ کہا ہو کہ میں فلاں شخص کیلئے خرید رہا ہوں تم فلاں شخص کیلئے اپنا یہ مال فروخت کر دو لیکن اگر فضولی نے خرید کے وقت یہ نہ کہا ہو کہ میں فلاں شخص کیلئے خرید رہا ہوں تو خریداری اسی فضولی کی مانی جائے گی (اور اصل مشتری اس کو نہیں لے سکتا) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قدیم قول یہی ہے لیکن شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قوی قول یہ ہے کہ فضولی کی بیع ہی درست نہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بھی دونوں قول مروی ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکیم بن حزام سے فرمایا تھا جو چیز تیرے پاس نہ ہو اس کو فروخت نہ کر۔ ابن جوزی نے بسلسلہ عمرو بن شعیب نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو چیز تیرے پاس نہ ہو اس کی بیع (تیرے لئے) جائز نہیں اور نہ اس چیز کا تجارتی نفع (تیرے لئے) جائز ہے جو تیری ذمہ داری میں نہ ہو۔ ہم کہتے ہیں اس حدیث میں بیع سے مراد وہ بیع ہے جس میں جانبین (یعنی جن کے لئے خرید و فروخت کی گئی ہو) کی طرف سے مطالبہ ہو سکے یعنی بیع نافذ پس حدیث کی مراد ہے اس بیع کی ممانعت جس کا مال وقت بیع بائع کے پاس موجود نہ ہو بلکہ بیع پہلے کر دے اور پھر کہیں سے خرید کر لا کر مشتری کو دیدے۔

حضرت حکیم بن حزام کا قصہ ہمارے اس بیان کی تائید کرتا ہے۔ حضرت حکیم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا تھا۔ یا رسول اللہ ﷺ بعض لوگ میرے پاس ایسا سامان خریدنے آتے ہیں جو میرے پاس (اس وقت) نہیں ہوتا میں فروخت کر دیتا ہوں پھر بازار جا کر خرید کر لا کر دیدیتا ہوں سرکار عالی ﷺ نے فرمایا جو چیز تمہارے پاس نہ ہو اس کو نہ فروخت کیا کرو۔ بروایت یوسف رضی اللہ عنہ بن مابک از حکیم یہ حدیث امام احمد اور اصحاب السنن نے نقل کی ہے اور ابن حبان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی صحیح میں بیان کی ہے اس روایت میں یوسف رضی اللہ عنہ نے صراحت کی ہے کہ مجھ سے حکیم نے یہ حدیث بیان کی۔ بعض استادوں میں یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور حکیم رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان عبد اللہ بن عصفہ کا نام آتا ہے لیکن شیخ عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ نے عبد اللہ کو ضعیف اور ابن حرم نے مجہول قرار دیا ہے مگر ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس جرح کی تردید کی ہے۔ اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت لی ہے اور نسائی نے اس کی روایت حجت میں پیش کی ہے اور ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔ ہم دلیل میں عروہ باریکی کی روایت کو پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حکیم کو ایک دینار دے کر ایک بکری خریدنے بھیجا حکیم نے ایک دینار کی دو بکریاں خریدیں۔ ایک بکری تو ایک دینار کو فروخت کر دی اور دوسری بکری اور ایک دینار لا کر خدمت اقدس میں پیش کر دی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تیرے ہاتھ کی خرید و فروخت میں برکت عطا فرمائے چنانچہ (اس کے بعد) اگر حکیم مٹی بھی خریدتے تھے تو اس میں بھی ان کو نفع ہو جاتا تھا، رواہ ابوداؤد والترمذی و ابن ماجہ والدارقطنی۔

لیکن اس کی اسناد میں ایک راوی سعید بن زید بھی ہے جس کو قطان اور دارقطنی نے ضعیف کہا ہے مگر ابن معین نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے مسلم نے بھی (یہ حدیث) سعید ہی کے سلسلہ سے اپنی صحیح میں نقل کی ہے لیکن اس سلسلہ میں ایک راوی ابولیبہ لمازہ بن زیاد واقع ہے جس کو مجہول کہا گیا ہے مگر ابن سعد نے اس کی توثیق اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تعریف کی ہے اور منذری و نووی نے لکھا ہے کہ اس کی اسناد حسن صحیح ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور کرنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو دوسرے سلسلہ سے نقل کیا ہے جس کی اسناد یہ ہے کہ ابن عیینہ نے شیبہ بن عرفدہ سے سنا اور شیبہ نے اپنی

قوم سے اور اس کی قوم نے عروہ باری سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرمایا اگر یہ صحیح ہوتی تو میں اس کا قائل ہو جاتا۔ بیہقی نے لکھا ہے کہ شیب کی قوم چونکہ معروف نہ تھی اس لئے شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ضعیف قرار دیا لامحالہ یہ حدیث مرسل ہے (اور شافعی کے نزدیک مرسل قابل حجت نہیں ہے) کذا قال الخطابی ہرخی نے اسی اسناد کے ساتھ یہ حدیث نقل کی ہے لیکن اس اسناد میں شیب اور عروہ کے درمیان حسن کا نام صراحۃً آیا ہے لہذا حدیث کا سلسلہ متصل ہو گیا اور روایت مرسل نہیں رہی اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ مرسل ہمارے نزدیک حجت ہے اور اس کی تائید تو مندر روایت سے ہو رہی ہے جو بحوالہ ابولید از عروہ

ہم نے اوپر نقل کر دی ہے۔

ترمذی نے حبیب بن ابی ثابت کی وساطت سے حضرت حکیم بن حزام کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے قربانی کا جانور خریدنے کے لئے ایک دینار دیا میں نے ایک بکری خرید کر دو دینار کو فروخت کر دی پھر ایک دینار کی ایک بکری خرید کر خدمت والا میں لا کر حاضر کر دی اور ایک دینار بھی پیش کر دیا اور حضور ﷺ سے واقعہ عرض کر دیا آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تجھے خرید و فروخت میں برکت عطا فرمائے۔ پھر آپ نے بکری کی قربانی کر دی اور دینار خیرات کر دیا۔ ترمذی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صرف اسی طریق اسناد سے آئی ہے اور کسی طریقہ سے معروف نہیں۔ لیکن میرے خیال میں حبیب نے (خود) حضرت حکیم سے سماعت نہیں کی۔ ابوداؤد نے کسی مدنی بوڑھے کی وساطت سے حضرت حکیم رضی اللہ عنہ کا مذکورہ بیان نقل کیا ہے بیہقی نے لکھا ہے کہ اسی (غیر معروف) بوڑھے کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہے۔ واللہ اعلم۔

بیع کی حقیقت مبادلہ مالی ہے اور مال دو طرح کا ہوتا ہے۔

(۱) وہ مال جو بعینہ مقصود ہوتا ہے یعنی اس کی شخصیت اور ذات مطلوب ہوتی ہے اس کو عین کہتے ہیں۔

(۲) وہ مال جو بعینہ مقصود نہیں ہوتا (وہ ہو یا اس کی مثل دوسرا ہو) ایسا مال کسی دوسری چیز کے حصول کا ذریعہ ہوتا ہے اور فطری طور پر وہ دوسری (ضرورت زندگی کی) چیزیں حاصل کرنے کے کام میں آتا ہے یہ ثمن یعنی قیمت کہلاتا ہے (ثمن بننے کے لئے فطرۃً ہونا چاندی معین ہے اس تقسیم کی روشنی میں بیع کی چار قسمیں ہو گئیں۔ (۱) کسی عین کی فروخت سونے چاندی کے عوض۔ اسی کو عموماً بیع کہتے ہیں لفظ بیع سے اسی مفہوم کی طرف انتقال ذہنی ہوتا ہے۔ ایسی بیع میں عین بیع (فروخت شدہ چیز) ہوتا ہے اور سونا چاندی اس کی قیمت۔ اس بیع کے لئے ضروری ہے کہ بیع کے وقت بیع موجود اور معین ہو کیونکہ اس وقت بیع کی ذات، صورت اور مالیت ہی مقصود ہوتی ہے۔ حضرت حکیم دالی حدیث سے بیع کا بوقت بیع موجود ہونا ضروری قرار پاتا ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع الکالی بالکالی کی ممانعت فرمائی ہے (کالی نہ کہتے ہیں یعنی وہ چیز جس کی بعینہ سپردگی ضروری نہ ہو بلکہ وہ یا اس جیسی دوسری چیز دینا اس شخص کے ذمہ میں واجب ہو جیسے کسی چیز کی قیمت دس روپیہ ہو تو کوئی معین اور خاص دس روپیہ کا نوٹ دینا ضروری نہیں کوئی ایک نوٹ ہو یا ایک ایک روپیہ کے دس نوٹ ہوں یا پانچ پانچ کے دو ہوں بہر حال دس روپیہ کی ثنیت ہو اس کا لو اگر نا خریدار کے ذمہ لازم ہوتا ہے مگر بیع اگر موجود نہ ہو گا تو اس کی ذات معین نہ ہوگی بیچنے والے کے پاس موجود ہی نہیں ہے تو عین کا معنی ہی کیا ہو سکتا ہے لہذا وہ بھی کالی ہو جائے گا اور اس طرح یہ بیع الکالی بالکالی ہوگی جو بحکم حدیث ناجائز ہے)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما دالی حدیث دارقطنی نے نقل کی ہے۔ ثمن کا مشتری کے پاس موجود ہونا ضروری نہیں ہے۔ نہ سامنے حاضر اور معین ہونا بلکہ مشتری کے ذمہ پر اس کی ادائیگی ضروری ہے کیونکہ بعینہ اس کی شخصیت اور ذات مقصود نہیں۔ قیاس کا تو تقاضا تھا کہ اگر مشتری کے پاس ثمن نہ ہو تو بیع جائز نہ ہو کیونکہ جو چیز موجود نہیں وہ (مشتری کا) مال ہی نہیں ہے (اور تبادلہ کے لئے دونوں طرف مال ہونا چاہئے)۔

لیکن اہل معاملہ کی دشواری کو دور کرنے کے لئے ثمن میں شارع علیہ السلام نے موجود ہونے کی شرط نہیں لگائی بلکہ مشتری کے ادائیگی کا وجوب کافی قرار دیا لیکن اگر قیمت فوری ادا نہ کی جائے تو چار چیزوں کو بیان کرنا لازم ہے۔ مدت ادا کی تعیین، جنس ثمن، مقدار ثمن، صفات ثمن، تاکہ آئندہ جھگڑا پیدا نہ ہو۔ آئندہ نزاع کا اندیشہ جواز بیع کو روک دیتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی یہودی سے کچھ غلہ خریدا اور اس کے پاس اپنی فولادی زرہ رہن رکھ دی اور قیمت ادا کرنے کی مدت مقرر کر دی۔ متفق علیہ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی کی دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضور ﷺ کی وفات کے وقت آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس ۳۰ صاع جو کے عوض رہن رکھی ہوئی تھی۔ (رواہ البخاری) اس حدیث کو امام احمد اور ترمذی نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے لکھا ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

یہ فیصلہ باتفاق علماء ہے کہ بیع کی تعیین ضروری ہے اور ثمن کی تعیین (سامنے موجود ہونا یا قبضہ مشتری میں ہونا) ضروری نہیں البتہ (امور اربعہ مذکورہ کا) معلوم ہونا لازم ہے۔

(۲) دوسری بیع عین بعین (یعنی ایک جس کا دوسری جنس سے تبادلہ) ہے اس بیع میں دونوں جانب بیع ہوتا ہے (نقد یعنی ثمن نہیں ہوتی) اس لئے جو بیع میں شرط ہے وہی دونوں طرف یہاں شرط ہوتی ہے بشرطیکہ دونوں جانب ایسی چیزیں ہوں جو قیمت والی ہوں مثلاً نہ ہوں لیکن اگر ایک جانب قیمت والی چیز ہو اور دوسری طرف مثلاً ہو تو مثلاً چیز بیع اور قیمت والی چیز ثمن قرار پائے گی کیونکہ ثمن کا موجود ہونا تو ضروری نہیں ہے بلکہ مشتری کے ذمہ اس کا وجوب ہوتا ہے اور ذمہ میں کسی چیز کا وجوب اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس چیز کی مقدار اور صفت معلوم ہو لہذا قیمت والی چیز کا ثمن ہونا یقینی ہے اور مثلاً چیز کا بیع ہونا متعین ہے لیکن دونوں طرف اگر قیمت والی چیز ہو تو علماء حنفیہ کے نزدیک ایک کا وجود اور تعیین یعنی بیع قرار پانا اور دوسری کا وجوب فی الذمہ یعنی ثمن قرار دیا جانا ضروری ہے میرے نزدیک دونوں کا موجود اور معین ہونا لازم ہے کیونکہ ایک کا ثمن اور دوسری کا بیع ہونا برعکس ہونا بلا دلیل ہے ہر ایک ثمن یا بیع بن سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا ہے جب دونوں جنسیں مختلف ہوں تو جس طرح چاہو (کمی بیشی کے ساتھ) فروخت کرو مگر دست بدست ہونا چاہئے۔ دوسری روایت میں دست بدست کی جگہ عین بمقابلہ عین آیا ہے (یعنی دونوں موجود اور معین ہوں) دست بدست کا بھی یہی معنی ہوگا۔ اس بیع کو مقایضہ کہتے ہیں۔

(۳) تیسری قسم بیع صرف ہے اس میں دونوں طرف قیمت (یعنی سونا یا چاندی) ہوتی ہے کسی جانب بیع (سونے چاندی یعنی نقد کے علاوہ کوئی چیز) نہیں ہوتی نہ تعیین کے ساتھ کسی ایک کو بیع اور دوسرے کو ثمن قرار دیا جاسکتا ہے (کیونکہ حقیقت میں دونوں طرف ثمن ہے اور فرضی طور پر ہر ایک کو بیع کہا جاسکتا ہے) دونوں کو بیع کہہ سکتے ہیں لہذا دونوں کا موجود اور معین ہونا ضروری ہے (کیونکہ بیع کا موجود اور معین ہونا لازم ہے) بلکہ دونوں پر مجلس عقد کے اندر ہی قبضہ واجب ہے (کیونکہ مجلس بیع کے اندر بیع پر قبضہ کرنا لازم ہے) تاکہ قبضہ کی وجہ سے ثمن کی تعیین ہو جائے اور اس کو بیع قرار دیا جاسکے۔

(۴) چوتھی قسم بیع سلم ہے یہ بیع مطلق کے بالکل برعکس ہوتی ہے (بیع مطلق میں بیع موجود ہوتی ہے اور قیمت مشتری کے ذمہ واجب ہوتی ہے قیمت کا موجود اور معین ہونا ضروری نہیں ہوتا) بیع سلم میں بیع (یعنی خریدی ہوئی چیز) بالفعل موجود نہیں مگر قیمت موجود ہوتی ہے اور مشتری پر قیمت فی الفور ادا کرنا اور بائع کا اس پر قبضہ کر لینا ضروری ہوتا ہے (گویا قیمت بیع کا حکم رکھتی ہے۔ بیع کی جانب کچھ مخصوص شرطیں ہونی لازم ہیں جس کا تذکرہ ہم آیت اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِذَيْنِ الْاِجْلِ تَسْتَسْتَمِیْنِ کی تفسیر میں کریں گے۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ بیع میں مال کا مال سے تبادلہ ہوتا ہے تو یہ امر واضح ہو گیا کہ مردار یا خون یا شراب یا خنزیر کی بیع درست نہیں (کیونکہ شریعت کی نظر میں یہ چیزیں مال ہی نہیں ہیں) بلکہ ہر وہ چیز جو واقع میں مال نہ ہو یا لوگ اس کو مال جانتے

ہوں مگر شریعت نے اس کی مالیت کو لغو قرار دیا ہو اس کی بیع باطل ہے۔ کیونکہ بیع کی حقیقت ہی موجود نہیں اگر ان اشیاء کو قیمت قرار دیا جائے اور کپڑا، جوتا اور اسی طرح کی دوسری (حلال) چیزوں کو بیع بنایا جائے تب بھی بیع باطل ہے۔ مگر امام اعظم کا قول ہے کہ شراب اور خنزیر کو اگر دشمن قرار دیا ہو اور کپڑے وغیرہ کو بیع تو بیع لغو باطل نہ ہوگی ہاں فاسد الحکم ضرور ہو جائے گی جس کو نسخ کرنا ضروری ہے۔ لیکن اگر مشتری کپڑے وغیرہ پر قبضہ کر لے تو کپڑے کا مالک ہو جائے گا مگر اس وقت کپڑے کی طے شدہ قیمت یعنی شراب یا خنزیر وغیرہ بائع کو نہیں دی جائے گی بلکہ کپڑے کی جو قیمت بازاری ہوگی وہ ادا کی جائے گی لیکن بیع فاسد بھی (اگرچہ بیع پر قبضہ کے بعد مفید ملک ہو جاتی ہے مگر) گناہ ہے اس لئے بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو نسخ کر دینے کا حق ہوگا۔

وَحَكْمَ الرَّبِّ لَوَاہ اور اللہ نے سود کو حرام کر دیا ربوا کا لغوی معنی ہے ”بیشی“ اللہ نے فرمایا ہے وَيُرِيهِ الصَّدَقَاتِ اور اللہ صدقات (خیرات) کو بڑھاتا ہے آیت کا مطلب یہ ہے کہ قرض میں دی ہوئی رقم سے زیادہ لینے کو اور خرید و فروخت میں کسی ایک عوض کو دوسرے عوض کے مقابل زیادہ لینے دینے کو حرام کر دیا ہے۔

جمہور علماء کا قول ہے کہ آیت کا حکم مجمل ہے کیونکہ تجارتی نفع تو شرعاً حرام نہیں ہے ایک آیت میں صاف صراحت ہے کہ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا أَفْضَلًا مِنْ رَبِّكُمْ اپنے رب کا فضل (تجارتی نفع) طلب کرنے میں تم پر گناہ نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ تجارتی نفع کی کوئی مخصوص شکل حرام ہے (جس کو آیت میں بیان نہیں کیا گیا) اور اس کا علم شارع کی طرف سے ہی ہو سکتا ہے لہذا آیت مذکورہ مجمل قرار پائی (اور دوسری جگہ شارع کے بیان سے اس کی توضیح ہوئی ہے) حضرت عبادہ بن صامت کی روایت کردہ مندرجہ ذیل حدیث میں جن چھ چیزوں کے تبادلہ میں کمی بیشی کو ممنوع قرار دیا ہے وہ اجمال آیت کا بیان ہو جائے گا۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سونا سونے کے عوض، چاندی چاندی کے عوض، گیہوں گیہوں کے عوض، جو جو کے عوض، چھوڑے چھوڑوں کے عوض، اور نمک نمک کے عوض برابر برابر دست بدست فروخت کرو اور جب یہ اقسام مختلف ہوں تو جیسا (کمی بیشی کے ساتھ) چاہو فروخت کرو (مگر) دست بدست (رواہ مسلم) دوسری روایت میں ہے ”مت فروخت کرو سونے کو سونے کے عوض، نہ چاندی کو چاندی کے عوض، نہ گیہوں کو گیہوں کے عوض، نہ جو جو کے عوض، نہ چھوڑوں کو چھوڑوں کے عوض، نہ نمک کو نمک کے عوض مگر برابر برابر نقد بہ نقد دست بدست“۔ ہاں سونا چاندی کے عوض، چاندی سونے کے عوض، گیہوں جو کے عوض، جو گیہوں کے عوض، چھوڑے نمک کے عوض، اور نمک چھوڑوں کے عوض (یعنی اختلاف جنس کے ساتھ) فروخت کرو، دست بدست جس طرح چاہو نمک کم ہو یا چھوڑے یا دونوں میں سے کوئی زیادہ (اتحاد جنس کی صورت میں) جو زیادہ دیکھا زیادہ لیگا وہ سود لیگا دیکھا، رواہ الشافعی۔

مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت بھی حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث کی طرح نقل کی ہے لیکن اس روایت کے آخر میں اتنا زائد ہے کہ جس نے زیادہ دیکھا زیادہ لیا اس نے سود دیا لیا اس میں لینے والا اور دینے والا (دونوں) برابر ہیں۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے دوسرے سلسلہ اسناد کے ساتھ مروی ہے کہ سونے کو سونے کے عوض نہ بیچو مگر برابر برابر ایک کو دوسرے سے نہ بڑھاؤ اور چاندی کو چاندی کے عوض نہ بیچو مگر برابر برابر ایک کو دوسرے سے نہ بڑھاؤ اور غائب کو نقد (حاضر) کے عوض نہ فروخت کرو (رواہ البخاری و مسلم)۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ نہ فروخت کرو سونے کو سونے کے عوض اور نہ چاندی کو چاندی کے عوض مگر برابر وزن کے ساتھ۔ چھ چیزوں میں حرمت ربوا کی احادیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے صحاح ستہ میں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت سے (حاکم کی) مستدرک میں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مسلم میں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے دارقطنی میں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ علیہ کی روایت سے صحیحین میں اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی روایت

سے بزاز میں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیہقی میں مذکور ہیں۔ حدیث مذکورہ میں تعداد اشیاء کے پیش نظر اصحاب ظواہر (داؤد ظاہری اور ان کے تبعین) اور ابن عقیل حنبلی کا قول ہے کہ حرمت سود صرف انہی چھ چیزوں میں ہے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اور طاؤس کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی گئی ہے۔

جمہور کے نزدیک مذکورہ اشیاء میں تو حرمت منصوص ہی ہے لیکن حکم کی بنا سبب پر ہے لہذا جہاں سبب حرمت موجود ہوگا حکم حرمت بھی ہوگا چنانچہ ایک گروہ کے نزدیک محض مالیت علت ربوا۔ اس قول پر تمام اموال میں ربوا حرام ہوگا۔ اکثر علماء کا مسلک ہے کہ ہر جگہ علت ایک نہیں بلکہ سونے چاندی میں علت جدا ہے اور باقی چار چیزوں میں جدا ہے۔ چنانچہ امام شافعیؒ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ چاندی سونے میں ثمنیت کو علت قرار دیتے ہیں پس سونے چاندی کے علاوہ جو چیزیں بطور ثمن استعمال کی جاتی ہوں ان میں بھی کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ حرام ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک وزن علت ہے پس جو چیزیں وزن سے فروخت ہوتی ہوں جیسے لوہا، رانگ، زعفران وغیرہ ان سب میں ربوا حرام ہے۔ باقی چاروں چیزوں میں جنسی اتحاد کے ساتھ دونوں کا پیانا اور ناپ سے فروخت ہونا حرمت ربوا کی علت ہے خواہ وہ کھائی جاتی ہوں یا نہ کھائی جاتی ہوں یہ قول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ کا قول بھی ایک روایت میں یہی آیا ہے دوسری روایت کے اعتبار سے امام احمدؒ کے نزدیک جنسی اتحاد کے ساتھ دونوں کا معلوم ہونا علت ربوا ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جنسیت اور غذا ثمنیت علت ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اولین قول کے مطابق کسی چیز کا مطعوم ہونا اور مکمل یا موزونی ہونا علت حرمت ہے لہذا جو مطعوم (کھائی جانے والی) چیز پیانے یا وزن سے بکتی ہو اس میں حکم ربوا ثابت ہے لیکن اگر مکمل یا موزونی نہ ہو جیسے انڈے تو اس میں ربوا حرام نہیں۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا آخری قول یہ ہے کہ جنسی اتحاد کے ساتھ دونوں چیزوں کا مطعوم ہونا علت ربوا ہے لہذا تمام کھائی جانے والی چیزوں میں پھل ہوں یا سبزیوں یا ترکاریاں دوائیں (مٹھائیاں وغیرہ) جنسی اتحاد کی صورت میں ربوا حرام ہے گویا شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اثمان میں ثمنی ہونا اور باقی چیزوں میں خوردنی ہونا علت ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ کے نزدیک خوردنی اشیاء میں قابل غذا ثمنیت ہونا علت ہے۔ دونوں قولوں کی دلیل یہ ہے کہ شارعی نے ان چیزوں میں برابر برابر ہونے اور دست بدست قبضہ کر لینے کی شرط لگائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شارع کی نظر میں یہ چیزیں عظمت اور وقعت رکھتی ہیں جیسے نکاح کے لئے شہادت کی شرط بتا رہی ہے کہ عورت سے تمتع اندوزی ایک با وقعت چیز ہے لہذا ضروری ہے کہ اس حکم کی علت بھی ایسی مستنبط کی جائے جو با وقعت اور عظمت والی ہو اور ظاہر ہے کہ اشیاء کا خوردنی بلکہ غذائی ہونا بہت ہی وقعت رکھتا ہے کیونکہ اس سے بقاء حیات وابستہ ہے اور ثمنیت میں بھی غیر معمولی اہمیت ہے کیونکہ ثمنیت سے ہی تمام چیزوں کا حصول ہوتا ہے لہذا یہی دونوں چیزیں علت ربوا ہیں، اتحاد جنسی اور وزن یا پیانا سے فروخت ہونے کی اس میں کوئی دخل نہیں اس لئے ان اوصاف کو ہم نے اصل علت نہیں قرار دیا بلکہ شرط خارجی قرار دیا اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حکم کا تحقق شرط پر موقوف ہوتا ہے شرط مفقود ہو تو حکم بھی مرتفع ہو جاتا ہے جیسے زنا کی سزا سنگسار کرنا ہے لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ زنا کرنے والا محسن ہو (اگر محسن نہ ہوگا تو اس کو سنگسار نہیں کیا جائے گا)۔

اس کے علاوہ حضرت معمر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ مرفوع حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ خوردنی ہونا علت ہے، حضور ﷺ نے فرمایا طعام طعام کے عوض برابر برابر فروخت کرو، رواہ مسلم۔

دیکھو (طعام مشتق ہے طعام سے اور) مشتق پر حکم کا نفاذ لالت کرتا ہے اس بات پر کہ ماخذ اشتقاق (یعنی مصدر) علت حکم ہے۔ لہذا طعام سے طعام کے تبادلہ کی حرمت کی علت دونوں کا مطعوم ہونا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ علت کا مناسب حکم ہونا ضروری ہے، ماخذ اشتقاق بھی مشتق پر حکم مرتب ہونے کی علت اسی وقت ہوگا جب مناسبت رکھتا ہو لیکن یہاں آپ کی بیان کردہ علت غیر مناسب ہے کیونکہ جس چیز سے بقاء حیات وابستہ ہے اور جس کی حاجت بیش از بیش ہے اس میں تو عمومی اجازت ہونی چاہئے (شرائط اور قیود سے) تنگی نہ ہونی چاہئے جیسے پانی گھاس (وغیرہ) کی حلت عمومی اور مطلق ہے اس کے علاوہ یہ کہ طعام

مشتق ہی نہیں ہے (ہر وہ چیز جس میں طعم ہو طعام نہیں ہوتی) بلکہ گندم اور جو جیسی چند اجناس کو طعام کہتے ہیں، مخاطب لفظ طعام سے انہی چیزوں کو سمجھتا ہے۔ عرب باوجود یہ کہ چھواروں اور کھجوروں کے زیادہ ضرورت مند تھے اور زیادہ تر ان کی خوراک انہی سے ہوتی تھی لیکن لفظ طعام سے وہ چھوارے نہیں سمجھتے تھے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اتحاد جنسی اور مکمل یا موزونی ہونا علت حرمت ہے اس قول کی دلیل یہ ہے کہ حرمت سود کی وجہ صرف یہ ہے کہ لوگوں کا مال تلف ہونے سے محفوظ رہے۔ اس حفاظت کے لئے ہی ناپ تول کی وضع ہوئی ہے اور ناپ تول میں عدل رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے فرمایا، وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ۔ دوسری جگہ فرمایا، وَذِلُّ لِّلْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ إِذَا أَكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ۔ رسول اللہ ﷺ نے بیشی کو حرام قرار دیا اور برابر برابر لین دین کو واجب کیا اور مساوات کی شناخت صرف پیمانہ کی ناپ یا تول سے ہوتی ہے اس لئے مناسب یہ ہے کہ کیل اور وزن کو ہی علت قرار دیا جائے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے بھی اسی کا اعتبار کیا ہے اور فرمایا ہے جو موزون ہو اس کو برابر برابر جبکہ وہ ایک نوع کی ہو اور جو مکمل ہو اس کا بھی اسی طرح تبادلہ کرو اور جب نو عین الگ الگ ہوں تو کی بیشی میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت عبادہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کی روایت سے یہ حدیث دارقطنی نے بیان کی ہے حضرت ابو سعید اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سواد بن عریہ کو خیبر کا امیر بنا کر بھیجا سواد نے وہاں کے عمدہ چھوارے خدمت مبارک میں پیش کئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا خیبر کے سب چھوارے ایسے ہی ہوتے ہیں سواد نے عرض کیا جی نہیں حضور (ﷺ) ہم گندے کے مخلوط کے دو صاع دے کر ایک صاع اور تین صاع دے کر دو صاع خرید لیتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کیا کرو بلکہ اس کو قیمت سے بچ دیا کرو پھر اس قیمت سے یہ خرید لیا کرو، یہی حکم ترازو کا یعنی ان چیزوں کا ہے جو تولی جاتی ہیں۔ (روادار قطنی)۔

میری رائے میں آیت (ربوا مجمل نہیں ہے کیونکہ مجمل وہی ہوتا ہے جس کے معنی دماغی کاوش اور غور کے بعد بھی حاصل نہ ہو سکیں بلکہ صرف شارح کے بیان سے ہی معلوم ہوں لیکن آیت (ربوا ایسی نہیں ہے وہاں اس میں ایک طرح کا اشکال ضرور ہے جو غور کرنے سے حل ہو جاتا ہے تو صیح مقصد یہ ہے کہ (ربوا کا لغوی معنی ہے زیادتی جس کے مقابلہ میں کمی اور نقصان کا لفظ آتا ہے مساوات اور برابری سے بیشی ہو جانا اور بڑھ جانا۔ مثلیت کا یہی مفہوم دوسری آیت میں بھی مراد ہے اللہ نے فرمایا فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ یعنی جس نے زیادہ اس نے تم پر کی ہو اور اتنی ہی تم اس پر کرو گویا عدوان کا بدلہ برابر اور مساوی واجب ہے، بچ اور قرض میں بھی یہی مساوات اور برابری واجب ہے۔ اب جو چیزیں مکمل یا موزونی ہیں یعنی پیمانوں سے ناپ کر یا وزن کر کے لی جاتی ہیں ان میں تعدی کا ضمان تعدی کے برابر ہو گا اور یہ برابری ظاہری بھی ہو گی اور معنوی بھی یعنی ویسی ہی جنس اتنی ہی مقدار میں دینی ہو گی لیکن جو چیزیں مثلی نہیں ہیں بلکہ قیمت سے ان کا لین دین ہوتا ہے ان میں ظاہری مثلیت تو ممکن ہی نہیں صرف معنوی برابری ملحوظ ہو گی اور ایسی چیزوں میں عدوان کے عوض ان کی قیمت دی جائے گی قیمت سے مراد ہے وہ قیمت جو بازار کے بصیرت رکھنے والے لوگ اس چیز کی قرار دیتے ہوں اور چونکہ زمانہ کے اختلاف اور خواہش مندوں کی کمی بیشی سے قیمت میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اس لئے قیمت والی چیزوں میں نقصان کرنے کا بدلہ بھی کم و بیش ہوتا رہتا ہے، یہ تو ضرر مالی کے تاوان کی صورت تھی۔ رہے اشیاء کے تبادلے تو مثلی چیزوں کے باہمی تبادلہ میں اتحاد جنسی کی صورت میں مقداری برابری ہونا لازم ہے اور اختلاف جنسی کی صورت میں صرف معنوی برابری ہونا کافی ہے خواہ دونوں چیزیں مثلیت میں سے ہوں یا نہ ہوں یا ایک مثلی ہو اور دوسری غیر مثلی کیونکہ اختلاف جنسی ہونے کی وجہ سے ظاہری برابری ممکن ہی نہیں ہے۔

ضرر مالی کے تاوان اور تبادلہ اشیاء (بچ وغیرہ) دونوں کا حکم اس صورت میں ایک ہی ہے دونوں میں معنوی مساوات کافی ہے فرق یہ ہے کہ ضرر کے تاوان کی مثلیت کا فیصلہ اہل بصیرت اور اقدار مالی کے ماہروں کے سپرد کیا جائے گا کیونکہ مالک نے

اپنے مال کی کوئی قیمت پہلے سے مقرر نہیں کی اور تبادلہ اشیاء کی صورت میں فریقین اپنے اپنے مال کی قیمت کی تعیین پہلے ہی کر چکے ہیں اور ایک چیز کو دوسری کے مثل قرار دے چکے ہیں لہذا ان کا باہمی فیصلہ مثلی اقدار معلوم کرنے کے لئے کافی ہو گا اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب جنس مختلف ہو تو جس طرح (کمی بیشی کے ساتھ) چاہو فروخت کرو اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ مکملی اور موزونی چیزیں اگر متحد اجنس ہوں تو ان کی باہمی خرید و فروخت مساوات مقداری کے ساتھ ہونی چاہئے کمی بیشی ناجائز ہے (ربوا احرام ہے نیز ایک طرف سے فوری قبضہ اور دوسری طرف سے ادھار بھی درست نہیں طرفین کا درست بدست قبضہ ہونا چاہئے کیونکہ فوری قبضہ اور عدم قبضہ سے اشیاء کی اقدار مالیت میں فرق آ جاتا ہے نقد کی مالی قدر اور ادھار سے زائد ہوتی ہے اس لئے اگر ایک طرف سے فوری قبضہ اور دوسری طرف سے ایک مدت کے بعد قبضہ کا وعدہ ہو گا تو سود کی شکل پیدا ہو جائے گی اور مساوات باقی نہیں رہے گی، یہ بھی درست نہیں کہ فوری ادا نہ کرنے والا تاخیر ادا کے عوض مقدار مال میں کچھ بیشی کر دے اور اس طرح فوری لینا اور تاخیر سے اس کا معاوضہ دینا باہم برابر ہو جائیں کیونکہ تاخیر ادا کے عوض مقدار مال کی بیشی کوئی معنی نہیں رکھتی تاخیر ادا ایک وصف (یعنی عرض) ہے اور مالی بیشی نفس شئی کی بیشی ہوتی ہے تاخیر ادا کا مقابلہ نفس شئی کی بیشی سے کس طرح کیا جاسکتا ہے دس درہم نقد لے کر گیارہ درہم ادا کرنے کا وعدہ کرنا اور ایک زائد درہم کو مدت ادا کی تاخیر کا عوض قرار دینا دس کو گیارہ کے مساوی نہیں بنا سکتا شریعت نے اس کی ممانعت کی ہے، اس طرح کھری چیز کے عوض بری چیز زیادہ دینا اور اول الذکر چیز کے کھرے پن کا عوض بری چیز کی بیشی کو قرار دینا بھی درست نہیں، مقدار زائد زائد ہی رہے گی، کم مقدار والی کھری چیز کا وزن کھرے پن سے نہیں بڑھ پاتا اور نہ بری چیز اپنی بیشی کی وجہ سے کھری بن سکتی ہے۔ حضرت سواد بن عریہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں براویت حضرت ابو سعید و حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما جو حدیث ہم نقل کر چکے ہیں اس میں اس کی ممانعت کر دی گئی ہے۔

لیکن اگر چاپ تول میں دونوں چیزیں برابر ہوں لیکن ایک کھری ہو اور دوسری خراب تو کیا ایک کا کھرہ پن سود پیدا کر دیتا ہے۔ جمہور کا قول ہے یہ ہے کہ کھرے پن کا کوئی اعتبار نہیں مقدار کی مساوات میں کسی ایک چیز کے کھرے پن سے کوئی فرق نہیں آتا اس لئے وصف جودت موجب ربوا نہیں۔

صاحب ہدایہ نے اس قول کی دلیل میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان نقل کیا ہے کہ کھری اور بری (اجناس) برابر ہیں، اگر یہ حدیث صحیح ہے تو یقیناً کافی دلیل ہے لیکن اگر حدیث کی صحت ثابت نہ بھی ہو تب بھی ہم کہیں گے کہ اوصاف کا صحیح اندازہ اور اقدار وصفی کی حدود کی تعیین ممکن نہیں اس لئے وصف جودت و رداست ناقابل اعتبار ہے، ابن ہمام نے لکھا ہے کہ اگر وصف کے تفاوت کو موجب (ربوا) قرار دیا جائے گا تو بیع و شراء کا دروازہ بند ہو جائے گا میں کہتا ہوں کہ دروازہ تو بند نہیں ہو گا کیونکہ ردی چیز کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے کھری چیز خریدی جاسکتی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے (سواد بن عریہ کو) حکم دیا تھا البتہ قرض کا دروازہ بند ہو جائے گا اللہ نے فرمایا ہے وَلَسْتُمْ بِاِخْذِيْهِ اِلَّا اَنْ تَغْمِضُوْا فِيْهِ یعنی اگر تم میں سے کسی کا کوئی حق قرض وغیرہ ہو تو وہ کھری چیز کے عوض ردی چیز نہیں لیتا مگر چشم پوشی اور اغماض کرے تو خیر، اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرض میں جنس کے کھرے برے ہونے کا لحاظ ضروری نہیں (کھرے کے عوض برا بھی اغماض کی صورت میں لیا جاسکتا ہے) لیکن اگر حق دار اپنے کھرے قرض کے عوض ردی چیز لینے سے انکار کر دے تو اس کو اس کا حق ہے۔

مسئلہ :- کھجوروں کی چھوڑوں کے عوض اور کشمش کی انگوروں کے عوض بیع بظاہر کسی طرح درست نہ ہونی چاہئے نہ برابر برابر نہ کمی بیشی کے ساتھ۔ جمہور کا یہی قول ہے، اسی طرح تراور خشک گندم کا تبادلہ یا خشک اور ابالے ہوئے یا بھونے ہوئے گیسوں کا باہم معاوضہ صحیح نہ ہونا چاہئے۔ کشمش کی انگوروں کے عوض بیع کے متعلق امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول (مثبت اور منفی) روایت میں آئے ہیں اور کھجوروں کی چھوڑوں کے عوض بیع کو امام جائز کہتے ہیں۔

جمہور کے قول کی دلیل حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے

کھجوروں کے عوض بیج کے متعلق دریافت کیا گیا حضور ﷺ نے فرمایا کیا (کھجوریں خشک ہونے کے بعد کم ہو جاتی ہیں عرض کیا گیا جی ہاں فرمایا تو اس وقت (جائز) نہیں، دوسری روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس کی ممانعت فرمادی۔ رواہ الشافعی و احمد و ابن خزيمة و ابن حبان و الحاکم و الدار قطنی و البرزازی و الترمذی و اصحاب السنن، من حدیث زید ابی عیاش، صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ علماء روایت نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ کسی روایت میں ثابت نہیں کہ کسی نے اس کو ضعیف کہا ہو، ابن جوزی نے لکھا ہے کہ ابو حنیفہ نے کہا زید ابو عیاش مجہول ہے اگر ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ زید ابو عیاش کو نہیں جانتے تھے تو نہ جانیں علماء حدیث کے نزدیک تو زید مجہول نہیں، ابن حجرؒ نے کہا کہ زید کی روایت ترمذی نے ذکر کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے اور مسلم نے کتاب الکفای میں اس کا تذکرہ کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ زید نے حضرت سعد اور حضرت عبداللہ بن یزید کی روایت بیان کی ہے ابن خزيمة نے عدول کی روایات کے سلسلہ میں زید کی روایت کو نقل کیا ہے، دار قطنی نے زید کو ثقہ (معتبر) کہا ہے حاصل یہ کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کھجور کی رطوبت کا شمار کھجور کے اصلی اجزاء میں نہیں ہے اور اصلی اجزاء میں مساوات معتبر ہے لیکن یہ پتہ نہیں کہ کھجور کے اندر اجزاء اصلیہ کتنے ہیں اور رطوبت کتنی ہے اس لئے چھوڑوں کے عوض نہ برابر برابر اس کی بیج درست ہے نہ کمی بیشی کے ساتھ۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ کھجوریں چھوڑوں کی جنس سے اگر ہوں گی تو برابری کے ساتھ ان کی بیج درست ہوگی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ (اتحاد جنسی کی صورت میں) برابر برابر فروخت کرو اور اگر دونوں کی جنس الگ الگ مانی جائے تو تب بھی بیج درست ہوگی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ (اختلاف جنس کی صورت میں) جس طرح چاہو فروخت کرو۔ ہم (جمہور کی طرف سے) اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ کھجوریں اور چھوڑے ہم جنس ہیں لیکن کھجوروں میں رطوبت ہوتی ہے اور اس کے اجزاء میں کھوکھلا پن ہوتا ہے اس لئے پیمانہ کی برابری کے باوجود ناپ سے کھجوروں کا چھوڑوں کے برابر ہونا معلوم نہیں ہو سکتا ایسا ناپ تخمین اور اندازہ کی طرح ہوتا ہے (اور دو ہم جنس چیزوں کا اندازہ سے تبادلہ درست نہیں)

جو چیزیں عددی ہیں اور مقدار کا تفاوت ان میں کم ہوتا ہے جیسے اخروٹ اور ایک ہی نوع کے جانور کے انڈے ان کا بھی (بیسورت اتحاد جنس) شمار سے تبادلہ ناجائز ہونا چاہئے ظاہر حکم یہی ہے کیونکہ اجزاء کی کمی بیشی کا احتمال باقی ہے (خواہ عددی کمی بیشی نہ ہو) ہاں وزن سے ان کا تبادلہ درست ہونا چاہئے کیونکہ دو چیزوں میں مساوات قائم کرنے کے لئے شریعت نے وزن کا اعتبار کیا ہے۔ وزن سے ہی اس میں مساوات ہو سکتی ہے اگرچہ وزن سے ان کی خرید و فروخت نہ ہوتی ہو، ہاں اگر انڈے دو مختلف النوع جانوروں کے ہوں تو ان کو مختلف الجنس قرار دیا جائے گا اور ان کا تبادلہ شمار سے ہو سکتا ہے۔

مسئلہ :- گندم جو کے عوض کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا اور خریدنا جائز ہے آپس کی رضامندی سے مقرر کردہ ہر مقدار دوسری جنس کی مقرر کردہ مقدار کے مقابل مان لی جائے گی لیکن طرفین کا قبضہ فوراً ہو جانا چاہئے کسی چیز کو کچھ مدت کے بعد دینے کا وعدہ کرنے سے اس چیز کی وقعت گھٹ جاتی ہے اور نقد ادا کی ہوئی جنس کی قیمت زیادہ ہوتی ہے۔ اقدار کی یہ کمی بیشی سود ہے۔ اب اگر ایک جنس کی نقدیت کے مقابل دوسری جنس کی مقدار بڑھادی جائے گی تو وصف نقدیت کے عوض بعض اجزاء مقداری ہو جائیں گے اور یہ درست نہیں۔

مسئلہ :- اگر لوہے وغیرہ کے عوض گیہوں فروخت کئے جائیں تو (چونکہ لوہا وزنی ہے اور گیہوں مکملی اس لئے) کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ قیاساً درست ہے لیکن قبضہ دونوں چیزوں پر دست بدست ہونا چاہئے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک ہے جب دونوں کی جنسیں الگ الگ ہوں تو جس طرح چاہو فروخت کرو بشرطیکہ دست بدست ہو، یہ فرمان عام ہے۔

مسئلہ :- اگر کسی جانور کا تبادلہ مکملی یا موزونی چیز سے کیا جائے تو جانور بیع اور اس کے مقابل والی جنس ثمن قرار پائے گی اور ثمن کافی الفور موجود ہونا ضروری نہیں بلکہ مدت معین کے اندر قیمت ادا کرنے کا وعدہ باجماع علماء کافی ہے اور روئے قیاس

یہ بیع ناجائز ہونی چاہئے لیکن نص اور اجماع کا فیصلہ تو قیاس کے خلاف ہو چکا ہے اس لئے قیاس واجب الترتیب ہے۔
مسئلہ :- اگر کسی جانور کا تبادلہ دوسرے ہم جنس یا غیر جنس کے جانور سے کیا جائے تو بالا اجماع کی بیشی جائز ہے، لیکن کیا قبضہ طرفین کا، دست بدست ہونا چاہئے یا کسی طرف تاخیر قبضہ جائز ہے اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تاخیر قبضہ بہر صورت ناجائز ہے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ بہر طور جواز کے قائل ہیں امام مالکؒ کا قول ہے کہ اگر تبادلہ ہم جنس کا ہو تو تاخیر قبضہ کی بیشی کی صورت میں ناجائز ہے اور بغیر کی بیشی کے جائز ہے اور اگر تبادلہ غیر جنس کا ہو تو تاخیر قبضہ بہر صورت جائز ہے۔ مطلق جواز کے قائل اپنے استدلال میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر کی تیاری کا حکم دیا عبداللہ بن عمرو نے عرض کیا میرے پاس تو کوئی سواری نہیں ہے، حضور ﷺ نے حکم دیا کہ تحصیل داری کوۃ کی واپسی تک قیمت ادا کرنے کے وعدہ پر کوئی سواری خرید لو۔ حضرت عبداللہ بن عمرو نے دو اونٹ دینے کے وعدہ پر ایک اونٹ خرید لیا۔ یہ حدیث آیت اِذَا تَدَّ اَیْنَتُمْ بِدَیْنِ الْخ کی تفسیر میں بسلسلہ بیع سلم ہم ذکر کریں گے۔

امام اعظمؒ کے قول کی دودلیلیں ہیں ایک قیاسی دوسری نقلی، ۱۔ جانور میں یہ صلاحیت نہیں کہ نقد کی طرح ثمن بن سکے اور ثمن کی طرح اس کی ادائیگی بذمہ مشتری واجب ہو جائے (یہاں تک کہ تعیین کے بعد بھی اس کی تعیین نہ ہو) کیونکہ یہ نہ کیلی اور وزنی چیز ہے کہ اس کی مقدار معلوم ہو سکے، نہ بیان سے اس کے اوصاف معلوم ہو سکتے ہیں جنس نوع اور وصف کے اظہار سے اس کی معین حد بندی نہیں ہو سکتی حد بندی اور تعیین و صفی نہ ہونے کی وجہ سے ہی اس میں بیع سلم جائز نہیں ہے۔

۲۔ امام احمد، ترمذی، نسائی، دارمی، ابن ماجہ اور ابوداؤد نے حضرت سمرۃ بن جندب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جانور کے تبادلہ کی بصورت تاخیر قبضہ (خواہ ایک طرف سے تاخیر قبضہ ہو یا دونوں طرف سے) ممانعت فرمائی ہے، دارقطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے اسی طرح حدیث نقل کی ہے، ترمذی اور امام احمد نے مسلمہ حجاج بن ارطاة از ابو الزبیر بروایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو جانوروں کو ایک کے عوض بیچنا خریدنا بصورت تاخیر قبضہ درست نہیں (لیکن) اگر دست بدست ہو تو کوئی حرج نہیں، ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے، طبرانی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بھی اسی طرح حدیث نقل کی ہے۔

ابن جوزی نے حضرت سمرۃ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایت کردہ حدیثیں ذکر کی ہیں اور ان کی اسناد میں کوئی خرابی نہیں بیان کی، مثبتین جواز کی پیش کردہ حدیث سے ان احادیث کا تعارض ہو رہا ہے تو ایک اونٹ کی دو اونٹوں کی بیع والی حدیث پر ان احادیث کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ احتیاطاً حرمت والی حدیث حلت والی حدیث پر رائج ہوتی ہے اس کے علاوہ یہ کہ ہماری بیان کردہ احادیث قیاس کے موافق ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ والی حدیث مخالف قیاس ہے نیز اس حدیث کو رائج قرار دینے کی صورت میں صحیح کی حکمران لازم آئے گی۔

مسئلہ :- اگر تقاضائے بیع کے خلاف کچھ شرطیں بیع کے وقت لگادی جائیں اور بائع یا مشتری کا ان شرطوں میں فائدہ ہو تو ایسی بیع فاسد ہے اور حکم ربو امیں داخل ہے۔ امام اعظم اور امام شافعی رحمہما اللہ کا یہی قول ہے لیکن ابن ابی لیلیٰؒ، نخعی اور حسن کے نزدیک بیع ہو جائے گی۔ شرط فاسد مانی جائے گی (اس کو لغو قرار دیا جائے گا) ابن شبرمہ اور امام احمد کے نزدیک بیع اور شرط دونوں جائز ہیں۔ امام مالک نے فرمایا اگر شرط میں بائع کا کسی قدر نفع ہو تو درست ہے باقی مشروط درست نہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ ربو امیں مدت تاخیر قبضہ اور چیز کا کھرا ہونا ناقابل اعتبار ہے ان اوصاف کے مقابل اصل بدل کے اجزاء میں اضافہ کرنا ربو امیں جو مثلی چیزیں ہوں اور متحد اجنس ہوں ان میں مقدار کی برابری ضروری ہے اور غیر جنس ہو تو جو قیمت بطور بدل تجویز کر لی گئی ہو اس پر فی الفور قبضہ لازم ہے پس کسی قسم کی شرط جس میں فریقین میں سے کسی کا فائدہ ہو وہ بھی وصف جو مدت اور تاخیر قبضہ کی طرح ہے بلکہ جو شرط تقاضائے عقد کے خلاف ہو اور اس

میں بیع کا فائدہ ہو اور بیع کا فائدہ اندوز ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ ایسی شرط خود بھی فاسد ہے اور عقد کو بھی فاسد کر دیتی ہے جیسے کسی باندی، غلام کو اس شرط پر فروخت کرنا کہ مشتری خریدنے کے بعد اس کو آزاد کر دے گا یا باندی کو ام ولد بنالے گا۔ ابن حزم نے نخلی میں، طبرانی نے اوسط میں، حاکم نے علوم حدیث میں نیز خطابی نے بروایت محمد بن سلیمان زہلی عبد الوارث بن سعید کا قول نقل کیا ہے ابن سعید نے کہا میں مکہ پہنچا تو وہاں ابو حنیفہؒ اور ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ سے ملا، میں نے ابو حنیفہ سے پوچھا کہ کسی نے اگر بیع میں شرط فاسد لگائی ہو تو کیا حکم ہے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا بیع بھی باطل ہے اور شرط بھی باطل۔ پھر میں نے جابر ابن ابی لیلیٰ سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ بیع جائز ہے اور شرط باطل ہے پھر ابن شبرمہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا بیع درست ہے اور شرط بھی درست ہے۔ میں نے کہ سبحان اللہ عراق کے تین فقیہ ایک ہی مسئلہ میں اتنے مختلف ہیں۔ آخر ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے جا کر میں نے ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ کی رائے بیان کی تو انہوں نے فرمایا مجھے نہیں معلوم وہ دونوں ایسا کیوں کہتے ہیں مجھ سے تو عمرو بن شعیب نے اپنے باپ کی روایت اور اپنے دادا کی وساطت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شرط (فاسد) والی بیع کی ممانعت فرمائی ہے بیع بھی باطل ہے اور شرط بھی باطل۔

اس کے بعد میں ابن ابی لیلیٰ کے پاس گیا اور ان سے دونوں کی رائے بیان کی، ابن ابی لیلیٰ نے جواب دیا مجھے نہیں معلوم کہ وہ دونوں ایسا کیوں کہتے ہیں، مجھ سے تو ہشام بن عروہ نے اپنے باپ کی وساطت سے حضرت عائشہؓ کا بیان نقل کیا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ بریرہ کو (اس شرط پر کہ حق ولاء اس کے مالکوں کا ہوگا) خرید لوں اور آزاد کر دوں (اور شرط کے باوجود حق ولاء بائع کا نہ ہوگا) پس بیع جائز ہے اور شرط باطل پھر ابن شبرمہ سے جا کر میں نے واقعہ بیان کیا تو انہوں نے کہا میں نہیں جانتا کہ وہ دونوں ایسا کیوں کہتے ہیں مجھ سے تو مسعر نے بروایت محلب بن دثار حضرت جابر کا قول نقل کیا تھا حضرت جابر کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ ایک اونٹنی فروخت کی تھی اور شرط کر لی تھی کہ اس پر سوار ہو کر مدینہ تک جاؤں گا لہذا بیع بھی جائز ہے اور شرط بھی جائز ہے۔

..... سوال

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ حدیث عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ہے، اکثر علماء کے نزدیک یہ مرسل ہے اور اس کے مقابل دونوں حدیثیں مسند ہیں اور مسند مرسل کے مقابل راجح اور اقویٰ ہے۔

..... جواب

ایسی حدیث کو اس وقت مرسل کہا جاتا ہے جب جدہ کی ضمیر کا مرجع صراحۃً کسی روایت میں مذکور نہ ہو لیکن ابو داؤد، ترمذی اور نسائی کی نقل کردہ اسناد میں عن جدہ عبد اللہ بن عمرو بن العاص صراحۃً مذکور ہے اور اس اسناد کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حلال نہیں ہے بیع کے ساتھ سلف (قرض) اور نہ بیع کے اندر دو شرطیں اور نہ ذمہ داری میں آئے بغیر کسی چیز کا نفع اور نہ اس چیز کی فروخت جو قبضہ میں نہ ہو، ترمذی نے لکھا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو امام مالکؒ نے مؤطا میں حضرت حکیم بن حزام کی روایت سے بیان کی ہے اور طبرانی نے بوساطت محمد بن سیرین حضرت حکیم کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع کے اندر چار باتوں سے مجھے منع فرمادیا۔ بیع کے اندر سلف، بیع کے اندر دو شرطیں، جو چیز قبضہ میں نہ ہو اس کی بیع، جو چیز ذمہ داری میں نہ آئی ہو اس کا نفع، (انتہی)، بیع کے اندر سلف ہونے کا معنی یہ ہے کہ بائع مشتری کے ہاتھ کوئی چیز اس شرط کے ساتھ فروخت کرے کہ مشتری بائع کو کچھ روپیہ قرض دے دے یہ منفعت احد المتعاقدين (بائع اور مشتری میں سے کسی ایک کی منفعت) کی ایک خاص صورت ہے۔

ابن ابی لیلیٰ نے جو حدیث نقل کی ہے وہ صحیحین میں اس طرح مذکور ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا بریرہؓ نے مجھ سے آکر کہا کہ میں نے اپنے مالکوں سے نواوۃ ادا کی پر عقد کتابت کیا ہے سالانہ ایک اوقیہ دینا ہوگا۔ آپ اس روپیہ کی ادائیگی میں

میری مدد کیجئے میں نے کہا اگر تیرے مالک پسند کریں تو میں یکدم کل روپیہ گن دوں گی اور تجھے آزاد کر دوں گی لیکن حق ولاء میرا ہوگا۔ بریرہؓ نے جا کر اپنے گھر والوں سے یہ بات کہی انہوں نے اس شرط پر مکاتب کرنے سے انکار کر دیا اور حق ولاء کے بغیر راضی نہ ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا تم بریرہؓ کو (اس کے مالکوں کی شرط پر) لے کر آزاد کر دو۔ اس کے بعد لوگوں کے مجمع میں کھڑے ہو کر (خطبہ دیا اور) حمد و ثناء کے بعد فرمایا لوگ ایسی شرطیں کیوں لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہیں اگر کوئی ایسی شرط ہو جو کتاب اللہ میں نہیں ہے تو وہ باطل ہے خواہ سو (بار) شرط (کردی گئی) ہو۔ اللہ کا حکم (ہر حکم سے زیادہ) (جواب کا) مستحق ہے اور اللہ کی قائم کی ہوئی شرط سب سے زیادہ حکم ہے۔ ولاء صرف آزاد کرنے والے کا حق ہے۔

دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی کہ بریرہؓ کے آقا اس شرط کے بغیر اس کو نہیں فروخت کر رہے ہیں کہ حق ولاء ان ہی کے لئے رہے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم خرید لو اور انہی کے لئے شرط ولاء مان لو، ولاء تو صرف اسی کا ہے جو آزاد کرے۔ بخاری و مسلم

رافعیؒ نے کہا شرط مان لو کے لفظ کی روایت صرف ہشام نے کہی ہے اور کسی راوی نے یہ لفظ نہیں بیان کیا ہے ابن حجر کا بیان ہے کہ بعض اقوال میں آیا ہے کہ یہ لفظ عبدالرحمن بن ایمن کی روایت میں بھی آیا ہے، عبدالرحمن کی روایت ازہری از عروہ ہے۔ حضرت جابر والی حدیث شغین (بخاری و مسلم) نے اس تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک جماد میں رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب مجھے جانا ہوا میں تھا تو اونٹ پر مگر میرا اونٹ کچھ کمزور ہو گیا تھا اس لئے (تیز) چل نہ سکتا تھا رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا تیرے اونٹ کو کیا ہو گیا۔ میں نے عرض کیا کچھ کمزور ہو گیا ہے حضور ﷺ نے اونٹ کے پیچھے جا کر ڈانٹا اور اس کے لئے دعا فرمائی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میرا اونٹ سب اونٹوں سے آگے چلنے لگا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اب تمہارے اونٹ کا کیا حال ہے میں نے عرض کیا بہتر ہے آپ کی برکت کا اثر ہے۔ فرمایا کیا ایک اوقیہ قیمت پر تم میرے ہاتھ اس کو بیچتے ہو میں نے (حضور ﷺ کے ہاتھ) اس شرط پر بیچ ڈالا کہ مدینہ تک مجھے اس پر سوار ہو کر پہنچنے کا حق رہے گا چنانچہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ پہنچ گئے تو میں اونٹ پر سوار خدمت گرامی میں پہنچا، حضور ﷺ نے مجھے قیمت عطا فرمادی اور اونٹ بھی مجھے واپس کر دیا۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میرے ہاتھ اس کو ایک اوقیہ میں فروخت کر دو میں نے فروخت کر دیا لیکن گھر تک اس پر سوار ہو کر پہنچنے کی شرط لگائی۔ بخاری و مسلم۔ بخاری کی روایت میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا اس کو اس کا قرض چکا دو اور زیادہ بھی دے دو چنانچہ حضرت بلالؓ نے ایک قیراط زیادہ دے دیا، ابن جوزی نے اسی حدیث سے بیع مع شرط کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ ابن جوزی کی ایک دلیل وہ حدیث بھی ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان اپنی شرطوں کے بایند ہیں جبکہ وہ حق کے مطابق ہوں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی یہ حدیث مروی ہے الفاظ یہ ہیں مسلمان اپنی شرطوں کے بایند ہیں جو شرطیں حق کے موافق ہوں، احادیث مذکورہ بالا میں چونکہ تعارض ہے اس لئے غور کر کے توافق پیدا کرنے کی کوشش لازم ہے تاکہ اصل مقصد واضح ہو جائے۔

پہلی حدیث ہے ماکان من شرط لیس فی کتاب اللہ فہو باطل وان کان مائة شرط۔ دوسری حدیث ہے المسلمون علی شروطہم بما وافق الحق من ذلک۔ حقیقت میں ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہی نہیں ہے۔ دونوں حدیثوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بیع میں کچھ شرطیں باطل ہیں اور کچھ صحیح ہیں۔ اختیار رد کی شرط باجماع علماء درست ہے اور ولاء کو بائع کے لئے مشروط کرنا باجماع باطل ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں جو بیع مع شرط کی ممانعت آئی ہے اس میں ہر شرط عموماً مراد نہیں ہے بلکہ بعض مخصوص قسم کی شرطیں مراد ہیں۔ لہذا شرطوں کی توضیح ضروری ہے کچھ شرطیں ایسی ہوتی ہیں جو خود ہی باطل قرار پاتی ہیں، بیع ان کی وجہ سے باطل نہیں ہوتی۔ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ کی شرط اسی نوع کی تھی۔ کچھ شرطیں ایسی ہوتی ہیں جن سے بیع فاسد ہو جاتی ہے، حضرت سمرہ والی

حدیث میں ایسی ہی شرط مراد ہے۔ کچھ شرطیں ایسی ہوتی ہیں جو خود بیع ہوتی ہیں اور ان کا مشروط بھی صحیح ہوتا ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث میں جس شرط کا ذکر ہے وہ اسی نوع کی ہے۔

جو شرط خود لغو قرار پاتی ہے اور اس سے بیع فاسد نہیں ہوتی اس کی ایک صورت وہ ہوتی ہے کہ مشروط علیہ کے لئے اس شرط کی پابندی ممکن ہی نہ ہو۔ جیسے بیع کے وقت یہ شرط کر لی جائے کہ مشتری اگر غلام کو خریدنے کے بعد آزاد بھی کر دے گا تو آزادی واقع نہ ہوگی یا حق ولاء بائع کا ہوگا۔ اس طرح کی اگر سو شرطیں بھی لگادی جائیں تو ناقابل اعتبار اور بیچ ہیں۔ ایسی شرطوں سے بیع فاسد نہیں ہوتی، حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا قصہ اس کا شاہد ہے۔

شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس قصہ میں شرط عتق کی صراحت نہیں ہے بلکہ بائع کے لئے ولاء کی شرط کی صراحت ہے۔ اسی نوع میں اس شرط کا بھی شمار ہے جو تقاضائے عقد کے خلاف ہے اور بائع مشتری میں سے کسی کا کوئی خاص فائدہ بھی اس میں نہیں کہ حکم ربو میں اس کو داخل کر دیا جائے ایسی شرط بیچ ہے، اس کی وجہ سے بیع فاسد نہیں ہوتی جیسے بائع کوئی کپڑا اس شرط کے ساتھ فروخت کرے کہ مشتری عید کے موقع پر اس کو استعمال کرے یا کوئی گھوڑا اس شرط پر فروخت کرے کہ مشتری اس کو دانہ گھاس خوب کھلائے گا۔ یہ شرطیں لغو ہیں بیع کی صحت پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

دوسری حدیث جو حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جس میں شرط ناقابل اعتبار نہیں ہوتی بلکہ اس کو پورا کرنا لازم ہوتا ہے اس شرط کے ذیل میں مندرجہ ذیل صورتیں آتی ہیں مثلاً کسی نے ایسی شرط لگائی جو تقاضائے عقد میں پہلے سے داخل تھی مثلاً بائع شرط کر لے کہ جب تک میرا قبضہ ٹمن پر نہ ہو جائے گا۔ میں بیع پر قبضہ رکھوں گا۔ ایسی شرط میں کوئی خرابی نہیں یہ تو تقاضائے عقد کی مؤکد ہے۔ یا مثلاً ایسی شرط جس کا اختیار شرعاً ثابت ہے اور اس کی تردید ممکن نہیں جیسے بیع مطلق میں ادائے ٹمن کی کوئی میعاد مقرر کرنا یا بیع سلم میں بیع دینے کا کوئی وقت مقرر کرنا۔ ایسی شرط اگرچہ خلاف قیاس ہے لیکن احادیث میں اس کے جواز کی نص موجود ہے اس لئے جائز ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کے ذیل میں ان شرائط کو بھی شمار کیا ہے جو قرن اول میں موجود تھیں مثلاً اس شرط پر جو تا خریدنا کہ بائع اس میں قسمہ ڈال کر دیگا۔

شرائط جائزہ نافذہ میں سے ایک صورت یہ بھی ہے کہ بیع کے وقت بائع مشتری سے ادائیگت کا کوئی کفیل طلب کرے یا کچھ مال بطور رہن اپنے پاس رکھنے کی شرط کرے یہ بھی تقاضائے عقد کے خلاف نہیں بلکہ مؤکد ہے اس لئے جائز ہے۔ متقضائے عقد ادائے ٹمن ہے اور کفالت یا رہن سے ادائے ٹمن کے وعدہ میں پختگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اب اگر کفیل بیع کے وقت موجود ہو اور کفالت کو قبول کر لے یا مال رہن معین ہو اور مشتری کی اجازت سے اس پر بائع کا قبضہ ہو گیا ہو تو بیع اور کفالت اور رہن ہر ایک صحیح ہو جائے گا ورنہ (یعنی اگر کفیل وقت بیع موجود نہ ہو یا کفالت نہ کرے یا مطلوبہ رہن فی الفور مشتری نے بائع کو نہ دیا ہو) اگر مشتری (عقد کے بعد) شرط پوری کر دے تو بہتر (بیع صحیح ہو جائے گی) اور ایسا بھی نہ ہو سکے تو مشتری کو ادائے ٹمن کا حکم دیا جائے گا۔ ٹمن ادا نہ کر سکے گا، تو بائع کو بیع کا اختیار ہوگا۔

جو شرط بیع کو باطل کر دیتی ہے اس کی صورت مندرجہ بالا شرط کے خلاف ہوتی ہے اس میں بائع یا مشتری یا کسی اجنبی یا بیع کا نفع ہوتا ہے اور بیع نفع اندوزی کے قابل ہوتا ہے تو اس طرح کی شرط سے بیع فاسد ہو جاتی ہے جیسے گیسوں اس شرط پر فروخت کرنا کہ بائع ہی پیس کر دے گا یا اپنے گھر ایک دن یا ایک ماہ یا ایک سال رکھے گا یا کوئی کپڑا اس شرط پر فروخت کرنا کہ بائع ہی اس کو سی کر دے گا یا کوئی اونٹ اس شرط پر بیچنا کہ بائع اس پر سوار ہو کر مقررہ مسافت تک جائے گا یا مشتری خریدنے کے بعد بیع کو کسی مقرر شخص کے ہاتھ فروخت کر دے گا ایسی شرائط سے عقد فاسد ہو جاتا ہے اس میں زیادتی بلا معاوضہ ہے جو ربو ہے۔

اس توضیح کے بعد احادیث میں تعارض باقی نہیں رہا اور آیت ربو کا مفہوم واضح ہو گیا ہاں حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی

حدیث ضرور متفق طلب رہی (جس میں بائع کے سوار ہو کر مدینہ پہنچنے کی شرط ہے)۔

اس کے جواب میں بعض علماء نے کہا ہے کہ سوار ہو کر جانے کی شرط نفس عقد میں نہ تھی (یعنی بیع کو اس شرط کے ساتھ مشروط نہیں کیا گیا تھا) بقول ابن ہمام امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے۔

میں کہتا ہوں کہ بخاری و مسلم کے روایت کردہ الفاظ اس کے خلاف ہیں (الفاظ حدیث صاف بتا رہے ہیں کہ سواری کی شرط سے بیع مشروط تھی) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر بائع یا مشتری کے لئے قلیل نفع والی شرط ہو تو کوئی حرج نہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر والی حدیث کو پیش نظر رکھا۔ میں کہتا ہوں آیت ربوا کے مقابل یہ حدیث نہیں آسکتی آیت ربوا پر عمل کرنے سے حدیث پر عمل کرنا اولیٰ نہیں ہے۔ لہذا اس حدیث کو آیت ربوا سے منسوخ قرار دینا ہی اولیٰ ہے کیونکہ آیت ربوا کا شمار سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیات میں ہے۔ شعیب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ پر سب سے آخر میں جو آیت نازل ہوئی وہ آیت ربوا ہے اس کے علاوہ یہ بات بھی اصول فقہ میں تسلیم شدہ ہے کہ اگر حلت اور حرمت کے احکام میں تعارض ہو تو حرمت کے حکم کو حلت کے حکم پر تقدیم حاصل ہوگی تاکہ احتیاط کا تقاضا پورا ہو جائے اور تکرار نسخ لازم نہ آئے۔ ربوا کا معاملہ بڑی اہمیت رکھتا ہے اس لئے اس میں وہ احتیاط ملحوظ رہے گی جو دوسرے امور میں نہیں ہوتی اللہ نے ربوا کی وعید کا پانچ طور پر ذکر کیا ہے۔

(۱) تَخْبِطُ شَيْطَانُكَ وَعَيْدُهُ۔ فرمایا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ۔

(۲) دوا می دوزخ کی وعید ہے فرمایا وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (۳) محق

(مٹا دینے) کی وعید فرمایا يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا (۴) کفر کی وعید فرمایا وَذُرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ (۵) جنگ کی وعید فرمایا فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ سب سے آخر میں آیت ربوا نازل ہوئی حضور ﷺ نے وفات تک اس کی تشریح ہم سے نہیں فرمائی لہذا تم سود کو بھی چھوڑ دو اور سود کے شبہ کو بھی۔

فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِ (یعنی رسول اللہ ﷺ کی تبلیغ سے جس کے پاس سود کی حرمت اور ممانعت کا حکم پہنچ گیا)۔

فَآتَىٰهُ (اور وہ سود) کے لین دین) سے باز آگیا رک گیا۔

فَلَهُ مَا سَلَفَ (تو حرمت سود سے پہلے جو کچھ وہ لے چکا ہے وہ اسی کا ہے اس سے واپس نہیں لیا جائے گا اور گزشتہ سود خوری اس کو معاف کر دی جائے گی۔

وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ (یعنی آئندہ گناہوں کا معاملہ اللہ کے سپرد رہے گا۔ چاہے وہ معاف کر دے چاہے عذاب دے) بعض علماء کے نزدیک اس آیت کا یہ معنی ہے کہ اگر کچی نیت سے وہ سود (کے معاملہ) سے باز رہے گا تو اللہ اس کو جزا دے گا۔ بعض نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ممانعت کے بعد جو شخص باز رہے گا اس کا معاملہ اللہ کے سپرد رہے گا۔ وہ چاہے گا تو اس کو ثابت قدم رکھے گا اور نہ چاہے گا تو بے مدد چھوڑ دے گا اور وہ شخص دوبارہ سودی کاروباری کی طرف لوٹ جائے گا۔

وَمَنْ عَادَ (اور جو سود خوری کی طرف دوبارہ لوٹے گا۔ یا ربوا کو بیع کی طرح قرار دینے کی جانب دوبارہ لوٹے گا۔

فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (تو ایسے لوگ دوزخی ہوں گے، دوزخ میں وہ ہمیشہ رہیں گے) سَنَ عَادَ کی دوسری تفسیر کی بنا پر تو آیت کا مطلب صاف ہے کیونکہ حرام کو حلال قرار دینا کفر ہے اور کفر دوا می دوزخ می

بنادیتا ہے۔ لیکن مَنْ عَادَ کی پہلی تفسیر پر یہ تاویل کرنی ہوگی کہ خلود سے مراد بے مدت طویل تک دوزخ میں رہنا (کیونکہ سود خوری کتنا ہی بڑا گناہ ہو پھر بھی کفر نہیں اور کفر نہیں تو دوا می دوزخ اس کی سزا نہیں ہو سکتی) جس طرح کہ آیت وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاءُ ۖ لَهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا میں خلود سے مراد بے طویل مدت تک رہنا۔

يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا (یعنی اللہ سود کی برکت دور کر دیتا ہے) اور جس مال میں سود داخل ہو جائے اس کو تباہ کر دیتا ہے حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کی کا مال سود سے زیادہ ہو گا آخر کار وہ قلت کی طرف جائے گا۔ رواہ ابن ماجہ وصحیح الحاکم دوسری روایت میں آیا ہے کہ سود کتنا ہی زیادہ ہو جائے اس کا انجام کمی کی جانب ہو گا۔

وَيُزِيلُ الصَّدَقَاتِ (اور بڑھاتا ہے خیرات کو) یعنی جس مال میں سے خیرات نکالی جاتی ہے اس میں برکت عطا فرماتا ہے اور ثواب چند گنا کر دیتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت اوپر گزر چکی ہے کہ اللہ خیرات کو قبول فرماتا ہے اور اس کو اس طرح بڑھاتا رہتا ہے جس طرح تم اپنے بچھیرے کی پرورش کرتے ہو۔ (متفق علیہ) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا اور معاف کر دینے سے اللہ عزت ہی بڑھاتا ہے اور اللہ کے لئے جو شخص تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اس کو اور اونچا کرتا ہے۔ رواہ مسلم والترمذی۔

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی روایت میں حسب صراحت امام احمد حدیث مذکورہ کے یہ الفاظ ہیں کہ صدقہ سے مال میں کمی نہیں ہوتی۔ ایک حدیث ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ روزِ لہ دو فرشتے اترتے ہیں۔ ایک کتا ہے الہی خیرات کرنے والے کو عوض عنایت فرما۔

وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ (اور اللہ محبت نہیں کرتا یعنی نفرت کرتا ہے۔ اللہ قیوم ہے اور قیومیت کا تقاضا ہے کہ اس کو اس عالم سے محبت ہو لیکن محبت نفرت (بغض) میں کسی عارض کی وجہ سے ہی بدل جاتی ہے اور ایسا عارض جو محبت کو نفرت سے بدل دینے کا سبب ہو صرف کفر ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مخلوق اللہ کی عیال ہے جو اللہ کی عیال سے اچھا سلوک کرتا ہے وہی اس کو سب سے پیارا ہوتا ہے۔ رواہ الترمذی فی شعب الایمان عن عبد اللہ۔

كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ (ہر اس سخت کافر سے جو حرام کو حلال بنانے پر اڑا رہتا ہے اور گناہوں میں منہمک ہوتا ہے۔ یعنی جو لوگ اللہ پر اور اس کے پیغمبروں پر اور ان تمام کتابوں پر جو اللہ کی طرف سے پیغمبر لے کر آئے ایمان لائے۔

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (اور انہوں نے نیک کام کئے یعنی پیغمبروں کی زبانی اللہ کے بھیجے ہوئے احکام کی پابندی کی۔ وَاَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ (اور نماز ٹھیک ٹھیک پڑھی اور زکوٰۃ ادا کی نماز اور زکوٰۃ کی خصوصی بزرگی کو ظاہر کرنے کے لئے الصلحہ کے بعد ان کا خصوصی ذکر کیا بدنی عبادتوں کی سردار نماز ہے اور مالی عبادت کی چوٹی زکوٰۃ۔ لَّهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (انہی کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا ثواب ہے نہ ان کو آئندہ کا خوف ہو گا نہ گذشتہ کا غم جب کہ اللہ کی سب سے بڑی نعمت ایمان اور اعمال صالحہ حاصل ہو چکی تو پھر گذشتہ زندگی اور مصائب و آلام کا کیا غم۔

ابن مندہ اور ابو یعلیٰ نے مسند میں بحوالہ کلبی بروایت ابو صالح حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول بیان کیا ہے کہ ہم تک یہ بات پہنچی تھی کہ اسلام سے پہلے عمرو بن عوف ثقفی کے قبیلہ والے مغیرہ بن عبد اللہ بن عمیر بن مخزوم کے خاندان کو سودی قرض دیا کرتے تھے جب رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی فتح عنایت فرمادی اور آپ ﷺ نے فتح مکہ کے دن تمام سود کو ساقط کر دیا تو بنو عمرو اور بنی مغیرہ حضرت عتاب بن اسید کھنجر مکہ کے پاس آئے اور بنی مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں سے سود ساقط فرمادیا۔ تو یقیناً ہم ہی ایسے بدنصیب نہیں کہ ہم پر سود قائم رہے بنی عمرو بولے ہم سے تو مصالحت اس شرط پر ہوئی ہے کہ ہمارا سود (جو لوگوں پر ہے وہ) قائم رہے گا حضرت عتاب نے یہ واقعہ حضور ﷺ کی خدمت میں لکھ کر بھیجا تو مندرجہ ذیل دو آیتیں نازل ہوئیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا (اے مسلمانو اللہ سے ڈرو اور بقیہ سود چھوڑ دو۔ یعنی شرط کے مطابق تمہارا جو سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہوں وہ وصول نہ کرو چھوڑ دو۔

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اگر تم دل سے ایمان لائے ہو تو اللہ کے حکم کی تعمیل کرو اللہ کے احکام کی پابندی صدق ایمان کی دلیل ہے۔

ابن جریر رضی اللہ عنہ نے عکرمہ رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول قبیلہ ثقیف کے چار بھائیوں کے متعلق ہوا مسعود، عبدیلیل، حبیب، ربیعہ، یہ چاروں عمرو بن عمیر کے بیٹے تھے۔ مقاتل نے بھی یہی بیان کیا لیکن بغوی نے سدی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آیت مذکورہ کا نزول حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد بن ولید کے حق میں ہوا، یہ دونوں حضرات دور جاہلیت میں قبیلہ ثقیف کے بنی عمرو بن عمیر کو سودی قرض دیا کرتے تھے اور دونوں اس کاروبار میں شریک تھے اسلام آیا تو اس وقت ان کا بڑا سودی روپیہ لوگوں پر تھا انہی کے متعلق اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی چنانچہ حج واداع میں عرفہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ میں فرمایا خوب سن لو جاہلیت کی ہر چیز میرے پاؤں کے نیچے (پامال ہو چکی) ہے جاہلیت کے خون ساقط کر دیئے گئے (اب ان کا باہمی قصاص نہ ہوگا) اپنے خونوں میں سب سے پہلا خون میں ربیعہ بن حارث کا ساقط کرتا ہوں۔ ربیعہ بنی حارث کے قبیلہ کے شیر خوار تھے بنو ذیل نے ان کو قتل کر دیا تھا۔ جاہلیت کا سود (بھی) ساقط کر دیا گیا ہے سب سے پہلے میں عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب کا سود ساقط کرتا ہوں عباس رضی اللہ عنہ کا سب سود چھوڑ دیا گیا۔

حج واداع میں بروز عرفہ رسول اللہ ﷺ نے جو خطبہ دیا اس کے الفاظ بروایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح نقل کئے ہیں لیکن اس میں یہ نہیں ذکر کیا کہ آیت مذکورہ کا نزول اس بارہ میں ہوا تھا۔
بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے بحوالہ عکرمہ و عطاء بیان کیا ہے کہ حضرت عباس بن عبد المطلب اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم نے کچھ چھوڑے بطور سلم خریدے تھے فصل ٹوٹنے کا زمانہ آیا تو چھوڑے والے نے کہا اگر آپ لوگ اپنا پورا حق لے لیں گے تو میرے بچوں کی ضرورت کے لئے کچھ نہیں بچے گا اس لئے مناسب ہے کہ آپ آدھا واجب الادا حق اس وقت لے لیجئے اور باقی کے لئے مدت مقرر کر دیجئے میں آپ کو دو گنا کر کے دیدوں گا۔ دونوں حضرات اس تجویز پر راضی ہو گئے جب مدت مقررہ گزری اور وقت ادا آگیا تو (حسب وعدہ) زیادتی کا مطالبہ کیا اس کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو ہوئی تو آپ نے دونوں کو ممانعت فرمادی اور اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی دونوں بزرگوں نے حکم کی تعمیل کی اور اپنا اصل مال لے لیا (سود چھوڑ دیا)۔

فَاِنْ لَّكُمْ تَفْعَلُوْا فَاَذِنُوْا (یعنی اگر تم نے بقیہ سود نہ چھوڑا تو آگاہ ہو جاؤ حمزہ رضی اللہ عنہ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فَاَذِنُوْا بروزن اِسْمٰوِا پڑھا ہے یعنی دوسروں کو اطلاع دیدو۔ لَفْظًا اِذَا نِ اَذِنٌ سے بنا ہے یعنی کانوں میں ڈال دو، سنا دو۔ باقی اہل قرأت نے فَاَذِنُوْا پڑھا ہے یعنی جان لو اور یقین کر لو۔
بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ ۝ اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے جنگ کا۔ حرب کی تینوں سے جنگ کی عظمت کی طرف اشارہ ہے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن سود خور سے کہا جائے گا۔ لڑائی کے لئے اپنے ہتھیار لے لے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چھوڑوں کو کھانے کے قابل ہونے سے پہلے خریدنے کی ممانعت فرمائی اور فرمایا جب کسی بستی میں سود کھلم کھلا ہو جاتا ہے تو اس بستی والے اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے عذاب کو اتار لیتے ہیں۔ رواہ الحاکم وصحیح۔

حضرت عمرو بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا میں نے حضور ﷺ سے سنا کہ جس قوم میں سود کھلم کھلا ہو جاتا ہے ان کی پکڑ بصورت قحط ہوتی ہے اور جس قوم میں رشوت کھلم کھلا ہو جاتی ہے وہ (دشمنوں کے خوف) (کے عذاب) میں پکڑے جاتے ہیں۔ رواہ احمد۔

اہل حقیقت نے بیان کیا ہے کہ اللہ کی طرف سے جنگ دوزخ ہے اور اللہ کے رسول کی طرف سے جنگ تلوار ہے۔ اسی بنیاد پر بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ یہ لفظ چاہتا ہے کہ باغی کی طرح سود خور سے توبہ طلب کی جائے تاکہ وہ امر خداوندی کے طرف لوٹ آئے توبہ نہ کرے تو اس سے جنگ کی جائے۔

میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ سود خور کے پاس اگر اپنی حفاظت کی طاقت نہ ہو تو امام پر واجب ہے کہ اس کو قید کر دے اور جب تک توبہ نہ کرے قید رکھے ورنہ اگر اس کے پاس حفاظتی طاقت ہو اور امام اس کو گرفتار نہ کر سکے تو وہ باغی قرار دیا جائے گا اور اس سے اس وقت تک جنگ کی جائے جب تک وہ توبہ نہ کر لے۔ یہ بھی حکم ہر تارک فرض کا ہے نماز زکوٰۃ وغیرہ کا تارک اور کبیرہ گناہ کا مرتکب، جب کہ علی الاعلان وہ گناہ پر جہاد ہے۔ سب کا یہی حکم ہے۔

رزین نے مناقب ابی بکر رضی اللہ عنہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی تو عرب اسلام سے پھر گئے اور کہنے لگے ہم زکوٰۃ نہیں دیں گے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر یہ لوگ (زکوٰۃ کے) اونٹ کے پاؤں کی رسی دینے سے بھی انکار کریں گے تو میں ان سے جہاد کروں گا۔ میں نے عرض کیا اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ! لوگوں کو ملائے رکھئے اور ان کے ساتھ نرمی کیجئے فرمایا کیا تم جاہلیت میں تو بڑے سخت تھے اور اسلام میں آکر کمزور ہو گئے۔ وحی کا سلسلہ بند ہو گیا دین مکمل ہو گیا اب کیا میرے جیتے جی دین میں نقصان آ سکتا ہے۔

تحجین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم میں اس شخص سے ضرور قتال کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کرتا ہے۔ زکوٰۃ مالی فریضہ ہے اگر یہ لوگ وہ بکری کا بچہ بھی دینے سے انکار کریں گے جو رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے تو خدا کی قسم اس بازداشت پر میں ان سے لڑوں گا، حضرت عمرؓ نے فرمایا اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہی حق ہے۔

(یعنی اگر تم توبہ کر لو گے تو) وَإِنْ تَبْتِغُوا فَلَکُمْ دَرَوَسٌ أَمْوَالُکُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿۷۰﴾
تمہارا اصل مال تمہارا ہی ہے اصل سے زیادہ لے کر تم (قرض دار پر) ظلم نہیں کرو گے اور نہ ادائیگی میں ٹال مٹول یا اصل مال میں کمی کر کے تم پر ظلم کیا جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (ادائے اصل میں) غنی کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے، متنق علیہ۔

بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے اس آیت سے سمجھا جاتا ہے کہ اگر (سود خوری کو حلال سمجھنے والے) توبہ نہ کریں تو اصل مال بھی ان کا نہ رہے گا کیونکہ حرام کو حلال قرار دینے پر اڑ جانے والا مرتد ہے اور اس کا مال مفت کی غنیمت ہے۔ بیضاویؒ کا یہ قول ہمارے بیان مذکور یعنی شافعی کے قول کے مطابق ہے کیونکہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مرتد کا کل مال غنیمت مفت ہے لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر مرتد کو قتل کر دیا گیا ہو یا بھاگ کر وہ دار الحرب میں چلا گیا ہو تو اس کی حالت اسلام کی کمائی اس کے مسلمان وارثوں کو تقسیم کر دی جائے گی اور حالت ارتداد کی کمائی غنیمت مفت کے حکم میں ہوگی۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کسی حکم کا مفسوم (مخالف) حجت نہیں ہے۔ پھر حالت اسلام کی کمائی جو وارثوں کو تقسیم ہوگی مرتد کی تو بہر حال نہ رہے گی۔ بیت المال میں داخل کی جائے یا وارثوں کو تقسیم کر دی جائے مرتد کے لئے تو دونوں صورتیں برابر ہیں اس کی ملک سے تو اخراج ہو ہی جائے گا۔

بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو بنی عمر و اور دوسرے سود خوروں نے کہا ہم اللہ سے توبہ کرتے ہیں ہم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے لڑنے کی طاقت نہیں چنانچہ سب لوگ صرف اپنا اصل مال لینے پر راضی ہو گئے۔ یہ ابو یعلیٰ کی روایت کردہ حدیث کا تتمہ ہے۔

بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس کے بعد بنی مغیرہ نے اپنی تنگ دستی کی شکایت کی اور فصل توڑنے تک مصلحت

کے خواستگار ہوئے مگر قرض خواہوں نے مہلت دینے سے انکار کر دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ
تنگدست قرض دار ہو۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ کان کی خبر اس جگہ نہیں ذکر کی گئی اگر اسم نکرہ ہو تو خبر کو ذکر نہ کرنا جائز ہے جیسے اس جملہ میں ہے اِنْ كَانَ رَجُلٌ صَالِحٌ فَأَكْرِمُوهُ میں کہتا ہوں کہ بغوی کی مراد یہ ہے کہ غَرِيْمًا خبر مخدوف ہے اصل عبارت اس طرح تھی اِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ غَرِيْمًا اگر کوئی تنگدست قرض دار ہو۔ ابو جعفر کی قرات میں عُسْرَةٍ اور باقی علماء کی قرات میں عُسْرَةٍ آیا ہے۔

فَظَنُّوا أَنَّهُ مَوْتٌ
تو فراخ دستی تک انتظار کا حکم ہے یا تم پر فراخ دستی تک انتظار لازم ہے (اول صورت میں مبتدا مخدوف ہے اور نظیرۃ اس کی خبر ہے اور دوسری صورت میں نَظِيرَةٌ مبتدا مؤخر ہے یا یہ معنی ہے کہ انتظار ہونا چاہئے (اس صورت میں فعل مخدوف ہو گا اور جملہ فعلیہ ہو جائے گا) نافع نے مَشْسُورَةٍ سین کے پیش کے ساتھ اور باقی قراء نے سین کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو تنگدست کو سہولت دیگا اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کو سہولت دے گا۔ رواہ مسلم ورواہ ابن حبان رضی اللہ عنہ مختصراً۔

وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ
یعنی قرض معاف کر دینا تمہارے لئے بہتر ہے ادا کی مہلت دینے سے اس کا ثواب زیادہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تصدیق سے مراد مہلت دینا ہی ہو کیونکہ حضرت عمران بن حصین کی مرفوع حدیث ہے جس کسی مسلمان کے قرض کی ادائیگی کا وقت آجائے اور وہ (قرض دار کو) مہلت دیدے تو ہر دن کے عوض اس کو ایک صدقہ (کا ثواب) ہو گا۔ رواہ احمد۔ مطلب یہ ہو گا کہ (وقت مقرر پر) لینے سے مہلت دینا تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔ واضح مطلب وہی ہے جو ہم نے ترجمہ میں بیان کر دیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا میں شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے قیامت کے دن جس شخص پر سب سے پہلے اللہ کا سایہ ہو گا وہ شخص وہ ہو گا جس نے کسی تنگ دست کو ادائے قرض کی مہلت اس وقت تک دی ہو جب تک اس کو میسر آئے یا اپنا مطالبہ بالکل معاف کر دیا ہو اور کہہ دیا ہو کہ میں اپنے حق سے اللہ واسطے تجھے سبکدوش کرتا ہوں اور (معافی کے بعد) قرض کی تحریر جلا دی ہو رواہ الطبرانی۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح السنۃ میں حدیث مذکور کی روایت ان الفاظ کے ساتھ کی ہے کہ جو قرض دار سے (قرض کو) دور کر دے گایا مثلے گا تو قیامت کے دن وہ عرش کے سایہ میں ہو گا۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی روایت بھی اسی طرح ہے۔ بغوی نے حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ کی روایت بھی اسی طرح نقل کی ہے۔ طبرانی نے کبیر میں حضرت اسعد بن زرارہ کی اور اوسط میں حضرت شداد بن اوس کی روایت سے بھی حدیث مذکور اسی طرح نقل کی ہے۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے متعلق منقول ہے کہ آپ کسی شخص سے اپنا قرض طلب کرتے تھے وہ آدمی چھپ گیا۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا تو نے ایسا کیوں کیا اس نے جواب دیا تنگ دستی کی وجہ سے۔ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے اس سے تنگدست ہونے کی قسم لی۔ اس نے قسم کھالی آپ نے اس کی تحریر منگوا کر اس کو دیدی اور فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص تنگدست کو مہلت دے یا اس کو قرض معاف کر دے اللہ اس کو روز قیامت کی سختیوں سے محفوظ رکھے گا۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی یہ مرفوع حدیث نقل کی ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے اور دنیا و آخرت میں اس کی سختی دور کر دے تو چاہئے کہ وہ تنگدست کو (ادائے قرض کی) مہلت دے اور قرض (کے مطالبہ) کو ترک کر دے اور جس شخص کو اس بات سے خوشی ہوتی ہو کہ قیامت کے دن اللہ اس کو قصر جنم سے بچا کر اپنے سایہ میں لے لے، اور اس پر اپنا سایہ کر دے تو اس کو چاہئے کہ مومنوں پر درشت نہ ہو بلکہ ان کے لئے نرم دل ہو۔

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کا قول مروی ہے کہ گزشتہ اقوام میں سے ایک آدمی کی جان ملائکہ نے قبض کی اور روح سے پوچھا کیا تو نے کبھی کوئی نیک کام کیا ہے اس نے جواب دیا نہیں۔ ملائکہ نے کہا یاد کر لے اس نے کہا اور تو کوئی نیکی نہیں کی۔ ماں اتنی بات ضرور تھی کہ میں لوگوں کو قرض دیدیا کرتا تھا اور میں نے اپنے کارندوں سے کہہ دیا تھا کہ فراخ دست کو (ادائیگی کی) مہلت دیا کرو اور تنگ دست سے (بالکل ہی) درگزر کر لیا کرو اللہ نے فرشتوں سے فرمایا تم بھی اس شخص سے درگزر کرو۔ (رواہ مسلم) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت بھی مسلم میں اسی طرح ہے اور صحیحین میں حضرت حذیفہؓ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث آئی ہے۔

﴿إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (یعنی اگر مہلت دینے اور معاف کر دینے کی فضیلت تم جان جاؤ تو پھر یہ کام تم پر دشوار نہ ہو گا۔) (یعنی آیت میں شرط مذکور ہے جس کی جزا مخدوف ہے)۔

وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ﴿۷۸﴾ اور اس روز سے ڈرتے رہو جس میں تم کو اللہ کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اس سے مراد ہے قیامت کا دن یا مرنے کا دن۔ یعنی اللہ کی طرف جانے کی تیاری کرو۔ ابو عمرو اور یعقوب کی قرأت تَرْجَعُونَ بفتح تاء ہے اور باقی قراء تَرْجَعُونَ پڑھتے ہیں۔ تم لوٹو گے یا لوٹائے جاؤ گے۔

ثُمَّ تَوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ﴿۷۹﴾ پھر ہر شخص کو اس کے اچھے برے کر توت کا بدلہ دیا جائے گا۔ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۸۰﴾ ثواب گھٹا کر یا (جرم سے زیادہ) عذاب بڑھا کر ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا (سورہ بقرہ کی) یہ آخری آیت ہے جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے کہا اس کو سورہ بقرہ کی دو سو اسی آیت کے کنارہ پر رکھو۔ کذا قال البغوی۔

ثعلبی نے بحوالہ سدی صغیر بروایت کلبی از ابو صالح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ اکیس روز زندہ رہے۔ فریبانی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قول بیان کیا ہے یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ اس کے بعد آپ ﷺ (صرف) سات رات زندہ رہے اور وفات مبارک پیر کے دن ۳ ربيع الاول کو زوال کے بعد ۱۱ھ میں ہو گئی۔ ابن ربیع حاتم رضی اللہ عنہ نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول بھی یہی بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ اللہ نے آیت تم دید پروجی کو ختم کر دیا۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَيْتُمْ

(یعنی مسلمانو! جب تم آپس میں کوئی ایسا لین دین کرو جس میں دونوں میں سے کسی ایک کے ذمہ کچھ قرض ہو) ہم نے کسی ایک کی قید اس لئے لگائی کہ دونوں کے ذمہ قرض کا معاملہ ہو نا درست نہیں بالاجماع غیر مقبوض کی بیع غیر مقبوض کے عوض صحیح نہیں۔ بیع الکالئی بالکالئی کی ممانعت میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نقل کیا ہے جس کو دار قطنی نے بیان کیا ہے۔ اس آیت کا حکم بیع، سلم، اجارہ، قرض بلکہ نکاح، خلع اور صلح سب کو شامل ہے۔

يَدَّيْنِ (کسی قرض) کا اس لفظ کے اضافہ سے معلوم ہوا کہ تَدَايَيْتُمْ سے مراد بدلہ دینا نہیں ہے کیونکہ تَدَايْنِ کا معنی بدلہ دینا بھی آتا ہے (بلکہ عقد مراد ہے یعنی لین دین کا معاملہ) نیز یہ بات بھی ملحوظ ہے کہ آئندہ فَاكْتَبُوهُ آرَبَا ہے اس میں ضمیر ہ ہے جس کا مرجع متعین کرنا مقصود ہے۔

يَدَّيْنِ نکرہ ہے اور شرط (اذا) کے تحت آیا ہے اسلئے اس لفظ کے اندر ہر قسم کا دین داخل ہے۔ ثمن ہو یا بیع۔ وزن سے فروخت ہونے والی چیز ہو یا پیمانہ کے ناپ سے یا کچھ اور ہو (عددی ہو تخمینی ہو) ادھار واجب فی الذمہ ہو یا فی الفور مقبوض ہو۔

إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ﴿۸۱﴾ ایک مقررہ مدت میں ادا ہونگی پر، اس لفظ کی وجہ سے وہ معاملہ خارج ہو گیا جس میں طرفین سے فوری ادا ہونگی ہو اس لئے مقبوض الطرفین بیع کو لکھنے کی ضرورت نہیں۔

مُسَمًّى سے مراد ہے معین جس دن مہینہ سنہ مقرر کر دیا گیا ہو۔ اس قید کے اضافہ کی وجہ یہ ہے کہ کوئی بیع جس میں

ثمن بذمہ مشتری قرض ہو اور سلم (جس میں ادائیگی مبیع بذمہ بائع شرط ہو) بغیر تقرر مدت کے صحیح نہیں، مدت ادا مقرر نہ ہوگی تو جھگڑا پیدا ہوگا۔ مدت کا تعین ہر جگہ ضروری ہے۔ بیع میں ادائیگی ثمن کے لئے سلم میں ادائیگی مبیع کے لئے اور نکاح میں (ادائیگی مہر کے لئے) ہاں قرض میں ادائیگی کی مدت مقرر کرنی ضروری نہیں۔ وقت ادا آنے سے پہلے صاحب حق کو تقاضے کا حق نہیں اور مدت ادا ختم ہونے کے بعد مطالبہ دار کو روکنے کا حق نہیں۔ ادائے قرض کی اگر مدت مقرر کر بھی دی جائے تو مقرر نہیں ہوتی (قرض خواہ کوہر وقت مطالبہ کا حق رہتا ہے) گویا ادا کرنے والا عین مال کو ادا کرتا ہے اگر یہ اعتبار نہ کیا جائے تو نیسہ لازم آئے گا جو ایک طرح کا سود ہے۔

اس آیت کی عبارت سلم کو (جس میں مبیع کی ادائیگی ایک مقرر مدت کے بعد ہوتی ہے) شامل ہے اور اس بیع کو بھی جس کی ثمن (فی الفور ادا نہیں کی جاتی بلکہ اس کی ادائیگی) کی ایک مدت مقرر کر دی جاتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا بھی یہی مطلب ہے آپ ﷺ نے فرمایا تھا میں شہادت دیتا ہوں کہ سلم جس کی ادائیگی ثمن کی ایک مدت مقرر کی جاتی ہے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کی ہے اور اس کی اجازت دی ہے فرمایا ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا تَدٰۤاَيْتُمْ بِدٰۤيْنٍ اِلٰى اٰجَلٍ مُّسَمًّى فَاَكْتَبُوْهُ۔

یہ روایت حاکم نے مستدرک میں بیان کی ہے اور شرائط شیخین کے مطابق اس کو قرار دیا ہے اس کے راوی قتادہ از ابو حسان، اعرج از ابن عباس ہیں، شافعی نے اپنی مسند میں اور طبرانی وابن ابی شیبہ نے اس کو بیان کا ہے بخاری نے بصورت تعلیق اس کو نقل کیا ہے۔

قیاس چاہتا ہے کہ سلم جائز نہ ہو یہ معدوم کی بیع ہے بیع کا اصل مقصد حصول مبیع ہے ثمن تو حصول مبیع کا ذریعہ ہوتا ہے اس کے لئے تو صرف واجب فی الذمہ ہونا کافی ہے۔ نقد کی ضرورت نہیں۔ مبیع ہی ایسی چیز ہے جس پر عقد ہوتا ہے اس لئے اگر مبیع ہی موجود نہ ہو تو بیع کیسے ہو سکتی ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ایسی چیز کی بیع کرنے کی ممانعت فرمادی تھی جو بائع کے پاس موجود نہ ہو، لیکن بیع سلم کے جواز کی صراحت نص میں موجود ہے اور اجماع بھی اس پر ہے اس لئے تقاضائے قیاس کو ترک کر دیا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (مدینہ میں) تشریف لائے تو (دیکھا کہ) لوگ سال دو سال کے وعدہ پر چھوڑوں کی بیع سلم کرتے تھے۔ بعض روایات میں تین سال کا لفظ بھی آیا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا جو پھلوں میں بیع سلم کرے تو معین پیمانے، معین وزن اور معین مدت کے ساتھ کرے، متفق علیہ۔

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اور حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں گیسوں، جو، چھوڑے اور کشمش کی بیع بطور سلم کرتے تھے، (رواہ البخاری) ابن جوزی نے امام احمد کی روایت اس طرح نقل کی ہے، میں نے ابن ابی اوفی سے پوچھا کیا رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تم گیسوں، جو اور روغن زیتون کی بیع سلم کرتے تھے ابن ابی اوفی نے کہا جی ہاں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہم کو مال غنیمت ملتا تھا تو ہم وہ مال دے کر گیسوں، جو، چھوڑے اور روغن زیتون بطور سلم خریدتے تھے میں نے کہا (کس سے خریدتے تھے) کیا اس شخص سے جس کے کھیتی ہوئی تھی یا اس شخص سے جس کے ہاں کھیتی نہیں ہوتی تھی۔ انہوں نے جواب دیا ہم ان سے یہ بات پوچھتے ہی نہ تھے (کہ تم کاشت کرتے ہو یا نہیں کرتے) اس قصہ کے بعد راوی نے جا کر ابن ابی اتری سے دریافت کیا انہوں نے بھی ابن ابی اوفی کی طرح جواب دیا۔

جواز سلم چونکہ تقاضائے قیاس کے خلاف ہے اس لئے صرف اسی صورت میں جائز ہوگا۔ جب مبیع دست بدست نہ دیا جائے کیونکہ نص شریعت میں اتنا ہی آیا ہے لہذا حکم سلم صرف اسی صورت میں ہوگا جس صورت کی صراحت شریعت نے کی ہے۔ اگر مبیع کی ادائیگی فوراً ہو جائے تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام مالک اور امام احمد کے نزدیک سلم درست نہیں ہاں امام شافعی کے نزدیک صحیح ہے کیونکہ جب بیع کی ادائیگی ایک مدت کے بعد ہونے کی صورت میں سلم درست ہے تو فی الفور ادائیگی کی صورت تو بدرجہ اولیٰ درست ہونا چاہئے یا صورت ثانیہ کو صورت اول کی طرح ہی مان لیا جائے۔

ہم کہتے ہیں کہ سلم کا جواز صرف اس لئے ہوا تھا کہ جو تادار آدمی اپنے گھر کے مصارف سے مجبور ہو اس کو بچوں کے صرف کے لئے کچھ فوراً مل جائے آئندہ بیع جب اس کے ہاتھ میں آئے گا (مثلاً چھ ماہ کے بعد اس کو غلہ میسر ہوگا) تو وہ ادائیگی کر دے گا اور مشتری کو اپنے گھر والوں کے لئے آئندہ کچھ نفع مل جائے۔ کیونکہ سلم میں اکثر بیع کا مرخ سستا طے کیا جاتا ہے لہذا بیع پر اگر دست بدست قبضہ ہو اور اسکی ادائیگی فی الفور ہو جائے تو تادار کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

مسئلہ :- باجماع علماء جواز سلم کیلئے ضروری ہے کہ بیع کی جنس، نوع، حالت اور مقدار اس طرح بیان کر دی جائے کہ اس کو ذہنی تعین حاصل ہو جائے، نیز مدت ادا کی تعین بھی ضروری ہو، تاکہ بقدر امکان بیع کی تعین ہو جائے اور آئندہ کوئی جھگڑا باقی نہ رہے۔

جمہور کے نزدیک قیمت (راس المال) کی مقدار جاننا بھی ضروری ہے۔ لیکن امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کہتے ہیں کہ اگر راس المال کو اشارہ سے بتا رہا ہو تو مقدار بیان کرنے کی ضرورت نہیں، ہم اس کی تردید میں کہتے ہیں کہ کبھی قیمت کا کچھ حصہ کھوٹا ہوتا ہے اور اس جگہ تو کھوٹا ہونا معلوم ہی نہ ہوگا کہ لوٹا کر کھرا لے لیا جائے اب اگر مقدار قیمت معلوم نہ ہوگی تو نہیں کہا جاسکتا کہ بیع سلم کے لئے کتنی قیمت ادا کی گئی اور کتنا بیع خریدا گیا اس کے علاوہ بائع کبھی بیع کو ادا نہیں کر سکتا (اس کے پاس ادا کرنے کے لئے کچھ ہوتا ہی نہیں) اس لئے اصل مال واپس کرنا ضروری ہوتا ہے اس لئے قیمت کی مقدار معلوم ہونا ضروری ہے۔ یہ بات کہ یہ تو محض امکانات ہیں ایسا ہوتا نہیں ہے (اور اگر ہوتا ہے تو محض اتفاقاً ہزاروں میں بھی ایک بار) تو ہم کہتے ہیں کہ سلم کا جواز قیاس کے تو خلاف ہی ہے (بظاہر اس میں سود کا شائبہ نظر آتا ہے پھر اصل رکن بیع بھی مفقود ہے) لیکن شریعت نے اس کو جائز قرار دیا ہے اس لئے اس کے اندر ممکن الوقوع صورت کو بھی واقع کی طرح مانا جائے گا (اور ممکن الوقوع احتمال سے بھی پرہیز لازم ہوگا)۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحت سلم کی ساتویں شرط یہ ہے کہ اگر بار برداری میں کچھ خرچ اور محنت پڑتی ہو تو بیع کی سپردگی کا مقام بھی وقت عقد معلوم ہونا لازم ہے، باقی ائمہ کے نزدیک مقام سپردگی وہی متعین ہے جو مقام عقد ہے (جس جگہ بیع ہوئی ہے اسی جگہ بیع کی ادائیگی ہوگی) امام غزالیؒ کے نزدیک آٹھویں شرط یہ بھی ہے کہ وقت عقد سے وقت ادا تک بیع (بازار میں یا ملک میں) موجود رہنا چاہئے، جمہور کے نزدیک یہ شرط ضروری نہیں صرف ادائیگی کے وقت بیع کا (بازار یا شہروں وغیرہ میں) پایا جانا کافی ہے (تاکہ اگر بائع کے پاس اپنی پیداوار نہ ہو تو وہ دوسری جگہ سے خرید کر لا کر دے دے) کیونکہ یہ شرط شریعت کی طرف سے عائد کردہ نہیں (کہیں حدیث میں مذکور نہیں) اور قاعدہ یہ ہی ہے کہ جو شرط مذکور نہ ہو اس کو ضروری نہیں قرار دیا جاتا۔ عام احکام (جن میں کوئی قید اور شرط نہ ہو) مباح ہونے کے لئے کافی ہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی بناء اس حدیث پر ہے جو ابو داؤد اور ابن ماجہ نے ابن اسحاق کے حوالہ سے نقل کی ہے کہ ایک بخاری (یمنی) شخص نے بیان کیا، میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ کیا میں چھوڑوں اس بیع سلم اس وقت کر سکتا ہوں جب کہ درختوں پر ان کے غنچے بھی برآمد نہ ہوئے ہوں۔ فرمایا نہیں، میں نے کہا کیوں۔ فرمایا اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک شخص نے اس طرح کی بیع سلم کی تھی مگر اس سال ان درختوں پر غنچے برآمد ہی نہیں ہوئے مشتری کہنے لگا میں اس وقت تک مہلت دیتا ہوں کہ (آئندہ یا تیسرے سال) درختوں میں شگونی برآمد ہو جائیں (اس وقت میں بیع وصول کر لوں گا) بائع نے کہا اسی سال کیلئے درختوں کا سودا ہوا تھا (اس سال پھل نہ آئے تمہارا حق ختم ہوا) دونوں جھگڑالے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے آپ ﷺ نے بائع سے فرمایا کیا اس نے تیرے درختوں سے کچھ حاصل کیا ہے، اس نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا تو پھر تو کیسے اس کے مال کو حلال سمجھتا ہے جو کچھ اس سے لیا ہے واپس دے دے جب تک درختوں پر صلاح (قابل استعمال پھل) برآمد نہ ہو جائے اس وقت تک ان کی بیع سلم نہ کیا کر۔ بخاری نے ابو بخری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کھجور کے درختوں کی بیع سلم کا

حکم پوچھا فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کھجور کے درختوں (کی بہار) کی بیج کرنے کی ممانعت فرمادی ہے جب تک کہ ان میں صلاحیت نہ ہو جائے (یعنی قابل استعمال نہ ہو جائیں) اور نقد کے مقابل نسبت چاندی کی بیج کی بھی ممانعت فرمادی ہے (یعنی چاندی بصورت نقدی دی جائے اور بیج بصورت چاندی فی الفور ادا نہ کیا جائے۔ یہ صورت بھی ممنوع ہے) میں نے حضرت ابن عباس سے کھجور کے درختوں کی (بہار کی) بیج سلم کا حکم پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کھجور کے درختوں کی (بہار کی) بیج کی ممانعت کی ہے جب تک کہ وہ کھانے کے قابل نہ ہو جائیں۔ میں کہتا ہوں (یہ حدیث مجروح ہے) اس میں خجرائی شخص مجہول ہے اور ابن اسحاق کے معتبر ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے اور آثار کو دلیل میں نہیں پیش کیا جاسکتا۔ لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول احتیاط پر مبنی ہے کیونکہ سلم عقد ہی ایسا ہے جس کا جواز خلاف قیاس ہے لہذا زیادہ سے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

مسئلہ :- علماء کا اتفاق ہے کہ پیانہ سے تپ کر یا گز سے تپ کر یا وزن کر کے فروخت کی جانے والی چیزوں کی بیج سلم درست ہے۔ لہذا اس ملک میں وہ موٹا کپڑا (جس کا عرض ۳۶ انچ یا چوالیس انچ یا ۶۰ انچ ہوتا ہے بیج سلم کے طور پر فروخت کیا جاسکتا ہے۔) بشرطیکہ عرض بتا دیا جائے (کیونکہ اس کپڑے میں تفاوت بہت کم ہوتا ہے مگر ایسے کپڑے کے علاوہ دوسرے (تفاوت) کپڑوں کی سلم صحیح نہیں۔ رہیں وہ چیزیں جو شمار کر کے بکتی ہیں اور ان کے افراد میں تفاوت نہیں ہوتا (یا تفاوت ناقابل اعتبار ہوتا ہے) جیسے اخروٹ اور انڈے وغیرہ ان کی بھی سلم درست ہے البتہ امام احمد کی طرف ایک روایت میں عدم جواز کی نسبت کی جاتی ہے اور وہ عددی چیزیں جن میں (نمایاں) تفاوت ہوتا ہے جیسے خربوزہ، تربوز، انار وغیرہ ان میں امام اعظمؒ کے نزدیک بیج سلم کسی طرح درست نہیں، نہ گنتی کے اعتبار سے نہ وزن کے لحاظ سے۔ لیکن یہ حکم ان ممالک میں ہو گا جہاں یہ چیزیں گنتی سے بکتی ہیں ہمارے ملک میں تو ان کی بیج وزن سے ہوتی ہے لہذا ان میں یہاں بیج سلم درست ہے، امام مالکؒ کے نزدیک محدودات متفاوتہ کی بیج سلم ہر طرح جائز ہے وزن نا بھی اور شمار سے بھی، امام شافعیؒ صرف وزن جواز کے قائل ہیں، امام احمدؒ کا قول بھی ایک روایت میں یہی آیا ہے

مسئلہ :- امام اعظمؒ کے نزدیک جانور کی بیج سلم درست نہیں دوسرے تینوں اماموں کے نزدیک درست ہے مؤخر الذکر مسلک کا ثبوت حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ کی روایت کردہ حدیث سے ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبد اللہ کو لشکر کی تیاری کا حکم دیا مگر اونٹ ختم ہو گئے (فوج کے لئے کافی نہ ہوئے) تو حضور ﷺ نے حکم دیا کہ زکوٰۃ کے اونٹوں (کی آمد) کی مدت کے ساتھ مشروط کر کے (لوگوں سے) لے لو (یعنی اب بقدر ضرورت اونٹ لے لو اور یہ شرط کر لو کہ جب زکوٰۃ کے اونٹ آئیں گے تو معاوضہ میں دے دیئے جائیں گے) چنانچہ حضرت عبد اللہ ایک اونٹ کے بدلے دو دو اونٹوں کے دینے کی شرط پر لینے لگے۔ یہ حدیث ابو داؤد نے نقل کی ہے، اس کی اسناد اس طرح ہے محمد بن اسحاق، یزید بن ابی حبیب، مسلم بن جبیر، ابوسفیان، عمرو بن حریش، عبد اللہ بن عمرو، حاکم نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے اور شرط مسلم کے موافق صحیح کہا ہے۔

ابن قطن کے نزدیک یہ حدیث مضطرب الاسناد ہے۔ حماد بن سلمہؒ کی روایت تو مذکورہ اسناد کے ساتھ ہی ہے۔ لیکن جریر بن حازم کی روایت میں یزید بن ابی حبیب کا ذکر نہیں ہے اور ابوسفیان کے ذکر سے پہلے مسلم بن جبیر کا ذکر ہے۔ میں کہتا ہوں ابن جوزی نے بھی تحقیق میں اسی طرح بیان کیا ہے عفان نے بروایت حماد بن سلمہ اس سند کے ساتھ ذکر کیا ہے ابن اسحاق، یزید، ابو حبیب، مسلم ابوسفیان عمرو بن حریش (گویا یزید سے ابو حبیب نے کہا اور ابو حبیب سے مسلم نے) ابو بکر ابی شیبہ نے عبد الاعلیٰ کی روایت نقل کی ہے اس روایت میں یزید بن ابی حبیب کا نام نہیں ہے اور ابوسفیان کا ذکر مسلم سے پہلے ہے اور مسلم کی ولدیت جبیر نہیں، کثیر بیان کی ہے۔

اس سند میں اضطراب کے ساتھ ایک خرابی یہ ہے کہ عمرو بن حریش مجہول شخص ہے اور مسلم بن جبیر کا ذکر مجھے کہیں نہیں ملا اور ابوسفیان کی حالت محل تا مل ہے۔ شیخ ابن حجر نے ابن اسحاق کی شخصیت کو مختلف فیہ کہا ہے۔ بیہقی نے اس

حدیث کو سنن اور خلائیات میں باسناد عمرو بن شعیب از شعیب از جدہ نقل کیا ہے اور صحیح کہا ہے۔ میں کہتا ہوں اس سلسلہ کو ابن جوزی نے بھی نقل کیا ہے میرا خیال یہ ہے کہ یہ حدیث اس حدیث کے خلاف ہے جو حضرت سمرہ اور حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم کی روایت سے آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جانور کو جانور کے عوض بطور نیہ فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے لہذا حسب قاعدہ تحریم والی حدیث کو حلت والی حدیث پر ترجیح دی جائے گی۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جانور کی بیع سلم کے عدم جواز پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے، حاکم اور دارقطنی نے بروایت اسحاق بن ابراہیم بن حوتا از عبد الملک ذماری از سفیان ثوری از معمر از یحییٰ بن ابی کثیر از عکرمہ از ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے جانور کی بیع سلم سے منع فرمادیا۔ حاکم نے اس اسناد کو صحیح کہا ہے۔ ابن جوزی نے ابو زرہ کا قول نقل کیا ہے کہ عبد الملک ذماری منکر الحدیث ہے۔ رازی نے کہا یہ قوی نہیں ہے۔ لیکن حلاس نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ اسحاق بن ابراہیم مجہول شخص ہے۔

میں کہتا ہوں شاید حاکم کو اسحاق کا علم ہو کہ اسکی روایت کو انہوں نے صحیح کہا ہے ظاہر یہ ہے کہ یہ حدیث حسن ہے، ابن ہمام نے لکھا ہے کہ یحییٰ بن معین کا ابن حوتا کو ضعیف قرار دینا محل تاہل ہے، جبکہ متعدد صحیح اور حسن طریقوں سے ابن حوتا کی روایت کردہ حدیث ثابت ہے۔ متعدد طرق سے روایت معنوی اس حدیث کے معنی کو پایہء حجت تک پہنچا دیتی ہے اس لئے اس حدیث سے حجت پیش کی جاسکتی ہے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی تائید حضرت ابن مسعود کے ایک اثر سے بھی ہوتی ہے جس کو حماد بن ابی سلیمان نے بروایت ابراہیم غمی بیان کیا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے زید بن خویلہ یحیری کو کچھ مال شرکت مضاربہ کے طور پر دیا، زید نے عریس بن عرقوب شیبانی سے کچھ اونٹیاں بطور سلم خریدیں۔ جب سپردگی کا وقت آگیا تو زید نے کچھ اونٹیوں پر قبضہ کر لیا اور کچھ اونٹیاں واجب الادارہ کیں۔ عریس نادار ہو گیا، اوہر اس کو یہ اطلاع بھی مل گئی کہ اصل مال حضرت عبد اللہ کا تھا اس لئے وہ آپ ﷺ کی خدمت میں مطالبہ میں نرمی کا طلب گار بن کر حاضر ہوا، حضرت نے فرمایا کیا زید نے ایسا کیا ہے عریس نے عرض کیا جی ہاں! آپ نے دریافت کیفیت کے لئے زید کو طلب فرمایا۔ جب وہ حاضر ہو گیا تو فرمایا جو کچھ تم نے لیا ہے واپس کر دو صرف اپنا اصل مال لے لو۔ اور ہمارے مال سے کسی جانور کو بطور سلم نہ خریدو۔ صاحب التفتیح نے لکھا ہے کہ اس سند میں انقطاع ہے یعنی ابراہیم غمی اور حضرت عبد اللہ کا درمیانی رولوی مذکور نہیں کیونکہ ابراہیم یا تو علقمہ کی روایت بیان کرتے ہیں یا اسود کی (علقمہ اور اسود کی وساطت کے بغیر براہ راست حضرت عبد اللہ بن مسعود کا اثر نہیں بیان کرتے)۔

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ ایسے بیان میں ہمارے نزدیک کوئی خرابی نہیں۔ خصوصاً ابراہیم غمی کی مرسل حدیث تو یقیناً صحیح ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر یہ حدیث صحیح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جانور کی بیع سلم کی ممانعت فرمادی ہے تو یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تائید ایک اور اختلافی مسئلہ بھی کرتی ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک جانور کو بطور قرض دینا درست نہیں۔ لیکن ائمہ ثلاثہ اس کے جواز کے قائل ہیں اور حضرت ابو رافع کی روایت کردہ حدیث کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی شخص سے ایک نوجوان اونٹ بطور قرض لیا تھا۔ جب حضور ﷺ کے پاس زکوٰۃ کے لونٹ آگئے تو آپ نے فرمایا اس شخص کو دے دو صحابہؓ نے عرض کیا ہمارے پاس (وصول شدہ اموال زکوٰۃ میں) تو صرف چار سالہ عمدہ اونٹ ہیں (اور اس سے قرض نوجوان اونٹ لیا گیا تھا) فرمایا، دے دو، سب سے اچھا آدمی وہی ہے جو بہت اچھی طرح قرض چکاتا ہے۔ رواہ مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک آدمی کا رسول اللہ ﷺ پر کچھ حق (یعنی قرض) تھا اس نے کلام میں کچھ درستی کی صحابہؓ نے اس (کو مارنے) کا ارادہ کیا حضور ﷺ نے فرمایا اس کو رہنے دو، حقدار کو کچھ کسے کا حق ہے اور فرمایا اس کو یکسالہ اونٹ خرید دو، صحابہؓ نے عرض کیا ہم کو تو اس کے لونٹ سے بہتر یکسالہ لونٹ مل رہا ہے، فرمایا وہی خرید کر دے دو، تم میں سب

سے اچھا وہی آدمی ہے جو قرض چکانے میں سب سے بہتر ہو۔ بخاری و مسلم۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ جانور کے اوصاف کا تعینی بیان نہیں ہو سکتا لہذا اس کو قرض دینا درست نہیں۔ جس طرح بیع نیسہ میں جانور کو دشمن بنانا یا مسلم میں بیع بنانا درست نہیں، لیکن مذکورہ بالا دو صحیح حدیثوں کے مقابل امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی قیاسی وجہ قابل قبول نہیں، جب تک کہ یہ حدیث صحیح ثابت نہ ہو جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے حیوان میں سلف کرنے کی ممانعت فرمائی ہے اگر اس حدیث کی صحت ثابت ہو جائے گی تو جانور میں مسلم کرنا اور قرض دینا دونوں ناجائز ہو جائیں گے، کیونکہ سلف کا لفظ مسلم کو بھی شامل ہے اور قرض کو بھی پس بر تقدیر صحت روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما تحریم والی حدیث حلت والی حدیث سے رائج ہوگی، اور بر تقدیر عدم صحت صرف نوجوان اونٹ کو بطور قرض لینا جائز قرار پائے گا۔ کیونکہ حدیث میں اسی کا ذکر ہے اور جو حکم نص میں آجائے مگر ہو مخالف قیاس اس حکم کو اسی مسئلہ پر محدود کر دیا جاتا ہے اس پر قیاس نہیں کیا جاتا پس اونٹ پر دوسرے جانوروں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اونٹ کا قرض کے طور پر لین دین بجائے خود تقاضائے قیاس کے خلاف ہے۔

..... ایک شبہ ❦

اگر جانور کے اوصاف بیان کرنے کے بعد بھی اس کی ذہنی تعین نہیں ہو سکتی اور بائع کے ذمہ اس کا ادا کرنا واجب نہیں ہو سکتا، تو کس طرح نکاح کے مہر اور خلع کے بدل میں غلام یا باندی یا گھوڑا مقرر کیا جاسکتا ہے اور غلام، باندی اور گھوڑا متوسط قسم کا ادا کرنا واجب ہوتا ہے۔

ازالہ شبہ :- اس جگہ دو قیاس ہیں ایک تو بیع پر قیاس (اس لحاظ سے جانور میں بیع مسلم قطعاً ناجائز ہوگی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بیع نیسہ سے منع فرمایا ہے۔

دوسرا قیاس دیت پر (اس لحاظ سے جانور کی بیع مسلم جائز ہونی چاہئے کیونکہ دیت میں اونٹوں کی ادائیگی شرعاً واجب ہے، دونوں قیاسوں میں تضاد ہے۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ تبادلہ مال بمال کی صورت میں اوصاف مالی کی تعین پوری پوری ہونی چاہئے (کیونکہ مال کا مال سے مقابلہ ہے) جیسے بیع اور اجارہ اور اقرار مالی کے دعوے میں کچھ مال دے کر مصالحت (ان سب صورتوں میں مال کا تبادلہ مال سے ہوتا ہے) لیکن جہاں تبادلہ مال بمال نہ ہو جیسے نکاح، خلع، قتل عمد کے عوض کچھ مال دے کر مصالحت اور انکار مالی کی صورت میں کچھ مال دے کر صلح ان صورتوں میں مالی اوصاف کا تعینی بیان ضروری نہیں اور دیت پر قیاس کرتے ہوئے جانور کی خرید و فروخت بطور مسلم جائز ہے۔

اسی لئے علماء اسلام کا اجماع ہے کہ حرہ حاملہ کا شکمی بچہ ضرب سے ساقط کر دینے کی دیت ایک غلام یا باندی ہے اور حاملہ باندی کا جنین ضرب سے گرادینے کی دیت غلام یا باندی نہیں بلکہ نقد روپیہ ہے جس کی مقدار امام ابو حنیفہ کے نزدیک قیمت جنین کا دسواں حصہ (اگر جنین لڑکا ہو) یا بیسواں حصہ (اگر جنین لڑکی ہو) ہے اور دوسرے علماء کے نزدیک دیت کی مقدار جنین کی ماں کی قیمت کا بیسواں حصہ ہے اور جانور کے بچے کے اسقاط کی دیت اتنی ہے جتنی اسقاط سے اس جانور کی قیمت کم ہو گئی ہو، دونوں میں فرق یہ ہے کہ مالی تبادلہ کی صورت میں اکثر نزاع (جھگڑا) اور اداء میں ٹال مٹول ہوتی رہتی ہے اور مال کا مال سے تبادلہ نہ ہو تو تاخیر اور جھگڑا کم ہوتا ہے کیونکہ اس وقت مال مقصود نہیں ہوتا بلکہ حصول مقصد کا ذریعہ ہوتا ہے۔

اونٹ کو قرض لینے اور بیع مسلم کے طور پر خریدنے کے جواز کی وجہ شاید یہ ہو کہ عمر اور دوسرے اوصاف کے بیان کے بعد اس ملک میں اونٹوں کا باہمی تفاوت کم رہ جاتا ہو اور حقیر تفاوت ضرورت معاملات میں ناقابل توجہ ہوتا ہے (اس لئے خصوصیت کے ساتھ اونٹوں کا قرض اور بیع مسلم جائز ہو)۔

❦ تنقیح ❦

ہر قسم کے قرض کا لین دین تقاضائے قیاس کے خلاف ہے کیونکہ اگر نقد روپیہ قرض دیا جائے گا تو بیع صرف میں نیسہ لازم آئے گا (ایک طرف سے روپیہ کی نقد سپردگی ہوگی اور دوسری طرف سے اس کے عوض کچھ مدت کے بعد نقد روپیہ کی شکل میں واپسی) اور اگر روپیہ کے علاوہ کوئی اور جنس قرض دی جائے (جس کے عوض کچھ مدت کے بعد وہی جنس واپس لی جائے) تو معدوم کی بیع لازم آئے گی اور بعض صورتوں میں نیسہ لازم آئے گا جو (بوا کے حکم میں ہے لیکن ضرورت کے پیش نظر قرض لینے دینے کی اجازت شریعت کی نص میں بھی آئی ہے اور اجماع بھی اس پر ہے اس لئے علماء نے قرض کو جائز قرار دینے کیلئے ایک تاویل کی ہے۔

تاویل یہ ہے کہ شریعت کی نظر میں قرض عاریت (کے حکم میں) ہے گویا قرض لینے والا قرض دینے والی کی ایک چیز استعمال کے لئے لیتا ہے (جس کو عند الطلب واپس کرنا ضروری ہے) لیکن کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ اگر ان کو خرچ نہ کر دیا جائے تو (صرف رکھنے یا کسی اور طریقہ سے استعمال کرنے سے) کوئی فائدہ نہیں جیسے روپیہ پیسہ اور کھانے کی چیزیں۔ ایسی چیزیں اگر خرچ کر دی جائیں تو بعینہ ان چیزوں کی واپسی ناممکن ہے۔ پس شریعت نے اس ضرورت کے تحت اجازت دے دی کہ نفس شے خرچ ہو جانے کی صورت میں بالکل اسی کی طرح کوئی دوسری چیز واپس کر دی جائے (جیسے اگر ایک روپیہ یا کچھ کھانا لیا ہے اور اس کو خرچ کر دیا ہے تو ایک روپیہ دوسرا اور ویسا ہی کھانا واپس کیا جائے) قرض کا عاریت کے حکم میں ہونا اس بات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ رعایت دینے والے کی طرح قرض دینے والا بھی جب چاہے اپنا قرض واپس لے سکتا ہے خواہ قرض میعاد ہی دیا ہو جیسے عاریت دینے والا اپنی عاریت کا مطالبہ ہر وقت کر سکتا ہے، لہذا جن چیزوں کے مثل کی واپسی ممکن ہو (اصل شے کی واپسی ممکن نہ ہو جیسے روپیہ پیسہ کھانا پھل وغیرہ) تو ان کو قرض دینا بھی جائز ہے اور جن کے مثل کے واپس نہ ہو بلکہ اصل شے کو واپس کرنا ضروری ہو اس کو قرض دینا بھی جائز نہیں، جیسے باندی، غلام، کپڑا، چوپایہ، مکان وغیرہ کیونکہ اس صورت میں نفس شے کو واپس کرنا لازم ہے ایسی چیزیں اگر کسی کو استعمال کے لئے دی جائیں تو اس کو قرض نہیں بلکہ عاریت کہا جائے گا۔ یہی بنیاد ہے جس کی وجہ سے امام اعظمؒ نے جانور، لباس اور باندی، غلام کے بطور قرض دینے کو ناجائز کہا ہے اور علماء کا اجماع ہے کہ قربت صفتی کیلئے کسی کو اپنی باندی قرض دینا جائز ہے۔

مسئلہ :- اگر قرض دار قرض خواہ کو کچھ تحفہ دے یا اپنی سواری پر سوار کرے یا اپنا گھر رہنے کو دیدے اور اس سے پہلے ان کے آپس میں اس قسم کے تعلقات نہ ہوں یا جتنا قرض لیا ہو اس سے بڑھا کر (کچھ اپنی طرف سے بغیر شرط کے) یا اس سے اعلیٰ اور کھری چیز دیدے تو کیا قرض خواہ کے لئے یہ صورتیں جائز ہیں؟

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ناجائز قرار دیتے ہیں۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں اگر غیر شرط کئے قرض دار نے ایسا کیا: تو قرض خواہ کے لئے جائز ہے ورنہ ناجائز ہے۔

آئمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر تم میں سے کوئی کسی کو قرض دے پھر قرض لینے والا کچھ تحفہ دے تو قبول نہ کرے اور اپنی سواری پر سوار کرے تو سوار نہ ہو ہاں۔ اگر پہلے سے اس سے ایسے تعلقات ہوں (تو خیر) رواہ ابن ماجہ۔ بخاری نے تاریخ میں اس لفظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ بدیہ نہ لے۔

سالم بن ابی الجعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا میں نے ایک ماہی فروش کو بیس درہم قرض دیئے تھے پھر اس نے تحفہ میں مجھے ایک مچھلی دی، جس کی قیمت میرے اندازہ کے مطابق تیرہ درہم تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تو اب اس سے (صرف) سات درہم لینا، رواہ ابن الجوزی۔ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تمہارا کسی پر کچھ حق (قرض) ہو اور وہ تم کو گون بھرا بخیر یا جو وغیرہ دے تو تم مت لو وہ سود ہے۔ (رواہ البخاری)۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے قرض کی ممانعت فرمائی ہے، جو نفع کو کھینچ کر لائے۔ (رواہ الحدیث بن اسامہ فی مسندہ) اس روایت کی سند میں ایک راوی سوار بن مصعب ہے جو متروک الحدیث ہے۔ بیہقی نے المعرفة میں بروایت فضالہ بن عبیدان الفاظ کے ساتھ موقوفاً یہ حدیث نقل کی ہے۔ ہر قرض جو کسی قسم کے نفع کو کھینچ کر لائے وہ ایک قسم کا سود ہے۔ سنن کبیر میں بیہقی نے اس حدیث کو حضرت ابن مسعود، حضرت ابی بن کعب، حضرت عبداللہ بن سلام اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم پر موقوفاً درج کیا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو رافع اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ مذکورہ بالا حدیث سے استدلال کیا ہے کہ (جب) صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ہم کو تو اس کی ایک سالہ اونٹنی سے بہتر ہی دست یاب ہو رہی ہے (اس کی اونٹنی کی طرح نہیں ملتی تو) حضور ﷺ نے فرمایا وہی دیدو، تم میں بہترین شخص وہی ہے جو دائے قرض میں سب سے اچھا ہو۔ امام شافعی رحمۃ علیہ کے قول کی تائید حضرت عائشہ کے بیان سے بھی ہوتی ہے، ام المومنینؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کچھ خیر ماروئی ہمسائے باہم قرض دے دیتے ہیں اور واپسی کے وقت کم یا زیادہ واپس کرتے ہیں۔ فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہ تو ہمسایوں کا باہمی حسن سلوک ہے اس سے مقصود بیشی نہیں ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے خیر اور روئی کو بطور قرض لینے دینے کا مسئلہ پوچھا گیا، تو فرمایا سبحان اللہ، یہ تو اچھے اخلاق ہیں کم لے لو زیادہ دیدو، زیادہ لے لو کم دیدو۔ تم میں بہترین وہ شخص ہے جو ادا کرنے میں سب سے اچھا ہو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہی سنا ہے۔ یہ دونوں حدیثیں ابن جوزی نے نقل کی ہیں۔ امام شافعیؒ کے استدلال کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ ہمسایوں کے تعلقات میں یہ خوشگواہی اور (کمی بیشی کے ساتھ) لین دین تو ہوتا ہی ہے (خواہ کوئی کسی سے قرض لے یا نہ لے) اور ہماری گفتگو کا موضوع وہ صورت ہے جب پہلے سے ایسے تعلقات نہ ہوں۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک روئی اور خیر کا لین دین بطور قرض ناجائز ہے۔ جمہور کے نزدیک مذکورہ بالا دونوں حدیثوں کی روشنی میں درست ہے۔ قائلین جواز میں سے کوئی قائل ہے کہ وزن کر کے قرض کا لین دین ہونا چاہئے اور کسی نے کہا کہ شمار سے ہونا چاہئے۔ واللہ اعلم۔

فَاَكْتَبُوا لَهُ یعنی آئندہ نزاع کو دور کرنے اور معاملہ کو پختہ کرنے کے لئے عقد کو (مع تفصیل) لکھ لیا کرو جمہور کے نزدیک لکھنے کا حکم احتجابی ہے واجب نہیں۔ اگر نہ لکھا جائے تب بھی کوئی حرج نہیں جیسے آیت فاذا قضيت الصلوة فانتشروا میں نماز ختم ہو جانے کے بعد منتشر ہو جانے کا حکم ہے۔ بعض علماء نے امر کو وجوبی کہا ہے یعنی لکھ لینا واجب ہے۔ شعبی نے کہا کہ ہن اور قرض کو مع گواہوں کے لکھنا فرض تھا لیکن آیت فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اُوْتِيَ اَمَانَتَهُ سے وجوب منسوخ ہو گیا۔

میں کہتا ہوں ناخ کا زمانہ منسوخ سے پیچھے ہونا چاہئے اور مذکورہ دونوں آیتیں ایک ہی وقت میں نازل ہوئیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تحریر وغیرہ کا حکم احتجابی ہے۔

وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ یعنی لکھنے والا انصاف کے ساتھ طرفین کے حقوق کا لحاظ رکھ کر تحریر لکھے، کمی بیشی نہ کرے۔ کاتب کو عدل کے ساتھ لکھنے کا حکم وجوبی ہے۔ ذیلی طور پر فریقین کے معاملہ کے لئے بھی یہ حکم نکلتا ہے کہ سمجھدار دیندار کاتب کا انتخاب کریں۔

وَلَا يَأْتِ كَاتِبٌ اَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ یعنی جس کو لکھنا آتا ہو وہ لکھنے سے انکار نہ کرے جس طرح اللہ نے اس کو لکھنا سکھایا ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ نے جس طرح اپنے کرم سے اس کو لکھنا سکھایا ہے۔ ویسا ہی وہ بھی دوسروں کو اپنے فن سے فائدہ پہنچائے۔ دوسری آیت ہے اَحْسِنُ اللّٰهُ اَلَيْكَ جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے اسی طرح تم بھی لوگوں سے بھلائی کرو۔

ﷺ نے اہل کتاب کے باہم ایک فریق کی دوسرے فریق پر شہادت کو جائز قرار دیا ہے۔ رواہ ابن ماجہ۔
 تفصیلی حدیث اس طرح ہے کہ یہودی ایک مرد اور ایک عورت کو لے کر خدمت گرامی میں حاضر ہوئے، دونوں باہم زنا کے مرتکب ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں سے فرمایا کیا وجہ ہے کہ تم خود ان دونوں کو شرعی سزا نہیں دیتے۔ کہنے لگے جب ہماری حکومت تھی تو ہم خود ایسا کیا کرتے تھے اب ہماری حکومت نہیں رہی اس لئے ہم خود ایسا کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ فرمایا تم اپنے سب سے بڑے دو عالم میرے پاس لے آؤ۔ یہودی صوریا کے دونوں بیٹوں کو لے آئے۔ آپ نے ان سے فرمایا کیا تم اپنے لوگوں میں سب سے بڑے عالم ہو انہوں نے جواب دیا لوگ ایسا ہی کہتے ہیں۔ فرمایا میں تم کو اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے تورات موسیٰ پر نازل کی تھی کہ تورات میں تم کو ان دونوں کی سزا کیا ملتی ہے انہوں نے عرض کیا کہ اگر چار آدمی شہادت دیں کہ انہوں نے مرد کو عورت کے اندر داخل کرتے اس طرح دیکھا جیسے سرمہ دانی میں سلائی داخل کی جاتی ہے تو مرد کو سنگسار کر دیا جائے۔ ارشاد فرمایا تو گواہ پیش کرو۔ چنانچہ چار آدمیوں نے شہادت دی اور حضور ﷺ نے ان دونوں مجرموں کو سنگسار کرادیا۔ رواہ ابو داؤد و اسحاق بن راہویہ و ابو یعلیٰ الموصلی و البزازی و الدارقطنی۔ طحاوی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں میرے پاس اپنے میں سے چار مرد لے آؤ جو شہادت دیں۔ یہ دونوں حدیثیں سند کے لحاظ سے ضعیف ہیں دونوں میں انتہا تنہا مجاہد بن سعید پر ہوتی ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہد کے متعلق فرمایا وہ کچھ نہیں ہے۔ اور یحییٰ نے کہا اس کی حدیث حجت میں نہیں پیش کی جاسکتی۔

(یعنی اگر وہ گواہ دو مرد نہ ہوں یعنی دو مردوں کو گواہ بنانا میسر نہ آ سکے۔

فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ تَارِجُلَيْنِ

فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ
 تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنالیا جائے۔ دو مردوں کے میسر نہ آنے کی صورت میں ایک مرد اور دو عورتوں کو شاید بنانے کی صراحت بتا رہی ہے کہ دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہیں۔ اصل تو یہی ہے کہ عورتوں کی شہادت نہ لی جائے لیکن ایک مرد کا بدل دو عورتوں کو مان لیا گیا ہے اسی شبیہ بدلیت کی بنا پر ان حدود و قصاص میں جن کا سقوط ادنیٰ اشتباہ سے ہو جاتا ہے۔ عورتوں کی شہادت اجماعاً غیر معتبر ہے۔ اس کی تائید زہری کے اس قول سے ہوتی ہے جو ابن ابی شیبہ نے بروایت حفص از عجاج بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد دونوں خلفاء کا طریقہ یہی رہا ہے کہ حدود و قصاص میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں۔

یہ حدیث مرسل ہے اور ہمارے نزدیک مرسل قابل احتجاج ہے۔ حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے خصوصی ذکر کی وجہ یہ ہے کہ انہی حضرات کے زمانہ میں بیشتر قوانین شرع کا قیام اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم ہوئے ہیں۔ ان کے بعد تو صرف اتباع (سابق) ہوا (تاسیس، ضوابط اور انعقاد اجماع بہت کم ہوا) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ان دونوں کی اقتداء کرنا جو میرے بعد (خليفة) ہوں گے ابو بکر و عمر، رواہ الترمذی عن حذیفہ۔

ابن حجر نے لکھا ہے کہ ابن ابی شیبہ کی روایت کی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بروایت عقیل زہری کا قول نقل کیا ہے اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ عورتوں کی شہادت حدود و قصاص میں جائز نہیں اور نہ نکاح میں اور نہ طلاق میں۔

لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت پایہ صحت کو نہیں پہنچی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے کہ صرف مالی معاملات میں یا ان کے توابع میں عورتوں کی شہادت درست ہے۔ جیسے اجازت، خیال کی شرط، شفعہ، اجارہ، قتل خطاء اور ہر زخم جس میں مالی تاوان دینا پڑتا ہے۔ ان کے سوائے دوسرے امور میں عورتوں کی شہادت درست نہیں جیسے نکاح، طلاق، وکالت، وصیت، غلام کی آزادی، طلاق سے رجوع اور ثبوت نسب وغیرہ۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قائل ہیں کہ سوائے حدود و قصاص کے تمام حقوق میں عورتوں کی شہادت درست ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتیں بہر حال یہ شہادت ایک خبر کی حیثیت رکھتی ہے جس میں غلطی کا احتمال ہے اس سے مدعی کا دعویٰ یعنی طور پر ثابت نہیں ہو سکتا۔ ہو سکتا

ہے کہ مدعی علیہ سچا ہو اور گواہ جھوٹے ہوں، اس لئے مدعی علیہ مجبور نہیں ہو سکتا کہ وہ ضرور ہی شہادت کو سچا تسلیم کرے، لیکن شہادت کا ثبوت نص قرآنی سے ہے اس لئے تقاضائے قیاس کے خلاف ہوتے ہوئے بھی شاہدوں کی شہادت قبول کی جاتی ہے مگر جو حکم خلاف قیاس ہو اس کا حصر صرف اسی مقام پر ہوتا ہے جو نص میں آگیا ہو اس لئے عورتوں کی شہادت اسی معاملہ میں جائز ہوگی جو نص میں آگیا ہے یعنی مالی معاملات میں۔ دیکھو اللہ نے رجعت کے متعلق فرمایا **وَأَشْهِدُوا ذَوَىٰ عَدْلٍ مِّنكُمْ** اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا **لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيِّيٍّ وَشَاهِدَيْ عَدْلٍ**۔ لہ

یہ حدیث حضرت عائشہ، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم کی روایت سے دارقطنی نے لکھی ہے لیکن نقل حدیث کی بات ہی اور ہے (کہ عورتوں کی روایت محدثین قبول کرتے ہیں) راوی کی روایت سے کسی مسلمان پر کسی حکم کا لزوم نہیں ہو جاتا، مسلمان پر تو پہلے ہی سے اللہ کے احکام کی پابندی لازم ہے۔ اس کو صرف علم احکام کی طلب ہوتی ہے اور علم کے راستہ کا وہ طلب گار ہوتا ہے اب اگر کسی یقینی راستہ سے اس کو علم ہو گیا تو اس کو حکم کا یقین بھی ہو جاتا ہے اور اس پر وہ عمل بھی بطریق یقین کرتا ہے اور اگر کسی ظنی راستہ سے اس کو علم ہوتا ہے تو اس کو یقینی علم حاصل نہیں ہوتا ظنی ہوتا ہے مگر وہ ثواب کی امید یا عذاب کے خوف سے اس پر عمل کرتا ہے بشرطیکہ کسی دوسرے قوی طریق روایت سے اول حکم کے خلاف کوئی دوسرا حکم اس کو نہ پہنچا ہو اور یہ بات تقاضائے عقل کے موافق ہے۔ پھر قطعی نصوص اور اجماع سے بھی احادیث آحاد کا موجب عمل ہونا ثابت ہے اس لئے اخبار آحاد کے ظنی العلم ہونے کے باوجود عمل کرنا واجب ہے یہی وجہ ہے کہ روایت احادیث میں وہ شرطیں ضروری نہیں جو شہادت کے لئے لازم ہیں یعنی آزادی اور تعداد اور مرد ہونا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ قبول شہادت بے شک خلاف قیاس ہے اور محض تعمیل حکم ہے لیکن قبول شہادت کا حکم تو بالا جماع تمام ہی حقوق میں ہے مالی حقوق ہوں یا غیر مالی اور اس آیت کی عبارت سے عورتوں کی شہادت قبول کرنے کا حکم ثابت ہو رہا ہے لہذا اور دوسرے حقوق میں قبول شہادت کا حکم دلالت بطریق اولیٰ یا کم سے کم بطریق مساوی معلوم ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ انسانی حقوق کی حفاظت کی خاطر قبول شہادت کا حکم ہے اور حقوق عام ہیں مالی ہوں یا آبرو اور حرمت سے تعلق رکھنے والے بلکہ حرمت نسوانی و آبرو کا تحفظ تو اور بھی اولیٰ ہے یا کم سے کم حفاظت مالی کے برابر ہے۔ رسول

۱۔ حاشیہ از مؤلف، فائدہ نمبر ۱۔ اعلان نکاح باجماع علماء ضروری ہے اکثر علماء کہتے ہیں کہ یہ اعلان دو مردوں کی شہادت سے ہو جاتا ہے امام مالکؒ اس کو کافی نہیں سمجھتے، بہر حال باجماع علماء اعلان نکاح ضروری ہے اور اجماع سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے، کتاب اللہ میں **فَإِنْ كُنْتُمْ مَّا طَابَ لَكُمْ أَوْ رَاحِلَ لَكُمْ مَّا وَرَاءَ ذَلِكَ** اعلان کی شرط کے بغیر آیا ہے۔

فائدہ نمبر ۲۔ امام احمدؒ نے فرمایا شہادت نکاح (کے ضروری ہونے کا ذکر) کسی روایت میں نہیں، ابن منذر کا بھی یہی قول ہے اب اگر شبہ کیا جائے کہ نکاح کے لئے شہادت کی شرط جب کسی روایت میں نہیں آئی تو نکاح میں شہادت کو کیوں ضروری قرار دیا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ **أَعْلِنُوا النِّكَاحَ** صحیح حدیث ہے، جس کو امام احمدؒ اور ابن حبانؒ اور طبرانی نے بیان کیا ہے، نیز مستدرک میں حاکمؒ نے اور حلیہ میں ابو نعیمؒ نے حضرت ابن زبیرؒ کی روایت سے اور ترمذی نے حضرت عائشہؓ کے حوالے سے نقل کیا ہے اور حسن قرار دیا ہے۔ جب اس حدیث کی رو سے نکاح کا اعلان ضروری قرار پایا تو اب امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ اعلان کی آخری حد تو کوئی نہیں ہو سکتی (لاکھ، دو لاکھ، کروڑ، ارب ساری دنیا کہاں کہاں اطلاع نکاح پہنچائی جائے) اس لئے اولیٰ درجہ یعنی دو شاہدوں کی شہادت کافی ہے، شریعت نے اظہار کے اسی طریقہ کو معتبر مانا ہے، دو آدمیوں کی شہادت کے بعد نکاح پوشیدگی کے پردہ سے نکل جاتا ہے، کرنی کہتے ہیں (کہ شاہدوں کی شہادت ادا کرنا ضروری نہیں) جب حاضرین نکاح کے وقت موجود ہوں تو نکاح سری نہیں رہتا علانیہ ہو جاتا ہے، امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اعلان نکاح دف بجانے سے بھی ہوتا ہے اور نکاح کے بعد اطلاع دینے سے بھی لیکن اگر دو مردوں کو نکاح کا گواہ بنانے کے بعد ان سے کہہ دیا جائے کہ کسی کو نکاح کی اطلاع نہ دینا تو اعلان (کا فائدہ) فوت ہو جاتا ہے، میں کہتا ہوں کہ بقاء اعلان کی شرط تو بالا جماع نہیں ہے، نکاح ہو جانے کے بعد کو چھپانے یا انکار کر دینے سے نکاح فسخ نہیں ہو جاتا اور دف سے اعلان تو انعقاد نکاح کے بعد ہوتا ہے (جو غیر ضروری ہے) اسی لئے ہم نے دو گواہوں کا ایجاب و قبول کے وقت حاضر ہونا اور ایجاب و قبول کو سنا ضروری قرار دیا ہے تاکہ انعقاد نکاح کے وقت اعلان نکاح ہو یعنی چھپ کر نکاح نہ ہو گواہوں کے سامنے ہو۔

اللہ ﷺ کا ارشاد ہے تمہارے مال کی حرمت تمہاری جانوں کی حرمت کی طرح ہے۔ حجۃ الوداع میں قربانی کے دن حضور اقدس ﷺ نے اپنے خطبہ میں فرمایا تھا۔ تمہارے خون تمہارے مال اور تمہاری آبرو میں حرمت والی ہیں۔ (نہ کسی کی آبروریزی جائز ہے، نہ قتل و خون ریزی، نہ مال کی چوری اور غصب) یہ حدیث صحیحین میں موجود ہے۔ ایک اور حدیث ہے جس کو امام احمد اور ابن حبان نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو اپنے مال کو بچانے میں مارا گیا وہ شہید ہے اور جو اپنی جان کی حفاظت میں مارا گیا وہ شہید ہے اور جو اپنے دین کو بچانے میں مارا گیا وہ شہید ہے اور جو اپنی بیوی بچوں کی حفاظت میں مارا گیا وہ شہید ہے۔ رہی یہ بات کہ حدود و قصاص میں عورتوں کی شہادت بالاجماع نامقبول ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حدود وغیرہ شہادت سے ساقط ہو جاتی ہیں مگر نکاح کی کیفیت تو ایسی نہیں (کہ شہادت سے ساقط ہو جائے)۔

رہی آیت وَأَشْهَدُوا ذَوٰی عَدْلٍ مِّنْكُمْ تو اس سے عورتوں کی شہادت کا غیر مقبول ہونا ثابت نہیں ہوتا اور ایک نص پر زیادتی دوسری نص کی دلالت سے اجماعاً جائز ہے باقی حدیث لانکاح الابولی و شہدے عدل سے استدلال تو یہ حدیث ہی نہیں ہے۔ حضرت عائشہؓ والی روایت میں تو ایک راوی محمد بن یزید سنن ہے جس کو امام احمد نے ضعیف، یحییٰ نے غیر ثقہ اور نسائی نے متروک الحدیث کہا ہے اور دارقطنی نے اس کو اور اس کے باپ کو ضعیف قرار دیا ہے اور دوسری سند میں نافع بن مسیر ابو خطیب مجہول ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی حدیث کے سلسلہ میں نہاش ہے جس کو یحییٰ نے ضعیف کہا ہے اور ابن عدی نے ہیج قرار دیا ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ والی حدیث میں بکر بن بکر ہے جس کے متعلق یحییٰ نے کہا ہے کہ یہ کچھ نہیں ہے اسی سند میں ایک راوی عبد اللہ بن محرز ہے جو دارقطنی کے نزدیک متروک ہے۔ حضرت ابن عمر والی حدیث میں ثابت بن زہیر منکر الحدیث ہے۔ اس کی روایت کردہ احادیث روایات ثقات کے خلاف ہیں اسی لئے یہ قائل احتجاج ہمیں کذا اقال ابو حاتم و ابن عدی و ابن حبان۔ مسئلہ :- اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس طرح غیر مالی امور میں بالاجماع ایک شاہد کی شہادت مدعی کی قسم کے ساتھ ملا کر ڈگری دینے کے لئے کافی نہیں اسی طرح مالی امور میں مدعی کی قسم اور اس کے ساتھ ایک شہادت پر فیصلہ کرنا جائز نہیں۔ جمہور کے نزدیک اگر مالی امور ہوں تو ایک شاہد کی شہادت کافی ہے بشرطیکہ مدعی سے صداقت وعدی پر قسم لے لی جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شاہد کی شہادت کے ساتھ مدعی کی قسم کی بناء پر ڈگری دے دی تھی۔ اس حدیث کو ابن جوزی نے حضرت جابرؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت سے نقل کیا ہے اور حضرت عمر، حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ، ابن عمر، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابو سعید خدری، حضرت سعد بن عبادہ، حضرت عامر بن ربیعہ، حضرت سہل بن سعد، حضرت عمارہ بن خرم، حضرت عمرو بن حزم، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت بلال بن حارث، حضرت سلمہ بن قیس، حضرت انس بن مالک، حضرت تمیم داری، حضرت زینب بنت ثعلبہ اور حضرت بقیہ بن عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مروی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس حدیث کو امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ، بیہقی اور طحاوی رحمہم اللہ نے بسلسلہ عبد الوہاب بن عبد الجید ثقفی بحوالہ جعفر بن محمد عن ابیہ نقل کیا ہے، ترمذی نے یہ بھی کہا ہے کہ اس حدیث کو ثوری وغیرہ نے بیان کیا ہے یعنی ثوری نے بروایت مالک از جعفر از محمد مرسل نقل کیا ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ دارقطنی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت سے الفاظ حدیث اس طرح نقل کئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک گواہ اور صاحب حق کی قسم پر ڈگری دے دی۔ یہ سلسلہ منقطع ہے۔

دارقطنی نے العلل میں لکھا ہے کہ حضرت جعفر نے اس کو کبھی مرسل بیان کیا ہے اور کبھی موصول امام شافعی اور بیہقی نے بیان کیا کہ عبد الوہاب نے اس کو موصولاً نقل کیا ہے اور عبد الوہاب ثقہ ہے میں کہتا ہوں کہ ذہبی نے لکھا ہے کہ عبد الوہاب آخر میں مختلط الحواس ہو گیا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ (مدعی کی) قسم پر مع ایک گواہ کے رسول اللہ ﷺ نے ڈگری دے دی۔ اس حدیث کو ابو داؤد اور طحاوی نے بیان کیا ہے۔ ترمذی نے اسکو حسن کہا ہے لیکن طحاوی نے اس کو منکر کہا ہے کیونکہ اس کے سلسلے میں قیس بن سعد رلوی ہے اور قیس کے مروی عنہ عمرو بن دینار ہیں۔ طحاوی نے کہا ہم نہیں جانتے کہ قیس نے عمرو بن دینار سے کوئی حدیث بھی روایت کی ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک گواہ اور قسم پر ڈگری دے دی اس روایت کو امام شافعی اور اصحاب السنن اور ابن حبان نے بیان کیا ہے اور ابن ابی حاتم نے اس کو صحیح کہا ہے۔ اس حدیث کو سہیل بن ابو صالح نے بروایت ابو صالح بیان کیا ہے اور ربیعہ بن ابو عبد الرحمن نے بھی سہیل سے سنا ہے لیکن سہیل کی یادداشت اپنے شیخ کے متعلق بگڑ گئی تھی، کیونکہ وہ کہتا تھا کہ مجھ سے ربیعہ نے کہا کہ میں نے ربیعہ کو اپنے باپ کی روایت سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول کی اطلاع دی ہے یہ قصہ شافعی اور طحاوی نے بروایت در آور دی بیان کیا ہے، بیہقی نے یہ حدیث بروایت مغیرہ بن عبد الرحمن ابو زیاد از اعرج از ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کی ہے امام احمد کا قول منقول ہے کہ اس موضوع کی احادیث میں اعرج کی حدیث سے زیادہ صحیح کوئی اور سلسلہ نہیں۔ طحاوی نے بروایت سہیل بن ابی صالح از ابیہ حضرت زید بن ثابت کے حوالہ سے حدیث مذکور لکھی ہے اور حدیث کے منکر ہونے کی صراحت کی ہے کیونکہ بقول طحاوی ابو صالح کی کوئی روایت زید سے معلوم نہیں اس کے علاوہ اس سند کے سلسلہ میں عبد اللہ بن وہب کا شیخ عثمان بن الحکم بھی ہے جو اس پایہ کا شخص نہیں کہ اسکی روایت سے ایسی حدیث ثابت کی جاسکے۔ میں کہتا ہوں ذہبی کا قول ہے کہ ابو حاتم کے نزدیک ابن وہب کا شیخ عثمان بن الحکم جرمی حکم نہ تھا

امام اعظمؒ نے فرمایا اگر یہ حدیث صحیح بھی ثابت ہو جائے تب بھی خبر آحاد ہے جس سے کتاب اللہ پر زیادتی ناجائز ہے۔ پھر یہ اس حدیث کے بھی خلاف ہے جو اس سے زیادہ قوی ہے۔ یحییٰ بن یحییٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو ان کے دعوے کے مطابق دے دیا جائے تو کچھ لوگ لوگوں کے خون اور مال کا دعویٰ کرنے لگیں گے۔ لیکن قسم مدعی علیہ پر (عائد ہوتی) ہے۔ بیہقی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں اور گواہ (پیش کرنا) مدعی کے ذمہ ہے اور (بصورت عدم شہادت) قسم منکومہ (عائد ہوتی) ہے۔ عمرو بن شعیب کی روایت اس طرح ہے کہ گواہ (پیش کرنا) مدعی کے ذمہ ہے اور قسم مدعی علیہ پر۔ رواہ الدارقطنی والترمذی۔

حضرت وائل بن حجر کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدعی سے فرمایا اپنے گواہ لاؤ اس نے عرض کیا میرے گواہ نہیں ہیں فرمایا تو اس کی قسم (لے لو) اس نے عرض کیا اس وقت تو اس کو یعنی زمین کو لے جائے گا۔ ارشاد فرمایا اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ (رواہ الطحاوی بطریق)، اب دونوں حدیثوں کا تعارض اس طرح دور کیا جائے گا رسول اللہ ﷺ نے جنس قسم کو مدعی علیہ کے ذمہ قرار دیا اور مدعی پر عائد ہونے والی چیز سوائے، جنس قسم کے اور کچھ نہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات ہے کہ جب مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان تقسیم کردی گئی کہ ایک کے ذمہ شہادت پیش کرنا ہے اور دوسرے کے ذمہ قسم کھانا تو پھر قسم اور شہادت دونوں ایک شخص پر کس طرح ہو سکتے ہیں، تقسیم مخالف اشتراک ہے۔

طحاوی نے شافعی کی پیش کردہ حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ حدیث قضی بالشہاد والیمن کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ یحییٰ بن مراد ہو یحییٰ مدعی دوسرا یہ کہ جب مدعی ایک شہادت سے زیادہ نہ لاسکا تو رسول اللہ ﷺ نے اس شہادت کی پرواہ نہیں کی اور مدعی علیہ سے قسم لی تاکہ اسکے حق میں فیصلہ ہو سکے اس حدیث سے یہ نتیجہ نکلا کہ صرف دعویٰ کرنے سے مدعی کو مدعی علیہ سے قسم لینے کا استحقاق ہو جاتا ہے ایسا نہیں ہے کہ دعویٰ دائر کرنے کے بعد پہلے مدعی یہ ثابت کرے اور گواہ پیش کرے کہ اسکے اور مدعی علیہ کے درمیان کچھ تعلقات اور روابط تھے (جن کی وجہ سے باہم یمن دین یا مالی رد و بدل ہو اور پھر معاملات میں اختلاف ہو اور نحوہت دعوے تک پہنچی) جیسا کہ بعض لوگوں کا قول ہے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ الشاہد جس کی تہا شہادت پر رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کر دیا خزیمرہ ہوں کیونکہ حضرت خزیمرہؓ کو رسول اللہ ﷺ نے دو شاہدوں کے برابر قرار دیا تھا (گویا یہ واقعہ حضرت خزیمرہؓ کا ہے جس کا حدیث میں ذکر ہے عام ضابطہ کا اظہار حدیث میں نہیں ہے) مگر میرے نزدیک یہ توجیہ بہت ہی بعید از قرآن ہے (سیاق حدیث کے خلاف ہے)

ہاں یہ تاویل ہو سکتی ہے کہ الشاہد میں الف لام عہدی ہو (اور ایک شاہد مراد نہ ہو بلکہ) وہ شاہد مراد ہو جس کو شریعت نے (فیصلہ خصوصیات کے لئے) شاہد تسلیم کیا ہے یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اور الیمین میں بھی الف لام عہدی ہو (یعنی وہ الیمین جس کا شریعت نے حکم دیا ہے اور اس کو بصورت عدم شہادت تسلیم کیا ہے) یعنی منکر کی قسم۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الشاہد اور الیمین میں الف لام جنسی ہو جیسا کہ حدیث البینۃ علی المدعی والیمین علیٰ من انکر میں ہے مطلب یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ صرف شاہد اور الیمین پر مبنی تھا (خواہ شہادت اور قسم چکی ہو یا جھوٹی) وحی وغیرہ پر مبنی نہ تھا (وحی اور انکشاف قلبی کا دخل فصل مقدمات میں نہ تھا) یا یوں کہا جائے کہ الف لام جنسی ہی ہے اور الیمین سے مراد ہے شاہد کی قسم یعنی رسول اللہ ﷺ نے شاہد کی شہادت مع القسم پر فیصلہ کر دیا مطلب یہ کہ اس سے لفظ اشہد کہلوایا کیونکہ اشہد بجائے خود صیغہ قسم ہے اور قبول شہادت کے لئے لفظ اشہد کہنا لازم ہے (بغیر اشہد کہنے کے شہادت شہادت نہ رہے گی ایک اطلاع ہو جائے گی)۔

یہ توجیہات اگرچہ بعید ہیں لیکن نصوص کے تعارض کو دور کرنے کیلئے ان کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے، واللہ اعلم۔ اصل بات یہ ہے کہ اس مسئلہ کی بناء اس اختلافی بحث پر ہے جو اصول فقہ میں ائمہ کے درمیان موجود ہے کہ خبر آحاد سے کتاب اللہ کے مفہوم پر زیادتی دوسرے اماموں کے نزدیک درست ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک جائز نہیں (پس حدیث مذکور میں جو ایک شہادت کو مع حلف مدعی کافی قرار دیا گیا، یہ حدیث خبر واحد ہے اور قرآن نے جو دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی تعداد شہادت بیان کیا ہے اس کے بیان پر اس حدیث نے زیادتی کی ہے اور خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں لہذا ایک شہادت مع قسم مدعی کی ڈگری کے لئے کافی نہیں، دوسرے ائمہ کا قول اس کے برعکس ہے)۔

مسئلہ :- جن امور کی اطلاع مردوں کو عموماً نہیں ہوتی ان میں تہا عورتوں کی شہادت اجماعاً کافی ہے جیسے بچہ کی پیدائش، دوشیزگی، عورتوں کے اندرونی عیوب وغیرہ، امام اعظم رحمۃ اللہ کے نزدیک ایسے امور میں صرف ایک مسلمان آزاد صالح، عورت کی شہادت کافی ہے اور دو ہوں تو زیادہ مناسب ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک دو ہونا ضروری ہیں ایک کافی نہیں۔ امام شافعیؒ چار عورتوں کی شہادت ضروری قرار دیتے ہیں کیونکہ دو عورتوں کی شہادت کو ایک مرد کی شہادت کے قائم مقام شریعت نے مانا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کیا عورت کی شہادت مرد کی شہادت سے آدھی نہیں ہے؟

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شہادت میں دو چیزیں ضروری ہیں تعداد اور گواہ کا مرد ہونا۔ ضرورت کے زیر اثر مرد ہونے کی شرط ساقط کر دی گئی لیکن تعداد کی شرط کو ساقط کرنے کی کوئی وجہ نہیں وہ باقی رہے گی، حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ امام محمد بن حسنؒ نے بروایت امام ابو یوسفؒ بوساطت غالب بن عبد اللہ از مجاہد بیان کیا ہے کہ سعید بن مسیب اور عطاء بن ابی رباح اور طاؤس نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جن امور کو مرد (عادۃ اور معمولاً) نہیں دیکھ سکتے ان میں عورتوں کی شہادت جائز ہے۔ یہ حدیث مرسل ہے (صحابی کا حوالہ نہیں دیا گیا) اور اس پر عمل واجب ہے۔ النساء میں الف لام جنسی ہے کوئی معمود متعین نہیں لہذا ایک شہادت کافی ہے زیادہ ہوں تو بہتر ہے۔

عبد الرزاق نے بروایت ابن جریج زہری کا قول بیان کیا ہے جس کو ابن ابی شیبہ نے بھی نقل کیا ہے کہ طریقہ (یعنی طریقہ رسول و خلفاء) یونہی چلا آیا ہے کہ جن امور پر مرد مطلع نہیں ہوا کرتے جیسے بچوں کی پیدائش اور عورتوں کے خصوصی عیوب ان میں عورتوں کی شہادت جائز ہے۔ عبد الرزاق نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ سوائے ان امور

کے جن پر عورتیں ہی مطلع ہوتی ہیں یعنی عورتوں کی اندرونی چیزیں۔ دوسرے امور میں تنہا عورتوں کی شہادت کافی نہیں۔ اس اثر کی تخریج دوسرے طریقوں سے بھی کی گئی ہے (مختلف سندوں سے حضرت ابن عمر کا یہ قول مروی ہے)۔

حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے دایہ کی شہادت کو جائز رکھا ہے۔ اس حدیث کو دارقطنی نے بروایت محمد بن عبد الملک از اعش بیان کیا ہے لیکن یہ بھی کہ دیا کہ محمد بن عبد الملک نے اعش سے خود سماعت نہیں کی دونوں کے درمیان کوئی تیسرا شخص نامعلوم ہے۔

مِمَّنْ تَرْضَوْنَ ان لوگوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو، یعنی جو شہادت میں متہم نہ ہوں، فاسق ہونا، شرافت نفس کی پاسداری نہ ہونا، شاہد اور مدعی علیہ کے درمیان دنیوی عداوت ہونا، مدعی اور شاہد کے درمیان قرابت (قریبہ) ہونا یہ تمام چیزیں شاہد کی شہادت کو متہم کر دیتی ہیں فاسق کی شہادت با اتفاق علماء قابل قبول نہیں۔ روایت و خبر میں راوی کا عادل ہونا ضروری ہے اللہ نے فرمایا ہے اِنْ جَاءَكُمْ فَايِسُقُ كِبْنًا فَنَبِّئُوْا۔ تو شہادت میں بدرجہ اولیٰ عادل ہونے کی شرط لازم ہے (کیونکہ خبر سے کسی پر کوئی حکم لازم نہیں ہو جاتا اور شہادت سے حق لازم ہو جاتا ہے)۔

عدالت کا معنی ہے واجبات کو ادا کرنا اور کبائر سے پرہیز رکھنا اور صغیرہ گناہوں پر جمانہ رہنا، تفسیر کبائر میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ اللہ کا سا جھبی بنانا، جادو کرنا، کسی کو مار ڈالنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جماد میں معرکہ سے بھاگنا، محسن ایماندار عورتوں کو زنا کی تہمت لگانا، (متفق علیہ بروایت حضرت ابو ہریرہ) ماں باپ کی نافرمانی کرنا، دانستہ جھوٹی قسم کھانا (بخاری بروایت حضرت عبد اللہ بن عمرو) جھوٹی گواہی دینا (متفق علیہ بروایت حضرت انس و حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما)۔

حضرت انسؓ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا میں تم کو سب سے بڑے گناہ نہ بتا دوں، شرک اور والدین کی نافرمانی۔ حضور اقدس ﷺ اس وقت تکیہ کا سہارا لگائے ہوئے تھے اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا سن لو اور جھوٹ بولنا، سن لو اور جھوٹی شہادت دینا، حضور ﷺ ان الفاظ کو بار بار فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے (دل میں) کہا کہ کاش حضور (ﷺ) خاموش ہو جاتے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ زانی زنا کرتے وقت بحالت ایمان زنا نہیں کرتا (الحديث) چوری کرنا، شراب پینا، لوثنا، مال غنیمت میں خیانت کرنا (یہ بھی کبائر ہیں) رواہ البخاری عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا چار خصلتیں ہیں جس میں یہ چاروں ہوں گی وہ خالص (عملی) منافق ہو گا اور جس میں ان چاروں میں سے کوئی ایک ایک خصلت ہوگی اس میں نفاق کی خصلت رہے گی تا وقتیکہ اس کو ترک نہ کر دے۔ امانت میں خیانت کرے، بات کرے تو جھوٹی کہے، معاہدہ کرنے کے بعد توڑ دے، جھگڑے کے وقت فحش بکے (متفق علیہ بروایت حضرت عبد اللہ بن عمرو، بخاری و مسلم میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) آیا ہے کہ حضور ﷺ نے مؤخر الذکر دونوں خصلتوں کی بجائے فرمایا کہ وعدہ کر کے اس کے خلاف کرے (گویا نفاق کی تین خصائص بتائیں امانت میں خیانت، دروغ گوئی اور وعدہ خلافی)۔

بعض علماء نے کہا کہ کبیرہ وہ گناہ ہے جس کی کوئی دنیوی سزا (شرعاً) مقرر ہو۔ بعض نے کہا کہ کبیرہ وہ ہے جس کی حرمت نص قرآنی میں آئی ہو۔ بعض نے کہا کبیرہ وہ ہے جو بعینہ حرام ہو جیسے لواطت۔ عمرو بن شعیب نے اپنے باپ کی معرفت حضرت عبد اللہ بن عمرو کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خائن مرد و عورت کی شہادت جائز نہیں اور نہ کسی کینہ رکھنے والے کی اپنے بھائی (مسلمان) کے خلاف اور نہ گھروالوں کی طرف سے قانع کی شہادت، دوسروں کے لئے اس کی شہادت جائز ہے۔ قانع و شخص ہے جس کا خرچ اس کے گھروالوں کے ذمہ ہو، رواہ احمد و ابوداؤد و ابن ماجہ و ابن دقیق العید و البیہقی، ابو داؤد کی روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ نہ خائن عورت کی اور نہ زانی کی اور نہ زانیہ کی، ابن جوزی نے لکھا ہے کہ اس سند میں ایک راوی

محمد بن راشد ضعیف ہے لیکن متفق میں ہے کہ امام احمد نے اس کو ثقہ مانا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شہادت درست نہیں خائن مرد کی، نہ خائن عورت کی، نہ اس شخص کی جس کو سزا میں کوڑے مارے گئے ہوں، نہ کسی دشمن کی اپنے (دشمن) بھائی کے خلاف، نہ قانع کی اپنے گھر والوں کے لئے، نہ اس شخص کی جس پر ولادت یا قرابت کا گمان کیا گیا ہو (یعنی باپ کی بیٹی کے لئے یا بیٹی کی باپ کے لئے یا کسی رشتہ دار کی رشتہ دار کے لئے) (رواہ الترمذی والد ار قطنی وابن ماجہ) بروایت یزید بن زیاد الدمشقی، یزید بن زیاد ضعیف ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جائز نہیں ہے شہادت باپ کی، نہ ماں کی اولاد کے لئے، نہ عورت کی اپنے شوہر کے لئے، نہ شوہر کی اپنی بی بی کے لئے، نہ غلام کی اپنے آقا کے لئے، نہ آقا کی اپنے غلام کے لئے، نہ شریک کی اپنے شریک کے لئے جب کہ اس چیز کے متعلق ہو جس میں دونوں کی شرکت ہے لیکن دوسری چیز کے متعلق جائز ہے اور نہ مزدور (یا ملازم) کی اس شخص کے لئے جس کا مزدور (یا ملازم) ہو، رواہ الخصاف بسند۔

مسئلہ :- امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا حاکم گواہ کی ظاہری عدالت کو دیکھ لے انتہی اس کے لئے کافی ہے لیکن اگر فریق ثانی گواہ کی عدالت پر طعن کرے تو حاکم اس کے احوال دریافت کرے۔ صاحبین کے نزدیک ظاہر باطن ہر طرح سے شاہد کے احوال دریافت کرنا حاکم پر لازم ہے خواہ فریق ثانی گواہ کے چال چلن پر جرح کرے یا نہ کرے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا جس گواہ کا صالح ہونا مشہور ہو اس کے احوال دریافت نہ کرے اور جس کا فاسق ہونا مشہور ہو اس کی شہادت رد کر دے اور جس کے صالح اور فاسق ہونے میں تردد ہو اس کے احوال دریافت کرے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سوائے اس شخص کے جس کو زنا کی تہمت تراشی کی وجہ سے کوڑوں کی سزا دی گئی ہو باقی مسلمان باہم عادل ہیں (ہر ایک دوسرے پر شہادت دے سکتا ہے) (رواہ ابن ابی شیبہ)۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے (اپنی خلافت کے زمانہ میں) حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو تحریر لکھوا کر دی تھی جس میں یہ بات بھی درج تھی کہ مسلمان باہم عادل ہیں (سب کی شہادت سب کے مقابل قبول کی جاسکتی ہے) سوائے اس شخص کے جس کو زنا کی تہمت تراشی کی وجہ سے سزا دی گئی ہو یا جھوٹی شہادت دینے کی وجہ سے کوڑے مارے گئے ہوں یا مولیٰ و غلام یا رشتہ قرابت کا گمان کیا گیا ہو، رواہ الدار قطنی اس روایت کے ایک سلسلہ میں عبد اللہ ابو حمید ضعیف راوی ہے اور دوسرے سلسلہ کو دلمر قطنی نے حسن کہا ہے اور بیہشتی نے ایک تیسرے سلسلہ سند سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔

علماء حنفیہ کا قول ہے کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ یہ بھی علماء نے کہا ہے کہ امام اور صاحبین کا اختلاف اختلاف دلیل پر مبنی نہیں ہے صرف زمانہ کے مختلف ہونے سے دونوں کے فتویٰ میں اختلاف ہے۔ امام صاحب کے زمانہ میں عموماً لوگ صالح ہوتے تھے (فسق بہت کم تھے) اور صاحبین کے زمانہ میں لوگوں کی حالت بگڑ گئی، حقیقت بھی یہی ہے جو علماء نے بیان کی ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ ہمارے زمانہ میں امام صاحب کے قول پر فتویٰ ہونا چاہئے کیونکہ اس زمانہ میں کتابی شرائط کے مطابق کوئی شخص صالح ملتا ہی نہیں (سب ہی کسی نہ کسی صورت میں فاسق ہیں) اب اگر ہم شہادت کے دائرہ کو تنگ کر دیں گے تو حقوق تباہ ہو جائیں گے اور فیصلہ کے تمام راستے بند ہو جائیں گے بلکہ ہمارے زمانہ میں تو فاسق کی شہادت بھی قبول ہونی چاہئے بشرطیکہ وہ دنیا میں باوجاہت اور آبرودار ہو اور گمان غالب ہو کہ وہ جھوٹی شہادت نہیں دے گا یا قرآن سے اس کی سچائی معلوم ہو رہی ہو۔

متاخرین نے گواہوں کی اندرونی حالت کی تفتیش کے قائم مقام حلف کو قرار دیا ہے (گواہوں سے بقسم شہادت لینا کافی سمجھا گیا ہے)۔

ایک اعتراض

یہ تو نص کے مقابلہ پر قیاسی تو جیسہ ہے جو ناقابل قبول ہے۔

جواب :- ایسا نہیں ہے بلکہ نص کا تقاضا یہ ہے

فَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا جُنُودًا فَلَا مَعْنَىٰ لَهُمَا ۚ وَاسْأَلُوا حَتَّىٰ تَسْمَعُوا مِنَ الْغَايِبِ ۚ فَإِنْ يَشَاحِدَاكَ فَقَدْ عَلِمْتَ أَنَّهُمَا كَاذِبَانِ ۚ (البقرة ۲۸۱)
تقاضا ہے کہ گواہ ہر زمانہ کے پسندیدہ لوگوں میں سے ہوں۔ ہمارے زمانہ میں ابو حنیفہؒ جیسے لوگ شہادت دینے کے لئے کہاں سے آئیں گے، اس زمانہ میں تو کوئی مرد صالح ملتا ہی نہیں، رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا تھا تم ایسے زمانہ میں ہو کہ جن امور کا تم کو حکم دیا جاتا ہے اگر ان کا سوال حصہ بھی چھوڑ دو گے تو تباہ ہو جاؤ گے، پھر ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ اس زمانے کے لوگوں کو جو حکم دیا جائے گا اس کا سوال حصہ بھی اگر وہ کر لیں گے تو نجات پا جائیں گے، رواہ الترمذی عن ابی ہریرہؓ۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بگڑے ہوئے زمانہ کے جو لوگ اللہ اور آخرت کے طلب گار ہوں گے ان کے گناہ اتنی کثرت سے اللہ معاف کر دے گا کہ نیکی کے دور کے نیک لوگوں کے اتنے گناہ معاف نہیں کرے گا اگرچہ اول الذکر گروہ کے گناہ مؤخر الذکر گروہ کے گناہوں سے بہت زیادہ ہوں گے کیونکہ قرن اول کے لئے جو گناہ تھے وہ بگڑے ہوئے زمانہ کے لوگوں کے لئے مباح ہوں گے (گناہ نہ ہوں گے) اس کی مثال یوں سمجھو کہ مجاہدین کا ایک لشکر ایسا ہے جو سب کا سب پورا پورا جہاد میں سرگرم رہا ہے اور دوسرا لشکر ایسا ہے کہ اس کے اکثر فوجی مقابلہ کے وقت بھاگ نکلے مگر کچھ لوگ کسی قدر ثابت قدم رہے، انعام کے وقت بادشاہ نے انہی مؤخر الذکر چند لوگوں کو (جنہوں نے جنگ میں پوری پوری کوشش بھی نہیں کی تھی مگر کس قدر ثابت قدم رہے تھے) اتنا انعام دیا کہ مجاہدین کا ملین کے پورے لشکر کو اتنا انعام نہیں دیا۔ فضل تو اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، جس کو چاہتا ہے کبار بھی معاف کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے صغائر کی بھی سزا دیتا ہے۔

مِنْ الشَّهَدَاءِ (گواہوں میں سے) میں تبعضیہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فاسق بھی شہادت دینے کا اہل ہے اگر حاکم اس کی شہادت قبول کر لے تو جائز ہے لیکن گناہ گار ہو گا کہ اس نے جستجوئے حق کی پوری پوری کوشش نہیں کی۔
أَنْ تَصِلَ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ (تو دوسری اس کو یاد دلادے، جمہور قراء کی قرأت اُن تَصِلَ اور فَتُذَكِّرَ ہے اُن ناصبہ ہے تَصِلَ اُن کی وجہ سے منصوب ہے اور فَتُذَكِّرَ کا عطف تَصِلَ پر ہے اس لئے یہ بھی منصوب ہے۔)

حزہ کی قرأت میں اِنْ شرطیہ اور تَصِلَ شرط ہے اور فَتُذَكِّرَ مرفوع ہے اور پورا جملہ بن کر جزا ہے۔ تَصِلَ پر شرط کی وجہ سے جزم ہونا چاہئے، مگر تشدید کی وجہ سے جزم نہ آسکا اور فَتُذَكِّرَ کا فاعل ضمیر ہے اور إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ مفعول ہے اور پورا جملہ ہو کر مبتدا مخدوف کی خبر ہے اور جملہ اسمیہ بکسر شرط کی جزا ہے ذکر (یاد) نسیان (بھول) کی ضد ہوتی ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی عقل ناقص اور حافظہ کمزور ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا دشمن مرد کی عقل کو زائل کرنے والی ناقص العقل ناقص الدین عورتوں سے زیادہ میں نے اور کسی کو نہیں دیکھا۔ عورتوں نے عرض کیا، ہماری عقل میں کیا کمی ہے فرمایا کیا عورت کی گواہی مرد کی گواہی سے آدھی نہیں ہے۔ عورتوں نے جواب دیا بے شک ہے۔ فرمایا یہ اس کی عقل کی کمی کی وجہ سے ہے۔ عورتوں نے عرض کیا، ہمارے دین میں کیا کمی ہے۔ فرمایا حیض کی حالت میں نہ وہ نماز پڑھتی ہے نہ روزہ رکھتی ہے کیا ایسا نہیں ہے۔ یہی اس کے دین کی کمی ہے۔

وَلَا يَأْتِيَنَّكَ الشَّهَدَاءُ إِذْ مَا دُعُوا (اور جب گواہوں کو طلب کیا جائے تو وہ انکار نہ کریں۔ بعض علماء نے کہا کہ طلب کئے جانے سے مراد ہے گواہ بن جانے کے لئے طلب ہونا چونکہ آئندہ ایسے لوگوں کو شاید بننا ہوتا ہے اس لئے مجازاً پہلے سے ہی ان کو شہدائے فرمادیا۔ اس تفسیر پر بعض لوگوں نے کہا کہ امر وجوبی ہے، بعض نے کہا کہ اگر کوئی اور شاہد نہ ہو تو واجب ہے اور دوسرے گواہ ہوں تو تعمیل طلب واجب نہیں اختیاری ہے، یہی قول حسن بصری کا ہے بعض کے نزدیک امر استحبابی ہے، کچھ

علماء نے طلب سے مراد وہی ہے اوائے شہادت کے لئے طلب۔ یہی قول مجاہد، عکرمہ اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ کا ہے۔ اس تفسیر پر امر جونی ہو گا کیونکہ دوسری آیت میں آیا ہے وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ۔

حضرت ابو موسیٰؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کسی کو اوائے شہادت کے لئے بلایا گیا تو اس نے شہادت کو چھالیا تو وہ جھوٹی شہادت دینے والے کی طرح ہوگا۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط۔ اس سند کے سلسلہ میں عبد اللہ بن صالح راوی بھی ہے جو لیث (بن سعد) کا کاتب تھا اور بخاری نے اس کو حجت قرار دیا ہے۔

مسئلہ :- اگر گواہ کو ادائے شہادت کے لئے حاکم کے اجلاس میں طلب کیا جائے تو بعض کے نزدیک جانا واجب ہے۔ بشرطیکہ حاکم کا اجلاس قریب ہو تو جانا واجب نہیں، کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے وَلَا يُضَارُّ كِتَابٌ وَلَا شَهِيدٌ دُكْهُنَ دِیَا جائے کاتب کو نہ گواہ کو۔ نصر کا قول ہے کہ اگر عدالت اتنی دور ہو کہ گواہ جا کر دن کے دن واپس گھر آسکا ہو تو جانا واجب ہے اس وقت گواہ کو تکلیف نہ ہوگی۔

مسئلہ :- اگر گواہ بوڑھا ہو اور مدعی اسکو اپنی سواری پر سوار کرے تو کوئی حرج نہیں (ایسے گواہ کی شہادت قابل قبول ہے) سلیمان کا قول مروی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے گواہوں کو کرایہ کی سواری پر سوار کر کے اپنی جائیداد کو لے گیا تو ایسے گواہوں کی شہادت غیر مقبول ہے۔ النوازل میں اس کی تفصیل اس طرح آئی ہے کہ اگر گواہ بوڑھا ہے پیدل چل نہیں سکتا اور نہ سواری کا کرایہ دینے کے لئے پیسے ہیں (اور مدعی نے کرایہ دے دیا) تو اس کی شہادت مقبول ہے ورنہ نامقبول، ابن ہمام نے کہا یہ فتویٰ محل تاویل ہے کیونکہ گواہوں کی عزت کرنے کا حکم ہے (اور پیدل گھسیٹنا اعزاز نہیں لہانت ہے)۔

مسلکہ :- اگر کھانا پہلے سے تیار ہو اور صرف گواہوں کے سامنے لا کر ان کو کھلادیا جائے تو ایسے گواہوں کی شہادت مقبول ہے۔ لیکن اگر گواہوں کے لئے کھانا تیار کیا اور انہوں نے کھالیا تو گواہی مردود ہے، یہ امام صاحب کا قول ہے۔ امام محمد کے نزدیک دونوں صورتوں میں شہادت غیر مقبول ہوگی۔ امام ابو یوسف دونوں صورتوں میں شہادت کو قبول کرتے ہیں۔ ابن ہمام نے کہا یہی زیادہ مناسب ہے کیونکہ عرفا ایسا ہوتا ہے کہ اگر کوئی عزت دار آدمی کسی کے گھر جاتا ہے تو صاحب خانہ اس کو کھانا کھلاتا ہے، جانے والا گواہ ہو یا نہ ہو۔ یہ فتویٰ اس صورت میں ہے کہ کھانے کی شرط پہلے سے نہ کر لی گئی ہو۔ اگر پہلے سے شرط کر لی تو یہ مزدوری اور رشوت ہو جائے گی جو حرام ہے۔ نہ گواہ کے لئے لینا جائز ہے نہ طالب شہادت کے لئے دینا۔ ایسے شاہد کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی خواہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا گواہ ہو یا صرف یہی گواہ ہو دوسرا کوئی گواہ نہ ہو اور اجرت مقرر کر دی گئی ہو، امام شافعی کہتے ہیں کہ اگر گواہ متعین ہو کوئی دوسرا گواہ نہ ہو تو اجرت لینا ناجائز ہے اور شہادت کے لئے اگر یہی شخص متعین نہ ہو بلکہ دوسرے بھی گواہ ہوں تو اجرت لے لینا جائز ہے کیونکہ اس صورت میں گواہی دینا فرض نہیں ہے۔

نہ ہو بلکہ دوسرے جی لوہ ہوں تو اجرت کے پینا جا رہے ہیں۔ اس صورت میں وہیں دینا جس میں ہے۔
ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی دوسرا گواہ نہ ہو تو شہادت دینا اس گواہ کے لئے فرض عین ہے ورنہ فرض کفایہ ہے اور اگر عدم
فرضیت ہم تسلیم بھی کر لیں تو بہر حال مستحب ہوگا (یعنی عبادت نافلہ کے حکم میں) اور عبادت کی اجرت لینا ہمارے نزدیک
درست نہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں دوزخ میں۔ رواہ الطبرانی فی الصغیر عن ابن عمر
باسناد حسن۔

وَلَا تَسْمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا
قرض یا حق یا تحریر کو لکھنے سے تم تنگ دل نہ ہو جاؤ معاملات کی
کثرت تم کو تحریر کی طرف سے تنگ دل نہ بنا دے چھوٹا ہو حق یا بڑا بہر حال۔
إِلَىٰ أَحَدِهِمْ وَقْتِ اَدَا كَ التَّعَيُّنِ كَ سَاتِه اس كُ كَلِه لَو۔

یہ لکھ لیتا اللہ کے نزدیک بڑے انصاف کی بات ہے۔
اور اوائے شہادت کو بہت قائم رکھنے والا ہے۔
یعنی شہادت کے وقت تم قرض کی جنس یا مقدار یا وقت لو اکی میعاد کے متعلق شک میں نہ پڑ جاؤ

تحریر کو اس سے بڑا قرب حاصل ہے۔ اَقْوَمُ اور اَدْنٰی اَقْسَطُ عند اللہ کے مضمون کو واضح کر رہے ہیں۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ اللہ کے نزدیک تحریر مدعی اور مدعی علیہ دونوں کے حق میں بڑی انصاف کی چیز ہے۔ نہ مدعی بھولے گا نہ مدعی علیہ۔ مدعی زیادہ نہ مانگے گا اور مدعی علیہ صرف تحریر کے موافق اقرار کرے گا اور شاہد کی شہادت کو بھی تحریر بہت درست رکھنے والی ہے اوائے شہادت کے وقت وہ کمی بیشی نہیں کرے گا اور فریقین معاملہ نیز گواہوں کے شک میں نہ پڑ جانے سے اس کو بہت قرب حاصل ہے۔ (کسی کو شک کرنے کا موقع نہیں ملے گا)۔

مسئلہ :- شاہد کے لئے کتابت کا فائدہ صرف یہ ہے کہ وہ اس واقعہ کو یاد کرے جس کی اس کو شہادت دینی ہے جب تک اس کو خود اپنا معاینہ (تفصیل کے ساتھ) یاد نہ ہو محض تحریر پر اپنی دستخط دیکھ کر گواہی دینا جائز نہیں۔ کذا ذکر القدوری وغیرہ۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے یہ امام اعظم کا قول ہے لیکن صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف اپنی دستخط دیکھ کر شہادت دینی جائز ہے خواہ اپنا معاینہ اس کو یاد نہ ہو۔ بعض فقہا کہتے ہیں کہ صرف دستخط دیکھ کر شہادت کا ناجائز ہونا بالاتفاق ہے، اختلاف اس امر میں ہے کہ کیا حاکم بھی ایسی شہادت پر ڈگری دیدے پائے دے۔ اسی طرح اس تحریر کا غم ہے جو مدعی کے پاس ہو اور گواہوں کی شہادت اس میں درج ہو کیونکہ ایک تحریر دوسری تحریر کے مشابہ ہو سکتی ہے اور دستاویز میں رد و بدل کیا جانے کا احتمال ہے۔

اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر تحریر شہادت شاہد کے قبضہ میں ہو تو گواہ کو معاینہ اور شہادت یاد نہ ہو لیکن اس کے مطابق شہادت دینا اس کے لئے جائز ہے کیونکہ ایسی تحریر میں تغیر کا احتمال نہیں ہے۔ یہ قول صاحبین کا ہے لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ عدم جواز کے قائل ہیں۔ صاحبین کے قول کی دلیل یہ ہے کہ تحریر میں جب رد و بدل کا احتمال ہی نہیں تو وہ یادداشت کی طرح مانی جائے گی۔ دیکھو صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رسول اللہ ﷺ کی تحریروں پر ویسا ہی عمل کرتے تھے جیسا زبانی احکام پر کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن حش کی تحریر والا قصہ آیت یَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ کی تفسیر کے ذیل میں گزر چکا ہے۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ شہادت مشاہدہ پر موقوف ہے، اسی لئے لفظ شہادت ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم آفتاب کی طرح دیکھ لو تو شہادت دو (پس تحریر کا یادداشت کے حکم میں ہونا تحریر کو مشاہدہ نہیں بنادیتا اور قطعی مشاہدہ کے بغیر شہادت درست نہیں اس لئے صرف اپنی دستخطی تحریر کو دیکھ کر شہادت دینا درست نہیں)۔

ہاں اگر دست بدست تجارت ہو جس کا لین دین

إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ
تم فوراً کرتے ہو تو۔

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ إِلَّا أَنْ تَكْتُبُوهَا
(اس کو نہ لکھنے کا تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اَنْ تَكُونُ میں ضمیر ہے اور تِجَارَةٌ خبر۔ بعض قاری تِجَارَةٌ حَاضِرَةً رفع کے ساتھ پڑھتے ہیں اور تُدِيرُونَهَا کو خبر قرار دیتے ہیں۔ جمہور کی قرات پر تَدِيرُ وَنَهَا تجارت کی صفت ہے بشرطیکہ تَكُونُ کو تامہ قرار دیا جائے اور تِجَارَةٌ کو مرفوع پڑھا جائے اور اگر تَكُونُ کو ناقصہ اور تِجَارَةٌ کو اس کا اسم کہا جائے گا تو تردد نہا خبر ہوگی۔

لفظ حَاضِرَةٌ عام ہے خواہ مبادلہ عین کا عین سے ہو یا کسی چیز کو قیمت سے خریداجائے مگر ہو دست بدست نقد۔

وَأَشْهَدُ وَإِذَا تَبَايَعْتُمْ
اور خرید و فروخت کے وقت گواہ بنالیا کرو۔ ضحاک اور داؤد نے (ظاہر لفظ کے لحاظ سے) امر کو وجوب کے لئے قرار دیا ہے، لہذا فروخت نقد قیمت پر ہو یا ادھار پر۔ بہر حال گواہ بنالینا لازم ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ نے فرمایا شروع میں وجوب تھا لیکن آیت فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا سے یہ وجوب منسوخ ہو گیا۔ جمہور کے نزدیک امر احتیاتی ہے (بہتر ہے کہ گواہ بنالیا کرو) بکثرت خرید و فروخت کے وقت رسول اللہ ﷺ نے کسی کو گواہ نہیں بتلایا۔ چنانچہ امام احمد نے عمارہ بن خزیمہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ عمارہ رضی اللہ عنہ کے چچا جو صحابی تھے بیان کرتے تھے

کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک اعرابی سے ایک گھوڑا خریدا اور فوراً اس جگہ سے چل دیئے تاکہ گھوڑے کی قیمت ادا کر دیں۔ لیکن اعرابی نے کچھ تاخیر کی اتنے میں لوگ آکر اعرابی سے گھوڑے کا بھاؤ تاؤ کرنے لگے ان کو معلوم نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ اس کو خرید چکے ہیں۔ بعض نے قیمت بڑھا بھی دی۔ قیمت میں اضافہ دیکھ کر اعرابی نے جناب رسول اللہ ﷺ کو آواز دی اور کہا اگر تم خریدنا چاہتے ہو تو تم خریدو، ورنہ میں فروخت کئے دیتا ہوں۔ آواز سنتے ہی رسول اللہ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے اور اعرابی سے فرمایا کیا میں تم سے اس کو نہیں خرید چکا ہوں، اعرابی نے کہا نہیں خدا کی قسم میں نے تو نہیں بیچا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بلاشبہ میں نے خرید لیا ہے۔ اعرابی بولا کوئی گواہ لاؤ جو شہادت دے کہ میری تمہاری خرید و فروخت ہو چکی ہے۔ لوگ اعرابی سے کہنے لگے ارے رسول اللہ ﷺ غلط بات نہیں کہہ سکتے، اتنے میں خزیمہ رضی اللہ عنہ آگئے اور بولے میں شہادت دیتا ہوں کہ تیری رسول اللہ ﷺ سے خرید و فروخت ہو چکی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خزیمہ رضی اللہ عنہ کی طرف رخ موڑا اور فرمایا تم کس بنا پر شہادت دے رہے ہو (خرید و فروخت کے وقت تو موجود ہی نہ تھے) خزیمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ صرف آپ کی سچائی کا یقین رکھتے ہوئے (میں نے شہادت دی) چنانچہ خزیمہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کو رسول اللہ ﷺ نے دو آدمیوں کی شہادت کے برابر قرار دیا۔

(ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ ان دیکھے واقعہ کی شہادت جائز نہیں اور خزیمہ نے محض تصدیق رسول اللہ ﷺ کی بنا پر بغیر دیکھے ہوئے شہادت دی تھی۔ اول تو یہ فعل ناجائز تھا اور اگر اس سے خزیمہ کی ایمانی قوت پر استدلال بھی تسلیم کر لیا جائے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی شہادت کو فیصلہ کن شہادت کیوں قرار دیا اس شبہ کو دور کرنے کے لئے۔)

ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو خرید و فروخت ہو چکنے کا پہلے ہی علم و یقین تھا آپ ﷺ جانتے تھے کہ اعرابی جھوٹا ہے جو فروختگی کا انکار کر رہا ہے۔ خزیمہ کی شہادت کی بنا پر آپ نے تکمیل عقد کا فیصلہ نہیں کیا تھا۔ یہی بات کہ تھا خزیمہ کی گواہی کو رسول اللہ ﷺ نے دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا تو اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ آپ نے خزیمہ کے ایمان کی قوت اور فہم و دانش کی پختگی ملاحظہ فرمائی تھی۔

اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ اگر حاکم کو کسی واقعہ کا یقینی علم ہو تو اپنے علم کے مطابق اس کو فیصلہ کرنے کا اختیار ہے۔ کیونکہ دو آدمیوں کی شہادت سے گمان غالب حاصل ہوتا ہے (یقین حاصل نہیں ہوتا) اور حاکم کا علم بجائے خود یقینی ہے اور یقین کا درجہ ظن سے اونچا ہے یہی وجہ تھی کہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت سیدہ فاطمہؓ کے خلاف اس حدیث کی بناء پر فیصلہ کیا جو خود (تنہا) آپ نے سنی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا تھا ہم انبیاء کے گردہ (اپنے بعد اپنے مال کا کسی کو وارث نہیں بناتے۔)

ایک مسئلہ یہ بھی اس حدیث سے نکلتا ہے کہ اگر بادشاہ یا حاکم وغیرہ کا کسی پر کوئی حق ہو یا اس نے کسی سے کچھ خریدا ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس سے اپنا حق جبراً وصول کرے خواہ وہ شخص انکاری ہو (اور حاکم کے پاس شہادت نہ ہو) لیکن اگر یہ مدعی حق کسی دوسرے حاکم کی عدالت میں اپنے حق کی چارہ جوئی کریگا تو اس وقت شہادت کی ضرورت ہوگی، تنہا اس کا ذاتی یقین دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے کافی نہ ہوگا اور حاکم کے لئے جائز نہیں ہوگا کہ بادشاہ یا کسی مدعی حق قاضی کے ذاتی یقین کی بنا پر اس کو ڈگری دیدے۔

طاؤس، حسن اور قتادہؓ نے اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اگر کاتب وَلَا بَصْنَاؤَ کَا تَبْ وَلَا شَهِيدٌ اور گواہ معین ہوں (یعنی وہاں نہ کوئی دوسرا کاتب ہو، نہ گواہ) تو کتابت یا شہادت سے انکار کر کے یہ دونوں خرید و فروخت کرنے والوں کو ضرر نہ پہنچائیں، نہ کتابت و شہادت میں رد و بدل اور تحریف کر کے کسی فریق کو نقصان پہنچائیں۔ اس صورت میں لایضار فعل معروف ہوگا لیکن یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ فریقین معاملہ کی طرف سے نہ کاتب کو دکھ دیا جائے نہ گواہ کو۔ مثلاً کاتب کی اجرت نہ دیں اور گواہ کو شہادت کے لئے ایسی حالت میں طلب کریں کہ وہ اپنے کام میں مشغول ہو یا بیمار ہو یا کمزور ہو اور شہادت کا اس پر حصر بھی نہ ہو بلکہ دوسرے گواہان واقعہ موجود ہوں۔ اس صورت میں لایضار فعل مجہول ہوگا۔

اور جس ضرر رسائی سے ہم نے تم کو منع کر دیا ہے، اگر وہ فعل کرو گے (اور ضرر پہنچاؤ گے)۔

توبہ اللہ کی نافرمانی ہوگی جس کا تم کو حق نہیں۔

اور اللہ کے حکم کی مخالفت سے ڈرتے رہو۔

اور اللہ تم کو ایسی باتیں سکھاتا ہے جن سے تمہارے دین و دنیا کی مصلحتیں وابستہ ہیں۔

اور اللہ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے۔ لفظ اللہ کو تین جملوں میں تین بار ذکر کیا

کیونکہ ہر جملہ اپنا خاص مقصد رکھتا ہے۔ پہلے جملہ میں ترغیب تقویٰ ہے، دوسرے جملہ میں وعدہ انعام ہے اور تیسرے جملہ میں اللہ کی عظمت شان کا اظہار ہے۔

اور اگر تم سفر میں ہو یعنی مسافر ہو۔

اور کوئی کاتب تمہیں نہ ملے۔

ابن کثیرؒ اور ابو عمروؒ کی قرأت میں فرہنؒ ہے باقی قراء نے فرہنؒ پڑھا ہے رھانؒ، رھنؒ کی جمع ہے جیسے بغال بغلؒ کی۔ اور رھنؒ، رھانؒ کی جمع ہے۔ فراءؒ اور کسائی کی یہی تحقیق ہے۔ ابو عبیدہ کے قول پر رھنؒ، رھنؒ کی جمع ہے جیسے سقف سقفؒ کی جمع ہے۔

لغت میں رھنؒ کا معنی ہے کسی چیز کو روک لینا۔ اللہ نے فرمایا کل نفس بما کسبت رھینہ ہر شخص اپنے اعمال سے وابستہ ہے۔ اصطلاح شریعت میں ایسی چیز کو کہتے ہیں جس کو کوئی شخص اپنے حق کے عوض (جائز طور پر) روک لے تاکہ اس سے اپنا حق وصول کر سکے۔ چونکہ روک لینا لغوی معنی ہے اور شرعی معنی میں لغوی معنی ملحوظ رہتے ہیں، اس لئے عقد رھن ایک عقد لازم ہے۔ گرد کرنے والا جب تک گرد رکھنے والے کے ایک درہم کا بھی قرضدار رہے گا اپنی چیز واپس لینے کا مستحق نہیں ہوگا فرہنؒ ترکیب نحوی کے لحاظ سے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ یا فعل مجہول محذوف کا فاعل ہے یعنی فلیثو خذ رھنؒ یا فعلیکم رھان۔

بالاجماع امر ایجابی نہیں ہے بلکہ ایک قسم کی رہنمائی ہے۔ لَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا شرط ضروری ہے۔ چونکہ ایسا ہوتا ہی ہے کہ کاتب نہ ملنے کی صورت میں اعتماد کے لئے کوئی چیز رھن رکھ دی جاتی ہے۔ اس لئے شرط کا مفہوم ان لوگوں کے نزدیک بھی اس جگہ معتبر نہیں جو مفہوم کو معتبر قرار دیتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ انتفاء شرط کے وقت انتفاء حکم ہو جاتا ہے) لہذا بالاجماع شہروں کے اندر قیام کی حالت میں جہاں کاتب بھی موجود ہوں رھن رکھنا جائز ہے۔ ہاں مجاہد اور داؤد کا قول ہے کہ رھن رکھنا صرف سفر کی حالت میں جب کہ کاتب نہ مل سکے جائز ہے (ورنہ ناجائز ہے) ہم اپنی دلیل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو پیش کرتے ہیں جو تمام کتب صحاح میں موجود ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بھی پیش کرتے ہیں جس کو بخاری نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس بیس صاع جو کے عوض رھن رکھی تھی۔ یہ جو حضور ﷺ نے اپنے گھروالوں کے صرف کے لئے (قرض) لئے تھے اور وفات اقدس تک وہ زرہ اس یہودی کے پاس رھن رہی۔

مَقْبُوضَةٌ یعنی رھن مع قبضہ کے ہو۔ اسی قید کی وجہ سے امام اعظمؒ اور امام احمدؒ اور امام شافعیؒ قائل ہیں کہ بغیر مال مرہون پر قبضہ کے عقد رھن لازم نہیں ہوتا۔ امام مالکؒ کہتے ہیں صرف عقد کرنے سے رھن لازم ہو جاتا ہے اور رھن کو مجبور کر کے مال رھن پر مرہن کا قبضہ کرانا چاہئے۔

ہم کہتے ہیں رھن کا جواز مع لزوم لفظ مَقْبُوضَةٌ سے ثابت ہو رہا ہے ورنہ قیاس کا تو تقاضا ہے کہ رھن عقد لازم نہ ہو، صرف رھن کا تبرع ہو، کیونکہ اپنا مال مرہن کے پاس رکھنے کے عوض اس کو کچھ نہیں ملتا۔ (قرض کی ادائیگی تو بہر حال اس کے ذمہ لازم ہوتی ہے) لہذا تقاضائے قیاس کے خلاف جب رھن کا لزوم نص قرآنی میں آگیا ہے تو اس کا اقتضار اس کے مقام پر

ہی رکھا جائے گا اور لزوم رہن قبضہ مرتن کی صورت میں مانا جائے گا۔ لزوم رہن کے لئے قبضہ کی شرط چونکہ امام اعظم کے نزدیک ضروری ہے اسی لئے آپ کے نزدیک مشاع (وہ مشترک چیز جس کے ہر جز میں شرکت ہو اور تقسیم اجزاء نہ کی گئی ہو) کا رہن جائز نہیں خواہ قابل تقسیم ہو یا نہ ہو کیونکہ دونوں شریکوں کی شرکت جب ہر جز میں ہوگی تو وہ چیز ہمیشہ ایک کے قبضہ میں نہیں رہے گی بلکہ کچھ مدت کے لئے ایک کے قبضہ میں چلی جائے گی اور کچھ مدت کے لئے دوسرے کا اس پر قبضہ ہو جائے گا تو گویا مشاع کو رہن رکھنا ایسا ہوگا جیسے راہن بوقت رہن یوں کہے کہ میں تیرے پاس یہ چیز ایک دن کے لئے رہن رکھتا ہوں۔ دوسرے دن یہ چیز رہن نہ ہوگی (پھر تیسرے دن رہن رہے گی اور چوتھے دن نہ رہے گی) اور یہ طریقہ غلط ہے کیونکہ رہن بمعنی جس (ادائیگی قرض تک) مرتن کے مسلسل قبضہ کو چاہتا ہے مطلق کار جو ع فرد کامل کی طرف ہوتا ہے۔ بہہ کی صورت اس کے خلاف ہے۔

(امام اعظم کے نزدیک قابل قسمت چیزوں کا بہہ بغیر قبضہ کے لازم نہیں اور جو چیز قابل تقسیم نہیں جیسے جائیداد اس کا بہہ بغیر قبضہ کے درست ہے۔ بہہ مشاع سے مانع فقط یہ ہے کہ بہہ کرنے والے پر تقسیم کا بار پڑے گا اور یہ بار تقسیم صرف قابل تقسیم چیزوں میں پڑتا ہے ناقابل تقسیم چیزوں میں نہیں پڑتا) (لہذا اول الذکر صورت ناجائز ہے اور مؤخر الذکر جائز) (امام مالک امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک مشاع کا رہن مطلقاً جائز ہے قابل تقسیم ہو یا نہ ہو۔

مسئلہ :- جب مرتن کا مال مرہون پر قبضہ ہو جائے تو وہ چیز راہن کی ملک میں رہتی ہے۔ صرف مرتن کے قبضہ میں چلی جاتی ہے گویا حق ملکیت راہن کا ہوتا ہے اور حق قبضہ مرتن کا۔ اس لئے رہن کے قبضہ کی تکمیل کے بعد راہن کے لئے مال مرہون سے نفع اندوزی کی اجازت نہیں نہ سواری کے جانور پر سوار ہو سکتا ہے نہ کپڑا پہن سکتا ہے نہ مکان میں رہ سکتا ہے۔ ہاں اگر مرتن اجازت دیدے تو خیر۔ بات یہ ہے کہ مال مرہون مرتن کے قبضہ میں ہر وقت رہنا چاہیے اور راہن کی مال مرہون سے کسی قسم کی نفع اندوزی سے بعض اوقات (خواہ تھوڑی دیر ہی کے لئے ہو) مال مرہون پر مرتن کا قبضہ نہیں رہے گا۔ یہ مسلک امام اعظم کا ہے لیکن امام شافعی کا قول ہے کہ مال مرہون سے نفع اندوزی راہن کے لئے جائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ رہن (کے جانور) پر سواری لی جاتی ہے (اور اس کا) دودھ دوہا جاتا ہے۔ یہ حدیث دار قطنی اور حاکم نے بروایت عائشہ از ابو صالح از ابو ہریرہ نقل کی ہے۔ لیکن ابن ابی حاتم نے اس کو معطل قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ میرے باپ نے ایک مرتبہ اس حدیث کو مر فوعا بیان کیا تھا۔ پھر رفع کو ترک کر دیا (اور موقوفاً بیان کیا) دار قطنی اور بیہقی نے اس حدیث کے موقوف ہونے کو مر فوع ہونے پر ترجیح دی ہے۔

ہم کہتے ہیں یہ حدیث مجمل ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ رہن کے جانور پر سواری لیا جائے راہن کے لئے ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ مرتن کے لئے ہو۔ لہذا اس حدیث سے راہن کے لئے جواز ثابت نہیں ہوتا۔

مسئلہ :- مال مرہون میں راہن کا ہر شرعی تصرف ناجائز ہے لیکن اگر اس نے کوئی تصرف کر لیا تو تصرف بجائے خود ہو جائے گا، مگر اس کا نفاذ مرتن کی اجازت یا مال مرہون کی واگذاری پر موقوف رہے گا۔ کیونکہ نفس شی کی ملکیت تو راہن کو حاصل ہی ہے لیکن یہ حکم ان تصرفات کا ہے جو منع ہونے کے قابل ہیں جیسے بیع، بہہ وغیرہ اور جو تصرفات منع کے قابل نہیں جیسے غلام کو آزاد کرنا تو چونکہ ان کے منع ہونے کا امکان ہی نہیں ہے اور ملکیت راہن کو حاصل ہی ہے اس لئے ایسے تصرفات کا نفاذ ہو جائے گا اب اگر راہن مالدار ہوگا تو آزاد کردہ غلام کی قیمت بجائے غلام کے مرتن کے پاس بطور رہن رکھنا لازم ہوگا اور اگر مفلس ہوگا تو غلام محنت مزدوری کر کے اپنی قیمت مرتن کے پاس رکھ دے گا۔ یہ مسلک امام اعظم اور امام احمد کا ہے۔ امام مالک کی رائے ہے کہ بیع کی طرح غلام کی آزادی بھی مرتن کی اجازت یا رہن کی واگذاری پر موقوف رہے گی۔ امام شافعی نے فرمایا اگر راہن مالدار ہوگا تو ہر صورت میں اس کا تصرف جاری ہو جائے گا۔ (اور مال مرہون کا عوض بطور رہن مرتن کے پاس رکھنا ہوگا) اور مفلس ہوگا تو اس کا کوئی تصرف جاری نہ ہوگا۔

مسئلہ :- راہن چونکہ مرہون کا مالک ہے اس لئے مرہون کا ہر خرچ راہن کے ذمہ ہے اور مرہون سے جو کچھ پیدا ہو جیسے بچے، اون، دودھ، پھل وغیرہ وہ راہن کا ہے۔ اس پر اجماع ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کچھ فائدہ ہو وہ بھی راہن ہی کا ہے اور جو نقصان ہو وہ بھی راہن ہی کا ہے۔ بعض روایات میں کہا گیا ہے کہ امام احمدؒ کے نزدیک مرہون کی پیداوار مرہن کی ہے۔ لیکن التحقیق میں ابن جوزیؒ نے جو کچھ لکھا ہے اس کا اقتضاء یہی ہے کہ امام احمدؒ کے نزدیک بھی مرہون کی پیداوار راہن ہی کی ہے۔ ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ مرہن جو کچھ مرہون پر خرچ کرے اس کو مرہون کے دودھ اور سواری سے وصول کرنے کا اس کو حق ہے (گویا مرہن کو مرہون کا دودھ لینا اور اس پر سوار ہونا جائز نہیں اور نہ اس کے ذمہ مرہون کا دانہ گھاس ہے لیکن اگر مرہون پر وہ کچھ خرچ کرے تو مرہون کی پیداوار اپنے خرچ کے عوض لے سکتا ہے)۔

مسئلہ :- مرہون کی تمام پیداوار (بچے، اون وغیرہ) مرہن کے پاس بطور رہن رہے گی۔ اس کو بھی اصل مرہون کا حکم حاصل ہوگا البتہ راہن کی ملکیت ہوگی۔ مگر قبضہ مرہن کا ہوگا اور چونکہ مرہن کو حق ملکیت حاصل نہیں اس لئے مرہون میں وہ کوئی تصرف نہیں کر سکتا اور نہ مرہون سے کسی قسم کا فائدہ اٹھا سکتا ہے ورنہ سود ہو جائے گا۔

مسئلہ :- مرہن اگر راہن کی اجازت سے مال مرہون پر کچھ خرچ کرے تو وہ راہن پر قرض ہوگا اور اگر بغیر اجازت صرف کرے تو ایک قسم کا احسان ہوگا (راہن پر قرض نہ ہوگا) امام احمدؒ کا قول ہے کہ ہر صورت میں راہن کے ذمہ قرض ہوگا اور مرہن مرہون کے دودھ اور سواری سے اس کو وصول کرنے کا حق رکھتا ہے۔ ابن جوزیؒ نے اس قول کی دلیل میں حدیث الربہن مرکوب محلوب پیش کی ہے اور اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جو بخاری نے بحوالہ شعی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ الرهن بمافیہ یرکب بنفقته اذا کان مرهونا ولین الدربیشرب بنفقته اذا کان مرهونا وعلى الذی یرکب ویشرب النفقۃ۔ ابو داؤد کی روایت میں یشرب کی جگہ سحلب ہے۔ طحاوی کی روایت بالفاظ ذیل ہے الرهن یرکب بنفقته اذا کان مرهونا ولین الدربیشرب بنفقته اذا کان مرهونا (حسب استدلال ابن جوزی مطلب یہ ہے کہ اگر مرہن مع اس چیز کے رہن ہے جو مرہون کے اندر ہو (یعنی جو مرہون سے پیدا ہو جیسے دودھ، اون، بچہ وغیرہ) اس پر جو کچھ خرچ ہو اس کے عوض اس پر سواری کی جاسکتی ہے اور دودھ دینے والے (مرہون) جانور کا دودھ پیا جاسکتا ہے اور جو شخص سوار ہو یا دودھ پئے اس کے ذمہ مرہون کا خرچ ہے۔ ہم جواب میں کہتے ہیں اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ سوار ہونے والے پر مرہون کا خرچ ہے لیکن اجماع اس امر پر ہے کہ رہن کا خرچ راہن کے ذمہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم حرمت ربو اسے پہلے ٹھاجب کہ منفعت آفریں قرض کی ممانعت نہیں کی گئی تھی اور جبکہ کسی چیز کو کسی چیز کے عوض لینے کی نہی نہیں ہوئی تھی، خواہ معیار شرعی کے لحاظ سے دونوں چیزیں مساوی نہ ہوں۔ بشرطیکہ دونوں کے مالکوں میں پہلے سے خرید و فروخت نہ ہوئی ہو۔ اس کے بعد آیت ربو اسے منفعت انگیز قرض کی حلت منسوخ کر دی گئی تقاضائے اجماع یہی ہے اللہ نے فرمادیا ہے فَاَعْتَدُوا عَلَیْہِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَیْ عَلَیْکُمْ دوسری آیت میں ہے کہ لَا تَاْكُلُوا اَمْوَالَکُمْ بَيْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ بَیْعَارَةً عَنْ تَرَاضٍ بَيْنَکُمْ۔

ربا حدیث کا یہ فقرہ کہ الرهن بمافیہ۔ تو یہ منسوخ نہیں ہے مگر اس فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ جس دین (قرض) کے عوض کوئی مال رہن رکھا گیا ہے وہ مال قرض کی ضمانت میں رہے گا یعنی اگر قرض مال مرہون کی قیمت کے برابر یا اس سے کم ہوگا تو مال مرہون تلف ہونے کی صورت میں قرض بھی ساقط ہو جائے گا اور جتنا مال مرہون قرض سے زائد ہوگا وہ امانت سمجھا جائے گا اور اتنی مقدار کے تلف ہونے کا حکم امانت کے تلف ہونے کے حکم کی طرح ہوگا)۔

مسئلہ :- اگر راہن مر جائے تو گروہ کا مال راہن کے قرض خواہوں کو نہیں دیا جائے گا بلکہ بچ کر مرہن کا قرض ادا کیا جائے گا کیونکہ مال رہن مرہن کے قبضہ میں تو ہوتا ہی ہے اور اس کو ملکیت کا استحقاق بھی (دوسروں سے زائد) ہوتا ہے کیونکہ اس کا قبضہ اسی لئے ہوتا ہے کہ اگر اس کا قرض وصول نہ ہو سکے تو وہ مال رہن سے اپنا قرض وصول کرے۔

مسئلہ :- اگر مرتن کے قبضہ میں رہن کا مال بغیر مرتن کے قصور کے تلف ہو جائے تو امام اعظمؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک مرتن پر اس کا ضمان پڑے گا (اگرچہ مال رہن کے تلف ہونے میں مرتن کا کوئی قصور نہ ہو) کیونکہ مال رہن پر مرتن کا قبضہ تھا اور وہ (عدم وصول قرض کی صورت میں) اس کو بیچ کر اپنا قرض وصول کر سکتا تھا یعنی قبضہ استیفا تھا اب وہ مال اس کے قبضہ میں تلف ہو گیا تو (گویا) قرض مکمل وصول ہو گیا۔ اس کے بعد اگر رہن سے یہ اپنے قرض کا مطالبہ کرے گا تو سود ہو جائے گا۔ امام مالکؒ کے نزدیک مرتن پر ضمان بالقیمہ ہو گا (یعنی مال رہن کی جو قیمت بازاری ہوگی وہ مرتن پر پڑے گی۔ کیونکہ وصول قرض مال رہن کی قیمت کے اعتبار سے ہی ہوتا ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا قیمت رہن اور مقدار قرض سے جو چیز کم ہوگی اتنی مرتن پر پڑے گی اور باقی حصہ بطور امانت رہے گا۔

طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی فیصلہ نقل کیا ہے۔

قاضی شریح حسنؒ بصری اور شعبیؒ کے نزدیک رہن مضمون بالذین مانا جائے گا (رہن تلف ہو گیا اس کی قیمت کم تھی یا زیادہ بہر حال قرض کا معاوضہ وصول شدہ قرار دیا جائے گا، مال رہن کی قیمت زیادہ ہو تو رہن کو بقیہ قیمت نہیں دی جائے گی اور کم ہو تو مرتن کو بقیہ قرض نہیں ملے گا)۔

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک مال رہن امانت تھا اگر مرتن کے قصور سے تلف ہوا ہو تو ضمان دینا ہو گا ورنہ کچھ نہیں (اصل قرض قابل وصول رہے گا) کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ رہن کرنے والے سے رہن کے مال کو بند کر کے نہ رکھ لیا جائے مال رہن اسی کا ہے جس نے گور رکھا ہے۔ رہن کا نفع بھی اسی کا ہے اور رہن کا نقصان اسی پر ہے۔ رواہ ابن حبان فی صحیحہ والدارقطنی والحاکم من طریق زیاد بن سعد عن الزہری عن سعید بن المسیب عن ابی ہریرہؓ مرفوعاً۔

دارقطنیؒ نے لکھا ہے کہ زیاد بن سعد حافظ اور ثقہ ہے اور یہ حدیث حسن اور متصل السند ہے۔ ابن ماجہ نے اسحاق بن راشد کے طریق سے بحوالہ زہری اس کو بیان کیا ہے اور حاکم نے مختلف طریقوں سے حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث اس کو لکھا ہے۔ اوزاعی، یونس اور ابن ابی ذئب نے بروایت زہری از سعید بن المسیب اس کو مرسل نقل کیا ہے۔ شافعی نے بروایت ابن ابی فدیک وابن ابی شیبہ از وسیع از ابن ابی الذئب اور عبدالرزاق نے بروایت ثور بن ابی ذئب اس کو نقل کیا ہے ابو داؤد، بزاز اور دارقطنیؒ کے نزدیک اس حدیث کا مرسل ہونا صحیح ہے۔ دارقطنیؒ اور بیہقی نے کچھ دوسری سندوں سے بھی اس کو نقل کیا ہے۔ لیکن وہ تمام اسنادیں ضعیف ہیں۔ ابن حزم اور دارقطنیؒ نے از شیبہ از زید بن ابی ذئب از زہری از سعید بن مسیب و ابو سلمہ بن عبد الرحمن از ابی ہریرہؓ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رہن نہ روک رکھا جائے رہن رہن کرنے والے کا ہے رہن کا نفع اسی کا ہے اور نقصان بھی اسی پر ہے۔ ابن حزم نے اس سند کو حسن اور ابن عبد البر نے صحیح اور عبد الحق نے موصول قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے اس سند میں ایک شخص عبد بن نصر ہے جس کی احادیث منکر ہیں اور حدیث کے آخری الفاظ کہ رہن کا نفع اسی کا ہے اور نقصان بھی اسی پر ہے۔ بعض لوگوں نے سعید بن مسیب کے داخل کردہ قرار دیئے ہیں۔ ابو داؤد نے مراسیل میں یہی لکھا ہے۔ ابن عبد البر نے کہا کہ ان الفاظ کا مرفوع یا موقوف ہونا مختلف فیہ ہے۔ ابن ابی ذئب اور معمر وغیرہ نے مرفوع کہا ہے اور دوسرے علماء نے موقوف کہا ہے۔ حدیث مذکور سے امام شافعیؒ کی صورت

استدلال یہ ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مال مرہون اصل رہن کی ملک سے خارج نہیں ہوتا (مرتن کا اس پر صرف قبضہ ہو جاتا ہے) لایغلق الرهن کا یہی معنی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ حدیث کا یہ معنی نہیں ہے۔ بلکہ اصل معنی وہ ہے، جو ابن جوزی کی روایت میں آیا ہے۔ ابن جوزی نے ابراہیم غمی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ لوگ کسی کے پاس مال رہن رکھتے تھے اور کہہ دیا کرتے تھے کہ اگر فلاں وقت تک ہم قرض ادا کر دیں تو خیر ورنہ یہ مال تمہارا ہو جائے گا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لا یغلق الرهن (یعنی اگر مدت مقررہ کے اندر تک رہن نہ ہو سکے تب بھی وہ مال مرتن کا نہیں ہو جاتا) طحاوی نے بھی

اپنی سند سے ابراہیم غنی کا یہ بیان نقل کیا ہے اور مالک بن انس اور سفیان بن سعید بھی حدیث کی تشریح اسی طرح کرتے تھے۔ رہ گئے آخری فقرے لہ غنمہ اور علیہ غرمہ تو (اس کا یہ معنی نہیں کہ اگر مال مرہون سالم رہے، تب بھی راہن کا ہے اور تلف ہو جائے تب بھی راہن کا مال ہلاک ہوگا بلکہ) باجماع علماء یہ مطلب ہے کہ مال راہن میں کچھ بیشی ہو (مثلاً مرہون جانور کے بچے ہو جائیں یا دودھ ہو) تو وہ راہن کی ہے اور جو کچھ مرہون کے کھلانے پلانے میں صرف ہو وہ بھی راہن کے ذمہ ہوگا۔

ہم وجوب ضمان کے قائل ہیں، ہماری دلیل وہ حدیث ہے جو طحاوی نے بسلسلہ محمد بن خزیمہ از عبید اللہ بن محمد جمی از عبد اللہ بن مبارک از مصعب بن ثابت از عطاء بن ابی رباح بیان کی ہے کہ کسی آدمی نے ایک گھوڑا راہن لیا اور مرہن کے قبضہ میں وہ گھوڑا مر گیا اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تیرا حق جاتا رہا۔ یہ حدیث مرسل ہے اور مرسل ہمارے نزدیک حجت ہے (یعنی تابعی نے اس حدیث میں صحابی کا ذکر نہیں کیا نہ کسی صحابی کا حوالہ دیا) اسی طرح ابن جوزی نے بحوالہ دارقطنی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت دو ضعیف سندوں سے بیان کی ہے۔ اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ راہن کی قیمت کا جو زائد حصہ ہو (قرض میں بجزانہ کیا جاسکتا ہو) وہ امانت رہے گا اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے۔ کیونکہ وصول قرض صرف اتنے حصہ سے ہو جاتا ہے جو قرض کے برابر ہو (باقی امانت ہی کے حکم میں ہونا چاہئے)۔

فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا پس اگر تم میں سے ایک دوسرے کو امین سمجھتا ہو۔ یعنی قرض دینے والا قرض لینے والے کی طرف سے مطمئن ہو اور قرض دار کی امانت کی وجہ سے تحریر یا رہن رکھنے کی ضرورت محسوس نہ کرتا ہو۔ حضرت ابی کی قرأت میں فَإِنْ أَتَمَّنَ ہے معنی ایک ہی ہیں۔

فَلْيُقَازِ الْإِنْسِي أَوْ تَمِّنَ أَمَانَتَهُ پس جس کی امانت پر اطمینان کر لیا گیا ہو اس پر لازم ہے کہ امانت دار کی امانت یعنی قرض دینے والے کا قرض ادا کر دے۔ قرض کو امانت اس لئے فرمایا کہ اس میں تحریر اور رہن کی ضرورت نہیں سمجھی گئی اور قرض دار کو امین سمجھ لیا گیا۔ حضرت انسؓ راوی ہیں کہ دوران خطبہ میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں اور جس میں وعدہ کی پابندی نہیں اس میں دین نہیں۔ رواہ التبیہتی فی الشعب۔

وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ اور خیانت اور انکار حق کے معاملہ میں اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔ اس بیان میں (حکم ادا کی) چند طرح سے تاکید کی گئی ہے۔ جس حدیث سابق الذکر میں منافق کی تین نشانیاں بیان کی گئی ہیں اس میں یہ بھی (منافق کی نشانی قرار دی گئی) ہے کہ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ یعنی اے گواہو، قرض داروں کے خلاف گواہی کو نہ چھپاؤ، اگر وہ خیانت کریں اور اداء امانت نہ کریں اور واجب الاداء حق کے منکر ہو جائیں، یا یہ مراد ہے کہ اے قرض دارو، تم پر جو حقوق واجب ہیں ان کی شہادت کو نہ چھپاؤ اور اپنے خلاف حق کا اقرار کر لو۔

وَمَنْ يَكْتُمْهَا اور جو شہادت حق کو چھپائے گا۔

قَالَتْ أَتَمُّ قَلْبُهُ تو بلاشبہ اس کا دل گناہ گار ہے۔ قَلْبُهُ أَتَمُّ کا فاعل ہے یا اَنِّمُ خبر مقدم اور قَلْبُهُ مبتدا مؤخر ہے اور پورا جملہ اَنِّمُ کی خبر ہے۔ گناہ کی نسبت قلب کی طرف اس لئے کی کہ چھپانا دل ہی کا فعل ہے۔ اصل فاعل کی طرف فعل کی نسبت کرنے سے فعل میں شدت اور قوت پیدا ہو گئی۔ جیسے کہتے ہیں میں نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، اپنے کانوں سے سنا، اپنے دل سے یاد رکھا۔ یا دل کی طرف نسبت کرنے کی یہ وجہ ہے کہ دل تمام اعضاء کا سردار ہے، اس کے افعال کا مرتبہ بھی سب افعال سے بڑا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بنی آدم کے بدن میں ایک بوٹی ایسی ہے کہ جب وہ ٹھیک ہوتی ہے تو سارا بدن ٹھیک ہوتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتی ہے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے سن لو وہ بوٹی دل ہے۔ رواہ الشیخان عن العثمان بن بشیر۔ بعض علماء نے کہا کہ دل کے گناہ گار ہونے سے مراد ہے دل کا مسخ ہو جانا۔

وَاللَّهُ يَمَّا تَعْمَلُونَ عَلَيْهِ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے بخوبی واقف ہے یعنی شہادت دینے

اور شہادت کو چھپانے سے واقف ہے یہ جملہ بطور تردید ہے۔ اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ شہادت کو چھپانا حرام ہے مشہود لہ، خواہ طلب نہ کرے مگر ادائے شہادت فرض ہے اگر مشہود لہ کو شاہد کا شاہد ہونا معلوم بھی نہ ہو تب بھی شاہد پر لازم ہے کہ اپنے شاہد ہونے کی اطلاع مشہود لہ کو دے دے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ طلب شہادت کے بغیر شہادت دینی مذموم ہے کیونکہ حضرت عمران بن حصین کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میری بہترین امت میرے زمانہ کی ہے۔ ان کے بعد ان لوگوں کا مرتبہ جو ان کے متصل آئیں گے پھر ان کا مرتبہ ہے جو ان (صحابہ) کے متصل ہوں گے ان کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو بلا طلب شہادت دیں گے خیانت کریں گے، امانت دار نہ ہوں گے، نذریں مانیں گے، مگر پوری نہیں کریں گے اور عموماً ان میں فریبی ہوگی (یعنی موٹے، بے غیرت، بے حیا، حرام خور ہوں گے)۔

دوسری روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ بلا طلب قسمیں کھائیں گے۔ (متفق علیہ) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ کی عزت کرو۔ یہ تم میں سب سے اچھے ہیں ان کے بعد ان لوگوں کا مرتبہ ہے جو ان سے متصل آئیں گے پھر ان لوگوں کا درجہ ہے جو ان سے متصل ہوں گے پھر کذب پھیل جائے گا۔ یہاں تک کہ آدمی بلا طلب قسمیں کھائے گا اور بلا طلب شہادت دے گا۔ رواہ التسانی و اسنادہ صحیح۔ اس موضوع پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اسی طرح ہے۔ حضرت ابن مسعود (رضی اللہ عنہما) کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ ان کی شہادت قسموں سے پہلے اور قسمیں شہادت سے پہلے ہوں گی طحاوی نے مؤخر الذکر دونوں روایتیں نقل کی ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ مذمومہ شہادت سے مراد ہے جھوٹ کی شہادت حدیث کے الفاظ يَفْشُو الْكَذِبَ وَيَخُونُونَ ولا يؤتمنون و يندرون ولا يوفون۔ کا یہی تقاضا ہے۔ طحاوی نے بوساطت مالک حضرت زید بن خالد جہنی کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تم کو بتاؤں کہ سب سے اچھا گواہ کون ہے سب سے اعلیٰ گواہ وہ ہے جو درخواست سے پہلے ہی اپنی شہادت دیدے یا طلب شہادت سے پہلے اپنی شہادت کی اطلاع دیدے۔

اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے یعنی سب کچھ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اسی کا پیدا کیا ہوا ہے اسی کے زیر حکم ہے اور اسی کی ملک ہے۔ بعض علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اللہ کے سوا ہر چیز مادی اور جسمانی ہے مادہ اور جسمیت سے خالی کوئی مخلوق نہیں۔ ورنہ اس جگہ اللہ کی خالقیت اور مالکیت کا بیان ناقص ہو گا کیونکہ غیر مادی مخلوق کے مالک ہونے کا اظہار زیادہ اہم ہے (اور آیت میں غیر مادی مخلوق کو اللہ کے زیر حکم اور ملکیت کے اندر ظاہر نہیں کیا گیا ہے) لیکن یہ استدلال غلط ہے۔ بکثرت ممکنات غیر مادی ہیں۔ انسانوں کی رو میں ملائکہ وغیرہ سب مادہ سے خالی ہیں۔ اہل دل واقف ہیں کہ قلب روح سرخفی اٹھی تمام کے تمام غیر مادی ہیں، اللہ ہی اپنی مخلوق سے واقف ہے کہ کتنی ہے مَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ۔ اسی کی وجہ کہ آیت میں صرف موجودات سماوی وارضی کا ہی ذکر کیا گیا تو اس کا سبب یہ ہے کہ عوام کی نظر صرف انہی چیزوں کو دیکھتی ہے، صانع کا وجود ثابت کرنے کے لئے انہی کا ذکر کافی ہے۔ استدلال میں صرف وہی چیزیں پیش کی جاتی ہیں جو عوام کی نظر کے سامنے ہوں اور ان کو معلوم ہوں، ایسے امور کو محل استدلال میں نہیں پیش کیا جاسکتا جو خواص سے بھی پوشیدہ ہوں، اسی لئے اس جگہ عرش و کرسی کا ذکر نہیں کیا گیا حالانکہ وہ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے خارج اپنی مستقل ہستی رکھتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَاِنْ سُبْحًا وَمَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تَخَفُوْهُ سے واقف ہے) انسان کی نفسانی اور قلبی بیماریاں بہت ہیں جیسے نفاق، دکھاوٹ، بیجا تعصب، دنیا کی محبت، غصہ، غرور، پندار، آرزو، حرص، ترک توکل، ترک صبر، حسد، کینہ وغیرہ۔

حضرت جبیر بن مطعم راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ہم میں سے نہیں ہے وہ شخص جو اپنے (جاہلیت کے)

تعصب پر (کنبہ جتھ کو) بلاتا ہے اور ہم میں سے نہیں ہے وہ شخص جو اپنے (جانبی) تعصب پر مرتا ہے۔ رواہ ابو داؤد۔
حضرت حارث بن وہبؒ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو بتاؤں کہ جنتی کون ہے جنتی ہر وہ ضعیف ہے جس کو کمزور سمجھا جاتا ہے لیکن اگر وہ خدا کے اعتماد پر قسم کھا لیتا ہے تو اللہ اس کی قسم پوری کر دیتا ہے۔ میں تم کو بتاؤں کہ دوزخی کون ہے۔ دوزخی ہر وہ شخص ہے جو درشت خو، مال کو جوڑ جوڑ کر رکھنے والا اور مغرور ہو۔ (متفق علیہ) مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں مال کو جوڑ جوڑ کر رکھنے والا زینم مغرور۔ ۱

حسن بصریؒ کی مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا کی محبت ہر گناہ کی چوٹی ہے (رواہ البیہقی فی شعب الایمان) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے محبت رکھنا ایمان ہے اور ان سے بغض رکھنا نفاق ہے۔ رواہ ابن عدی۔

حضرت جابرؒ کی مرفوع روایت ہے کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے محبت رکھنا ایمان کا (جزیہ علامت) ہے اور ان سے بغض رکھنا کفر ہے اور انصار سے محبت رکھنا ایمان (کا جزیہ نشان) ہے اور ان سے بغض رکھنا کفر ہے اور عرب سے محبت رکھنا ایمان (کا جزیہ نشان) ہے اور ان سے بغض رکھنا کفر ہے اور جس نے میرے صحابہؓ کو گالی دی اس پر اللہ کی لعنت، اور جس نے میرے اصحابؓ کے بارہ میں میرا لحاظ رکھا میں قیامت کے دن اس کا لحاظ رکھوں گا۔ رواہ ابن عساکر۔

حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علیؑ سے محبت کرنا عبادت ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خود فرمایا قسم ہے اس کی جو دنہ کو چیر کر سبزہ نکالتا ہے اور جاندار کو پیدا کرتا ہے، مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ تجھ سے محبت نہیں کرتا ہے مگر مؤمن اور تجھ سے بغض نہیں رکھتا ہے مگر منافق۔ رواہ مسلم

حضرت علی کرم اللہ وجہہ خود راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تیرے اندر عیسیٰ کی مشابہت ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام سے یہودیوں نے اتنی عداوت کی کہ ان کی والدہ پر (زبان کی) تہمت لگائی اور عیسائیوں نے ان سے اتنی محبت کی کہ ان کو اس مقام پر لے گئے جو ان کے لئے سزا وار نہ تھا (یعنی خدا کا بیٹا کہنے لگے) یہ حدیث بیان کرنے کے بعد حضرت علیؑ نے فرمایا میرے سلسلہ میں دو (طرح کے) آدمی ہلاک ہو جائیں گے۔ ایک تو حد سے زیادہ مجھ سے محبت کرنے والا، جو میرے اندر افراط محبت کی وجہ سے ایسی چیزیں قرار دے گا جو مجھ میں نہیں ہیں۔ دوسرا وہ شخص جو مجھ سے بغض رکھتا ہے اور میری عداوت اس سے مجھ پر الزام تراشی کرائی ہے۔ (رواہ احمد)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کا ارشاد ہے بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میری تہ بند (یعنی بڑائی اور عظمت میرا خصوصی وصف ہے) جو شخص ان میں سے کسی ایک کو مجھ سے کھینچے گا (یعنی بڑائی یا عظمت کا دعویٰ کرے گا) میں اس کو دوزخ میں داخل کروں گا۔ (رواہ مسلم) حضرت عطیہؓ سعدی کی مرفوع روایت ہے کہ غصہ شیطان (کے اثر یا غلبہ) سے ہوتا ہے۔ رواہ (ابو داؤد)، ہنر بن حکیم نے بوساطت حکیم اپنے دادا کی مرفوع روایت بیان کی کہ غصہ ایمان کو اس طرح بگاڑ دیتا ہے جیسے ایلو اشمد کو، رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

عمر و بن شعیب نے بوساطت شعیب اپنے دادا کی مرفوع روایت بیان کی کہ اس امت کی اولین ترین سنوار یقین اور دنیا سے بے رغبتی ہے اور اولین ترین بگاڑ بخل اور آرزو ہے۔ (رواہ البیہقی) حضرت سعدؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے فیصلہ پر راضی رہنا آدمی کی خوش نصیبی ہے اور قضاء خداوندی سے ناراضگی آدمی کی بد بخش۔ (رواہ احمد و الترمذی) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ نصف شعبان کی رات میں اللہ اپنی مخلوق کی طرف خاص نظر فرماتا ہے اور سوائے مشرک اور دل میں کینہ رکھنے والے کے سب کو بخش دیتا ہے۔ (رواہ الدار قطنی) ابن حبان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ نفسانی فضائل و عیوب کے متعلق ان گنت حدیثیں آئی ہیں۔

۱۔ زینمہاں شخص کو کہتے جو رشتہ اور قرابت کے لحاظ سے تو کسی اور خاندان کا فرد ہو لیکن اپنے قبیلہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے قبیلہ میں وہ جاگھے اور اپنا نسب مؤخر الذکر قبیلہ سے جوڑ دے۔

شعبی اور عکرمہ نے آیت کا تفسیری مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ اخفاء شہادت کا جو خیال تمہارے دلوں کے اندر ہو گا اس کو ظاہر کر دیا نہ کرو۔ اللہ اس کی حساب فہمی کرے گا۔ مقاتل نے یہ مطلب بیان کیا کہ کافروں سے دوستی کا جو خیال تمہارے دلوں میں ہو گا اس کو ظاہر کر دیا چھاپا اللہ اس کا محاسبہ کرے گا۔ گویا اس آیت میں اسی مضمون کو بیان کیا ہے جس کو آل عمران میں بیان کیا ہے۔ آل عمران میں فرمایا ہے لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ اس حکم کے آخر میں فرمایا قُلْ إِنْ تَخَفُوا مَا فِي صُدُورِكُمُ الْآيَةِ، تحقیق یہ ہے کہ اخفاء شہادت ہو یا کفار کی دوستی دونوں کو مافی النفسکم کا لفظ شامل ہے، تعین مراد بلا ثبوت ہے لفظ عام ہے۔ نصوص شرعیہ اور اجماع سے ثابت ہے کہ بلا تخصیص ہر ارادہ مخفی کا مؤاخذہ ہو گا۔ بعض علماء نے کہا مافی أنفسکم سے مراد ہے عملی گناہ کا محکم عزم۔ عبد اللہ بن مہدک کا بیان ہے میں نے سفیان (ثوری) سے پوچھا کیا ارادہ پر بھی بندہ کا مؤاخذہ ہو گا، سفیان نے کہا ہاں، اگر ارادہ محکم ہو۔

میں کہتا ہوں کہ عزم پر بھی اگر مؤاخذہ ثابت ہو جائے تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ عزم (اگرچہ عملی گناہ نہیں مگر) قلبی گناہوں میں داخل ہے (اور ہر گناہ کا مؤاخذہ ضروری ہے) لیکن صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کوئی کسی گناہ کا ارادہ کرے اور کر نہ پائے تو وہ نہیں لکھا جاتا اور کر لیتا ہے تو اتنا ہی لکھا جاتا ہے (پس عمل سے پہلے ارادہ گناہ خواہ محکم ہی ہو قابل مؤاخذہ نہیں۔ ہاں محاسبہ جدا چیز ہے وہ ضرور ہو گا)۔

قیامت کے دن اللہ تم سے اس کی حساب فہمی کریگا۔
يُحَاسِبُكُمْ بِهِ اللَّهُ
فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ
تحقیقاتی حساب فہمی ہوگی تو اس کی گرفت ہوگی۔

اور جس کو عذاب دینا چاہے گا اللہ عذاب دے گا ابو جعفر، ابن عامر عاصم اور یعقوب نے
وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ
فَيَغْفِرُ اور وَيُعَذِّبُ رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قاریوں نے جواب شرط ہونے کی بنا پر جزم کے ساتھ قرأت کی ہے۔
وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۵۰﴾
اور اللہ ہر چیز پر قابو رکھنے والا ہے یعنی عذاب و مغفرت وغیرہ پر۔ کوئی اس پر اعتراض نہیں کر سکتا وہ چاہے تو چھوٹے گناہ پر بھی عذاب دے اور چاہے تو بڑے گناہ کو بغیر توبہ کے معاف کر دے۔

اہل سنت کا اجماع ہے کہ تمام گناہوں کی حساب فہمی حق ہے۔ قلبی گناہ ہوں یا باطنی یا جسمانی اور چھوٹے بڑے تمام گناہوں کی سزا دینا بھی حق ہے۔ مگر لازم نہیں بلکہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔ طاؤس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے۔ کہ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اگر چاہے گا تو کبیرہ گناہوں کو بھی معاف کر دے گا، خواہ گناہ کرنے والے نے توبہ کی ہو یا نہ کی ہو اور وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ چاہے گا تو چھوٹے گناہ پر بھی عذاب دے گا، کوئی اس سے باز پرس نہیں کر سکتا۔ معتزلہ ورافضی آخرت کے حساب کے منکر ہیں۔ معتزلہ وغیرہ کہتے ہیں کہ گناہ گاروں کو عذاب دینا واجب ہے۔

ہمارے قول کا ثبوت اس آیت سے بھی ہوتا ہے اور دوسری آیات سے بھی اور احادیث سے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن جس شخص کا بھی محاسبہ ہو گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ میں نے عرض کیا کیا اللہ نے فسوف يحاسب حساباً يسيراً نہیں فرمایا ہے ارشاد فرمایا یہ تو صرف پیشی ہوگی مگر جس سے حساب میں جھگڑا کیا گیا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ (متفق علیہ) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ مؤمن کو (اتنا) قریب کر لے گا کہ اس پر اپنا ہاتھ رکھ کر چھپا دے گا اور فرمائے گا کیا تجھے (اپنا) فلاں گناہ معلوم ہے، کیا تجھے (اپنا) فلاں گناہ معلوم ہے۔ بندہ عرض کرے گا، اے میرے رب بیشک (مجھے اپنا گناہ یاد ہے) جب اللہ اس سے اقرار کر لے گا اور وہ خیال کرے گا کہ بس اب میں ہلاک ہو گیا۔ تو فرمائے گا دنیا میں میں نے تیرا یہ گناہ چھپایا تھا (تجھے رسوا نہیں کیا تھا) آج میں معاف کرتا ہوں اس کے بعد نیکیوں کا صحیفہ اس کے ہاتھ میں دیدیا جائے گا۔ رہے کافر اور منافق تو علی الاعلان ان کے متعلق پکار کر

فرمائے گاھو لاءِ الَّذِیْنَ كَذَبُوا عَلٰی رَبِّهِمْ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰی الظّٰلِمِیْنَ، متفق علیہ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ ایک آدمی حاضر ہوا، اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیٹھ کر اس نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ میرے کچھ غلام ہیں جو مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں، میرے مال میں خیانت کرتے ہیں اور میری نافرمانی کرتے ہیں، میں ان کو گالیاں دیتا اور مارتا ہوں میرا ان سے یہ سلوک کیسا ہے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو ان کے جھوٹ، خیانت، نافرمانی اور تیری سزا کا حساب لگایا جائے گا اگر تیری سزا ان کے قصور کے برابر ہوگی تو برابر سزا برابر معاملہ چھوٹ جائے گا، نہ تیرا فائدہ ہوگا نہ ضرر۔ اگر سزا قصور سے کم ہوگی تو بقیہ حصہ تیرے لئے سودمند ہوگا (یعنی جس گناہ کی تو نے سزا نہیں دی ہوگی اس کا ثواب ملے گا) اور اگر سزا قصور سے زائد ہوگی تو زیادتی کا عوض ان کو تجھ سے دلویا جائے گا۔ (رواہ الترمذی) حساب اور مغفرت کے سلسلہ کی حدیثیں ان گنت بکثرت ہیں۔

فصل

بعض لوگ جنت میں بلا حساب داخل ہوں گے۔ حضرت ابوامامہ کی روایت ہے کہ میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے مجھ سے میرے رب نے وعدہ کیا ہے کہ میری امت کے ستر ہزار آدمیوں کو بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل فرمائے گا اور ہر ایک کے ساتھ ستر ستر ہزار شخص ہوں گے اور (پھر) میرے رب کے تین لپ (بھر) بھی (بلا حساب و کتاب) جنت میں داخل ہوں گے۔ رواہ احمد و الترمذی و ابن ماجہ۔

حضرت اسماء بنت یزید کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کو ایک میدان میں جمع کیا جائے گا، پھر ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا، کہاں ہیں وہ لوگ جنکے پہلو بستروں سے الگ رہتے تھے۔ کچھ لوگ کھڑے ہو جائیں گے مگر وہ تھوڑے ہوں گے ان کو جنت میں بلا حساب داخل کر دیا جائے گا۔ پھر باقی لوگوں کو حساب کیلئے جانے کا حکم ہوگا۔ رواہ البیہقی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کے ستر ہزار آدمی بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جو جھاڑ پھونک نہیں کرتے ہوں گے، شگون نہیں لیتے ہوں گے اور اپنے رب پر ہی بھروسہ رکھتے ہوں گے۔ (متفق علیہ) حضرت ابن عباس سے ایک طویل حدیث میں اسی طرح مروی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید اور احادیث مقدسہ کی رفتار عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ بلا حساب جنت میں جانے والے اہل تصوف ہی ہوں گے جو اللہ کے عاشق ہیں کیونکہ آیت وَإِنْ تَبَدَّلُوا بِمَآفِیْ أَنْفُسِكُمْ میں اللہ نے حساب فہمی کو نفسانی گناہوں سے متعلق فرمایا ہے۔ اس آیت میں اظہار اور اخفاء دونوں کو محاسبہ کے لئے مساوی قرار دیا ہے۔ جیسے آیت اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ میں استغفار اور عدم استغفار کو مساوی قرار دیا ہے۔ حساب فہمی اگرچہ اعمال اعضاء کی بھی ہوگی کچھ نفسانی گناہوں کی ہی خصوصیت نہیں ہے۔ لیکن اعمال کے مقابلہ میں نفسانی رذائل شدید ترین ہوتے ہیں ان کی بدی زیادہ ہے اور جسمانی گناہ بھی انہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ تزکیہ نفس اور جلاء قلب کے بعد گناہوں کا ارتکاب بہت ہی کم ہوتا ہے اس لئے صرف باطنی گناہوں کی حساب فہمی کا ذکر کیا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے بدن کے اندر ایک ایسی بوٹی ہے کہ جب وہ درست ہوتی ہے تو سارا بدن درست ہوتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتی ہے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے اور وہ دل ہے۔

تمام آلودگیوں سے قلب کی صفائی اور نفس کے پاکیزہ و مطمئن ہونے کے بعد بھی آدمی سے کبھی گناہ کا صدور ہو جاتا ہے تو اس کو فوراً اندامت ہوتی ہے اور توبہ کر لیتا ہے۔ اس طرح اس کی بدیاں نیکیوں سے بدل جاتی ہیں اللہ غفور و رحیم ہے اس کو معاف کر دیتا ہے۔ حضرت ابن مسعود کی مرفوع روایت ہے کہ گناہ سے توبہ کر نیوالا بیگناہ کی طرح (ہو جاتا) ہے، رواہ ابن ماجہ و البیہقی شرح السنۃ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی موقوف حدیث آئی ہے کہ گناہ پر پشیمانی توبہ ہے۔ صوفیہ ہی وہ لوگ ہیں جن کو حدیث مبارک میں فقراء مؤمنین کے نام سے ذکر کیا گیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت (کے دروازہ) کی زنجیر کو ہلانے والا سب سے پہلے میں ہی ہوں گا اللہ جنت (کا دروازہ سب سے پہلے) میرے لئے کھول دے گا اور مجھے اندر داخل

صفات ہیں اور اللہ نے ان کے اس خیال کا ازالہ کر دیا کہ خطرات پر بھی مجاہد ہو گا اور ان کو تسلی دی کہ تمہارے ایمان سچے ہیں تمہاری نیتیں درست ہیں تمہارے نفس پاکیزہ اور دل صاف ہیں، رذائل نفس کا زوال ایمان کا مقتضا ہے (اور اللہ نے ان کے مؤمن ہونے کی شہادت آیت مذکورہ میں دی ہے تو گویا رذائل نفسانی سے ان کے نفوس کو پاک اور دلوں کو صاف قرار دیا ہے) کیونکہ کامل ایمان حقیقی اسی وقت ہوتا ہے جب نفس اور رذائل نفس بالکل فنا ہو جائیں (اور آیت میں ایمان سے مراد ایمان کامل ہی ہے کیونکہ) مطلق کا رجوع فرد کامل کی طرف ہوتا ہے (اور آیت میں لفظ اَمَنَ مطلق ہے اس لئے ایمان کامل مراد ہے اور کمال ایمان کا تقاضا ہے کہ عیوب نفسانی فنا ہو جائیں) پس ایمان کامل کی شہادت اپنے ساتھ اس شہادت کو بھی لاتی ہے کہ صحابہ کے دل تمام نفسانی گناہوں سے پاک ہیں۔

المؤمنون سے مراد وہی مؤمن ہیں جو اس زمانہ میں موجود تھے یعنی صرف صحابہ مراد ہیں جیسے آیت يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ میں المؤمنین سے مراد صرف صحابہ ہیں۔ بانی وہ اہل السنۃ والجماعۃ جن کا ایمان صحابہ کے ایمان کی طرح ہو ان کا شمول صحابہ کے ساتھ (ذیلی طور پر) ہو جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی اور سوائے ایک فرقہ کے سب فرقے تاری ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ (نجات پانے والا) کونسا فرقہ ہو گا فرمایا جو اس طریقہ پر ہو گا جس پر میں اور میرے صحابی ہیں۔ رواہ الترمذی عن عبد اللہ بن عمرو۔

ان میں سے ہر ایک مضاف الیہ محذوف ہے۔ تنوین اس کے عوض ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ الْمُؤْمِنُونَ کا عطف یا الرّسول پر ہے اس صورت میں وہ ضمیر مضاف الیہ جس کی جگہ کُلُّ کی تنوین لانی گئی ہے الرّسول اور الْمُؤْمِنُونَ دونوں کے مجموعہ کی طرف راجع ہوگی یا الْمُؤْمِنُونَ مبتدا ہے اس وقت ضمیر مضاف الیہ صرف الْمُؤْمِنُونَ کی طرف راجع ہوگی اور کُلُّ اپنی خبر کے ساتھ مل کر الْمُؤْمِنُونَ کی خبر ہوگی اس صورت میں اَمَنَ کا فاعل تھا الرّسول ہوگا۔ عظمت شان رسول کی وجہ سے صرف الرّسول کی طرف اَمَنَ کی نسبت کی گئی یا اس وجہ سے تھا ایمان رسول کا ذکر کیا گیا کہ رسول کا ایمان مشاہدہ اور معاینہ کے ساتھ تھا اور دوسرے لوگوں کا ایمان نظری اور استدلالی۔

اَمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ
حزہ اور کسائی کی قرأت میں وکتابہ آیا ہے اور کتابہ سے مراد ہے قرآن مجید، قرآن عزیز پر ایمان کے ذیل میں باقی کتابوں کا ایمان داخل ہے یا کتابہ سے جس کتاب مراد ہے۔ اسم جنس اور اسم جمع میں فرق یہ ہے کہ اول کا اطلاق افراد جس پر اور دوسرے کا اطلاق جس کے مجموعوں پر ہوتا ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ الکتاب (کا شمول) الکتاب سے زیادہ ہے۔
وَرُسُلِهِ
اور اس کے پیغمبروں پر۔

لَا يُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ
یعنی انہوں نے کمایا یہ کہتے ہوئے تمام پیغمبروں پر ایمان لائے کہ ہم انبیاء کے درمیان ایمانی تفریق نہیں کرتے (کہ کسی پر ایمان لائیں اور کسی پر نہ لائیں) جیسا کہ یہودیوں نے کیا تھا اور کہا تھا کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے چونکہ أَحَدٌ نکرہ ہے اور نفی کے ذیل میں واقع ہوا ہے اس لئے مفید عموم ہے اور اس پر لفظ بَيْنَ آیا ہے۔ یعقوب کی قرأت میں لَا يُفَرِّقُ ہے اور ضمیر غائب لفظ کُلُّ کی طرف راجع ہے جیسے اَمَنَ کی ضمیر مفرد لفظ کُلُّ کی طرف راجع ہے۔

وَقَالُوا
(اور انہوں نے کہا) یعنی رسول اللہ اور مؤمنوں نے، معنوی اعتبار سے لفظ کُلُّ کی طرف ضمیر راجع ہے۔
سَمِعْنَا
ہم نے آپ کا فرمان سنا۔

وَاطْعَنَانَا
اور ہم نے آپ کا حکم مانا۔ بغوی نے حضرت جابر بن حکیم کا قول نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے کہا اللہ نے آپ کی اور آپ کی امت کی ثنائی ہے۔ آپ اللہ سے کچھ سوال

کچھ پورا کیا جائے گا پس اللہ کی تلقین سے آپ نے سوال کیا۔

عَفْرًا نَكَدَ یعنی اپنی مغفرت عطا فرمایا ہم تجھ سے تیری مغفرت مانگتے ہیں۔

رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ اے ہمارے رب! اور مرنے کے بعد تیرے ہی طرف لوٹنا ہے یہ آخری فقرہ حشر کا

اقرار ہے اسلئے ایمان میں داخل ہے صحیحین کی جو حدیث ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمنوں کا قول سمعنا اس آیت کے نزول سے پہلے تھا اس جگہ اللہ نے اسی قول کو بطور نقل ذکر فرمایا ہے اور ثناء کا اظہار کیا ہے یہی توجیہ زیادہ قوی ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا اللہ کسی کو مکلف نہیں کرتا مگر اس کی قدرت کی سمائی کے موافق۔ یہ معنی

اس وقت ہوں گے جب قدرت سے مراد امکانی قدرت ہو یا سمائی سے مراد ہے مقدار قدرت سے کم درجہ والی سمائی یعنی

سہولت۔ اول قسم ان احکام میں جاری ہوگی جن کی بنا قدرت ممکنہ پر ہے اور دوسری قسم کا اجراء ان احکام میں ہوگا جن کی بناء

سہولت آفریں قدرت پر ہے جیسے زکوٰۃ کے وجوب کے لئے مال کا نمو اور سال گزر جانا۔

آیت دلالت کر رہی ہے کہ شریعت نے ناممکن (فعل) پر مکلف نہیں کیا لیکن ناممکن فعل پر مکلف کرنا (عقلاً) ممنوع

ہے اس مفہوم پر آیت کی دلالت نہیں ہے۔ لہ

اس جگہ قدرت سے مراد ہے وہ استطاعت جو فعل سے پہلے موجود ہوتی ہے جیسے اسباب اور آلات کا فراہم ہونا (موانع

اور عوائق کا نہ ہونا) اوامر و احکام کے دلائل کا موجود ہونا۔ وہ حقیقی قدرت (جس کو استطاعت فعلی کہا جاتا ہے) مراد نہیں ہے

یہ تو فعل کے ساتھ ہوتی ہے (پہلے سے نہیں ہوتی) قدرت بالمعنی الاول کے موجود ہونے کی وجہ سے ہی قوم نوح و فرعون اور

ابو جہل و ابولہب مستحق عذاب قرار پائے اور ان کو عتاب کیا گیا اور مخاطب بنایا گیا حالانکہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی اور

کان بند کر دیئے اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا (یعنی غفلت کی مہر کر دی اور جمالت کا پردہ ڈال دیا) لیکن اس کے باوجود فرمایا لَمَنْ

شَاءَ يَنْكُحْكُمْ اَنْ يَسْتَقِيمَ یہ قرآن تم میں سے اس شخص کے لئے ہدایت ہے جو سیدھا چلنا چاہے (مراد یہ ہے کہ اسباب ہدایت

موجود ہیں آنکھیں دیکھنے کو، کان سننے کو، دماغ سمجھنے کو خدا نے دیدیا ہے۔ پیغمبر کو بھیج دیا، اپنا پیام ہدایت بھی بھیج دیا، پیغمبر نے

حق و باطل کی تمیز بتادی، کوئی خارجی مانع بھی نہیں ہے اب جو چاہے سیدھی راہ چلے، قدرت بالمعنی الاول موجود ہے) مگر یہ

بھی فرمادیا وَمَا تَشَاءُونَ اِلَّا اَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ یعنی بغیر مشیت خدا کے تمہاری مشیت ہی نہیں ہوگی اور مشیت خدا تو انسان

کی قدرت سے باہر ہے۔ لہذا انسانی مشیت جس کا وجود اللہ کی مشیت سے وابستہ ہے اس کا ہونا بھی محال ہے (گویا قدرت بالمعنی

الثانی یعنی استطاعت فعلی جو فعل کے ساتھ ساتھ ہوتی ہے جس کو توفیق الہی بھی کہا جاسکتا ہے محدود ہے۔ اس لئے فعل کا

وقوع نہیں ہوتا لیکن یہ قدرت و استطاعت مدار تکلیف نہیں اور امر و نہی کی اس پر بنا نہیں، یہ تو اللہ کی مشیت پر موقوف ہے

احکام کی بناء اول قدرت پر ہے جو پہلے سے موجود ہے اور ہر مکلف کو حاصل ہے) ایک طرف حکم دینا اور دوسری طرف توفیق نہ

دینا یہ اللہ کا خصوصی راز ہے اس کی چھان بین اور کاوش کی ضرورت نہیں یہ بہت بڑی ذہنی اور فکری لغزش گاہ ہے اندیشہ ہے کہ

کہیں قدم پھسل نہ جائے اس لئے صرف اس پر ایمان لانا اور خاموش رہنا ہی چاہئے۔

لہ اسی بناء پر اشاعرہ کا قول ہے کہ قرآن مجید میں کسی ناممکن عمل کا حکم نہیں دیا گو ننگے سے قرائت کو، لنگڑے سے چلنے کو اور پاگل سے صحیح

سوچنے کو نہیں کہا۔ نادار کو زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم نہیں دیا وغیرہ لیکن اللہ کے احکام چونکہ ہر غرض سے پاک ہیں، خصوصاً حکم الہی اعتبار کر سکنے

سے منزہ ہے (بیضاوی) اس لئے عقل کی ممانعت نہیں ہے کہ آدمی کو ناممکن عمل کی تکلیف دی جائے اگر وہ عدم استطاعت کی وجہ سے نہ کر سکتا ہو تو نہ

کرے امر تطبیقی ہر حال اپنی جگہ قائم رہے گا، لیکن دوسرے علماء کہتے ہیں کہ تکلیف با محال عقلاً بھی محال ہے ۱۲۰۔

لہ صاحب تبصرہ نے لکھا ہے کہ استطاعت اور قدرت حقیقہ وہ صفت ہے جو اللہ حیوان کے اندر پیدا کر دیتا ہے جس کے ذریعہ سے وہ اپنے

اختیاری افعال کرتا ہے گویا صاحب تبصرہ کے نزدیک استطاعت فعل عبد کی علت عادیہ ہے۔ لیکن جمہور کے نزدیک استطاعت اداء فعل کی شرط ہے،

علت نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ جس وقت بندہ کوئی کام کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور پہلے سے تمام اسباب و آلات فراہم ہوتے ہیں تو اللہ (بانی اگلے صفحہ پر)

شیخین نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے کہ جب آیت ان تبدوا مافی انفسکم صحابہؓ پر شاق گزری اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیم سے انہوں نے سمعنا و اطعنا غفر انک ربنا و الیک المصیر کہا تو اس پر اللہ نے آیت لایکلف اللہ نازل فرما کر اس سے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نسخ کا لفظ بطور مجاز کہا کیونکہ حقیقی نسخ تو احکام میں ہوتا ہے۔ نسخ کا معنی ہے اس حکم شرعی کو اٹھا دینا جو پہلے دیا گیا تھا۔ اخبار میں نسخ نہیں ہوتا اور اس جگہ دونوں آیتیں خبری ہیں پہلی آیت میں قلبی افعال پر مواخذہ کی اطلاع دی ہے اور دوسری آیت میں طاقت سے زیادہ مکلف نہ کرنے کی خبر ہے اس لئے حقیقی نسخ کا اس جگہ احتمال ہی نہیں ہے لیکن چونکہ اس آیت سے صحابہؓ کے اس خیال کا ازالہ ہو رہا ہے کہ خطرات نفس پر بھی مواخذہ ہو گا اور یہ ان کی تسلی کا موجب ہے اس وجہ سے حضرت ابو ہریرہؓ نے مجازاً اس کو لفظ نسخ سے تعبیر کیا۔

ہاں اگر نسخ حقیقی ہی مراد قرار دی جائے تو یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ آیت وان تبدوا اگرچہ خبر ہے لیکن (امر کے حکم میں ہے کیونکہ) اس سے رذائل نفس کا حکم حرمت معلوم ہوتا ہے جیسے آیت کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصَّیَامُ (امر کے حکم میں ہے کیونکہ) وجوب صوم پر دلالت کر رہی ہے پس آیت وَإِنْ تَبَدُّوا مَافِیْ أَنْفُسِکُمْ أَوْ تَخَفُوهُ یَحَا سِبْکُمْ بِدِ اللَّهِ کَالْفِظِ حرمت رذائل نفسانی کو شامل ہے اور آیت لَایُکَلِّفُ اللَّهُ نَفْسَکَ خَطَرَاتٍ پر غیر مکلف ہونے کو بتا رہی ہے کیونکہ خطرات نفس ہماری وسعت میں نہیں ہیں اور حکم تحریم ایک قسم کی پابندی ہے پس یہ آیت عدم تحریم پر دلالت کر رہی ہے لہذا نسخ تحریم ہو گئی واللہ اعلم (خلاصہ یہ کہ اللہ کے کلام میں خبر انشاء کے معنی میں ہوتی ہے اگر خبر کے بعد ممانعت نہ ہو تو وہ خبر مثل امر کے ہوتی ہے اور اس کی تعمیل امر کی طرح ضروری ہوتی ہے پس پہلی آیت میں مثبت خبر ہے۔ لہذا یہ سمجھا جائے گا کہ اللہ نے خطرات نفس پر مواخذہ کا حکم دیا ہے اور دوسری آیت میں منفی خبر ہے۔ اس لئے سمجھا جائے گا کہ اللہ نے خطرات نفس پر مواخذہ کی ممانعت فرمادی اور نئی امر کی نسخ ہوئی ہے لہذا دوسری آیت پہلی آیت کی نسخ ہو گئی)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو دوسو سے دل میں پیدا ہوتے ہیں جب تک ان پر عمل نہ ہو یا ان کو زبان سے نہ کہہ دیا جائے، اللہ نے میری امت کے لئے ان سے درگزر فرمائی ہے۔ (متفق علیہ) بغویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما عطاء اور اکثر اہل تفسیر کے نزدیک آیت وان تبدوا مافی انفسکم میں خطرات نفس (یعنی دوسو سے) مراد ہیں۔

میں کہتا ہوں آیت وان تبدوا اور لایکلف اللہ نفسا کے احکام کا تعلق صرف خطرات نفس سے ہی نہیں ہے بلکہ آیتوں میں عموم ہے ہاں خطرات نفس بھی اس عموم میں داخل ہیں لہذا خطرات نفس پر مواخذہ کا نسخ حسب تقریر مذکور ہو جائے گا۔

..... فائدہ

جب ثابت ہو چکا کہ رذائل نفس کا مواخذہ اعمال بدنہ کے مواخذہ سے زیادہ سخت ہے اور طاقت سے زیادہ آدمی مکلف

(باقی پچھلے صفحہ پر) اس کے اندر ایک صفت پیدا کر دیتا ہے جس کی موجودگی میں وہ اچھا برا کام کرتا ہے اور اس قسم کی استطاعت کا فعل کے ساتھ ساتھ ہونا ضروری ہے ورنہ وجود فعل بغیر استطاعت کے لازم آئے گا، گویا قدرت کے دو معنی ہیں ایک آلات و اسباب کا فراہم ہونا اور موانع کا نہ ہونا اس قدرت کا وجود پہلے سے ہوتا ہے، لیکن یہ قدرت ناقصہ ہے۔ دوسری وہ قدرت جس کے پیدا ہونے کے وقت تمام شرائط ضروریہ پہلے سے موجود ہوتی ہیں اور کام کرنے کے وقت اللہ کی طرف سے بندہ کو ایک خاص طاقت مل جاتی ہے جس کو ہم توفیق کہہ سکتے ہیں اور اس کے ساتھ اس فعل کا صدور لازم ہوتا ہے یا عادت ہو جاتا ہے، معتزلہ کہتے ہیں کہ استطاعت اور قدرت ایک قوت کا نام ہے جو بندہ کے اندر ہوتی ہے اور یہ پہلے سے ہوتی ہے فعل کے وقت اس کا وجود نہیں ہوتا ورنہ قوت اور فعل کا اجتماع لازم آئے گا حالانکہ قوت صرف استعداد ہوتی ہے اور فعل وجودی چیز ہے اور عدم وجود کا اجتماع ممکن نہیں اسی بناء پر وہ بندہ کو اپنے افعال کا خالق قرار دیتے ہیں کیونکہ قدرت بندہ کے اندر پیدا کر دی گئی ہے گویا توفیق الہی کی معتزلہ کو ضرورت نہیں بس طاقت دے دینا ہی ان کے نزدیک توفیق ہے، ۱۲۔

نہیں ہے تو اگر بندہ اپنی امکانی کوشش کرے اور مجاہدہ نفسانی کے ذریعہ امراض نفسانی کو دور کرنے کی جدوجہد کو کام میں لائے اور خواہش نفس کے پیچھے نہ پڑ جائے اور رذائل نفس کو دور کرنے کے لئے فقراء کے دامن سے وابستہ ہو جائے تو امید ہے کہ اللہ اس کے اندرونی معاصی معاف فرمادے گا، مؤاخذہ نہ کرے گا۔ کیونکہ طاقت سے زیادہ بندہ مکلف نہیں اور ممنوعات خداوندی پر کاربند ہونے کی وہ امکانی کوشش کر چکا۔ لیکن جو شخص اپنے اندرونی عیوب کی طرف توجہ ہی نہ کرے اور رذائل نفس کو دور کرنے کا ارادہ ہی نہ ہو تو وہ یقیناً دوزخ میں جائے گا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صوفیہ کے طریقہ پر چلنا اور فقراء کے دامن سے وابستہ ہونا ایسا ہی فرض ہے جیسے کتاب اللہ کی تلاوت اور اس کے احکام کو سیکھنا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا میں نے تم میں دو عظیم الشان چیزیں چھوڑی ہیں (ایک) کتاب اللہ (دوسری) اپنی آل۔ پس اللہ کی کتاب کو استیاضا احکام، درستی اعمال، نصیحت پذیری اور مدارج قرب کی ترقی کیلئے پکڑنا ضروری ہے اور مرضی خدا کے مطابق باطن کی صفائی اور نفس کے تزکیہ کیلئے آل رسول کے دامن سے وابستہ ہونا بھی لازم ہے۔
لَهَا مَا كَسَبَتْ (یعنی اعضاء جسمانی کے اعمال ہوں یا اندرونی افعال) بہر حال جو نیکی کوئی نفس کرے گا اس کا فائدہ اسی کو ملے گا۔

وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ اور جو بدی کریگا اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا یعنی طاعت و معصیت سے نفع و نقصان انسان کا اپنا ہی ہے۔ کسب اور اکتساب میں یہ فرق ہے کہ کسب کا معنی ہے صرف کمانا اور اکتساب کا معنی ہے اپنے لئے کوئی کام کرنا۔ شرکی طرف انسان کے نفس کو رغبت ہوتی ہے اس کی طرف طبیعت کھینچتی ہے اس لئے تحصیل شرکی زیادہ کوشش کرتا ہے اور خیر کی حالت اس کے خلاف ہے (خیر کی طرف نفس کی کشش نہیں ہوتی) اس لئے خیر کیلئے لفظ کسب اور شر کیلئے لفظ اکتساب استعمال کیا۔
رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا
إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَاْنَا یعنی تم کہو کہ اے ہمارے رب ہم سے مؤاخذہ نہ کرنا ہم کو سزا نہ دینا۔

یعنی اگر ہم یاد نہ رہنے کی وجہ سے کسی واجب کو ترک کر دیں یا بے پروائی کی وجہ سے کسی کام کو درست طور پر نہ کریں۔ یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ نسیان و خطا پر گرفت عقلاً ممنوع نہیں ہے کیونکہ گناہ زہری طرح ہیں، غلطی سے زہر کھانا بھی مملک ہوتا ہے اسی طرح گناہ کا ارتکاب بھی موجب عذاب ہے یا سینہ میں تنگی اور دل میں زنگ پیدا ہو جانے کا سبب ہے خواہ بغیر ارادہ کے ہی ہو۔ حضرت شیخ شہیدؒ نے اپنے شیخ سید نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ جب شیخ بدایونی کے پاس کھانا کچھ اور چیز ہدیہ میں آئی تھی تو شیخ بصیرت کی نظر سے اس پر غور کرتے تھے۔ اگر اس کے اندر کسی قسم کی تاریکی نظر نہ آئی تو خود کھا لیتے یا استعمال کر لیتے یا دوسرے کو دیدیتے اور کبھی ہدیہ میں آئے ہوئے کھانے کو زمین میں دفن کر دیتے۔ کسی بے بصیرت شخص نے پوچھا شیخ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں کسی دوسرے کو ہی کھلا دیا کریں۔ فرمایا سبحان اللہ اگر مسلمان کو کھانے میں زہر ملا نظر آجائے اور وہ خود نہ کھائے تو کیا دوسرے کو کھانے کے لئے دینا جائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمان استفت قدیک وان افتاک المفتون کا روئے خطاب انہی لوگوں کی طرف ہے۔ یعنی چاہے مفتی تم کو فتویٰ دے چکے ہوں پھر بھی اپنے دل سے فتویٰ طلب کرو (اگر مفتیوں کے جائز قرار دینے کے باوجود تمہارا دل اس کے جواز کی طرف راغب نہ ہو تو مت اختیار کرو)۔

حدیث سے ثابت ہے اور اجماع بھی منعقد ہے کہ اس امت کی خطا و نسیان کو اللہ نے معاف فرمادیا ہے ایسی صورت میں آیت کے اندر جو دعا مذکور ہے اس کا ورود صرف طلب دوام اور شہرِ نعمت کیلئے ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرما چکے ہیں کہ میری امت سے خطا و نسیان اور مجبوری (کا مؤاخذہ) اٹھالی گئی ہے۔ یہ حدیث طبرانی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کی ہے اور پہلے گزر چکی ہے۔ اٹھانے سے مراد ہے گناہ کا اٹھالینا یعنی آخرت میں بھول چوک (اور مجبوری) کا مؤاخذہ نہ ہوگا دنیا میں اٹھالینے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ دنیا میں بھول چوک اور مجبوری کا مؤاخذہ ہوتا ہے یہ دنیا دار العمل ہے یہاں اگر بھول چوک یا کسی کے جبر کرنے سے کوئی گناہ ہو جائے تو جہاں تک ممکن ہو اس کا تدارک ضروری ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے

ارشاد فرمایا تھا جو نماز سے سو جائے یا نماز پڑھنی بھول جائے تو جب یاد آئے پڑھ لے۔ بھول چوک کے عذر سے اجتماع روزہ، نماز کی قضاء ساقط نہیں، نماز میں سو اہو جائے تو سجدہ سو بالا جماع واجب ہے۔ قتل خطاء موجب کفارہ ہے اور میراث سے بھی اجتماع محروم کر دیتا ہے۔ امام شافعیؒ بھول چوک کا اعتبار دنیوی احکام میں بھی کرتے ہیں۔

مسئلہ :- بھول کر نماز میں کلام کرنے سے امام اعظمؒ کے نزدیک نماز ٹوٹ جاتی ہے اس کی دلیل ہم لکھ چکے ہیں۔ لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک نہیں ٹوٹی کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو پچھلے دن کی کوئی ایک نماز پڑھانی ظہر کی یا عصر کی اور دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا اور پھر مسجد کے قبلہ کی طرف تشریف لے جا کر ایک تہ سے لگ کر غصہ کی حالت میں بیٹھ گئے۔ لوگوں میں حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما موجود تھے مگر دونوں کو بات کرنے سے ڈر لگا۔ لوگ جلدی جلدی مسجد سے باہر نکل گئے اور کہنے لگے نماز میں قصر ہو گیا۔ ذوالیدین نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ بھول گئے یا نماز میں قصر ہو گیا ہے۔ حضور ﷺ نے دائیں بائیں دیکھا اور فرمایا ذوالیدین کیا کہہ رہا ہے صحابہؓ نے عرض کیا۔ انہوں نے سچ کہا آپ نے صرف دو رکعتیں پڑھی ہیں۔ حضور ﷺ نے فوراً (بقیہ) دو رکعتیں پڑھیں اور سلام پھیر دیا پھر تکبیر کہی پھر سجدہ کیا۔ پھر تکبیر کہی پھر سر اٹھایا پھر تکبیر کہی پھر سجدہ کیا پھر تکبیر کہی پھر سر اٹھایا (یعنی سو کے دو سجدے کئے) متفق علیہ۔ ہم کہتے ہیں یہ حدیث آیت قَوْمُوا لِلَّهِ فَلْيَتَنَزَّہْ سے منسوخ ہے، اس آیت کی تفسیر میں حضرت زید بن ارقمؓ کی روایت کردہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

مسئلہ :- جمہور کے نزدیک بھول کر جماع کرنے سے حج فاسد ہو جاتا ہے۔ شافعی کا قول اس کے خلاف ہے ہمارے نزدیک جبر اور غلطی دونوں طرح کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ شافعی کا مسلک اس کے بھی خلاف ہے۔ اس اختلاف کی بنیاد حدیث رفع عن امی میں لفظ رفع کی تشریح کا اختلاف ہے (شافعی کے نزدیک احکام دنیا کا رفع بھی مراد ہے اور ہمارے نزدیک صرف عذاب آخرت کا)۔

مسئلہ :- غلطی سے کچھ کھالینے سے امام اعظمؒ اور صاحبینؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ امام احمدؒ اور شافعیؒ کے نزدیک فاسد نہیں ہوتا۔ بھول کر کچھ کھالینے سے امام مالکؒ کے نزدیک روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے۔ جمہور کے نزدیک فاسد نہیں ہوتا۔

بھول کر کھالینے سے روزہ فاسد نہ ہونے کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ یہ حدیث ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی بھول کر کھاپی لے تو اپنے روزہ کو پورا کرے کیونکہ یہ تو اس کو اللہ ہی نے کھلایا پلایا ہے، متفق علیہ۔

مسئلہ :- ذبح کے وقت بسم اللہ بھول جانے سے امام مالکؒ کے نزدیک ذبیحہ حرام ہو جاتا ہے۔ حدیث مذکور کی وجہ سے ہمارے نزدیک حرام نہیں ہوتا۔ حدیث قیاس کے خلاف ہے اس مسئلہ کا ذکر ہم سورۃ انعام میں کریں گے۔

..... فائدہ ﴿﴾

کلبی کا بیان ہے کہ احکام کی بھوک چوک پر بنی اسرائیل کو جلد سزا مل جاتی تھی فوراً کھانے پینے کی کوئی چیز ان کے لئے حرام کر دی جاتی تھی۔

اے ہمارے رب اور نہ لاہم پر بھاری بوجھ۔ اصرار کا معنی ہے حبس۔ ایسا بار جو بوجھ والے کو روک دے۔ اصرار کہلاتا ہے۔ یہاں وہ احکام شاقہ مراد ہیں جو اٹھانے نہ جائیں۔

کَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا جیسا کہ تو نے ہم سے پہلوں پر یعنی یہودیوں پر لا دیا تھا۔ اللہ نے یہودیوں پر پچاس وقت کی نماز فرض کی تھی اور زکوٰۃ میں ایک چوتھائی مال دینے کا حکم دیا تھا۔ ان کو یہ بھی حکم تھا کہ اگر کپڑے پر نجاست لگ جائے تو کپڑے کو کاٹ دیا جائے۔ اگر کسی سے کوئی گناہ ہو جاتا تو صبح کو اس کے دروازہ پر لکھا ہوا پایا جاتا۔ جب

انہوں نے پچھڑے کی پوجا کی تو حکم دیا گیا فَتَوْبُوا إِلَيَّ بَارِكْ لَكُمْ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ بعض علماء کا قول ہے کہ اصر سے ایسا گناہ مراد ہے جس کی توبہ نہ ہو۔

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ اے ہمارے رب اور ہم پر نہ ڈال ایسا بار جس کی ہم میں طاقت نہ ہو۔ ناقابل برداشت بار سے مراد ہے مصیبت اور عذاب یا سخت احکام۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تکلیف مالا یطاق (عقلاً) جائز ہے مگر اللہ کی مہربانی سے شریعت میں ناقابل طاقت کوئی حکم موجود نہیں ہے۔ لاتحمل (باب تفہیل) اس جگہ تشدید کے ساتھ ہے کیونکہ اس جگہ پر فعل کے دو مفعول ہیں (نالورما)۔

وَأَعْفُ عَنَّا وَاعْفُ لَنَا یعنی ہمارے گناہوں کو مٹا دے اور ان پر پردہ ڈال دے (لغت میں مغفرت کا معنی ہے چھپانا)۔ وَارْحَمْنَا اور ہم پر رحم فرما کیونکہ (ہم خود کچھ نہیں کرتے) جو نیکیاں ہم کرتے ہیں یا گناہوں کو چھوڑتے ہیں وہ صرف تیری رحمت سے کرتے ہیں۔

أَنْتَ مَوْلَانَا تو ہمارا آقا ہے، مددگار ہے، حفاظت کرنے والا ہے، کارساز ہے۔ فَانصُرْنَا لہذا ہم کو فتح یاب کر۔ اس جگہ فاتفریعیہ ہے اور مفہوم آقایت پر اس کی تفریع ہے۔ کیونکہ آقا کو اپنے غلاموں کی مدد کرنی ہی چاہئے۔

عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ کافر قوم پر۔ عام کافر مراد ہیں جنات ہوں یا انسان یہاں تک کہ نفس لادہ بھی (کافر ہے اس کے خلاف بھی فتح یابی کی دعا ہے)۔

بنوئی نے لکھا ہے کہ حضرت معاذ سورہ بقرہ ختم کرنے کے بعد آمین کہتے تھے۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث آئی ہے کہ اللہ نے فرمایا۔ اچھا یعنی رسول اللہ ﷺ جب آیت رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا پڑھ چکے تو اللہ نے فرمایا، اچھا، اسی طرح دوسرے جملہ کو مین قَبْلِنَا تک اور تیسرے جملہ کو مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ تک اور چوتھے جملہ کو آخر سورہ تک پڑھ چکے تو اللہ نے ہر جملہ کے بعد فرمایا۔ اچھا

مسلم و ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بجائے اچھا کے قد فعلت کا لفظ آیا ہے یعنی میں نے ایسا کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دوسری روایت میں آیا ہے کہ لفظ غَفَرْنَا نِک پڑھنے کے بعد اللہ نے فرمایا قد غفرت لکم میں نے تم کو بخش دیا اور جملہ أَوْ أَخْطَأْنَا کے بعد فرمایا لَا تُلَاحِظُوا حُكْمَکُمْ میں تم سے مواخذہ نہیں کروں گا اور لَا تُحْمِلْ عَلَيْنَا کے بعد فرمایا لَا احْمِلْ عَلَیْکُمْ اور لَا تَحْمِلْنَا کے بعد فرمایا لَا احْمِلْکُمْ اور وَاَعْفُ عَنَّا کے بعد فرمایا قَدْ غَفَوْتُ عَنْکُمْ وَ غَفَرْتُ لَکُمْ وَ رَحِمْتُکُمْ وَ نَصَرْتُکُمْ عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ یعنی میں نے تمہارے گناہ معاف کر دیئے، بخش دیئے، اور تم پر رحمت فرمائی اور تم کو کافروں پر فتح یاب کیا۔ یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ اللہ کی طرف سے دعا قبول کر لی گئی۔ بھول چوک کا مواخذہ نہ ہونے کا حکم اجماعاً تمام امت کے لئے ثابت ہے۔ اسی طرح اصر کا بار نہ ڈالنا اور مالا یطاق پر مکلف نہ کرنا بھی تمام امت کے لئے عام ہے۔ دوسری آیت سے اس کی تائید ہو رہی ہے فرمایا ہے لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا کیونکہ قانون شریعت ایک ہے اور دوائی ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ جو حکم اگلوں کے لئے ساقط تھا وہ پچھلوں کے لئے ساقط نہ ہو (حکم کی معافی سے تو سب کے لئے ہے) اور رسول اللہ ﷺ کے بعد نہ کوئی حکم منسوخ ہو سکتا ہے نہ بدل سکتا ہے۔ ہاں تمام گناہوں کی معافی کا حکم اور عمومی رحمت اور کافروں پر فتح یابی کی صراحت یہ چیزیں بظاہر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کے لئے مخصوص تھیں۔ غفوت اور غفرت اور رحمت اور نصرت کے (ماضی کے صیغے) اسی پر دلالت کر رہے ہیں۔ ورنہ فرق مر جیہ کا قول حق ہو گا (کہ ایمان ہو تو کوئی کبیرہ گناہ بھی قابل مواخذہ نہیں رہتا سب گناہ معاف ہیں) عام امت کے گناہوں کا اختیار اللہ کو ہے چاہے معاف کر دے چاہے ان کی سزا دے، اسی لئے بہت مرتبہ مسلمانوں کی مدد خدا کی طرف سے نہیں کی جاتی اور کافروں کے

مقابلہ میں فتح یاب نہیں کیا جاتا (کیونکہ) فتح یابی کا حکم عمومی نہیں ہے جیسے مغفرتِ ذنوب کا حکم عام نہیں ہے (نصرت اور فتح یابی کا مدار تو ولایتِ الہیہ پر ہے اور ارتکابِ معاصی کی صورت میں ولایتِ الہیہ باقی ہی کہاں رہتی ہے۔ اے اللہ امت محمدیہ کو بخش دے اللہ امت محمدیہ پر رحمت فرما۔ اے اللہ امت محمدیہ کے اعمال کی اصلاح فرما۔ آمین

..... فصل ❦

سورۃ فاتحہ کے فضائل میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ ایک فرشتہ آسمان سے اتر اور اس نے (رسول اللہ ﷺ سے) کہا آپ کو دو نوروں کی بشارت ہو جو آپ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں دیئے گئے۔ فاتحہ الکتاب اور سورۃ بقرہ کی خاتمہ والی آیات۔ آپ جو حرف بھی ان کا پڑھیں گے وہ آپ کو ضرور دیا جائے گا۔ یعنی ایک تو اللہ کی تعلیم سے جو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ پڑھنے کا حکم ہوا ہے اس کو اگر پڑھا جائے گا تو ضرور سیدھا راستہ اللہ دکھا دے گا اور دوسرے رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ تَسِينَا سے آخر سورت تک اگر پڑھا جائے گا تو اللہ قبول فرمائے گا اور حسب دعا عطا کرے گا) اور یہ دونوں نور صرف رسول اللہ ﷺ کو ہی عطا کئے گئے ہیں اسی لئے آپ کے بعد بھی آپ کی امت (بحیثیت مجموعی) گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔ دوسری حدیث صحیحین میں معاویہؓ کی روایت سے آئی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گا، مدد نہ کرنے والے اس کو ضرر نہ پہنچا سکیں گے اور نہ اس کی مخالفت کرنے والے نقصان پہنچا سکیں گے۔ اسی حالت میں اللہ کا امر یعنی قیامت بپا ہونے کا حکم آجائے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب (معراج میں) لے جایا گیا اور آپ سدرۃ المنتہی تک پہنچے۔ سدرۃ المنتہی چھٹے آسمان پر ہے۔ زمین سے چڑھنے والے (اعمال) بھی اسی جگہ تک پہنچتے ہیں اور لے لئے جاتے ہیں اور اوپر سے اترنے والے (احکام) بھی اسی جگہ تک پہنچتے اور لے لئے جاتے ہیں۔ سدرۃ المنتہی پر ہی وہ چیز چھائی ہوئی ہے جس کا ذکر آیت اِذْ يَخْشَى الْبَسْدَرَةَ مَا يَخْشَى فِيهَا مِنْ سَمَرٍ يَنْثَلُ ہے یعنی سنہری پتنگے۔ اس جگہ آپ ﷺ کو تین چیزیں عطا ہوئیں۔ پانچ وقت کی نمازیں، سورۃ بقرہ کے خاتمہ کی آیات اور آپ ﷺ کی امت کے ان لوگوں کے کبار کی معافی جو شرک نہیں کرتے۔ (رواہ مسلم)

یعنی غیر مشرک کے کبار کی معافی کا وعدہ کر لیا ہے، خواہ توبہ کے بعد ہو یا بغیر توبہ کے محض رحمت سے بغیر عذاب دیئے ہو یا عذاب کے بعد ہو۔ خلاصہ یہ کہ مؤمن کو کبیرہ گناہوں کی وجہ سے ہمیشہ دوزخ میں نہیں رکھا جائے گا۔ وہ قول صحیح نہیں ہے جو معتزلہ اور رافضیوں نے اور خارجیوں کا ہے (کہ مرتکب کبیرہ مؤمن نہیں رہتا)۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورۃ بقرہ کے آخر کی دو آیتیں ہیں جو رات کو ان کو پڑھے گا۔ (رات بھر کے لئے) وہ اس کے لئے کافی ہوں گی۔ رواہ الائمۃ السنیۃ۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آسمان و زمین کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے اللہ نے ایک تحریر لکھ دی تھی، جس میں سے دو آیات سورۃ بقرہ کے خاتمہ والی نازل فرمادیں، جس گھر میں یہ دونوں آیات تین رات پڑھی جائیں تو ایسا نہیں ہو سکتا کہ شیطان اس کے قریب آ سکے۔ رواہ البغوی۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ اللہ نے جنت کے خزانوں میں سے دو آیات نازل فرمائیں، ان آیات کو پیداؤں مخلوق سے دو ہزار برس پہلے رحمن نے اپنے ہاتھ سے لکھ دیا تھا جو شخص عشاء کی نماز کے بعد ان کو پڑھ لے گا قیام شب کی جگہ یہ اس کے لئے کافی ہوں گی۔ أخرجه ابن عدی فی الکامل۔

معتزلہ مرتکب کبیرہ کو ایمان سے خارج قرار دیتے ہیں مگر کافر بھی نہیں کہتے اور خارجی کافر کہتے ہیں بہر حال دونوں فرقے مرتکب کبیرہ کو دوا می دوزخی کہتے ہیں لیکن روافض مرتکب کبیرہ کو ایمان سے خارج نہیں قرار دیتے۔ معلوم نہیں حضرت مؤلف نے الروافض کا لفظ یہاں کیوں بڑھا دیا، ۱۲۔

حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ سورت جس میں بقرہ کا ذکر ہے میزان قرآن ہے۔ تم لوگ اس کو سیکھو، اس کو سیکھنا برکت ہے اور اس کو چھوڑ دینا (باعث) حسرت ہے۔ باطلین اس کی تاب نہیں لاسکتے۔ عرض کیا گیا باطلین کون۔ فرمایا جادوگر۔ آخر جہ الدیلمی فی مسند الفردوس۔

سورۃ بقرہ کی تفسیر ۲۵ ربیع الثانی ۱۱۹۶ھ کو ختم ہوئی۔

اور اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تفسیر مظہری سورۃ بقرہ کا ترجمہ ختم کرنے کی توفیق اس فقیر کو بخشی دلہ اللہ والحمد۔
۱۱ شعبان المعظم ۱۳۸۱ھ

حضرت مؤلف سرہ نے سورہ بقرہ کے ختم پر فضائل سورت کے سلسلہ میں چند روایات حاشیہ میں درج کی ہیں، ہم
نے ان کا ترجمہ حاشیہ میں درج کیا ہے۔

۱۔ بیہقی نے شعب الایمان میں بروایت صلیح سند کے ساتھ مرفوعاً بیان کیا ہے کہ جو شخص سورۃ بقرہ پڑھے گا اس کو جنت میں تاج پہنایا جائے گا۔ دیلمی نے بروایت حضرت ابو ہریرہؓ مرفوعاً نقل کیا ہے کہ دو آیات ہیں جو قرآن (کا جزء) ہیں سورۃ بقرہ کے آخری ہیں دونوں شفاعت کریں گی یہ دونوں اللہ کو محبوب ہیں، ابو عبیدہؓ نے ایک حدیث سے تخریج کی ہے کہ جس گھر میں سورۃ بقرہ پڑھی جاتی ہے اور شیطان سنتا ہے تو شیطان اس گھر سے نکل جاتا ہے، اس مضمون کی احادیث حضرت ابن مسعودؓ و حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کی روایت سے بھی آئی ہیں، امام احمدؒ نے حضرت بریدہؓ کی حدیث سے تخریج کی ہے کہ سورۃ بقرہ سیکھو اس کو لینا برکت ہے اور چھوڑنا (باعث) حسرت، جادوگر اس کی تاب نہیں لاسکتے، سورۃ بقرہ اور آل عمران سیکھو، یہ دونوں دو شگفتہ پھول ہیں (قیامت کے دن پڑھنے والے پر سایہ افکن ہوں گے گویا دو عمائے یاد و بدلیاں ہوا میں تنظیم کے ساتھ رکے ہوئے پرندوں کی دو ٹکڑیاں ہوں گی، ابن حبانؒ وغیرہ نے حضرت سہل بن سعدؓ کی حدیث سے تخریج کی ہے کہ ہر شئی کی ایک چوٹی ہوتی ہے، قرآن کی چوٹی (کوہن) سورۃ بقرہ ہے۔ جو شخص گھر کے اندرون میں اس کو پڑھے گا شیطان اس گھر میں تین دن تک داخل نہ ہو گا اور جو گھر کے اندر رات میں پڑھے گا شیطان اس گھر میں تین رات داخل نہ ہو گا۔ ابو عبیدہؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے تخریج کی ہے کہ جو شخص بقرہ اور آل عمران کو رات میں پڑھے گا اس کو قانتین میں لکھا جائے گا، دارمیؒ نے بروایت مغیرہؓ بن شافع بیان کیا کہ جو شخص سورۃ بقرہ کی دس آیات سوتے وقت پڑھے گا قرآن کو نہیں بھولے گا، چار آیات شروع کی، ایک آیہ الکرسی دو آیات اس کے بعد والی اور تین آیات آخر سورت کی۔

منہ نور اللہ مرقدہ



.....: سورہ آل عمران

مدنی ہے، اس کی آیات دو سو ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابن ابی حاتم نے بروایت ربیع بن انس بیان کیا کہ کچھ عیسائی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت عیسیٰ کے متعلق آپ ﷺ سے مناظرہ کرنے لگے اس پر اللہ تعالیٰ نے اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سے کچھ اوپر اُٹھتی آیات آل عمران کی نازل فرمائیں۔

ابن اسحاق نے بیان کیا کہ مجھ سے محمد بن سل بن ابی امامہ نے کہا کہ جب نجران کے نمائندے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حضرت عیسیٰ بن مریم کے متعلق سوال کرنے کے لئے حاضر ہوئے تو ان کے متعلق سورہ آل عمران شروع سے آتی ۸۰ آیات کے آخر تک نازل ہوئی، یہی فی الدلائل۔

بغوی نے کلبی اور ربیع بن انس کا قول بھی یہی لکھا ہے کہ ان آیات کا نزول نجران کے نمائندوں کے متعلق ہوا جن کی تعداد ساٹھ تھی۔ وہ اونٹوں پر سوار ہو کر آئے تھے پوری جماعت کے سردار ۱۴ شخص تھے اور ان میں بھی صرف تین لیڈر تھے۔ عاقب سب کا امیر اور مشیر اعلیٰ تھا، جس کے مشورہ کے بغیر اہل وفد کچھ کام نہیں کرتے تھے۔ عاقب کا نام عبدالمسیح تھا۔ امیر سفر سید تھا جس کا نام ایہم تھا۔ اور ابو حارثہ بن علقمہ پادری اور اہل قافلہ میں مذہبی عالم تھا۔ رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز پڑھ چکے تھے کہ یہ وفد مسجد میں داخل ہوا۔ یعنی منقش کپڑے کے چغے پہنے اور خوبصورت مردانہ چادریں اوڑھے ایسے بھلے معلوم ہوتے تھے کہ دیکھنے والے کہہ رہے تھے ہم نے اس شان کا کوئی ڈیپویشن نہیں دیکھا، ان لوگوں کی نماز کا وقت بھی ہو گیا تھا اس لئے وہیں مسجد میں نماز کو کھڑے ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اجازت دیدی۔ مشرق کی طرف منہ کر کے انہوں نے نماز پڑھی۔ سید اور عاقب سے گفتگو ہوئی، رسول اللہ ﷺ نے اسلام لانے کی دعوت دی۔ دونوں نے جواب دیا ہم تو آپ سے پہلے ہی اسلام لائے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم غلط کہتے ہو تم کو اسلام سے روک دینے والی چیز یہ ہے کہ تم اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہو، صلیب کی پرستش کرتے ہو اور خنزیر کھاتے ہو (یعنی خنزیر کے گوشت کو حلال سمجھتے ہو) کہنے لگے اچھا بتاؤ اگر عیسیٰ کا باپ خدا نہیں تو ان کا باپ اور کون تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تم ناواقف ہو کہ ہمارا رب زندہ ہے، جس کو موت نہیں اور عیسیٰ پر موت آئے گی۔ اہل وفد نے کہا، بلاشبہ ایسا ہی ہے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا رب ہر چیز کو تھامے ہوئے ہے نگران کل اور رزاق ہے۔ اہل وفد نے کہا جانتے کیوں نہیں ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا عیسیٰ کے قابو میں بھی ان امور میں سے کوئی شے ہے۔ اہل وفد نے جواب دیا نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم کو علم نہیں کہ اللہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ نہ زمین میں، نہ آسمان میں، اہل وفد نے کہا جانتے کیوں نہیں۔ فرمایا تو کیا عیسیٰ بھی سوائے اپنے مخصوص علم کے اس میں سے کچھ جانتے ہیں، اہل وفد نے کہا، نہیں۔ فرمایا ہمارے رب نے عیسیٰ کی شکل ماں کے پیٹ کے اندر جیسی چاہی بنا دی۔ ہمارا رب نہ کھاتا ہے، نہ پیتا ہے، اہل وفد نے کہا جی ہاں، فرمایا کیا تم کو اتنی سمجھ نہیں کہ عیسیٰ کو ماں نے اپنے پیٹ میں اسی طرح رکھا جس طرح عورت بچہ کو اپنے پیٹ میں

۱۔ حضرت مؤلف قدس سرہ نے لکھا ہے ظاہر یہ ہے کہ ان آیات کی شمار ۸۴ ہے یعنی لا تفروق بین احدہم و نحن لہ مسلمون تک، اس کے بعد آیت ومن یتبع غیر الاسلام دینا الخ مردوں کے متعلق نازل ہوئی۔

رکھتی ہے اور اسی طرح جنا جس طرح عورت جنتی ہے پھر عیسیٰ کو اسی طرح غذا دی گئی جیسے بچہ کو دی جاتی ہے۔ عیسیٰ کھاتے بھی تھے، پیتے بھی تھے اور پیشاب، پاخانہ بھی کرتے تھے۔ اہل وفد نے کہا ہم یہ باتیں جانتے ہیں۔ فرمایا تو عیسیٰ تمہارے دعوے کے بموجب اللہ کا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد اہل وفد خاموش ہو گئے اور اللہ نے سورہ آل عمران کی شروع سے کچھ لو پر اسی ۸۰ آیات نازل فرمائیں۔

اللَّهُ ۝۱۱۱ یعقوب کے نزدیک الہم پر وقت ہے اور اللہ سے الگ ابتداء ہے۔ جمہور کے نزدیک وقف نہیں ہے اور الہم اللہ قرأت ہے سببویہ کے نزدیک اللہ کالف ساقط کر دیا گیا اور میم کے فتح کو اللہ کے لام سے ملا دیا گیا۔ زحشری کے نزدیک میم پر فتح اللہ کے الف کا دے دیا گیا۔ پھر الف کو ساقط کر دیا گیا۔ میم کو کم سے کم دو حرکات کے برابر اور زیادہ سے زیادہ چھ حرکات کے بقدر کھینچنا جائز ہے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۝۱۱۲ یعنی سوائے اللہ کے کوئی الہ موجود نہیں ہے۔
الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۝۱۱۳ یعنی وہ وحی و قیوم ہے، آیت الکرسی کی تشریح میں ہم ان دونوں لفظوں کے معنی کی توضیح کر چکے ہیں۔

ابن ابی شیبہ، طبرانی اور ابن مرددہ نے ابو امامہ کی مرفوع حدیث بیان کی کہ اللہ کا اسم اعظم تین سورتوں میں ہے۔ البقرہ اور آل عمران اور اطرہ۔ حضرت ابو امامہ کے شاگرد قاسم نے کہا میں نے تینوں سورتوں میں تلاش کیا تو الحی القیوم کو تینوں سورتوں میں مشترک پایا ایک سورہ بقرہ کی آیت الکرسی، میں دوسرے آل عمران کی اسی آیت میں اور تیسرے سورہ اطرہ کی آیت وعنت الوجوه للحی القیوم میں۔

جزری مؤلف حصن حصین نے لکھا ہے کہ میرے نزدیک اسم اعظم لا الہ الا اللہ هو الحی القیوم ہے (یعنی تینوں سورتوں میں مذکور ہے) میں کہتا ہوں کہ اسم اعظم لا الہ الا اللہ هو ہے۔ حدیثوں میں مطابقت اس طرح ہو جائے گی۔ ایک حدیث حضرت ابو امامہ کی روایت کردہ جو ابھی بیان کر دی گئی، دوسری حدیث اسماء بنت یزید کی روایت کردہ کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے خود سنا، فرمایا ہے تھ اللہ کا اسم اعظم ان دو آیات میں ہے الہکم الہ واحد لا الہ الا اللہ والرحمن الرحیم اور اللہ لا الہ الا اللہ هو الحی القیوم، رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ و الدارمی۔

تیسری حدیث حضرت سعد بن ابی وقاص کی روایت کردہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ذوالنون (حضرت یونس علیہ السلام) نے مچھلی کے پیٹ کے اندر اپنے رب سے جو دعا کی تھی وہ یہ تھی۔ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ۔ جو مسلمان کسی چیز کے متعلق ان الفاظ کے ساتھ اللہ سے دعاء کرے گا تو اللہ اس کی دعا ضرور قبول کرے گا۔ رواہ احمد و الترمذی، متدرک میں عام نے لکھا ہے لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ۔ اللہ کا وہ اسم اعظم ہے کہ اگر اس کے ذریعہ سے اللہ سے دعاء کی جائے تو اللہ قبول فرماتا ہے اور اس سے کچھ مانگا جائے تو عطا فرماتا ہے۔

چوتھی روایت حضرت یزید کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو یہ کہتے سنا اللہم انی اسالک یا نبی اشہد ان لا الہ الا انت الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن له کفو احد، فرمایا اس شخص نے اللہ سے ایسا اسم اعظم پڑھ کر دعا مانگی ہے کہ جب اس سے اس اسم کے ذریعہ سے کچھ مانگا جائے تو وہ عطا فرماتا ہے اور دعاء لی جائے تو قبول فرماتا ہے، رواہ احمد، ابو داؤد و النسائی و ابن ماجہ و الترمذی و الحاکم و ابن حبان، ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے اور حاکم نے نے کہا کہ شرط یخین کے مطابق صحیح ہے۔

پانچویں حدیث اس پوری جماعت نے حضرت انس کی روایت سے بیان کی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں مسجد میں بیٹھا ہوا تھا اور ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اس نے نماز میں کہا اللہم انی اسالک یا لک الحمد لا الہ الا انت الحنان المنان بديع السموت و الارص یا ذا الجلال و الاکرام یا حی یا قیوم۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس نے اللہ کا ایسا اسم اعظم لے کر دعاء کی ہے کہ اگر اس سے یہ نام لے کر دعا کی جائے تو وہ قبول فرماتا ہے اور کچھ مانگا جائے تو عطا فرماتا ہے، ابن ابی شیبہ نے یا حی یا قیوم کے الفاظ کا ذکر نہیں کیا ان تمام احادیث کا تقاضا ہے کہ ان سب میں اور تینوں سورتوں میں اسم اعظم موجود ہے اور وہ صرف نفی و اثبات یعنی لا الہ الا ہو ہے سورۃ بقرۃ میں آیۃ الکرسی کے اندر اور آل عمران میں اسی آیت کے اندر کلمہ توحید مذکور ہے اور سورۃ طہ میں آیت اللہ لا الہ الا ہو لہ الاسماء الحسنی موجود ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لا الہ الا اللہ ہی افضل ذکر ہے۔
 رواہ الترمذی۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کہ لا الہ الا اللہ جنت کی جنتی ہے اس مفہوم کی احادیث متواتر المعنی آئی ہے۔

فائدہ

احادیث میں اسم اعظم لا الہ الا ہو اور لا الہ الا انت کو کہا گیا ہے لا الہ الا اللہ (بھی اگرچہ اسم اعظم ہے مطلب سب کا ایک ہی ہے ہو اور انت سے مراد بھی اللہ ہی ہے لیکن) سے مذکورہ بالا دونوں جملوں کی عظمت زیادہ ہے کیونکہ ضمیرس (خواہ غائب کی ہوں یا مخاطب کی) محض ذات کے لئے موضوع ہیں (وصفی معنی کا ان کی وضع میں شائبہ بھی نہیں ہے ضمیروں سے ذہنی انتقال خالص ذات کی طرف ہوتا ہے۔ کسی نام یا صفت یا حالت کا تصور بھی نہیں ہوتا اور لفظ اللہ کی وضع اگرچہ ذات کے لئے ہے (کیونکہ یہ ذات خداوندی کا علم اور خصوصیت نام ہے) لیکن یہ لفظ بولنے سے اول اسم کا تصور ہوتا ہے پھر ذات کی جانب ذہنی انتقال ہوتا ہے اور اگر اللہ کو اسم و صفی قرار دیا جائے تو اشتقاقی معنی یعنی الوہیت کا مفہوم ذہن میں آتا ہے (اور نفس وضع کے لحاظ سے و صفی معنی یعنی الوہیت کی خصوصیت وضع ذات خداوندی کے لئے نہیں قرار پاتی) لیکن وصف الوہیت کا تقاضا ہے کہ الہ کے اندر تمام صفات کمالیہ موجود ہوں اور عیوب و نقائص اس میں بالکل نہ ہوں اس لئے دوسرے و صفی ناموں کے مقابلہ میں لفظ اللہ زیادہ جامع ہوگا (لیکن کوئی و صفی نام محض ذات پر دلالت نہیں کرتا اس لئے لفظ اللہ گوکتا ہی جامع الصفات ہو مگر اسم و صفی ہونے کی وجہ سے ذات خالص پر دلالت نہیں کرے گا)۔

صوفیہ نے مبتدی کے لئے لا الہ الا اللہ (کا ورد) ہی منتخب کیا ہے کیونکہ مبتدی کے لئے بغیر کسی اسم و صفی یا صفت کی وساطت کے ذات خالص تک رسائی ممکن نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اس نفی و اثبات کے اسم اعظم ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اثبات الوہیت کا تقاضا ہے کہ تمام صفات کمالیہ اس کی ذات میں بالذات موجود ہوں اور کوئی عیب و نقص اس میں نہ ہو کیونکہ جو ذات ایسی جامع الصفات اور منزہ از نقائص نہ ہو اس کو استحقاقِ معبودیت نہیں ہو سکتا۔

ایسی حالت میں غیر اللہ کی الوہیت کی نفی اور ذات الہی میں تمام صفات ثبوتیہ و سلبیہ کے حصر پر جو کلمہ دلالت کرے گا وہی اسم اعظم ہوگا اس لئے لا الہ الا اللہ ہی اسم اعظم ہے۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ
 حق سے مراد ہے سچائی یا دین حق، تنزیل (تفہیل) کا معنی ہے قدرے قدرے اتارنا۔

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
 یہ قرآن اپنے سے پہلی (آسمانی) کتابوں کی تصدیق کرنے والی کتاب ہے اس لئے جو یہودی اور عیسائی پہلی کتابوں کو مانتے ہیں ان پر قرآن کی تصدیق بھی لازم ہے۔

وَأَنْزَلَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ
 اور اسی نے تورات و انجیل کو (جد اجدا) یکبارگی نازل فرمایا تھا، انزال کا معنی ہے قدرے قدرے یا مجموعہ نازل کرنا اور تنزیل کا معنی ہے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل کرنا۔ اسی لئے نزول قرآن کے لئے نزل اور نزول تورات و انجیل کے لئے انزل فرمایا۔

تورات عبرانی لفظ ہے، حضرت موسیٰ پر جو کتاب اتری تھی اس کا نام ہے اور انجیل سریانی لفظ ہے اور حضرت عیسیٰ پر جو کتاب اتری تھی اس کا نام ہے۔ یہ دونوں لفظ عربی نہیں ہیں بعض لوگوں نے کہا کہ توراة کا وزن فَوْعَلَةٌ یَا فَعْلَةٌ ہے اور مادہ وَرَی ہے۔ وَرَی التَّزْنِدَ چھٹان روشن کرنا اور انجیل نجل سے مشتق ہے۔ یہ توجیہ سراسر تکلف ہے۔
مِنْ قَبْلُ قرآن کو نازل کرنے سے پہلے، تاکہ لوگ قرآن کو ماننے کے لئے تیار ہو جائیں۔

هُدًى لِلنَّاسِ سب لوگوں کے لئے ہدایت بنا کر، بعض علماء کے نزدیک الناس سے مراد ہیں حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی امتیں، مگر اس قول کی کوئی وجہ نہیں (بلکہ الناس سے سب لوگ ہی مراد ہیں) کیونکہ تمام آسمانی کتابیں تمام انسانوں کو توحید الہی، تصدیق جمیع انبیاء اور مبدء و محاد پر ایمان لانے کی دعوت دے رہی ہیں۔ اللہ کے احکام و نواہی پر پابند رہنے کی ہدایت کر رہی ہیں اور توراة و انجیل و زبور نے محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی اطلاع دی ہے۔

..... ایک شبہ

قرآن مجید کے احکام سے گزشتہ آسمانی کتابوں کے بعض اعمال فرعیہ منسوخ ہو گئے، ایسی حالت میں ان سب کو ہدایت کے لئے بھیجنے کا کیا معنی؟

..... ازالہ

اگر بعض اوقات میں سابق کتب کے بعض فرعی احکام منسوخ ہو گئے تو اس سے ان کتابوں کا سراسر ہدایت ہونا منسوخ نہیں ہو گیا، جس طرح قرآن مجید کے بعض احکام دوسرے احکام سے منسوخ ہو گئے، بات یہ ہے کہ نسخ کا معنی (یہ نہیں ہے کہ منسوخ حکم غلط تھا بلکہ مطلب) یہ ہے کہ منسوخ حکم ایک مقررہ مدت کے لئے تھا اب نہیں رہا۔ امام شافعی کا قول ہے کہ گزشتہ انبیاء کی شریعتیں ہمارے لئے لازم نہیں۔ لیکن آیت مذکورہ اس قول کے خلاف ہمارے لئے شہادت دے رہی ہے کہ (باستثناء بعض احکام منسوخہ باقی) احکام سابقہ ہمارے لئے بھی ضروری ہیں۔

وَأَنْزَلَ الْفُرْقَانَ اور اس نے (حق و باطل میں) تفریق کر دینے والی تمام آسمانی کتابیں نازل کیں۔ الفرقان میں لام استغراقی ہے اور توریت و انجیل و قرآن کے علاوہ جو آسمانی کتابیں ہیں ان سب کو یہ لفظ شامل ہے، یا الفرقان سے مراد بھی قرآن مجید ہے، مدح اور اظہار عظمت و شرف کے لئے دوبارہ قرآن کا ذکر فرمایا کیونکہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ تو سب ہی کتابیں ہیں لیکن قرآن کی عبارت بھی معجزہ ہونے کی وجہ سے حق و باطل کے درمیان فرق قائم کرنے والی ہے۔
 دوبارہ انزل کو ذکر کرنے کی وجہ ہیں ا۔ معطوف علیہ کا ذکر ذرا دور ہو گیا اس لئے اگر دوبارہ انزل کو ذکر نہ کیا جاتا تو ممکن تھا کہ کوئی الفرقان کو ہدٰی پر معطوف سمجھ لیتا جو غلط تھا، ۲۔ تکرار انزل سے اس طرف اشارہ ہے کہ قرآن مجید کا نزول دوبارہ ہوا، ایک بار شب قدر میں (پورا قرآن) آسمان دنیا پر نازل ہوا، پھر دوسری بار ٹکڑے ٹکڑے ضرورت کے موافق اس زمین پر اتارا گیا۔

سدی کا قول ہے کہ عبارت میں کچھ تقدیم و تاخیر ہے، اصل عبارت اس طرح تھی وَأَنْزَلَ التَّوْرَاتِ وَالْإِنْجِيلَ مِنْ قَبْلُ وَالْفُرْقَانَ هُدًى۔

جن لوگوں نے اللہ کی اتاری ہوئی آیات

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ

کا انکار کیا خواہ وہ کسی آسمانی کتاب کی ہوں ان کے لئے اس کفر کی وجہ سے عذاب شدید ہے۔

وَاللَّهُ عَزِيزٌ اور اللہ غالب ہے عذاب دینے سے اس کو کوئی نہیں روک سکتا۔

ذُو انتقامِ ⑤ انتقام والا ہے کوئی انتقام لینے والا اس جیسا انتقام نہیں لے سکتا۔ ہمت، سزا، اس سے فعل نقیم آتا ہے۔ گذشتہ آیات میں اول اثبات توحید کیا پھر رسول کی سچائی کی طرف اشارہ کیا کہ قرآن مجید، دوسری آسمانی کتابوں کے مطابق ہے اور (عبارت کے لحاظ سے) طاقت بشریہ سے خارج بھی ہے آخر میں اس آیت میں انکار کرنے والوں کو عذاب کی تنبیہ فرمادی۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ⑥ یہ حقیقت ہے کہ اللہ سے زمین اور آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں، مراد یہ ہے کہ سارے جہان میں کوئی چیز پوشیدہ نہیں، خواہ کئی ہو یا جزئی چونکہ حس کی رسائی صرف آسمان و زمین تک ہی ہے اس لئے انہی دونوں کا ذکر کیا مگر مراد سارا جہان ہے۔ پھر زمین کا ذکر آسمان سے پہلے کیا کیونکہ یہاں مقصود صرف یہ بیان کرنا ہے کہ بندوں کے اعمال سے اللہ واقف ہے اور وہ اعمال کی جزا و سزا دے گا (اور بندوں کے اعمال کا مقام زمین ہے اس لئے زمین کا ذکر پہلے کیا)۔

مذکورہ بالا پورا جملہ اللہ کے حسی ہونے کو ثابت کر رہا ہے (ورنہ اس کا علم محیط کل کس طرح ہو سکتا ہے، علم کا مدار تو حیات پر ہے) اس کے بعد آئندہ آیت اللہ کی قیومیت کو ثابت کر رہی ہے۔

هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ وہی ہے جو ماں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں جیسی چاہتا ہے بنا دیتا ہے یعنی تمہارے رنگ، مختلف شکلیں اور زودادہ جس طرح چاہتا ہے بناتا ہے۔
لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس کسی کو اس کے سوا نہ علم ہے، نہ قدرت ہاں جتنا اس نے عطا کر دیا ہے اتنا حاصل ہے۔

الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ⑦ وہی غالب اور حکمت والا ہے۔ اس میں اللہ کے کمال قدرت اور ہمہ گیر علم کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہم سے اللہ کے بچے رسول (ﷺ) نے فرمایا تم میں سے ہر ایک کا تخلیقی قوام ماں کے پیٹ کے اندر چالیس روز تک بصورت نطفہ، پھر اتنی ہی مدت بصورت علقہ، پھر اسی قدر بصورت معصہ ہوتا ہے۔ پھر اللہ فرشتہ کو چار باتیں لکھنے کے لئے بھیجتا ہے حسب الحکم فرشتہ اس کا رزق، (اچھے برے) اعمال، مدت زندگی اور نیک بخت یا بد بخت ہونا لکھ دیتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم میں سے بعض لوگ اہل جنت کے عمل (اتنے) کرتے ہیں کہ ان کے اور جنت کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے آخر تقدیر کا لکھا آگے آتا ہے اور وہ شخص دوزخیوں کے کام کرتا ہے اور دوزخ میں چلا جاتا ہے کچھ لوگ دوزخیوں کے اعمال (اتنے) کرتے ہیں کہ ان کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے آخر تحریر خلقی غالب آتی ہے اور وہ شخص اہل جنت کے کام کرتا اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے، متفق علیہ۔

حضرت حذیفہ بن اسید کی مرفوع روایت ہے کہ رحم کے اندر نطفہ کے چالیس یا پینتالیس روز ٹھہرنے کے بعد ایک فرشتہ اسکے پاس آتا ہے اور عرض کرتا ہے الہی یہ بد بخت ہے یا نیک بخت (حسب الحکم) دونوں باتوں میں سے کوئی بات لکھ دی جاتی ہے، پھر عرض کرتا ہے مالک یہ نر ہے یا مادہ (حسب الحکم) یہ چیزیں بھی لکھ دی جاتی ہیں۔ اسی طرح اس کے اعمال، احوال، مدت زندگی اور رزق بھی تحریر کر دیا جاتا ہے پھر تحریر کو لپیٹ دیا جاتا ہے پھر اس میں زیادتی کمی نہیں کی جاتی، رواہ البغوی۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وہی ہے جس نے آپ ﷺ کے اوپر کتاب یعنی قرآن اتارا۔
مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ جس کی کچھ مضبوط آیات ہیں یعنی ایسی محکم آیات ہیں جن کو زبان داں شخص سن کر اشتباہ میں نہیں رہتا، نہ ظاہری الفاظ اس کے لئے شبہ آفریں ہوتے ہیں، نہ مفہوم کلام، نہ مقتضائے کلام، خواہ غور کرنے کے بغیر ہی مفہوم اور مقتضاء سمجھ میں آجاتا ہو جیسے آیت قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم اور آیت وقضی ربک ان لا تعبدوا الا ایاہ اور آیت لبس کمثلہ شیء وهو السميع البصیر یا غور و تأمل کے بعد کلام کا مقتضاء سمجھ میں آجاتا ہو۔ شارع کی طرف سے بیان کرنے کی ضرورت نہ ہو جیسے آیت السارق ولا سارقة الخ پر قدرے غور کرنے کے بعد خود ہی

معلوم ہو جاتا ہے کہ جیب تراش کو یہ آیت شامل ہے کیونکہ چوری کا معنی جیب تراشی میں موجود ہے بلکہ جیب تراشی کا مفہوم چوری کے مفہوم سے کچھ زائد ہے (جیب تراش پر لیا مال پوشیدہ طور پر لیتا ہے اور مالک مال کے پاس سے بہت ہی چھپ کر اور چھپا کر لیتا ہے۔ اول چوری کا مفہوم ہے اور دوسرا جیب تراشی کا) لیکن کفن چور اس آیت کے حکم میں نہیں ہے کیونکہ کفن نہ میت کی ملک ہوتا ہے کیونکہ مردہ دنیوی اعتبار سے مٹی کی طرح ہے اور میت کے وارثوں کی ملک بھی نہیں ہے کیونکہ وارث کفن کے علاوہ دوسرے مال کے مالک ہوتے ہیں۔

ایک اور آیت بھی اسی طرح کی ہے اللہ نے فرمایا ہے وَأَرْجُلُكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ٹخنوں تک اپنے پاؤں دھوؤں چونکہ اس آیت میں دھونے کی آخری حد مذکور ہے اسی لئے ظاہر ہے کہ أَرْجُلُكُمْ کا عطف وُجُوْهُكُمْ یا أَيْدِيكُمْ پر ہوگا (ورنہ لازم آئے گا کہ ٹخنوں تک مسح کی حد مقرر کی جائے جو غلط ہے) ایک اور آیت ہے ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ (شافعی کے نزدیک قرء سے حالت طہر مراد ہے اور حنفیہ کے نزدیک حیض) غور کرنے کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ تین حیض مراد ہیں طہر مراد ہونے کی صورت میں تین کا عدد پورا متحقق نہ ہوگا کیونکہ طلاق طہر میں ہی شروع ہے اب اگر طلاق والے طہر کو بھی مدت عدت میں شمار کیا جائے گا تو تین طہر پورے نہ ہوں گے اور شمار نہ کیا جائے گا تو تین طہر سے زائد ہو جائیں گے۔ اس لئے تین حیض ہی مراد ہیں، ایک اور آیت ہے قَوَارِيرٍ مِّنْ فِصَّةٍ۔ غور کرنے سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ قَوَارِيرٍ سے وہ ظروف مراد ہیں جو چاندی کے ہوں گے مگر چمک اور صفائی میں شیشہ کی طرح ہوں گے۔ ہم نے محکم کے معنی کی یہ توضیح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی روشنی میں کی ہے اس توضیح پر ظاہر، نص، مفسر، محکم، حنفی، مشکل سب ہی محکمت کے اقسام قرار پاتے ہیں۔

محمد بن جعفر بن زبیر نے کہا کہ محکم وہ بیان ہوتا ہے جس کا صرف ایک ہی معنی محتمل ہوتا ہے دوسرے معنی کا احتمال ہی نہیں ہوتا، بعض نے کہا کہ محکم وہ بیان ہے جس کا معنی معروف ہو اور اس کی دلیل بالکل واضح ہو، مؤخر الذکر دونوں تفسیروں کی مراد بھی وہی ہے جو ہم نے ذکر کی ہے۔

مِنْ أَمْرِ الْكِتَابِ آیات محکمہ اصول فرائض ہیں، قاموس میں ہے اُم ماں کو کہتے ہیں ہر چیز کی اُم اس کی اصل اور سارا ہوتی ہے، اُم القوم سردار قوم ہر شے کی اُم وہ ہے جو مختلف اشیاء کا مجموعہ ہو۔

میں کہتا ہوں اس جگہ لفظ کتاب بمعنی مکتوب ہے اور مکتوب سے مراد ہے فرض کردہ جیسے آیت کُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ میں کُتِبَ کا معنی ہے فرض کیا گیا، اس صورت میں اُم الْكِتَابِ میں اضافت بقرینہ لام ہوگی یعنی محکمت وہ ہیں جو فرائض مأمورات و منہیات کی اصول ہیں، یا الْكِتَابِ سے قرآن مراد ہے اس صورت میں اُم الْكِتَابِ کی اضافت یا بقرینہ ہوگی یا بقرینہ لام۔ اول شق پر یہ معنی ہوں گے کہ محکمت احکام قرآن کے اصول ہیں انہی سے احکام اخذ کئے جاتے ہیں شارع کے (مزید) بیان کی ضرورت نہیں رہتی، دوسری شق پر یہ معنی ہوں گے کہ محکمت قرآن کو مدد اور سارا ہیں، تمام آیات کی سردار ہیں دوسری آیات کی ان کو ضرورت نہیں بلکہ دوسری آیات کو انہی سے ملا کر مطلب نکالا جاتا ہے۔

آیات محکمت کا تعدد چاہتا تھا کہ اسہات الکتاب (بصیغہ جمع) کہا جاتا لیکن تمام محکمت کا مجموعہ ایک ماں کی طرف ہے۔ احکام مجموعہ کا استخراج مجموعہ محکمت سے ہوتا ہے ہر ایک سے نہیں ہوتا اس لئے مفرد کا صیغہ استعمال کیا۔

وَأُخْرٍ مُّتَشَبِهَةٍ اور کچھ دوسری آیات متشابہات ہیں جب تک شارع کی طرف سے محکم عبادت میں ان کا بیان نہ ہو کوئی لغت شناس اور واقف زبان غور اور تأمل کرنے کے بعد بھی ان کی مراد نہیں سمجھ سکتا۔ اب اگر شارع کی طرف سے

۱۔ فقہاء امامیہ کے نزدیک أَرْجُلُكُمْ کا عطف بِرُؤُسِكُمْ پر ہے یعنی اپنے پاؤں کا مسح کرو کعبین تک۔ علماء شیعہ کہتے ہیں کہ کعب سے مراد ہے، بالائے قدم کا بھلا اور دو قدموں پر دو بھار ہوتے ہیں پس مراد یہ ہے کہ پاؤں کے اوپر جہاں بلندی ہے یعنی پنجہ سے ذرا اوپر تک مسح کرو، کعب کا یہ ترجمہ خلاف ظاہر ہے، مال جماع کعب سے مراد غنہ ہی ہے اور ہر پاؤں کے دو ٹخنے ہوتے ہیں اَصْبِرُ رُؤُسِكُمْ پر عطف کرنے کی صورت میں کعبین مسح کی حد ہوگی جو غلط ہے۔

مراد کا بیان اور وضاحت ہو جائے تو اصول فقہ کی اصطلاح میں ایسے متشابہ کو مجمل کہتے ہیں جیسے صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج، عمرہ اور آیت ربوا وغیرہ اور اگر شارع کی طرف سے بیان و تعلیم نہ ہو تو ایسے متشابہ کو اصول فقہ کی اصطلاح میں متشابہ کہتے ہیں۔ اس قسم کا متشابہ انہی امور میں ہو سکتا ہے جن سے عمل کا تعلق نہ ہو ورنہ تکلیف مالا یطاق لازم آئے گی جیسے سورتوں کے شروع میں حروف مقطعات ہیں یا آیت ید اللہ فوق ایدیہم اور آیت الرحمن علی العرش استوی ہے، اس طرح کے متشابہات کا علم بعض اہل عرفان کو الہام اور تعلیم الہی کے ذریعے سے بھی ہو جاتا ہے جس طرح حضرت آدم کو اللہ نے تمام اسماء کا علم عطا فرمایا تھا۔

مشکوٰۃ نبوت سے نور چینی شرح صدر کے بعد ہی ممکن ہے اور ایسی نور چینی کبھی کبھی ہوتی ہے اور اسی وقت ہوتی ہے جبکہ زبان اور لغت سے تعلیم و تعلم ممکن نہ ہو کیونکہ ان حقائق کے لئے کوئی لفظ موضوع ہی نہیں ہے اسی لئے عوام کا علمی خزانہ ان سے خالی ہے جن امور و احکام سے اعمال تکلیفیہ کا تعلق ہے ان کے متعلق تاخیر بیان جائز نہیں تاکہ تکلیف بالاحمال لازم نہ آئے۔

..... ایک شبہ

آیت الرِّکَّابِ اُحْکِمْتَ اَیَّانَهُ بتا رہی ہے کہ تمام آیات محکم ہیں لیکن دوسری آیت میں کِتَابًا مُّتَشَابِهًا آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پورا قرآن متشابہ ہے اور اس جگہ بعض آیات کو محکم اور بعض کو متشابہ قرار دیا ہے یہ اختلاف بیان کیوں ہے۔

..... ازالہ

پورے قرآن کے محکم ہونے کا یہ معنی ہے کہ تمام قرآن فساد معنی اور ضعف عبارت سے محفوظ ہے ایسا محکم ہے کہ کوئی اس پر نکتہ چینی نہیں کر سکتا نہ مقابلہ کر سکتا ہے، اور پورے قرآن کے متشابہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ حسن اور کمال میں سارا قرآن ایک جیسا ہے تمام آیات باہم حسن میں متشابہ ہیں اور اس جگہ تفریق و تقسیم سے مراد یہ ہے کہ بعض آیات کے معانی واضح ہیں (کہ مراد کا تعدد ممکن ہی نہیں) اور بعض کے خفی ہیں (کہ بغیر شارع کے بیان کے معلوم نہیں ہو سکتے)۔

فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ پس جن لوگوں کے دلوں میں حق سے کجی ہے۔ ربیع نے کہا آیت میں اہل نجران کا عیسائی وفد مراد ہے۔ اہل وفد نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کیا آپ عیسیٰ کو کلمہ اللہ اور روح اللہ نہیں کہتے، حضور ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں کہتے، اہل وفد نے کہا بس ہمارے لئے یہی کافی ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

کلبی نے کہا یہودی مراد ہیں جنہوں نے ابجد کے حساب سے اس امت کی مدت بقاء کا علم حاصل کرنا چاہا تھا۔ حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ جی بن اخطب اور کعب بن اشرف وغیرہ کا ایک یہودی گروہ خدمت گرائی میں حاضر ہوا۔ جی نے کہا ہم کو اطلاع ملی ہے کہ آپ پر آئمہ نازل ہوئی ہے۔ ہم آپ کو قسم دے کر دریافت کرتے ہیں کہ کیا اللہ نے آپ پر اس کو نازل فرمایا ہے حضور ﷺ نے فرمایا ہاں! جی بولا اگر یہ بات سچ ہے تو میں اس کو آپ کی امت کی مدت زندگی خیال کرتا ہوں اور یہ کل مدت ۷۱ سال ہوگی۔ کیا اس کے علاوہ کچھ اور بھی نازل ہوا ہے حضور ﷺ نے فرمایا ہاں المص (بھی نازل ہوا ہے) جی بولا اب تو بہت مدت ہو گئی ۱۶۱ سال ہو گئے کیا اس کے علاوہ کچھ ہے حضور ﷺ نے فرمایا ہاں الرسلو لا اس کی شمار بھی زیادہ ہے اس کی تعداد دو سو اکتیس ہے کیا اور بھی کچھ اترا ہے حضور ﷺ نے فرمایا ہاں المر کہنے لگا یہ بھی بہت مدت ہے ۲۷۱ سال کی ہے آپ نے ہمارے لئے گڑبڑ کر دی ہم نہیں سمجھتے کہ زیادہ مدت قائم کریں یا کم مدت۔ ہم ایسی باتوں کو نہیں مانتے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

ابن جریر نے کہا آیت میں منافق مراد ہیں اور حسن کے نزدیک خوارج مراد ہیں۔ امام احمد وغیرہ نے حضرت ابولہامہ کی

روایت سے ارشاد نبوی اسی طرح نقل کیا ہے۔ قنادہ جب یہ آیت پڑھتے تھے تو کہتے تھے اگر یہ لوگ حردیہ اور سابیہ گروہ نہیں تو میں نہیں جانتا کہ اور کون لوگ ہیں۔ بعض لوگوں کے نزدیک تمام بدعتی مراد ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ لفظ عام ہے مذکورہ بالا تمام گروہ اس میں داخل ہیں۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت **هُوَ الَّذِي أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ..... أُولَئِكَ الْآلَاءُ لَكُم مَّا تَعْلَمُونَ** فرمائی اور فرمایا اگر تم ایسے لوگ دیکھو کہ متشابہات قرآن کے پیچھے پڑے ہیں تو (سمجھ لینا کہ) یہ وہی لوگ ہیں جن کا اللہ نے ذکر فرمایا ہے اور ان سے احتیاط رکھنا۔ (رواہ البخاری)۔

حضرت ابو مالکؓ اشعری کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے مجھے اپنی امت کے متعلق صرف تین باتوں کا اندیشہ ہے ان تین باتوں میں حضور ﷺ نے ایک بات یہ بیان فرمائی کہ بعض (لوگ) کتاب کھول کر متشابہات کی تاویلیں کرنے کے طلب گار ہوں گے حالانکہ ان کی تاویل سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا، بکے علم والے تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارا اس (قرآن) پر ایمان ہے یہ سب ہمارے مالک کی طرف سے آیا ہے اور نصیحت پذیر صرف اہل دانش ہی ہوتے ہیں۔

فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ یعنی ٹیڑھے دلوں والے قرآنی متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اہل بدعت اپنی نفسانی خواہش کے زیر اثر متشابہ کے اس معنی سے وابستگی اختیار کرتے ہیں جو ان کے مسلک کے موافق ہوتا ہے اور الفاظ میں اس معنی کا کچھ احتمال ہوتا ہے نہ محکم آیات و احادیث کی طرف رجوع کرتے ہیں نہ اس معنی پر کلام کو محمول کرتے ہیں جو دوسرے محکمات کے مطابق ہوتا ہے یا یہ مراد ہے کہ متشابہات پر ایمان رکھتے ہوئے اور ان کی مراد کو تسلیم کرتے ہوئے سکوت نہیں اختیار کرتے (بلکہ اپنی طرف سے تاویلیں کرتے ہیں) پس بقدر امکان متشابہات کو محکمات کی طرف لوٹانا واجب ہے تاکہ مجمل کی مراد واضح ہو جائے اور اس پر عمل کیا جاسکے۔ جیسے نماز، زکوٰۃ اور سود وغیرہ (مجمل متشابہ ہیں لہذا دوسری محکم آیات و احادیث کی طرف رجوع کر کے ان کے معنی کی تعیین کی جائے) یا متشابہات کی تاویل اور تعیین معنی کو چھوڑ کر خاموشی اختیار کر لی جائے اور اس بات پر ایمان رکھا جائے کہ ان سے جو کچھ شارع کی مراد ہے وہ حق ہے ہم اس کو مانتے ہیں۔

جب اجماع امت اور احادیث متواترہ کی نصوص سے ثابت ہو چکا ہے کہ چودھویں کے چاند کی طرح قیامت کے دن اہل ایمان کو دیدار الہی ہوگا تو اس پر ایمان رکھنا اور یہ کہنا لازم ہے کہ آیت **وَجُوهٌ يُؤْمِنُونَ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ** میں رؤیت اور نظر سے مراد آنکھوں سے دیکھنا ہے۔ ہاں محکم نص سے اگر معنی کی تعیین نہ ہوئی جیسے **بِذَٰلِكَ فَتَوْفَٰقُ أَيْدِيهِمْ** اور **الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰی** میں (دست خدا اور استواء بالاے عرش کے معنی کی تعیین کسی محکم آیت یا متواتر حدیث میں نہیں آئی ہے) تو ایسی آیات کے معنی میں سکوت اختیار کیا جائے لیکن ان پر ایمان رکھنا لازم ہے اور ظاہری معنی پر ایسے متشابہ الفاظ کو محمول نہ کیا جائے اور محکم آیت لبس کمثلہ شنی کے معنی پر عمل کرتے ہوئے کہہ دیا جائے کہ اللہ ممکنات کی تمام صفات سے پاک ہے نیز مقطعات کی تفسیر میں خواہ خواہ تکلیف نہ اٹھائی جائے۔ اس کی اجازت نہیں ہے۔

ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ یعنی وہ متشابہات کے پیچھے اس غرض سے پڑتے ہیں کہ مسلمانوں میں دین کی طرف سے فتنہ بپا کر دیں، شک ڈال دیں، اشتباہ پیدا کر دیں اور محکم کا متشابہ سے مقابلہ کر کے محکم کو توڑ دیں۔ منافقوں کا یہی دتیرہ ہوتا

۱۔ (حاشیہ از مؤلف ہمارے نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان نقل کیا ہے کہ عنقریب تمہارے پاس ایسے لوگ آئیں گے جو متشابہات قرآن میں تم سے جھگڑا کریں گے۔ تم سنت رسول اللہ ﷺ سے ان کی پکڑ کرنا کیونکہ اہل سنت ہی کتاب اللہ کو خوب جانتے ہیں، حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ ہم حضرت عمرؓ کے پاس موجود تھے کہ ایک شخص آیا اور قرآن کے متعلق پوچھنے لگا کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق، حضرت عمرؓ کھڑے ہو کر اس کے کپڑوں سے لپٹ گئے اور اس کو کھینچ کر حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے پاس لے گئے اور فرمایا ابو الحسن سنتے ہو یہ شخص کیا کہہ رہا ہے، مجھ سے آکر یہ پوچھنے لگا کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق، حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا اس بات (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہے۔ چنانچہ روایت میں آیا ہے کہ بعض یہودیوں نے جب اسلام کی شوکت اور بلندی دیکھی تو جل گئے اور یقین کر لیا کہ اللہ کی طرف سے مسلمانوں کو یہ امداد ان کے دین کی وجہ سے ہو رہی ہے لہذا دو غلے بن گئے ظاہر میں اسلام لے آئے اور مشابہات کی غلط توجیہات تفسیری کرنے لگے اور مذاہب باطلہ کی ایجاد کرنی شروع کر دی چنانچہ حرور یہ اور معتزلہ اور رافضی وغیرہ بن گئے۔

وَابْتَغَاءَ تَأْوِيلَهُ اس کا عطف ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ پر ہے۔ یعنی وہ اپنی خواہش کے موافق مشابہات کی تفسیر کرنے کے لئے ان کے پیچھے پڑتے ہیں۔ تفسیر مشابہات کی طلب بھی مبنی بر جہالت ہوتی ہے جیسا کہ بعض متأخرین اہل بدعت نے کیا ہے، البتہ متقدمین مناق اکثر مذکورہ بالا دونوں وجوہ کی وجہ سے ہی مشابہات کی تفسیر کے درپے ہو ا کرتے تھے۔

وَمَا يَعْلَمُهُمْ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ حالانکہ مشابہات کی اصلی مراد سے واقف سوائے خدا کے کوئی نہیں۔ یعنی عربی زبان کو جاننا مشابہات کی مراد جاننے کے لئے کافی نہیں۔ بغیر خدا کے واقف کئے ہوئے کوئی نہیں جان سکتا ہماری اس توضیح پر علم مشابہات کا اللہ میں حصر اضافی ہو گا حقیقی نہ ہو گا (یعنی یہ مطلب نہ ہو گا کہ اللہ کے سوا کوئی انسان یا فرشتہ مشابہات کی مراد سے واقف ہی نہیں ہو سکتا بلکہ یہ مطلب ہو گا کہ خدا کی طرف سے واقف کئے بغیر محض عربی دانی اور قیاس آرائی کی وجہ سے کوئی شخص ان کی صحیح مراد سے واقف نہیں ہو سکتا) لہذا آیت اس بات پر دلالت نہیں کر رہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعض خصوصی کامل امتی بھی مشابہات کے معنی نہیں جانتے۔ جیسا کہ ایک اور آیت میں آیا ہے لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ۔ آسمانوں اور زمینوں میں کوئی بھی اللہ کے سوا غیب نہیں جانتا (یہ بھی حصر اضافی ہے یعنی بغیر خدا کی طرف سے واقف بنائے ہوئے کوئی بھی از خود غیب سے واقف نہیں) ہم نے حصر کو اضافی اس لئے قرار دیا کہ اللہ نے خود فرمایا ہے ثُمَّ ان عَلَيْنَا بَيَانَهُ اس آیت کا تقاضہ ہے کہ اللہ کی طرف سے قرآن کے محکم و مشابہ کا بیان رسول اللہ ﷺ کے لئے ہونا لازم اور ضروری ہے رسول اللہ ﷺ کے لئے قرآن کا کوئی حصہ بھی بغیر بیان کے نہ رہنا چاہئے ورنہ خطاب بیکار ہو گا اور خلاف وعدہ لازم آئے گا۔

صحیح بات وہی ہے جو ہم نے سورہ بقرہ کے لول میں لکھ دی ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے درمیان مشابہات ایک راز ہیں عام لوگوں کو ان کا علم عطا کرنا مقصود ہی نہیں ہے بلکہ ان کے لئے مشابہات کا علم ممکن ہی نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعض کامل امتیوں کو ہی بتانا مقصود ہے اور اخص الخواص حضرات ہی علم لدنی کے ذریعہ سے ان سے واقف ہوتے ہیں اور علم لدنی کا حصول صرف بے کیف ذاتی یا صفائی معیت کے سبب سے ہوتا ہے (تحصیل اور کسب اور غور و فکر سے نہیں ہوتا) وَالرَّسِخُونَ فِي الْعِلْمِ اور جو لوگ علم میں پکے اور جتے ہوئے ہیں کہ ان کو کوئی شک شبہ لاحق ہی نہیں

(بقیہ حصہ کا) (برا) پھل عنقریب نکلے گا۔ جو خلافت آپ کی ہے اگر میری ہوتی تو میں اس کی گردن مار دیتا، داری نے روایت سلیمان بن سیر لکھا ہے کہ ایک آدمی جس کا نام صبیح تھا مدینہ میں آیا اور مشابہات قرآن کے متعلق پوچھنے لگا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو بلوایا اور سمجھور کی تنگی پچیاں اس کے لئے تیار رکھیں جب وہ آگیا تو آپ نے فرمایا، تو کون ہے اس نے جواب دیا میں اللہ کا بندہ صبیح ہوں حضرت عمر نے فرمایا میں اللہ کا بندہ عمر (رضی اللہ عنہ) ہوں یہ فرمانے کے بعد ایک چٹھی لے کر اس کے ماری اور اس کے سر کو خون آلود کر دیا صبیح فوراً بول اٹھا امیر المؤمنین بس کیجئے وہ چیز جاتی رہی جو پہلے میں اپنے سر میں پاتا تھا۔ ابو عثمان سندی کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے بصرہ کو لکھ بھیجا تھا کہ صبیح کے ساتھ نشست و برخاست نہ رکھنا اس کے بعد اگر وہ (ہمارے جلسہ میں) آتا تھا اور ہم سو آدمی بیٹھے ہوتے تھے تو سب الگ الگ ہو جاتے تھے (اور جلسہ برخاست کر دیتے تھے) حضرت محمد بن سیرین کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھ بھیجا تھا کہ صبیح کے ساتھ نشست و برخاست نہ رکھنا اور اس کو تنخواہ و روزینہ نہ دینا، امام شافعیؒ نے فرمایا میرا فیصلہ اہل کلام (معتزلہ اور قدریہ وغیرہ) کے بارہ میں بھی وہی ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ صبیح کے بارہ میں تھا کہ ان کو چھوڑنا اور علم کلام کی جانب اپنا رخ کرنا ہے، ۱۲۔

ہوتا۔ یہ لوگ اہل السنۃ والجماعت ہیں، جنہوں نے مضبوطی کے ساتھ قرآن وحدیث کے حکمت کو پکڑ لیا ہے اور قرآن مجید کی تفسیر میں صحابہؓ اور تابعینؓ کے اجماع کی پیروی کی ہے اور مشابہات کو حکمت کی طرف لوٹا دیا ہے اور اپنی خواہشات اور نفسانی ملمع کاریوں کو ترک کر دیا ہے۔

بعض لوگوں کا قول ہے کہ الراسخون فی العلم سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے۔ میں کہتا ہوں اس تخصیص کی کوئی وجہ نہیں۔ اہل تصوف کہتے ہیں کہ راسخ فی العلم وہ لوگ ہیں۔ جو نفس اور عناصر کو فناء کر کے خواہشات سے بالکل الگ ہو چکے ہیں۔ تجلیات ذاتیہ میں ایسے ڈوبے ہوئے ہیں کہ کوئی شبہ ان کو لاحق ہی نہیں ہو سکتا، وہ کہتے ہیں کہ اگر نقاب ہٹا بھی دیا جائے تو جتنا یقین ہم کو ہو چکا ہے اس سے زیادہ نہ ہوگا (یعنی ہمارے یقین میں اضافہ کی گنجائش ہی نہیں ہے ہمارا ایمان عین مشاہدہ ہے ہم کو حق ایقین حاصل ہو چکا ہے)۔

طبرانی وغیرہ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے راسخین فی العلم کے متعلق دریافت کیا گیا فرمایا جو لوگ قسم کے پورے، زبان کے سچے، استقامت قلبی رکھنے والے اور شکم و شرم گاہ کو (حرام سے) بچانے والے ہیں وہ راسخین فی العلم میں سے ہیں میں کہتا ہوں یہ اوصاف صوفیہ کے ہیں۔

آیت کی ترکیب عبارت میں (حقیہ اور شافیہ) کا اختلاف ہے۔ ایک گروہ قائل ہے کہ وَالرَّاسِخُونَ میں واو عطف کا ہے اس وقت آیت کا معنی یہ ہوگا کہ مشابہت کو اللہ جانتا ہے اور راسخ علماء بھی جانتے ہیں اس صورت میں آئندہ جملہ۔

یَقُولُونَ اٰمَنَّا بِهِ ۝
 حال یہ ہو گا یعنی علماء راسخین یہ کہتے ہوئے تشابہات کا علم رکھتے ہیں کہ پورا قرآن ہمارے رب کا بھیجا ہوا ہے ہم اس پر ایمان لائے۔ اسی کی نظر ہے آیت لِلْفَقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ..... وَالَّذِيْنَ تَبَنَوْا عُمُوْلَ الدَّارِ وَالْاِيْمَانِ۔ پھر فرمایا وَالَّذِيْنَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُونَا بِالْاِيْمَانِ۔ (اس آیت میں بھی یقولون جملہ حالیہ ہے) یہ قول مجاہد اور ربیع کا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے بھی فرمایا تھا کہ میں راسخینہ فی العلم میں سے ہوں (یعنی تشابہات کی تفسیر سے واقف ہوں) یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ مجاہد نے فرمایا میں بھی تشابہ کے مرادی معنی جاننے والوں میں سے ہوں۔

کثیر علماء کا خیال ہے کہ وَالرَّاسِخُونَ میں واو مستی ناف کلام کے لئے ہے گزشتہ کلام اِلَّا اللّٰهُ پر ختم ہو گیا، یہاں سے نیا کلام شروع ہے۔ یہ قول حضرت ابی بن کعب، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عروۃ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا ہے طاؤس کی روایت میں اس قول کی نسبت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف بھی کی گئی ہے۔ حسن بصری اور اکثر تابعین بھی اسی کے قائل ہیں۔ کسائی، فراء اور اخفش کے نزدیک بھی یہی قول پسندیدہ ہے اس کی تائید حضرت ابن مسعودؓ کی دوسری قرأت سے بھی ہوتی ہے جس میں وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ کی جگہ اِنْ تَأْوِيلُهُ اِلَّا عِنْدَ اللّٰهِ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُوْنَ اَلَمْ يَخْلُقْ (اس قرأت پر تو وَالرَّاسِخُونَ کا عطف اللہ پر ہو سکتا ممکن ہی نہیں) نیز حضرت ابی بن کعب کی قرأت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جس میں آیت اس طرح آئی ہے وَيَقُولُ الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ اَمْتَابُهُ (اس قرأت پر بھی الرَّاسِخُونَ کا عطف اللہ پر نہیں ہوگا) اسی لئے عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا تھا کہ تفسیر قرآن کے علم میں رسوخ رکھنے والوں کے علم کی یہ آخری حد آگئی کہ انہوں نے امتابہ کہہ دیا۔

معراج سب یعنی محکم، متشابہ، ناسخ منسوخ اور جس کی مراد سے ہم واقف ہیں وہ اور جس کی مراد سے ہم واقف نہیں وہ

سب
مَنْ عِنْدَ رَبِّتَاهُ ہمارے رب کی طرف سے آیا ہے۔
میں کہتا ہوں کہ راسخین فی العلم کا حال ان لوگوں کے حال سے بالکل برعکس ہے جن کے دل خواہشات نفسانی کی وجہ سے میڑھے ہو گئے ہیں اور وہ اپنے ہی خیالات کے پیرو ہیں۔ جب کوئی علمی چمک ان کے سامنے آ جاتی ہے اور نص شریعت ان

کے خیالات کے مطابق ہو جاتی ہے تو اس روشنی میں وہ (چند قدم) چل لیتے ہیں اور اس کو مان لیتے ہیں لیکن اگر نص قرآنی کی تاویل ان کو نہ سوجھی اور اندھیرا چھا گیا اور نصوص شریعت ان کے خیالات کے مطابق نہ ہوئیں تو متحیر ہو کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور نہیں مانتے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ یہ قول ظاہر آیت کے بھی مناسب ہے اور قواعد عربی کے بھی زیادہ مطابق ہے۔ بغوی کی مراد یہ ہے کہ واؤ کو عاطفہ نہ قرار دینا اور اَلرَّاسِخُونَ سے استیفاء کلام ہونا قیاس نحوی کے زیادہ مطابق ہے، کیونکہ علماء نحو کا اجماع ہے کہ نفی سے استثناء اثبات ہوتا ہے اور اَلرَّاسِخُونَ میں الف لام استغراق کا ہے اب اگر واؤ کو عاطفہ کہا جائے گا تو یہ مطلب ہو جائے گا کہ مشابہات کو کوئی نہیں جانتا مگر اللہ اور تمام راہنہاں فی العلم۔ یہ مطلب بدایت اور روایت دونوں کے خلاف ہے (نہ تمام راہنہاں کا عالم مشابہات ہونا روایت ثابت ہے نہ واقع میں ایسا ہے)۔

وَمَا يَكُونُ إِلَّا الْأُولَوُا۟ ۝ اور صرف سالم عقول والے ہی مضمون قرآن سے نصیحت اندوز ہوتے ہیں۔ کیونکہ سلامتی عقل کا یہی تقاضا ہے کہ جس کا علم نہ ہو اس کے علم کو دانایینا متکلم کے ہی سپرد کر دیا جائے (نہ جاننے کے باوجود جاننے کے مدعی بن کر) جمل مرکب کی دلدل میں پھنسا اور وادی گمراہی میں سرگرداں رہنا خلاف دانش ہے۔ بعض اکابر کا قول ہے کہ میں علم کا آدھا حصہ بھی نہیں جانتا۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو حق کی طرف سے نہ پھیر دے۔ ٹیڑھا نہ کر دے جس طرح تو نے ان لوگوں کے دلوں کو حق سے پھیر دیا ہے جن کے قلوب میں کجی ہے۔ یہ جملہ راہنہاں فی العلم کا مقولہ بھی ہو سکتا ہے یعنی وہ یہ کہتے ہیں اور اللہ کی طرف سے تعلیم اور حکم بھی ہو سکتا ہے کہ جب مشابہات پر پانچو تو یوں کہو کہ اے ہمارے رب اے

بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا اس کے بعد کہ کتاب بھیج کر تو نے ہم کو ہدایت کر دی اور محکم و متشابہ پر ایمان لانے کی توفیق عنایت کر دی۔

وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً ۝ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت یعنی توفیق اور ثبات ایمانی عطا فرما۔ بلاشبہ تو ہی وہاب ہے۔ ہر مانگ کو عطا فرماتا ہے۔ اس آیت میں دلیل ہے اس امر کی کہ ہدایت ہو یا گمراہی سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے اور اس کی توفیق و عدم توفیق پر موقوف ہے، اس پر کسی کا حق واجب نہیں بلکہ وہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ حضرت نواس بن سمعان کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کوئی قلب ایسا نہیں کہ وہ رخصن کی چنگی میں نہ ہو (ہر قلب رخصن کی چنگی میں ہے) وہی سیدھا کرنا چاہتا ہے سیدھا کر دیتا ہے ٹیڑھا کرنا چاہتا ہے ٹیڑھا کر دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ دعا کیا کرتے تھے اے دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنے دین پر قائم رکھ۔ (عزت و ذلت کی) ترازو رخصن کے ہاتھ میں ہے، روز قیامت تک وہ کسی قوم کو اونچا اور کسی قوم کو نیچا کرتا رہے گا، رواہ البغوی۔

اسی قسم کی حدیث امام احمد اور ترمذی نے حضرت ام سلمہ کی روایت سے اور مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے اور ترمذی و ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کی ہے تحجین میں حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ دل کی حالت ایسی ہے جیسے کوئی پر کسی چٹیل میدان میں پڑا ہو اور ہو ایں اس کو الٹ پلٹ کر رہی ہوں، رواہ احمد۔

رَبَّنَا اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ اَعْلَمُ اے ہمارے رب تو لوگوں کو ضرور جمع کرے گا قیامت کے فیصلہ کے لئے یا قیامت کے دن۔ مؤخر الذکر شق پر یوم کا لام فی کے معنی میں ہو گا۔

لَا رَيْبَ فِيْهِ جس کے واقع ہونے میں کوئی شک نہیں، نہ اس دن اعمال کی جزا و سزا واقع ہونے میں کوئی شک

ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝ یہ یقینی بات ہے کہ اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرے گا ميعاد بروزن مفعول وعدہ سے مأخوذ ہے۔ بھلائی کا وعدہ کر کے خلاف ورزی کرنا شان الوہیت کے لئے عیب ہے اس لئے ناممکن ہے، ہاں وعید عذاب کی خلاف ورزی بصورت مغفرت ہمارے نزدیک جائز ہے خواہ توبہ کی ہو یا نہ کی ہو۔ وعید یہ معتزلہ کا قول ہے کہ وعید عذاب کی خلاف ورزی بھی جائز نہیں یہ لوگ اپنے قول کے ثبوت میں یہی آیت پیش کرتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ (یہ آیت مطلق نہیں مقید ہے) تمہارے اور ہمارے سب کے نزدیک وعید عذاب کی شرط یہ ہے کہ فاسق نے توبہ نہ کی ہو (توبہ کرنے کے بعد وعید عذاب متحقق نہ ہوگی) پس جس طرح وعید عذاب عدم توبہ کے ساتھ مشروط ہے اسی طرح ہمارے نزدیک عدم عفو کے ساتھ بھی مشروط ہے (کہ اگر گناہ گار کو اللہ معاف نہیں کرے گا تو عذاب ہوگا) کیونکہ مندرجہ ذیل آیات کا حکم عام ہے (کافروں کے علاوہ تمام گناہ گار اس کے اندر داخل ہیں) اللہ نے فرمایا ہے إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ دُوسری جگہ ارشاد ہوا ہے يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ تیسری آیت ہے وَمَنْ يَقْنُطْ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ ایک اور آیت میں حکم ہے لَا تَقْنُطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ اس موضوع کی حدیثیں ان گنت آئی ہیں۔

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا، کفروا کا لفظ مشرکوں کو بھی شامل ہے اور اہل کتاب کو

إِنَّ الْكَافِرِينَ كَفَرُوا

بھی

لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ان کے مال و اولاد اللہ کی رحمت یا طاعت کا عوض بالکل نہیں ہو سکتے۔ اس ترجمہ پر شئیٰ موصوف محذوف کی صفت ہوگا یعنی اِغْنَاءًا شئیٰ لَنْ تُغْنِيَ کا مفعول مطلق ہے گا کیونکہ اِغْنَاءًا (مصدر باب افعال) لازم ہے مفعول بہ کو نہیں چاہتا لیکن اگر ترجمہ اس طرح کیا جائے کہ ان کے مال و اولاد اللہ کے عذاب کے کسی حصہ کو دفع نہیں کر سکیں گے تو چونکہ اس وقت اِغْنَاءُ دفع کے معنی کو مضمن ہوگا اس لئے شئیٰ مفعول بہ ہو جائے گا۔

وَأُولَئِكَ هُم مَقْرُونُونَ اور یہی وہ لوگ ہیں جو آگ کا ایندھن ہوں گے۔ داب مصدر ہے داب فی العمل کام میں محنت کی یعنی ان لوگوں کا فعل کفر و تکذیب کہ دَابُّ آلِ فِرْعَوْنَ انبیاء آل فرعون کے عمل کی طرح ہے حضرت ابن عباسؓ، عکرمہؓ اور مجاہدؓ کا یہی قول ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ داب کا معنی اس جگہ شان ہے یعنی ان کا حال کفر آل فرعون کے حال کی طرح ہے، ابو عبیدہؓ نے داب کا ترجمہ طریقہ کیا ہے۔ اخفش نے امر ترجمہ کیا ہے، نصر بن شمل نے عادت، طریقہ، شان، حال وغیرہ سے اس لفظ کی تشریح کی ہے

وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ اور ان لوگوں کے حال کی طرح جو آل فرعون سے پہلے تھے۔ گَدَّ بَوَّابًا يَتَنَاءَمُ فَآخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ انہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی تو اللہ نے ان کے جرائم کی وجہ سے ان کو پکڑا اور سزا دی۔

وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ اور اللہ سخت سزا والا ہے یعنی اس کی سزا سخت ہے۔ ابو داؤدؒ نے سنن میں نیز ابن جریرؒ نے اور بیہقی نے دلائل میں محمد بن اسحاق کے سلسلہ روایت سے بحوالہ سعید بن جبیرؒ عکرمہؓ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بدر میں کامیاب ہو کر مدینہ کو واپس آئے تو آپ نے بنی قینقاع کے بازار میں یہودیوں کو جمع کر کے خطاب کیا اور فرمایا اے گروہ یہود قبل اس کے کہ قریشیوں کی طرح تم پر مصیبت آئے مسلمان ہو جاؤ۔ یہودیوں نے جواب دیا محمد ﷺ اس کا غرور نہ کرنا کہ چند قریشیوں کو تم نے قتل کر دیا ہے وہ تو نا تجربہ کار تھے جنگ سے واقف ہی نہ تھے، ہم سے لڑو گے تو معلوم ہوگا کہ آدمی ہم ہیں ہماری نظیر تم کو نہ ملی ہوگی۔ اس گفتگو

کے بعد اللہ نے مندرجہ ذیل آیات اولیٰ 'الابصار تک نازل فرمائیں۔

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا

کافروں سے یعنی ان یہودیوں سے کہہ دو کہ

سَتُخْلَبُونَ عنقریب تم مغلوب ہو گے۔ اپنی یہ پیشین گوئی اللہ نے پوری کر دکھائی۔ بنی قریظہ کو قتل اور بنی نضیر کو دیس بدر کیا گیا۔ خیبر فتح ہوا اور وہاں کے یہودیوں پر جزیہ مقرر کیا گیا۔

مقاتل نے بیان کیا کہ ان آیات کا نزول بدر کے واقعہ سے پہلے ہوا تھا اور الذین کفرو اسے مشترکین کہہ مراد ہیں یعنی مکہ کے کافروں سے کہہ دو کہ تم بدر کے دن مغلوب ہو گے چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بدر کے دن ان سے فرمایا کہ اللہ تم پر غالب آگیا اور تم کو ہنکا کر جہنم کی طرف لے گیا۔

کلبی نے بروایت ابوصالح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ جب بدر کے دن مشرکوں کو شکست ہو گئی تو مدینہ کے یہودیوں نے کہا خدا کی قسم یہ تو وہی نبی ہیں، جن کی بشارت موسیٰ نے دی تھی ان کا پھر یہ انہیں لوٹایا جاسکتا۔ چنانچہ یہودیوں نے آپ کے اتباع کا ارادہ کر لیا مگر پھر بعض لوگوں نے کہا ابھی جلدی نہ کرو، ایک واقعہ اور دیکھ لو اس کے بعد جب احد کی لڑائی میں صحابیوں کو شکست ہوئی تو یہودی شک میں پڑ گئے بد بختی غالب آئی اور مسلمان نہ ہوئے یہود اور صحابہ کا مدت مقررہ کے لئے ایک معاہدہ تھا، یہودیوں نے بین المیعاد اس معاہدہ کو بھی توڑ دیا اور کعب بن اشرف ساٹھ سواروں کو لے کر مکہ پہنچا اور اہل مکہ کو چڑھائی کرنے کی ترغیب دی اور سب نے با اتفاق رائے رسول اللہ ﷺ سے لڑنے کا ارادہ کر لیا اس پر اللہ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

وَتَحْشُرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ

اور آخرت میں تم کو ہنکا کر جہنم کی طرف لے جایا جائے گا۔

وَيَبْسُ الْمُهَادُّ

اور جہنم برا ٹھکانا ہے۔ یہ جملہ یا تو اس مقولہ کا جز ہے جو کافروں سے کہا گیا ہے یا جدا کلام ہے۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ

آیت کا نزول مشرکوں کے متعلق ہے تو یہ خطاب بھی انہی کو ہے۔ بر تقدیر اول یہ مطلب ہو گا کہ اے گروہ یہود میں جو تمہارے مغلوب ہونے کا دعویٰ کر رہا ہوں اس دعوے کی دلیل کھلی ہوئی ہے۔ بر تقدیر دوم یہ مطلب ہو گا کہ اے گروہ مشرکین میری نبوت کی نشانی اور دلیل واضح ہے۔

فِي فِتْنَتَيْنِ التَّقَاتِ

ان دونوں گروہوں میں جن کا بدر کے دن مقابلہ ہوا تھا۔ فتنۃ بمعنی فرقہ۔ فیتنیٰ لوٹنا۔ لڑائی کے دن بعض لوگ بعض کی طرف (مارنے یا پناہ لینے کے لئے) لوٹتے ہیں اس لئے فرقہ کو فتنۃ کہا جاتا ہے۔

فِتْنَةٌ نُّفَاتِلٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا یعنی رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کا مؤمن گروہ اللہ کے حکم کی اطاعت میں لڑ رہا تھا۔ اس گروہ کی تعداد ۳۱۳ تھی ۷۰ مہاجر اور ۲۳۶ انصار۔ مہاجرین کے علمبردار حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے یہی صحیح روایت ہے۔ بعض نے حضرت مصعب بن عمیر کو علمبردار کہا ہے۔ انصار کے علمبردار حضرت سعد بن عبادہ تھے۔ اس لشکر میں ستر اونٹ اور دو گھوڑے تھے ایک گھوڑا حضرت مقداد بن عمرو کا اور دوسرا حضرت مرثد بن ابی مرثد کا۔ اکثر فوجی پیادہ تھے۔ اسلحہ میں صرف چھ زہریں اور آٹھ تلواریں تھیں۔

وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ اور دوسرا گروہ کافر تھا۔ یہ مکہ کے مشرک تھے۔ ان کی تعداد ۹۵۰ تھی اور سپہ سالار عتبہ بن ربیعہ بن عبد الشمس تھا ان کے پاس سو گھوڑے تھے۔ بدر کی لڑائی جس میں رسول اللہ ﷺ خود بنفس نفیس موجود تھے لول ترین جنگ تھی جو ہجرت سے اٹھارہ مہینے کے بعد ماہ رمضان ۲ھ میں ہوئی تھی۔

يَكُونُ لَهُمْ مِّثْلَهُمْ

ناقص اور یعقوب کی قرأت میں تَرَوْنَهُمْ آیا ہے۔ اب اگر یہودی مخاطب ہیں تو یہ مطلب ہے۔ حضرت مؤلف کا بیان کردہ یہ وجہ تسمیہ صرف فتنۃ جنگ کے لئے ہو سکتی ہے حالانکہ فتنۃ کا لفظ عام ہے عام گروہ یا جماعت کے معنی میں اس کا استعمال ہے، اس لئے اگر لڑائی کے دن کا لفظ وجہ تسمیہ سے ساقط کر دیا جائے تو مناسب ہے، ۱۲۔

ہوگا کہ تم کافروں کو مسلمانوں سے دو گنا دیکھ رہے تھے اور اس کے باوجود تمہاری نظروں کے سامنے فتح مسلمانوں کو ہوئی۔ بات یہ ہوئی کہ کچھ یہودی میدان قتال میں معاینہ جنگ کے لئے جا پہنچے تھے کہ دیکھیں پانسہ کدھر پڑتا ہے۔

..... ایک شبہ

مشرک تو مسلمانوں سے تین گنے تھے ان کو دو گنا کیوں کہا گیا۔

..... جواب

تعداد معین مراد نہیں ہے دو گنے سے مراد ہے تعداد کی کثرت جیسے آیت فارجمع البصر کرتین میں کثرتین سے دوبار مراد نہیں بلکہ بار بار مراد ہے۔

اگر آیت کے مخاطب مشرک ہوں تو یہ مطلب ہوگا کہ تم کو لڑائی کے وقت مسلمان اپنے سے دو گنے نظر آرہے تھے۔ سوال :- سورۃ انفال میں آیا ہے ویقللکم فی اعینہم اے مسلمانو! کافروں کی نظر میں تمہاری تعداد اللہ کم کر کے دکھا رہا تھا۔ اور اس آیت میں صراحت ہے کہ تمہاری تعداد ان کو اپنے سے دو گنی نظر آرہی ہے۔ دونوں بیانوں میں تناقض ہے۔

جواب :- دونوں بیانوں میں تناقض بالکل نہیں ہے لڑائی سے پہلے کافروں کو مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم کر کے دکھائی گئی تھی جس کی وجہ سے وہ جری ہو گئے اور لڑائی پر آمادہ ہو گئے لیکن لڑائی شروع ہونے کے بعد ان کو نظر آیا کہ مسلمانوں کی تعداد ہم سے دو گنی ہے اس سے ان کے اندر بزدلی پیدا ہو گئی، ہمتیں پست ہو گئیں اور شکست کھا گئے (تناقض میں وحدت زمانہ بھی شرط ہے اور یہاں اختلاف وقت ہے اس لئے تناقض نہیں)۔

جسور کی قرأت یُرَوُّنَہُمْ ہے یعنی مشرک مسلمانوں کو اپنے سے دو گنا دیکھ رہے تھے یا جتنی تعداد واقعی مسلمانوں کی تھی اس سے دو گنا دیکھ رہے تھے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ مسلمان کافروں کو اپنے سے صرف دو گنا دیکھ رہے تھے حالانکہ وہ دو گنے نہ تھے بلکہ تین گنے تھے۔ اللہ نے کافروں کی تعداد مسلمانوں کی نظر میں قلیل کر کے اس لئے دکھائی کہ مسلمانوں کو ثبات و اطمینان حاصل رہے اور فتح کے اس وعدہ پر یقین رکھیں جس کا اظہار اللہ نے آیت فان یکن منکم مائة صابرة یغلبوا مائتین میں فرمایا ہے۔ اس کے بعد ایسا بھی وقت آیا کہ کافروں کی تعداد مسلمانوں کو اپنے برابر نظر آنے لگی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا اول ہم کو کافرا اپنے سے دو گنے نظر آتے تھے پھر جو ہم نے دیکھا کہ اپنے برابر انکی تعداد نظر آئی ایک آدمی بھی زیادہ نہ دکھائی دیا۔ آخر میں اللہ نے کافروں کی تعداد ہماری نظر میں اتنی گھٹادی کہ ہم ان کو اپنے سے کم دیکھنے لگے یہاں تک کہ میں نے اپنے برابر والے آدمی سے کہا ہم کو تو یہ کوئی ستر آدمی دکھائی دیتے ہیں، اس نے کہا مجھے تو سو معلوم ہوتے ہیں۔ آیت میں رویت بمعنی علم ہے کیونکہ یُثَلِّیْہُمْ اس کا دوسرا مفعول ہے (اور رویت بمعنی نظر کا دوسرا مفعول نہیں ہوتا) یُثَلِّیْہُمْ کو حال قرار دینا معنی کے لحاظ سے غلط ہے۔

رَأٰی الْعَیْنُ آنکھوں دیکھتے۔ جب رویت مذکورہ بالا بمعنی علم ہے تو علم کو رأی العین قرار دینے میں مبالغہ ہے علم کی تشبیہ علمی مشاہدہ کے ساتھ ہونے سے علم میں قوت پیدا ہو گئی۔ اس وقت رأی العین سے مراد ہوگا وہ علم جو آنکھوں سے دیکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ مسبب بول کر سبب مراد لینا بطور مجاز جائز ہے۔ یا حرف جر محذوف ہے یعنی مسلمانوں کا کافروں کی تعداد کو کم سمجھنا مشاہدہ کی طرح تھا۔

اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی مدد سے قوی کر دیتا ہے۔

وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَنۡ يَّشَآءُ

مذکورہ تقلیل و تکثیر اور کمزور قوت کی تسلیح کثرت پر فتح یابی کے اندر

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

بصیرت والوں کے لئے یا ان لوگوں کے لئے جنہوں نے دونوں گروہوں کو دیکھا تھا

لَعِبْرَةٌ لِّاُولٰٓئِی الْاَبْصَارِ ﴿۵﴾

بہت بڑی نصیحت ہے۔

سُرِّينَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ

زین (مصدر) شہن کے برعکس ہے، اس کا مفہوم ہے کسی چیز کا آراستہ، خوبصورت قابل ستائش و محبوب خاطر ہونا۔ اسباب زینت بھی (داخلی ہوتے ہیں کبھی خارجی، داخلی اسباب کبھی) غیر مادی ہیں جیسے علم عقل وغیرہ اور کبھی مادی بدنی ہوتے ہیں جیسے جسمانی طاقت، حسن قامت، جمال صورت، خارجی اسباب زینت لباس، گھوڑا، سواری، مال، مرتبہ وغیرہ ہیں۔ تزیین (مصدر باب تفعیل۔ متعدی) کسی چیز کو حامل زینت بنا دینا خواہ واقعی وہ حامل زینت ہو جائے جیسے زینت السماء الدنيا بمصابيح یا محض اعتقادی زینت ہو، اعتقادی زینت بھی دو طرح کی ہوتی ہے، واقع کے مطابق اور غیر مطابق۔ اول کی مثال جیسے وَحَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ اور دوسرے کی مثال جیسے زَيْنَ لَهُمْ سَوْءُ أَعْمَالِهِمْ ایمان اور بد عملی دونوں اعتقادی اسباب زینت ہیں لیکن اول واقعی سبب زینت ہے اور دوسرا محض فرضی۔

شہوت، کسی چیز کی طرف نفس کی انتہائی رغبت اور کمال میلان۔ آیت میں شہوات سے مراد ہیں مشتمہیات (یعنی مرغوبات) کیونکہ حقیقت میں یہ مرغوب چیزیں ہی اسباب زینت اور جاذب محبت ہیں۔ محبت مرغوبات کی جگہ محبت شہوات کا ذکر اپنے اندر دو خوبیاں رکھتا ہے۔

(۱) تنبیہ اور زجر کا مقام ہے اور شہوات کو ذکر کرنے سے زجر میں زور پیدا ہو گیا۔ (۲) اس بات کی طرف اشارہ ہو گیا کہ لوگ اسباب زینت کی محبت میں اتنے غرق ہیں کہ اسباب زینت کی خواہش سے بھی محبت رکھتے ہیں گویا اصل کلام اس طرح تھا زَيْنَ لِلنَّاسِ حُبُّ مَحَبَّةِ النِّسَاءِ وَالْأَوْلَادِ وَالْمَالِ وغیرہ۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے أَحَبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ مجھے خیر کی محبت بھی محبوب ہے۔ (جب کبھی) سے محبت ہے تو اس کی محبت بھی پیاری ہے اور عشق کبھی بھی محبوب ہے۔ قیس نے کہا تھا۔

اللی مجھ سے جدا ہو نہ الفت لیلیٰ

صاحب کشف نے لکھا ہے کہ تقاضا مقام ہے کہ اشیاء دنیوی سے نفرت دلائی جائے اور ثواب عند اللہ کی طرف رغبت پیدا کی جائے اور بجائے مشتمہیات کے شہوات کہنے سے نفرت دلانے میں زور پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ یہ شہوت علامت دنائت اور دلیل بہیمیت ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ ان مذکورہ اشیاء میں مشغول رہنے اور ان کی طرف کامل توجہ رکھنے سے بازداشت اس لفظ کی وجہ سے پر زور طور پر کر دی گئی کیونکہ ان اشیاء دنیوی کو کمال مرغوبیت و محبوبیت حاصل ہے جس کی وجہ سے یہ چیزیں اپنی طرف کامل طور پر کھینچتی ہیں اور اللہ کے مقرر کردہ ثواب سے کاٹ دیتی ہیں۔

اسباب زینت بنانے والا حقیقت میں اللہ ہی ہے کیونکہ وہی تمام جواہر، اعراض اور انسان کے اعمال و جذبات کا خالق ہے۔ ان چیزوں میں دل کشی اور زیبائش غالباً چند وجوہ کے لئے پیدا کی ایک تو آزمائش مقصود ہے جیسے خود ہی فرمایا ہے إِنَّا جَعَلْنَا مَاعْلَى الْأَرْضِ زِينَةً لِّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَهْلَهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا۔ دوسرے اہل ایمان کی عملی جدوجہد کا بھی یہ ذریعہ ہے۔ تیسرے شکر نعمت کا بھی سبب ہے، چوتھے سعادت آخرت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، پانچویں نلانیہ پر آدمی کی فضیلت کا موجب ہے، چھٹے کافروں کو توفیق نہ دینے اور ان کو گمراہ کر دینے کا باعث ہے۔ فرمایا ہے يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ پھر شخص اور نوعی زندگی کے بقاء کی حکمت بھی اس کے اندر ہے فرمایا قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ۔ بعض علماء کا قول ہے کہ آیت میں فاعل تزیین شیطان ہے کیونکہ آیت کا سیاق مذمت آگے ہے اور مقام ذم میں فاعل تزیین شیطان کو ہی قرار دینا مناسب ہے۔ ہاں اللہ نے بھی تزیین اشیاء کی نسبت اپنی ذات کی طرف کی ہے لیکن یہ نسبت تخلیق کے اعتبار سے ہے (کہ ہر دلکش چیز کا خالق اللہ ہے) فرمایا ہے وَكَذَلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ وَزَيْنَّا لَهُمْ أَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُونَ دوسری جگہ فرمایا ہے وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ اور کبھی شیطان کی طرف کی ہے اس لئے کہ دلوں میں

وسوسہ ڈالنے اور غافل بنانے کا سبب شیطان ہے فرمایا ہے اِذْ زَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ اَعْمَالَهُمْ اور لَا زَيْنَ لَهُمْ اور وَزَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ۔

مِنْ الرِّسَاءِ وَالْبَيْنِينَ وَالْقَنَاطِيرَ قناطر جمع، قنطار مفرد، تیرہ کثیر مال (ڈھیر) قنطار میں مضبوطی کا مفہوم بھی ہے۔ محاورہ ہے قَنَطَرَتِ الشَّيْءُ میں نے اس چیز کو مضبوط کر دیا۔ قنطرة (پل) اسی سے بنا ہے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ نے قنطار کی مقدار دو سو اوقیہ قرار دی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بارہ سو مثقال یا بارہ ہزار درہم یا ایک ہزار دینار۔ سعید بن جبیرؓ اور عکرمہؓ نے سو ہزار اور سو سیر اور سورطل (پونڈ) اور سو مثقال اور سو درہم (غرض ہر چیز کا ایک سینکڑہ)۔ سدیؓ نے چار ہزار مثقال، حکم نے کہا کہ آسمان وزمین کی تمام چیزیں قنطار ہیں۔ بعض نے کہا نیل کی کھال بھر مشک قنطار ہے۔

قنطار کا وزن فعلال ہے یا ففعال یہ بحث اختلافی ہے (یعنی قنطار کا وزن اصلی ہے یا الحاقی یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے)۔ الْمُقَنْطَرَةُ یہ لفظ قنطار ہی سے بنا ہے، قنطار کے بعد مقنطرة کا لفظ تاکید کے لئے لایا (ڈھیروں جمع کیا ہوا مال) جیسے بدرة مبدرة کہا جاتا ہے، ضحاک نے مقنطرة کا ترجمہ کیا ہے مضبوط محکم۔ ایمان نے دفن کردہ اور سدی نے نکالی سکے (مری) اور فراء نے چند گنا ترجمہ کیا ہے پس القناطر سے قنطار کی جمع اور المقنطرة سے جمع الجمع مراد لی گئی ہے (یعنی ڈھیروں ڈھیر)۔ لہ

مِنْ الذَّهَبِ ذہب، سونا بعض نے ذہب کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی کہ ذہب کا معنی ہے جانا اور سونا بھی آنے جانے والی چیز ہے۔ فَضَّةٌ چاندی، بعض نے اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی کہ فض کا معنی ہے منتشر ہونا اور چاندی بھی منتشر ہونے والی چیز ہے۔

وَالْحَبْلُ خیل فرس کی جمع ہے خیل کے لفظ سے مفرد نہیں آتا۔ الْمُسَوَّمَةُ مجاہد نے اس کا ترجمہ کیا مکمل ساخت والے کامل الاعضاء۔ خوبصورت تقویم کا معنی ہے حسن۔ سعید بن جبیر نے کہا چرنے والے یعنی جنگل میں آزادی سے چرنے والے حسن بھریؓ اور ابو عبیدہؓ نے ترجمہ میں کہ انشاندار یہ لفظ سبماء سے مشتق ہے اور سبماء کا معنی ہے علامت لیکن سبماء سے کیا مراد ہے کسی نے کہا گھوڑے کی جلد کا دھبہ اور رنگ بتاؤ تھے کہاواغ وَالْانْعَامِ انعام نعم کی جمع ہے اور نعم بھی جمع ہے مگر اس لفظ سے اس کا واحد نہیں آتا۔ انعام کا اطلاق اونٹ، گائے، بھینس اور بکری پر ہوتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا جنگلی چوپایوں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اسی لئے امام صاحب نے آیت جزاء مثل ما قتل من النعم کی تفسیر میں النعم سے جنگلی چوپایہ مراد لیا ہے۔

وَالْحَرِثُ اور کھیتی۔ یعنی انسانوں کے لئے اللہ کی طرف سے عورتوں میں، اولاد میں اور ڈھیروں ڈھیر سونے چاندی میں اور خوبصورت گھوڑوں اور چوپایوں میں اور کھیتی میں دل کشی کا سامان پیدا کیا گیا ہے۔

ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا یہ سب چیزیں دنیوی زندگی میں مزہ اڑانے کی چیزیں ہیں آخر فنا ہونے والی ہیں۔ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَبَآئِ ۝۱۱ اور انجام کی خوبی اللہ ہی کے پاس ہے یعنی اچھا انجام جو انتہائی خوب ہونے کی وجہ سے گویا جسم خوبی ہے اللہ ہی کے پاس ہے۔ اس میں پوری پوری ترغیب ہے اس امر کی کہ دنیا کی فنا پذیر مرغوبات کو چھوڑ کر آخرت کی لذت آگئیں لازوال چیزیں حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ لہ

لہ حاکم نے حضرت انسؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ قنطار ایک ہزار اوقیہ ہے، امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ قنطار بارہ ہزار اوقیہ ہے، ۱۲۔ لہ قتادہؒ کا قول ہے کہ ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (اس آیت کی تلاوت کے بعد) کہتے تھے اللھم زینت لنا الدنیا وانبائنا ان مابعدھا حیر مسھا فاجعل حظنا فی الذی ہو حیر وابقی، مؤلف

قُلْ أَوْفُوا بِعَهْدِكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ آپ کہہ دیجئے کہ کیا ان تمام مذکورہ چیزوں سے بہتر چیز میں تم کو بتاؤں۔ اس جملہ میں کافروں کے لئے ذرے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ (باوجود پیغمبر ہونے کے) اس امر میں متردد ہیں کہ کیا رحمت و مہربانی کے تقاضے کے تحت اور اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے کافروں کو اس بہترین چیز کی اطلاع دیدیں یا کافروں کے انکار اور حق سے نفرت کے پیش نظر ان کو نہ بتائیں۔ پہلے اشارہ کیا تھا کہ اللہ کا عطا کردہ ثواب دنیوی لذتوں سے بہتر ہے۔ اس جملہ میں اسی مضمون کو پختہ کر دیا۔

لٰكِنِّیْنَ اَتَّقُوا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّتْ جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا ان کے لئے اللہ کے پاس جنتیں ہیں۔ متقیوں کا خصوصی ذکر اس وجہ سے کیا کہ حقیقت میں ثواب آخرت سے فائدہ اندوز وہی ہوں گے۔

تَجْرِبٰی مِّنْ تَّجَرِبٰہَا الْاَنْہٰرُ جن کے درختوں کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ متقی ان جنتوں میں ہمیشہ رہیں گے یعنی داخلہ کے دن کے بعد ان کیلئے وہاں ہمیشہ رہنا مقدر ہے۔ اور پاک بیویاں یعنی عورتوں کی آلائش حیض، نفاس، اور بول و براز سے پاک بیویاں۔

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اور اللہ کی عظیم الشان خوشنودی۔ بعض علماء نے بیان کیا کہ آیت میں اللہ نے جنات اور ازواج کا ذکر کیا، یہ دونوں چیزیں انسانی مرغوبات کی ہم جنس ہیں، جنتیں کھیتی کی جنس سے ہیں اور ازواج عورتوں کی جنس سے۔ اولاد کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ دنیا میں اولاد کا مقصد بقاء نوع اور زندگی کی مدد ہے اور آخرت میں اس کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح گھوڑوں کا، چوپایوں کا اور سونے چاندی کا بھی ذکر نہیں کیا کیونکہ جنت میں گھوڑوں وغیرہ کی سواری کی تکلیف نہ ہوگی اور حصول زر کے لئے جو بیع و شراء کی جانی ہے اس کی بھی ضرورت نہ ہوگی۔ آخر میں ایک ایسی عظیم الشان نعمت کا اضافہ کیا جس پر زیادتی ممکن نہیں یعنی اللہ کی خوشنودی۔ پھر رضوان کو بصورت نکرہ (غیر معروف) لانے سے اشارہ کیا کہ اللہ کی رضا مندی (کی حد) کوئی سمجھ نہیں سکتا۔

حضرت ابو سعید خدری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ اہل جنت سے فرمائے گا، اے اہل جنت! جواب دیں گے لبیک ربنا و سعیدیک والخیر فی یدیک، اللہ فرمائے گا، کیا میں اس سے بڑھ کر چیز تم کو دوں جنتی عرض کریں گے اے ہمارے رب، اس سے بڑھ کر کیا چیز ہے اللہ فرمائے گا میں تم پر اپنی خوشنودی نازل کروں گا تم پر کبھی غصے نہ ہوں گا۔ متفق علیہ

میں کہتا ہوں کہ آیت میں جنات کا ذکر انسان کے تمام مرغوبات کے دوش بدوش واقع ہوا ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے وَفِیْہَا مَا تَشْتَہِیْہِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْیُنُ۔ اولاد و اقربا سب جنت میں جمع ہوں گے اور سب سے ہمیشہ ملاقات رہے گی۔ اللہ نے فرمایا ہے الْحَقْنٰ بِہِمُ الذَّرِیَّتَہُمْ وَمَا اَلْتَنٰہُمْ مِنْ عَمَلِہِمُ مِنْ شَیْءٍ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ اولاد آنکھ کی خنکی اور دل کا کامل سرور ہوتی ہے تو کیا جنتیوں کے بچے پیدا ہوں گے، فرمایا مؤمن جب اولاد کی خواہش کرے گا تو ایک ہی ساعت میں استقرار حمل، وضع حمل اور سن (یعنی بالیدگی اور بڑھاؤ) اس کی خواہش کے مطابق ہو جائے گا۔

ترمذی نے روایت کے بعد اس کو حسن کہا ہے، بیہقی نے بھی یہ روایت لکھی ہے اور ہناد نے زہد میں حضرت ابو سعید کی روایت سے اس کو ذکر کیا ہے، اسی طرح حاکم نے تاریخ میں اور اصہبانی نے ترغیب میں اس کو نقل کیا ہے۔ رہے چاندی سونے کے ڈھیر تو (یہ ثابت ہے کہ) اللہ نے ایک جنت ایسی بنائی ہے جس کی ایک اینٹ چاندی کی، دوسری اینٹ سونے کی اور گارا منک کا ہے (یعنی گڑگا جنتی جنت) (رواہ البرز از الطبرانی و ابی نعیم عن ابی سعید عن النبی ﷺ) ایک مرفوع حدیث میں آیا ہے کہ دو جنتیں چاندی کی ہیں جن کے ظروف اور ان کے اندر کی تمام چیزیں چاندی کی ہیں اور دو جنتیں سونے کی ہیں جن کے برتن اور ان کے اندر کی تمام چیزیں سونے کی ہیں۔ (رواہ البخاری و مسلم من حدیث ابی موسیٰ) باقی گھوڑوں اور چوپایوں کا جنت کے اندر

ہونا تو یہ بھی ثابت ہے ایک اعرابی نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ ﷺ مجھے گھوڑوں سے محبت ہے کیا جنت میں گھوڑے ہوں گے فرمایا جب تم جنت میں داخل ہو گے تو تمہارے سامنے یا قوت کا گھوڑا لایا جائے گا جس کے دو بازو ہوں گے تم کو اس پر سوار کیا جائے گا اور وہ تم کو تمہاری مرضی کے موافق اڑا کر لے جائے گا۔ رواہ الترمذی عن ابی ایوب وروی الترمذی والبیہقی نحوه عن ابی بردۃ مرفوعاً والطبرانی والبیہقی بسند جید عن عبدالرحمن بن ساعدۃ مرفوعاً۔

ابن مبارکؒ نے حضرت شفی بن مانع رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کی آسائشوں میں سے یہ بات بھی ہوگی کہ جنتی باہم ملاقات کے لئے اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر جائیں گے اور جمعہ کے روز ان کے سامنے زین پوش گھوڑے لائے جائیں گے، جن کے لگا میں لگی ہوں گی وہ لید اور پیشاب نہیں کریں گے۔ جنتی ان پر سوار ہو کر جہاں اللہ چاہے گا پہنچ جائیں گے۔

ابن ابی الدنیا اور ابوالشیخ اور اصفہانی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ جنت میں ایک درخت ہے جس کی بالائی چوٹی سے لباس کے جوڑے اور نچلے حصہ سے سونے کے ابلق گھوڑے پیدا ہوں گے، جن کی زمینیں اور لگا میں سوتی اور یا قوت کی ہوں گی، ان کے پروں والے بازو بھی ہوں گے ان کا ایک پر بقدر رسائی نگاہ ہوگا، وہ لید اور پیشاب نہیں کریں گے، ان پر لولیا اللہ سوار ہوں گے اور جہاں چاہیں گے گھوڑے اڑا کر لے جائیں گے۔ نیچے والے کہیں گے انہوں نے تو ہمارا نور ماند کر دیا (اللہ یا فرشتہ) کہ گایہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے تھے، تم کنجوسی کرتے تھے، یہ جہاد کرتے تھے، تم بیٹھے رہتے تھے۔

ابن مبارکؒ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ جنت میں عمدہ گھوڑے اور اعلیٰ اونٹیاں ہوں گی جن پر جنتی سوار ہوں گے۔ ابن وہبؒ نے حسنؒ بصری کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کم سے کم مرتبہ والا جنتی وہ ہوگا جو ہزار در ہزار غلمان جنت کے ساتھ یا قوت سرخ کے گھوڑوں پر سوار ہوگا اور ان گھوڑوں کے بازو سونے کے ہوں گے۔ رہا کھیتی کا تذکرہ تو اس کے سلسلہ میں بخاریؒ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک جنتی اپنے رب سے کھیتی کرنے کی اجازت مانگے گا اللہ فرمائے گا کیا تو اپنی خواہش کے مطابق حالت میں نہیں ہے، جنتی عرض کرے گا کیوں نہیں لیکن میں کھیتی کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ وہ کاشت کرے گا مگر پلک جھپکنے سے پہلے کھیتی اُگ آئے گی، پودے ٹھیک ہو جائیں گے اور کھیت کٹنے کے قابل ہو جائے گا اور پہاڑوں کی طرح کھیتی ہو جائے گی اللہ فرمائے گا اے آدمؑ کے بچے لے تجھے کوئی چیز سیر نہیں کرے گی۔ طبرانی اور ابوالشیخ نے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے اس روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ کھیتی کی ایک ایک بالی بارہ ہاتھ کی ہو جائے گی اور وہ شخص اپنی جگہ سے ہٹنے بھی نہ پائے گا پہاڑوں کے برابر (غلہ کا) ٹیلہ ہو جائے گا۔

جنت کی نعمتوں میں ازواج کے خصوصی تذکرہ کی وجہ غالباً یہ ہے کہ عرب کو عورتوں کی خواہش شدت کے ساتھ ہوتی تھی یا یہ وجہ ہے کہ جنت میں ہر ایک کو ازواج (حوریں) ملیں گی۔

باقی اولاد تو صرف انہی کو ملے گی جن کی دنیا میں اولاد ہوگی یا جنت میں اولاد کے خواہشمند ہوں گے عموماً اہل جنت کو اولاد کی خواہش نہیں ہوگی کیونکہ حضرت ابو سعیدؓ خدری کی روایت میں آیا ہے کہ جب جنت کے اندر مؤمن اولاد کا خواہشمند ہوگا تو فوراً اولاد ہو جائے گی مگر وہ خواہشمند ہی نہ ہوگا۔ (رواہ الترمذی والدارمی) مطلب یہ ہے کہ اکثر لوگ اولاد کے خواہشمند نہ ہوں گے ہم نے یہ تاویل مختلف روایات کو مطابق بنانے کے لئے کی ہے۔ اللہ نے (آخر میں) ایک ایسی نعمت کا ذکر فرمایا ہے جو دنیوی نعمتوں سے بڑھ چڑھ کر ہے اور اس سے بڑی نعمت کا امکان ہی نہیں ہے یعنی اللہ کی خوشنودی۔ اللہ کی رضا مندی ہی وہ امتیازی نعمت ہے جو جنت کی نعمتوں کو دنیوی نعمتوں سے ممتاز کرتی ہے۔ دنیا ملعون ہے جو کچھ اس میں ہے وہ ملعون ہے ہاں دنیا کی چیزوں میں سے جس چیز سے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا مقصود ہو وہ ملعون نہیں ہے۔ بعض روایات میں اللہ

کے ذکر اور (علم دین کے) عالم و معلوم کو ملحوظ ہونے سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ طبرانی نے اوسط میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے اور صغیر میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے اور ابن ماجہ نے سنن میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے اسی طرح بیان کیا ہے اور جنت کی نعمتیں اللہ کی نظر میں پسندیدہ ہیں حضرت ربیعہ حسیؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے خواب میں بتلایا گیا ہے کہ کسی سردار نے کوئی مکان بنایا اور (پھر) دسترخوان چنویا اور ایک منادی کو لوگوں کے بلوانے کے لئے بھیجا جس شخص نے منادی کی دعوت کو قبول کیا وہ گھر میں آگیا اور اس نے دسترخوان پر کھانا کھایا اور وہ سردار اس سے خوش ہو گیا اور جس نے دعوت کرنے والے کی دعوت نہ قبول کی وہ گھر میں نہ آیا اور دسترخوان سے کچھ نہ کھا سکا اور سردار اس سے ناراض ہو گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا سردار تو اللہ ہے اور اس کی طرف سے دعوت دینے والا محمد ﷺ ہے اور مکان اسلام ہے اور دسترخوان جنت ہے۔ رواہ الدارمی۔

میں کہتا ہوں کہ دنیا کی نعمتیں اللہ کو پسند نہیں ان کی طرف رخ پھیر کر دیکھنا بھی نہیں چاہئے اللہ نے فرمادیا ہے وَلَا تَمْنَنَ عَيْنُكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَاهُ أَزْوَاجًا تَسْتَهْمُ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَجنت کی نعمتیں اللہ کو پسند ہیں ان کی رغبت کرنے والا قابل ستائش ہے اللہ نے فرمایا ہے وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسُونَ اس کا راز یہ ہے کہ موجودات دنیوی کا مبدع وجود عدم ہے (تمام ممکنات اصلاً معدوم ہیں پہلے نہ تھے پھر ہوئے ان کا وجود حادث ہے ازلی نہیں ہے) تمام اعداد کا تقرر اللہ کے علم میں تھا (وجود نہ تھا اندازہ وجود تھا) جب اللہ کی صفات کمالیہ کا ان پر پر تو پڑا تو ان میں (وجود کی) چمک آگئی اور ان کا وجود ظلی ہو گیا جیسے جہالت پر علم کا اور عجز پر قدرت کا عکس پڑتا ہے تو جہالت میں علم کا اور عجز میں قدرت کا ظلی وجود پیدا ہو جاتا ہے۔ چونکہ موجودات دنیا کی اصل عدم ہے اسی لئے یہ جلد جلد فنا کی طرف جارہے ہیں۔ (کیونکہ ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے) اور عدم فی نفسہ خالص شر ہے اس میں نہ کوئی حسن ہے، نہ خیر، نہ کمال۔ ہاں (صفات خداوندی کا عکس پڑنے سے) اس میں اتنا ہی حسن پیدا ہو گیا ہے جتنا کسی ناقص الاصل چیز میں ملے کرنے سے پیدا ہو جاتا ہے۔ آخرت کی موجودات کی حالت اس کے برخلاف ہے ان کی تعین اور تحقق کے مبادی صفات خداوندی ہیں (صفات خداوندی ان کا سرچشمہ ہے، آفتاب صفات کی یہ شعاعیں ہیں لہٰذا) اسی لئے ان کی محبت اللہ کی محبت اور ان کی طرف رغبت اللہ کی طرف رغبت ہے حضرت مجددؑ نے لکھا ہے کہ باوجودیکہ انبیاء اور اولیاء کی توجہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف نہیں ہوتی مگر حضرت

۱۔ ممکن وہی ہوتا ہے جو اپنے وجود میں دوسرے کا محتاج ہوتا ہے اس کا وجود ضروری نہیں ہوتا اور ہمارے نزدیک ہر ممکن حادث ہے کوئی ممکن نہ قدیم بالذات ہے نہ قدیم بالغیر البتہ اس سطور اور اس کے پیرو ممکن بالذات کو قدیم بالغیر کہتے ہیں یعنی ہر ممکن اپنے وجود کا خود مالک تو نہیں ہے مگر علت کی طرف سے اس کا وجود قدیم ازلی ہے جس کا کوئی آغاز نہیں، ہم کہتے ہیں کہ ہر ممکن کی اصل عدم ہے لیکن عدم محض نہیں کیونکہ عدم محض سے تو وجود نہیں پیدا ہو سکتا بلکہ عدم مقرر اصل ہے تقرر کا مرتبہ عدم محض اور وجود بالفعل کے درمیان ہے تمام حقائق کو یہ کا تقرر اور تقدیر علم باری تعالیٰ میں ہے بلکہ تقرر کا ثبات نام ہی علم خداوندی کا ہے پس اصلاً یہ کائنات معدوم ہے جب صفات باری تعالیٰ کا پر تو کائنات پر پڑتا ہے تو کائنات کا وجود ظلی یا عکسی نمودار ہو جاتا ہے لوگ اسی ظلی وجود کو جو خداوندی پر تو سے نمودار ہو گیا ہے غلطی سے وجود اصلی کہنے لگتے ہیں حالانکہ اگر وجود اصلی ہوتا تو ہمیشہ سے ہوتا اور ہمیشہ رہتا کبھی فنا نہ ہوتا لیکن ہم محسوس کر رہے ہیں کہ دنیا کی ہر چیز فنا پذیر ہے اور عدم کی طرف دوڑی جارہی ہے اس لئے یہ امر ناقابل انکار ہے کہ اس کی اصل عدم ہے اور عدم کا مقابل وجود ہے عدم کی کوئی حقیقت نہیں اور جس کی حقیقت نہ ہو تو وہ نہ خیر ہو سکتی ہے نہ حسن و کمال..... لہٰذا دنیا کی ہستی نہ خیر ہے نہ حسن و کمال، علم واجب میں ساری دنیا کا تقرر ہی اصل وجود ہے اور وجود خارجی اس کا سایہ اور ظاہر ہے کہ سایہ کی نہ کوئی حقیقت ہے نہ حسن و کمال، ہاں اس دنیا کے مقابل آخرت کی نعمتیں اور مصائب الازوال ہیں ان کا بادی کنارہ کوئی نہیں اور ان کے مبادی تعین اعداد نہیں بلکہ اللہ کی صفات کاملہ ہیں صفات الہی آخرت میں بصورت مہر و قمر نمایاں ہوں گی، ہاں اس دنیا میں اگر کوئی چیز خیر ہے تو وہ وہی ہے جو نعمت آخرت کے حصول کا موجب ہے انبیاء اولیاء اور ان کی ہدایات اسی لئے خیر ہیں، واللہ اعلم۔

یعقوب کی محبت حضرت یوسف سے (عشق کی حد تک) بھی اس کی راز یہ ہے کہ حسن یوسف حسن اہل جنت کی جنس سے تھا۔ یوسف کی محبت حقیقت میں اللہ کی محبت تھی اور ان سے عشق خدا سے عشق تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابو بکر کو بناتا مگر تمہارا ساتھ تو اللہ کو خلیل بنا چکا۔ رواہ مسلم۔

وَاللّٰهُ بِصِبْرٍ بِالْعِبَادِ ۝۱۵
یہ جملہ گزشتہ کلام کی دلیل کے مقام میں ہے اور العباد میں الف لام استغراقی ہے یعنی اللہ تمام بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے اچھے ہوں یا برے سب کو ان کے اعمال کے مطابق بدلہ دے گا۔ یا الف لام عہدی ہے یعنی متقی بندے اللہ کی نگاہ کے سامنے ہیں اسی لئے ان کے لئے اللہ نے جنتیں تیار کر رکھی ہیں۔

الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اِنَّا اَمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَفِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝۱۶
یعنی اللہ خوب دیکھ رہا ہے ان پر ہیزگار بندوں کو جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم بلاشبہ ایمان لے آئے پس ہمارے گناہ بخش دے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

فاغفر میں فاء سبیت کیلئے ہے (یعنی کلام سابق کلام لاحق کی علت ہے) مراد یہ ہے کہ ہم ایمان لے آئے اس لئے تو ہمارے گناہ بخش دے) اس آیت میں ثبوت ہے اس امر کا کہ صرف ایمان مغفرت کا استحقاق پیدا کر دیتا ہے۔ حضرت معاذ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بندوں پر اللہ کا حق ہے کہ اس کی عبادت کریں اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ قرار دیں اور اللہ پر بندوں کا حق ہے کہ غیر مشرک کو وہ عذاب نہ دے۔ حضرت معاذ نے عرض کیا (یا رسول اللہ ﷺ) کیا میں لوگوں کو اس کی بشارت نہ دیدوں۔ فرمایا لوگوں کو اس کی بشارت نہ دو کہیں وہ (اسی پر) بھروسہ کر بیٹھیں (متفق علیہ)۔

الصَّابِرِينَ
نفس کی مخالفت پر جم جانے والے یعنی مصائب میں بے صبر ہونے سے نفس کو روکنے والے۔ خواہشات اور بری باتوں کی پیروی سے بازداشت کرنے والے۔ طاعت الہی اور اچھی باتوں کا پابند رکھنے والے۔ وَالصَّادِقِينَ
اور سچے۔ یعنی قول۔ اوعاء احوال اور تمام دعوؤں میں نقل واقعات میں اور ادائے شہادت میں سچے اور سب سے بڑا سچ لا الہ الا اللہ اور محمد عبدہ ورسولہ کی شہادت ہے۔

وَالْقَانِطِينَ
اور اللہ کی طاعت پر ہمیشہ پابندی رکھنے والے جنکے پیش نظر ہر وقت اللہ کی خوشنودی کا حصول ہی ہوتا ہے وَالْمُنْفِقِينَ
اور اپنے مالوں کو اللہ کی خوشنودی کیلئے خرچ کرنے والے اس جگہ تک کلام مذکور ہر قسم کی طاعت کو حاوی ہو گیا اس میں درستی اخلاق و اقوال بھی آگئی اور جسمانی و مالی اعمال کی اصلاح بھی۔

وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْاَسْحَارِ ۝۱۷
یعنی ظاہری اور باطنی اطاعت گزار یوں کے باوجود وہ اللہ سے ڈرتے ہیں اپنی کوتاہی کا

۱۔ حضرت مؤلف کی مراد یہ ہے کہ عربی زبان میں لفظ صبر کے بعد عن آتا ہے یا علیٰ بر صورت اول صبر کا معنی ہوتا ہے روکنا، باز رکھنا اور بر شق دویم معنی ہوتا ہے پابند بنانا، آیت میں الصابرين کے بعد نہ عن ہے، نہ علیٰ اس لئے مطلق معنی مراد ہے روکنا بھی اور پابند رکھنا بھی مطلب یہ ہے کہ متقی اپنے نفوس کو بری باتوں سے روکتے اور اچھی باتوں کا پابند بناتے ہیں۔ پسلا وصف سلبی ہے دوسرا وصف ثبوتی، سلبی وصف کا معنی ہے رد ازل اور قباح سے خالی اور پاک ہونا، ثبوتی وصف کا معنی ہے فضائل اور محاسن سے آراستہ ہونا، ۱۲۔

۳۔ صدق کا لفظ عام ہے جیسے کذب عام ہے قول میں سچائی، تمام دعوؤں میں سچائی، کسی واقعہ کو نقل کرنے میں سچائی، ادائے شہادت میں سچائی یہ تو صدق کی عام صورتیں ہیں لیکن صوفیہ کی اصطلاح میں صدق و کذب کا معیار ان صورتوں کے علاوہ ایک اور بھی ہے، سالک جب راہ سلوک طے کرتا ہے تو اثناء سیر میں کچھ مواقف ملتے ہیں اور کوئی موقف اصل منزل نہیں ہوتا لیکن صوفی دعو کہ کھا کر یا نادانی کی وجہ سے موقف کو منزل سمجھ لیتا ہے اور منزل پر پہنچنے کا دعویٰ کرنے لگتا ہے یا ابتدائی موقف پر پہنچ کر اگلے موقف تک پہنچنے کا مدعی بن جیتا ہے یہ سب کذب کی صورتیں ہوتی ہیں مثلاً سیر آثار کرنے والا صوفی سیر افعال کا مدعی ہو جائے تو جموٹ ہو گیا سیر افعال کرنے والا سالک سیر صفات کا دعویٰ کرنے لگے تو یہ بھی غلط ہو گیا سیر صفاتی میں مشغول رہنے والا عارف سیر ذاتی کا دعاء کرے تو یہ بھی اس کی نادانی اور دروغ ہوگی، غرض ادعاء احوال میں بھی صدق ضروری ہے، واللہ اعلم۔

اقرار کرتے ہیں اس لئے معافی کے طلب گار رہتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ بندہ سے اللہ کی عبادت اس طرح ہو سکتی ہی نہیں جیسا اللہ کی عظمت و جلالت کا تقاضا ہے بلکہ بندہ جب یہ سمجھتا ہے کہ میرے تمام اعمال و افعال بھی اللہ ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں یہ اللہ کا احسان و کرم ہے کہ اس نے اپنی عبادت کی توفیق عنایت فرمائی اور مجھے اپنے لئے منتخب فرمایا تو وہ جان لیتا ہے کہ میری کی ہوئی عبادت اگر قبول کے قابل ہو جائے تو یہ محض اللہ کا کرم ہے اس کا شکر ہے ورنہ اللہ کی نعمت کا کماحقہ شکر ادا کرنا تو ممکن ہی نہیں۔ اللہ ہی اپنی مغفرت اور خوشنودی سے ڈھانک لے تو نجات ہو سکتی ہے یُؤْمِنُونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا (قُلْ لَا تَمْنُوا عَلَيَّ إِلَّا سِلَامُكُمْ) بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَذَا كُمْ لِلْإِيمَانِ أَنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ وہ آپ پر اپنے مسلمان ہو جانے کا احسان دھرتے ہیں آپ ان سے کہہ دیں کہ مجھ پر اپنے مسلمان ہونے کا احسان نہ رکھو بلکہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی توفیق دی۔ اگر تم سچے ہو۔

طلب معافی کے لئے سحر کے وقت کا خصوصی ذکر اس لئے کیا کہ یہ وقت قبول دعا سے بہت ہی قرب رکھتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ہر رات کا جب آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے باری تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے میں ہی (سارے جہان کا خود مختار) بادشاہ ہوں، کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا قبول کروں، کوئی ہے جو مجھ سے مانگے اور میں اس کو عطا کروں، کوئی ہے جو مجھ سے گناہوں کی معافی چاہے اور میں اس کی مغفرت کروں۔ بخاری و مسلم۔

مسلم کی روایت میں اتنا اور ہے کہ پھر پروردگار اپنے دونوں ہاتھ پھیلاتا ہے اور فرماتا ہے کون ہے قرض دینے والا۔ ایسے شخص کو جو مفلس نہیں ہے اور نہ حق مارنے والا۔ یہ ندا صبح کی پو پھٹنے تک ہوتی رہتی ہے۔ بغوی نے حسن بصری کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا بیٹے! اس مرغ سے بھی زیادہ عاجزنہ ہو جو سحر کے وقت چیختا ہے اور تو بستر پر پڑا سوتا ہوتا ہے۔

زید بن اسلم نے فرمایا کہ المستغفرین بالاسحار سے وہ لوگ مراد ہیں جو فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ سحر کا وقت صبح کے قریب ہی ہوتا ہے اس لئے بالاسحار فرمایا۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کی تشریح میں فرمایا کہ وہ سحر کے وقت تک نماز (تہجد) کو دراز کرتے ہیں پھر استغفار کرتے ہیں۔ نافع کا بیان ہے کہ حضرت ابن عمر رات کو (یارات بھر) عبادت کرتے آخر میں فرماتے نافع کیا سحر ہو گئی میں عرض کرتا (ابھی) نہیں۔ آپ لوٹ کر پھر نماز پڑھنے لگتے اور اگر میں کہہ دیتا جی ہاں تو بیٹھ کر استغفار کرتے اور صبح تک دعا کرتے رہتے تھے۔

مذکورہ بالا تمام صفات کے درمیان واو عاطف کا لانا بتا رہا ہے کہ ہر صفت بجائے خود (متقیوں میں) کامل ہے اور وہ ہر صفت میں کمال رکھتے ہیں۔ یایوں کہا جائے کہ ہر صفت کے موصوف جدا گروہ ہیں۔ صابر تو پاک دل اور پاکیزہ نفوس والا صوفیہ کا گروہ ہے مجاہدین اور شہداء کا شمار بھی انہی صابریں میں ہے۔ اور صادقین سے مراد وہ سچے علماء ہیں جو سچی روایات بیان کرتے ہیں اور قانتین سے مراد اہل دل کا گروہ ہے جو طویل قنوت کے ساتھ نمازیں پڑھتے اور خوف ورجاء کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہیں اور منافقین سے مراد وہ دو لہند مؤمن صالح ہیں جو جائز راستوں سے کما کر راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں اور مُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ وہ لوگ ہیں جو نادانی سے برے کام کر بیٹھتے ہیں پھر جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اگر تم گناہ نہیں کرو گے تو اللہ تم کو لے جائے گا (فنا کر دے گا) اور تمہاری جگہ ایسے لوگوں کو لے آئے گا جو گناہ کریں گے،

پھر گناہ کرنے کے بعد

معافی کے طلب گار ہوں گے اور انکے گناہ بخش دیئے جائیں گے، رواہ مسلم۔ امام احمد اور ابو یعلیٰ نے حضرت ابو سعید کی روایت سے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔

آیت میں اللہ نے ترتیب وار ہر گروہ کا ذکر اسکے مرتبہ کے موافق کیا ہے افضل ترین، افضل تر، افضل، فاضل وغیرہ۔

وغیرہ۔

شَهِدَ اللَّهُ **اِنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ** اللہ شاہد ہے یعنی عقلی دلائل قائم کر کے اور کتابیں نازل فرما کے اس نے واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔ کہ وہی ہے اس کے سوا کوئی معبود موجود نہیں ہے۔ بنوئی نے بروایت کلمی بیان کیا ہے کہ شام کے یہودی علماء میں سے دو عالم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے ارادہ سے آئے۔ مدینہ کو دیکھ کر ایک نے دوسرے سے کہا یہ شہر تو اس شہر سے بہت ہی مشابہ ہے جہاں نبی آخر الزماں ﷺ کا ظہور ہوگا۔ جب دونوں خدمت گرامی میں پہنچے تو اپنی کتاب میں بیان کردہ صفات کو حضور ﷺ کی صفات سے مطابق پا کر پہچان لیا اور عرض کیا کیا آپ محمد ﷺ ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں۔ بولے کیا آپ احمد ﷺ بھی ہیں حضور ﷺ نے فرمایا میں محمد ﷺ بھی ہوں اور احمد ﷺ بھی۔ کہنے لگے ہم آپ سے کچھ پوچھتے ہیں اگر آپ ﷺ نے بتادیا تو ہم آپ کو مان لیں گے اور سچا قرار دیں گے، فرمایا پوچھو، کہنے لگے بتاؤ اللہ کی کتاب میں سب سے بڑی شہادت کون سی ہے اس پر آیت مذکورہ کا نزول ہوا اور وہ دونوں مسلمان ہو گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ نے اجسام سے چار ہزار سال پہلے ارواح کو پیدا کیا اور ارواح کی تخلیق سے چار ہزار سال پہلے رزق کو پیدا کر دیا اور مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے جب کہ وہ خود ہی تھا۔ نہ آسمان تھا، نہ زمین، نہ نیک، نہ بد خود ہی اپنے ایک ہونے کی شہادت دی اور فرمایا شَهِدَ اللَّهُ اِنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ اور فرشتے اور اصحاب علم شاہد ہیں یعنی فرشتے اور ایماندار جن وانس اپنے دل سے مانتے اور زبانوں سے اللہ کی توحید کا اقرار کرتے ہیں۔

قَائِمًا لِّفُسْطٰطٍ قَائِمًا، شَهِدَ کے فاعل یعنی اللہ سے حال ہے یعنی عدل کے ساتھ تمام مخلوق کا انتظام قائم رکھنے کی حالت میں اللہ شاہد ہے عدل کے ساتھ اس کا انتظام مخلوق پر قیام توحید کی واضح دلیل ہے۔ یاہو سے حال ہے یا فعل مدح مخدوف ہے اور اس کا یہ مفعول ہے یا اَوَّلُوْا الْعِلْمِ کے اندر جو لفظ علم ہے قَائِمًا اس کا مفعول ہے یعنی علماء اللہ کو قائم بالعدل جانتے ہیں اور اس بات کو پہچانتے ہیں کہ اللہ تقسیم اور علم میں عادل ہے۔ اس کی شان میں ظلم کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ مالک الملک ہے جس طرح چاہتا ہے اپنی ملک میں تصرف کرتا ہے نہ کسی اطاعت گزار کو ثواب دینا اس پر لازم ہے نہ نافرمان کو عذاب دینا۔ وہ جس کو چاہے گا بخش دے گا۔ اس تفسیر کے مطابق آیت میں معتزلہ کے مسلک کی کوئی دلیل نہیں (جو قائل ہیں کہ نیکو کار کا ثواب اور بدکار کا عذاب اللہ پر واجب ہے)۔

اِنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس جملہ کا دوبارہ ذکر مزید تاکید کے لئے کیونکہ توحید کے دلائل کو جاننے اور دلائل کو دیکھ کر توحید کا اعتراف کرنے کی جانب مزید توجہ دلائی۔

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑤ وہ اپنی حکومت میں غالب ہے صنعت میں حکیم ہے۔ اللہ کی قدرت کا علم پہلے ہوتا ہے اور اس کی حکمت کا علم پیچھے اسی لئے العزیز کو الحکیم سے پہلے ذکر کیا۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ یعنی اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہی ہے۔ کسائی کی قرأت میں اَنَّ الدِّيْنَ آيا ہے۔ اب اگر اسلام کو عین ایمان کہا جائے تو اِنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سے یہ بدل اکل ہوگا۔ قادی نے بیان کیا کہ لا الہ الا اللہ کی شہادت اور اس بات کا اقرار کہ تمام پیغمبر جو کچھ لائے ہیں اللہ کی طرف سے لائے ہیں یہی وہ دین اللہ ہے جس کو اللہ نے پیغمبروں کو دے کر بھیجا ہے اور اپنے اولیاء کو اس کا راستہ بتلایا ہے۔ اس کے علاوہ اور کسی دین کو وہ قبول نہیں کرے گا نہ ثواب دیگا۔ (یا بدل کل من البغض ہو گا اگر) اسلام کے اندر ایمان کو داخل قرار دیا جائے (اور ایمان کو عین اسلام نہیں بلکہ جزا اسلام

کہا جائے) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی شہادت دینا اور نماز ٹھیک ٹھیک ادا کرنا اور زکوٰۃ دینا اور رمضان کے روزے رکھنا اور بشرط استطاعت راہ حج کرنا اسلام ہے۔ سوالیہ جبریل کے جواب میں رسول اللہ ﷺ

نے جو بیان فرمایا تھا اس طویل حدیث کا یہ ایک حصہ ہے جو ہم نے بیان کیا۔ متفق علیہ۔

لیکن اگر اسلام سے مراد صرف شریعت محمدیہ ہو کیونکہ تمام ادیان کے منسوخ ہونے کے بعد اس دور (محمدی) میں اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین صرف شریعت محمدیہ ہے تو بدل اشمال ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا اگر موسیٰ (اس زمانہ میں) زندہ ہوتے تو ان کے لئے بھی میری پیروی کے سوا چارہ نہ ہوتا۔ رواہ احمد والبیہقی من حدیث جابر۔

جمہور کی قرات میں **إِنَّ الدِّينَ** ہے اس صورت میں یہ مستقل ابتدائی کلام ہوگا۔ روایت میں آیا ہے کہ اعمش رات سے اٹھ کر تہجد پڑھنے لگے جب آیت شہد اللہ الخ کی تلاوت کی تو کہا میں بھی وہی شہادت دیتا ہوں جو اللہ نے دی ہے اور اس شہادت کو اللہ کے پاس امانت رکھتا ہوں۔ **إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ** کی شہادت اللہ کے پاس میری ودیعت ہے۔ نماز پڑھ چکے تو کسی نے پوچھا حضرت آپ نے یہ کیا فرمایا تھا۔ فرمایا مجھ سے ابو وائل نے حضرت عبد اللہ کی روایت سے بیان کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس شہادت والے کو قیامت کے دن لایا جائے گا اللہ فرمائے گا میرے اس بندہ کا میرے پاس ایک عہد ہے اور میں سب سے زیادہ وعدہ پورا کرنے کے لائق ہوں میرے اس بندہ کو جنت میں داخل کر دو۔ یہ حدیث بغوی نے اپنی سند سے نقل کی ہے اور طبرانی نے نیز بیہقی نے شعب الایمان میں ضعیف سند کے ساتھ اس کو بیان کیا ہے۔

وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوْتُوا الْكِتَابَ یعنی محمد ﷺ کی نبوت اور اسلام کی حقانیت میں یہود و نصاریٰ نے اختلاف نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ کی نبوت میں اہل کتاب کا اختلاف یہ تھا کہ بعض نے تو بالکل ہی انکار کر دیا اور بعض نے آپ کی نبوت کو صرف عرب کے لئے قرار دیا۔

إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ مگر ان کو علم ہو جانے کے بعد کہ پسندیدہ دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔ اس کی اطلاع اللہ نے ان کو تورات و انجیل میں کھول کر دیدی تھی۔

بَعَثْنَا نَبِيِّهُمْ یعنی کسی شبہ اور ناواقفیت کی وجہ سے انہوں نے نبوت محمدیہ اور حقانیت اسلام میں اختلاف اور حق کا انکار نہیں کیا بلکہ حقانیت کا ان کو علم ہو چکا تھا اس علم کے بعد صرف عناد اور حسد کی وجہ سے اور حکومت و ریاست کے لالچ میں انہوں نے اختلاف کیا۔

ابن جریر نے حضرت محمد ﷺ سے جعفر کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول نجران کے عیسائیوں کے متعلق ہوا تھا یعنی جن کو انجیل دی گئی تھی انہوں نے (کسی لاعلمی اور شبہ کی وجہ سے) عیسیٰ کے معاملہ میں یہودیوں سے اختلاف نہیں کیا یہاں تک کہ یہودیوں کے مقابلہ میں عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہہ دیا مگر اس بات کے علم کے بعد کہ اللہ واحد ہے وہ کسی کا باپ نہیں اور عیسیٰ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ محض یہودیوں کے عناد اور انکار کی وجہ سے اختلاف کیا۔ ایک طرف یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کی نبوت کا انکار کیا اور آپ کی والدہ پر (زنا کی) تسمت لگائی باوجودیکہ تورات میں ان کو یحییٰ اطلاع دیدی گئی تھی کہ عیسیٰ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ دوسری طرف عیسائیوں نے یہودیوں کے انکار کے مقابل محض عناد کی وجہ سے عیسیٰ کو ابن اللہ کہہ دیا، باوجودیکہ ان کے پاس بھی یحییٰ علم آچکا تھا کہ عیسیٰ خدا کے بندے اور رسول ہیں اور اللہ وحدہ لا شریک ہے کوئی بھی اس کا بیٹا نہیں۔

ابن ابی حاتم نے ربیع کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت بنی اسرائیل کے ستر علماء کو طلب کیا اور تورات ان کی امانت میں دیدی اور یوشع بن نون کو اپنا جانشین مقرر کر دیا جب پہلی دوسری اور تیسری صدی گزر گئی تو اس کے بعد یہودیوں میں تفرقہ پڑ گیا۔ آیت **وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوْتُوا الْكِتَابَ** میں انہی ستر علماء کی اولاد مراد ہے جن کو تورات دی گئی تھی۔ یہاں تک کہ ان میں خوب خوں ریزی ہوئی اور بدی پھیل گئی اور **إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ** سے مراد ہے اس چیز کا بیان جو تورات میں تھی (یعنی احکام تورات میں آپس کے عناد کی وجہ سے تفرقہ پڑ گیا) آخر اللہ نے ان پر جبارہ (بخت نصر وغیرہ) کو مسلط کر دیا۔

وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَوِيعُ الْحِسَابِ ⑩ اور جو شخص اللہ کی آیات کا انکار کرے گا تو یقیناً اللہ اس سے جلد حساب لے گا اور اس کو کفر کی سزا دے گا۔ یہ کافروں کے لئے وعید ہے۔
 فَإِنْ حَاجُّوكَ بِهَذَا كِتَابًا أَوْ مِثْقَالًا مِنْ ذَهَبٍ أَوْ مِثْقَالًا مِنْ نِصَابٍ أَوْ مِثْقَالًا مِنْ لَدُنِّكَ فَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ سَوِيعُ الْحِسَابِ ⑪ پس اے محمد اگر وہ آپ سے مناظرہ کریں اور یہودی و عیسائی کہیں کہ یہودیت اور نصرانیت تو نسب ہے (مذہب نہیں ہے) دین تو ہمارا اسلام ہے۔

فَقُلْ تَوَاقُّوا اللَّهَ يَوْمَ تَأْتِي سُحُوفٌ مِثْلَ الْبُخَارِ ⑫ تو آپ ان سے کہہ دیں کہ لفظ اسلام میں کوئی جھگڑا نہیں۔
 أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ (بلکہ اسلام کی حقیقت بحث طلب ہے) میں تو اللہ کا فرماں بردار ہو گیا اس کے ساتھ کسی کو شریک قرار نہیں دیتا۔ اس کے احکام کے مقابل اپنی خواہش کی پیروی نہیں کرتا بلکہ دل، زبان اور سارے اعضاء گواہی کی اطاعت میں لگا دیا ہے۔ انسان کے (بیرونی) اعضاء میں چہرہ کا درجہ سب سے زیادہ ہے اس لئے چہرہ کا ذکر کیا اور نہ مراد تمام باطنی اور ظاہری اعضاء ہیں یا یہ مطلب ہے کہ میں نے تمام ظاہری اور باطنی اعضاء کی توجہ خالص اللہ کی طرف کر دی ہے کسی دوسرے کی طرف التفات بھی نہیں کرتا یا وجہ سے ذات مراد ہے یعنی میں نے اپنی پوری ہستی اللہ کے سپرد کر دی ہے اور ایسے اسلام کا تقاضا ہے کہ کسی کو اللہ کا سا جہی نہ قرار دیا جائے اسی کے اوامر و نواہی کی تعمیل فوراً کی جائے اور جو شریعت اس کی طرف سے آئی ہو اگر خود ہی اس نے منسوخ نہ کر دی ہو تو اس کی پابندی کی جائے۔

وَمَنْ أَتَّبَعِنِ ⑬ اور جو لوگ میرے پیرو ہیں انہوں نے بھی اپنی ہستی اللہ کے سپرد کر دی ہے۔
 وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ ⑭ اس کا عطف قُلْ أَسْلَمْتُ پر ہے یعنی (اول) اپنے نفس سے آپ کہہ دیں کہ میں نے اپنے کو اللہ کے سپرد کر دیا اور اسلام پر دل کو مطمئن بنالیں اور (پھر) یہود و نصاریٰ سے جو اہل کتاب ہیں اور ان لوگوں سے جو اہل کتاب نہیں ہیں جیسے مشرکین عرب سب سے کہہ دیں کہ جب عقلی دلائل سے بھی واضح ہو گیا اور تورات و انجیل میں بھی اس کی صراحت آچکی کہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہی ہے تو کیا میرے اسلام کی طرح تم بھی اسلام لے آئے یا تم اس کے بعد بھی کفر پر قائم ہو؟ اَسْلَمْتُمْ صیغہ استفہام کا ہے مگر معنی امر کے ہیں یعنی تم بھی مسلمان ہو جاؤ جیسے آیت فَهَلْ أَنْتُمْ مُسْتَهْزِئُونَ کا مطلب ہے باز رہو، آیت میں اہل کتاب کو ان کے عناد اور حماقت پر شرم دلانی مقصود ہے (یعنی تمہارا عناد اس حد تک پہنچ گیا کہ لفظ اسلام میں جھگڑا کرتے ہو اور اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ اس لفظ میں جھگڑا نہیں بلکہ حقیقت مراد ہے اور حقیقت اسلام وہی ہے جو ہم پیش کر رہے ہیں یعنی کامل سپردگی اور ہر شریعت کا اقرار اور تمہارے اندر اسلام کی یہ حقیقت نہیں، تم کسی شریعت کو مانتے ہو کسی کو نہیں مانتے کوئی کسی پیغمبر کو خدا کا بیٹا کہہ دیتا ہے اور دوسرا اسی پیغمبر کو حرامزادہ قرار دیتا ہے نہ تم کو خدا کا شریک بنانے سے اور اللہ کے پیغمبروں اور اس کی کتابوں کا انکار کرنے سے شرم آتی ہے نہ باہم عناد اور ہوا پرستی سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور پھر اپنے دین کو اسلام کہتے ہو بس تمہارے اسلام کی یہی حقیقت ہے جس کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں اسلام تو میرا ہے میں نے اپنی خواہش اور میلان نفس کو چھوڑ دیا اور صرف اللہ سے اپنی ہستی کا تعلق جوڑ لیا تم بھی میری طرح مسلمان ہو جاؤ اور اپنے دعوئے سے شرم کرو۔

فَإِنْ أَسْلَمْتُمْ أَفَقَدْ اهْتَدَوْا ⑮ اب اگر وہ بھی تمہاری طرح مسلمان ہو جائیں تو وہ بھی ہدایت یاب ہو جائیں گے، حسب الحکم رسول اللہ ﷺ نے (اہل کتاب کے سامنے) یہ آیت تلاوت فرمائی وہ کہنے لگے ہم تو پہلے ہی مسلمان ہو چکے آپ نے یہودیوں سے فرمایا عیسیٰ عبد اللہ تھے، رسول اللہ تھے، کلمہ اللہ تھے (کیا تم کو اس کا اقرار ہے) بولے معاذ اللہ، آپ نے عیسائیوں سے فرمایا عیسیٰ عبد اللہ اور رسول تھے (کیا تم کو اس کا اعتراف ہے) کہنے لگے اللہ کی پناہ کہ عیسیٰ بندے ہوں اس پر اللہ نے فرمایا۔
 وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاءُ ⑯ اور اگر وہ تمہارے اسلام سے روگردانی کریں تو تمہارا کوئی حرج نہیں وہ تم کو ضرر نہیں پہنچا سکتے تمہارے ذمہ تو صرف ہدایت پہنچا دینا ہے، ہدایت دینا نہیں۔
 وَاللَّهُ بِصِيْرَتِكُمْ لَعْلَبٌ ⑰ اور اللہ تمام بندوں کو خوب دیکھتا ہے، مومن کو بھی کافر کو بھی ہر ایک کو اس کے کئے کا بدلہ

دیگ

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ
سے یودی مراد ہیں انہوں نے قرآن انجیل کا انکار کیا تھا اور تورات کی ان آیات کا بھی جن میں رسول اللہ ﷺ کے اوصاف بیان کئے گئے تھے۔

وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ
اور انبیاء کو قتل کرتے ہیں، یعنی ان کے اسلاف نے انبیاء کو قتل کیا تھا اور انہوں نے اپنے اسلاف کے اس فعل کو پسند کیا تو گویا یہ بھی قاتل ہو گئے، خود بھی رسول اللہ ﷺ کی شان میں وہی فعل کرنا چاہتے ہیں جو ان کے اسلاف دوسرے انبیاء کے ساتھ کر چکے تھے چنانچہ حضور ﷺ سے انہوں نے لڑائیاں کیں، آپ ﷺ پر جادو کیا، آپ ﷺ کو زہر دیا، جس کے اثر سے آپ کی وفات ہوئی۔ جادو اور زہر کا تذکرہ سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

بِغَيْرِ حَقٍّ
ناحق یعنی اپنے خیال میں بھی ناحق، بات یہ ہے کہ انبیاء کا قتل تو بہر حال ناحق ہی ہے (پھر اس قید کو بڑھانے کی کیا ضرورت تھی) اور وہ بھی اپنے خیال میں ناحق ہی جانتے تھے مگر ریاست کی ہوس نے ان کو قتل انبیاء پر آمادہ کر دیا ورنہ قتل کی کوئی وجہ جواز ان کی نظر میں بھی نہ تھی۔

وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ
اور جو لوگ انصاف کرنے کا حکم دیتے تھے ان کو بھی وہ قتل کرتے تھے یعنی انبیاء کے متبعین کو بھی قتل کرتے تھے، ابن جریج نے بیان کیا کہ انبیاء بنی اسرائیل کے پاس وحی آتی تھی، کتاب نہیں آتی تھی، وحی کے مطابق انبیاء قوم کو نصیحت کرتے تھے اور شہید کر دیئے جاتے تھے پھر انبیاء کے پیرو نصیحت کرنے کھڑے ہو جاتے تھے مگر ان کو بھی شہید کر دیا جاتا تھا یہی وہ لوگ تھے جو لوگوں کو انصاف کرنے کا حکم دیتے تھے۔

بغوی نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح کا قول نقل کیا ہے، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب کس کو ہو گا فرمایا جس نے کسی نبی کو قتل کیا منکر کا حکم دیا اور معروف سے ممانعت کی پھر حضور ﷺ نے آیت وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ سے وَمَا لَكُمْ مِنْ تَائِيْدٍ تَنْصِرُونَكُمْ تک تلاوت فرمائی اس کے بعد ارشاد فرمایا ابو عبیدہ بنی اسرائیل نے ۲۳ انبیاء کو ایک ساعت کے اندر دن کے اول حصہ میں قتل کر دیا، شہادت انبیاء کے بعد بنی اسرائیل کے عابدوں میں سے ۱۲۰ آدمی بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کیلئے کھڑے ہو گئے بنی اسرائیل نے اسی روز دن کے آخر حصہ میں ان کو بھی قتل کر دیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کا تذکرہ اللہ نے اپنی کتاب میں کیا اور ان کے بیان میں آیت نازل فرمائی۔

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ
اے محمد (ﷺ) تم ان کو دردناک عذاب کی بشارت یعنی اطلاع دے دو، خبر کو بشارت سے بطور استہزاء تعبیر کیا۔

سیبویہ کے نزدیک فبشرهم، ان الذین کی خبر نہیں ہو سکتا لیت و لعل کی خبر کی طرح ان کی خبر پر بھی فاء نہیں آسکتی (کیونکہ سب حروف مشبہ بفعل ہیں) اس قول پر ان کی خبر یا تو أُولَئِكَ الذِّينَ حَبِطَتْ هُجْرُهُمْ اور فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ جملہ معترضہ ہو گا جیسے زید فافہم رجل صالح میں فافہم جملہ معترضہ ہے اور زید کی خبر رجل صالح ہے۔ یا خبر محذوف ہے اصل کلام اس طرح تھا لہم عذاب الیم فبشرهم بعذاب الیم مسبب کو سبب کی جگہ ذکر دیا، جمہور کے نزدیک ان الذین کی خبر فبشرهم ہی ہے بغوی نے اس صورت میں ان کو عمل سے معطل قرار دیا ہے اور صراحت کی ہے کہ کلام بغیر ان کے ہی تھا۔ لیکن اکثر اہل نحو قائل ہیں کہ اگر ان کا اسم، موصول ہو تو خبر پر فاء آسکتی ہے۔ کیونکہ اسم موصول شرط کے مشابہ ہوتا ہے جیسے بغیر ان کے اگر مبتداء موصول ہو تو (شرط کے مشابہ ہونے کی وجہ سے) خبر پر فاء کا لانا جائز ہے۔ لیت اور لعل کے اسم پر قیاس کرنا صحیح نہیں کیونکہ یہ دونوں جملہ خبریہ کو انشاء کی طرف منتقل کر دیتے ہیں اس لئے شرط کی مشابہت فوت ہو جاتی ہے پس جمہور کے مسلک پر آئندہ آیت کو دوسری خبر کہا جائے گا۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ
یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال رائیگاں ہو گئے۔

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
پس ان کے لئے دنیا میں لعنت اور رسوائی ہے اور آخرت میں عذاب۔

وَمَا لَهُمْ مِنْ نَّاصِرِينَ ﴿۳۷﴾
اور ان کا کوئی حمایتی نہیں کہ اعمال کو برباد ہونے سے بچالے اور عذاب کو دفع کر سکے۔

ابن المنذر، ابن اسحاق، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے عکرمہ کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ یودیوں کے مدرسہ میں یہودی کی ایک جماعت کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو اللہ کی طرف آنے کی دعوت دی نعیم بن عمرو اور حارث بن زید نے پوچھا محمد تم کس دین پر ہو، آپ ﷺ نے فرمایا ابراہیمؑ کی ملت اور دین پر، کہنے لگے ابراہیمؑ تو یہودی تھے، حضور ﷺ نے فرمایا آؤ ہمارے تمہارے درمیان تورات حاکم ہے (دیکھو تورات نے کیا فیصلہ کیا ہے) مگر انہوں نے انکار کیا اس پر مندرجہ ذیل آیت کا نزول ہوا۔

أَلَمْ نَرْسُلْ إِلَى الَّذِينَ أَنْصَبْنَا مِنَ الْكِتَابِ
یہ استفہام تقریری اور تعجب آفریں ہے۔ نصیباً میں

توین محقر ہے اور مِنَ الْكِتَابِ میں مِنْ تبعیض یا بیان کے لئے ہے اور الکتاب سے مراد ہے تورات یا عام آسمانی کتابیں، یعنی دیکھو تو بڑی عجیب بات ہے کہ جن لوگوں کو تورات کا ایک حقیر حصہ (یعنی تورات کا تھوڑا سا علم) دے دیا گیا ہے کہ نہ وہ کتاب کے اندر دینی مضامین سے واقف ہیں نہ پوری تورات کے احکام پر ان کا ایمان ہے۔

يُنَادُونَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ
ان کو تورات (کے فیصلہ) کی طرف بلایا جاتا ہے یعنی محمد (ﷺ) ان کو تورات کی

طرف دعوت دیتے ہیں، کبھی نے بروایت ابو صالح حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ خیبر کے باشندوں میں ایک مرد عورت نے نہ کیا اور زنا کی سزا ان کی کتاب میں رجم (سنگار کر دینا) مقرر تھی، لیکن زانی چونکہ عالی مرتبہ تھے۔ اس لئے یہودیوں نے ان کو سنگار کرنا مناسب نہ سمجھا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں معاملہ پیش کیا ان کو یہ امید تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اس سزا میں کچھ تخفیف مل جائے گی۔

لیکن حضور ﷺ نے دونوں کو رجم کر دینے کا حکم دے دیا، نعمان بن اوفیٰ اور بحری بن عمرو اس مزاکو سن کر بولے محمد ﷺ! آپ کا فیصلہ غلط ہے ان کے لئے سنگار کرنے کا حکم نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرے تمہارے قول کا فیصلہ تورات سے ہو سکتا ہے (تورات لاؤ) وہ بولے آپ ﷺ نے انصاف کی بات کہی، حضور ﷺ نے فرمایا تم میں تورات کا سب سے بڑا عالم کون ہے، انہوں نے جواب دیا ایک ایک چشم آدمی ہے جو فدک کا باشندہ ہے اس کو ابن صوریہ کہا جاتا ہے، چنانچہ یہودیوں نے ابن صوریہ کو بلوا بھیجا اور وہ مدینہ میں آگیا۔

حضرت جبریلؑ نے رسول اللہ ﷺ کو ابن صوریہ کے حالات بتادیئے تھے ابن صوریہ حاضر ہو اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم ابن صوریہ ہو، اس نے جواب دیا جی ہاں فرمایا کیا تم یہودیوں کے سب سے بڑے عالم ہو، ابن صوریہ نے کہا لوگ ایسا ہی خیال کرتے ہیں، حضور ﷺ نے تورات کا وہ حصہ طلب فرمایا جس میں رجم کا حکم مذکور تھا اور فرمایا اس کو پڑھو۔

حسب الحکم ابن صوریہ نے تورات پڑھنی شروع کی اور جب آیت رجم پر پہنچا تو اپنی ہتھیلی اس پر رکھ دی اور آگے پڑھنے لگا، حضرت عبد اللہ بن سلام بولے یا رسول اللہ ﷺ یہ آیت رجم کو چھوڑ گیا، پھر عبد اللہ نے خود اٹھ کر اس کا ہاتھ آیت رجم سے ہٹایا اور رسول اللہ ﷺ کو نیز یہودیوں کو پڑھ کر سنایا کہ محسن اور محسنہ جب زنا کریں اور شہادت سے ثبوت ہو جائے تو ان کو سنگار کر دیا جائے اور اگر عورت حاملہ ہو تو بچہ پیدا ہونے تک سزا موقوف رکھی جائے اس فیصلہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دونوں کو سنگار کر دیا اور یہودی ناراض ہو کر لوٹ گئے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ
تاکہ تورات یا رسول اللہ ﷺ کتاب کے موافق ان کا فیصلہ کر دے۔ کتاب سبب حکم ہے حکم کی

نسبت کتاب کی طرف مجازی ہے۔

ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فِرْعَوْنُ مِنْهُمْ وَاللَّهُ مُعْرِضُونَ ﴿۳۸﴾
پھر ان میں سے ایک گروہ کتراکر (کتاب کے فیصلہ سے) منہ

موثر لیتا ہے ثُمَّ کا لفظ (بعد مسافت یا بعد زمان کو ظاہر کرتا ہے) اس جگہ یہ ظاہر کر رہا ہے کہ (رجم کی سزا کو حق جانتے ہوئے اس سے منہ موڑنا بہت بعید ہے وَهُمْ تَعْرِضُونَ کا جملہ فریق کی حالت بیان کر رہا ہے یعنی یہ قوم ایسی ہے کہ فیصلہ سے کتر اجاتی ہے۔

قادہ نے کہا آیت کا معنی یہ ہے کہ یہودیوں کو کتاب اللہ یعنی قرآن کے فیصلہ کی طرف بلایا گیا مگر وہ قرآنی فیصلہ سے روگرداں ہو گئے، ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے یہود و نصاریٰ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان قرآن کو فیصلہ کن قرار دیا اور قرآن نے فیصلہ کر دیا کہ یہود و نصاریٰ حق پر نہیں ہیں مگر وہ اس فیصلہ سے روگرداں ہو گئے۔
ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَنْ تَبْمَسَنَا النِّتَالُ إِلَّا أَكَا مَاتَ مَعْدُودٌ

یہ اعراض اور حق سے روگردانی صرف اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اپنے غلط اعتقاد کے سبب اپنے لئے عذاب کو خفیف قرار دے رکھا ہے اور خیال کر لیا ہے کہ ہم کو دوزخ کا عذاب چند گنتی کے بعد یعنی چالیس روز جتنے دن ہم نے بچھڑے کی پوجا کی تھی چھوڑے گا، (یعنی چالیس روز بھی ہم کو پورا عذاب نہ ہو گا بلکہ برائے نام چھو جائے گا اور بس)۔

وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۱۴﴾
اور اپنے دین کے اندر جو افترا بندیاں یہ کرتے چلے آئے ہیں اسی نے ان کو دھوکہ میں رکھا ہے۔

ایک افترا تو یہی ہے کہ ہم کو صرف چالیس دن آگ چھوئے گی، دوسری دروغ بانی یہ ہے کہ ہمارے اسلاف جو انبیاء تھے ہماری شفاعت کر دیں گے، تیسری کذب تراشی یہ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام سے اللہ نے وعدہ کر لیا تھا کہ ان کی اولاد کو عذاب نہیں دے گا۔

فَكَيْفَ إِذَا جُمِعْتُمْ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ
حساب اور جزا کو سزا کے لئے جمع کریں گے۔

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ
اور کسی کی حق تکلفی نہیں کی جائے گی، ثبوت ضمیر جمع کل کی طرف راجع ہے کیونکہ لفظ
وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۵﴾

کُل معنی کے لحاظ سے جمع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی انسان کی نہ نیکی میں کمی کی جائے گی، نہ بدی میں اضافہ، قادہ نے کہا ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ سے دعا کی تھی کہ فارس اور روم کا ملک میری امت کو عطا فرمادے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کر لیا تو آپ نے اپنی امت کے لئے فارس اور روم کی حکومت کا وعدہ فرمایا۔ منافق اور یہودی کہنے لگے ارے ارے کہاں محمد ﷺ اور کہاں فارس اور روم کی حکومتیں، وہ ان سے کہیں طاقتور اور مضبوط ہیں۔ کیا محمد کے لئے مکہ اور مدینہ کافی نہیں کہ فارس اور روم کی حکومت کا لالچ کرنے لگے، اس پر اللہ نے آیت قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكُ الْمُلْكِ نَزَلَ فَرَمَائِ، دونوں روایتوں میں اختلاف ہے مگر نزول آیت پر اتفاق ہے (کہ آنحضرت نے فارس اور روم کی فتح کی بشارت دی تھی یا اللہ سے دعا کی تھی) دونوں روایتوں میں تطبیق ممکن ہے (اس طرح کہ فتح مکہ کے بعد آپ نے دعا کی ہو اور دعا قبول ہو گئی ہو اور وحی سے دعا کی قبولیت معلوم ہو گئی ہو اور آپ نے لوگوں کو بشارت دے دی ہو)۔

بیناوی نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب (مدینہ کی حفاظت کیلئے) خندق کھودنے کے خطوط ڈالے اور ہر دس آدمیوں کیلئے بیس ہاتھ زمین کھودنا طے کر دی اور لوگوں نے کھدائی شروع کر دی تو کھودنے کے دوران زمین کے اندر ایک بڑی چٹان نمودار ہوئی جس پر کدال اثر نہیں کرتی تھی۔ لوگوں نے حضرت سلمانؓ کو اس بات کی اطلاع دینے کیلئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا آپ تشریف لے آئے اور کدال ہاتھ میں لے کر ایک ایسی ضرب لگائی کہ پتھر پھٹ گیا اور ایک چمک پیدا ہوئی جس سے مدینہ کے دونوں کناروں کا درمیانی حصہ چمک اٹھا گویا تاریک کو ٹھری میں چراغ روشن ہو گیا، حضور ﷺ نے تکبیر کہی

مسلمانوں نے بھی آپ کے ساتھ نعرہ تکبیر لگایا، حضور ﷺ نے فرمایا اس ضرب سے میرے سامنے حیرہ (عراق علاقہ فارس) کے محلات نمودار ہو گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کتوں کے دانت پھر آپ ﷺ نے دوسری ضرب لگائی اور فرمایا اس ضرب سے میرے سامنے سرزمین روم کی سرخ کوٹھیاں نمودار ہو گئیں۔ پھر تیسری ضرب لگائی اور فرمایا (اس ضرب سے) میرے سامنے صنعاء (تحت گاہ یمن) کے محل نمودار ہو گئے اور جبرئیل نے مجھے بتلایا کہ میری امت ان سب (ممالک) پر غالب آئے گی پس تم کو بشارت ہو، منافق کہنے لگے کیا تم کو اس بات سے تعجب نہیں ہوتا کہ محمد تم کو امیدیں دلا رہے ہیں تم سے جھوٹے وعدے کر رہے ہیں اور تم کو بتا رہے ہیں کہ مجھے بئرب سے حیرہ سرزمین فارس کے محل نظر آرہے ہیں اور تم ان کو فوج کر دو گے حالانکہ تم دشمن کے خوف سے (مدینہ کی حفاظت کیلئے) خندق کھود رہے ہو، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، یہی اور ابو نعیم نے دلائل میں یہ قصہ بیان کیا ہے مگر آیت کے نزول کا ذکر نہیں کیا، ابن خزیمہ نے قادیہ کی مختصر روایت نقل کی ہے اور اس میں نزول آیت کا ذکر کیا ہے

اے محمد (ﷺ) آپ کہہ دیں۔

قُلْ

یہاں سے مقولہ ہے (جس کو کہنے کا حکم دیا ہے) اللہم کی اصل یا اللہ تھی۔ حرف نداء کو حذف کر کے اس کے عوض آخر میں میم زائد کر دیا گیا اسی لئے حرف نداء اور میم دونوں ساتھ نہیں آتے (اور یا اللہم نہیں کہا جاتا تاکہ عوض اصل دونوں کا اجتماع لازم نہ آئے) لفظ اللہ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ حرف نداء کے عوض اس کے آخر میں میم لایا جاتا ہے جیسے لام تعریف کے ساتھ حرف نداء لانا اس لفظ کی خصوصیت ہے (دیکھو یا اللہ کہا جاتا ہے اور اللہ کے سوا کسی اور معرف بلام کے ساتھ حرف نداء نہیں آتا) اس اسم کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ قسم کی تاء اس پر آتی ہے (اور نالہ کہا جاتا ہے اور کسی جگہ قسم کے لئے تاء کا استعمال نہیں ہوتا)۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ اللہم کی اصل یا اللہ اُمتنا بخیر تھی یعنی اے اللہ ہماری خیر کاراؤہ کر (اُمّ امر کا صیغہ ہے اُمّ یوُم یا ضی اور مضارع ہیں) حرف نداء (یا) اور متعلقات فعل (نا بخیر) اور اُمّ کا ہمزہ حذف کر دیا گیا اور میم مشدد کو اللہ سے ملا دیا گیا اللہم ہو گیا، کبھی بطور تخفیف ال کو بھی ساقط کر دیتے ہیں اور صرف لا ہم کہتے ہیں یہ تمام مخدوفات اور تخفیفات کثرت استعمال کے زیر اثر ہوتی ہیں جس طرح ہَلَمَّ اَلِیْنَا کی اصل هَلْ اُمّ اَلِیْنَا تھی یعنی ہمارا قصد کیا گیا ہے، جب اللہم کے ساتھ اَعْفِرْ لَنَا کہا جاتا ہے تو گویا اَعْفِرْ لَنَا اُتْمَا بَخیر کا بیان ہوتا ہے اسی طرح اللہم اَلْعَنُ عَلَا و ذُکُوَان (الحديث) میں لعن اعداء اُتْمَا بَخیر کا بیان ہو سکتا ہے۔

اے مالک ملک، منادی کی صفت ہے (یعنی اے وہ اللہ جو مالک الملک ہے) بعض نے کہا دوسرا منادی ہے اور حرف نداء مخدوف ہے یعنی یا مالک الملک، مُلْکُ مصدر ہے اس سے صفت کا صیغہ مَلِکُ آتا ہے مُلْک (مصدر) سے مراد ہے مملوک (اسم مفعول) اور لام استغاثی ہے یعنی تمام جہان، کیونکہ اللہ تمام جہان کا خالق اور مالک ہے جیسا چاہتا ہے تصرف کرتا ہے جس کو جتنا چاہتا ہے بخشا ہے۔ کوئی بھی اس کی اجازت اور حق ملکیت عطا کئے بغیر کسی چیز میں تصرف کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔

تُوْنِی الْمُلْکُ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَاءُ الملک میں دونوں جگہ لام عہد ذہنی کا ہے یعنی اپنے ملک میں سے جس کو جتنا چاہتا ہے تو دیتا ہے اور جس سے جتنا چاہتا ہے واپس لے لیتا ہے۔

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ اور جس کو چاہتا ہے دنیا اور آخرت میں عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے یعنی اپنی مدد، توفیق اور ثواب عطا کر کے جس کو چاہتا ہے دنیا اور آخرت میں عزت بخشا ہے اور بد بخشتی، عدم توفیق اور عذاب کی وجہ سے جس کو چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے۔

بِیْدِکَ الْخَیْرُ تیرے ہی ہاتھ میں بھلائی ہے بعض علماء نے کہا کہ اصل کلام بِیْدِکَ الْخَیْرُ وَالشَّرُّ تھما (کیونکہ

خیر و شر دونوں اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں) لیکن شر کو حذف کر کے صرف خیر کے ذکر پر اکتفا کیا جیسے آیت وَسَرَّائِيلُ نَقِيَّكُمْ الْحَرَمِ وَالْبَرْدُ كَوْذَرُ کرنا ضروری نہیں سمجھا، بعض علماء نے کہا کہ خیر کو خصوصیت کے ساتھ صرف اس لئے ذکر کیا کہ کلام کی رفتار کا تقاضا یہی تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو روم و فارس کی حکومت حاصل ہونے کی بشارت دی تھی، لوگوں نے کہا کہ قضاء خیر بالذات یعنی اصل ہے اور قضاء شر بالعرض یعنی کوئی چھوٹی شر اس وقت تک نہیں پیدا ہو سکتی جب تک اس کے ساتھ عمومی خیر وابستہ نہ ہو (تو اصل وجود خیر ہے شر کا وجود بالفتح اور ذیلی طور پر ہو جاتا ہے) یا یوں کہا جائے کہ باری تعالیٰ کو خطاب کرنا ادب کا خواستگار تھا اسی لحاظ ادب کی وجہ سے صرف خیر کا ذکر کیا۔

میں کہتا ہوں شاید خیر سے وجود مراد ہے اور وجود حقیقی جس میں عدم کا شائبہ بھی نہیں ہے، صرف واجب کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ سر اسر خیر ہے اس میں شر کا شائبہ بھی نہیں ہے رہا ممکنات کا وجود تو وہ ظلی ہے وجود واجب کا پر تو ہے ورنہ عدم جو شر کا ایک حصہ ہے ممکن کے لئے ذاتی اور اصلی ہے اور اللہ کی طرف شر کی نسبت کرنے کا صرف یہ معنی ہے کہ ممکن کو جو حصہ وجود ملا ہے وہ وجود حقیقی سے ملا ہے ورنہ ممکن کی حقیقت میں شر (یعنی عدم) داخل ہے (پس ممکن کی نسبت واجب کی طرف ہونا حقیقت میں شر کا انتساب ہے، حاصل یہ کہ خیر صرف وجود ہے اور وجود حقیقی خیر ہی خیر ہے۔ رہا ممکن کا وجود ظلی وہ وجود حقیقی کا ہی ایک حصہ ہے اور عدم عین شر ہے، ممکن کی حقیقت میں عدم داخل ہے یعنی ممکن کی حقیقت شر ہے اور ممکن کے بعض افراد شر میں زیادہ اور بعض کم ہیں بہر حال ممکن یعنی شریر الذات یا معدوم الذات کو وجود ظلی وجود حقیقی سے ملا ہے اس لئے شر کی نسبت بھی خدا کی طرف کر دی جاتی ہے ورنہ شر کا وجود ہی نہیں ہے شر اور عدم دونوں ایک ہی ہیں) پس صرف بیدک الخیر کہنا بالکل سچ ہے، (بیدک الشر) کا کوئی معنی ہی نہیں کیونکہ شر عدم ہے اور عدم علت کا محتاج نہیں ہو تا بلکہ عدم کوئی چیز ہی نہیں ہوتا۔

إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ حقیقت یہ ہے کہ سب کچھ تیرے قابو میں ہے تیرے سوا کسی کا کسی چیز پر کوئی قابو نہیں، بندوں کی قدرت ایک وہی چیز ہے جس کی وجہ سے ان کو کاسب (اور عامل) کہ دیا جاتا ہے ورنہ بندوں کا اور ان کے اعمال کا خالق اللہ ہی ہے واللہ خلقکم وما تعملون۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ شر بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے، ہم کہتے ہیں بیشک اللہ کو شر پر قدرت حاصل ہے اور شر اس کے ہاتھ میں ہے مگر اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ (جس طرح خیر عطا کرنے پر قادر ہے اسی طرح) خیر نہ دینے پر بھی قادر ہے کیونکہ قدرت کا معنی ہی یہ ہے کہ اگر چاہے تو کرے اور چاہے تو نہ کرے پس اللہ جب خیر عطا نہ کرے تو ممکن اپنے اصلی شر پر رہ جائے گا یہی معنی قدرت علیٰ اشر کا ہے۔
تَوَلَّجَ الْبَيْلَ فِي النَّهَارِ وَتَوَلَّجَ النَّهَارُ فِي الْبَيْلِ
یعنی تورات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اس طور پر کہ ایک کے پیچھے دوسرا آتا ہے یا اس طور پر کہ ایک گھٹتا اور دوسرا بڑھتا ہے۔
وَتَخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُدْخِلُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ
اور تو جاندار کو بے جان سے اور بے جان کو جاندار سے نکالتا ہے۔

بعض علماء نے تفسیر مطلب اس طرح کی ہے کہ اللہ جانور کو نطفہ اور انڈے سے اور نطفہ و انڈے کو جانور سے اور سبزہ کو خشک بیج سے اور خشک بیج کو سبزہ سے پیدا کرتا ہے، حضرت ابن مسعود، سعید بن جبیر، مجاہد، قتادہ، عکرمہ، کلبی اور زجاج نے یہی

مزید توضیح کے لئے یوں سمجھو کہ ممکن اصلاً معدوم ہے اور عدم میں کوئی خیر نہیں، گویا ممکن ذات کے اعتبار سے شر ہی شر ہے رہا اس شر کا (یا معدوم کا یا ممکن کا) وجود تو وہ ظلی ہے اپنا نہیں۔ وجود تو صرف واجب کا ہے، واجب کا سایہ ممکن ہے۔ پس وجود حقیقی سے ممکن کو یہ وجود ظلی حاصل ہوا۔ خلاصہ یہ نکلا کہ شر کو جو وجود بالعرض حاصل ہوا ہے وہ وجود حقیقی سے ہوا ہے اس بناء پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ ہی کے ہاتھ میں شر ہے ورنہ حقیقت میں جب شر کا کوئی وجود ہی نہیں تو اس کا خالق یا مالک کسی کو قرار دینے کا بھی کوئی معنی نہیں، عدم کی ملکیت اور تخلیق بدایت غلط ہے پس حقیقت بیدک الخیر یعنی بیدک الوجود ہی درست ہے۔

تشریح کی ہے لیکن حسن بصریؒ اور عطاءؒ نے کہا کہ اللہ کافر کو مؤمن سے اور مؤمن کو کافر سے پیدا کرتا ہے کافر مردہ ہے اور مؤمن زندہ، اللہ نے فرمایا ہے اومن کان میتاً فاحیئناہ، ابن ابی حاتمؒ نے حضرت عمرؓ بن خطاب کی طرف اس تشریح کی نسبت کی ہے۔

وَتَرْسُقُ مِنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ⑤
یعنی تو جس کو چاہتا ہے بغیر تنگی اور کمی کے اتنا دیتا ہے کہ مخلوق کو نہ اس کی گنتی معلوم ہو سکتی ہے نہ مقدار، اگرچہ خدا اس کی گنتی اور مقدار کو جانتا ہے آیت تَوْتِي الْمُلْكَ مِنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ کے ثبوت میں اللہ نے یہ پانچ جملے ذکر فرمائے (جن سے عطاء ملک اور انتزاع ملک پر اللہ کا قادر ہونا ثابت ہو رہا ہے)۔

بغوی نے اپنی سند سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فاتحہ الکتاب (سورۃ الحمد) اور آیۃ الکرسی اور سورۃ آل عمران کی دو آیات یعنی شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ اور قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكُ الْمُلْكَ مِنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ تک، مقبول الشفاعت ہیں ان کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں انہوں نے کہا تھا اے رب تو ہم کو زمین پر اتار کر ایسے لوگوں کے پاس بھیج رہا ہے جو تیری نافرمانی کریں گے۔ اللہ نے فرمایا میں اپنی قسم کھاتا ہوں کہ میرے بندوں میں جو کوئی ہر نماز کے بعد تمہاری تلاوت کرے گا وہ کیسا ہی ہو، میں جنت کو اس کا نھکاٹا ضرور بناؤں گا، میں حظیرۃ القدس میں اس کو ضرور ٹھہراؤں گا، میں اس کی طرف ضرور رحمت کروں گا (یعنی روزانہ ستر ۷۰ بار) اور میں روز اس کی ستر ۷۰ حاجتیں پوری کروں گا، جن میں اون کی درجہ گناہوں کی مغفرت کا ہو گا (یعنی دنیوی حاجات مراد نہیں ہیں بلکہ آخرت کے مراتب کی ترقی مراد ہے اور مراتب کی ترقی کا درجہ بعد کو آتا ہے سب سے پہلے گناہوں کی بخشش کی ضرورت ہے لہذا مغفرت کا درجہ سب سے اون کی ہو گا) اور میں ہر دشمن اور حاسد سے اس کو پناہ دوں گا اور غالب کروں گا۔

طبرانی نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تجھے ایسی دعا بتاؤں کہ اگر تو وہ دعا کرے تو اللہ تیرا قرض ادا کرادے خواہ وہ کوہ شیر کے برابر ہی ہو یہ پڑھ اَللّٰهُمَّ مَالِكُ الْمُلْكَ مِنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ تک (اور پھر عرض کر) رَحْمَنُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَرَحِيمُهُمَا تَعْطِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُمْ وَتَمْنَعُ مَنْ تَشَاءُ اَرْحَمُنِي رَحْمَةً تَغْنِنِي بِهَا عَنْ رَحْمَةِ مَنْ سِوَاكَ، واللہ اعلم۔

ابن جریرؒ نے سعید اور عکرمہ کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ حجاج بن عمرو جو عمرو بن اشرف کا حلیف تھا اور ابن ابی الحقیق اور قیس بن زید تینوں نے انصار کے چند آدمیوں سے اندرونی دوستی گانٹھی تاکہ دین کی طرف سے ان کو درغلائیں اور بہکاوے، رفاعہ بن منذر اور عبد اللہ بن جبیر اور سجد بن خثیمہ نے انصار سے کہا آپ لوگ ان یہودیوں سے بچتے رہیں کہیں دین کی طرف سے آپ کو بہکانہ دیں انصار نے اندرونی دوستی ترک کرنے سے انکار کر دیا اس پر آیت ذیل کا نزول ہوا۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ
یعنی نہ بنائیں مؤمن کافروں کو دوست اہل ایمان کو چھوڑ کر، مؤمنوں کو کافروں سے موالیات کی ممانعت فرمادی خواہ رشتہ داری کی صورت میں ہو یا دوستی کی شکل میں یا جہاد اور دینی امور میں طلب امداد کے طور پر ہو (سب کی ممانعت فرمادی) مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ کہنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ کافروں کی دوستی مؤمنوں کی دوستی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی، دودشمنوں سے بیک وقت دوستی ممکن نہیں کفار کی دوستی بجائے خود بھی بری ہے اور اس لئے بھی بری ہے کہ مسلمانوں کی دوستی سے محروم ہو جائے کاسب ہے۔

بغوی نے مقاتل کا قول نقل کیا ہے کہ آیت کا نزول حضرت حاطب بن ابی بلتعہ وغیرہ کے متعلق ہوا تھا جو کفار مکہ سے دوستی کا اظہار کرتے تھے اور کلبی کا قول بروایت ابو صالحؒ بغوی نے یہ نقل کیا ہے کہ آیت کا نزول عبد اللہ بن ابی اور اس کے منافق ساتھیوں کے بارہ میں ہوا جو مشرکوں اور یہودیوں سے دوستی رکھتے تھے اور مسلمانوں کی خبریں ان کو اس امید پر پہنچاتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ پر ان کو غلبہ حاصل ہو جائے گا۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور اہل ایمان کو منافقوں کے عمل سے

روک دیا۔

..... فصل ﴿﴾

محض اللہ کی خوشنودی کے لئے دوستی اور دشمنی کرنا، ایمان کا ایک عظیم الشان دروازہ ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہوگی، متفق علیہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں تو اسی کے ساتھ ہوگا جس سے تجھے محبت ہوگی، متفق علیہ، حضرت ابو موسیٰؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نیک ہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے مشک اپنے ساتھ رکھنے والا اور برے ہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے بھٹی دھونکنے والا، مشک اپنے پاس رکھنے والا یا تو مفت تجھے مشک دے دے گا۔ یا تو اس سے خرید لے گا اور نہ ہوگا تو خوشبو تو بہر حال تجھے پہونچے گی اور بھٹی دھونکنے والا تیرے کپڑے جلادے گا یا کم سے کم تجھے اس کی طرف سے بدبو آئے گی، متفق علیہ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روای ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا، ابوذرؓ ایمان (کے حصول) کا کونسا قبضہ (ذریعہ) سب سے زیادہ مضبوط ہے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بخوبی واقف ہیں۔ فرمایا، اللہ کے لئے دوستی۔ اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے محبت اور بغض رکھنا۔ (رواہ التیہقی فی الشعب) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا محبت فی اللہ اور بغض فی اللہ۔ اللہ کے نزدیک محبوب ترین عمل ہے۔ رواہ احمد و ابو داؤد۔ اس موضوع کی احادیث بکثرت آئی ہیں۔

وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ
فَلْيَسْ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ

اور جو ایسا کرے گا یعنی کافروں سے اندرونی دوستی رکھے گا۔
تو اللہ سے اس کا کچھ بھی دوستی کا تعلق نہیں۔ شئی کی توین اظہار تحقیر کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ کی دوستی یا اللہ کے دین کی کم سے کم مقدار میں بھی اس کا دخل نہیں یعنی کافروں کی دوستی سب طرح مومنوں کی دوستی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی دوستی کے ساتھ بھی نہیں ہو سکتی۔ اگر شروع میں ہی بجائے مِّنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ کے مِّنْ دُونِ اللَّهِ و المومنین کہہ دیا جاتا تو بیان کردہ مطلب ادا ہو جاتا لیکن اللہ کی دوستی سے محرومی کا اظہار پر زور عبارت میں نہ ہوتا اس لئے آیت فَلْيَسْ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ کو (مستقل طور پر) ذکر کیا۔
إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً
مگر یہ کہ کافروں کی طرف سے تم کو کچھ شر کا اندیشہ ہو۔ تو کفار سے (ظاہری) دوستی جائز ہے اور اللہ کی دوستی سے محرومی نہ ہوگی۔

اس استثناء مفرغ کا معنوی حیثیت سے مذکورہ بالا دونوں جملوں سے تعلق ہے یعنی کافروں سے موالات سوائے خوف کے وقت کے اور کسی وقت جائز نہیں اور جو شخص سوائے وقت خوف کے اور کسی وقت ایسا کرے گا اس کو اللہ کی دوستی بالکل حاصل نہ ہوگی۔

انقاء باب اتعال (مصدر) وقایہ سے ماخوذ ہے یعنی کافروں سے اپنے کو بچانا اور اس بچاؤ کے لئے شر سے ڈرنا لازم ہے اس لئے بعض لوگوں نے الا ان تتقوا کا ترجمہ کیا ہے مگر یہ کہ تم کو اندیشہ ہو تقاہ اور تقی اور تقیہ اور تقوی سب مصادر ہیں (اور ان کا باب ثلاثی مجرد ہے) مگر باب تفعل ثلاثی مزید کے بعد آجاتے ہیں محاورہ میں توقیہ تقاہ بولا جاتا ہے ہاں انقیات کے بعد اگر مصدر ذکر کیا جاتا ہے تو انقاء کہا جاتا ہے۔

اس جگہ مصدر یا تو بمعنی مصدر ہی ہے یعنی موالات کفار جائز نہیں، مگر اس وقت کہ تم کو ان کی طرف سے شر کا کوئی اندیشہ ہو یا مصدر بمعنی اسم مفعول ہے یعنی موالات کفار اس وقت جائز ہے کہ کفار کی طرف سے تم کو کسی اندیشہ ناک چیز کا ڈر ہو۔ دونوں کا حاصل ایک ہی ہے کہ کافروں کے شر سے اندیشہ کے وقت ان سے موالات جائز ہے۔ لیکن ناجائز کا جواز بقدر ضرورت ہوتا ہے اس لئے صرف ظاہری دوستی جائز ہوگی اندرونی دوستی کا جواز نہیں ہو سکتا۔ اور کافروں کی دوستی میں کسی حرام

خون یا حرام مال کو حلال قرار دینا یا گناہ کا ارتکاب کرنا یا کافروں کو مسلمانوں کی نقصان رساں تدبیریں بتانا یا مسلمانوں کے رازوں سے واقف کرنا جائز نہیں۔ بعض لوگوں نے ظہور اسلام کے بعد تقیہ کرنے کو ناجائز کہا ہے کیونکہ حضرت معاذ بن جبل کا قول ہے کہ ابتداء اسلام میں جب تک دین کا استحکام نہ ہوا تھا اور اسلام میں قوت نہ آئی تھی تقیہ جائز تھا لیکن اب مسلمانوں کے لئے دشمن سے تقیہ کرنا جائز نہیں۔

مذکورہ بالا آیات میں کفار کی دوستی کا نتیجہ مسلمانوں کی اور خدا کی دوستی سے محروم **وَيُحْيِي رُكُمَهُ لِنَفْسِهِ** ہو جانا بیان کیا تھا اب مزید بازداشت کے لئے فرمایا کہ اللہ تم کو اپنی ناراضگی اور عذاب سے ڈرا رہا ہے جو موالات کفار کی صورت میں ہو گا۔

نفس کا ذکر عذاب کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے فرمایا تاکہ کافروں کی طرف سے جس شر کا اندیشہ ہو اس کی پروا نہ رہے، اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ ولایت کفار جس کی ممانعت کی جا رہی ہے انتہائی بری ہے۔
اور اللہ کے پاس تم کو جانا ہے یہ مزید وعید ہے کہ تم اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے اسی **وَلِلَّهِ الْمَصِيرُ** کے پاس تمہیں جانا ہے۔

اے محمد ﷺ کہہ دو کہ کافروں کی **فَلْإِنْ نَحْنُخَفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدَوُكُمْ يُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ** موالات وغیرہ خواہ تم اپنے دلوں میں چھپائے رکھو یا قول و عمل سے اس کا اظہار کر دو، ہر حال اللہ اس کو جانتا ہے یعنی چھپانا اور ظاہر کرنا دونوں برابر ہیں۔ خدا کو ہر حال علم ہوتا ہے۔

وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ یہ جزاء پر اس کا عطف نہیں ہے اور کلام سابق کی گویا علت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ زمین و آسمان کی جب کوئی چیز اللہ سے مخفی نہیں اور وہ سب پر قابو رکھتا ہے تو تمہارے دلوں کی حالت اس سے کیسے چھپی رہ سکتی ہے۔

عوام کی نظر کی رسائی چونکہ صرف آسمان و زمین تک ہے اس لئے انہی کا ذکر کیا مگر مقصود تمام کائنات ہے ہر چیز کا وجود اسی کے علم و قدرت سے ہے پھر اس کیلئے کوئی چیز کس طرح پوشیدہ ہو سکتی ہے۔ علم و قدرت کی ہمہ گیری کی صراحت کر کے یحذر کہم اللہ نفسہ کے مضمون کی توضیح مقصود ہے کہ جب اللہ کا علم ہمہ گیر اور قدرت محیط کل ہے تو اس کی نافرمانی پر جرأت کرنی خلاف عقل ہے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا و آخرت میں اللہ سے ایسی کوئی چیز مخفی نہیں جس کے ذریعہ سے تم کو عذاب دیا جاسکتا ہو اور اس کے قابو میں ہر چیز ہے پس وہ جس طرح چاہے گا دنیا و آخرت یا دونوں جگہ تم کو عذاب دے گا اور کوئی شبہ نہیں اس حقیقت میں کہ کافروں سے موالات اور دین میں ممانعت دنیوی عذاب کو ذلت اور محکومی کی صورت میں لانے والی ہے۔

يَوْمَ يُحْيِي كُلَّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۖ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا أَبْعَدًا ۖ جس روز کہ ہر شخص اپنی کی ہوئی ہر نیکی (یا نیکی کے ثواب) کو

اپنے سامنے موجود پائے گا اور جو بدی کی ہوگی اس کو بھی سامنے موجود پائے گا۔ تمنا کرے گا کہ کاش اس کے اور اس کے عمل بد کے درمیان ایسی مسافت ہوتی (کہ عمل بد کی شکل ہی سامنے نہ آتی) یَوْمَ ظَرْفُ کا تعلق تَوَدُّ سے ہے مآ موصولہ ہے شرطیہ نہیں ہے اسی لئے تَوَدُّ مرفوع ہے تَجِدُ کا معنی ہے تَصِيبُ (پائے گا) اور مُحْضَرًا حال ہے دوسرا مفعول نہیں ہے کیونکہ ج تَجِدُ بمعنی تَصِيبُ ہو اس کو دوسرے مفعول کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مَّا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ کا عطف مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ پر ہے۔ اس صورت میں غالباً نفس سے مراد ہے وہ ایماندار نفس جس نے کچھ اچھے کام کئے ہوں اور کچھ برے۔ رہے وہ لوگ جس کی صرف نیکیاں ہی ہوں بدی کوئی نہ ہو (جیسے انبیاء) یا صرف بدیاں ہی ہوں نیکی کوئی نہ ہو، تو ان کا حال مذکورہ کلام کے مفہوم پر قیاس کر کے سمجھ میں آ جاتا ہے۔ اللہ پاک اپنی مہربانی سے علی الاعلان مؤمن کے اچھے اعمال اس کے سامنے لائے گا مگر برے

عمل دوسروں کے سامنے نہ لائے گا بلکہ وہ خود اپنے گناہ محسوس کرے گا اور تمنا کرے گا کہ کاش اللہ اس کے گناہوں کی اطلاع ہی نہ دے اور اظہار نہ کرنا ہی ہو تو پردے پردے کے اندر صرف اسی کو مطلع کر دے۔ یحییٰ میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ مؤمن کو قریب بلا کر اپنی ہتھیلی اس پر رکھ کر خفیہ طور پر فرمائے گا کیا تو اپنے قلاں گناہ سے واقف ہے کیا تجھے اپنا فلاں گناہ معلوم ہے۔ بندہ عرض کرے گا بیشک میرے رب (مجھے معلوم ہے) جب اللہ اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرالے گا اور بندہ خیال کرے گا کہ اب میں تباہ ہوا تو اللہ فرمائے گا میں نے دنیا میں تیرے گناہ چھپائے اور آج معاف کرتا ہوں اس کے بعد نیکوں کا اعمال نامہ اس کو دیدیا جائے گا۔ رہے کافر اور منافق تو ان کے متعلق سب مخلوق کے سامنے ندا دی جائے گی کہ ہؤلاء الذین کذبوا علی ربہم الا لعنة اللہ علی الظالمین۔

لیکن اگر تَجِدُ کا معنی تَعْلَمُ ہو تو مُحَضَّرٌ دوسرا مفعول ہو گا اور مَا عَمِلْتَ پہلا مفعول یعنی خیر و شر کو حاضر جانے کا۔ تَوَدُّ کے اندر تمنا کا معنی ہے لو زائد (برائے تحسین کلام) یا مصدریہ۔ بَيِّنَةُ کی تفسیر یَوْم کی طرف یا مَا عَمِلْتَ مِنْ سُوءٍ کی طرف راجع ہے۔

پورا مطلب اس طرح ہو گا کہ ہر شخص اپنی نیکیوں کو یا نیکیوں کے صحیفہ کو یا ان کے ثواب کو پالے گا نیکی یا صحیفہ یا ثواب سامنے ہو گا اسی طرح عمل شر کو یا اس کے صحیفہ کو یا اس کے عذاب کو یا لے گا شر یا شر کا صحیفہ یا اس کا عذاب سامنے ہو گا یا خیر و شر دونوں کا بدلہ پائے گا جو اس کے سامنے لایا جائے گا۔ اس وقت اس کی تمنا ہو گی کہ اس کے اور روز جزا کے درمیان ایک بڑی مسافت حائل ہو جائے۔ اگرچہ یہ نیک اعمال بھی اس کے سامنے لائے جائیں گے لیکن عمل شر کی وجہ سے اس کی یہ تمنا ہو گی کیونکہ ضرر کے خوف کے وقت اس کو نیکی کے فائدہ کی امید نہیں رہے گی۔ امد کا معنی ہے مدت اور آخری حد مسافت۔ حسن بصریؒ نے فرمایا۔ ہر آدمی کو یہ تمنا ہو گی کہ اس کی بدی اس کے سامنے کبھی نہیں آئے۔ بعض لوگوں نے تَوَدُّ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ وہ شخص اس بات کی تمنا کرے گا کہ کاش اس نے یہ (برے کام) نہ کئے ہوتے۔

ممکن ہے کہ تَوَدُّ کا تعلق قَدِیْر سے ہو، یوں تو اللہ ہر زمانہ میں قدیر ہے اس کی قدرت سے کوئی وقت خارج نہیں لیکن قیامت کا دن سزا و جزا کا ہو گا (اس لئے اس روز خصوصیت کے ساتھ اس کی قدرت کا ظہور ہو گا) مطلب یہ کہ اللہ تم کو ہر طرح ثواب و عذاب دینے پر اس روز قادر ہو گا جبکہ ہر شخص کا اچھا برا کیا ہو اسامنے آئے گا۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یَوْم کو اَذْکَرُ محذوف کا مفعول فیہ قرار دیا جائے یعنی اس دن کو یاد کرو جب ایسا ایسا ہو گا۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ یَوْم کو یَحْذَرُکُمُ اللہ کا مفعول کہا جائے یعنی اللہ تم کو ڈراتا ہے اس دن کے عذاب سے جبکہ ایسا ہو گا۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مَا عَمِلْتَ مِنْ خَيْرٍ مُحَضَّرٌ پر جملہ ختم ہو جائے اور مَا عَمِلْتَ مِنْ سُوءٍ مبتدا ہو اور تَوَدُّ خبر ہو اور مَا عَمِلْتَ مِنْ سُوءٍ میں واو استیفاء کے لئے ہو۔ یا واو عاطفہ ہو اور تَجِدُ کے دوسرے مفعول کی جگہ میں تَوَدُّ ہو۔ یعنی جس شخص نے جو برا عمل کیا ہو گا اس کو وہ اتنا ہولناک سمجھے گا کہ اپنے اور اس عمل کے درمیان مسافت بعیدہ ہو جانے کا خواست گار ہو گا۔

حضرت عدی بن حاتم کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر ایک سے اس کا رب اس طرح کلام کرے گا کہ اس کے اور رب کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہو گا اور نہ کوئی حجاب مانع ہو گا وہ شخص اپنے دائیں طرف دیکھے گا تو اس کو وہی اعمال نظر آئیں گے جو اس نے پہلے کئے ہوں گے اور بائیں طرف دیکھے گا تب بھی سابقہ اعمال دکھائی دیں گے اور سامنے دیکھے گا تو منہ کے سامنے آگ ہی آگ دکھائی دے گی پس آگ سے بچو اگرچہ چھوڑا رہے ایک ٹکڑا ہی دے سکو۔ متفق علیہ

وَجِدَیْکُمْ اَنْتُمْ اَنْفُسَکُمْ یہ جملہ مستقل مفہوم رکھتا ہے۔ سابق کی تکرار نہیں ہے کیونکہ پہلے کافروں کی موالات کے عذاب سے ڈرایا تھا اور اس جملہ میں ترک و اجبات اور ارتکابِ معاصی سے ڈرایا ہے۔

وَاللّٰہُ رَعُوْفٌ بِالْعِبَادِ اور اللہ مؤمن بندوں پر بڑا مہربان ہے پچھلی آیت میں کفار سے اللہ کے برتاؤ کا بیان

تھا اور اس آیت میں مؤمنوں کے ساتھ معاملہ کا اظہار ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ گزشتہ جملہ کی یہ جملہ علت ہو یعنی اللہ تم کو ڈراتا ہے اس لئے کہ اللہ بندوں پر بڑا مہربان ہے ان کی اصلاح چاہتا ہے۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ
عَلَيْهِ السَّلَامُ کے زمانہ میں کچھ لوگوں نے کہا محمد خدا کی قسم ہم اپنے رب سے محبت رکھتے ہیں اس پر آیت قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ الخ نازل ہوئی۔

ابن اسحاق اور ابن جریر نے محمد بن جعفر بن زبیر کا قول نقل کیا ہے کہ وفد نجران نے کہا تھا ہم مسیح کی پرستش اللہ کی محبت کی وجہ سے کرتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ آیت کا نزول یہود و نصاریٰ کے حق میں ہوا تھا کیونکہ انہوں نے کہا تھا نحن ابناء الله واجباء ہ ہم خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا کہ کچھ قریشیوں نے کعبہ کے اندر بت نصب کئے تھے اور ان پر شتر مرغ کے انڈے لٹکائے تھے اور ان کے کانوں میں بالیاں پہنائی تھیں اور ان کو سجدے کر رہے تھے رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے وہاں پہنچ کر کچھ توقف کیا اور فرمایا اے گروہ قریش تم نے اپنے باپ ابراہیم اور اسماعیل کے طریقہ کی مخالفت کی۔ قریشی کہنے لگے ہم تو اللہ ہی کی محبت میں ان کی پوجا کرتے ہیں تاکہ یہ ہم کو خدا کے قرب میں پہنچادیں اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

حُبُّ حَبِّ حَبَابٍ حَبَابٌ مُحَبَّبَةٌ سب مصدر ہیں اس سے ماضی أَحَبَّ مضارع يُحِبُّ اور اسم مفعول مُحَبَّبٌ آتا ہے اور یہ سب خلاف قیاس آتا ہے مُحَبَّبٌ اسم مفعول قلیل الاستعمال ہے باب ضرب سے حَبَّبْتُ (بروزن اضربہ) شاذ ہے۔

محبت کے دل کا محبوب کے خیال میں مشغول رہنا اور ایسا استغراق ہو جانا کہ دوسرے کی طرف توجہ نہ رہے اور کسی وقت خیال محبوب کی طرف توجہ اور اشتعال کے بغیر چارہ ہی نہ ہو یہ محبت کا مفہوم ہے یہی مطلب ہے اس قول کا کہ عشق دل کی آگ ہے جو محبوب کے سوا ہر چیز کو سوخت کر دیتی ہے یعنی ہر چیز کی طرف سے توجہ کو ہٹا دیتی ہے، محبوب کے سوا ہر شے کا تصور مٹا دیتی ہے گویا محبت کی نظر میں محبوب کے علاوہ کوئی چیز موجود ہی نہیں ہوتی، یہاں تک کہ اس کو اپنی ہستی بھی نظر نہیں آتی ہر ماسوا تصور محبوب میں فنا ہو جاتا ہے۔ اس مغلوب الحالی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کو طبعاً ہی چیز پسند آتی ہے جو محبوب کو پسند ہو اور اس چیز سے ذاتی نفرت ہو جاتی ہے جس سے محبوب کو نفرت ہو وہ ہر وقت مرضی محبوب کا خواستگار ہوتا ہے اس کو نہ ثواب اور فائدہ کا لالچ رہتا ہے نہ عذاب اور ضرر کا اندیشہ اگرچہ بالعرض اس کی طلب میں طمع اور خوف کی آمیزش ہوتی ہے (مگر آلاش نہیں ہوتی اس کی اصل غرض محبوب کی خوشنودی کی طلب ہوتی ہے)۔

یہ تو بندہ کی محبت کی حقیقت ہے، رہی اللہ کی محبت بندہ سے تو ظاہر ہے کہ اللہ قلب، استغراق تصور اور انہماک سے پاک ہے اس کو ایسی توجہ کسی طرف نہیں ہوتی کہ دوسری طرف توجہ نہ رہے اس کی محبت ایک سادہ اس کا نام ہے جو بندہ کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور دوسرے کی طرف بندوں کو مائل نہیں ہونے دیتا۔ اللہ کی طرف سے اسی کشش کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ اللہ سے محبت کرتا اور اس کی طرف کھینچ جاتا ہے۔ پس بندہ کی محبت اللہ کی محبت کی شاخ اور اس کا سایہ ہے۔ اصل محبت اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے وَالْقَبِيلُ عَلَيْكَ مَحَبَّةٌ نَبِئَتْ دُوسَرَى جگہ فرمایا يُحِبُّونَهُ وَيُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ سے پہلے اسی لئے ذکر کیا (کہ اصل محبت اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اس کے بعد بندہ اس کی طرف کھینچتا ہے)۔

ہم نے محبت ذاتیہ کی یہ حقیقت بیان کی ہے۔ لیکن بیضاوی نے محبت کی تعریف کی ہے کہ جب کوئی شخص کسی میں کوئی کمال جان لیتا ہے تو اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور اس میلان کا تقاضا ہوتا ہے کہ ایسی چیزوں کو اختیار کرے جو اس کو محبوب

سے قریب کر دیں۔ اسی میلان اور نفس کے جھکاؤ کا نام محبت ہے۔ یہ صفاتی محبت کی تعریف ہے جو محبت ذاتیہ سے گوسوں دور ہے۔ دیکھو ماں کی اپنے بچہ سے محبت اس لئے نہیں ہوتی کہ بچہ کے اندر اس کو کوئی کمال نظر آتا ہے بلکہ (بالکل بے غرض) ایک قلبی کھنچاؤ ہوتا ہے۔ ماں کی محبت، محبت ذاتیہ کے قریب قریب تو ہوتی ہے مگر بعینہ محبت ذاتیہ نہیں ہوتی کیونکہ اس محبت کی بنا محض اس بات پر ہوتی ہے کہ ماں جانتی ہے کہ یہ میرا بچہ ہے۔ محبت الہی کا درجہ اس سے بہت اونچا ہے (وہاں رشتہ نسبی کا شائبہ بھی نہیں ہے) صحیحین وغیرہ میں حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ اور دوسرے صحابہؓ سے مرفوع روایت آئی ہے جس کے الفاظ مختلف ہیں مگر مطلب ایک ہی ہے کہ اللہ کی سورتیں ہیں اس نے ایک رحمت مخلوق کو تقسیم کی ہے جس کی وجہ سے مخلوق آپس میں محبت کرتی ہے، ننانوے رحمتیں اللہ نے اپنے اولیاء کے لئے رکھ چھوڑی ہیں (جن کا ظہور کامل قیامت کے دن ہوگا) بغویؒ نے بیان کیا ہے کہ اللہ سے بندہ کی محبت یہ ہے کہ اللہ کے حکم کی تعمیل کرے، اس کی طاعت اختیار کرے اور اس کی مرضی کا طلب گار رہے اور بندہ سے اللہ کی محبت کا یہ معنی ہے کہ اللہ بندہ کی تعریف کرے اور اس کو ثواب دے اور اس کی مغفرت کر دے۔ بغویؒ کا یہ بیان محبت کی تعریف نہیں ہے بلکہ تقاضائے محبت کا اظہار ہے۔

فَاتَّبِعُونِي یعنی تم اگر اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ فایبیہ ہے کیونکہ محبت طلب مرضی کا سبب ہے اور اللہ کو کیا پسند ہے اور کیا ناپسند ہے، یہ محض عقل سے بغیر اللہ کی اطلاع کے معلوم نہیں ہو سکتا اور اللہ کی طرف سے اطلاع پیغمبروں ہی کی معرفت سے آتی ہے پس محبت خدا، اتباع انبیاء کا سبب ہے، اتباع انبیاء ہی سے دل میں محبت الہی کا ہونا اور اتباع رسل نہ کرنے سے محبت کا نہ ہونا معلوم ہوتا ہے لہذا اگر کوئی محبت خدا کا مدعی اور طریقہ رسول اللہ کے خلاف ہو، تو وہ جھوٹا ہے جس کو اللہ کی کتاب جھوٹا قرار دے رہی ہے۔

يُحِبُّكُمْ اللَّهُ یہ امر کا جواب ہے یعنی اگر میرا اتباع کرو گے تو اللہ تم کو پسند فرمائے گا۔

..... ایک سوال

اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ بندہ سے اللہ کی محبت اتباع انبیاء پر موقوف ہے اور اتباع انبیاء اسی وقت ممکن ہے جب بندہ اللہ سے محبت رکھتا ہو نتیجہ یہ نکلا کہ بندہ سے اللہ کی محبت اس وقت ہوگی جب بندہ اللہ سے محبت کرتا ہو۔ مگر بیان سابق سے یہ معلوم ہوا تھا کہ اللہ سے بندہ کی محبت بعد کو ہوتی ہے اور بندہ سے اللہ کی محبت پہلے۔ محبت عبد نتیجہ ہے محبت اللہ کا، یہ تو کھلا ہوا دور (منطقی چکر) ہے۔

..... جواب

سابق میں جس محبت کا بیان تھا وہ اور تھی اور یہ محبت اس کے علاوہ ہے۔ حقیقت میں اللہ کی طرف سے دو محبتیں ہوتی ہیں ایک ابتدائی اور دوسری آخری۔ دونوں کے وسط میں اللہ سے بندہ کی محبت ہوتی ہے۔ اول اللہ کی طرف سے وہی محبت ہوتی ہے جو ہم نے پہلے بیان کر دی اس کے نتیجہ میں بندہ اللہ کی طرف کھینچتا اور اتباع انبیاء کرتا ہے۔

اتباع انبیاء کے بعد اللہ کی طرف سے بندہ کی ایک اور محبت ہوتی ہے یعنی اللہ بندہ پر رحم اور کامل مہربانی کرتا ہے یہ مہربانی اور محبت وہی ہے جس کا ذکر حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ کی سورتیں ہیں۔ سو میں سے ایک رحمت تو اس نے مخلوق کو بانٹ دی ہے جس کی وجہ سے مخلوق آپس میں محبت کرتی ہے اور ننانوے رحمتیں اپنے اولیاء کے لئے اس نے رکھ چھوڑی ہیں۔ چونکہ اس آخری محبت کا تقاضا ہے کہ اللہ بندہ پر رحمت فرمائے اور اس کی مغفرت کر دے اس لئے فرمایا۔

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ اور اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا اللہ بہت معاف کرنے والا بڑا مہربان ہے۔

بغویؒ نے بیان کیا ہے کہ جب آیت فَاتَّبِعُونِي نازل ہوئی تو عبد اللہ بن ابی (منافق) نے اپنے ساتھیوں سے کہا محمدؐ اپنی

اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دے رہے ہیں اور ہم کو حکم دے رہے ہیں کہ ہم ان سے ویسی ہی محبت کریں جیسے نصاریٰ عیسیٰ سے کرتے ہیں اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ
آپ کہہ دیں کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ یعنی اللہ اور رسول کی اطاعت ایک ہی ہے۔ رسول کی حیثیت سے رسول کی اطاعت بعینہ اللہ کی اطاعت ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میری سب امت جنت میں جائے گی سوائے اس کے جس نے انکار کیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ (امت میں ہوتے ہوئے) انکار کون کر سکتا ہے فرمایا جس نے میرا کمانادہ جنت میں جائے گا اور جس نے میرا کمانہ مانا تو اس نے انکار کیا، متفق علیہ۔ دیکھو اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جنت کے داخلہ کو اپنی اطاعت کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ دوسری حدیث میں فرمایا جس نے محمد کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ محمد ﷺ ہی نے اللہ کے فرمان برداروں اور نافرمانوں میں امتیاز قائم کر دیا ہے۔ رواہ البخاری فی حدیث طویل عن جابر۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا
پس اگر تم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے روگردانی کی۔ تَوَلَّوْا ماضی کا صیغہ بھی ہو سکتا ہے اور مضارع کا بھی۔ مؤخر الذکر صورت میں خطاب کی تاء حذف کر دی گئی ہے اصل میں تَوَلَّوْا تھا۔
فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ۝
تو (سمجھ لو کہ) اللہ کافروں سے محبت نہیں رکھتا، اصل میں کلام یوں ہونا چاہئے تھا کہ اللہ تم سے محبت نہیں رکھتا، لیکن عام ضابطہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اللہ کافروں سے محبت نہیں رکھتا اسی کے ذیل میں یہ بھی آگیا کہ اللہ تم سے محبت نہیں رکھتا۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جزاء محذوف ہو اور فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ اس کی دلیل ہو اور مدلول کی جگہ دلیل کو ذکر کر دیا۔ (تاکہ کلام میں قوت پیدا ہو جائے) یعنی اگر تم نے روگردانی کی تو اللہ تم سے محبت نہیں کرے گا کیونکہ اللہ کافروں سے محبت نہیں کرتا ہے، اس کی محبت مومنوں کے لئے مخصوص ہے۔ خلاصہ یہ کہ پیغمبر کی اطاعت سے روگردانی اس بات کی علامت ہے کہ اللہ ایسے بندہ سے محبت نہیں کرتا (اور جب اللہ کی طرف سے جذب نہیں تو بندہ کی طرف سے بھی اللہ کی محبت نہیں ہوتی اور بندہ اللہ سے محبت نہیں کرتا تو اللہ کی وہ محبت جو بصورت مغفرت و رحمت ظاہر ہوتی ہے اس سے بھی بندہ محروم ہو جاتا ہے)۔

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ
بلاشبہ اللہ نے جن لیا۔ اصطفی (ماضی) اصطفاء (مصدر) باب افعال، صفوة سے ماخوذ ہے۔ صفوة کا معنی ہے خالص۔ یعنی اللہ نے اپنے لئے اپنی محبت کے لئے اور اپنی رسالت کے لئے جن لیا۔
آدم کو جو سب انسانوں کے باپ تھے یہاں تک کہ ملائکہ سے ان کو سجدہ کر لیا جنت میں ان کا مسکن بتلایا ان کی نسل سے تمام انبیاء کو پیدا کیا، آپ لول ترین نبی تھے۔
وَنُوحًا
اور نوح کو، پہلے سب لوگ شریعت الہی اور دین آدم پر تھے پھر ان میں پھوٹ پڑ گئی اور کافر ہو گئے تو اللہ نے سب لوگوں میں سے حضرت نوح کو نبوت کے لئے جن لیا آپ ﷺ کی بددعا سے تمام کافروں کو ہلاک کر دیا اور صرف آپ کی نسل کو باقی رکھا۔

قَالَ اِبْرَاهِيمُ وَآلُ عِزْرٰن
اور ابراہیم و عمران کی اولاد کو بعض علماء نے کہا ہے کہ دونوں جگہ آل کا لفظ زائد ہے، ابراہیم و عمران مراد ہیں جیسے آیت بقیۃ من مائرک ال موسیٰ و آل ہارون میں لفظ آل زائد ہے اور موسیٰ و ہارون مراد ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ آل ابراہیم سے مراد ہیں اسماعیل، اسحاق، یعقوب، اسلما اور تمام اسرائیلی پیغمبر اور محمد ﷺ اور عمران سے بقول مقاتل مراد ہیں عمران بن یصہر بن قاہت بن لادی بن یعقوب، یہی عمران حضرت موسیٰ اور ہارون کے والد تھے۔ بعض نے کہا کہ عمران بن ماثان مراد ہیں۔ ماثان حضرت سلیمان کی اولاد میں سے تھے اور یہ عمران حضرت مریم کے والد تھے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور وہب کا قول ہے کہ آیت میں عمران سے عمران بن ماثان ہی مراد ہیں لیکن یہ حضرت مریم کے باپ نہیں تھے بلکہ مریم کے والد عمران بن اسمٰعیل بن امون تھے جو حضرت سلیمان کی اولاد میں سے تھے، عمران بن ماثان اور عمران بن اسمٰعیل کے درمیان ایک ہزار اسی یا ایک ہزار آٹھ سو سال کا فاصلہ تھا۔ ظاہر یہ ہے کہ اس جگہ عمران سے مراد وہی شخص ہے جو حضرت مریم کا باپ تھا کیونکہ جس انتخاب کا یہاں ذکر کیا ہے اسی کی وضاحت آئندہ آیت و اذ قالت امراة عمران میں کی ہے۔ یہ قرینہ بتا رہا ہے کہ عمران سے مراد حضرت مریم کے باپ ہی ہیں۔

مذکورہ بالا چاروں افراد کا ذکر اس لئے کیا کہ سب کے سب یا بیشتر انبیاء اور پیغمبر انہی کی نسل سے ہوئے۔

عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۱۵۳﴾ العالمین سے مراد یا تو سارا جہان ہے یہاں تک کہ ملائکہ بھی اس میں داخل ہیں۔ یہ مراد اس وقت ہوگی جب آل ابراہیم کا لفظ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام کی طرح حضرت ابراہیم اور حضرت محمد ﷺ کو بھی حاوی ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ بزرگ ملائکہ اور تمام انسانوں سے افضل تھے۔ اس صورت میں اس آیت سے خاص فرشتوں پر خاص انسانوں کی فضیلت ثابت ہو جائے گی۔ یا صرف مذکورہ بالا اشخاص کے اہل زمانہ مراد ہیں۔ یعنی ان بزرگوں کو ہم نے ان کے زمانہ والوں پر بزرگی عطا کی اور جنم لیا۔

بغوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ یہودیوں نے کہا تھا کہ ہم ابراہیم و اسحاق و یعقوب کی اولاد ہیں اور ہم ہی ان کے دین پر ہیں۔ تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی یعنی اللہ نے ان حضرات کو اسلام کے لئے چنا تھا اور تم دین اسلام پر نہیں ہو (پھر ان کے دین پر کیسے ہو سکتے ہو)۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ آیت بالا میں اللہ نے جب انبیاء کی اطاعت واجب قرار دی اور ظاہر کر دیا کہ انبیاء کی اطاعت ہی محبت خدا کے حصول کا سبب ہے تو اس کے بعد انبیاء کی فضیلت بیان کی تاکہ لوگوں کو اطاعت انبیاء کی ترغیب ہو۔

بعض علماء نے بیان کیا کہ اول رسول اللہ ﷺ کی پیروی کا حکم دیا آپ ﷺ کی اطاعت کو محبت خدا کے حصول کا ذریعہ اور عدم اتباع کو اللہ کی ناراضگی کا سبب اور محبت خدا سے مجروری کا باعث قرار دیا تو پھر حسب دستور قرآنی حکم بالا کو مؤکد کرنے کے لئے انبیاء کی برتری اور دشمنوں پر کامیابی اور ان کے مقابل دشمنوں کی ذلت اور بربادی کا ذکر کیا تاکہ اتباع رسول سے سرکشی کرنے والوں کو تنبیہ ہو۔ اول حضرت آدم کے انتخاب اور فضیلت کا ذکر کیا کیونکہ آپ ﷺ کو اللہ نے مسجود ملائکہ بنایا اور آپ کے دشمن ابلیس پر لعنت کی۔ پھر حضرت نوح کا ذکر کیا اللہ نے آپ کے تمام کافر دشمنوں کو تباہ کیا اور سب کو طوفان سے غرق کر دیا اور صرف آپ کی نسل کو باقی رکھا پھر سب لوگوں پر حضرت ابراہیم کی برگزیدگی ظاہر کی۔ آپ کے زمانہ میں سارا جہان انسانی کافر تھا۔ لیکن سب کے مقابلہ میں آپ کو انتخاب کر لیا اور آپ کے ہی دین کو پھیلا یا اور تمام مخالفوں کو ذلیل کیا۔ پھر حضرت موسیٰ اور ہارون کا انتخاب کیا جادو گروں پر فتح عنایت کی وہ بے اختیار سجدہ میں گر پڑے، فرعون اور اس کی فوج کو غرق کیا، باوجود کثرت تعداد کے کوئی بھی نہیں بچا۔

میں کہتا ہوں کہ جب حضرت عیسیٰ کو آسمان پر اٹھایا تو آپ کے بعد آپ کے پیروان انتہائی مغلوبیت کی حالت میں تھے لیکن اللہ نے ان کو غالب بنایا اور کافروں پر ان کے قیامت تک غالب رہنے کی صراحت فرمادی ارشاد فرمایا۔ وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ یہی وجہ ہے کہ آدم اور نوح اور آل ابراہیم و آل عمران کا تو ذکر کیا اور ابراہیم کا ذکر نہیں کیا اور نہ رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا۔ ابراہیم کا ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ پورے جہان پر آپ کو غلبہ نہیں عطا فرمایا تھا۔ یہ کلام اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ (حسب دستور انبیاء) رسول اللہ ﷺ بھی عنقریب کافروں پر غالب آئیں گے۔

ذُرِّيَّةً اس لفظ کا وزن فَعِيلَةٌ ہے يَافَعُولَةٌ اول ثقی پر اس کا ذرّ مادہ ہوگا ذرّ چھوٹی چوئیاں، دوسری ثقی پر ذرّ مادہ ہوگا۔ ذرّ کا معنی پیدا کرنا۔ ذُرِّيَّةً کا اطلاق اولاد پر بھی ہوتا ہے اور باپ دادا پر بھی اللہ نے فرمایا وَآيَةٌ لَهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ اس لفظ کا وزن فَعِيلَةٌ ہے يَافَعُولَةٌ اول ثقی پر اس کا ذرّ مادہ ہوگا ذرّ چھوٹی چوئیاں، دوسری ثقی پر ذرّ مادہ ہوگا۔ ذرّ کا معنی پیدا کرنا۔ ذُرِّيَّةً کا اطلاق اولاد پر بھی ہوتا ہے اور باپ دادا پر بھی اللہ نے فرمایا وَآيَةٌ لَهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا

ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ۔ اولاد ذریت اس لئے ہوتی ہے کہ اللہ ان کو باپ سے پیدا کرتا ہے اور آباء کو ذریت اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اولاد کا مبداء تخلیق ہوتے ہیں۔ ذریت کا اطلاق واحد پر بھی ہوتا ہے اور جمع پر بھی۔
بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ یہ جملہ ذُرِّيَّة کی صفت ہے یعنی اللہ نے نوح اور آل ابراہیمؑ عمران کو پیدا کیا اور اتنی کثرت سے پیدا کیا کہ ان کی نسل چونیوں کی طرح نکل پڑی ایک دوسرے کی نسل سے ہیں یا باہمی امداد اور دینی اتحاد کے لحاظ سے ایک دوسرے کے گروہ میں سے ہیں، اللہ نے فرمایا ہے وَإِنْ مِنْ شَيْعَتِهِ لِإِبْرَاهِيمَ یعنی نسلی یاد دینی لحاظ سے ان کے گروہ میں سے ابراہیمؑ تھے۔

بعضها من بعض کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قوم کے اندر سے کسی ایک کو جن لینا اللہ کا دستور ہے لہذا قریش کو کوئی تعجب نہ ہونا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کا انتخاب اللہ نے قریش میں سے کر لیا۔
وَاللَّهُ سَمِيعٌ یعنی لوگ جو بعض لوگوں کے انتخاب پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں اللہ انکے اس قول کو خوب سنتا ہے اور عَلِيمٌ خوب جانتا ہے کہ منتخب کئے جانے کی صلاحیت کس میں ہے یا یہ مطلب ہے کہ عمران کی بیوی کے کلام کو اللہ خوب سنتا تھا اور ان کی نیت سے واقف تھا۔

إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ اِذَا كُنْتُ عُتْلَقُ عَلَيْهِمْ سے ہے یا فعل محذوف سے یعنی یاد کرو جبکہ عمران کی بیوی نے کہا تھا۔
عمران کے باپ کا نام ماٹان تھا یا اشہم۔ ماٹان کی اولاد ہی بنی اسرائیل کی سردار تھی انہی میں سے علماء اور بادشاہ ہوتے تھے عمران کی بیوی کا نام حنہ بنت قاد تھا، حنہ بانجھ تھیں اور بوڑھی ہو گئی تھیں ایک روز کسی درخت کے نیچے سے انہوں نے دیکھا کہ ایک پرندہ اپنے بچے کو چونچ سے چوگا دے رہا ہے۔ یہ دیکھ کر ان کے دل میں بچہ کے لئے ہوس اٹھی۔ تھیں اللہ کے مقبول گھرانے سے، فوراً اللہ سے بچہ کی دعا کی۔ دعا قبول ہوئی اور حاملہ ہو گئیں۔ ابن جریر نے ابن اسحاق کی روایت اسی طرح نقل کی ہے اور عمرہؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا اے میرے رب میں تیرے لئے منت مانتی ہوں کہ میرے پیٹ کے اندر جو کچھ ہے میں اس کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے آزاد چھوڑ دوں گی۔ دنیا کے جھمیلوں میں نہیں ڈالوں گی۔ تاکہ وہ فراغ خاطر کے ساتھ تیری عبادت کر سکے۔ یہودیوں کے مذہب میں ایسی منت لڑکوں کے سلسلہ میں مانتی شروع تھی (لڑکیوں کو گر جا کی خدمت کے لئے وقف نہیں کیا جاتا تھا) کذا الخرجہ ابن جریر عن قتادہ والربیع۔

جب گر جا کی خدمت کے لئے کسی لڑکے کو وقف کیا جاتا تھا تو وہ جوان ہونے تک گر جا کی خدمت میں لگا رہتا تھا وہاں سے بٹانہ تھا، جوان ہونے کے بعد اسکو اختیار ہوتا تھا کہ چاہے تو وہیں رہ کر گر جا کی خدمت کرتا رہے اور چاہے تو کہیں چلا جائے۔ کوئی پیغمبر اور مذہبی عالم ایسا نہیں ہوا کہ اس کی نسل کا کوئی فرد بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف نہ کیا گیا ہو مگر وقف کرنے کا دستور صرف لڑکوں کے لئے تھا لڑکیاں وقف نہیں کی جاتی تھیں۔ حنہ کا مذکورہ دعائیہ جملہ یا تو صرف تمنائی تھا (کہ خدا کرے لڑکا پیدا ہو) یا صرف فرض پر مبنی تھا (کہ اگر لڑکا پیدا ہوا تو میں وقف کر دوں گی)۔

فَتَقَبَّلَ رَبُّہَا فَتَقَبَّلَ رَبُّہَا فَتَقَبَّلَ رَبُّہَا پس تو میری نذر کو قبول فرما۔
اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ بلاشبہ تو ہی میری بات کو سننے والا اور میری نیت کو جاننے والا ہے۔ عمران نے بیوی کی یہ دعا اور منت سن کر کہا ارے ارے تو نے یہ کیا کیا لڑکی ہوئی تو کیا ہو گا اس خیال کے آتے ہی دونوں فکر میں پڑ گئے۔ مریمؑ کی پیدائش سے پہلے ہی عمران کا انتقال ہو گیا، حنہ یہ وہ ہو گئیں۔

فَلَمَّا وَضَعَتْہَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُہَا اُنْثٰی کیونکہ واقع میں وہ لڑکی تھی یا نفس وغیرہ کی تاویل کے لحاظ سے مونث کی ضمیر راجع کر دی گئی (یعنی حمل بھی ایک نفس تھا اور عربی میں نفس مونث ہے) مطلب یہ کہ جب حنہ نے لڑکی جنی تو حسرت کے ساتھ کہا کہ اے میرے رب میں نے یہ لڑکی

جی، یا اللہ کے سامنے معذرت پیش کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے کیونکہ لڑکی کو ہی بیت المقدس کی خدمت کے لئے حنہ نے وقف کیا (اور دستور کے خلاف کیا اس لئے اپنی مجبوری ظاہر کی)۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتَ
عظمت اور لڑکی کی حالت سے حنہ کی ناواقفیت ظاہر کی گئی ہے۔ ابن عامر، ابو بکر اور یعقوب کی قرأت وضعت بصیغہ متکلم آیا ہے اس وقت یہ حنہ کے کلام کا جز ہوگا۔ حنہ نے اپنے دل کو تسلی دینے کے لئے کہا کہ جو لڑکی پیدا ہوئی ہے اس سے خدا کو بخوبی واقفیت ہے ممکن ہے اس کی اس میں کوئی مصلحت ہو اور یہ لڑکی لڑکے سے بہتر ہو۔

وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ
یعقوب وغیرہ کی قرأت پر یہ جملہ بھی حنہ کے کلام کا جز ہوگا اور الذکر نیز الأنثیٰ میں الف لام جنسی ہوگا یعنی لڑکا چونکہ طاقتور اور مضبوط ہوتا ہے گر جاکی خدمت کر سکتا ہے اور لڑکی کمزور ہوتی ہے پھر اس کو عوارض نسوانی بھی ہوتے ہیں اس لئے گر جاکی خدمت کی صلاحیت نہیں رکھتی اس لئے لڑکا لڑکی کی طرح نہیں ہوتا (اور میں نے لڑکی جی ہے وہ گر جاکی خدمت کس طرح کر سکے گی)۔

لیکن مشہور قرأت پر یہ جملہ معترضہ ہوگا اور اللہ کا مقولہ ہوگا اس وقت دونوں جگہ الف لام عہدی ہوگا یعنی وہ لڑکا جو حنہ نے مانگا تھا اس لڑکی کی طرح نہیں ہو سکتا جو اس کو دی گئی۔ بلکہ وہ لڑکی اس لڑکے سے افضل تھی (اللہ کو اس کے بطن سے ایک عظیم الشان پیغمبر کو پیدا کرنا اور عجیب طریقہ سے پیدا کرنا مقصود تھا) مؤخر الذکر تشریح اول مطلب سے بہتر ہے اول مطلب پر لیست الانثیٰ کا ل ذکر کہنا چاہئے تھا (یعنی مشبہ یہ لڑکے کو اور مشبہ لڑکی کو قرار دے کر نفی تشبیہ کرنی چاہئے تھی)۔

وَلَا تَسْمِيْنَهَا مَرْيَمَ
رکھا کہ اللہ اس کو عابدہ بنادے۔ یعنی میں نے ہی اس کا نام مریم رکھا ہے مراد یہ کہ یہ مہربانی کی مستحق ہے نام رکھنے والا اس کا باپ بھی نہیں ہے یہ قیمہ ہے۔

وَلَا تَأْمُرْنَهَا بِمَنْ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ
اور میں شیطان مردود سے بچانے کے لئے اس کو اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ اصل لغت میں رجم کا معنی ہے پتھر مارنا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو بچہ پیدا ہوتا ہے پیدائش کے وقت شیطان اس کو ضرور مس کرتا ہے جس کی وجہ سے بچہ چیختا ہے سوائے مریم اور اس کے بچہ کے (کہ شیطان نے پیدائش کے وقت ان کو مس نہیں کیا) (متفق علیہ) یعنی حنہ کی اس دعا کی برکت سے (مریم اور ان کا بچہ شیطان کے مس سے محفوظ رہے) حضرت ابو ہریرہ کی دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام اولاد آدم کے دونوں پہلوؤں میں شیطان انگلی سے (پیدائش کے وقت) ٹھونگ مارتا ہے سوائے عیسیٰ بن مریم کے شیطان ان کے ٹھونگ مارنے چلا تھا مگر پردہ پر ٹھونگ مار سکا۔

میں کہتا ہوں کہ صحیح روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کا نکاح جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کیا تو فرمایا اے میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتا ہوں۔ حضرت علیؓ سے بھی یہی فرمایا تھا۔ رواہ ابن حبان من حدیث انس رضی اللہ عنہ۔

ظاہر ہے کہ حنہ کی دعا سے رسول اللہ ﷺ کی دعا زیادہ قابل قبول ہے لہذا مجھے امید ہے کہ حضرت سیدہ اور آپ ﷺ کی اولاد (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کو اللہ تعالیٰ نے شیطان سے محفوظ رکھا ہوگا اور شیطان نے ان کو چھوا بھی نہ ہوگا۔ اس صورت میں حضرت مریم اور ان کے بیٹے کے لئے شیطان کے عدم مس کی خصوصیت حقیقی نہیں ہوگی اضافی ہوگی یعنی ہر بچہ کو پیدائش کے وقت عام طور پر شیطان کچوکا مارتا ہے (کچھ خاص خاص افراد مستثنیٰ بھی ہیں جیسے) حضرت مریم اور ان کے بیٹے (اور حضرت فاطمہؓ اور ان کی اولاد) کو اللہ نے محفوظ رکھا۔

فَتَقَبَّلَهَا
پس اللہ نے حنہ سے مریم کو قبول کر لیا پیدائش ہوتے ہی لے لیا۔ مؤخر الذکر ترجمہ پر تَقَبَّلَ، اِسْتَقْبَلَ

کے معنی میں ہوگا جیسے تَعَجَّلَ اِسْتَعَجَلَ کے معنی میں آتا ہے۔

رَبُّهَا بِقَبُولِ حَسَنِ قبول، وہ شے جس کے ساتھ کسی چیز کو قبول کیا جائے (مثلاً کشادہ روئی، یار و گردانی، اظہار مسرت، ترش روئی وغیرہ) جیسے سَعَوْۃٌ اور لدود (ناس جس سے چھینک لی جاتی ہے۔ جھگڑے کی چیز) یعنی اللہ نے اچھے طریقہ سے مریمؑ کو قبول کیا۔ قبول اس جگہ مصدر نہیں ہے ورنہ قبولا حسنا کہا جاتا اگر مصدری معنی لیا جائیگا تو (تاویل کرنی ہوگی)

تقدیر کلام اس طرح ہوگی فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِأَمْرٍ ذِي قَبُولٍ حَسَنِ حضرت مریمؑ کو بغیر کسی سابق عمل اور کوشش کے اللہ نے اپنی مہربانی سے برگزیدہ بنایا، سارے جہان کی عورتوں پر فضیلت عطا کی، معاصی اور حیض سے پاک رکھا، اس لئے جس قبول حسن کے ساتھ اللہ نے ان کو لیا، اس سے مراد ہے ان لوگوں کا سا قبول جو درجہ مرادیت و محبوبیت پر فائز ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کا سا قبول مراد نہیں جو اہل ارادت و اجتہاد ہیں (کہ اللہ کے بتائے ہوئے راستہ پر چلتے اور ہر وقت مرضی الہی کے طلب گار رہتے ہیں آخر کار اللہ ان کے اعمال کو قبول فرمالتا ہے) اور مصدری معنی کی صورت میں قبول سے مراد ہوگا اس امر کی وجہ سے قبول کرنا جس کو ہم اختصاص بھی کہہ سکتے ہیں، جس طرح تمام منتخب لوگوں کے تعین کا مبداء یہی اختصاص ہوتا ہے۔ اسی طرح حضرت مریمؑ کے تعین کا باعث بھی یہی اختصاص الہی تھا (یعنی اللہ نے اپنی طرف سے مریمؑ کے اندر ایک خصوصیت رکھی تھی جو مریمؑ کے منتخب ہونے کا باعث ہوئی)۔

وَ اَنبَتْنَاهَا نَبَاتًا حَسَنًا اور اللہ نے مریمؑ کو اچھی بالیدگی کے ساتھ بڑھایا چنانچہ ایک دن میں آپ کا بڑھاؤ اتنا ہوتا تھا جتنا دوسرے بچوں کا سال بھر میں ہوتا ہے۔ ابن جریرؒ نے عکرمہؒ، قتادہؒ اور سدئیؒ کے اقوال لکھے ہیں کہ جب مریمؑ پیدا ہوئیں توحنہ نے ایک کپڑے میں لپیٹ کر ان کو مسجد میں لے جا کر مشائخ مسجد کے سامنے رکھ دیا، یہ مشائخ ہارون کی اولاد میں سے تھے اور بیت المقدس کے متولی تھے جیسے دربان کعبہ کے متولی ہوتے ہیں اور ان سے جا کر کمالو یہ نذیرہ ہے (منت میں پیش کی ہوئی لڑکی) مریم علیہ السلام چونکہ ان کے امام اور متولی قربانی کی بیٹی تھیں اس لئے سب نے ان کو لے لینے کی بڑھ چڑھ کر خواہش کی۔ حضرت زکریاؑ نے فرمایا میں اس کا سب سے زیادہ مستحق ہوں کیونکہ اس کی خالہ میری بی بی ہے۔ آپ کی بیوی اشیاع بنت قاقودا تھی جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ تھی۔ دوسرے مجاوروں نے بغیر قرعہ اندازی کے دینے سے انکار کیا، غرض سب مشائخ جن کی تعداد ستائیس تھی دریا پر گئے۔ سدئیؒ نے اس دریا کا نام اردن بتایا ہے۔ سب نے اپنے قلم اس شرط پر پانی میں ڈالے کہ جس کا قلم پانی میں رک جائے گا اور سیدھا رہے گا وہی بچی کو لینے کا مستحق ہوگا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ لوگ تورات کی نقل کر رہے تھے اور ان کے ہاتھوں میں قلم تھے چنانچہ انہوں نے اپنے قلم پانی میں ڈال دیے۔ زکریا علیہ السلام کا قلم ٹھہر گیا اور پانی کے اوپر اٹھ آیا باقی قلم پانی کے اندر چلے گئے، اور یہ نشین ہو گئے، یہ قول محمد بن اسحاق کا ہے۔ سدئیؒ نے اور ایک جماعت نے لکھا ہے کہ زکریا کا قلم رک کر پانی کے اوپر کھڑا ہو گیا جیسے مٹی میں گر گیا ہو باقی لوگوں کے قلم بہ گئے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ زکریا کا قلم بھی بہا تھا مگر سیدھا ہو کر پانی کے اوپر چڑھتا ہوا، باقی قلم معمول کے موافق پانی کے ساتھ بہ گئے۔ غرض زکریا کے نام کا قرعہ نکل آیا، زکریا تمام مشائخ کے سردار اور نبی تھے۔

وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا اور اللہ نے زکریاؑ کو مریمؑ کا کفیل بنادیا کفیل کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے کیونکہ تمام اذہان میں یہ بات راسخ ہے کہ یہ سب کام اللہ ہی کے حکم سے ہوئے (اس لئے مرجع کا پہلے ذکر ضروری نہیں) یا زَبَّحًا کی طرف ضمیر راجع ہے۔ بعض قراتوں میں كَفَّلَهَا بغیر تشدید کے آیا ہے۔ جمہور کے نزدیک زکریا علیہ السلام فاعل ہے یعنی زکریا، مریم کے ذمہ دار بنے اور کوفیوں کے نزدیک زکریا علیہ السلام مفعول ہے یعنی اللہ نے قرعہ اندازی کے بعد زکریا کو مریم کا ذمہ دار بنادیا۔ زکریا بن اذن بن مسلم بن صدون حضرت سلیمانؑ کی نسل میں سے تھے۔ صدون حضرت سلیمانؑ کا بیٹا تھا حضرت زکریا نے مریمؑ کے لئے ایک حجرہ بنوایا اور دودھ پلانے کے لئے ایک عورت مقرر کر دی۔ محمد بن اسحاق کی روایت میں ہے کہ

قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً
 اولاد عطا فرما۔ چونکہ حضرت زکریا کی بیوی بانجھ تھی اور آپ بہت بوڑھے ہو گئے تھے اس لئے عرض کیا کہ اپنی طرف سے پاکیزہ معمول کے خلاف مجھے اولاد عطا فرما۔ جیسے دستور اسباب کے خلاف تو مریم کو رزق عطا فرماتا ہے۔ ذریعہ سے مراد ہے اولاد اس کا اطلاق واحد، جمع اور مذکر، مونث سب پر ہوتا ہے۔ طیبہ سے مراد ہے نیک، گناہوں سے پاک معصوم۔
 اِنَّكَ سَمِيعٌ دَاعٍ ۝۱۵
 بیشک تو دعا سننے والا یعنی قبول کرنے والا ہے۔

فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ
 پس ملائکہ نے زکریا کو پکارا، پکارنے والے تنہا جبرئیل تھے، یہ قول حضرت ابن مسعود کا ہے، جس کو ابن جریر نے نقل کیا ہے۔ اس صورت میں ملائکہ کو بصیغہ جمع ذکر کرنے وجہ بر قول مفضل بن مسلمہ یہ ہے کہ جب کسی قول کا فاعل جماعت کا سردار ہوتا ہے تو جماعت کی طرف اس قول کی نسبت صحیح ہوتی ہے کیونکہ سب اپنے سردار کے قول پر متفق ہوتے ہیں۔ جبرئیل بھی سید الملائکہ تھے عموماً ان کے ساتھ فرشتوں کی جماعت رہتی تھی۔ بعض نے یہ معنی بیان کیا کہ الملائکہ سے جنس مراد ہے یعنی فرشتوں کی جنس میں سے کسی نے پکارا جیسے کہا جاتا ہے زید یرکب الخیل زید گھوڑوں پر یعنی کسی نہ کسی گھوڑے پر سوار ہوتا ہے۔

وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ
 اور زکریا اس وقت مسجد کے اندر کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔
 زکریا (علیہ السلام) سچ اعظم تھے۔ قربانی پیش کرنا اور قربان گاہ کا دروازہ کھولنا آپ ہی کے سپرد تھا۔ آپ کی اجازت کے بغیر کوئی اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا ایک روز قربان گاہ کے پاس مسجد کے اندر کھڑے نماز پڑھ رہے تھے اور لوگ اجازت داخلہ کے منتظر تھے کہ اچانک ایک نوجوان سفید کپڑے پہنے نمودار ہوا وہ جبرئیل تھے آپ ڈر گئے جبرئیل نے ندا دی زکریا۔
 اِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ
 کہ اللہ تم کو بچے کے پیدا ہونے کی بشارت دے رہا ہے۔ بچے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مال کے بانجھ بن کو اللہ نے ان کی وجہ سے کھودیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہی فرمایا۔ قادمہ نے وجہ تسمیہ یہ بیان کی کہ اللہ نے ان کے دل کو ایمان و اطاعت کی وجہ سے زندگی عطا فرمائی تھی، کبھی آپ نے گناہ نہیں کیا بلکہ نافرمانی کا ارادہ بھی نہیں کیا۔
 مُصَدِّقًا لِّكَلِمَةِ رَبِّكَ
 بچے علیہ السلام اللہ کے کلمہ کی یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرنے والے ہوں گے عیسیٰ کو کلمہ اللہ کہنے کی یہ وجہ ہے کہ آپ بغیر باپ کے صرف لفظ کن سے پیدا ہوئے تھے۔ سب پر مسبب کا اطلاق کر دیا گیا (لفظ کن حضرت عیسیٰ کی پیدائش کا سبب تھا لہذا عیسیٰ کو ہی کلمہ کہہ دیا گیا) بعض نے یہ وجہ تسمیہ بیان کی کہ جس طرح اللہ کے کلام سے لوگوں کو ہدایت ملتی ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ کی ذات سے لوگ ہدایت یاب ہوتے تھے (گویا ہدایت آفرینی میں آپ کی ذات ہی کلام اللہ تھی) صوفیہ نے کہا کہ حضرت عیسیٰ کا مبدء تعین اللہ کی صفت کلامیہ تھی (اسی لئے شیر خوارگی کی حالت میں آپ نے کلام کیا تھا)۔

حضرت یحییٰ نے سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لائے۔ حضرت یحییٰ کی عمر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چھ ماہ زیادہ تھی۔ صحیحین میں حدیث معراج کے ذیل میں آیا ہے کہ یحییٰ اور عیسیٰ باہم خالہ زاد بھائی تھے لیکن ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ یحییٰ مرحوم کی خالہ کے بیٹے تھے (گویا حضرت یحییٰ آپ کے ماموں تھے) اگر روایت کی صحت ثابت ہو جائے تو دونوں میں مطابقت اس طرح ہو جائے گی کہ حدیث میں خالہ زاد بھائی قرار دینا بر سبیل مجاز ہو گا جیسے رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا تمہارے چچا کا بیٹا کہاں ہے۔ حالانکہ حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ کے والد کے چچا کے بیٹے تھے لیکن مجازاً حضرت فاطمہؓ کے چچا کا بیٹا حضرت علیؓ کو قرار دیدیا۔ حضرت یحییٰ کی شہادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھانے سے پہلے ہوئی تھی۔ ابو عبیدہؓ نے کہا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ كَمَا مَعْنٰی ہے بِكَلِمَةٍ مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ وَمِنْ اٰیٰتِ كَلَامِ اللّٰهِ۔
 وَسَيِّدًا
 اور یحییٰ اپنی قوم کے سردار ہوں گے یعنی علم، عبادت، پرہیزگاری اور تمام خصال خیر میں سب کے

سردار ہوں گے۔ مجاہد نے سید کا ترجمہ کیا ہے عند اللہ معزز بعض نے کہا ایسا حلیم جس کو کسی وجہ سے غصہ نہ آئے۔ سفیان نے کہا سندنہ کرنے والا۔ بعض نے قانع اور بعض نے سخی بھی ترجمہ کیا ہے۔ جنید نے کہا سید وہ ہے جس نے دونوں جہان دے کر خالق جہاں کو لے لیا۔

وَحَصُورًا یہ لفظ حصر سے مشتق ہے۔ حصر کے معنی ہیں بندش روک۔ حضرت یحییٰ عورتوں سے قربت صنفی نہیں کرتے تھے۔ اس کی علت بعض نے یہ بیان کی کہ آپ پیدائشی نامرد تھے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یحییٰ پیدائشی نامرد بھی ہوں تب بھی اس جگہ حَصُورًا سے یہ مفہوم مراد نہیں ہے، مقام مدح کا ہے اور عنین ہونا قابل مدح چیز نہیں۔ بلکہ حَصُورًا سے مراد ہے اپنے نفس کو خواہشات اور لہو و لعب سے روکنے والا۔

ابن جریر ابن المنذر ابن ابی حاتم اور ابن عساکر نے حضرت عمرؓ بن عاص کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی اللہ کا بندہ ایسا نہیں کہ اللہ کے سامنے بغیر گناہ کئے جائے، سوائے یحییٰ بن زکریا کے اللہ نے خود ان کے متعلق فرمادیا ہے۔ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ یحییٰ کی شرم گاہ کپڑے کی جھار کی طرح تھی (یعنی مادر زاد عنین تھے) حضور ﷺ کا آخری فقرہ کہ یحییٰ کی شرم گاہ کپڑے کی جھار کی طرح تھی۔ حضور ہونے کا بیان نہیں ہے بلکہ ایک واقعہ کا بیان ہے۔ حقیقت میں حضور ہونے کا بیان وہ ہے جو اوپر گزر گیا کہ آپ معصوم تھے بلکہ ابن ابی شیبہ نے (مصنف میں) اور امام احمد نے الزہد میں نیز ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول موقوفاً یہی نقل بھی کیا ہے جو سابق کی حدیث مرفوع سے اسناد کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے۔

ابن ابی حاتم اور ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام ابن آدم جب اللہ کے سامنے جائیں گے تو اس گناہ کے ساتھ جائیں گے جو ان سے سرزد ہوا ہو گا اگر اللہ چاہے گا تو معاف کر دے گا اور چاہے گا تو عذاب دے گا، سوائے یحییٰ بن زکریا کے کہ وہ سید اور حضور تھے (انہوں نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں اس لئے اللہ کے سامنے جائیں گے تو بے گناہ کے جائیں گے) اور نبی تھے اور صالحین کی نسل میں سے تھے اس کے بعد حضور ﷺ نے دست مبارک جھکا کر زمین سے ایک تنکا اٹھلایا اور فرمایا ان کی شرم گاہ اس تنکے کی طرح تھی۔

عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں قتادہ کا قول موقوفاً اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں حضرت معاذ بن جبل کی روایت سے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ حضرت یحییٰ بچپن میں کچھ بچوں کی طرف سے گزرے لڑکوں نے ان کو کھیلنے کے لئے بلایا آپ نے فرمایا ہم کھیلنے کے لئے نہیں پیدا ہوئے ہیں۔

وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ اور نبی تھے اور نیکوں کی نسل سے تھے یعنی معصوم انبیاء کی نسل سے تھے۔ یا ان لوگوں میں سے تھے جو صغیرہ کبیرہ گناہ سے پاک تھے۔

قَالَ سَتِ ابْنِي يَكُونُ لِيْ عِلْمًا حضرت زکریا نے جبریلؑ کی طرف توجہ دیے بغیر مناجات میں کہا اے میرے رب میرا لڑکا کہاں ہو سکتا ہے۔ حضرت زکریا سے اس قول کا صدور بلا اختیار بتقاضا بشریت ہوا تھا۔ آپ کو عادت قدرت کی اس شکست پر تعجب بھی ہوا اور حیرت بھی اور اس بات کو آپ نے بہت بڑا بھی سمجھا مگر یہ سب کچھ طبیعت بشری کے زیر اثر ہوا ابھی طبیعت بشری عقل اور علم پر غالب آجاتی ہے۔ علم اور عقل کا فیصلہ ہے کہ قدرت خدا سے نہ کوئی چیز بعید ہے نہ تعجب انگیز، مگر طبیعت بشری معمولی قدرت کی شکست کو بعید بھی جانتی ہے اور عجیب بھی۔ جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وعدہ کر لینے کے بعد بھی (بتقاضا بشریت) حضرت خضر پر اعتراض کیا تھا حالانکہ پہلے کہہ چکے تھے سَتَجِدُنِيْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَا اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا۔

لے جزری نے نہایت میں لکھا ہے کہ لفظ کا اطلاق رب، مالک، سردار، فاضل، کریم، حلیم، متحمل، زوج، رئیس، قوم اور پیشوا سب ہی پر ہوتا ہے یہ سادہ سود سے صفت متعجب کا صیغہ ہے اصل میں سیود تھا ساکن باء کی وجہ سے واو کو باء سے تبدیل کر کے اوغام کر دیا، مولف

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ
یہ مذکورہ قصے غیب کی اطلاعات ہیں۔

نُوحِيْهِ اِلَيْكَ
وحی کے ذریعہ سے ہم آپ کے پاس بھیجتے ہیں۔

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهُمْ اَدْبِلُوْنَ اَقْلَامَهُمْ
اور آپ ان کے پاس نہیں تھے جب وہ قرعہ اندازی کے لئے

اپنے قلم دریا میں ڈال رہے تھے۔ یہ وحی ہونے کی تاکید اور منکرین کے ساتھ استہزاء کا کلام ہے کیونکہ علم کے تین ہی ذرائع ہیں۔ عقل یا کسی خبر کا کان سے سننا یا مشاہدہ کرنا۔ گزشتہ قصوں کا اپنی عقل سے دریافت کر لینا بدلتہ ممکن نہیں اور نہ سننا

بھی تسلیم شدہ چیز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ خود لکھنا پڑھنا جانتے نہ تھے کہ کتابوں میں پڑھ کر معلوم کر لیتے اور خبر دینے والا کوئی

موجود نہ تھا۔ رہ گیا مشاہدہ تو کوئی دانشمند اس کا گمان بھی نہیں کر سکتا (کہاں حضور ﷺ کا زمانہ اور کہاں پانسو برس پہلے مریم اور حنہ کا زمانہ) لامحالہ ایسی صحیح خبریں حضور ﷺ نے وحی سے حاصل کر کے معجزہ کے طور پر بتائیں اس سے آپ ﷺ کا یقینی

طور پر نبی ہونا اور اس بیان کا وحی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ

وہ کہہ رہے تھے کہ مریم کی ذمہ داری اپنے اوپر کون لے لیا یہ مطلب ہے کہ وہ قرعہ

اندازی یہ معلوم کرنے کے لئے کر رہے تھے کہ کون مریم کی کفالت کرے۔

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهُمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۵﴾
اور آپ ان کے پاس اس وقت بھی نہ تھے جب وہ مریم کی کفالت

کیلئے باہم جھگڑا کر رہے تھے۔

اِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ

یہ سابق اِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ سے بدل ہے، درمیان میں کلام بطور معترضہ کے تھا۔ اس

قصہ کو ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے رسول اللہ ﷺ کو وحی کا ممنون کرنا اور کافروں کو ان کی جہالت و عناد پر تنبیہ کرنا۔

لِيْمَرْيَمَ اِنَّ اللّٰهَ يَبْشُرُكِ بِكَلِمَةٍ مِنْهُ فَاسْمِعِي الْاَسْمٰءَ الْمَسِيْحَ

یاد کرو کہ جب جبریلؑ نے مریم سے کہا

مریم تجھے اللہ ایسے کلمہ کی بشارت دے رہا ہے جس کا نام مسیح ہوگا۔ اسمہ کی ضمیر کلمہ کی طرف راجع ہے کلمہ سے مراد ہیں

حضرت عیسیٰ، اس لئے ضمیر مذکر کی ذکر کی۔ مسیح کو مسیح برکت کی وجہ سے کہا گیا جیسے دجال کو دجال نحوست کی وجہ سے۔

مسیح عبرانی زبان میں مشیحا تھا جس کا معنی ہے مہدک۔ بعض نے عیسیٰ کو مسیح کہنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ آپ کی ذات

سے تمام گندگیاں صاف کر دی گئیں اور آپ کو گناہوں سے پاک رکھا گیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے مسیح کہنے کی یہ وجہ بیان کی

ہے کہ آپ جس دکھی بیمار کو ہاتھ لگاتے تھے وہ تندرست ہو جاتا تھا (مذکورہ بالا دونوں قولوں پر مسیح کا مادہ مسیح ہوگا اور مسیح کا معنی

پونچھنا، صاف کرنا۔ برحق اول اور چھوٹا ہاتھ لگانا۔ برحق دوم ہے) بعض نے کہا آپ ہمیشہ سیاحت کرتے رہتے تھے کہیں مقیم

نہیں ہوتے تھے اس لئے مسیح کہا گیا (اس صورت میں مسیح کا مادہ مسیح ہوگا) قاموس میں مسیح کا ترجمہ کثیر ایساحہ لکھا ہے

(گویا سیاحت سے مسیح مبالغہ کا صیغہ ہے) ابراہیم غمی نے فرمایا مسیح صدیق حضرت عیسیٰ تھے اور مسیح کذاب دجال تھا۔ اس

وقت یہ لفظ اضداد میں سے ہوگا۔ (کذا فی القاموس) صحاح میں جوہری نے لکھا ہے کہ بعض لوگوں کا قول ہے کہ مسیح وہ شخص

ہوتا ہے جس کی ایک آنکھ مٹا دی گئی ہو اور روایت میں آیا ہے کہ دجال کی سیدھی آنکھ مٹی ہوئی ہوگی اور عیسیٰ کے متعلق بھی

کہا گیا ہے کہ آپ کی بائیں آنکھ مٹی ہوئی تھی ان دونوں قولوں کا مطلب یہ ہے کہ دجال کے اندر سے خصال حمیدہ کا ازالہ کر دیا

گیا تھا۔ ایمان، علم، عقل، حلم اور دوسرے محاسن سے وہ محروم تھا اور حضرت عیسیٰ کے اندر سے بری خصلتیں بالکل نکال دی

گئی تھیں۔ جہالت، حرص، حب مال، کجروی وغیرہ، ہر بری بات سے آپ پاک تھے۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے کہ لفظ مسیح

کے اشتقاق کے متعلق میں نے اپنی کتاب شرح مشارق الانوار وغیرہ میں پچاس قول لکھے ہیں۔

عِيسٰی

یہ لفظ معرب ہے بعض کا قول ہے کہ عبرانی زبان میں اصل لفظ یثوع ہے جس کا معنی ہے سردار، عیسیٰ آپ

کا نام اور مسیح لقب اور ابن مریم کنیت تھی۔ نام لقب اور کنیت سے زیادہ عام ہوتا ہے اس سے مسمیٰ کا کامل امتیاز ہو جاتا ہے۔

ابن مریم، ایک وصف ہے لیکن ایسی صفت ہے کہ اسماء کی طرح اپنے موصوف کو ممتاز کرتی ہے اس

ابْنُ مَرْيَمَ

لئے اسماء میں اس کا شمار کیا گیا۔ بجائے اسمہ کے اسماء ہ نہیں فرمایا باوجودیکہ اسماء تین ذکر کئے اس لئے کہ لفظ اسم، اسم جنس ہے جس کی اضافت استغراق کے لئے کی گئی ہے۔ استغراق اگرچہ افراد ہی ہے لیکن استغراق افراد ہی کے مجموعہ پر متحد کو محمول کرنا درست ہے جیسے آیت ماسن دابہ الا اسم امثالکم میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ابن مریم بجائے خود خبر ہو اور ہو ضمیر مبتدا مخدوف ہو۔ ابن مریم عیسیٰ کی صفت نہیں ہے کیونکہ آپ کا نام صرف عیسیٰ تھا عیسیٰ ابن مریم نہیں تھا۔ باوجودیکہ خطاب مریم کو ہے پھر بھی (ابنک کہنے کی بجائے) ابن مریم اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے فرمایا کہ عیسیٰ کا کوئی باپ نہیں ہوگا کیونکہ عام طور پر اولاد کی نسبت باپ کی طرف کی جاتی ہے ماں کی طرف صرف اسی صورت میں کی جاتی ہے کہ باپ موجود ہی نہ ہو۔

وَجِئْنَا یعنی وہ باعزت، عالی مرتبہ اور باوجاہت ہوگا۔ یہ کلمہ کا حال ہے اور کلمہ نکرہ موصوفہ ہے اس لئے ذوالحال ہو سکتا ہے۔

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں نبی اور مقتداء خلق ہونے کی وجہ سے اور آخرت میں شفیع اقوام اور جنت میں عالی مرتبہ پر فائز ہونے کی وجہ سے۔

وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝ اور اللہ کے مقربین میں سے ہوگا یعنی اس کو قرب ذاتی اور دوائی تجلیات ذاتیہ حاصل ہوں گی۔ اور پالنے میں لوگوں سے باتیں کرے گا یعنی شیر خوارگی کی حالت میں کلام کریگا۔ اور درمیانی عمر کی حالت میں بھی لوگوں سے باتیں کرے گا۔ جیسے دوسرے انبیاء کرتے ہیں یعنی اس کے کلام کے لئے اول و آخر عمر کا کوئی فرق نہیں ہوگا۔ وہ متوسط عمر کی طرح شیر خوارگی میں بھی باتیں کرے گا۔ اس جملہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ سن کمولت کو پہنچنے سے پہلے اس کی وفات نہیں ہوگی۔ اور کمولت سے اس کی عمر آگے نہیں بڑھے گی۔ حسن بن فضل نے کہا یعنی آسمان سے اترنے کے بعد وہ کلام کرے گا کیونکہ آپ کو سن کمولت سے پہلے آسمان پر اٹھایا گیا تھا (اس لئے آسمان پر اٹھانے سے پہلے بحالت کمولت کلام کرنے کا احتمال نہیں)۔

مجاہد نے کہا کھلا سے مراد ہے حلیم ہونا۔ عرب سن کمولت کی مدح کرتے ہیں اس عمر میں عقل میں پختگی، رائے میں جودت اور تجربہ ہو جاتا ہے۔ کمولت سے پہلے تجربہ ناقص ہوتا ہے اور عقل بھی درجہ کمال تک نہیں پہنچتی اور کمولت کے بعد عقل میں کمزوری آجاتی ہے۔ وَيَكَلِّمُ النَّاسَ كَاعْطَفٍ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ پر ہے حالت شیر خوارگی میں کلام کرنے کی صراحت میں مریم کو تسلی دینا مقصود ہے کہ بغیر شوہر کے بچہ ہونے پر جو لوگ ملامت کریں گے اس کا ازالہ یہ بچہ خود کر دے گا تم کو اندیشہ نہ کرنا چاہئے۔

وَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝ اور وہ صالحین میں سے ہوگا اس کے دین میں کوئی نقص و بگاڑ نہیں ہوگا انبیاء کی یہی شان ہوتی ہے گویا مِنَ الصَّالِحِينَ کے معنی ہیں مِنَ النَّبِيِّينَ۔

قَالَتْ رَبِّ اَنْیْ یَکُونُ لِیْ وَلَدٌ وَلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشْرٌ ۖ ہوگا مجھے تو کسی مرد نہیں چھوا، مریم نے یہ بات اظہار تعجب و حیرت کے طور پر کہی تھی یا یہ دریافت کرنا مقصود تھا کہ نکاح کے بعد بچہ پیدا ہو گیا یا وہ نہی بغیر مرد کے۔

قَالَ کَذٰلِکَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ اللہ نے جبرئیل کی زبان سے فرمایا یونہی (بچہ ہوگا) اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔

اِذَا قَضٰی اَمْرًا ۖ جب وہ کسی چیز کے ہونے کا فیصلہ کر لیتا ہے۔ تُوَاسِیْ فِیْہِ لَہٗ کُنْ فِیْکُوْنُ ۝ تو اس چیز کے ہونے کا حکم دے دیتا ہے بس فوراً وہ چیز ہو جاتی ہے یعنی جس طرح عادی اسباب اور مادہ کے ذریعہ ترتیب کے ساتھ اللہ چیزوں کو پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے اسی طرح بغیر اسباب کے

یکدم بھی پیدا کر سکتا ہے۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ

اس جملہ کا عطف یَخْلُقُ یا یَسْتَرْسِک پر ہے۔ مریم کو جب معلوم ہوا کہ بچہ یونہی بغیر مرد کے پیدا ہوگا تو ان کو فکر ہوئی اور لوگوں کی لعنت ملامت کا اندیشہ پیدا ہوا، اس فکر کو دور کرنے اور ان کے دل کو تسکین دینے کے لئے فرمایا کہ اللہ اس کو لکھنا سکھائے گا، کتاب سے مراد ہے تحریر اور خط چنانچہ آپ اپنے زمانہ میں سب سے بڑے خوش نویس تھے یا آسمانی کتابیں مراد ہیں یعنی اللہ ان کو آسمانی کتابوں کا علم عطا فرمائے گا من جملہ دیگر کتب کے تورات و انجیل کا خصوصی ذکر اس وجہ سے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ کے لئے یہ دونوں کتابیں زیادہ اہم تھیں فروغ اعمال میں ان کی پابندی آپ کیلئے لازم تھی، اصول دین تو تمام آسمانی کتابوں کے ایک ہی ہیں۔

وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ۝

اور سمجھ اور تورات و انجیل (یعنی سمجھ عطا فرمائے گا اور تورات و انجیل کے

علوم خصوصیت کے ساتھ عنایت کرے گا)۔

وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ ۖ

رسولاً میں تنوین اظہار عظمت کے لئے ہے اور فعل مخدوف ہے یعنی ہم

اس کو بنی اسرائیل کے پاس عظیم الشان پیغمبر بنا کر بھیجیں گے۔

یہاں حرف جر مخدوف ہے اور (رسولاً سے اس کا تعلق ہے یا احوال مذکورہ پر عطف

آتِی قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ

ہے اور رسالت نطق کے معنی کو متضمن ہے۔ مطلب اس طرح ہوگا کہ ہم اس کو بنی اسرائیل کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجیں گے، اور وہ ان سے کہے گا کہ میں تمہارے پاس معجزہ لے کر آیا ہوں جو میری رسالت کو ثابت کر رہا ہے، حضرت عیسیٰ کے معجزات اگرچہ متعدد تھے مگر آپ کی صداقت تمام معجزات سے ایک ہی طرح ثابت ہوتی تھی اس لئے بایات کی جگہ ہائیۃ فرمایا۔

مِنْ رَبِّكُمْ ۖ یہ آیت کی صفت ہے یعنی معجزہ ایسا ہوگا، جو اللہ کا دیا ہوا ہوگا، بایجئتکم سے اس کا تعلق ہے یعنی میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے آیا ہوں۔

آتِیَ أَخْلَقْتُ لَكُمْ مِنَ الطَّيْرِ

کہ میں تمہارے سامنے مٹی کی ایک مورت بناؤں گا۔ خلق کا معنی ہے صورت بنانا

اندازہ کرنا۔

كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ

پرندہ کی شکل جیسی، ہیئت کا معنی ہے بنائی ہوئی صورت۔

فَأَنفَخُ فِيهِ

یعنی اس مٹی میں پھونک ماروں گا یا فیه کی ضمیر کاف کی طرف راجع ہے یعنی اس مورت میں پھونک

ماروں گا جو پرندہ جیسی ہوگی۔

فَيَكُونُ طَيْرًا

پس وہ پرندے یا پرندہ ہو جائے گی، بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے صرف چمگاڑ بنائی تھی چمگاڑ کی خصوصیت کی وجہ یہ تھی کہ تخلیق (اور ساخت) کے لحاظ سے چمگاڑ سب پرندوں سے زیادہ کامل ہے اس کے پستان بھی ہوتے ہیں اور دانت بھی اور اس کو حیض بھی آتا ہے (گویا چوپایہ سے زیادہ مشابہ ہے) وہب نے بیان کیا وہ پرندہ جب تک لوگوں کی نظروں کے سامنے ہوتا تھا اڑتا رہتا تھا اور آنکھوں سے غائب ہوتے ہی گر کر مر جاتا تھا، ایسا صرف اس لئے ہوتا تھا کہ براہ راست خدائی تخلیق اور بندہ کی وساطت سے تخلیق میں فرق واضح ہو جائے۔

يَاٰدِیْنِ اللّٰہِ

اللہ کی اجازت یعنی اللہ کے حکم سے، اس لفظ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ عطاء زندگی میری طرف سے نہیں

ہوگی بلکہ اللہ کی طرف سے ہو۔

وَأُبْرِیْ الْأَکْمَةَ

آکْمہ کا معنی ہے نابینا (حسن و سدی) یا وہ شخص جس کی آنکھیں دھنسی ہوئی ہوں

(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما) یا وہ شخص جس کی نظر کمزور ہو اور آنکھوں سے آنسو بہتے ہوں (عکرمہ) یا وہ شخص جس کو دن میں دکھتا ہو، رات کو نظر نہ آتا ہو (مجاہد)۔

اور میں تندرست کر دوں گا اندھے کو اور سفید داغ والے کو، یہ دونوں بیماریاں لاعلاج ہیں۔

وَالْأَبْوَصَ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کا زور تھا اس لئے آپ نے لوگوں کو طبی معجزہ دکھایا جیسے حضرت موسیٰ کے زمانہ میں جادو کا بہت شور تھا اس لئے آپ نے ہر ماہر جادوگر کو عاجز کر کے دکھادیا اور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں کلام کی بلاغت و فصاحت کا بڑا چرچا تھا اس لئے قرآن نے ان کو بلاغت میں زیر کر دیا اور حکم دیا فاتو بسورۃ من مثله۔

وہب بن منبہ نے بیان کیا کہ ایک ایک دن میں پچاس پچاس ہزار مریض حضرت کے پاس جمع ہو جاتے تھے جو خود آسکتا تھا آجاتا تھا جو نہیں آسکتا تھا آپ اس کے پاس چلے جاتے تھے اور بیمار یوں، لپا، بچوں اور اندھوں کیلئے ان الفاظ سے دعا کرتے تھے۔
 اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اِلٰهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ اِلٰهُ مَنْ فِي الْاَرْضِ لَا اِلٰهَ فِیْهِمَا غَیْرُكَ وَاَنْتَ حَبَّارُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ حَبَّارُ مَنْ فِي الْاَرْضِ لَا حَبَّارَ فِیْهِمَا غَیْرُكَ وَاَنْتَ مَلِکُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَلِکُ مَنْ فِي الْاَرْضِ لَا مَلِکَ فِیْهِمَا غَیْرُكَ قَدْرَتُكَ فِی الْاَرْضِ کَقَدْرَتِكَ فِی السَّمٰوٰتِ سُلْطٰنُکَ فِی الْاَرْضِ کَسُلْطٰنِکَ فِی السَّمٰوٰتِ اَسْأَلُکَ بِاسْمِکَ الْکَرِیْمِ وَ وَجْهِکَ الْمُنِیْرِ وَ مَلِکَ الْقَدِیْمِ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ ۱

وہب نے لکھا یہ دعا خفقان اور جنون کے لئے ہے مجنون اور خفقانی پر یہ دعا پڑھ کر دم کی جائے اور لکھ کر پانی سے دھو کر پلائی جائے، انشاء اللہ صحت ہو جائے گی۔

وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ اور اللہ کے حکم سے میں مردوں کو زندہ کروں گا، مردوں کو زندہ کرنا بشری فعل کی جس سے خارج ہے، تو ہم الوہیت کو دور کرنے کے لئے آپ نے مکرر باذن اللہ فرمایا، بغویٰ نے لکھا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چار آدمیوں کو زندہ کیا، عاذر، ایک بوڑھا کا بیٹا، عاشر کی بیٹی، سام بن نوح۔ عاذر آپ کا دوست تھا مرنے لگا تو اس کی بہن نے حضرت کے پاس پیام بھیجا کہ آپ کا دوست مر رہا ہے، درمیانی مسافت تین روز کا سفر چاہتی تھی آپ اپنے ساتھیوں سمیت پہنچے تو عاذر کو مرے تین دن ہو گئے تھے حضرت نے اس کی بہن سے فرمایا مجھے اس کی قبر پر لے چل عاذر کی بہن قبر پر لے گئی آپ نے اللہ سے دعا کی عاذر اٹھ کھڑا ہوا اس کے بدن سے روغن نیک رہا تھا پھر قبر سے نکل آیا اور مدت تک زندہ رہا اس کے اولاد بھی ہوئی۔

ایک بوڑھا کے بیٹے کا جنازہ چارپائی پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے گزرا، آپ نے دعاء کی وہ فوراً چارپائی پر اٹھ بیٹھا لوگوں کے کندھوں سے نیچے اتر آیا اور کپڑے پہن کر چارپائی اپنی گردن پر اٹھا کر لوٹ کر گھر پہنچ گیا وہ بھی بعد کو زندہ رہا اور اس کے بھی بچے ہوئے، ایک شخص عاشر یعنی محصل نیکیں تھا۔ اس کی بیٹی ایک روز پہلے مر گئی حضرت نے دوسرے روز اللہ سے دعا کی اللہ نے اس کو زندہ کر دیا وہ بھی بعد کو زندہ ہی رہی اور اس کے بھی بچے پیدا ہوئے، سام بن نوح کی قبر پر آپ خود گئے اور اللہ کا اسم اعظم لے کر صاحب قبر کو پکارا سام قبر سے نکل آیا قیامت پانہونے کے اندیشہ سے اس کا آدھا سر سفید ہو چکا تھا اس زمانہ میں لوگوں کے بال سفید نہیں ہوتے تھے، سام نے کہا کیا قیامت برپا ہو گئی، حضرت عیسیٰ نے فرمایا نہیں، میں نے تم کو اللہ کا اسم اعظم لے کر پکارا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا اب مر جاؤ، سام نے کہا اس شرط پر (مرنے کو تیار ہوں) کہ اللہ موت کی سختی سے محفوظ رکھے آپ نے اللہ سے دعا کی اور دعا قبول ہوئی۔

وَأَنْبِئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ اور تم جو کچھ کھاتے ہو اور جو کچھ گھروں میں اند وختہ رکھتے ہو میں تم کو بتا دوں گا، چنانچہ آپ رات کی کھائی چیز اور دن میں جو کچھ کھایا جاتا تھا اور شام کے لئے جو کچھ بچا کر رکھا جاتا تھا سب کی تفصیل بتا دیتے تھے۔

سدی نے بیان کیا کہ حضرت عیسیٰ کتب میں جا کر بچوں کو بتا دیتے کہ تمہارے باپوں نے یہ یہ بنایا ہے کہ کسی بچہ سے ۱۔ حضرت عیسیٰ کی زبان عبرانی یا سریانی بھی عربی نہ تھی اور یہ دعا عربی ہے اس لئے شاید وہب کی مراد یہ ہے کہ ان عربی الفاظ کے ہم معنی الفاظ میں حضرت عیسیٰ دعا کرتے تھے، واللہ اعلم۔

فرماتے جاتیرے گھروالوں نے فلاں فلاں چیز کھالی اور فلاں فلاں چیز اٹھا کر رکھ دی ہے بچہ گھر جا کر روتا آخر گھر والے وہ چیز اس کو دے دیتے اور پوچھتے تھے کس نے بتادیا، بچہ کہتا عیسیٰ نے۔ غرض گھروالوں نے اپنے بچوں کو عیسیٰ سے ملنے کی ممانعت کر دی اور کہہ دیا کہ اس جادوگر سے ہرگز نہ ملنا۔

ایک بار سب بچوں کو ایک گھر میں جمع کر لیا، حضرت ڈھونڈتے ہوئے تشریف لائے اور بچوں کو دریافت فرمایا لوگوں نے کہا بچے یہاں نہیں ہیں، فرمایا اس گھر میں کیا ہے لوگوں نے کہا سورہیں فرمایا ایسے ہی ہو جائیں گے لوگوں نے گھر کھولا تو سب سورہ برآمد ہوئے، یہ خبر بنی اسرائیل میں پھیل گئی اور انہوں نے آپ کو قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا، آپ کی والدہ کو جب آپ کے قتل ہو جانے کا اندیشہ ہو گیا تو اپنے گدھوں پر سوار کر کے مصر کو لے کر بھاگ گئیں۔

قائدہ نے کہا یہ واقعہ ماندہ کے سلسلہ میں ہوا تھا۔ بنی اسرائیل جہاں بھی ہوتے من و سلویٰ کی طرح خوان نازل ہوتا لیکن حکم یہ تھا کہ خیانت نہ کریں اور چھپا کر نہ رکھیں، مگر بنی اسرائیل نے چڑا چھپا کر رکھا، آپ ان کو بتادیتے کہ تم نے کتنا کھلایا اور کتنا بچا کر رکھا آخر اللہ نے ان کی صورتیں بگاڑ کر سوروں جیسی کر دیں

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّكُلِّ مَوْمِنٍ ۝
سچائی کی تمہاری ہدایت یابی کے لئے بڑی دلیل ہے اگر تم کو ایمان کی توفیق ہے تو ایمان لاؤ۔

اس کا عطف رسولاً پر ہے یا فعل محذوف کی وجہ سے
وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ
منصوب ہے یعنی میں تمہارے پاس ایسی حالت میں آیا ہوں کہ اپنے سے پہلی تورات کی تصدیق کرتا ہوں۔ انبیاء کی شان یہی ہوتی ہے کہ ہر پیغمبر دوسرے پیغمبر کی اور تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔

وَالْحِلَّ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ
حرام کر دی گئی تھیں حلال کر دوں یعنی بعض چربیاں اور گوشت جو تمہارے لئے تورات نے حرام کر دی تھیں ان کی حرمت کو منسوخ کر دوں، بعض احکام کا نسخ تصدیق کے منافی نہیں جیسے قرآن کے بعض احکام بعض کے نسخ ہیں (باوجود یہ کہ احکام نسخ احکام منسوخ کے منزل من اللہ ہونے کی تصدیق کرتے ہیں کیونکہ نسخ کا معنی ہی یہ ہے کہ پچھلا حکم اگرچہ صحیح تھا لیکن وقتی اور ایک مدت خاص کے لئے تھا اب وہ وقت نہیں رہا لہذا وہ حکم بھی نہیں رہا)۔

وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ
اور میں تمہارے پاس ایک بڑی نشانی لے کر آیا ہوں، یہ آیت پہلے بھی گزر چکی ہے لیکن وہاں آیت سے مراد تھے معجزات اور یہاں آیت سے مراد ہے انجیل کی آیات، لہذا تکرار نہیں ہوئی، یہ بھی جائز ہے کہ تاکید کے لئے تکرار ہی قرار دی جائے۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ
اور اللہ کی توحید و اطاعت کا جو حکم میں تم کو دے رہا ہوں اس میں میری اطاعت کرو۔
إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۝
فَاتَّقُوا اللَّهَ وَآطِيعُوا فِيهِ جُزْءًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْلِفُونَ ۝
اس میں قوت نظریہ اور قوت عملیہ دونوں کے اشکال کی طرف اشارہ کیا ہے۔ صحیح اعتقاد جس کا بنیادی پتھر توحید ہے قوت نظریہ کا اشکال کرتا ہے۔ اس کا بیان إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ سے کر دیا اور مامورات و منہیات کی پابندی سے قوت عملیہ کامل ہوتی ہے، اس کا اظہار فاعبُدوہ سے فرمادیا۔ پھر پہلے اللہ کو اپنا رب قرار دیا اور اپنی عبدیت کا اقرار کیا تاکہ آئندہ ہونے والے فتنہ کا دروازہ بند ہو جائے کہیں لوگ آپ کو اللہ کا بیٹا یا تین میں کا تیسرا اللہ نہ کہنے لگیں۔ آخر میں دونوں جملوں کے مضمون کو پختہ کرنے کے لئے فرمایا۔

هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝
یہ ہی سیدھا راستہ ہے یعنی اقرار توحید اور عبادت (تعظیم اور امر و نہی) دونوں کو جمع رکھنا ہی ایسا راستہ ہے جس کا صحیح ہونا ثابت ہے یہی مطلب ہے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کا قل امنتم باللہ نم

استقم۔ ایک شخص نے عرض کیا تھا کہ مجھے اسلام میں کوئی ایسی بات بتا دیجئے کہ آپ کے بعد مجھے کسی سے کچھ نہ پوچھنا پڑے اس کے جواب میں حضور ﷺ نے مذکورہ بالا جملہ فرمایا تھا۔

فَلَمَّا أَتَتْ عِيسَىٰ مِنْهُمْ الْكُفْرَ
لَمَّا ظَرَفَ زَمَانٌ هُوَ مِثْلُ شَرْطٍ كَمَا مَعْنَى هُوَ اور جِوَا مِّنْ أَنْصَارِي إِلَى
اللہ ہے۔ یعنی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی طرف سے اپنی تکذیب اور کفریہ کلمات سے جیسے عزیر کو اللہ کا بیٹا قرار دینا اور ایسی حرکتیں دیکھیں جن سے کفر مترشح ہو رہا تھا، اس جملہ میں کچھ الفاظ محذوف ہیں، اختصار کلام کے پیش نظر ان کو حذف کر دیا گیا ہے۔ پورے کلام اس طرح تھا کہ مریم سے عیسیٰ پیدا ہوئے اور اپنی قوم سے شیر خوارگی کے زمانہ میں کلام کیا اور حد کمال کو پہنچ گئے، یہاں تک کہ آسمانی کتابوں کے عالم اور نبی ہو گئے اور لوگوں کو ہدایت کی طرف بلایا اور معجزات مذکورہ پیش کئے اور بنی اسرائیل نے آپ کا انکار کیا اور تکذیب کی اور کفریہ حرکات کا ان سے ظہور ہوا۔ پس جب عیسیٰ نے بنی اسرائیل کی طرف سے ایسی باتیں سنیں اور ایسی حرکات دیکھیں اور کفریہ حالات محسوس کئے تو کہا۔

قَالَ مِّنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ ط
إِلَى اللَّهِ مِثْلُ يَاتَمَعِ كَمَا مَعْنَى هُوَ یعنی اللہ کے ساتھ مل کر میری مدد کرنے والے کون کون ہیں، جیسے دوسری آیت میں آیا ہے لَا تَاكُلُوا أَمْوَالَكُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ، ان کا مال اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر نہ کھا جاؤ، یا اللہ یعنی رفیق ہے یعنی اللہ کی راہ میں میرے مددگار کون ہیں یا بمعنی لام ہے یعنی اللہ کے واسطے میری مدد کرنے والے کون ہیں، یا اللہ کا استعمال اپنے اصلی معنی میں ہی ہے یعنی نسبت و اضافت، نصرت میں اضافت کا مفہوم ہوتا ہے اس وقت مطلب اس طرح ہو گا کہ میری امداد میں اللہ کے ساتھ اپنے نفسوں کو ملا دینے والے کون لوگ ہیں، ان تمام صورتوں میں الہی کا تعلق انصاری سے ہو گا۔ لیکن اگر کسی محذوف فعل سے تعلق قرار دیا جائے تب بھی جائز ہے اور مطلب اس طرح ہو گا کہ اللہ کی جانب جاتے ہوئے اس کے گروہ میں شامل ہوتے ہوئے اس کی پناہ لینے کے لئے کون میرا مددگار ہے۔

وَسَأَلَ الْحَوَارِيُّونَ
سفیدی، رسول اللہ ﷺ نے جب غزوہ خندق کے دن تین بار لوگوں کو پکارا اور ہر بار حضرت زبیر بن عوام نے ہی جواب دیا تو حضور ﷺ نے فرمایا ہر نبی کا کوئی حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر ہے، متفق علیہ۔

قاموس میں ہے، حواری مددگار یا پیغمبروں کا مددگار اور دھوبی اور گہرا دوست۔ حضرت عیسیٰ کے ساتھیوں کو حواری کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کی بیٹیں دینی امور میں خالص تھیں یا اس وجہ سے کہ وہ حضرت عیسیٰ کے مددگار تھے۔ حسن اور سفیان کا یہی قول ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ یہودیوں میں سے چند شاہزادے تھے جن سے حضرت عیسیٰ مدد کے خواستگار ہوئے تھے، چونکہ وہ سفید لباس پہنتے تھے اس لئے ان کو حواری کہا گیا۔ ابن جریر نے ابورطابہ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ دھوبی تھے لوگوں کے کپڑے دھو کر سفید کرتے تھے، ضحاک نے کہا ان کے دل صاف یعنی گناہوں سے پاک تھے اس لئے ان کو حواری کہا گیا ابن مبارک نے کہا ان کے چہروں پر عبادت کا اثر اور نور نمایاں تھا اس لئے حواری کہا گیا۔ حور کا اصل معنی ہے خوب سفیدی۔ کلبی اور عکرمہ نے کہا حواری کچھ برگزیدہ اشخاص تھے جن کی تعداد بارہ تھی۔ روح بن قاسم کا بیان ہے کہ میں نے قتادہ سے حواریوں کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا حواری وہ لوگ تھے جو خلافت (انبیاء) کے اہل تھے۔ دوسرے قول میں قتادہ نے حواریوں کی تعبیر وزراء سے کی ہے۔ مجاہد اور سدی نے کہا وہابی گیر تھے کسی نے ملاح بھی کہا ہے۔

نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ
یعنی ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں۔

أَمَّا بِاللَّهِ وَآشْهَدُ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۝
ہم اللہ پر ایمان لے آئے اور اے عیسیٰ جس روز انبیاء اپنی امتوں کی موافقت یا مخالفت کی شہادت دیں گے آپ ہمارے فرماں بردار ہونے کی گواہی دیں، یہ آیت بتا رہی ہے کہ ایمان اور اسلام ایک ہی چیز ہے (کیونکہ پہلے حواریوں نے ایمان کا اظہار کیا اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اپنے اسلام کی شہادت کے خواستگار ہوئے معلوم ہوا ہے کہ ایمان و اسلام سے ان کی مراد ایک ہی تھی)۔

سَرَبْنَا أَمْتًا بِمَا أَنْزَلَتْ
وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ
فَاكْتَبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ۝

اے ہمارے رب تو نے جو کتابیں نازل کیں انجیل، تورات وغیرہ ہم اس پر ایمان لائے۔
اور جو کچھ تیرے پیغمبر یعنی عیسیٰ نے ہم کو حکم دیا ہم اس پر چلے۔

پس تو ہم کو ان لوگوں کی فہرست میں لکھ دینا جنہوں نے تیری وحدانیت اور
تیرے انبیاء کی صداقت کی شہادت دی ہے، عطاء کے نزدیک الشاہدین سے مراد ہیں انبیاء کیونکہ ہر نبی اپنی امت کا شاہد
ہوگا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا الشاہدین یعنی محمد ﷺ اور آپ کی امت کیونکہ امت محمد ﷺ یہ (قیامت کے
دن) انبیاء کی رسالت و تبلیغ کی شہادت دے گی۔

وَمَكْرُؤًا
اور جن لوگوں کی طرف سے حضرت عیسیٰ نے کفر کا احساس کیا تھا، انہوں نے فریب کیا کہ حضرت کو
(خفیہ) قتل کرنے کا ارادہ کیا، کلبی نے بوساطت ابو صالح حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ ایک بار یہودیوں کی ایک
جماعت حضرت عیسیٰ کے سامنے آئی آپ کو دیکھ کر کہنے لگے جادوگر جادوگرنی کا بیٹا آگیا۔ آپ پر بھی تہمت لگائی اور آپ کی
والدہ پر بھی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان پر لعنت کی اور ان کو بددعا دی۔ فوراً اللہ نے ان کو سورا بنا دیا، یہودیوں کا سردار یہودا
تھا اس نے جو یہ بات دیکھی تو گھبرا گیا اور آپ کی بددعا سے ڈر گیا آخر تمام یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مار ڈالنے پر متفق
الرائے ہو گئے اور قتل کرنے کے ارادہ سے حضرت کی طرف بڑھے لیکن اللہ نے جبریل کو بھیج دیا جبریل نے آپ کو چھت کے
روزن میں داخل کر دیا پھر وہاں سے اللہ نے آپ کو آسمان پر اٹھالیا۔ سردار یہود یعنی یہودا نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک شخص
کو جس کا نام طیطیانوس تھا کھڑکی کے اندر بھیجا تاکہ اندر جا کر حضرت کو قتل کر دے، اللہ نے اس کی شکل حضرت عیسیٰ جیسی
بنادی لوگوں نے اسی کو عیسیٰ (علیہ السلام) سمجھ کر قتل کر دیا، آیت۔

وَمَكَرَ اللَّهُ
کایہی معنی ہے (یعنی اللہ نے عیسیٰ کو بچانے اور قتل کے ارادہ سے آنے والے کو قتل کرانے کی خفیہ تدبیر
کی) مکر اصل میں کسی کو نقصان پہنچانے کی تدبیر کو کہتے ہیں (ظاہر ہے کہ اللہ کی طرف اس کی نسبت حقیقتہً نہیں کی جاسکتی
بلکہ) برسمیل تقابل اللہ کی طرف اس کی نسبت کی جاتی ہے (جیسے اس جگہ مکروا کے مقابل مکرو اللہ آیا ہے)۔
زجاج نے کہا مکرو خدا کا معنی ہے کافروں کے مکر کی سزا دینا جزاء کو مکر مقابلہ کی وجہ سے فرمایا۔

وَاللَّهُ خَيْرٌ الْمَكْرِيْنَ ۝
یعنی اللہ ایسے راستوں سے ضرر پہنچانے پر سب سے زیادہ قدرت اور قابور رکھتا ہے جو
گمان میں بھی نہیں آسکتے۔

إِذْ قَالَ اللَّهُ
یَعِیْسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَیَّ
یہ مکر اللہ سے متعلق ہے یا فعل محذوف ہے۔ یعنی یہ اس وقت واقع ہوا جب اللہ نے فرمایا۔
الہی کا معنی یہ ہے کہ میں اپنے مقام عزت اور قرار گاہ ملائکہ کی
طرف تجھے اٹھا کر لے جاؤں گا، حسن کلبی اور ابن جریج نے آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ میں تجھے پکڑ لوں گا اور بغیر موت
کے دنیا سے اٹھا کر اپنے پاس لے جاؤں گا، بغوی نے لکھا ہے کہ آیت کا معنی دو طرح سے ہو سکتا ہے۔

۱۔ میں پورا پورا تجھے اٹھا کر اپنے پاس بلا لوں گا وہ تجھے کچھ ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔ محاورہ میں تَوَفَّيْتُ کا معنی
اِسْتَوْفَيْتُ (پورا پورا لے لینا) آتا ہے، ۲۔ میں تجھے اپنی سپردگی میں لے لوں گا۔ تَوَفَّيْتُ مِنْهُ كَذَا (میں نے اس کو خود لے
لیا، اپنی سپردگی میں لے لیا، وصول کر لیا) یعنی تَسَلَّمْتَهُ۔

ابن جریر نے ربیع بن انس کا قول نقل کیا ہے کہ توفی سے مراد ہے نیند، جیسے دوسری آیت میں آیا ہے هُوَ الَّذِي
يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُوَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ، حضرت عیسیٰ کو نیند آگئی تھی اور سوتے میں اللہ نے ان کو آسمان پر اٹھالیا،
اس وقت آیت کا معنی یہ ہوگا کہ میں تم کو سلا دوں گا اور سوتے میں اٹھا کر اپنے پاس بلا لوں گا۔ بعض علماء نے کہا کہ توفی سے
مراد موت ہی ہے، علی بن ابی طلحہ کی روایت سے حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ اِنِّی مُتَوَفِّیْکَ کا معنی ہے اِنِّی مُمِیْتُکَ
، بغوی نے لکھا ہے اس صورت میں آیت کا معنی دو طرح ہوگا۔

۱۔ وہب کا قول ہے کہ دن میں تین ساعت کے لئے اللہ نے عیسیٰ کو موت دی پھر اپنی طرف اٹھالیا، محمد بن اسحاق نے بیان کیا کہ عیسیٰ کہتے ہیں اللہ نے دن میں سات گھنٹے عیسیٰ کو میت رکھا پھر زندہ کر کے اٹھالیا، ابن جریر نے وہب بن منبہ کی یہ روایت نقل کی ہے، ۲۔ ضحاک نے کہا مطلب یہ ہے کہ آسمان سے اُتارنے کے بعد یہودیوں کے قتل سے محفوظ رکھ کر مدت زندگی پوری کر کے میں تم کو وفات دوں گا اور اس سے پہلے تم کو اپنے پاس اٹھا لوں گا۔ وَرَأَيْتُكَ فِي يَوْمِ الْقِيَامَةِ (کیونکہ واقع میں رفع پہلے ہوا اور وفات بعد کو ہوگی) بلکہ صرف دونوں خطوں کے ہونے کے لئے ہے۔ آیت کی یہ تفسیر دوسری آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ کے خلاف ہے کیونکہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ حضرت عیسیٰ کی توفی کے بعد عیسیٰ بنے اور یہ امر مسلم ہے کہ آپ کے رفع کے بعد لوگوں نے عیسائیت قبول کی تھی لہذا توفی سے مراد یا تو آسمان پر اٹھایا جانا ہے یا اٹھائے جانے سے پہلے وفات ہونا ہے، میرے نزدیک ظاہر اول صورت ہے یعنی توفی سے مراد بغیر موت کے آسمان پر اٹھالینا ہے کیونکہ دوسری آیت میں آیا ہے، وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ نَہ انہوں نے عیسیٰ کو قتل کیا نہ صلیب دی، وجدان شاہد ہے کہ اگر اٹھائے جانے سے پہلے عیسیٰ کی موت کی نفی تسلیم نہ کی جائے تو نفی قتل کی صراحت سے کیا فائدہ، قتل کا نتیجہ بھی تو موت ہی ہے (بلکہ قتل شہادت مزید اجر کی موجب ہے)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، عنقریب ابن مریم حاکم عادل ہو کر تمہارے اندر اتریں گے، صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ کو ساقط کر دیں گے، اور مال کو بہائیں گے کہ کوئی قبول بھی نہیں کرے گا۔ انتہا یہ ہوگی کہ ایک سجدہ دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے بہتر ہوگا۔ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تم (اس کی تصدیق) چاہتے ہو تو پڑھو وان من اهل الكتاب الا لیوم منن به قبل موته الا یہ، (متفق علیہ)، بخاری و مسلم کی دوسری روایت میں حضور اقدس ﷺ کے یہ الفاظ بھی آئے ہیں تمہارا کیا حال ہوگا اس وقت جب (عیسیٰ) ابن مریم تم میں اتریں گے اور تمہارا امام تم ہی میں سے ہوگا، مسلم کی ایک روایت میں اتنا زائد آیا ہے کہ اونٹنیاں چھوڑ دی جائیں گی ان پر سوار ہو کر دوڑ نہیں کی جائے گی، آپس کی دشمنی بغض اور حسد جاتا رہے گا، لوگوں کو مال لینے کے لئے بلایا جائے گا لیکن کوئی قبول نہیں کرے گا۔

بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت لکھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے متعلق فرمایا ان کے زمانہ میں تمام مذاہب سوائے اسلام کے مردہ ہو جائیں گے اور دجال بھی ہلاک ہو جائیں گے آپ زمین پر چالیس سال رہیں گے پھر آپ کی وفات ہو جائے گی اور مسلمان آپ کے جنازہ کی نماز پڑھیں گے۔

ابن جوزی نے کتاب الوفاء میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا عیسیٰ بن مریم زمین پر اتریں گے، نکاح کریں گے، ان کے اولاد ہوگی، پینتالیس سال رہیں گے، پھر آپ کی وفات ہو جائے گی اور میرے ساتھ میری قبر میں دفن کئے جائیں گے، میں اور عیسیٰ ابن مریم ایک ہی قبر میں ابو بکر و عمر کے درمیان رہیں گے۔ حضرت جابر کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کا ایک گروہ برابر حق پر جہاد کرتا رہے گا اور قیامت کے دن تک غالب رہے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا پھر عیسیٰ بن مریم اتریں گے۔ مسلمانوں کا امیر کہے گا آج ہم کو نماز پڑھائیے، عیسیٰ فرمائیں گے نہیں، تم ہی میں سے بعض بعض کے سردار ہیں۔ حضرت عیسیٰ یہ بات صرف اس لئے کہیں گے کہ اللہ نے اس امت کو عزت عطا فرمائی ہے، مسلم۔ حدیث معراج میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہا السلام کو دوسرے آسمان پر دیکھا تھا، بخاری و مسلم۔

اور کافروں کے ساتھ رہنے کی برائی سے تم کو پاک کر دوں گا (یعنی ان وَمُصْطَفًىٰكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا اور کافروں سے الگ رکھوں گا)۔

وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فُتُوحًا لِّلَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ اور جن لوگوں نے تمہاری

پیروی کی ان کوفروں پر قیامت تک فوقیت عطا کروں گا۔ یعنی تمہاری پیروی کرنے والے دلائل اور اکثر لوقات میں اقتدار کے اعتبار سے (بھی) کافروں پر غالب رہیں گے۔ آپ کے متبع حواری تھے نیز وہ اسرائیلی بھی تھے جو آپ کے دین پر رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے تھے اور بعثت کے بعد مسلمان بھی آپ ہی کے دین پر ہیں کیونکہ مسلمانوں نے آپ کی تصدیق کی اور آپ کے دین توحید کو قبول کیا اور آپ نے جو رسول اللہ ﷺ کے اتباع کی وصیت کی تھی، جس کا ذکر آیت و مبشر ابرسول یأتی من بعدی اسمہ احمد میں آیا ہے۔ مسلمانوں نے اس پر عمل کیا۔ بعض علماء کا قول ہے کہ قبیضین سے مراد ہیں نصاریٰ۔ نصاریٰ یہودیوں پر غالب رہیں گے اب تک کبھی عیسائیوں پر یہودیوں کا غلبہ نہیں سنا گیا۔ یہودیوں کی حکومت دنیا سے ختم ہو گئی نہ ان کا ملک رہا، نہ سلطنت۔ بنی اسرائیل کی ساری سلطنت اور حکومت نصاریٰ کو پہنچ گئی۔ اس قول پر اتباع سے مراد اتباع دین نہ ہوگا (کیونکہ موجودہ عیسائی حضرت عیسیٰ کے اصل دین پر نہیں ہیں) بلکہ صرف نجات و اتباع کا دعویٰ مراد ہوگا۔

ثُمَّ اِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ ۚ یہ خطاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے قبیضین اور منکرین سب کو ہے یعنی تم سب کی واپسی آخر میری ہی جانب ہوگی۔

اور دین کے معاملہ میں جو تمہارا آپس کا اختلاف ہے

فَاَحْكُم بَيْنَكُمْ فِيْهَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝۵

اس کا فیصلہ کر دوں گا اس فیصلہ کی تفصیل یہ ہے کہ

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاَعِدْ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآٰخِرَةِ ۚ

کفر کیا ہوگا ان کو دنیا میں سخت عذاب دوں گا۔ یعنی قتل، قید، جزیہ اور ذلت کا عذاب دنیا میں دوں گا اور آخرت میں دوزخ کا عذاب۔

وَمَا لَهُمْ مِّنْ نَّصِيْرٍ ۝۶

اور ان کا کوئی حمایتی نہیں ہوگا جو ہمارے عذاب سے ان کو بچا سکے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ

رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے۔

فَبَوَّعْنٰهُمْ اٰجُورَهُمْ ۚ

تو اللہ ان کی نیکیوں کا عوض ان کو پورا پورا دے گا۔

وَاللّٰهُ لَا يَحِبُّ الظَّٰلِمِيْنَ ۝۷

اور اللہ ظالموں کو یعنی کافروں کو پسند نہیں کرتا یعنی ان پر رحم نہیں کرے گا

اور جب رحم نہیں کرے گا تو ان کے کفر کے موافق عذاب دے گا۔

اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ تیرہ سال کی عمر میں شکم مریم میں استقرار عیسیٰ ہوا اور سرزمین بابل پر سکندر کے حملہ کو ۶۵ سال گزرے تھے کہ آپ کی پیدائش ہوئی اور آغاز وحی کے وقت آپ کی عمر ۳۰ سال تھی اور جب آپ ۳۳ سال کے ہوئے تو شب قدر ماہ رمضان میں بیت المقدس سے (آسمان پر) اللہ نے آپ کو اٹھایا گویا اٹھانے کے وقت تک آپ کی نبوت کو تین سال گزرے تھے آپ کے بعد حضرت مریم چھ سال زندہ رہیں۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ ہم شکل مسیح کو جب قتل کر دیا گیا اور صلیب پر لٹکا دیا گیا تو حضرت مریم علیہ السلام اور ایک اور عورت جس کے جنون کو اللہ نے حضرت عیسیٰ کی دعا سے دور کر دیا تھا روتی ہوئی صلیب پر لٹکی ہوئی نعش کے پاس پہنچیں۔ اچانک حضرت عیسیٰ نے (نمودار ہو کر) ان سے کہا تم کیوں روتی ہو اللہ نے مجھے اٹھالیا اور سوائے بھلائی کے مجھے اس نے کوئی دکھ نہیں دیا، باقی یہ صلیب کشیدہ شخص تو میرا ہم شکل ہے اللہ نے ان کی نظر میں اس کو میری شکل کا کر دیا ہے (یہ کہہ کر عیسیٰ غائب ہو گئے) پھر سات روز کے بعد اللہ نے عیسیٰ کو حکم دیا کہ مرسم کے پاس پہاڑ پر جا کر اترو، وہ سو گوار ہے مرسم کی طرح نہ کوئی ردیا، نہ اس کی برابر کسی کو غم ہوا، وہاں جا کر حواریوں کو جمع کرنا اور اللہ کی طرف لوگوں کو بلانے کے لئے ملک میں پھیلا دینا۔ حسب الحکم حضرت عیسیٰ پہاڑ پر نازل ہوئے آپ کے نزول کے وقت پہاڑ بقعہ نور بن گیا حواری آکر آپ کے پاس جمع ہوئے آپ نے دین کی دعوت دینے کے لئے ان کو ملک میں پھیلا دیا اس کے بعد اللہ نے آپ کو اٹھالیا صبح ہوئی تو جس جس حواری کو جس جس کی ہدایت کے لئے حضرت عیسیٰ نے مقرر فرمایا تھا اس حواری نے اسی کی زبان میں گفتگو کی۔

ذٰلِكَ تَتْلُوْا عَلٰیكَ مِنَ الْاٰیٰتِ

یعنی یہ عیسیٰ، مریم اور حواریوں کے واقعات جو ہم تم کو پڑھ کر سنا رہے ہیں ان معجزات میں سے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ ان واقعات سے واقف نہ تھے اس کے باوجود اس طور پر بیان فرمایا جیسے بنی اسرائیل کے علماء جانتے تھے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اطلاع آپ کو اللہ کی طرف سے دی گئی اور آپ ضرور خدا کے رسول تھے یا معجزات سے قرآن کی آیات مراد ہیں۔

وَالَّذِيْ كَذَّبَ الْحَكِيْمُ ۝۵ اور بر حکمت قرآن سے ہیں۔ مقاتل نے حکیم کا ترجمہ کیا ہے محکم جو باطل (کی آمیزش) سے محفوظ ہے بعض کے نزدیک اَلَّذِيْ كَذَّبَ الْحَكِيْمُ سے لوح محفوظ مراد ہے۔ لوح محفوظ سفید موتی کی اتنی لمبی تختی ہے جیسے زمین سے آسمان تک درمیانی خلا یہ عرش سے آویزاں ہے۔

اِنَّ مَثَلَ عِيسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۝۶ عیسیٰ کی عجیب حالت آدم کی عجیب حالت کی طرح ہے۔ وجہ مشابہت یہ ہے کہ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ اللہ نے آدم کو مٹی سے بنایا۔ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۷ پھر اس کا لہد سے کما نندہ آدمی ہو جا۔

فور اوہ ہو گیا۔ یہ گزشتہ حال کی حکایت ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ آدم کو مٹی سے بنانے کا اندازہ کیا اور اندازہ عملی کو موجود ہو جانے کا حکم دیا تو وہ موجود ہو گیا (تم تاخیر زمانی کے لئے مشتمل ہے لیکن) یہاں واقعہ کی تاخیر مدت مراد نہیں ہے بلکہ ایک بیان کی دوسرے بیان سے تاخیر مراد ہے یعنی اول آدم کا مٹی سے پیدا کرنا بیان کیا پھر پیدا کرنے کا طریقہ بتا دیا کہ حکم دیدیا بس وہ پیدا ہو گیا۔ مطلب یہ کہ آدم کے ماں باپ نہیں تھے نہ پیٹ میں رہنے اور دودھ پینے اور دودھ چھوڑنے کی نوبت آئی۔ عیسیٰ کی پیدائش کی حالت بھی گو عجیب ہے کہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے مگر آدم کی پیدائش کی حالت اس سے بھی زیادہ عجیب ہوئی کہ بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے۔ تعجب آگئیں ہونے میں دونوں کی پیدائش کی حالت مشترک ہے مگر ایک میں تعجب آگئی کم ہے اور دوسری میں زیادہ۔ کم عجیب کو زیادہ عجیب سے تشبیہ دی گئی ہے۔ عمومی ضابطہ تولید کی خلاف ورزی دونوں جگہ ہے لیکن ایک میں کم اور دوسری میں زیادہ۔ اس طرز بیان سے مادہ خصوصیت ہی کی بیخ کنی ہو جاتی ہے اور نزاع پیدا کرنے والے شبہ کا ہی استیصال ہو جاتا ہے۔

اس آیت کا نزول نجران کے عیسائی نماسندوں کے حق میں ہوا تھا۔ نجران کے نماسندوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تھا آپ ہمارے آقا کو کیوں گالی دیتے ہو حضور ﷺ نے پوچھا میں کیا کہتا ہوں۔ بولے آپ ان کو بندہ کہتے ہیں فرمایا بے شک وہ اللہ کے بندے اللہ کے رسول اور اللہ کا کلمہ (یعنی صرف حکم) تھے جو عذراء بتول کے شکم میں اللہ نے ڈال دیا تھا۔ یہ سن کر اہل وفد کو غصہ آگیا اور کہنے لگے کیا آپ نے کوئی آدمی ایسا دیکھا ہے جو بن باپ کے پیدا ہوا ہو اس گفتگو کے بعد اللہ نے وفد نجران کو لاجواب بنانے اور خاموش کر دینے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔

ابن ابی حاتم نے بطریق عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے حسن بصری کا قول بیان کیا ہے کہ نجران کے دوراہب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک نے پوچھا عیسیٰ کا باپ کون تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی عادت تھی کہ اللہ کا حکم آنے سے پہلے آپ فوراً ہی جواب نہیں دیا کرتے تھے اس پر آیت ذٰلِكَ تَتْلُوْا سے مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ تک نازل ہوئی (اور وہ راہب لاجواب ہو گئے) کیونکہ بغیر ماں باپ کے آدم کے مٹی سے پیدا ہونے کا ان کو بھی اقرار تھا۔ وہ عیسائی بھی کس قدر جاہل تھے کہ یہ تو پوچھا کہ کیا کوئی انسان بن باپ کے پیدا ہوتے آپ نے دیکھا ہے اور خود یہ نہ سوچا کہ انہوں نے کبھی کسی بکری کا بچہ آدمی کو یا آدمی کا بچہ بکری کو دیکھا ہے حالانکہ دونوں میں حیوانی جنس کا اشتراک ہے۔ اختلاف ہے تو صرف نوعیت کا پھر (جنسی تباہی بلکہ ہر طرح کے اختلاف کے باوجود) انہوں نے کیسے فیصلہ کر لیا کہ وہ اللہ جو ایک اور ہر چیز سے بے نیاز اور قدیم ہے اور اس کی مثل کوئی بھی نہیں ہے وہ عیسیٰ کا باپ ہو گیا حالانکہ عیسیٰ ایک مخلوق جسم رکھتا تھا جو

حادث تھا، کھانا کھاتا اور سوتا بھی تھا اور اس کو موت بھی آئے گی۔ لاریب اللہ نہ کسی کا والد ہے، نہ مولود، نہ اس کا کوئی ہم سر ہے۔

”..... فائدہ.....“

اس آیت سے قیاس کا شرعی حجت ہونا ثابت ہو رہا ہے کیونکہ تخلیق آدم پر قیاس کرتے ہوئے عیسیٰ کی بن باپ کے پیدائش کے جواز پر اللہ نے استدلال کیا ہے (پس مسلمانوں کا وہ گروہ جو صرف قرآن و سنت اور اجماع کو احکام کی علت قرار دیتا ہے اور قیاس کو دلیل حکم نہیں مانتا اس آیت سے اس کے قول کی تردید مستفاد ہوتی ہے)۔

الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ
یہی حق ہے جو تمہارے رب کی طرف سے ہے یا تمہارے رب کے پاس سے یہ حق آچکا۔
فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝۵
پس اے انکار کرنے والے مخاطب تو عیسیٰ کے معاملہ میں شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہو جیسا کہ یہودی شک میں پڑ گئے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے عیسیٰ کی والدہ پر زنا کی تہمت لگائی اور عیسائی شک میں پڑ گئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا کہنے لگے۔

فَمَنْ حَاكَمَكَ فِيهِ مِنْ شَرِطِهِ ہے یا استفہام انکاری کے لئے ہے یعنی جب عیسائی مناظرہ سے عاجز ہو گئے تو اب عیسیٰ کے

معاملہ میں یا اس حق بات میں کون آپ سے مناظرہ کر سکتا ہے۔

مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ
یعنی اس علم کے آجانے کے بعد کہ عیسیٰ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول تھا جو شخص بھی تم سے عیسیٰ کے متعلق مناظرہ کرے۔ علم حاصل ہو جانے کی شرط جو مبالغہ کے لئے بیان کی اس میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ جب تک کسی بات کا پورا یقین نہ ہو گیا ہو مسلمان کے لئے اس میں مبالغہ کرنا زیبا نہیں۔

فَقُلْ تَعَالَوْا
تو اے محمد ﷺ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ پختہ رائے اور عزم کے ساتھ آؤ۔ تَعَالَوْا جمع مذکر حاضر باب تفاعل، مادہ ہے علو، فراء نے اس کا ترجمہ کیا اور اٹھو۔ میں کہتا ہوں گویا مخاطب سے کہتا ہے کہ اونچی جگہ پر چڑھ کر دیکھو جو چیز تم کو نیچے سے نہیں دکھائی دیتی وہ اوپر سے دکھ جائے گی۔ بطور استعارہ اس سے مراد ہوتا ہے کہ جو چیز تم سے مخفی ہے اس پر غور اور توجہ کرو۔ خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ پختہ رائے اور عزم کے ساتھ آؤ۔ کبھی اس لفظ کا استعمال ایسے مقام کی طرف بلانے کے لئے بھی ہوتا ہے جو بلانے والے کے قریب ہو (یعنی میرے پاس آؤ)۔

نَدَّعِ اٰبْنَاءَنَا وَ اٰبْنَاءَكُمْ وَ نِسَاءَنَا وَ نِسَاءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ
یہ امر کا جواب ہے اسی لئے نَدَّعِ پر جزم ہے (یعنی واؤ حذف کر دیا گیا ہے) مراد یہ ہے کہ ہم تم یعنی ہر ایک اپنی ذات کو اور اپنے عزیز ترین لوگوں کو بلا کر اپنے ساتھ ملا لیں تاکہ جھوٹے پر جو عذاب نازل ہو وہ اس شخص پر بھی نازل ہو اور اس کے عزیز ترین بیوی بچوں پر بھی۔ اولاد و نساء کا ذکر انفس سے پہلے اس لئے کیا کہ آدمی انہی کے لئے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالتا اور ان کو بچاتا ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ بلانے والے میں اور جس کو بلایا جائے اس میں غیریت ہوتی چاہئے۔ بیوی بچے واقع میں شخصیت کے لحاظ سے آدمی کی ذات سے الگ ہوتے ہیں اور آدمی کی اپنے نفس سے مغایرت صرف فرضی ہوتی ہے لہذا حقیقی مغایرت والی ہستیوں کو پہلے ذکر کیا اور پھر فرضی غیریت والی ہستی یعنی اپنی ذات کو ذکر کیا۔

مسلم اور ترمذی نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو بلایا پھر کہا اے اللہ یہ ہی میرے اہل بیت ہیں۔ ثُمَّ تَبَتَّهِمْ
پھر ہم زاری کریں۔ استہمال اگرچہ باب افعال ہے لیکن باب تفاعل کے معنی میں ہے۔ باب تفاعل کو چھوڑ کر باب افعال کو اس لئے اختیار کیا کہ (باب افعال کی خاصیت ہے کسی چیز کو اپنے لئے حاصل کرنا اور لے لینا اور) یہاں مقصود یہ ہے کہ اگر جھوٹا ہو تو لعنت کو اپنے لئے سنبھال لے اور سچا ہو تو فریق مخالف کی طرف لعنت کا رخ پھر دے اور ظاہر ہے کہ

آدمی کے اپنے نفس پر کسی برائی کا وقوع مخالف پر واقع ہونے سے پہلے ہوتا ہے گویا (بصورت کذب) تحصیل لعنت اپنے لئے اصل غرض ہے (اور مخالف پر اس کے جھوٹے ہونے کی صورت میں لعنت کا پڑ جانا ایک ضمنی چیز ہے)۔

بُھَلَّةٌ اور بُھَلَّةٌ کا اصل معنی ہے ترک، بَھَلَّتِ التَّائِقَةُ میں نے اونٹنی کو بلا قید چھوڑ دیا۔ لعنت میں ترک رحمت بھی ہوتا ہے اور دنیا و دین میں رحمت سے دوری بھی اور ترک رحمت وقوع عذاب کو چاہتا ہے کیونکہ عذاب سے بجا و بغیر رحمت کے ممکن نہیں۔ ہم کے لفظ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عقلمند کو مبالغہ میں (جہاں تک ممکن ہو) تاخیر ہی کرنی چاہئے۔

فَنَجْعَلُ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَذِبِينَ ﴿۱۱﴾ اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں۔ یہ بصورت عطف تَبْیْہَلٌ کی تشریح ہے فاء (جو بلا تاخیر عطف کیلئے مستعمل ہے) لانے سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اُبْیْہَال کے بعد لعنت کا وقوع فوراً ہی ہو جائے گا۔ تاخیر نہ ہوگی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ جب وفد نجران کے سامنے رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی اور ان کو مبالغہ کی دعوت دی تو انہوں نے جواب دیا ہم ذر الوث کر اس معاملہ میں غور کر لیں ہم کل آئیں گے۔ عاقب اس سے زیادہ عقلمند اور سوجھ بوجھ والا تھا۔ اہل وفد نے تخیلہ میں اس سے پوچھا عبد اسح آپ کی کیا رائے ہے۔ عاقب نے جواب دیا برادران عیسائیت تم خوب پہچان چکے ہو کہ محمد نبی مرسل ہیں۔ خدا کی قسم کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی قوم نے کسی نبی سے مبالغہ کیا ہو اور پھر ان میں کا کوئی بڑا زندہ رہا ہو یا چھوٹے کو بڑھنے کا موقع ملا ہو (یعنی چھوٹے بڑے سب ہی مر جاتے ہیں) اب اگر تم نے ایسا کیا تو سب تباہ ہو جاؤ گے لہذا اگر تم اپنے انکار پر ہی قائم رہنا چاہتے ہو تو اس شخص سے صلح کر لو اور اپنے ملک کو لوٹ جاؤ اس مشورہ کے موافق سب لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے رسول اللہ ﷺ صبح کو ہی گھر سے اس حالت میں برآمد ہو چکے تھے کہ حضرت حسینؑ آپ کی گود میں تھے، حضرت حسنؑ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، حضرت فاطمہؑ آپ کے پیچھے تھیں اور حضرت فاطمہؑ کے پیچھے حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ تھے اور آپ فرما رہے تھے جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا۔

یہ دیکھ کر نجران کا پادری کہنے لگا۔ اے گروہ نصاریٰ! مجھے ایسے چرے نظر آرہے ہیں کہ اگر یہ اللہ سے دعا کریں تو اللہ پہاڑ کو بھی اس کی جگہ سے ہٹا دے گا لہذا تم ان سے مبالغہ نہ کرو، ورنہ سب مر جاؤ گے اور روز قیامت تک روئے زمین پر کوئی عیسائی باقی نہیں رہے گا۔ آخر اہل وفد نے کہا، ابوالقاسم ہماری رائے یہ ہوئی ہے کہ ہم آپ سے مبالغہ نہ کریں آپ اپنے مذہب پر رہیں اور ہم اپنے مذہب پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم مبالغہ کرنے سے انکار کرتے ہو تو مسلمان ہو جاؤ جو مسلمانوں کے حقوق و فرائض ہیں وہ تمہارے بھی ہو جائیں گے۔

جب اہل وفد نے مسلمان ہونے سے انکار کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا اب میری تمہاری جنگ ہوگی، کہنے لگے عرب سے لڑنے کی ہم میں طاقت نہیں ہے ہم آپ سے اس شرط پر صلح کر سکتے ہیں کہ آپ ہم پر نہ لشکر کشی کریں، نہ ہم کو خوف زدہ کریں، نہ اپنا مذہب ترک کرنے پر مجبور کریں اور ہم سالانہ دو ہزار جوڑے کپڑوں کے آپ کو ادا کرتے رہیں ایک ہزار صفر میں اور ایک ہزار ربیع میں۔ حضور ﷺ نے اس شرط پر ان سے صلح کر لی اور فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اہل نجران کے سروں پر عذاب آہی گیا تھا اگر وہ مبالغہ کرتے تو ان کی صورتیں مسح ہو کر بندروں اور سوروں جیسی ہو جاتیں، ساری وادی بھڑکتی ہوئی آگ سے بھر جاتی، نجران اور نجران کے رہنے والے یہاں تک کہ درختوں پر پرندے بھی بیخ و بن سے تباہ ہو جاتے اور سال پلٹنے نہ پاتا کہ سارے عیسائی ہلاک ہو جاتے کذا اخرج ابو نعیم فی الدلائل من طرق عن ابن عباس۔

اس آیت سے رافضیوں نے خلفاء ثلاثہ کی خلافت کے ابطال اور حضرت علیؑ کے خلیفہ اول ہونے پر استدلال کیا ہے ان کا قول ہے کہ اس آیت میں اپنا سے حضرت حسنؑ و حسینؑ اور نساء سے حضرت فاطمہؑ اور النفسنا سے حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ مراد ہیں۔ اللہ نے علیؑ کو نفس محمدؐ قرار دیا ہے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ علیؑ فضائل میں محمدؐ کے مساوی تھے اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو لمات الناس کا سب سے زیادہ حق تھا اللہ نے فرمایا ہے اَلنَّبِيُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ پس علیؑ

بھی ایسے ہی ہوئے لہذا علیؑ ہی رسول اللہ ﷺ کے بعد امام ہوئے۔

اس استدلال کا جواب چند طرح سے ہو سکتا ہے۔ نمبر ۱۔ انفس جمع کا صیغہ ہے جو تعدد نفوس پر دلالت کر رہا ہے۔ ایک نفس رسول اللہ ﷺ کا اور دوسرے نفوس آپ کے پیغمبرین کے۔ وحدت نفس پر کوئی لفظ دلالت نہیں کر رہا ہے اور وحدت نفس نہ ہونا ہے بھی ظاہر (کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی شخصیت جدا تھی اور علیؑ کی شخصیت علیحدہ)۔

نمبر ۲۔ ممکن ہے کہ بطور عموم مجاہد حضرت علیؑ کا شمار بھی ایسا ہی میں ہو جائے کیونکہ عرف میں دلائل پر ابن کا اطلاق ہوتا ہے۔ نمبر ۳۔ ممکن ہے کہ انفسنا سے مراد وہ سب لوگ ہوں جو نسب اور دین کے اعتبار سے رسول اللہ ﷺ سے وابستہ ہوں دیکھو آیت وَلَا تَخْرُجُونَ أَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ اور تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ میں وہ لوگ مراد ہیں جو دین اور نسب میں متحد ہوں اسی طرح آیت ظَنُّوا الْمُسْلِمُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَأَنْفُسِهِمْ خَيْرٌ اور وَلَا تَلْمِزُوا وَالْأَنْفُسُ مِنْ أَنْفُسِكُمْ میں انفس سے وہی لوگ مراد ہیں جن کے باہم دینی اور نسبی رشتہ ہو لہذا ضروری نہیں کہ فضائل میں مساوات ہو۔

نمبر ۴۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت علیؑ کی تمام ہی اوصاف میں مساوات تو باتفاق فریقین غلط ہے (کیونکہ وصف رسالت میں شرکت نہیں) اور بعض اوصاف میں برابر ہونے سے مدعی ثابت نہیں ہوتا (کیونکہ کیا ضروری ہے کہ وصف امامت میں حضرت علیؑ رسول اللہ ﷺ کے مساوی ہوں)۔

نمبر ۵۔ اگر اس آیت سے حضرت علیؑ کی کرم اللہ وجہہ، کا امیر المؤمنین ہونا ثابت ہوتا ہے تو پھر رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بھی ایسا ہونا ضروری قرار پاتا ہے مگر آپ اس کے قائل نہیں البتہ اس واقعہ سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک یہ بزرگ ہستیاں سب سے زیادہ محبوب تھیں۔

إِنَّ هَذَا الْقَصَصُ الْحَقُّ یعنی عیسیٰ و مریم کا جو واقعہ بیان کیا گیا یہی سچا بیان ہے۔ ہُوَ ضمیر فصل ہے۔ یا مبتدا ہے اور القصص اس کی خبر ہے اور پورا جملہ اِن کی خبر ہے۔ ضمیر فصل پر لام تاکید کا آنا سچ ہے کیونکہ اصل میں تو یہ لام مبتدا پر آتا ہے اسی لئے اس کو لام ابتدا کہتے ہیں مگر خبر پر بھی آجاتا ہے مگر جب مبتدا اور خبر کے درمیان ضمیر فصل ہو تو چونکہ ضمیر مبتدا کے قریب ہوتی ہے (اور خبر اس کے بعد آتی ہے) اس لئے اس پر لام آجاتا ہے۔ وَمَا مِنْ آلٍ اور کوئی بھی آلہ نہیں ہے۔ استغراق نفی کی تاکید کیلئے من کو زیادہ کیا ہے۔ یہ عیسائیوں کے عقیدہ تکلیف کا رد ہے۔

إِلَّا اللَّهُ سوائے اللہ کے۔ فَإِنَّ اللَّهَ لَهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ اور حقیقت میں اللہ ہی غالب اور حکمت والا ہے۔ اس جملہ کی نحوی ترکیب وہی ہے جو مذکورہ بالا جملہ اِن هَذَا الْقَصَصُ الْحَقُّ کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عزت، کمال، قدرت اور احاطہ حکمت میں کوئی بھی اللہ کے برابر نہیں ہے پھر الوہیت میں کوئی کس طرح اس کا شریک ہو سکتا ہے۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا پس اگر اب بھی انہوں نے دلائل حق سے روگردانی اور توحید سے اعراض کیا تو اللہ ان کو عذاب دے گا (کیونکہ یہ مفسد ہیں)۔

فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ اور اللہ مفسدوں کو خوب جانتا ہے اِن کی جزا محذوف ہے۔ اصل کلام اس طرح تھا فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ يُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا كَابًا عَثَ تھامفسد ہونا، پس علت کو معلول کے بجائے ذکر کر دیا (تاکہ حکم عذاب کی علت معلوم ہو جائے اور حکم کا ثبوت دلیل سے ہو جائے) کیونکہ کفر و معاصی کو دنیا میں پھیلنا اور لوگوں کو ایمان سے روک کر ملک میں بگاڑ پیدا کرنا اور خود ولی نعمت کی ناشکری اور نافرمانی اور اس کے رسول کی مخالفت کر کے عالم کو تباہ کرنا عذاب پانے کا سبب ہے اور اللہ کو ان کا مفسد ہونا معلوم ہے (پس لامحالہ اللہ ان کو عذاب دے گا) اس آیت میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ حق سے روگردانی فساد انگیز حرکت ہے (اس سے امن تباہ ہو جاتا ہے) واللہ اعلم۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ نجران کا وفد مدینہ میں آیا تو اس کی ملاقات یہودیوں سے ہوئی اور حضرت ابراہیم کے متعلق دونوں فریق کا مناظرہ ہو گیا۔ عیسائیوں نے کہا کہ ابراہیم نصرانی تھے اور ہم ان کے دین پر ہیں لہذا ہمارا ان سے خصوصی تعلق ہے اور یہودیوں نے کہا کہ ابراہیم یہودی تھے۔ ہم ان کے مذہب پر ہیں ان کا ہم سے قریب ترین تعلق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دونوں گروہوں کا ابراہیم اور ان کے دین سے کوئی تعلق نہیں۔ ابراہیم ہر طرف سے کٹ کر اللہ ہی کے ہو گئے تھے اور اللہ کے فرمانبردار تھے میں ان کے دین پر ہوں لہذا تم سب ابراہیم کے دین یعنی اسلام کا اتباع کرو، یہودی بولے آپ تو یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ کو رب بنالیا اسی طرح ہم بھی آپ کو رب بنالیں۔ عیسائی کہنے لگے آپ کی تو یہ مرضی ہے کہ یہودیوں نے جو بات عزیر کے بارے میں کہی ہے وہی ہم آپ کے متعلق کہنے لگیں۔ اس پر اللہ نے آیت ذیل نازل کی۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ

تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ
آپ کہہ دیں اے اہل کتاب۔ اہل کتاب کا لفظ دونوں کتابوں والوں کو شامل ہے۔
ایک بات کی طرف آجاؤ۔ بغوی نے لکھا ہے کہ جس قصہ کی کچھ تفصیل ہو عرب اس کو کلمہ کہہ دیتے ہیں اسی لئے قصیدہ کو کلمہ کہا جاتا ہے۔

سَوَاءٌ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ

جو ہمارے تمہارے درمیان ایک جیسی ہے سَوَاءٌ مصدر بمعنی اسم فاعل ہے اسی لئے اس کا مونث نہیں آتا کیونکہ مصدر کا شنیہ آتا ہے نہ جمع نہ مونث یعنی اس بات میں قرآن، توریت، انجیل کسی کو کوئی اختلاف نہیں۔

أَلَا نَعْبُدُ إِلَّا اللَّهَ

وہ یہ ہے کہ اللہ کے سوائے ہم کسی کو نہ پوجیں یعنی عبادت میں کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں نہ انسان کو نہ بت کو نہ فرشتہ کو نہ شیطان کو۔

وَلَا نُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا

اور کسی شئی کو واجب الوجود ہونے میں اس کا سا جھی نہ قرار دیں جیسے یہودی عزیر کو خدا کا بیٹا اور عیسائی مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور نصاریٰ اللہ کو تین میں کا تیرا قرار دیتے ہیں اور نتیجہ میں عزیر اور مسیح کی پوجا کرتے ہیں۔

وَلَا يَخْذُ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا

اور ہم میں سے بعض آدمی بعض آدمیوں کو رب نہ بنائیں یعنی بعض لوگ بعض کی اطاعت نہ کریں۔

مِّنْ دُونِ اللَّهِ

اللہ کی اجازت کے بغیر۔ حضرت عدی بن حاتم راوی ہیں کہ جب آیت اِتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ نازل ہوئی تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم تو علماء و مشائخ کی پوجا نہیں کرتے تھے فرمایا کیا وہ (اپنی مرضی سے اشیاء کو) تمہارے لئے حلال حرام نہیں بنایا کرتے تھے اور پھر تم ان کے قول پر عمل نہیں کرتے تھے میں نے عرض کیا جی ہاں (ایسا تو کرتے تھے) فرمایا یہی تو وہ ہے (یعنی یہی تو غیر اللہ کو رب بنانا ہوا) ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

اطاعت رسول حقیقت میں اللہ ہی کی اطاعت ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے اللہ نے فرمایا وَمَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ

اطاعَ اللَّهَ۔ اسی طرح علماء، اولیاء، حکام اور بادشاہوں کا حکم جب کہ شریعت کے موافق ہو اللہ ہی کی اطاعت ہے اللہ کا ارشاد ہے اطیعوا اللَّهَ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم اور جو خلاف شرع ہو اس کی اطاعت غیر اللہ کی ربوبیت کی تسلیم ہے۔

حضرت علیؑ کا قول ہے کہ معصیت خداوندی میں کسی کی اطاعت جائز نہیں۔ اطاعت تو معروف میں ہونی چاہئے۔ رواہ

الشیخان فی صحیحہما و ابو دائود والنسائی۔

حضرت عمر ان بن حصین اور حضرت حکیم بن عمرو غفاریؓ کی روایت ہے کہ خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت جائز

نہیں۔ اس مقام سے اس بات پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اگر کسی کی تحقیق میں کوئی مرفوع حدیث صحیح ثابت ہو جائے اور اس کے مقابل کوئی دوسری حدیث بھی نہ ہو اور کوئی حدیث اس کی ناخ بھی نہ ہو اور امام ابو حنیفہؒ کا فتویٰ حدیث مذکور کے خلاف ہو اور

باقی آئمہ میں سے کسی امام کا مسلک حدیث مذکور کے موافق ہو تو اس صورت میں حدیث کا اتباع واجب ہے ایسی حالت میں اگر امام اعظمؒ کے فتوے پر جمار ہے گا تو گویا یہ غیر اللہ کی ربوبیت کی تسلیم ہوگی۔ بیہقی نے مدخل میں صحیح اسناد کے ساتھ عبد اللہ بن مبارک کا قول نقل کیا ہے ابن مبارکؒ نے کہا میں نے خود ابو حنیفہؒ کو یہ فرماتے سنا کہ اگر رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث مل جائے تو ہمارے سر آنکھوں پر اور کسی صحابی کا قول مل جائے تو ان کے اقوال سے ہم (کسی مسلک کو ترجیح دیں گے اور کسی تابعی کا قول ہو تو ہم اس سے مقابلہ کریں گے بیہقی نے روضۃ العلاء سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام اعظمؒ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کی حدیث اور صحابہؓ کے قول کے مقابل میں میرے قول کو ترک کر دو۔ یہ بھی منقول ہے کہ امام صاحب نے فرمایا اگر حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔ ہم نے عمل بالحدیث کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ چاروں اماموں میں سے کسی امام کا قول اس حدیث کے موافق ہو تا ضروری ہے۔ اس شرط کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں حدیث کے خلاف عمل کرنے سے اجماع کی خلاف ورزی لازم آئے گی کیونکہ تیسری یا چوتھی قرن کے بعد فرعی مسائل میں اہل سنت کے چار فرقے ہو چکے کوئی پانچواں مذہب باقی نہیں رہا۔ پس گویا اس امر پر اجماع ہو گیا کہ جو قول ان چاروں کے خلاف ہو وہ باطل ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت کا اتفاق گمراہی پر نہیں ہوگا۔ اللہ نے بھی فرمایا ہے۔

وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُسْلِمِينَ سَابِقَ الذَّلِيلِ الْمَذِينِ ۖ فَمَا لَوْ كُنَّا أَنْفُسُنَا أَكْفَرًا مِنْكُمْ وَشَاءَتْ مُسْتَبْرَئًا ۖ
اس کے علاوہ یہ بات بھی ظاہر ہے کہ یہ بات تو ممکن ہے کہ حدیث مذکور کا علم چاروں اماموں میں سے کسی کو نہ ہو اور نہ ان کے شاگردوں میں سے کسی بڑے عالم کو اطلاع ہو اس سے معلوم ہوا کہ اگر سب نے بالاتفاق حدیث مذکور کے خلاف فتویٰ دیا ہے اور حدیث پر عمل ترک کر دیا ہے تو اس کی وجہ صرف یہ ہوگی کہ اس حدیث کو کسی دوسری حدیث سے انہوں نے منسوخ یا مؤول قرار دیا ہے۔

..... فائدہ

اگر علماء شرع کسی مسئلہ کے جواز یا عدم جواز کا فیصلہ کر چکے ہوں تو پھر اس فتوے کی خلاف ورزی یہ کہہ کر کرنی جائز نہیں کہ مشائخ صوفیہ کا طریقہ اس کے علاوہ ہے اور ہم صوفیہ کے طریقہ کے پابند ہیں۔ حقیقت میں صوفیائے کرام نے شرع کے خلاف کبھی کوئی کام نہیں کیا۔ شریعت کا بگاڑ تو ان جاہلوں کی وجہ سے ہوا جو صوفیہ کے پیچھے آئے (اور تصوف کے علمبردار بنے)

..... فائدہ

اولیاء اور شہداء کے مزارات پر سجدے کرنا، طواف کرنا، چراغ روشن کرنا، ان پر مسجدیں قائم کرنا، عید کی طرح مزارات پر عرس کے نام سے میلے لگانا جس طرح آج کل جاہل کرتے ہیں۔ جائز نہیں۔
حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ مرض (وفات) میں رسول اللہ ﷺ نے دھاری دار کبیل سے چہرہ مبارک ڈھانک لیا اور دم گھٹا تو منہ سے ہٹا دیا اور اسی حالت میں فرمایا یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت۔ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے حضور ﷺ نے اس ارشاد میں یہود و نصاریٰ کے فعل سے مسلمانوں کو بازداشت کی۔ بخاری و مسلم، امام احمد اور ابوداؤد طحاہی نے بھی حضرت اسامہ بن زید کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے۔
حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے اور اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ قبروں کی زیارت کرنے والے عورتوں پر اور ان لوگوں پر جو قبروں پر سجدہ گاہ بناتے اور چراغ جلاتے ہیں۔ اللہ کی لعنت ہو۔ مسلم نے حضرت جندب بن عبد الملک کا قول نقل کیا ہے۔ جندبؓ کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا وفات سے پانچ رات پہلے حضور ﷺ فرما رہے تھے ہوشیار! قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا۔ میں تاکید کے ساتھ تم کو اس کی ممانعت کرتا ہوں۔
یعنی اس سیدھی سادھی سچی بات سے جس پر اللہ کی تمام کتابیں اور پیغمبر متفق ہیں اگر یہ لوگ روگردانی کریں۔
فَإِنْ تَوَلَّوْا
تو اے پیغمبر تم اور سب مسلمان کہہ دیں کہ
فَقُولُوا

اے اہل کتاب تم گواہ ہو کہ تمام آسمانی کتابوں کو ہم مانتے ہیں تم نہیں مانتے۔
 حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت ہیں کہ ابوسفیان بن حربؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ ہر قل نے مجھے اور قریش کی ایک جماعت کو طلب کیا جس زمانہ میں ہماری اور رسول اللہ ﷺ کی صلح تھی، اس مدت صلح میں ہم شام میں بسلسلہ تجارت گئے ہوئے تھے، ایلیا میں ہم ہر قل کے پاس پہنچے ہر قل نے ہم سب کو اپنی مجلس میں طلب کر لیا سب اندر داخل ہوئے اس وقت اس کے گرد اگر دس دران روم موجود تھے اس کے بعد اس نے وہ خط منگولیا جو دجیہ کے ہاتھ رسول اللہ ﷺ نے حاکم بصری کو بھیجا تھا اور حاکم بصری نے وہ ہر قل کو پہنچایا تھا خط ان الفاظ کے ساتھ تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے بندے اور اللہ کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے ہر قل سردار روم کے نام جو ہدایت پر چلے اس پر سلام ہو۔
 اما بعد۔ میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں، مسلمان ہو جاؤ محفوظ رہو گے، اللہ تم کو دو ہر اثواب دے گا۔ اگر تم نے روگردانی کی تو رعایا کا گناہ بھی تم ہی پر پڑے گا۔ اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آ جاؤ جو ہمارے تمہارے درمیان برابر ہے وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی پوجا نہ کریں اس کا کسی چیز کو شریک نہ قرار دیں اور ہم میں سے کوئی کسی کی اطاعت اللہ کی اجازت کے بغیر نہ کرے۔ اس کے بعد بھی اگر انہوں نے روگردانی کی تو مسلمانو تم کہہ دو کہ (اے اہل کتاب) تم گواہ ہو کہ ہم (سب کو) مانتے ہیں (اور اللہ کے فرمان بردار ہیں)۔ متفق علیہ۔

”..... فائدہ.....“

رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت نجرانی نمائندوں کو پڑھ کر سنائی اور ہر قل کو لکھ کر بھیجی اور سب نے اس کو تسلیم کیا اور مضمون کا انکار نہیں کیا اور یہ کہہ کر رد نہ کر دیا کہ یہ بات ہماری کتابوں میں نہیں ہے یہ امور رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا قطعی ثبوت ہیں اور یہ بات یقینی ہے کہ مندرجہ آیات امور پر تمام کتابوں اور پیغمبروں کا اتفاق ہے۔ رہا عزیرؓ اور عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا قرار دینا یہ صرف دماغی تراشیدہ اور تقلیدی عقیدہ ہے۔ آسمانی کتابوں میں اسکی سند نہیں ہے۔ چونکہ عیسیٰؑ کا ابن اللہ ہونا کسی کتاب میں نہیں اسی لئے تو رسول اللہ ﷺ سے مناظرہ کے وقت انہوں نے (اپنی اختراعی عقلی یہ) دلیل پیش کی کہ کیا بن باپ کا آپ نے کوئی آدمی دیکھا ہے۔

بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے قصہ میں کس قدر پر زور ہدایت کا طریقہ اختیار کیا اور مناظرہ میں کتنی خوبصورت ترتیب مناظرہ ملحوظ رکھی قابل غور ہے۔ اول حضرت عیسیٰؑ کے وہ احوال و اطوار بیان کئے جو الوہیت کے منافی ہیں، پھر عیسیٰؑ کی تخلیقی حالت کو آدم کی تخلیقی حالت سے تشبیہ دے کر ان کے دل کی گرہ اور شبہ کو دور کرنے کا طریقہ اختیار کیا لیکن اس کے بعد بھی جب ان کی طرف سے ضد اور ہٹ دھرمی دیکھی تو اعجاز آگئیں طریقہ سے مبالغہ کی دعوت دی اور جب دیکھا کہ مبالغہ سے وہ کتر اگئے اور کسی قدر اطاعت کا اظہار کرنے لگے تو پھر ان کو ہدایت کرنے کی طرف رخ کیا اور اس طریقہ سے ہدایت کی پیش کش کی جو بہت ہی آسان اور لا جواب بنادینے والا ہے یعنی ان کو ایسی چیز کی دعوت دی جس پر حضرت عیسیٰؑ انجیل و تمام پیغمبر اور کتابیں متفق ہیں اور یہ طریقہ بھی سود مند ثابت نہیں ہوا اور تمام آیات و تنبیہات غیر مفید ہوئیں تو پھر ہر طرف سے رخ موڑ کر فرمایا۔ اَشْهَدُ وَاِبَانًا مُّسْلِمُونَ۔

ابن اسحاق نے اپنی مکرر سند سے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ نجران کے عیسائی اور یہودی علماء رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جمع ہوئے علماء یہود نے کہا کہ ابراہیمؑ تو یہودی ہی تھے اور عیسائیوں نے کہا کہ وہ عیسائی تھے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اے اہل کتاب یہ خطاب دونوں فریقوں کو ہے۔

يَا هَلْ الْكِتَابِ

تم ابراہیم کے دین کے متعلق باہم کیوں جھگڑا کرتے ہو۔

لِمَ تَحَاجُّونَ فِيْ اٰبَادِهِمْ

حالانکہ تورات و انجیل تو ابراہیم سے مدت کے

وَمَا اَنْزَلَتْ التَّوْرَةَ وَالْاِنْجِيلَ اِلَّا مِنْ بَعْدِهَا

بعد نازل کی گئی تھی اور تورات کے نزول کے بعد دین یہود پیدا ہوا اور انجیل کے نزول کے بعد دین عیسائیت۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ایک ہزار سال بعد حضرت موسیٰ آئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دو ہزار برس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوئے حضرت عیسیٰ انبیاء بنی اسرائیل میں آخری پیغمبر تھے۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۵

کیا تم اپنے قول کی غلطی نہیں سمجھتے۔ غالباً یہود و نصاریٰ کا دعویٰ یہ تھا کہ فرعی اعمال میں ابراہیم کا عمل توریت و انجیل کے موافق تھا۔ بلکہ ممکن ہے یہ بھی خیال ہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات اور حضرت عیسیٰ کے آسمان پر جانے کے بعد دونوں فریقوں نے جو مسائل فرعیہ از خود ایجاد کر رکھے تھے ان میں بھی ابراہیم کا عمل ان کے اختراع کردہ اعمال کے مطابق تھا یہ ہی بحث دونوں گروہوں میں محل نزاع تھی جو سر اسر غلط تھی کیونکہ ضابطہ الہی اور سنت خداوندی اس طرح ہے کہ جب گزشتہ شریعت کو زیادہ زمانہ گزر جاتا تھا تو ہر زمانہ کی مصلحت کے پیش نظر اللہ گزشتہ شریعت کے فرعی احکام منسوخ فرمادیتا تھا ایسی حالت میں یہودیت یا عیسائیت کے موافق دین ابراہیم کا ہونا کس طرح ممکن ہے ہاں اصول دین اور غیر منسوخ فرعی احکام جیسے غیر اللہ کی عبادت کی حرمت اور کذب و ظلم کی ممانعت تو یہ امور تمام شرائع میں ایک ہی طرح موجود ہیں ان میں اختلاف کا احتمال ہی نہیں۔ واللہ اعلم

هَآنَتُمْ

کو فیوں کی قرأت پر ہا حرف تنبیہ اور انتہام ضمیر مذکر مخاطب ہے اور قنبل و درش کی قرأت پر یہ لفظ بغیر مد کے ہانتہم ہے جو اصل میں ءَ اَنْتُمْ تھا جیسے هَرَقْتُ اصل میں اَرَقْتُ تھا ہمزہ استفہامیہ کوہ سے بدل دیا۔ اس صورت میں جملہ استفہامیہ انکاریہ ہوگا اور اول صورت میں مخاطب کو غفلت پر تنبیہ ہوگی۔

هَؤُلَاءِ

اَنْتُمْ مبتدا ہے اور هَؤُلَاءِ اس کی خبر ہے اور آئندہ جملہ اس جملہ کے مضمون کا بیان ہے۔ یا اَنْتُمْ مبتدا ہے اور حَاجَجْتُمْ اس کی خبر۔ اور هَؤُلَاءِ منادی ہے اور حرف مذکورہ ہے یعنی اے لوگو! تم نے باہم جھگڑا کیا ان امور میں جن کا تم کو عالم ہے بعض لوگوں نے هَؤُلَاءِ کو موصول کے معنی میں قرار دیا ہے کیونکہ کو فیوں کے نزدیک موصول کی جگہ اسم اشارہ کا استعمال جائز ہے یعنی کیا تم وہی لوگ ہو کہ تم نے جھگڑا کیا۔

حَاجَجْتُمْ

تم نے باہم جھگڑا کیا۔ ان امور میں جن کا تم کو علم ہے یعنی تم نے موسیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں جھگڑا کیا فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ اور ان کے دین پر ہونے کا دعویٰ کیا حالانکہ تم واقف ہو کہ توریت و انجیل کا دین کیا ہے اور تم نے کتنی تکلیس کی ہے۔ توریت و انجیل میں محمد رسول اللہ کے اوصاف موجود ہیں اور یہ بھی مذکور ہے کہ دین محمدی سے ان کے احکام منسوخ کر دیئے جائیں گے مگر تم نے جانتے ہوئے ان باتوں کو چھپایا مگر اللہ نے یہ پردہ چاک کر کے تم کو رسوا کر دیا۔

فَاِمَّا تَحَاجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ

پس اے یو تو فو! جو اپنے دعویٰ کی غلطی کی طرف سے غافل ہو تم ان امور میں کیوں جھگڑا کرتے ہو جن کا تم کو کچھ علم نہیں ہے، یعنی ابراہیم کے دین و شریعت میں تم کیوں نزاع کرتے ہو وہ تم سے ہزاروں برس پہلے تھے اور توریت و انجیل میں ان کی شریعت کی تفصیل مذکور نہیں ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

اور ہر نبی پر جو احکام نازل کئے گئے ان کو اللہ ہی جانتا ہے۔ اور تم نہیں جانتے مگر اتنا ہی جتنا تمہاری کتاب میں اللہ نے تم کو بتادیا۔ بلکہ تم کو کچھ علم وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶

ہی نہیں کیونکہ جو کچھ اللہ نے کتاب میں نازل کیا تھا اس کو تم نے چھوڑ دیا اور اللہ کی کتاب کو پس پشت پھینک دیا۔ یہاں تک کہ تم محمد ﷺ پر ایمان نہ لائے حالانکہ اللہ تم سے اس کا پختہ وعدہ لے چکا تھا پس اس مناظرہ بازی میں بھی تم کو رسوائی ہوگی کیونکہ تم جاہل ہو اور جاہل عالم سے مناظرہ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ اس آیت میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے

دین ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے سلسلہ میں مناظرہ صحیح ہے کیونکہ اللہ کے بتانے سے آپ کو دین ابراہیم کا علم ہو گیا تھا۔
مَا كَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا
مسائل میں نہ دین موسیٰ کے موافق تھا، نہ شریعت عیسیٰ کے۔

وَلٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا
بلکہ وہ تمام غلط عقائد سے روگرداں تھے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ حنیف وہ ہے جو موحد ہو قربانی کرے، ختنہ کرائے اور کعبہ کی طرف (نماز میں) منہ کرے اور یہ باتیں نہ یہودیوں میں تھیں نہ عیسائیوں میں۔

مُسْلِمًا اللہ کے تمام احکام کی تعمیل کرنے والے تھے، نفسانی خواہشات کے پیرو نہ تھے اور تم اللہ کے احکام کی تعمیل نہیں کرتے تم اس پیغمبر کو ہی نہیں مانتے جس کا ذکر توریت و انجیل میں تمہارے پاس لکھا موجود ہے تم دوسروں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو اللہ کو تین میں کا تیرا کہتے ہو اور عزیز و مسیح کو خدا کے بیٹے قرار دیتے ہو، پس تم ابراہیم کے دین و ملت پر ہونے کا دعویٰ کس طرح کرتے ہو۔

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ
اور ابراہیم مشرکوں میں سے نہیں تھے بلکہ موحدین میں سے تھے۔
اِنَّ اَوْلٰى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ
سب سے زیادہ ابراہیم سے خصوصیت اور ان کے دین سے قرب رکھنے والے۔ اُولٰی وُلٰی سے مشتق ہے اور وُلٰی کا معنی ہے قرب۔

لَٰكِنَّ اَتَّبِعُوْكَ
بے شک وہی لوگ ہیں جنہوں نے ابراہیم کی امت میں سے ان کی پیروی کی کیونکہ وہی لوگ بلاشبہ آپ کے دین پر تھے۔

وَهٰذَا النَّبِيُّ
اور یہ نبی یعنی محمد ﷺ
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
اور وہ لوگ جنہوں نے محمد ﷺ کو پیغمبر مانا۔ کیونکہ یہ لوگ اکثر احکام میں ملت ابراہیمی کے موافق ہیں موحد ہیں، قربانی کرتے ہیں، ختنہ کراتے ہیں، کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں، حج اور عمرہ کرتے ہیں اور ان احکام کو پورا کرتے ہیں جن سے اللہ نے ابراہیم کی جانچ کی تھی اور ابراہیم نے ان کو پورا کیا تھا۔

وَاللّٰهُ وَلٰى الْمُؤْمِنِيْنَ
اور اللہ مؤمنوں کا دوست ہے کیونکہ ان کا ایمان اول سے آخر تک تمام انبیاء پر ہے یہودی اور عیسائی ایسے نہیں ہیں۔

بغوی نے کلبی کی روایت سے اور محمد بن اسحاق نے زہری کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ جب حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کچھ صحابیوں کو ساتھ لے کر مکہ چھوڑ کر حبشہ کو چلے گئے اور رسول اللہ ﷺ بھی مدینہ کو ہجرت کر گئے اور پھر بدر کی جنگ بھی ہو چکی (جس میں بڑے بڑے قریشی سردار مارے گئے اور بہت سے گرفتار ہو گئے) تو اس کے بعد قریش نے مشورہ گھر میں کمیٹی کی اور کہنے لگے محمد (ﷺ) کے جو ساتھی نجاشی کے پاس چلے گئے ہیں ان کے ذمہ ہمارے مقتولین بدر کا قصاص ہے لہذا کچھ مال جمع کر کے نجاشی کے پاس بطور ہدیہ لے جاؤ ممکن ہے کہ تمہاری قوم کے جو لوگ اس کے پاس پہنچ گئے ہیں ان کو وہ تمہارے سپرد کر دے اور تم انتقام لے سکو) پس دو سمجھدار آدمیوں کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجو، چنانچہ عمرو بن عاصؓ اور عمارہ بن ابی عبیطؓ کو کچھ (طائف کے) چمڑے وغیرہ بطور ہدیہ کے نجاشی کے پاس سب نے با اتفاق رائے بھیجا۔ یہ دونوں سمندری راستہ سے حبشہ جا پہنچے اور نجاشی کے دربار میں حاضر ہو کر اس کو سجدہ کیا اور دعا سلامتی دی اور عرض کیا ہماری قوم آپ کی خیر خواہ اور شکر گزار ہے اور آپ کی عافیت کی طلب گار ہے قوم والوں نے ہم کو آپ کی خدمت میں اس بات پر آگاہ کرنے کے لئے بھیجا ہے کہ کچھ لوگ آپ کے پاس (مکہ کے) آئے ہیں ان سے آپ ہوشیار ہیں یہ لوگ ایک بڑے جھوٹے آدمی کے ساتھی ہیں جس نے رسول خداؐ کو قتل کرنے کا دعویٰ کیا ہے مگر سوائے یو قوفوں کے ہم میں سے کوئی بھی اس کے پیچھے نہیں ہوا ہم نے ان کو اتنا تک کیا کہ مجبور ہو کر انہوں نے ہمارے ملک کی ایک گھائی میں پناہ لی اور وہاں لوگوں کی آمد و رفت

بند ہو گئی، نہ وہاں سے کوئی باہر نکلتا ہے، نہ باہر سے اندر جاتا ہے، بھوک اور پیاس سے ان کی جانوں پر نئی ہوئی ہے، آخر سختی سے تنگ آکر اس نے اپنے چچا کے بیٹے کو آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ وہ آپ کا مذہب خراب کر دے اور آپ کی حکومت و رعیت کو بھی تباہ کر دے آپ ان لوگوں سے احتیاط رکھیں اور ان کو ہمارے سپرد کر دیں تاکہ ہم ان کو آپ سے روک دیں اور آپ کا کام ہو جائے، ہمارے اس قول کا ثبوت یہ ہے کہ چونکہ وہ آپ کے دین اور طور طریقہ سے نفرت کرتے ہیں اس لئے جب وہ آپ کے سامنے آئیں گے تو سجدہ نہیں کریں گے۔ اور نہ دوسروں کی طرح آداب شاہی بجالائیں گے۔

نجاتی نے حضرت جعفرؓ کو ساتھیوں سمیت طلب کیا یہ حضرات دروازہ پر ہی پہنچے تھے کہ حضرت جعفرؓ نے چیخ کر کہا اللہ کا گروہ باریاب ہونے کی اجازت چاہتا ہے نجاشی نے آواز سن کر کہا اس چیخنے والے کو حکم دو کہ دوبارہ یہی الفاظ کہے حضرت جعفرؓ نے پھر وہی کہا۔ نجاشی نے کہا جی ہاں اللہ کے اذن اور ذمہ داری کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ عمرو بن عاصؓ نے اپنے ساتھی سے کہا سن رہے ہو انہوں نے کس طرح لفظ حزب اللہ کہا اور نجاشی نے ان کو کیا جواب دیا۔ عمرو بن عاصؓ اور عمارہؓ کو حضرت جعفرؓ کے کلام اور نجاشی کے جواب سے دکھ ہوا۔ جب وہ حضرات اندر آئے تو نجاشی کو انہوں نے سجدہ نہیں کیا، عمرو بن عاصؓ نے نجاشی سے کہا آپ دیکھ رہے ہیں۔ یہ آپ کو سجدہ کرنے سے بھی غرور کرتے ہیں (یعنی غرور کی وجہ سے آپ کو سجدہ بھی نہیں کرتے) نجاشی نے ان حضرات سے کہا کیا وجہ کہ تم نے مجھے سجدہ نہیں کیا اور وہ آداب بجانہ لائے جو باہر سے آنے والے بجاتے ہیں۔ صحابہؓ نے کہا ہم اس خدا کو سجدہ کرتے ہیں جس نے آپ کو پیدا کیا اور بادشاہ بنایا۔ سلام کا یہ طریقہ ہمارا اس وقت تھا جب ہم بتوں کی پوجا کرتے تھے (گویا آپ کو بھی ایک بت سمجھ کر سجدہ کر لیتے تھے) لیکن اللہ نے ہمارے اندر ایک سچائی مبعوث فرمایا اس نے ہم کو اسی طرح سلام کرنے کا حکم دیا جو اللہ کو پسند تھا یعنی لفظ سلام کہنے کا یہی اہل جنت کا سلام ہے۔ اس گفتگو سے نجاشی سمجھ گیا کہ یہی بات حق ہے اور توریت و انجیل میں بھی یہی ہے۔ بولا تم میں سے کون ہے جس نے حزب اللہ کہہ کر باریاب ہونے کی چیخ کر اجازت طلب کی تھی۔ حضرت جعفرؓ نے فرمایا میں ہوں، اس کے بعد آپ نے فرمایا کوئی شبہ نہیں کہ آپ زمین کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ ہیں اور اہل کتاب میں سے ہیں آپ کے سامنے نہ زیادہ باتیں کرنا مناسب ہے نہ کسی پر ظلم (آپ کے لئے سزاوار ہے) میں چاہتا ہوں کہ اپنے ساتھیوں کی طرف سے (تنہا) خود جواب دوں۔ آپ ان دونوں آدمیوں کو حکم دیدیتے کہ ان میں سے ایک بات کرے اور دوسرا خاموش رہ کر ہماری گفتگو سنتا رہے یہ سن کر عمرو نے حضرت جعفرؓ سے کہا بولو حضرت جعفرؓ نے نجاشی سے کہا ان دونوں سے دریافت کیجئے کہ ہم کیا آزاد ہیں یا غلام (کہ بھاگ کر آگئے ہیں) عمرو نے کہا نہیں تم آزاد ہو اور معزز ہو۔ نجاشی نے کہا غلام ہونے (کے الزام) سے تونچ گئے۔ جعفرؓ نے کہا ان سے دریافت کیجئے کیا ہم نے ناحق کوئی خون کیا ہے جس کا قصاص ہم سے لیا جائے۔ عمرو نے کہا نہیں۔ ایک قطرہ خون بھی نہیں بہلایا۔ جعفرؓ نے کہا کیا ہم نے ناحق لوگوں کا مال لے لیا ہے جس کی ادائیگی ہمارے ذمہ ہے۔ نجاشی نے کہا اگر (تمہارے ذمہ) قسطار (یعنی ڈھیر د مال) بھی ہو گا تو اس کی ادائیگی میرے ذمہ، عمرو نے کہا کوئی مال نہیں ایک قیراط بھی نہیں۔ نجاشی نے کہا تو پھر تم ان سے کیا مطالبہ کرتے ہو۔ عمرو نے کہا ہم اور یہ ایک مذہب اور ایک طریقہ پر تھے باپ دادا کے دین پر تھے انہوں نے اس دین کو چھوڑ دیا اور دوسرے مذہب کے پیرو ہو گئے اس لئے ہماری قوم نے ہم کو آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ ان کو ہمارے حوالے کر دیں۔ نجاشی نے پوچھا مجھے سچ بتاؤ وہ مذہب جس پر تم تھے وہ کیا تھا اور جس دین کے اب پیرو وہ کیا ہے؟ جعفرؓ نے کہا جس مذہب پر ہم تھے وہ شیطان کا دین تھا، ہم اللہ کا انکار کرتے تھے، پتھروں کو پوجتے تھے اور پلٹ کر جس دین کو ہم نے اختیار کیا وہ اللہ کا دین اسلام ہے، اللہ کے پاس سے اس دین کو لے کر ہمارے پاس ایک رسولؐ آیا اور ایک کتاب بھی دیسی ہی آئی جیسی لندن میں آئے تھے یہ کتاب بھی اس کتاب کے موافق ہے۔ نجاشی نے کہا تم نے بڑا بول بولا ہے نرم رفتار پر ہو، اس کے بعد نجاشی کے حکم سے ناقوس بجایا گیا اور تمام عیسائی علماء و مشائخ جمع ہو گئے، جب سب اکٹھے ہو گئے تو نجاشی نے ان سے کہا میں تم کو اس خدا کی جس نے عیسیٰؑ پر انجیل نازل کی بھی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم کو (کتاب میں) یہ بات ملتی ہے کہ عیسیٰؑ اور قیامت کے درمیان کوئی نبی مرسل آئے

گا۔ علماء نے جواب دیا بے شک خدا گواہ ہے ایسا ہے ہم کو عیسیٰ نے اس کی بشارت دی ہے اور یہ بھی فرمادیا ہے کہ جو اس پر ایمان لایا وہ مجھ پر ایمان لایا اور جس نے اس کا انکار کیا اس نے میرا انکار کیا۔ نجاشی نے جعفرؓ سے کہا یہ شخص تم سے کیا کہتا ہے کیا کرنے کا حکم دیتا ہے اور کس چیز سے منع کرتا ہے جعفرؓ نے جواب دیا وہ ہمارے سامنے اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں، اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں، برے کاموں سے روکتے ہیں ہمسایوں سے حسن سلوک کرنے، قرابت داروں سے میل رکھنے اور یتیموں کو نوازنے کا حکم دیتے ہیں اور یہ بھی ہدایت فرماتے ہیں کہ ہم فقط اللہ ہی کی پوجا کریں جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

نجاشی نے کہا جو کلام وہ تمہارے سامنے پڑھتے ہیں اس میں سے کچھ مجھے سناؤ۔ حضرت جعفرؓ نے سورہ عنکبوت و روم کی تلاوت کی جس کو سن کر نجاشی اور اس کے ساتھیوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے نجاشی کے ساتھی بولے۔ جعفرؓ یہ پاکیزہ کلام ہم کو کچھ اور سناؤ، حضرت جعفرؓ نے سورہ کہف پڑھ کر سنائی۔ یہ حالت دیکھ کر عمرو بن عاصؓ نے چاہا کہ نجاشی کو جعفرؓ پر غصہ دلادے اس لئے کہنے لگا یہ لوگ عیسیٰ اور ان کی ماں کو گالی دیتے ہیں اس پر نجاشی نے جعفرؓ سے پوچھا تم عیسیٰ اور ان کی والدہ کے بارے میں کیا کہتے ہو حضرت جعفرؓ نے جواب میں سورہ مریم کی تلاوت کی اور مریم و عیسیٰ کے تذکرہ پر پہنچے تو نجاشی نے اپنے مساوک کا اتنا باریک ریزہ جیسے آنکھ میں تنکا پڑ جاتا ہے اٹھایا اور کہنے لگا۔

خدا کی قسم مسیحؑ اس بیان سے اتنے بھی زائد نہ تھے۔ پھر جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں سے خطاب کر کے کہا جاؤ میرے ملک میں تم محفوظ ہو یعنی امن کے ساتھ رہو جو تم کو گالی دے گا یا کچھ ستائے گا اس کو ڈنڈ بھگتنا ہو گا۔ پھر کہنے لگا تم خوش رہو کچھ اندیشہ نہ کرو۔ ابراہیمؑ کے گردہ کا آج بگاڑ نہیں ہو گا۔ عمرو نے پوچھا نجاشی ابراہیمؑ کی جماعت کو نہی ہے نجاشی نے جواب دیا یہی گردہ اور ان کا وہ آقا جس کے پاس سے یہ آئے ہیں اور ان کی پیروی کرنے والے۔ مشرکین نے اس بات کو ماننے سے انکار کیا اور خود دین ابراہیمی میں ہونے کا دعویٰ کیا پھر نجاشی نے وہ مال واپس کر دیا جو عمرو اور اس کا ساتھی لے کر آئے تھے اور کہا تمہارا یہ ہدیہ محض رشوت ہے اس پر اپنا قبضہ کر لو اللہ نے بغیر رشوت لئے مجھے بادشاہت عطا فرمائی ہے۔ حضرت جعفرؓ کا بیان ہے کہ پھر ہم لوٹ آئے اور بہترین مکان اور بڑی عزت کی عمدہ مہمانی میں رہے اور ادھر اللہ نے اسی روز مدینہ میں رسول اللہ ﷺ پر حضرت ابراہیمؑ کے دین پر ہونے کے نزاع کے متعلق یہ آیت نازل فرمادی ان اولی الناس بابراہیم۔

وَدَّتْ طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ
حضرت معاذ بن جبل حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت عمار بن یاسر کو یہودیوں نے اپنے مذہب کی دعوت دی تو اس آیت کا نزول ہوا یعنی یہودیوں کی ایک کو یُضِلُّونَ گمراہ جماعت چاہتی ہے کہ تم کو تمہارے دین سے اغوا کر لے اور لوٹا کر کفر کی طرف لے جائے، لو بمعنی ان مصدری ہے لیکن لفظی عمل اُن کی طرح نہیں ہے ورنہ یضِلُّونَ کا نون حذف کر دیا جاتا (پورا جملہ) (بتاویل مفرد ہو کر) و دت کا مفعول ہے یا لو تمنائی ہے اس صورت میں یہ مودت کا بیان ہو جائے گا۔

وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ
اور وہ سوائے اپنے نفسوں کے کسی کو گمراہ نہیں کرتے یعنی اس اغواء کا وبال انہی پر لوٹ کر پڑے گا اور عذاب دو گنا ہو جائے گا مسلمان تو بہر حال اللہ کی مدد کی وجہ سے ان کے شر سے محفوظ رہیں گے۔ اس مطلب کی بناء پر گمراہ کو گمراہ کرنا لازم نہیں آتا۔
وَمَا يَشْعُرُونَ ۝۱۱
اور ان کو احساس بھی نہیں کہ ان کی ضرر رسانی (کی یہ کوشش) لوٹ کر انہی پر پڑے گی۔
يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ
اے اہل کتاب تم اللہ کی ان آیات کا کیوں انکار کرتے ہو جو توریت و انجیل میں مذکور ہیں اور جن میں محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور آپ کے اوصاف کی صراحت ہے یا یہ مراد کہ تم

۱۔ آیت پر یہ اعتراض کیا جاسکتا تھا کہ یہودی تو پہلے ہی گمراہ ہیں، دوبارہ اپنے آپ کو گمراہ کرنے کا کیا معنی، گم کردہ راہ کو دوبارہ گمراہ بنانے کا مطلب ہی کیا ہو سکتا ہے، حضرت مولف نے توجیہ مطلب اس طرح کی کہ مسلمان تو گمراہ ہونے سے محفوظ ہیں لیکن یہودیوں کی منکرات انگیزی ان کے لئے موجب عذاب ہے، پس یہودیوں پر دوہرا عذاب ہو گا ایک تو خود گمراہ ہونے کا دوسرا منکرات انگیزی کی کوشش کا۔

آیات قرآن کا کیوں انکار کرتے ہو۔

وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ

حالانکہ تم آپس میں چھپ چھپ کر اقرار کرتے ہو کہ محمد ﷺ سچے نبی ہیں جن کا بیان توریت و انجیل میں موجود ہے یا یہ مطلب ہے کہ معجزات کو دیکھ کر تم جانتے ہو کہ یہ نبی برحق ہیں۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ
اے اہل کتاب تم کیوں حق کو باطل کے ساتھ مخلوط کرتے ہو یعنی اصل تورات کی آیات کے ساتھ اپنی طرف سے لکھے ہوئے باطل کو ملا دیتے ہو

وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ
اور حق کو چھپاتے ہو یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کے جو لو صاف توریت میں مذکور ہیں انکو چھپاتے ہو۔
وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ

محمد ابن اسحاق نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ عبد اللہ بن العصف اور عدی بن زید اور حارث بن عوف نے باہم مشورہ کیا اور کہا کہ محمد اور ان کے ساتھیوں پر جو کچھ اتارا گیا ہے (ہمارے لئے مناسب ہے کہ) شروع دن میں تو ہم اس کو سچ مان لیں اور پچھلے دن میں انکار کر دیں، اس تدبیر سے مسلمانوں کو بھی اپنے دین میں شبہ پڑ جائے گا۔ ممکن ہے ہماری طرح وہ بھی کرنے لگیں اور اپنے مذہب سے لوٹ جائیں۔ انہی کے بارے میں اللہ نے يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ سے وَايَسُّ عَلَيَّكُمْ تک آیات نازل فرمائیں۔

وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنْزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ
یعنی اہل کتاب کے ایک گروہ نے (آپس میں) کہا کہ دن کے اول حصہ میں اس قرآن پر جو مسلمانوں پر اترا ہے صرف زبان سے اپنے ایمان لانے کا اظہار کرو۔

وَافْهَمُوا إِخْوَهُ
اور پچھلے دن میں اسکا انکار کر دو اور کہہ دو کہ ہم نے اپنی کتابوں کا مطالعہ کیا اور اپنے علماء سے مشورہ بھی لیا ہم پر واضح ہو گیا کہ محمد وہ (نبی موعود) نہیں ہیں ہم کو ان کا جھوٹ کھل گیا (اسلئے ہم اس مذہب کو ترک کرتے ہیں)۔

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ
شاید اس ترکیب سے مسلمان بھی اپنے دین میں شک کرنے لگیں اور یہ خیال کر کے کہ تم ان کے مذہب میں کوئی خرابی پا کر ہی لوٹے ہو اپنے دین سے لوٹ جائیں۔ بغوی نے حسن بصری کا قول نقل کیا ہے کہ اس

رائے پر خیر اور دیہات عربینہ کے بارہ یہودی عالموں نے اتفاق کیا تھا۔ ابن جریر نے سدی کی روایت بھی اسی طرح نقل کی ہے اور مجاہد مقاتل اور کلبی کا قول ہے کہ یہ گفتگو قبلہ کے بارے میں ہوئی تھی جب بیت المقدس سے کعبہ کی طرف مسلمانوں کا رخ

پھیر دیا گیا تو یہودیوں کو یہ بات شاق ہوئی کعب ابن اشرف اور اس کے ساتھیوں نے کہا کہ کعبہ کی تحویل کو (بظاہر) مان لو اور دن کے ابتدائی حصہ میں کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لو پھر دن کے آخری حصہ میں انکار کر دینا اور اپنے قبلہ کی طرف لوٹ

آنا

وَلَا تُؤْمِنُوا
اور دل سے نہ ماننا۔ اس کا عطف آمِنُوا پر ہے یعنی دل سے نہ ماننا اور کسی کو سچانہ جاننا۔
إِلَّا لِمَن تَبِعَ دِينَكُمْ

مگر انہی لوگوں کو جو تمہارے دین پر چلیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ شروع دن میں اپنے ایمان کا اظہار انہی لوگوں پر کرنا جو پہلے تمہارے ہم مذہب تھے کیونکہ انہی سے سابق مذہب کی طرف لوٹنے کی زیادہ امید ہو سکتی ہے اور انہی کی اہمیت بھی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ لَا تُؤْمِنُوا کفر واکابیان ہو یعنی دن کے آخر حصہ میں اسلام کا انکار کر دینا

اور سوائے اپنے ہم مذہب لوگوں کے کسی کی بات کو نہ ماننا۔
قُلْ إِنَّ الْهُدَىٰ هُدَىٰ اللَّهِ

اے محمد آپ کافروں سے کہہ دیں کہ مسلمانوں کو جو ہدایت ملی ہے وہ خدا داد ہے تم پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھا نہیں سکتے اللہ تو اپنے نور کی تکمیل کر کے ہی رہے گا تمہاری مکاری مسلمانوں کو ضرر نہیں پہنچا سکتی یا یہ مطلب ہے کہ اے محمد آپ خود بھی اپنے دل کو سمجھا دیں اور مسلمانوں سے بھی کہہ دیں کہ یہ ہدایت خدا داد

ہے۔ کسی مکاری کی مکاری تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔

۴
۱۵

اَنْ يُّؤْتِيَ أَحَدٌ مِّثْلَ مَا أُوتِيَ نَبِيُّهُ
اس کا تعلق فعل محذوف سے ہے یعنی (اے اہل کتاب) تم اس جملن میں
یہ مکاری کرتے ہو کہ جیسی کتاب و حکمت تم کو دی گئی ہے ویسی ہی دوسروں کو بھی عطا کی جا رہی ہے۔
اَوْ يَحْجُوكُمُ عِنْدَ رَبِّكُمْ
یہاں جو اس کی ضمیر احد کی طرف راجع ہے۔

احد اگرچہ لفظ مفرد ہے لیکن معنی جمع ہے کیونکہ دائرہ نفی میں واقع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن دوسرے
لوگ خدا کے سامنے تم پر غالب آجائیں گے کیونکہ تم ہدایت پر نہیں اور وہ ہدایت پر ہوں گے۔ مراد یہ ہے کہ ان دونوں باتوں
پر حسد کرنے سے تم کو مکاری پر آمادہ کیا مگر یہ مکر و حسد مناسب نہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اَنْ يُّؤْتِيَ تَنْیٰ کا تعلق لَا تَوَسُّوْا سے
ہو اس صورت میں تین طرح مطلب کی توجیہ کی جاسکتی ہے۔

(۱) لِمَنْ نَّبِعَ میں لام زائد ہے جیسے رَدِیف لَكُمْ میں لام زائد ہے۔ اَحَدٌ، يُّؤْتِيَ کا فاعل ہے اور مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ سے
پہلے ذکر کیا ہے یعنی اس بات کی تصدیق نہ کرنا، نہ اس امر کا اقرار کرنا کہ کسی کو بھی سوائے تمہارے ہم مذہب لوگوں کے ویسی
کتاب و حکمت عطا کی جاسکتی ہے جیسے تم کو دی گئی ہے اور نہ اس بات کا یقین کرنا کہ قیامت کے دن خدا کے سامنے کوئی تم پر
غالب آسکے گا۔ اس مطلب پر اَوْ يَحْجُوكُمُ میں اَوْ بمعنی واؤ ہو گا جیسے آیت لَا تَطِيعُ مِنْهُمْ اِثْمًا اَوْ كَفُوْرًا میں اَوْ، واؤ کے معنی
میں ہے۔

(۲) اِمْتِنَاعِ کے لئے ہے یا زائد ہے۔ استثناء مفرغ ہے یعنی مستثنیٰ منہ محذوف ہے یعنی کسی کے کہنے کا یقین و اقرار نہ
کرنا کہ تمہارے علاوہ کسی دوسرے کو بھی ویسی ہی چیز دی جاسکتی ہے جو تم کو دی گئی یا کوئی دوسرا خدا کے ہاں تم پر غالب آسکے گا
ہاں اپنے ہم مذہب لوگوں کا یقین کرنا اور انہی کے لئے اقرار کرنا۔ (۳) لَا تَوَسُّوْا کا ترجمہ لا تظہروا ہے اور لام صلہ کا ہے یعنی
سوائے اپنے ہم مذہب لوگوں کے کسی پر اپنے اس ایمان کا اظہار نہ کرنا کہ کسی کو تمہارا جیسا مذہب مل سکتا ہے یا خدا کے ہاں کسی کو
تم پر غلبہ حاصل ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ سوائے اپنے ساتھیوں کے دوسروں کو اپنے ایمان کی اطلاع نہ دینا کیونکہ اگر اس کا اظہار
کر دو گے تو مسلمانوں کا ایمان اور مضبوط ہو جائے گا اور مشرکوں کو ایمان کی رغبت ہو جائے گی۔

ان تمام توجیہات پر آیت قل ان الہدی ہدی اللہ جملہ معترضہ ہوگا، جس کو کلام کے درمیان اس بات کو ظاہر
کرنے کے لئے داخل کیا گیا ہے کہ ان لوگوں کی مکاری سے نہ ان کو کچھ فائدہ ہوگا نہ مسلمانوں کو ضرر۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہدی اللہ، الہدی سے بدل ہو اور ان یوتی، ان الہدی ہدی اللہ کی خبر ہو۔ اور اَوْ یحٰ
جو کم میں اَوْ، حتیٰ کے معنی میں ہو۔ مطلب یہ ہوگا کہ ہدایت یعنی خدا واد ہدایت یہ ہے کہ جس کسی کو اللہ چاہے ویسی ہی
کتاب دیدے جیسی تم کو دی گئی ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن خدا کے سامنے وہ تم پر غالب آجائیں۔

بعض علماء نے کہا کہ یوتی سے پہلے سیاقاً لا محذوف ہے جیسے آیت یبین اللہ لکم ان تضلوا میں ان لا تضلوا
مراد ہے۔ اس صورت میں مطلب اس طرح ہوگا کہ تم ان کی تصدیق نہ کرنا تاکہ جیسا تمہارا علم ہے ان کا بھی علم دیا ہی نہ
ہو جائے اور تمہاری علمی فضیلت ان پر قائم نہ رہے اور اس لئے بھی ان کی تصدیق نہ کرنا کہ خدا کے سامنے تمہارے مقابلہ میں
ان کو غلبہ حاصل نہ ہو جائے اور وہ قیامت کے دن یہ نہ کہنے لگیں کہ تم کو ہمارے دین کا حق ہونا معلوم تھا مگر تم ایمان نہیں
لائے۔ مطلب کی یہ توجیہ ابن جریر کے قول پر ہوگی مگر سب سے زیادہ بیچ در بیچ توجیہ ہے۔

قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ
اے محمد ﷺ یہودیوں سے کہہ دیجئے کہ فضیلت اللہ کے
ہاتھ میں ہے تمہارے ہاتھوں میں نہیں ہے۔ وہی جس کو چاہتا ہے دیتا ہے پس اسی نے محمد اور ان کے ساتھیوں کو فضیلت عطا
فرمائی ہے۔

وَاللّٰهُ وَاَسْرَعُ عَلِيْمٌ
اور اللہ کا فضل وسیع ہے اور وہی ان لوگوں سے بخوبی واقف ہے جو فضل کے اہل ہیں۔
يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ
وہی اپنی رحمت و نبوت کے لئے جس کو

چاہتا ہے، مخصوص کر لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ
مَنْ إِنْ تَأْمَنَهُ بَقِطْطَارٍ
يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ
اور بعض اہل کتاب یعنی عبد اللہ بن سلام اور ان جیسے وہ اہل کتاب جو مسلمان ہو گئے تھے
ایسے ہیں کہ اگر تم ان کی امانت میں کثیر مال بھی دیدو تو وہ
اپنی دیانت و ایمانداری کی وجہ سے پورا پورا مال تم کو واپس کر دیں۔

بغوی نے بسلسلہ جو بیر ازخاک حضرت ابن عباس کا قول بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن سلام کے پاس بارہ سواوقیہ سونا امانت رکھا اور حضرت عبد اللہ نے وہ امانت پوری ادا کر دی (گویا یہ آیت حضرت عبد اللہ بن سلام کے متعلق نازل ہوئی)۔

وَمِنْهُمْ مَنْ
إِنْ تَأْمَنَهُ بِيُنَازِلُ يَدِيكَ إِلَيْكَ
اور ان میں سے بعض ایسے ہیں یعنی کعب بن اشرف اور اس جیسے دوسرے یہودی۔ کذا قال مقاتل۔
کہ اگر ان کے پاس تم ایک دینار امانت رکھو تو وہ واپس نہ دیں۔ بغوی
نے لکھا ہے کہ کسی قریشی نے نفاس بن عازور ایسودی کے پاس ایک دینار امانت رکھا مگر نفاس نے بے ایمانی کر لی۔

إِلَّا مِمَّا دُمَّتْ عَلَيْهِ قَالِمَاءُ
مگر جب کہ تم اس پر کھڑے رہو۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا قائمنا علیہ سے
مراد ہے مُلِحًا یعنی جب تک کہ تم سخت تقاضا نہ کرو اور تقاضے پر جم نہ جاؤ اور عدالت سے چارہ جوئی نہ کرو وہ امانت واپس نہیں
کرتا۔

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ
یعنی امانت واپس نہ کرنے اور خیانت کو حلال سمجھ
لینے کا سبب یہ ہے کہ کافر یہودی کہتے ہیں کہ جو اہل کتاب نہیں ہیں، ان کے معاملہ میں اللہ کے ہاں ہم پر کوئی مؤاخذہ نہیں۔
یہودی کہتے تھے کہ عرب کا مال ہر طرح ہمارے لئے حلال ہے کیونکہ یہ ہمارے مذہب پر نہیں ہیں، ہماری کتاب میں ان کے
حقوق ہی نہیں ہیں بلکہ یہودی غیر مذہب والوں پر ہر ظلم کو اور ان کی ہر حق تلفی کو حلال جانتے تھے۔
وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۵﴾
اور وہ اللہ پر دانستہ یہ دروغ بانی کرتے ہیں کہ اللہ نے
عرب کا مال ان کے لئے حلال کر دیا ہے۔

بَلَىٰ
یعنی جس طرح یہودی کہتے ہیں ایسا نہیں ہے بلکہ مؤمنین کے معاملہ میں بھی ان کی گرفت ہوگی یا یہ مطلب
ہے کہ (کافروں کے) مال کے بچاؤ کی صرف دو صورتیں ہیں، مسلمان ہو جانا یا مسلمانوں کا ذمی بن جانا (یعنی یہودی الناصبہ ہیں
کہ مسلمان کے مال کو اپنے لئے مباح جانتے ہیں حقیقت اس کے برعکس ہے، ان کا مال مسلمانوں کیلئے مباح ہے ہر طرح سے لینا
جائز ہے، بچاؤ کی صرف دو صورتیں ہیں، مسلمان ہو جانا یا جزیہ دینا) حضرت ابو موسیٰ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے
لوگوں سے لڑنے کا اس وقت تک حکم دیا گیا ہے کہ وہ لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ ﷺ کا اقرار کر لیں اور ٹھیک ٹھیک نماز پڑھیں
اور زکوٰۃ ادا کریں۔ اگر وہ ایسا کر لیں، تو ان کی جانیں اور ان کے مال سوائے اسلامی حقوق کے ہر طرح مجھ سے محفوظ ہو جائیں گے
اور (اندر دنی) حساب فہمی اللہ کے ذمہ ہے (کہ انہوں نے یہ اقرار توحید و رسالت دل کے یقین کیساتھ کیا ہے یا نفاق کیساتھ)
سلیمان بن برید نے حضرت بریدؓ کی روایت سے ایک طویل حدیث بیان کی ہے جس میں یہ (حکم) بھی مذکور ہے کہ اگر وہ یعنی کفار
اسلام سے انکار کریں تو ان سے جزیہ طلب کرنا، اگر دیدیں تو لے لینا اور (جنگ کو) ان سے روک دینا، متفق علیہ۔

مَنْ أَدْفَىٰ بِعَهْدٍ
جس کسی نے بھی اپنا عہد پورا کیا یا جو بھی اپنا عہد پورا کرے من شرط یہ ہے یا موصولہ اور
عہد سے مراد ہے مالک مال سے واپسی امانت کا کیا ہو اودعہ یا اللہ کا وہ حکم جو توریت میں اللہ نے دیا تھا کہ تمام انبیاء پر اور محمد ﷺ
پر اور قرآن پر ایمان لانا اور امانت ادا کرتے رہنا۔ اول مطلب پر عہدہ کی ضمیر من کی طرف راجع ہے اور دوسرے مطلب پر
اللہ کی طرف۔

وَأَتَقَىٰ
اور کفر و خیانت سے بچتا رہا۔ تو اللہ اس سے محبت کرے گا۔

فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝ کیونکہ اللہ تقویٰ والوں کو پسند کرتا ہے (اور ایسے لوگ تقویٰ والے ہیں) یُحِبُّهُمْ کی جگہ یُحِبُّ الْمُتَّقِينَ کہنے میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ تمام امور کا مدار تقویٰ پر ہے۔ وفاء عہد اور تمام فرائض کی ادائیگی اور ممنوعات سے اجتناب تقویٰ ہی کی شاخیں ہیں۔ اسی عموم کی وجہ سے بجائے تفسیر کے المتقین کو ذکر کیا۔ بلکہ بجائے خود ایک جملہ کا قائم مقام ہے اور اس جملہ کی تاکید مِّنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ پورا جملہ کر رہا ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چار (خصلتیں) ہیں جس کے اندر یہ چاروں ہوں گی وہ خالص (عملی) منافق ہو گا اور جس کے اندر ان میں سے کوئی ایک ہو گی وہ تا وقتیکہ اس کو ترک نہ کر دے نفاق کی ایک خصلت اس میں رہے گی جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، بات کرے تو جھوٹی کرے، وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے، کسی سے جھگڑا ہو تو بیسودہ بکے۔

یحییٰ میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرے تو جھوٹی کرے وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے، جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ مسلم کی روایت میں حدیث کے اتنے الفاظ زائد ہیں کہ خواہ وہ روزے رکھتا ہو اور نماز پڑھتا ہو اور مسلمان ہونے کا عہد کرے ہو۔

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا سے حضرت عبداللہ کی روایت منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان کا مال مارنے کے لئے جھوٹی قسم کھائے گا تو اللہ کے سامنے اس کی پیشی ایسی حالت میں ہو گی کہ اللہ اس پر غضب ناک ہو گا۔ اس کی تصدیق میں آیت مذکورہ آخر تک نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ یہ حدیث بیان کر چکے تھے تو حضرت اشعث بن قیس باہر سے اندر آئے اور پوچھا ابو عبد الرحمنؓ نے تم سے کیا حدیث بیان کی تھی لوگوں نے بتادیا کہ یہ یہ بیان کر رہے تھے حضرت اشعثؓ نے کہا یہ آیت میرے متعلق نازل ہوئی تھی۔ بات یہ ہوئی کہ میرا ایک کنواں میرے چچا کے بیٹے کی زمین میں تھا، میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر گزارش کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا اپنے گواہ پیش کرو۔ ورنہ اس کی قسم کو مانو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ تو اس پر قسم کھالے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے مسلمان آدمی کا مال مارنے کے لئے جھوٹی قسم کھائی اور (دانستہ) وہ قسم میں جھوٹا ہو تو قیامت کے دن جب اللہ کی پیشی میں جائے گا تو اللہ اس پر غضب ناک ہو گا۔

بخاری کے طریق سے بغوی نے اپنی سند سے یہ حدیث اسی طرح نقل کی ہے لیکن ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ کی روایت میں حضرت اشعث بن قیس کا قول اس طرح منقول ہے کہ میرے اور ایک یہودی کے درمیان کچھ زمین کا نزاع تھا یہودی (میرے حق کا) منکر تھا۔ میں اس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گیا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کیا تیرے پاس گواہ ہیں، میں نے عرض کیا نہیں، آپ نے یہودی سے فرمایا تو قسم کھا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ تو قسم کھالے گا اور میرا مال لے جائے گا اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ بخاری نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک شخص کچھ تجارتی سامان بازار میں لایا اور کسی مسلمان کو پھانسنے کے لئے اللہ کی قسم کھا کر کہنے لگا کہ مجھے اس کی اتنی قیمت ملتی تھی حالانکہ اس کو اس کی بیان کردہ قیمت نہیں ملتی تھی (یا یوں ترجمہ کیا جائے کہ اس نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ میں نے اس سامان کی اتنی قیمت دی ہے یعنی اتنے کو خریدا ہے حالانکہ اس نے اتنی قیمت نہیں دی تھی) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حافظ ابن حجرؒ نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں کوئی تضاد نہیں (کہ ایک کو صحیح ماننے کی صورت میں دوسری کو غلط ماننا ہی پڑے) بلکہ ممکن ہے کہ نزول آیت کے دونوں سبب ہوں (ایک واقعہ بھی ہو اہو، اور دوسرا بھی)۔

ثُمَّ أَفْلَحَ ۝ سے مراد ہے متاع دنیا خواہ قلیل ہو یا کثیر کیونکہ جنت کی نعمتوں کے مقابل تو دنیا کا کثیر سامان بھی قلیل ہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اداء امانت کے عہد اور جھوٹی قسموں کے عوض متاع دنیا حاصل کرتے ہیں۔ ابن جریر نے مکررہ کا قول نقل کیا ہے کہ آیت کا نزول کعب بن اشرف، حمی بن خطبہ اور ان جیسے دوسرے یہودیوں کے حق میں ہوا جو توریت میں

نازل شدہ اوصاف محمدی کو چھپاتے بدلتے اور ان کی جگہ دوسری چیزیں درج کیا کرتے تھے اور قسم کھا کر کہتے تھے کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہیں۔ اس تبدیل و تحریف سے ان کی غرض یہ تھی کہ ان کو کھانے کو ملتا رہے اور جو رشوتیں وہ اپنے قبیحین سے لیتے رہتے تھے ان میں فرق نہ آئے۔ ابن حجر نے لکھا ہے آیت میں اس سبب نزول کا بھی احتمال ہے لیکن اصل سبب نزول وہی ہے جو صحیح حدیث میں آیا ہے۔

میں کہتا ہوں آیت کی رفتار اور کلام کا سیاق ابن جریر از عکرمہ کی روایت کی صحت کو چاہتا ہے اور جس طرح دونوں مذکورہ بالا حدیثوں میں باہم تضاد نہیں ہے اسی طرح ان حدیثوں سے عکرمہ کی روایت کا بھی تضاد نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ اسباب نزول متینوں ہوں۔ علقمہ نے اپنے والد حضرت وائل کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دو آدمی حاضر ہوئے ایک حضرت موت کا دوسرا کندہ کا۔ حضرت نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس نے میری زمین پھین لی۔ کنڈی نے جواب دیا وہ میری زمین ہے میرے قبضہ میں ہے اس میں کسی کا حق نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سے فرمایا کیا تمہارے پاس گواہ ہیں اس نے کہا نہیں فرمایا تو تم کو اس سے قسم لینے کا حق ہے۔ حضرت نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ شخص تو عذابیہ فاسق ہے کسی چیز سے اس کو پاک نہیں۔ اس کو قسم کھانے کی پروا بھی نہ ہوگی۔ فرمایا اس کے علاوہ اس سے تم کو کوئی حق نہیں۔ چنانچہ کنڈی جب قسم کھانے چلا اور پشت پھیری تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر اس نے ناحق مال کھانے کے لئے قسم کھالی تو اللہ کی پیشی کے وقت خدا تعالیٰ اس سے رخ پھیرے ہوئے ہوگا۔ رواہ مسلم۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ کنڈی کا نام امرء القیس بن عابس اور اس کے حریف کا نام ربیعہ بن عبدان تھا۔ ابو داؤد کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی قسم کھا کر (کسی کا) کوئی مال ماریگا وہ اللہ کی پیشی کے وقت کوڑھی ہوگا۔ یہ سن کر کنڈی نے قسم کھانے کا ارادہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی اس پر امرء القیس (یعنی کنڈی) نے قسم کھانے سے انکار کر دیا اور اپنے حریف کے حق کا اقرار کر لیا اور زمین اس کو دے دی۔

ان لوگوں کا راحت آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔

قلیلًا أُولَئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ
حضرت ابوامامہ کی روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے قسم کھا کر کسی مسلمان شخص کا حق مارا اللہ نے اس کیلئے دوزخ لازم کر دی اور جنت اس پر حرام کر دی۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگرچہ تھوڑی سی چیز ہو فرمایا اگرچہ درخت پیلو کی ایک ٹہنی ہو۔ رواہ مسلم۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے یہ آخری لفظ تین مرتبہ فرمایا۔

وَلَا يَكْفِيهِمْ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ
اور قیامت کے دن اللہ ان سے کلام نہیں کرے گا
اور نہ ان کی طرف دیکھے گا، بعض علماء نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ ان سے ایسا کلام نہیں کرے گا جس سے ان کو خوشی ہو اور نہ ان کی طرف نظر رمت سے دیکھے گا، صحیح یہ ہے کہ (آیت کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے بلکہ) بطور کنایہ غضبناک ہونا اور رخ پھیر لینا مراد ہے گویا اس آیت کی تفسیر ہے جو حضرت عبد اللہ اور حضرت اشعث کی روایت سے ذکر کر دی گئی ہے کہ لقی اللہ وهو علیہ غضبان، اور حضرت وائل کی روایت سے بیان کیا گیا ہے کہ ليلقین الله وهو عنه معرض۔

وَلَا يُزَكِّيهِمْ
اور اللہ ان کو پاک نہیں بنائے گا یعنی ان کی (پاکی کی) تعریف نہیں کریگا (یہ مطلب ضعیف ہے) صحیح

مطلب یہ ہے کہ اللہ ان کا گناہ معاف نہیں کریگا کیونکہ یہ بندوں کا حق ہے اس کا بدلہ تو ضرور ملتا ہے۔ حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اعماناموں کی تین مدتیں ہیں ایک مدوہ ہے جس کی پرواہ (سختی کے ساتھ) اللہ نہیں کریگا، دوسری مدوہ ہے جس میں سے کوئی چیز (بغیر عوض کے) نہیں چھوڑے گا، تیسری مدوہ ہے جس کو معاف نہیں فرمائے گا، جس مدوہ کو معاف نہیں فرمائے گا وہ تو شرک ہے اور جس کی مدد کوئی خاص پروا نہیں کرے گا وہ خود انسان کا اپنی ذات پر ظلم ہے یعنی وہ حقوق جو براہ راست خدا کے انسان پر ہیں ان کو ادا نہ کرنا (جیسے) کوئی روزہ ترک کر دیا یا کوئی نماز چھوڑ دی اور وہ جس (کے) اندراجات میں سے کوئی چیز (بغیر بدلہ کے) نہیں چھوڑے گا وہ بندوں کی باہم حق تلفیاں ہیں اس میں لامحالہ بدلہ دینا ہوگا۔ رواہ

الحکم واحد۔

طبرانی نے بھی ایسی ہی حدیث حضرت سلمانؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے اور بزازؓ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔ اگر اوصاف رسول اللہ ﷺ کو چھپانے کی وجہ سے آیت کا نزول یہودیوں کے متعلق تسلیم کیا جائے تو عدم مغفرت کا حکم ان کے کفر کی وجہ سے قرار پائے گا۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ اور انہی کے لئے دردناک عذاب ہوگا، یعنی ان کے اعمال کی سزا میں حضرت ابو ذرؓ کی روایت سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ کلام نہیں کریگا، اور نہ ان کی طرف نظر فرمائے گا اور نہ ان کو پاک کریگا اور انہی کیلئے دردناک عذاب ہوگا، حضور ﷺ نے یہ آیت تین بار تلاوت فرمائی۔ حضرت ابو ذرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ ناکام اور نامراد ہوں گے مگر ہیں کون لوگ، فرمایا (غرور سے) تہندہ بچی لٹکانے والا (یعنی ٹخنوں سے نیچے) اور وہ احسان جتانے والا کہ جب کچھ دیتا ہے تو اس کا احسان ضرور جلتا ہے اور جھوٹی قسم کھا کر اپنے مال کی فروخت کو فروغ دینے والا، رواہ مسلم واحد و ابو داؤد و الترمذی و النسائی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین ہیں جن سے اللہ قیامت کے دن کلام نہیں کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور انہی کے لئے دردناک عذاب ہوگا، ایک وہ شخص جس کے پاس بیابان میں ضرورت سے زائد پانی ہو اور وہ دوسرے مسافر کو نہ دے، ایک وہ شخص جس نے عصر کے بعد (جب کہ بازار میں رونق ہوتی ہے) کچھ سامان تجارت کا فروخت کرنا چاہا اور اللہ کی قسم کھا کر کہ میں نے یہ اتنے کو خریدا ہے حالانکہ بیان کردہ قیمت پر اس نے نہیں خریدا تھا اور لوگوں نے اس کی بات سچ مان لی، اور ایک وہ آدمی جس نے امام کی بیعت کی اور صرف دنیا کے لئے کی اگر امام نے کچھ دینا سے دے دی تو وفادار رہا اور نہ دی تو اس نے بیعت کی وفانہ کی (یعنی غداری کی) رواہ اصحاب السنۃ واحد۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع روایت اس طرح ہے کہ تین ہیں جن سے اللہ قیامت کے دن بات بھی نہیں کرے گا اور نہ ان پر نظر فرمائے گا۔ ایک وہ شخص جس نے کسی سامان کے فروخت پر جھوٹی قسم کھا کر کہا کہ میں نے یہ اتنے کو لیا ہے حالانکہ جو قیمت اس نے دی تھی اس سے بتائی ہوئی قیمت زیادہ تھی، دوسرا وہ شخص جس نے کسی مسلمان کا مال مارنے کے لئے عصر کے بعد جھوٹی قسم کھائی، تیسرا وہ آدمی جس نے اپنی ضرورت سے بچا ہوا پانی (حاجت مند مسافر کو دینے سے) روک لیا (قیامت کے دن) اللہ اس سے فرمائے گا آج میں تجھ سے اپنا فضل روکتا ہوں جس طرح تو نے اپنے صرف سے بچی ہوئی وہ چیز روک رکھی تھی جو تو نے بتائی بھی نہ تھی، (یعنی پانی)۔

طبرانی اور بیہقی نے تین آدمیوں کی تفصیل حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس طرح نقل کی ہے ایک بوڑھا زانی، دوسرا بخی خور و مفلس، تیسرا وہ شخص جس نے اپنا سرمایہ ہی اس بات کو بنار کھا ہے کہ کچھ بیچے گا تو قسم کھا کر اور خریدے گا تو قسم کھا کر، طبرانی نے حضرت عاصم بن مالک کی روایت سے بھی ایسی ہی مرفوع حدیث نقل کی ہے۔

وَإِنْ مِنْهُمْ لَفَوِيقًا بے شک اہل کتاب کا ایک گروہ ہے یعنی کعب بن اشرف حبشی، اخطب، ابویاسر، مالک بن الصنیف اور سفہ بن عمرو شاعر۔

يَكُونُ أَلْسِنَتُهُمْ بِالْكِتَابِ جو (اللہ کی) کتاب پڑھتے وقت اپنی زبانوں کو نازل شدہ الفاظ سے اپنے اختراع کردہ الفاظ کی طرف پھیر دیتا ہے (یعنی نازل شدہ الفاظ کی جگہ خود ساختہ عبارت کو پڑھتا ہے)۔

لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ تاکہ اے مسلمانو تم اس کی پڑھی ہوئی عبارت کو (اللہ کی اصل) کتاب کا جزو سمجھ لو۔ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ حالانکہ وہ کتاب اللہ کا حصہ نہیں ہے (بلکہ خود پڑھنے والے کا یا اس کے ساتھیوں کا بنایا ہوا ہے)۔ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ (اور صرف اسی پر بس نہیں کرتے کہ آہستہ سے پڑھتے چلے جائیں تاکہ مسلمان غلط فہمی میں پڑ جائیں بلکہ) وہ صراحتہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس (یونہی) آیا ہے حالانکہ وہ اللہ کی

طرف سے (آیا ہوا) نہیں ہے۔

وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۵﴾
یہ لوگ دانستہ اللہ پر دروغ بندی کرتے ہیں یہ جملہ تاکید مزید ہے اور بالارادہ دروغ بندی کرنے کی محکم صراحت ہے، ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ سب کے حق میں نازل ہوئی تھی کیونکہ ان سب نے توریت و انجیل کو بگاڑ لیا تھا اور کتاب میں اس (عبارت) کو ملا لیا تھا جو کتاب کی نہ تھی۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ

ابن اسحاق، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم نیز دلائل میں بیہتی نے حضرت ابن عباسؓ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ (جب علماء یہود اور نجران کے نصاریٰ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جمع ہوئے اور آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو) ابورافع قرظی (مدنی) نے رسول اللہ ﷺ سے کہا محمدؐ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم تمہاری ایسی ہی پوجا کریں جیسے نصاریٰ عیسیٰؑ کی کرتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا اللہ کی پناہ کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کو پوجنے کا میں حکم دوں، اللہ نے اس کے لئے مجھے نہیں بھیجا نہ اس کا مجھے حکم دیا اس پر اللہ نے آیت ماکان لبشر سے مسلمون تک نازل فرمائی۔

عبد نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ حسن بصری نے فرمایا مجھے یہ اطلاع پہنچی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ کو اسی طرح سلام کرتے ہیں جیسے آپس میں ایک دوسرے کو کرتا ہے (آپ ﷺ کو سلام کرنے کا کوئی امتیاز نہیں) تو کیا ہم آپ کو سجدہ نہ کیا کریں، فرمایا نہیں، بلکہ اپنے نبی کی عزت کرو اور اہل حق کا حق پہنچاؤ، اللہ کے علاوہ کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

مقاتل اور ضحاک کا بیان ہے کہ نجران کے عیسائیوں نے کہا تھا کہ عیسیٰؑ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم ان کو رب بنالیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی، یعنی محمدؐ ہوں یا عیسیٰؑ کسی بشر کے لئے جائز نہیں۔ بشر انسان کی طرح اسم جنس ہے مذکر مونث مفرد جمع سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے کبھی اس کا تثنیہ بھی آتا ہے جیسے آیت انوس لبشرین مثلنا میں آیا ہے بشر کی جمع ابشار آتی ہے (قاموس) بغوی نے لکھا ہے کہ بشر جمع ہے اس کا اطلاق انسانوں کی جماعت پر ہوتا ہے اس لفظ سے واحد نہیں آتا جیسے قوم، جیش اور واحد کے مقام میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے۔

أَنَّ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ
کہ اللہ تو اس کو کتاب اور حکم اور نبوت عطا کرے، حکم سے مراد ہے حکمت و سنت یا حکومت۔

ثُمَّ يَقُولُ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّي مِن دُونِ اللَّهِ
بَقُولُ کا عطف یؤتی پر ہے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کی توحید کو چھوڑ کر تم میرے پرستار بن جاؤ (یعنی میری بھی پوجا کرو) اس آیت میں اشارہ ہے کہ عبادت خداوندی کا حصر صرف توحید میں ہے اگر غیر اللہ کو عبادت میں شریک کیا تو عبادت اللہ نہیں ہو سکتی، مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے تو عطاء کتاب و نبوت ہو اور بندہ کی طرف سے غیر اللہ کی عبادت کا حکم ہو ایسا ہونا ممکن نہیں (کوئی نبی غیر اللہ کی پوجا کا حکم نہیں دے سکتا کیونکہ) نبوت اور غیر اللہ کی عبادت کا حکم دو متضاد چیزیں ہیں اول دعوت توحید ہے اور دوسری دعوت شرک۔

وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّيْنَ
بلکہ وہ کہتا ہے کہ تم ربانی ہو جاؤ، یعنی احکام خداوندی کے مبلغ۔ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ربانیت کا تفسیری ترجمہ کیا، فقہاء، علماء، قنادہ نے حکماء، علماء کہا۔ سعید بن جبیرؓ کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ ربانیت سے مراد ہیں فقہاء معلمین۔ عطاءؓ نے ترجمہ کیا باوقار دانشمند علماء جو اللہ کی طرف سے مخلوق کے خیر خواہ ہوں۔ سعید بن جبیرؓ نے کہا باعمل عالم۔ ابو عبیدہؓ نے کہا میں نے ایک عالم سے سنا کہ ربانی وہ شخص ہے جو حلال حرام اور امر و نہی کو جانتا ہو امت کے گزشتہ اور آئندہ احوال سے واقف ہو۔ بعض نے کہا ربانی کا درجہ حیر سے اونچا ہے حیر تو عالم کو کہتے ہیں اور ربانی اس عالم کو کہتے ہیں جو صاحب بصیرت بھی ہو۔

تمام اقوال کا حاصل یہ ہے کہ ربانی اس شخص کو کہتے ہیں جو علم، عمل، اخلاص اور درجات قرب میں خود بھی کامل ہو اور

کامل گر بھی ہو کیونکہ رَبِّی (ماضی) یَرَبُّ (مضارع) رَبَّنَا (مصدر) کا معنی ہے کسی چیز کی درستی اور تکمیل کرنا، ربانی علم کی ترقی اور تکمیل کرتے ہیں اور محصلین کو تربیت دیتے ہیں، بڑے بڑے علوم سے چھوٹے چھوٹے علوم کی تدریجی تعلیم دیتے ہیں اسی لئے ان کو ربانی کہا جاتا ہے ایک روایت میں حضرت علیؑ کا قول آیا ہے کہ رَبَّنَا نَبِیِّنَ وہ لوگ ہیں جو اپنے اعمال سے علم کی تکمیل کرتے ہیں یہ ربان کی جمع ہے جسے ربان، عطشان، یاء نسبت ملا دی گئی ہے۔

بعض نے کہا ربانی وہ شخص ہے جو رب کی طرف منسوب ہو (اللہ والا) الف نون کو مبالغہ کے لئے زیادہ کر دیا گیا ہے (بڑا اللہ والا) جسے لچانی بڑی گھنی لمبی واڑھی والا اور (قبانی بڑی ہوئی گردن والا اگر مبالغہ مقصود نہ ہو اور صرف لچہ اور قربہ کی طرف نسبت کرنی غرض ہو تو لمبی اور رقی کہا جائے گا۔

حضرت ابن عباسؓ کی جس روز وفات ہوئی تو محمد بن حنفیہ نے فرمایا اس امت کے ربانی کا انتقال ہو گیا۔

بِمَا كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ الْكِتَابَ وَمِمَّا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ﴿۵۹﴾
یعنی تم ربانی ہو جاؤ اس وجہ سے کہ تم کتاب کے عالم اور معلم ہو اور ہمیشہ پڑھتے اور یاد رکھتے ہو تَدْرُسُونَ کا معنی یہ ہے کہ ہمیشہ کتاب کو پڑھتے اور یاد رکھتے ہو ممکن ہے کہ لوگوں کے سامنے پڑھنا یعنی لوگوں کو پڑھانا مراد ہو، صحاح میں سے دَرَسَ الدَّارُ یعنی گھر مٹ گیا (اوسکے) نشانات باقی رہ گئے، درس الكتاب والعلم کتاب کو اور علم کو پڑھنا یعنی کتاب اور علم کا اثر اپنی یادداشت میں لے لیا اور چونکہ یادداشت ہمیشہ پڑھتے رہنے سے ہوتی ہے اس لئے ہمیشہ پڑھتے رہنے کی تعبیر لفظ درس سے کی اللہ نے فرمایا ودرسوا مافیہ، وبما کنتم تدرسون حاصل مراد یہ ہے کہ چونکہ تم کتاب کو پڑھتے پڑھاتے اور جانتے سکھاتے ہو اس لئے ربانی ہو جاؤ کیونکہ جاننے کا فائدہ عمل کرنا اور اپنی اصلاح کرنا ہے اور تعلیم کی غرض دوسروں کی اصلاح ہے مگر دوسروں کی اصلاح سے پہلے اپنی اصلاح لازم ہے تاکہ آیت لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ اور اَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ کے مصداق نہو جاؤ۔

وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّنَ أَرْبَاءَ
اور نہ اس کیلئے یہ جائز ہے کہ ملائکہ اور انبیاء کو رب بنالینے کا تم کو حکم دے بلکہ وہ تو اس بات کی ممانعت کرتا ہے لایامر کا عطف یُقُولُ پر ہے اور مآکان لبشر میں جو نفی کا معنی ہے اس کی تاکید کے لئے لا کو زائد کیا گیا ہے۔ قریش اور صابیوں کا فرقہ ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتا تھا یہودی عزیز کو اور عیسائی مسیح کو خدا کی اولاد کہتے تھے (اس کی تردید میں فرمایا کہ قریش اور یہود و نصاریٰ کی طرح) کسی ایسے شخص کے لئے جس کو اللہ نے نبی بنایا ہو اپنی پوجا کا ملائکہ و انبیاء کو اولاد خدا کہنے کا حکم دینا جائز نہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لا زائد نہ ہو اس وقت مطلب اس طرح ہو گا کہ اپنی پوجا کا حکم دینا اس کے لئے جائز نہیں اور نہ وہ ملائکہ و انبیاء کو لرب باب بنانے کا حکم دیتا ہے بلکہ اس کی ممانعت کرتا ہے کہ خدا کی مثل ملائکہ اور انبیاء کو رب بنایا جائے۔

أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ
استفہام تعجب و انکار کے لئے یہ (یعنی تعجب ہے کہ وہ تم کو کفر کا حکم دے ایسا نہیں ہو سکتا) کفر سے مراد ہے غیر اللہ کی پوجا۔

بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۶۰﴾
اس کے بعد کہ تم اللہ کے فرمانبردار ہو اگر یہ خطاب ان مسلمانوں کو ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے آپ کو سجدہ کرنے کی خواہش کی تھی جیسا کہ حسن بصری کی روایت ہے۔ تو آیت کا مطلب صاف ہے اسی طرح اگر یہ نصاریٰ کے اس قول کی تردید ہو کہ حضرت عیسیٰؑ نے حکم دیا تھا کہ ہم ان کو رب بنالیں تب بھی مطلب میں کوئی خفاء نہ ہو گا کیونکہ حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں عیسائی مسلمان تھے لیکن اگر مخاطب وہ یہود و نصاریٰ ہوں جنہوں نے حضورؐ سے کہا تھا کہ محمدؐ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم تمہاری پوجا کریں تو (آیت کا مطلب واضح نہ ہو گا کیونکہ یہ لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے) اس وقت کلام کی توجہ اس طرح ہو گی کہ یہ خطاب بطور فرض ہے یعنی اگر مان لیا جائے کہ تم مسلمان ہو جاؤ گے اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کو مان لو گے تو کیا تمہارے مسلمان ہونے کے بعد وہ غیر اللہ کی پرستش کا تم کو حکم دیں گے۔

وَأَذِخْذِ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ
یعنی اللہ نے ہر نبی سے پختہ وعدہ لے لیا تھا کہ اپنے بعد آنے والے نبی کی تصدیق

کرنا اور اپنی امت کو بھی حکم دینا کہ وہ آنے والے نبی کی پیروی کریں۔ حضرت ابن عباسؓ نے جو تشریح کی ہے اس کا یہی مطلب ہے، لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ آدم اور آدم کے بعد ہر نبی سے اللہ نے وعدہ لے لیا تھا کہ تم اور تمہاری امت محمدؐ کی تصدیق کرنا اور اگر تمہاری زندگی میں محمدؐ کی بعثت ہو جائے تو تم سب ان کی مدد کرنا (گویا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول پر رسول اللہ ﷺ سے عام پیغمبر مراد ہیں اور حضرت علیؓ کی تشریح پر صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک مراد ہے)۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ میثاق النبیین سے میثاق اہل کتاب مراد ہے یعنی بنی اسرائیل سے اللہ نے عہد لے لیا تھا، اس صورت میں یا مضاف محذوف مانا جائے گا یعنی میثاق اولاد النبیین، یا بطور استہزاء میثاق اہل کتاب کو میثاق انبیاء فرمایا کیونکہ اہل کتاب کا خیال تھا کہ ہم اہل کتاب ہیں ہم محمدؐ سے زیادہ نبوت کے مستحق ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ میثاق لی اضافت فاعل کی طرف ہے انبیاء نے اپنی امتوں سے عہد لیا تھا۔ اس توجیہ کی تائید حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ کی قرأت سے ہوتی ہے ان دونوں حضرات کی قرأت میں میثاق الذین اؤثوا الکتاب ہے (النبیین نہیں ہے)۔

مگر صحیح مطلب وہی ہے جو سب سے پہلے بیان کر دیا گیا، وہی متواتر قرأت کے موافق ہے پس اللہ نے حضرت موسیٰ سے عہد لیا تھا کہ تم خود عیسیٰ کی تصدیق کرو اور اپنی امت کو بھی حکم دو کہ وہ عیسیٰ پر ایمان لائے اور حضرت عیسیٰ سے بھی عہد لیا تھا کہ تم خود محمدؐ کی تصدیق کرو اور اپنی امت کو بھی حکم دو کہ وہ بھی ان پر ایمان لائیں اور ان کی مدد کریں، اسی لئے تو حضرت عیسیٰ نے کہا تھا، يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِيهِ مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (پھر قرأت ابن مسعودؓ اور قرأت متواترہ میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ لیڈر کا عہد اس کے تبعین کا عہد ہوتا ہے، جب انبیاء سے عہد لے لیا تو بس ان کی امتوں سے بھی لے لیا)۔

لَمَّا آتَيْنَاكُمْ حمزہ کی قرأت میں لام جارہ مکسورہ ہے اور ما مصدریہ یا موصولہ، متواتر قرأت فتح لام کے ساتھ ہے، لام تمہید قسم کے لئے ہے کیونکہ میثاق لینے کا معنی ہی قسم لینا ہے۔ اس صورت میں یا یا شرطیہ ہے اور لتومنین بہ جواب قسم بھی ہے اور جزاء شرط بھی، اس وقت مطلب اس طرح ہو گا کہ اللہ نے پیغمبروں سے قسم لے لی تھی کہ اگر میں تم کو کتاب عطا کروں پھر اس کتاب کی تصدیق کرنے والا رسول تمہارے سامنے آجائے تو تم اس کی تصدیق کرنا، یا ما موصولہ ہے اور من کتاب اس کا صلہ ہے اور لتومنین بہ خبر ہے یعنی اللہ نے انبیاء سے عہد لیا تھا کہ جو کتاب میں تم کو دی۔

حکمت سے مراد ہے سنت یا دین کی سمجھ۔

مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ سَامِعَكُمْ سے مراد ہے کتاب۔ بعض علماء کے نزدیک رسول سے مراد ہے صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات کیونکہ تمام انسانوں کے لئے آپ ہی کی بعثت ہوئی تھی۔ حضرت ابن عمرؓ کے قول سے یہی مطلب اخذ کیا گیا اور حضرت علیؓ کے کلام میں تو اس کی صراحت ہے۔ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ لفظ عام ہے تعین کی کوئی دلیل نہیں ہے گذشتہ امتیں ہوں یا آنے والی سب کے لئے تمام انبیاء پر ایمان لانا واجب ہے اور لا نفرق بین احد من رسلہ کہنا لازم ہے (دین کی وحدت اور عدم تفرق کے متعلق) اللہ نے فرمایا شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا الَّذِي اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ اِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ اَنْ اَقِيْمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيْهِ، حضرت علیؓ اور حضرت ابن عمرؓ کے قول میں رسول اللہ ﷺ کے ذکر کی خصوصیت صرف اہل کتاب کو قائل کرنے کے لئے ہے، کیونکہ اہل کتاب سے کلام صرف رسول اللہ ﷺ کے متعلق تھا۔ کسی دوسرے پیغمبر کے متعلق نہ تھا لیکن اس خصوصیت کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ اس جگہ کوئی دوسرا پیغمبر مراد ہی نہیں ہے یہ بھی ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق خاص طور پر اخذ میثاق آپ کی فضیلت کے اظہار کے لئے ہو مصدق لِمَا مَعَكُمْ کے لفظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس رسول کی تکذیب سے کتاب سابق کی تکذیب لازم آتی ہے۔

تم ضرور اس رسول کی تصدیق کرنا۔

لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ

وَلَنَنْصُرَنَّكَ ۝ اور اگر تم کو اس کا زمانہ مل جائے تو خود اس کی مدد کرنا اور اگر وہ تمہارے زمانہ میں نہ آتے تو اپنے
مبعین کو نصیحت کر دینا کہ جو اس کے زمانہ میں ہو وہ مدد کرے۔

بنغوی نے لکھا ہے کہ اللہ نے آدم کی پشت سے (تمام) ذریعات کو برآمد کیا، جن میں انبیاء چرانگوں کی طرح (روشن) تھے
اور سب سے محمد ﷺ کے بارہ میں میثاق لیا۔

قَالَ ۝ وَاِذَا اخَذَ اللّٰهُ مِنْكَ ذِكْرًا مِّنْ اَمْرِ لِّمَنِ اَخَذَهُ ۝ اور اِذَا اخَذَ اللّٰهُ سے پہلے اگر لفظ اذکر محذوف قرار دیا جائے تو پورا جملہ اخذ اللہ اس کا مفعول ہو گا ورنہ قال کا
مفعول ہو گا یا قال علیحدہ جملہ ہے جس میں میثاق لینے کی تفصیل ظاہر کی گئی ہے۔

عَاٰزِدْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اَصْحٰبِیْ ۝ اللہ نے فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور اپنے اس اقرار پر میرا عہد
لے لیا، یہ استفہام (سوالیہ نہیں ہے بلکہ) تقریری ہے (اقرار پر جمانے کے لئے ہے)۔

قَالُوْا اَقْدَرْنَا ۝ انبیاء نے یا انبیاء اور ان کی امتوں نے بروز میثاق کہا ہم نے اقرار کیا۔
قَالَ فَاشْهَدُوْا ۝ اللہ نے پیغمبروں سے فرمایا تم اپنے اور اپنے تبعین کے اس اقرار کی قیامت کے دن شہادت دینا۔

وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ اور میں بھی تمہارے اور ان کے اقرار پر تمہارے ساتھ شہادت دوں گا۔
فَمَنْ تَوَلٰی بَعْدَ ذٰلِكَ ۝ اب اس اقرار کے بعد جس نے پیغمبروں کے اتباع سے اپنا رخ پھیرا۔ یہ رخ پھیرنے

والے یہود و نصاریٰ ہیں۔
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ پس وہی ایمان سے خارج یعنی کافر ہیں۔ یہ آیت صراحتہ بتا رہی ہے کہ انبیاء اور
ان کی امتوں سے سب سے عہد لیا گیا تھا مگر پیشواؤں کے ذکر کے بعد تبعین کے ذکر کی ضرورت نہ تھی اس لئے پیشواؤں ہی کے

ذکر پر اکتفا کیا۔
اَفَغٰیْرَ دِيْنٍ اللّٰهُ يَبْغُوْنَ ۝ کیا وہ اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کے طلب گار ہیں اس جملہ کا عطف
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ پر ہے اور استفہام انکاری ہے یا فعل محذوف پر عطف ہے اصلی عبارت اس طرح تھی اِلٰی فٰسِقُوْ

فغیر دین اللہ یبغون یا اصل میں کلام اس طرح تھا ایتولون فغیر دین اللہ یبغون۔
مفعول کو فعل سے پہلے تخصیص کی وجہ سے ذکر کیا گیا گویا مخصص کا انکار مقصود ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کیا دین اللہ کے

علاوہ کسی اور ہی دین کو وہ چاہتے ہیں۔ اس سے بطور اشارہ یہ بات معلوم ہوئی کہ دین اللہ کی طلب کے ساتھ دوسرے دین کی
طلب نہیں ہو سکتی۔ بنغوی نے لکھا ہے کہ یہود و نصاریٰ میں سے ہر فریق نے دین ابراہیمی پر ہونے کا دعویٰ کیا اور رسول اللہ ﷺ

کی خدمت میں یہ جھگڑا لے کر حاضر ہوئے، حضور ﷺ نے فرمایا دونوں فریق دین ابراہیم سے علیحدہ ہیں اس فیصلہ سے دونوں
ناراض ہو گئے اور کہنے لگے ہم آپ کے فیصلہ کو نہیں مانتے اور نہ آپ کے مذہب کو پسند کرتے ہیں اس پر آیت مذکورہ نازل

ہوئی۔
وَلَهٗ اَسْكَمَ مِّنْ فِی السَّمٰوٰتِ ۝ حالانکہ اللہ ہی کے فرمان بردار اور مطیع ہیں جو آسمانوں میں ہیں یعنی ملائکہ۔ یہ
جملہ لفظ اللہ سے حال ہے لفظ اللہ (اگرچہ مفعول نہیں ہے بلکہ دین کا مضاف الیہ ہے مگر) مفعول کے دائرہ میں واقع ہے۔

وَالْاَرْضِ ۝ اور جو زمین میں ہیں یعنی جن وانس۔
كُلُوْهَا ۝ یعنی اپنے اختیار سے۔ مطلب یہ ہے کہ ملائکہ اور ایماندار جن وانس اور امر تکلیفیہ کی تعمیل بخوشی خاطر اپنے

اختیار سے کرتے ہیں اور امر تکلیفیہ میں اپنے محبوب کی مرضی پر راضی اور اللہ کے تکوینی فیصلہ سے خوش ہیں۔
وَاَكْرَهًا ۝ اور مجبوراً بھی مطیع ہیں۔ خواہ اسلام کی قوت کی وجہ سے یا ایسے اسباب کا معائنہ کرنے کی وجہ سے جو اسلام پر

مجبور کرتے ہیں جیسے (بنی اسرائیل کے سروں پر) پہاڑ کو اکھاڑ کر معلق کیا گیا یا آل فرعون کو غرق کیا گیا تھا یا موت کا پھندا گلے
میں پڑنے لگتا ہے تو منکر بھی اسلام پر مجبور ہو جاتا ہے یہ صورت تو امر تکلیفیہ میں ہوتی ہے اور امر تکوینیہ میں تو کوئی اختیار

نہیں ہے۔

ہوتا ہی نہیں ہے، نیچرل کنیئر سب کو محیط ہے اور سب مسخر ہیں (بہر حال مؤمن و کافر سب چارونا چار اللہ کے فرمانبردار ہیں)۔
قُلْ اَلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿۵۷﴾ اور اسی کی طرف سب کو واپس جانا ہوگا۔

قُلْ اَمَّا آپ کہہ دیں کہ ہم مانتے ہیں۔ یہ خطاب یا رسول اللہ ﷺ کو ہے آپ کی عظمت کے اظہار کے لئے شاہانہ طریقہ کلام کا حکم دیا یہ حکم دیا کہ اپنے ساتھ اپنے متبعین کو بھی شامل قرار دے کر اظہار ایمان کرو، یا خطاب ہر مؤمن کو ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ اپنے ساتھ ہر مؤمن بھائی کو شامل سمجھ کر اظہار ایمان کریں۔

يَا لَللّٰهِ تنہا اللہ کو۔ **وَمَا اَنْزَلَ عَلَيْنَا** اور اس قرآن جو ہم پر اتارا گیا ہے، اگر خطاب ہر مؤمن کو مانا جائے تو ہم پر نازل ہونے سے مراد ہوگا، رسول اللہ ﷺ کی وساطت سے ہم تک پہنچنا، یا یوں تاویل کی جائے گی کہ اگر جماعت کے کسی ایک فرد کی طرف کسی فعل کی نسبت کی جائے (اور وہ فرد اہم ہو) تو پوری جماعت کی طرف اس فعل کی نسبت ہو جاتی ہے (اہل ایمان میں رسول اللہ ﷺ کا مرتبہ سب سے اہم ہے اور آپ پر قرآن نازل ہوا تو گویا سب پر نازل ہوا) مادہ نزول کے بعد بھی الٰہی آتا ہے کیونکہ اللہ کا پیام پیغمبروں تک پہنچتا ہے بھی علی آتا ہے کیونکہ اللہ کا پیام اوپر سے اترتا ہے۔

وَمَا اَنْزَلَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَاَلْسَبٰطِ اور ان کتابوں اور صحیفوں کو جو ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب اور دوسرے اسرائیلی پیغمبروں پر اتارے گئے۔ اسباط سے مراد ہیں حضرت یعقوب کی نسل کے انبیاء۔

وَمَا اَوْتٰى مُوسٰى وَعِيسٰى جن میں سے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ بھی تھے۔ لیکن یا تو ان دونوں حضرات کی جلالت قدر کی وجہ سے ان کا خصوصی ذکر کیا یہ وجہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کی طرف سے انہی کے متعلق خصوصی نزاع تھا اور ان کو یہ خیال تھا کہ مسلمان حضرت موسیٰ اور عیسیٰ (علیہما السلام) کو نہیں مانتے، اس گمان کو دفع کرنے کیلئے خاص طور پر ان کا ذکر کیا۔
 سے اس جگہ بھی کتابیں اور صحیفے مراد ہیں، یا ما انزل سے وحی جلی اور ما اوتی سے وحی خفی مراد ہے، یا

معجزات و فضائل مراد ہیں۔
وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ دَرَجَتِهِمْ لَا نَفَرٌ بَيْنَ بَيْنٍ اَحَدٍ اور اسکو بھی مانتے ہیں جو موسیٰ و عیسیٰ اور دوسرے انبیاء کو اللہ کی طرف سے دیا گیا تھا ہم انبیاء کے باہم تفریق نہیں کرتے کہ کسی کو سچا کہیں اور کسی کو جھوٹا۔
مِنْهُمْ ذُوْغَنَ لَهُ مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۸﴾ اور ہم اللہ ہی کے فرمانبردار ہیں۔

جو طلب کرے گا سوائے اسلام کے کوئی دوسرا دین، اسلام سے مراد ہے توحید اور اللہ کی فرمانبرداری، یا دین محمدی جو تمام مذاہب کا ناخ ہے دینا یا تمیز ہے یا یبتغ کا مفعول، اس صورت میں غیر الاسلام حال ہوگا جو دینا کے نکرہ ہونے کی وجہ سے پہلے ذکر کر دیا گیا ہے۔

فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ تو ہر گز اس سے قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ دین اللہ کے حکم اور پسند کے خلاف ہوگا۔
وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۵۹﴾ اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا کیونکہ وہ اسلام کا تارک اور دوسرے دین کا طالب ہے اس نے اپنی فطرت سلیمہ کو بگاڑ لیا ہے اس لئے فائدہ سے محروم اور نقصان سے ہم کنار ہوگا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ یہ آیت اور اس کی بعد والی آیات کا نزول بارہ آدمیوں کے حق میں ہوا تھا، یہ لوگ مرتد ہو کر مدینہ سے مکہ کو چلے گئے تھے، انہیں میں سے حارث بن سويد انصاری بھی تھے (حارث مرتد ہو کر چلے گئے تھے لیکن پھر سچے دل سے الٰہی بیعتی نے دعوات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ اگر کسی کا سواری کا جانور سرکش ہو اور اس پر سوار ہونا دشوار ہو تو اس کے کانوں میں آیت ومن یبتغ غیر الاسلام الخ، پڑھی جائے، مؤلف رحمۃ اللہ علیہ۔

توبہ کر کے واپس آگئے تھے۔

کَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ
یعنی اللہ جنت کا راستہ کیسے دکھائے گا، یہ استفہام انکاری ہے یعنی اللہ ان کو جنت کی ہدایت نہیں کرے گا ان کا ہدایت یاب ہونا بہت بعید ہے۔

قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ
وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ
ایسے لوگوں کو جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے، جیسے بارہ آدمیوں نے کیا۔
اور جو رسول کے حق ہونے کی شہادت دینے کے بعد کافر ہو گئے (اللہ ان کو ہدایت نہیں کرے گا) شَهِدُوا اگرچہ فعل ہے لیکن مصدری معنی مراد ہے جیسے تَسْمَعُ بِالْمَعِيذِ خَيْرٌ مِّنْ أَنْ تَرَاهُ مِثْلُ تَسْمَعُ فعل بمعنی مصدر ہے معیدی کا ذکر سننا اس کو دیکھنے سے بہتر ہے یا إِيمَانِهِمْ میں إِيمَانُ (مصدر) ہونے کے باوجود اپنے اندر فعل کے معنی رکھتا ہے۔ اس لئے شَهِدُوا کا عطف اس پر کر دیا گیا۔ یعنی ایسے لوگوں کو اللہ جنت کا راستہ نہیں بتائے گا جو ایمان لا چکے تھے اور حقانیت رسول کی شہادت دے چکے تھے اس کے بعد کافر ہو گئے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شَهِدُوا سے پہلے لفظ زمان محذوف قرار دیا جائے یہ بھی ممکن ہے کہ شَهِدُوا کا عطف کَفَرُوا پر ہو (شہادت رسالت اگرچہ کفر سے پہلے تھی لیکن) عطف بالواو میں ترتیب واقعی کی مطابقت ضروری نہیں، یا شَهِدُوا حال ہے اور قَدْ محذوف ہے، بہر حال اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ زبان سے اقرار رسالت کرنا ہی ایمان کی حقیقت میں داخل نہیں (اسی لئے تو شَهِدُوا کا عطف إِيمَانِهِمْ پر کیا ہے، معطوف معطوف علیہ سے غیر ہوتا ہے)۔

وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ
بَيِّنَات سے مراد ہیں روشن دلائل جیسے قرآن اور تمام معجزات۔

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٥٥﴾
اور اللہ کافروں کو جنت کی راہ پر نہیں لے جائے گا۔

أُولَٰئِكَ جَزَاءُ هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوْا
اللہ سے مراد ہے اللہ کا غضب لیکن اللہ کے غضب کے بعد اس کی رحمت سے دوری ضروری ہے (اس لئے لعنت سے مراد ہوئی رحمت سے دوری)۔

وَالْمَلَائِكَةُ
اور فرشتوں کی لعنت یعنی اللہ کی رحمت سے دور رہنے کی بددعا۔

وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿٥٦﴾
اور تمام لوگوں کی لعنت۔ تمام لوگوں سے مراد ہیں تمام مؤمن یا سب آدمی خواہ کافر ہوں یا مؤمن کیونکہ کافر بھی منکر حق پر لعنت کرتا ہے اگرچہ (اس کی لعنت اسی پر پڑتی ہے کیونکہ وہ بھی منکر حق ہوتا ہے مگر) وہ حق کی شناخت نہیں رکھتا یہ مراد ہے کہ قیامت کے دن بعض کافر بعض کافروں پر لعنت کریں گے اللہ نے فرمایا ہے یکفر بعضکم ببعض ویلعن بعضکم بعضاً۔

خَالِدِينَ فِيهَا
اس لعنت میں ہمیشہ رہیں گے یا آگ میں ہمیشہ رہیں گے۔ آگ کا ذکر گویا صراحتاً نہیں ہے مگر کلام اس پر دلالت کر رہا ہے (کیونکہ لعنت کے بعد دوزخ لازم ہے)۔

لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ
اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی (کہ ٹھہر ٹھہر کر عذاب دیا جائے گا کچھ موقع دم لینے کا دے دیا جائے گا)۔

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ
ہاں جن لوگوں نے ارتداد سے توبہ کر لی۔

وَأَصْلَحُوا
اور اصلاح نفس کر لی۔ یہ تَابُوا کی تفسیر ہے توبہ کر لی یعنی نیک ہو گئے مراد یہ ہے کہ مسلمان ہو گئے یا یہ مراد ہے کہ انہوں نے اپنے ایمان کو ٹھیک کر لیا یعنی (کفر کی وجہ سے) جو ملک میں بگاڑ کیا تھا اس کو (ایمان کے بعد) درست کر لیا۔

فَإِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ
تو بلاشبہ اللہ معاف کرنے والا ہے ان کی توبہ قبول فرمائے گا اور ان سے جو اللہ کی حق

تلفیاں ہوئی ہیں ان کو معاف کر دے گا۔

— **رَحِيمٌ ۹۱** — وہ مہربان ہے۔ ان پر مہربانی کر کے جنت میں لے جائے گا۔ نسائی، ابن حبان اور حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ ایک انصاری مسلمان ہونے سے کچھ مدت کے بعد مرتد ہو گیا لیکن پھر اسے پشیمانی ہوئی اس نے اپنے خاندان والوں کے پاس پیام بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کسی کو بھیج کر یہ دریافت کرو کہ کیا اب میرے لئے توبہ کی گنجائش ہے اس پر آیت کیف یھدی اللہ سے غفور رحیم تک نازل ہوئی اور انصاری کے خاندان والوں نے اس کے پاس (قبول توبہ کا) پیام بھیج دیا وہ (پھر) مسلمان ہو گیا۔ ابن المنذر نے (مسند میں) اور عبد الرزاق نے مجاہد کا قول بیان کیا ہے کہ حارث بن سويد آکر مسلمان ہوا لیکن کچھ عرصہ کے بعد کافر ہو کر اپنے قبیلہ میں لوٹ گیا۔ اللہ نے اس کے متعلق آیت کیف یھدی اللہ سے غفور رحیم تک نازل فرمائی، اس کے خاندان کے کسی شخص نے یہ آیت لے جا کر اس کو سنائی حارث نے کہا خدا کی قسم میری دانست میں تم بڑے سچے آدمی ہو اور رسول اللہ ﷺ تم سے زیادہ سچے ہیں اور اللہ دونوں سے بڑھ کر سچا ہے اس کے بعد حارث واپس آکر مسلمان ہو گیا اور اچھا مسلمان ہو گیا۔

قائدہ اور حسن بصری کا بیان ہے کہ اس آیت کا نزول یہودیوں کے حق میں ہوا جنہوں نے حضرت موسیٰ اور توریت پر ایمان لانے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کو ماننے سے انکار کر دیا، پھر کفر میں اور ترقی کی کہ رسول اللہ ﷺ اور قرآن کو نہیں مانا۔ ابو العالیہ کے قول پر آیت کا نزول یہودی انصاری دونوں کے حق میں ہوا دونوں نے رسول اللہ ﷺ کے اوصاف و حالات اپنی کتابوں میں پڑھے اور ان کو مانا لیکن بعثت نبوی کے بعد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لائے اور اس کفر کی حالت میں گناہوں کی وجہ سے مزید ترقی کی۔ مجاہد کے نزدیک آیت کا نزول تمام کفار کے حق میں ہوا جو اللہ کے خالق ہونے کا اقرار کرنے کے باوجود شرک کرتے ہیں پھر کفر میں بڑھ جاتے ہیں یعنی مرتے دم تک کفر پر قائم رہتے ہیں۔ حسن نے کہا کہ کفر میں بڑھنے کا معنی یہ ہے کہ جو آیت نازل ہوئی گئی وہ اس کا انکار کرتے گئے۔ کبھی نے کہا کہ آیت کا نزول حارث بن سويد کے ساتھیوں کے متعلق ہوا کہ حارث کے دوبارہ مسلمان ہونے کے بعد بھی وہ کفر پر قائم رہے اور مکہ ہی میں مقیم رہے۔ بعض علماء کے نزدیک الذین کفروا سے منافق مراد ہیں علانیہ کافروں سے منافقوں کا کفر زیادہ تھادہ کفر کو پوشیدہ رکھنے اور ظاہر میں باوجود کراہت خاطر کے نماز، روزہ ادا کرنے کی مشقت اٹھاتے تھے کفر سے انکو انتہائی محبت تھی۔

یعنی جن لوگوں نے کفر کیا پھر کفر میں بڑھ گئے اللہ کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔ اگر **لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ** الذین کفروا سے یہودی انصاری یا عام کافر مراد ہوں تو توبہ قبول نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ کفر پر قائم رہیں گے گناہوں سے توبہ قبول نہیں کی جائے گی ہاں غرغہ کے وقت (بھی) کفر سے توبہ مقبول ہے کیونکہ فتح مکہ کے بعد حارث بن سويد کے ساتھیوں میں سے جس نے بھی کفر سے توبہ کی رسول اللہ ﷺ نے اس کی توبہ قبول فرمائی اور اگر آیت میں منافق مراد ہوں تو یہ مطلب ہو گا کہ جب تک دل سے کفر پر جمے رہیں گے زبان سے توبہ ناقابل قبول ہے۔

اور یہی لوگ راہ حق سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ **وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ۹۲** **إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ** جن لوگوں نے کفر کیا اور کفر سے توبہ نہ کی اور کفر کی حالت میں ہی مر گئے۔

اگر بالفرض انہوں نے زندگی میں زمین بھر سونا خیرات کیا ہو گا تب بھی قیامت کے دن قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس سے کم کا تو ذکر ہی کیا ہے کیونکہ ایمان تمام صدقات و عبادات کے قبول ہونے کی شرط ہے بلکہ عبادت عبادت ہی نہیں ہوتی جب تک ایمان اور خلوص کے ساتھ نیست نہ ہو۔ چونکہ الذین میں شرط کا مفہوم ہے اس لئے ان کی خبر یعنی **لَنْ يُقْبَلَ** میں فاء (جزائیہ) لائی گئی اس سے یہ بات بھی معلوم

ہو گئی کہ کفر کی حالت میں مرنا خیرات قبول نہ ہونے کا سبب ہے۔

وَلَوْ اَفْتَدٰى بِهٖ ۱؎ اگر قیامت کے دن بالفرض وہ زمین بھر سونا بدلہ میں دے تب بھی قبول نہ ہوگا۔ یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ عذاب قیامت کے عوض اگر کوئی زمین بھر اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور سونا دے گا تب بھی قبول نہ ہوگا۔ جیسے دوسری آیت میں آیا ہے کہ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهُ مَعَهٗ (گویا یہ سے مراد ہے بِمِثْلِهِ۔ لفظ مِثْل محذوف ہے) چونکہ دو ایک طرح کی چیزوں کا حکم ایک ہی ہوتا ہے اس لئے کسی ایک چیز کے ذکر کے وقت اس جیسی دوسری چیز بھی اس کے ساتھ بکثرت مراد لے لی جاتی ہے۔

وَلَوْ اَفْتَدٰى بِهٖ ۲؎ (یعنی اگرچہ اور خواہ کا معنی نہیں ہے) کیونکہ شرط و صلی کی صورت میں نقیض شرط کا جزاء ہونا بدرجہ اولیٰ صحیح ہوتا ہے جیسے آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا لَوْ لَمْ تَمْسَسْہُمْ نَارٌ مِّنْ فِیْہِیْ (درخت زیتون اتنا چمکیلا اور شفاف ہوتا ہے کہ) اس کا تیل آگ کے چھوتے ہی مشتعل ہو جائے اور آگ اس کو نہ لگے تب بھی مشتعل ہو جائے۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اگر وہ اپنے بدلہ میں زمین بھر سونا نہ دے تو قبول نہیں کیا جائے گا اور دے تب بھی قبول نہ ہوگا۔ (اور یہ مطلب غلط ہے) بعض علماء نے توجیہ مطلب اس طرح کی ہے کہ کوئی عوض قبول نہ ہوگا اگر زمین بھر سونے سے کم دے تب قبول نہ ہوگا اور زمین بھر سونا دے تب قبول نہ ہوگا۔

اُولٰٓئِکَ لَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۱؎ اور انہی کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اس آیت میں پرزور تحویف ہے کیونکہ جس کی طرف سے کوئی معاوضہ (جرم) قبول نہ ہو اس کو (بلا معاوضہ) محض کرم ذاتی کے زیر اثر معافی مل جانا بہت کم ہوتا ہے (مگر ہو سکتا ہے) پس جب دردناک عذاب میں مبتلا ہونے کی صراحت کر دی تو اس سے معافی کی طرف سے بالکل ناامید بنا دیا۔

وَمَا لَہُمْ مِّنْ تَوْبَةٍ ۲؎ اور ان کا کوئی حیا نہ ہوگا کہ عذاب کو دفع کر سکے۔ سن کی زیادتی مفید استغراق ہے (یعنی کوئی بھی مددگار نہ ہوگا)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن خفیف ترین عذاب والے دوزخی سے اللہ فرمائے گا اگر تیرے پاس روئے زمین کی تمام چیزیں ہوں تو کیا (آج) عذاب سے چھوٹنے کیلئے تو وہ سب چیزیں دے دیگا دوزخی کہے گا، جی ہاں، اللہ فرمائے گا جب تو آدم کی پشت میں تھا اس وقت میں نے تجھ سے اس سے بہت زیادہ آسان چیز کی خواہش کی تھی کہ (پیدا ہونے کے بعد) میرے ساتھ کسی کو شریک نہ قرار دینا۔ مگر تو بغیر شرک کئے نہ رہا۔ (متفق علیہ)

..... چوتھا پارہ لن تنالہ (آل عمران) ❦

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ یہ کا معنی ہے انعام، جنت، بھلائی، احسان کی وسعت، سچائی، طاعت (قاموس) میں کہتا ہوں اگر یہ کی نسبت بندہ کی طرف کی جاتی ہے تو مراد ہوتی ہے طاعت، سچائی اور احسان کی وسعت۔ اس وقت اس کے مقابل فُجُور اور عُتُوق کا لفظ آتا ہے لیکن اگر اللہ کی طرف کی نسبت کی جاتی ہے تو مراد ہوتی ہے رضا، رحمت، جنت۔ اس وقت اس کے مقابل غضب اور عذاب کا لفظ آتا ہے۔

آیت مذکورہ میں حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عباسؓ اور مجاہدؓ کے نزدیک جنت مراد ہے۔ مقاتل بن حبان کے نزدیک تقویٰ۔ بعض علماء کے نزدیک طاعت اور بعض کے نزدیک بھلائی۔ حسن بصریؒ نے آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا تم ابرار نہیں ہو سکتے یعنی کثیر الخیر، وسیع الاحسان اور طاعت گزار نہیں ہو سکتے۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ تم حقیقت پر یعنی کمال خیر تک نہیں پہنچ سکتے یا اللہ کی بر یعنی رحمت، رضا اور جنت کو نہیں پاسکتے۔ اول قول پر آلپیر میں لام جنسی اور دوسری صورت میں عمدی ہوگا۔ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سچائی کو اختیار کرو کیونکہ سچائی یہ کی طرف لے جاتی ہے اور یہ جنت کی طرف، آدمی برابر سچ بولتا رہتا ہے اور سچ کی نیت کرتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے ہاں اس کو صدیق لکھ دیا جاتا ہے اور جھوٹ سے پرہیز رکھو کیونکہ جھوٹ بدکاری کی طرف۔ جاتا ہے اور بدکاری دوزخ کی طرف۔ آدمی برابر جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ کی نیت کرتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے ہاں اس کو کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔ رواہ مسلم و احمد و الترمذی۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی مرفوع روایت ہے کہ صدق کو اختیار کرو، صدق یہ کہ ساتھ ہوتا ہے۔ اور یہ دونوں جنت میں (لے جاتے) ہیں اور کذب سے پرہیز رکھو، کذب فجور کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ دونوں دوزخ میں (لے جاتے) ہیں۔ رواہ احمد و ابن ماجہ و البخاری فی الادب۔

حَتَّىٰ تَنْفِقُوا مِمَّا تَحِبُّونَ ۚ یہاں تک کہ تم اپنے محبوب مال کا کچھ حصہ راہ خدا میں خرچ کرو۔ مِمَّا تَحِبُّونَ سے مراد ہر قسم کا مال ہے کیونکہ ہر قسم کے مال سے لوگوں کو محبت ہوتی ہے۔ ان کے دل ہر طرح کے مال کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ پس اگر کوئی کسی قسم کا مال کچھ بھی راہ خدا میں نہ خرچ کرے یہاں تک کہ زکوٰۃ بھی ادا نہ کرے وہ فاجر ہوگا اور یہ سے بالکل محروم۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر قسم کے مال کا کچھ حصہ راہ خدا میں دینا فرض ہے اور اگر حلال حرام مال مخلوط ہو تو حلال مال کو چھوڑ کر حرام مال میں سے دینا جائز ہے۔ جیسے دوسری آیت میں آیا ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُم مِّنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فُؤَادَکُمْ**

اگر مقدار واجب سے کم دے گا تو واجب ادا نہ ہوگا، یہ حکم بالا جماع ہے پھر یہ فعل عنوان محبوبیت کے تقاضے کے خلاف بھی ہے (جب مال محبوب ہے تو اس کی محبوبیت کا تقاضا ہے کہ بقدر واجب اللہ کی راہ میں دیا جائے) ہر مال کی کتنی مقدار راہ خدا میں دینا واجب ہے اس کے متعلق آیت میں کوئی تفصیل نہیں البتہ مقدار زکوٰۃ کی تعیین کرنے والی احادیث میں اس کا بیان ہے گویا آیت کے اجمال کی توضیح احادیث سے ہو رہی ہے۔ آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ ہر مال کی زکوٰۃ واجب ہے، مال بڑھوتری والا اور رو بترتی ہو یا نہ ہو (گھر میں بیکار پڑا ہو) مقدار نصاب (فقہی) کو پہنچ گیا ہو یا نہ پہنچا ہو، اپنی ضرورتوں سے بچا ہوا ہو یا ضرورت سے زائد نہ ہو، اس پر سال گزر گیا ہو یا نہ گزرا ہو، لیکن بعض دوسری آیات و احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ وجوب زکوٰۃ کی کچھ

مخصوص صورتیں اور حالتیں ہیں (اس لئے اس آیت کا حکم عام مطلق نہیں ہے) ایک آیت ہے یَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ
الْعَفْوُ اے پیغمبر مسلمان آپ سے پوچھتے ہیں کہ راہ خدا میں کیا خرچ کریں آپ جواب میں کہہ دیں کہ جو چیز ضرورت سے زائد
ہو وہ راہ خدا میں دے دو۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ کام کرنے والے اور بوجھ اٹھانے والے لوگ گھروں میں چارہ کھا کر پرورش پانے والے جانوروں
میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ ایک شخص کے جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اس کے علاوہ تجھ پر کچھ
فرض نہیں ہاں اگر اپنی خوشی سے بطور نفل تو ادا کرے تو خیر۔ تیسری حدیث ہے کہ زکوٰۃ کا وجوب بغیر تونگری کے نہیں ہوتا
ہے (یعنی جو شخص غنی نہ ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں) ان احادیث و آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ زکوٰۃ ان جانوروں میں واجب ہے
جو (سال کے زیادہ حصہ میں) جنگل میں (مفت) چرتے ہوں (گھر پر ان کو خوراک نہ دی جاتی ہو) یا سونا چاندی بقدر نصاب ہو یا
تجارتی سامان ہو (جس کی قیمت) بقدر نصاب ہو بشرطیکہ ایک سال سے یہ اشیاء ملکیت میں ہوں یا کھیتی کا غلہ ہو یا پھل ہوں، ان
تمام چیزوں میں زکوٰۃ کے وجوب پر اجماع ہے۔ پس یہ آیت زکوٰۃ کے متعلق ہے لیکن حکم مخصوص بالبعض ہے۔ ضحاک نے
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے۔ لیکن مجاہد و کلبی کے نزدیک اس آیت میں زکوٰۃ مراد نہیں
ہے، بلکہ دوسری آیت زکوٰۃ اس آیت کے عمومی حکم کی تائید ہے مگر یہ قول غلط ہے۔ جب آیت کے حکم کو زکوٰۃ پر محمول کیا
جاسکتا ہے (اور حکم آیت کو عام مخصوص بالبعض کہا جاسکتا ہے) تو منسوخ قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں۔

سخن کا قول تو اس وقت اختیار کیا جاسکتا ہے جب دونوں آیات میں (نا قابل ازالہ) تعارض ہو، یہاں تعارض ہی نہیں ہے۔
اس آیت میں بلاشبہ محبوب ترین مال کو خرچ کرنے کا وجوبی حکم ہے لیکن محبوب ترین مال کے علاوہ دوسرے مال میں سے راہ خدا
میں دینے کا عدم وجوب تو اس سے معلوم نہیں ہوتا (ہو سکتا ہے کہ محبوب مال میں سے راہ خدا میں دینا اس آیت کی رو سے واجب
ہو اور دوسرے مال میں سے انفاق دوسری آیت سے ثابت ہو) نہ آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مقدار زکوٰۃ کے علاوہ کوئی
دوسری مقدار واجب نہیں ہے۔ پھر یہ آیت مدنی ہے اور زکوٰۃ کی آیات مکی ہیں، سابق النزول حکم مؤخر النزول کا ناسخ کس طرح
ہو سکتا ہے، واللہ اعلم۔

عام مال کو یا تَحْتَوْنَ سے تعبیر کرنا اس امر کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ جو مال زیادہ محبوب خاطر ہو گا اس کو راہ خدا میں خرچ
کرنا زیادہ بہتر ہو گا۔ دلالت النص سے یہ بات بھی معلوم ہو رہی ہے کہ مال کا کچھ حصہ خرچ کرنا واجب ہے لیکن جو شخص کل مال
راہ خدا میں دیدے وہ سب سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے مسلمان (جس قسم کا) جو مال خرچ کرے گا یہاں تک کہ
ایک چھوڑ دینے والا بھی اس پر کا مستحق ہے جس کا زکوٰۃ آیت میں کیا گیا ہے۔ حضرت حسن کے اس قول کا مقتضایہ ہے کہ آیت
میں جس انفاق کا حکم ہے وہ انفاق واجب اور انفاق مستحب دونوں کو شامل ہے اگر کوئی مطلقاً راہ خدا میں خرچ نہ کرے یہاں تک کہ
فرض زکوٰۃ بھی نہ دے تو وہی بڑم کور سے محروم ہو گا اور اسی پر فاجر (خارج از حکم خدا) کا اطلاق کیا جائے گا۔ عطاء نے آیت کا
تفسیری مطلب ان الفاظ میں بیان کیا کہ تم فضیلت دین و تقویٰ اس وقت تک نہیں پاسکتے جب تک صحت اور ضرورت کی حالت
میں تم خیرات نہ کرو۔

حضرت انسؓ بن مالکؓ کا بیان ہے کہ مدینہ میں حضرت ابو طلحہؓ انصاریوں میں سب سے زیادہ مالدار تھے اور آپ کا مرغوب
ترین مال (بستان) بیرحاء تھا جو مسجد کے سامنے تھا۔ رسول اللہ ﷺ بھی (کبھی کبھی) تشریف لے جا کر وہاں کا عمدہ پانی پیتے تھے
جب آیت لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ نازل ہوئی تو حضرت ابو طلحہؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر
ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اللہ اپنی کتاب میں فرماتا ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ مجھے اپنے مال میں
بیرحاء سب سے زیادہ پسند ہے میں اللہ کی خوشنودی کے لئے اس کو دیتا ہوں امید ہے کہ اللہ اس کا ثواب اور اجر میرے لئے جمع

رکھے گا۔ آپ جس طرح چاہیں اس (باغ) میں تصرف کریں۔ حضور ﷺ نے فرمایا وہاں وہاں یہ تو نفع بخش مال ہے جو کچھ تم نے کہا میں نے سن لیا۔ میرے نزدیک یہی مناسب ہے کہ تم یہ اپنے قرابت داروں کو دیدو۔ حضرت ابو طلحہؓ نے کہا (بہت خوب) یا رسول اللہ ﷺ میں ایسا ہی کروں گا چنانچہ حضرت ابو طلحہؓ نے وہ باغ اپنے اقرباء اور چچا زادوں کو تقسیم کر دیا۔ صحیح بخاری و مسلم۔

حضرت زید بن حارثہؓ اپنے محبوب گھوڑے کو لے کر آئے اور عرض کیا یہ اللہ کی راہ میں (دیتا ہوں) رسول اللہ ﷺ نے وہ گھوڑا حضرت اسامہؓ بن زید کو سواری کے لئے دے دیا، حضرت زیدؓ نے کہا میں نے تو اس کو خیرات کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ نے تمہاری طرف سے اس کو قبول کر لیا (یعنی تم کو خیرات کا ثواب ملے گا) ابن المنذرؒ نے اس حدیث کو محمد بن معنؒ کی روایت سے مرسل بیان کیا ہے اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ اس گھوڑے کا نام سمیل تھا۔ ابن جریرؒ نے یہ حدیث عمرو بن دینار کی روایت سے مرسل اور ابوبہرہؓ کی روایت سے معضل بیان کی ہے۔

بغوی نے مجاہدؒ کی روایت لکھی ہے کہ جلواء کی فتح کے دن حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ میرے لئے جلواء کے قیدیوں میں سے کوئی باندی خرید لو (حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حسب الحکم ایک باندی خرید لی اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیج دی) آپ کو وہ باندی بہت پسند آئی اور فرمایا اللہ نے فرمایا ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ۔ اس لئے آپ نے اس باندی کو آزاد کر دیا۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے حضرت حمزہؓ نے فرمایا کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے دل میں آیت لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ میں سوچا کہ خداداد نعمتوں میں سب سے مرغوب چیز کیا ہے سوچنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ فلاں باندی سے زیادہ دل کو محبوب اور کوئی چیز نہیں، یہ سوچ کر فرمایا فلاں باندی لوجہ اللہ آزاد ہے اگر بارگاہ الہی میں پیش کی ہوئی چیز کو واپس لینے (کی ممانعت) کا خیال نہ ہوتا تو میں اس سے نکاح کر لیتا ان احادیث اور آثار صحابہؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ راہ خدا میں دینے کا مفہوم عام ہے اس کا احلاق خیرات پر بھی ہوتا ہے اور استعمال کیلئے عاریہ دینے پر بھی اور قرض دینے پر بھی اور باندی غلام کو آزاد کرنے پر بھی، حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار کو دینا افضل ہے۔

وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۝۱۱

تم جو کچھ راہ خدا میں خرچ کر دو گے خواہ وہ محبوب و مرغوب ہو یا غیر محبوب، اللہ اس سے یقینی طور پر بخوبی واقف ہے، یعنی عمل اور نیت کے مطابق جزا دے گا علم سبب ہے اور جزا ثواب اس کا نتیجہ، سب کو بجائے نتیجے کے ذکر کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ کریم کا اپنے بندہ کی نیکی کو جانتا ہی ثواب و جزا کے لئے کافی ہے۔ پھر ماضی (الْفَقْتُمْ) کی جگہ مستقبل کا صیغہ (تُنْفِقُوا) ذکر کرنے سے یہ معلوم ہو گیا کہ اتفاق (راہ خدا میں صرف) سے اللہ واقف ہے خواہ تھوڑا اتفاق ہو یا زیادہ اور خواہ (ماضی میں ہو گیا ہو یا حال میں ہو رہا ہو یا) آئندہ ہونے والا ہو۔ اس سے اشارہ یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اللہ کے علم کے لئے علی الاعلان اتفاق ضروری نہیں (چھپ کر بھی اگر خیرات کی جائے تو اللہ اس سے واقف ہوتا ہے بلکہ) پوشیدہ خیرات کرنے کی اس سے ترغیب مستفاد ہو رہی ہے۔ (آئندہ آیت کے شان نزول کے سلسلے میں)۔ بغوی نے لکھا ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ کو ملت ابراہیمی پر ہونے کا تو دعویٰ ہے مگر آپ اونٹ کا گوشت کھاتے ہیں باوجودیکہ ابراہیمؑ نہ اونٹ کا گوشت کھاتے تھے، نہ ان کا دودھ پیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابراہیم علیہ السلام کے لئے تو یہ چیزیں حلال تھیں کہنے لگے ہم آج جن چیزوں کو حرام کہتے ہیں یہ نوح کے لئے بھی حرام تھیں اور ابراہیم (علیہ السلام) کے لئے بھی، اسی زمانہ سے آج تک ان کی حرمت چلی آئی ہے۔ اس قول کی وجہ یہ تھی کہ یہودی نسخ احکام کے قائل نہیں تھے۔ یہودیوں کی تکذیب کے لئے اللہ نے مندرجہ ذیل نازل فرمائی۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حَلَالًا لِّبَنِي إِسْرَءِيلَ

طعام مصدر ہے غذا کھانا۔ یہاں مفعول کے معنی مراد ہیں یعنی غذا۔ الف لام عہدی ہے یعنی وہ پاکیزہ غذا میں جو (توریت سے پہلے) حلال تھیں لیکن یہودیوں کی حرکات بیجا کی وجہ سے توریت میں ان کو حرام کر دیا گیا چونکہ الطعام میں معصود طعام مراد ہے اس لئے یہ لفظ مردار، خون، گوشت خنزیر اور دوسرے

دردوں کے گوشت کو شامل ہی نہیں ہے۔

حلال اصل میں مصدر ہے لیکن اس سے مراد صیغہ صفت ہے، مذکر مؤنث جمع واحد سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے ایک اور آیت میں آیا ہے لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وہ عورتیں ان مردوں کے لئے حلال نہیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تورات میں جو کھانے حرام کر دیئے گئے ہیں وہ پہلے اولاد یعقوب اور یعقوب کے باپ داود اسحاق و ابراہیم کے لئے حلال تھے۔

إِلَّا مَا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ

سوائے اس قسم کے کھانے کے جو یعقوب نے اپنے لئے خود حرام کر لئے تھے یعنی اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ۔

بات یہ ہوئی کہ لونٹ کا گوشت اور دودھ حضرت یعقوب کی مرغوب ترین غذا تھی لیکن آپ کو عرق النساء (درد ران) کی بیماری تھی اس لئے آپ نے ممت مانی تھی کہ اگر اللہ آپ کی بیماری دور کر دے گا۔ تو آپ اس محبوب غذا کو کبھی نہیں کھائیں گے۔ احمد اور حاکم وغیرہ نے یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے سند صحیح بیان کی ہے اور بغوی نے ابو العالیہ عطاء، مقاتل اور کلبی کی روایت سے اس کو لکھا ہے لیکن جوہر کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ کا قول اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام عرق النساء میں مبتلا تھے طبیعوں نے تجویز کی کہ آپ اونٹ کے گوشت سے پرہیز رکھیں اس لئے آپ نے اونٹ کا گوشت اپنے لئے ممنوع قرار دے لیا۔ یہ بھی بغوی نے لکھا ہے کہ حسن بصری نے کہا کہ حضرت یعقوبؑ نے اونٹ کا گوشت خدا پرستی کے جذبہ کے تحت اپنے لئے حرام کر لیا تھا اور اللہ سے دعا کی تھی کہ اللہ اس حرمت کو نافذ فرمادے، حسب دعا اللہ نے آپ کی اولاد کے لئے اونٹ کا گوشت حرام کر دیا۔ عطیہ کا بیان ہے کہ اولاد اسرائیل کے لئے اللہ کی طرف سے اونٹ کے گوشت کی حرمت نہیں ہوئی بلکہ حضرت یعقوبؑ نے اپنی اولاد کیلئے خود حرام کر رکھا تھا کیونکہ (بطور ممت کہا تھا کہ اگر اللہ مجھے شفا عطا فرمادے گا تو میری اولاد اونٹ کا گوشت نہیں کھائے گی۔

مِنْ قَبْلِ أَنْ تَنْزِلَ التَّوْرَةُ

تورات نازل کئے جانے سے پہلے۔ اس فقرہ کا تعلق حَرَّمَ إِسْرَائِيلَ سے تو یقیناً نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت اسرائیل کا بعض اشیاء کو اپنے لئے حرام کر لینا یقیناً نزول تورات سے پہلے ہی تھا (اس میں شبہ کی گنجائش نہیں ہے) پھر اس فقرہ کو ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور کَانَ جَلَّاءَ سے بھی اس کا تعلق نہیں ہے، ورنہ الا ما حرم اسرائیل کو درمیان میں لانا خلاف ضابطہ ہے جب تک پوری صفت ذکر نہ کر دی جائے۔ حصر صفت کا معنی کیا ہو سکتا ہے لامحالہ اس کا تعلق فعل محذوف سے ہے۔ کلام کا مطلب اس طرح ہو گا کہ نزول تورات سے پہلے تمام پاکیزہ چیزیں بنی اسرائیل کے لئے حلال تھیں مگر یہودیوں کی بیجا حرکتوں کی وجہ سے نزول تورات کے بعد بعض چیزیں حرام کر دی گئیں۔ اللہ نے فرمایا ہے فَيُظْلَمُ مَنِ الَّذِينَ هَادَوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ۔ دوسری آیت ہے وَعَلَى الَّذِينَ هَادَوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفْرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَا الْأَمَحْمَلَتِ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوِ الْخِلَاطِ بَعْضُهُمْ ذَلِكَ جَزَيْنَهُمْ بَبَعْضِهِمْ۔

کلبی کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل نے جب بھی (بحیثیت اجتماع) کسی بڑے گناہ کا ارتکاب کیا اللہ نے (سزا میں) ان کے لئے یا کسی پاکیزہ حلال غذا کو حرام کر دیا یا ہلاکت کی بارش کر دی۔ ضحاک نے کہا بنی اسرائیل کے لئے کوئی غذا حرام نہیں تھی نہ تورات میں اللہ نے حرام قرار دی تھی بلکہ اپنے باپ (حضرت اسرائیل) کے اتباع میں انہوں نے خود اپنے لئے (بعض چیزوں کو) حرام کر لیا اور حکم حرمت کی نسبت اللہ کی طرف کر دی مگر اللہ نے ان کے جھوٹ کو ظاہر کر دیا۔ مگر ضحاک کا یہ قول غلط ہے کیونکہ اللہ نے خود فرمایا ہے حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ دُوسَرِیْ جَلَّہ فرمایا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَا۔ صحیح بخاری و مسلم میں ایک حدیث آئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہودیوں پر اللہ کی لعنت ہو چریاں ان پر حرام کر دی گئیں تو انہوں نے ان کو پگھلا کر فروخت کیا اور قیمت کھائی (گویا چربی نہ کھائی چربی بیچ کر قیمت کھائی)۔

آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر سچے ہو تو

قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَةِ فَاتْلُوهَا إِنَّ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

تورات لاؤ اور پڑھو (تمہارا جھوٹ خود تورات سے ظاہر ہو جائے گا) تورات میں مذکور ہے کہ جو چیزیں یہودیوں کیلئے نزول تورات سے پہلے حرام نہ تھیں ان کی بیجا حرکات کی وجہ سے توریت میں حرام کر دی گئیں اللہ نے یہودیوں کو لا جواب بنانے کے لئے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ یہودیوں سے کہو کہ توریت لا کر پڑھو یہودی توریت نہیں لائے اور لا جواب ہو گئے۔

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور آپ کے ملت ابراہیمی پر ہونے کا ثبوت ہے اور نسخ احکام کی ممانعت کے جو یہودی قائل تھے ان کے قول کی تردید بھی ہے۔

فَمَنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ
پس اب جو لوگ اللہ پر دروغ بندی کریں گے اور دعویٰ کریں گے کہ اللہ نے اونٹ کا گوشت حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کے لئے حرام کر دیا تھا۔

مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ
اس کے بعد کہ ان کے قول کے خلاف خود توریت میں دلیل موجود ہے۔
فَاُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۳۰﴾
پس یہی لوگ درحقیقت ظالم (حق ناشناس) ہیں جو حقانیت کے واضح ہو جانے کے بعد جھگڑا کرتے ہیں۔

قُلْ صَدَقَ اللَّهُ
اے محمد آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے سچ فرمایا ہے اِنَّ النَّاسَ بِاٰبِرٰهِيْمَ لِلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور یہود و نصاریٰ جھوٹے ہیں جو اپنے اپنے گروہ کو دین ابراہیم پر بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ابراہیم یہودی یا عیسائی تھے۔

فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ
پس اے طلب گار ان دین ابراہیم ملت ابراہیمی یعنی اسلام کا اتباع کرو جو محمد ﷺ اور ان کی امت کا دین ہے، یہی دین ابراہیم تھا یعنی حضرت ابراہیم کے زمانہ میں آپ کا دین یہی تھا یا دین اسلام دین ابراہیم سے کامل مشابہت رکھتا ہے (گویا دونوں ایک ہی ہیں)۔

رسول اللہ ﷺ ان اسرائیلی پیغمبروں کی طرح نہیں تھے جن کو حضرت موسیٰ کی شریعت کی تبلیغ کے لئے بھیجا گیا تھا۔ (بلکہ آپ خود صاحب شریعت تھے) لہذا ملت ابراہیم کا اتباع اس اعتبار سے واجب ہے کہ یہ ملت محمدی ہے اس لحاظ سے اتباع واجب نہیں کہ یہ ملت ابراہیم ہے اور محمد ﷺ ابراہیم کے تابع تھے یہی وجہ ہے کہ ملت ابراہیم (یعنی اسلام) پر چلنے کا حکم دیا اور ابراہیم کی پیروی کا حکم نہیں دیا۔

ملت کا اطلاق دین کی طرح ان امور پر ہوتا ہے جو بندوں کو مرتبہ قرب تک پہنچانے اور دونوں جہان میں کامیاب بنانے کے لئے اللہ نے پیغمبروں کی معرفت بندوں تک بھیجے اور ان کا مکلف کیا ہے۔ دین اور ملت کا فرق یہ ہے کہ ملت کی اضافت صرف انبیاء کی طرف ہوتی ہے دوسرے افراد کی طرف نہیں ہوتی نہ اللہ کی طرف ہوتی ہے۔ اس لئے نہ ملت خدا کہہ سکتے ہیں، نہ ملت زید و عمر بلکہ ملت محمد ﷺ، ملت موسیٰ، ملت ابراہیم بولا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ملت کا اطلاق پوری شریعت کے مجموعہ پر ہوتا ہے جیسے ملت اسلام ایک ایک رکن کو ملت نہیں کہتے اسی لئے صرف نماز (یا صرف زکوٰۃ یا صرف روزہ) کو ملت نہیں کہا جاتا دین اللہ کہا جاتا ہے۔ لفظ ملت اُملت سے ماخوذ ہے (املت میں نے لکھوایا گویا ہر ملت اسی پیغمبر کی لکھوائی ہوئی ہے جو اللہ کی طرف سے اس کو لایا ہو) کذا فی صحاح الجوهری۔

حَنِيفًا
یعنی ابراہیم نے تمام باطل مذاہب سے منہ موڑ کر دین حق کی طرف رخ کر لیا تھا یا افراط و تفریط سے رخ پھیر کر اعتدال کی طرف مائل تھے (گویا آپ نہ یہودی دین پر تھے، نہ عیسائی مذہب پر کیونکہ) یہودیوں کے مذہب میں افراط اور شدت ہے اور عیسائیوں کے دین میں تفریط یعنی نرمی حد سے زائد ہے۔ یہی مؤخر الذکر مطلب اولیٰ ہے۔

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾
اور ابراہیم مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ یہ یہود و نصاریٰ پر تعریف ہے یہ دونوں کردہ شرک کرنے کے باوجود دین ابراہیمی پر ہونے کے مدعی تھے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ یہودیوں نے مسلمانوں سے کہا ہمارا قبلہ بیت المقدس ہے جو کعبہ سے افضل بھی ہے اور پرانا بھی اور

انبیاء کا مقام ہجرت بھی مسلمانوں نے جواب دیا بیت المقدس سے کعبہ افضل ہے (اور مقدم بھی) اس پر آیت ذیل کا نزول ہوا۔
إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ
 لئے قبلہ بنایا۔ بعض کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ لوگوں کے حج کرنے کے لئے سب سے پہلا مکان جو لوگوں کے لئے قائم کیا گیا یعنی اللہ نے لوگوں کے
 کلبی نے کہا کہ اول ترین مسجد اور عبادت خانہ مراد ہے جو اللہ کی عبادت کے لئے مقرر کیا گیا (گویا بیت سے مراد ہے مسجد) جیسا کہ
 دوسری آیت میں آیا ہے **فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ** اس جگہ بھی بیوت سے مراد ہیں مسجدیں۔

لَكَذِي بَبْكَةً
 یقیناً وہی مکان ہے جو مکہ میں ہے پھر اور مکہ دونوں ہم معنی ہیں۔ اہل عرب میم کو باء سے بدل لیتے
 ہیں جیسے نصیط و نصیط لازم و لازم۔ راتب و راتم۔ بعض علماء نے کہا کہ شہر کا نام ہے اور پھر صرف وہ جگہ جہاں کعبہ ہے یا مقام
 طواف۔ بکتہ کا معنی ہے اژدہا۔ مکہ میں (ایام حج میں) لوگوں کا اژدہا ہوتا ہے اس لئے اس کو بکتہ کہتے ہیں۔
 حضرت عبد اللہ بن زبیر نے فرمایا کہ بڑے بڑے جابروں کی گردنیں توڑ دیتا ہے جس جابر نے اصحاب فیل کی طرح کعبہ
 (کو ڈھانے) کا ارادہ کیا اللہ نے اس کی گردن توڑ دی۔ مکہ کہنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مکہ کا معنی ہے پانی کی قلت (مکہ میں پانی کم
 ہے۔

آیت میں اولیت بیت سے کیا مراد ہے اس کے متعلق علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، مجاہدؓ، قتادہؓ اور
 سدی نے فرمایا آسمان و زمین کی پیدائش کے زمانہ میں پانی کی سطح سے سب سے اول کعبہ کا مقام نمودار ہوا شروع میں یہ سفید
 جھاگ تھے (جو منجمد ہو گئے تھے) زمین کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے اس کی تخلیق ہوئی تھی پھر اسی کے نیچے سے زمین پھیلائی
 گئی۔ حضرت علی بن الحسینؓ (امام زین العابدینؓ) نے فرمایا کہ اللہ نے عرش کے نیچے ایک مکان بنایا جس کا نام بیت المعمور ہے اور (آسمان کے)
 فرشتوں کو اس کے طواف کرنے کا حکم دیا پھر زمین پر رہنے والے فرشتوں کو حکم دیا کہ بیت المعمور کی طرح زمین پر
 ایک مکان بنائیں فرشتوں نے حسب الحکم کعبہ کی تعمیر اور اس کا نام صراح رکھا پھر اللہ نے زمین والوں کو حکم دیا کہ جس طرح
 آسمان والے بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں اسی طرح زمین والے صراح کا طواف کریں۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ آدم کی
 پیدائش سے دو ہزار سال پہلے فرشتوں نے کعبہ کی عمارت بنائی تھی اور اس کا حج کیا کرتے تھے آدم نے حج کیا تو فرشتوں نے کہا
 آپ کا حج مبرور ہے ہم نے آپ سے دو ہزار سال پہلے اس کا حج کیا تھا۔

ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس قول کی نسبت کی گئی ہے کہ حضرت آدمؑ نے سب سے اول زمین پر
 کعبہ کی عمارت بنائی تھی یہ روایت ازرقی نے تاریخ مکہ میں نقل کی ہے۔

تجسین میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت آئی ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ زمین پر کون سی مسجد
 سب سے پہلے قائم کی گئی، فرمایا مسجد حرام میں نے عرض کیا پھر کون سی، فرمایا مسجد اقصیٰ میں نے عرض کیا دونوں میں کتنا افضل
 تھا، فرمایا چالیس سال پھر جہاں بھی تم کو نماز کا وقت آجائے پڑھ لو اس میں فضیلت ہے۔

روایت میں آیا ہے کہ کعبہ کی عمارت سب سے اول حضرت آدمؑ نے بنائی تھی اور طوفان نوح کے وقت اس کو اٹھالیا گیا
 تھا۔ بعض نے کہا کہ طوفان سے مٹ گئی تھی پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی تعمیر کی پھر مٹ گئی تو قبیلہ جرہم نے بنائی
 پھر عمارتہؓ نے بنائی پھر قریش نے تعمیر کی۔

ابن جریر ابن ابی حاتم اور بیہقی کا بیان ہے کہ طوفان کے زمانہ میں کعبہ کی عمارت اٹھالی گئی تھی۔ پھر حضرت ابراہیمؑ نے
 اس کو بنانے کا ارادہ کیا تو اللہ نے اس کی جگہ آپ کو بتادی اس کی صورت یہ ہوئی کہ اللہ نے ججوع نام کی ہوا بھیجی ہو انے کعبہ کے
 گرد گرد کی مٹی اڑا کر بنیاد نمودار کر دی اور آپ نے قدیم بنیاد پر تعمیر کی۔ ججوع ایک جانور ہوتا ہے جس کے دو بازو پر ندوں کی
 طرح اور صورت سانپ کی طرح ہوتی ہے۔

بعض لوگوں نے کہا کعبہ کی اولیت زمانہ کے لحاظ سے مراد نہیں ہے بلکہ فضیلت کے اعتبار سے ہے یعنی کعبہ افضل ترین

عمارت ہے۔ اس قول کی نسبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف کی گئی ہے۔ ضحاک نے کہا کعبہ سب سے اول مکان ہے جس کو برکت عطا کی گئی کیونکہ اللہ نے اس کے بعد فرمایا۔

مُذَبَّرٌ یعنی کعبہ برکت والا ہے اور اس کا اجر و ثواب بہت ہے۔ بعض عبادتیں تو کعبہ کے ساتھ ہی مخصوص ہیں (کسی دوسری جگہ نہیں ہو سکتیں) جیسے حج، حج کی قربانی کا جانور بھیجتا، عمرہ اور بعض عبادتیں اس جگہ ادا کرنے کا ثواب اتنا زیادہ ہے کہ کسی اور جگہ اس کی برابر نہیں جیسے نماز، روزہ اور اعتکاف۔ اسی لئے امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ جس نے مسجد حرام میں دو رکعت نماز پڑھنے کی نذر مانی ہو اور دوسری جگہ پڑھ لے تو کافی نہ ہوگا، کیونکہ حضرت انس بن مالکؓ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے گھر کے اندر آدمی کی نماز ایک نماز کے برابر ہے اور محلہ کی مسجد میں ایک نماز پچیس نماز کے برابر ہے اور جامع مسجد میں پانچ سو نمازوں کے برابر ہے اور مسجد اقصیٰ میں ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے اور میری مسجد میں پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد حرام میں ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے (ابن ماجہ) طحاوی نے حضرت عطاء بن زبیرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری اس مسجد میں ایک نماز مسجد حرام کے علاوہ دوسری مسجدوں میں ہزار نمازوں سے افضل ہے اور مسجد حرام میں ایک نماز (میری) اس مسجد میں سو نمازوں سے بہتر ہے۔ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے حضرت عمر بن خطابؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث نقل کی ہے مگر غیر مرفوع (یعنی رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہونا ظاہر نہیں کیا) اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث مرفوع آئی ہے۔ ابن جوزی نے حضرت جابرؓ کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ اس حدیث کو مرفوعاً ذکر کیا ہے کہ مسجد حرام میں ایک نماز سو ہزار نمازوں سے افضل ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کا قول ہے کہ نمازوں کی یہ ترتیبی فضیلت صرف فرض نمازوں کے متعلق ہے نوافل میں یہ فضیلت نہیں ہے کیونکہ حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ فرض کے علاوہ باقی نمازیں آدمی کی اپنے گھر میں افضل ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم۔

میں کتا ہوں اعتکاف کا حکم فرض نمازوں کی طرح ہے کیونکہ بصورت اعتکاف آدمی مسجد کے اندر رہ کر فرض نمازوں کا انتظار کرتا رہتا ہے گویا وہ نماز میں مشغول رہتا ہے۔

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل مکہ میں حضرت عبد اللہ بن عدی بن الحمراء کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ کے بازار میں حرورہ مقام پر کھڑے فرما رہے تھے کہ خدا کی قسم تو بلاشبہ اللہ کی زمین میں سب سے اچھی اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے اگر مجھے تیرے اندر سے نکالنا جاتا تو میں نہ نکلتا۔ یہی حدیث ابن جوزی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بھی مرفوعاً بیان کی ہے۔

وَهَدَىٰ لِلْعَلَمِينَ اور باعث ہدایت سب لوگوں کے لئے کیونکہ کعبہ سب کے لئے قبلہ ہے اس میں ایسی عجیب نشانیاں موجود ہیں جو اللہ اور رسول پر ایمان لانے کی طرف رہنمائی کر رہی ہیں۔

فَبِئْسَ آيَةٌ بَيِّنَةٌ اسی میں (صداقت و حقانیت کی) بکثرت واضح علامات موجود ہیں مثلاً پرندے اس کے اوپر نہیں اڑتے۔ شکاری جانور حرم کے باہر اپنے شکار پر حملہ کرتا ہے لیکن اگر شکار بھاگ کر حرم میں داخل ہو جائے تو درندہ اندر نہیں آتا باہر ہی رک جاتا ہے۔

مَقَامُ اِبْرَاهِيمَ ان نشانوں میں سے ایک نشانی مقام ابراہیم ہے یہ ترجمہ اس وقت ہو گا جب مقام ابراہیم کو مبتدا اور خبر کو محذوف قرار دیا جائے لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ مقام ابراہیم کو آیات سے بدل قرار دیا جائے اس وقت ترجمہ اس طرح ہو گا کہ کعبہ کے اندر بکثرت واضح نشانیاں ہیں یعنی مقام ابراہیم ہے وغیرہ وغیرہ۔ مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے بیت اللہ کی دیوار اونچی کی تھی اور اس پر آپ کے پاؤں کے نشانات پڑ گئے تھے لیکن (حاجیوں کے) ہاتھوں کی رگڑ سے رفتہ رفتہ مٹ گئے۔ پس پتھر کی چٹان پر قدموں کے نشانات پڑ جانا اور چٹان کے اندر قدموں کا نگوں

تک سما جانا اور پھر میں اتنا گر اگڑھا پڑ جانا اور آثار انبیاء میں سے صرف اسی اثر کا اتنے زمانہ تک باقی رہنا اور کثرت اعداء کے باوجود ہزاروں برس تک اس کا محفوظ رہنا ان امور میں سے ہر چیز کعب کے قبلہ ہونے کی واضح نشانی ہے اسی لئے بعض علماء نے مقام ابراہیم کو آیات کا عطف بیان قرار دیا ہے۔ بعض علماء کے نزدیک مقام ابراہیم پورا حرم ہے۔

وَمَنْ دَخَلَ كَانَ اِمْنًا
اور جو حرم میں داخل ہوتا ہے وہ مقتول ہونے اور لوٹے جانے سے بے خوف ہو جاتا ہے۔ یہ جملہ ابتدائیہ ہے یا شرطیہ ہے اور معنوی اعتبار سے مقام ابراہیم پر اس کا عطف ہے یعنی آیات بینات میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ حرم میں داخل ہونے والا مومن ہو جاتا ہے۔ اسلام سے پہلے عرب باہم کشت و خون اور قتل و غارت میں مشغول رہتے تھے لیکن جو شخص حرم میں داخل ہو جاتا تھا اس سے کسی قسم کا تعرض نہیں کرتے تھے۔ حسن، قنابہ اور اکثر اہل تفسیر کا قول ہے کہ اسی آیت کی طرح ایک اور آیت ہے فرمایا ہے اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اَمْنًا وَ يَتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ۔

امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا جو شخص حرم کے اندر آجائے وہ امن میں آ جاتا ہے اس کو قتل کرنا جائز نہیں۔ پس حرم سے باہر اگر کسی نے کوئی جرم موجب قصاص یا موجب حد کیا ہو اور حرم میں آکر پناہ گیر ہو جائے تو اس سے حرم کے اندر نہ قصاص لیا جائے گا، نہ حد جاری کی جائے گی البتہ اس کا کھانا پینا بند کر دیا جائے گا اور خرید و فروخت بھی اس سے ترک کر دی جائے گی تاکہ مجبور ہو کر وہ حرم سے باہر نکل آئے اور اس کو باہر سزا دی جاسکے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا بیرون حرم جرم کر کے حرم میں پناہ لینے والے سے حرم کے اندر بھی قصاص لیا جائے گا۔

لیکن حرم کے اندر کسی نے جرم کیا تو بائناق علماء حرم کے اندر ہی اس کو سزا دی جائے گی آیت وَلَا تَقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقَاتِلُوْكُمْ فِيْهِ کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ حرم کے اندر مسلمانوں کی طرف سے کافروں کو قتل کرنے کی ابتداء نہ کی جائے اگر کافر مغلوب ہو کر حرم میں داخل ہو جائیں تو ہاتھوں یا تلواروں یا کوزوں سے مار کر ان کو نکال دیا جائے یا ان کا محاصرہ کر لیا جائے اور (باہر سے) کھانے پینے کی رسد بند کر دی جائے تاکہ مجبور ہو کر وہ باہر نکلیں اس وقت ان سے قتال کیا جائے اور اگر کافر خود حرم کے اندر قتال کا آغاز کر دیں تو مسلمانوں کے لئے بھی حرم کے اندر ان سے لڑنا جائز ہے۔

پس آیت مذکورہ بالا اگرچہ صورتہ خبر ہے۔ لیکن حقیقت میں امر بے مطلب یہ ہے کہ جو حرم میں داخل ہو جائے اس کو امن دو، جیسے آیت فلارفت ولا فسوق باوجود خبر ہونے کے امر کا حکم رکھتی ہے یعنی حج کے درمیان نہ بیسودہ بخش کلام کرو نہ گناہ کرو۔

بعض علماء نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ جو شخص حرم کی تعظیم اور اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے اندر داخل ہو گا قیامت کے دن عذاب سے مأمون ہو گا۔ ابو داؤد و طحاہی نے مسند میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انسؓ کی روایت سے اور طبرانی اور بیہقی نے شعب میں حضرت سلمانؓ کی روایت سے اور طبرانی نے اوسط میں حضرت جابرؓ کی روایت سے اور دارقطنی نے سنن میں حضرت حاطبؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص دونوں حرموں میں سے کسی میں مرے گا قیامت کے دن دوزخ سے بے خوف اٹھے گا۔

حارث بن ابی اسامہ نے مسند میں سالم بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن میں ابو بکر و عمر (کی قبروں) کے درمیان (قبر) سے اٹھایا جاؤں گا پھر بقیع غرقہ کو جاؤں گا اور میرے ساتھ وہ بھی اٹھ کر آئیں گے پھر اہل مکہ کا انتظار کروں گا یہاں تک کہ وہ بھی آجائیں گے، پس میری بعثت اہل حرمین کے درمیان ہو گی۔

ابو نعیم نے دلائل النبوة میں سالم بن عبد اللہ کے حوالہ سے حضرت عبد اللہ کی یہ روایت موصول نقل کی ہے اور خطیب نے بحوالہ نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میں ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان اٹھاؤں گا یہاں تک کہ اہل حرمین کے درمیان جا کر کھڑا ہوں گا اور مدینہ و مکہ والے (وہاں میرے

پاس) آئیں گے۔

وَاللّٰهُ عَلٰی النَّاسِ

اور لوگوں پر اللہ کا فرض ہے اور اس کی طرف سے لازم ہے الناس سے مراد ہیں وہ لوگ جو آزاد ہوں، ہوش مند ہوں اور بالغ ہوں، بچوں اور دیوانوں پر حج فرض نہیں کیونکہ ان میں مخاطب ہونے کی اہلیت ہی نہیں ہے نہ غلاموں پر فرض ہے یہ فیصلہ اجماعی ہے۔ پس اگر کسی کافر نے یا ہوشیار بچہ نے یا غلام نے حج کیا تو بالا جماع کافر پر مسلمان ہونے کے بعد اور بچہ پر بالغ ہونے کے بعد اور غلام پر آزاد ہونے کے بعد حج دوبارہ واجب ہے (سابق ادائیگی کافی نہیں ہوگی) حضرت ابن عباسؓ کی روایت کردہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ جس بچہ نے حج کر لیا ہو پھر بالغ ہو گیا ہو تو اس پر دوسرا حج کرنا لازم ہے اور (جو غیر مسلم) دیہاتی حج کر چکا ہو پھر (مسلمان ہو کر) اس نے ہجرت کی ہو اس پر بھی دوسرا حج کرنا واجب ہے اور جو غلام حج کر چکا ہو پھر آزاد کر دیا گیا ہو تو اس پر بھی دوسرا حج کرنا فرض ہے (رواہ الحاکم)۔

دیہاتی سے غیر مسلم دیہاتی مراد ہے کیونکہ عرب کے مشرک بھی حج کیا کرتے تھے۔ حاکم نے اس حدیث کو شرط شیخین کے مطابق کہا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے بھی یہ حدیث (مصنف میں) ذکر کی ہے اور محمد بن کعب قرظی کی روایت سے ابو داؤد نے اس کو مرسل ذکر کیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی یہ حدیث مروی ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے ان احادیث کو امت اسلامیہ نے قبول کیا ہے اور ان کے مضامین پر اجماع امت ہے اس لئے آیت کے عموم کی تخصیص ان احادیث سے جائز ہے۔ (یعنی یہ احادیث اگرچہ آحاد میں لیکن امت اسلامیہ نے بالا جماع ان کے مضمون کو قبول کیا ہے تو گویا ان احادیث کا معنی درجہ استفاضہ یا تواتر تک پہنچا ہوا ہے اس لئے آیت میں اگرچہ بچہ یا دیوانہ یا غلام کی کوئی تخصیص حکم حج سے نہیں ہے مگر ان احادیث کی وجہ سے حکم کتاب عام نہیں رہے گا۔ اور الناس سے سب لوگ مراد نہ ہوں گے بلکہ وہ لوگ مراد ہوں گے جو بچے اور دیوانے اور غلام نہ ہوں)۔

حَجُّ الْبَيْتِ کعبہ کا حج۔ ابو جعفر، حمزہ، کسائی اور حفص کی قرأت میں حج بکسر حاء آیا ہے، باقی قاریوں نے حج فتح حاء پڑھا ہے، کسر حاء اہل نجد کے محاورہ میں اور فتح حاء اہل حجاز کے محاورہ میں ہے معنی دونوں کا ایک ہی ہے۔ صاحب مدارک نے لکھا ہے کہ بکسر حاء اسم ہے اور فتح حاء مصدر۔

حج کا لغوی معنی ہے قصد کرنا اس جگہ ایک مخصوص عبادت مراد ہے یہ لفظ اس جگہ مجمل ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کے فعل اور دوسری آیات میں اس کا (تفصیلی) بیان موجود ہے، اللہ نے فرمایا ہے ثُمَّ أَفْبَضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاصَ النَّاسُ، ایک اور آیت میں آیا ہے وَلَيَبْطُو قُوًّا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ پہلی آیت میں عرفات سے روانگی کا بیان ہے اور دوسری آیت میں طواف کعبہ کا حکم ہے)۔

مسئلہ :- اجماع امت سے کہ حج ارکان اسلام میں سے ایک رکن اور فرض عین ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلام کی (عمارت کی) بناء پانچ امور پر ہے لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کا اقرار اور نماز ٹھیک ٹھیک ادا کرنا اور زکوٰۃ دینا اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔ صحیح بخاری و مسلم۔ فرضیت حج کے متعلق احادیث بکثرت آئی ہیں۔ ۱۔ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيلًا

یعنی ان لوگوں پر جو کعبہ تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں۔ یہ جملہ الناس سے بدل ہے اس لئے جو مستطیع نہ ہو اس پر حج فرض نہیں۔ سبیل سے مراد ہے راستہ پر چلنا سبیل کی طرف استطاع کی نسبت مجازی ہے جیسے جری النہر میں نہر کی طرف نسبت مجازی ہے (کیونکہ بننے والی چیز پانی ہے نہر یعنی گڑھا جس میں پانی بہتا ہے خود نہیں بہتا) چونکہ حج کی فرضیت صرف اہل استطاعت پر ہے۔ اس لئے علماء کا اتفاق ہے کہ وجوب حج کے لئے راستہ کا پر امن ہونا لازم ہے اور راستہ میں جو فرد

۱۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا حائراً ذاک حج کو چھوڑ دیں تو میں ان سے جہ کروں گا جیسے نماز اور زکوٰۃ کے سلسلہ میں ہم جہاد کرتے ہیں۔

(از مولف)

گاہیں ہوں ان میں کھانا پانی ملنا بھی ضروری ہے خطرہ راہ کی صورت میں حج فرض نہیں۔ اگر راستہ میں سمندر بڑا ہو اور اکثر سلامتی کے ساتھ سمندری راستہ طے ہو جاتا ہو تو حج واجب ہو گا صرف سمندر کا درمیان میں ہونا جو حج سے مانع نہیں ہے۔^۱ امام شافعی کا ایک قول اس کے خلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک جسمانی صحت بھی شرط ہے (زیادہ) ضعیف اور پاؤں سے معذور شخص پر حج واجب نہیں، خواہ وہ مال خرچ کر کے اپنے قائم مقام دوسرے کو بھیج سکتا ہو کیونکہ وہ خود اہل استطاعت نہیں اور حج ایک بدنی عبادت ہے اور بدنی عبادت کا مقصود ہوتا ہے خود تکلیف اٹھانا نائب کو اپنی جگہ بھیجنے سے اس عبادت کا اصل مقصد حاصل نہیں ہوتا۔

امام شافعی اور امام احمد (کے نزدیک بدنی صحت شرط نہیں ہے اس لئے ان) کے نزدیک معذور، لنگڑا اور کمزور شخص اہل استطاعت ہے یعنی اس کو مالی استطاعت حاصل ہے۔ بغوی نے (اس قول کی تائید میں) لکھا ہے کہ محاورہ میں بولا جاتا ہے۔ زید اپنا مکان بنانے کی استطاعت رکھتا ہے یعنی مال خرچ کر کے مکان بنا سکتا ہے خواہ خود اپنے ہاتھ سے تعمیر نہ کر سکتا ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ ایسا شخص حج کی استطاعت نہیں رکھتا یعنی حج کے خاص ارکان خود ادا نہیں کر سکتا خواہ مال خرچ کر کے دوسرے سے کر سکتا ہو۔ حج کو مکان کی تعمیر پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ حج بدنی عبادت ہے اور مکان کی تعمیر کا مقصد خود تعمیر کرنا نہیں ہوتا۔ امام شافعی اور امام احمد نے اپنے قول کی دلیل میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت پیش کی ہے کہ فضل (بن عباسؓ) حضور اقدس ﷺ کے ردیف تھے: خاندانِ ختم کی ایک عورت آئی فضل اس کی طرف دیکھنے لگے وہ بھی فضل کی طرف دیکھنے لگی۔ رسول اللہ ﷺ نے فضل کا منہ دوسری طرف موڑ دیا اور اس عورت نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کا فریضہ حج میرے باپ پر اس وقت آیا جبکہ وہ بہت بڑا بوڑھا ہے کجاوہ میں سنبھل کر بیٹھ بھی نہیں سکتا کیا میں اس کی طرف سے حج کر لوں فرمایا، ہاں۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ وہ ٹھیک سے کجاوہ میں بیٹھ بھی نہیں سکتا تو کیا اگر میں اس کی طرف سے حج کر لوں تو ادا ہو جائے گا فرمایا، ہاں! یہ واقعہ حج واداع کا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم۔

جواب :- یہ حدیث آحاد ہے کتاب اللہ کی قائم کی ہوئی استطاعت کی شرط حدیث احاد سے منسوخ نہیں کی جاسکتی۔ جواب کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اللہ کا فریضہ حج جس کی فرضیت کتاب اللہ میں بشرط استطاعت آئی ہے میرے باپ پر ایسی حالت میں آیا ہے کہ وہ استطاعت نہیں رکھتا تو کیا میں اس کی طرف سے حج کر لوں یعنی کیا میرے لئے اس کی طرف سے حج کرنا جائز ہے یا یہ مطلب ہے کہ کیا میرے حج کرنے سے اس کو ثواب اور نفع ہو گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا (یعنی اگرچہ اس پر حج فرض نہیں ہے مگر تمہارے حج کرنے سے اس کو فائدہ ضرور ہو گا)۔

اعتراض :- بعض روایات میں یہ لفظ بھی آیا ہے کہ حج اس پر فرض ہے۔

جواب :- اگر یہ الفاظ پایہ ثبوت تک پہنچ جائیں تو ان سے اس عورت کے خیال کا اظہار ہوتا ہے (کہ وہ اپنے نزدیک یہی سمجھتی تھی کہ بوڑھے باپ پر بھی حج فرض ہے)۔

اعتراض :- رسول اللہ ﷺ نے اس کو جواب دیا اگر اس کا خیال صحیح نہ ہوتا تو حضور ﷺ بیان فرمادیتے (کہ تیرا خیال غلط ہے تیرے باپ پر اس حالت میں حج فرض ہی نہیں ہے) اس اعتراض کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ نے جواب اس کے سوال کا دیا تھا اس نے حج کرنے کے متعلق پوچھا تھا۔ حضور ﷺ نے ہاں فرمادیا۔ یعنی اس کی طرف سے حج کر لے کیونکہ حضور ﷺ نے محسوس فرمایا تھا کہ اس عورت کے دل میں اپنے باپ کو نفع اور ثواب پہنچانے کا بڑا شوق ہے اس مطلب کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے ہوتی ہے جس کو عبد الرزاق نے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا اپنے باپ کی طرف سے حج کر لے اگر تو اس کی بھلائی میں اضافہ نہیں کر پائے گی تو برائی میں بھی زیادتی نہیں کرے گی۔ لیکن حفاظ

۱۔ فتاویٰ قاضی خان میں امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ منقول ہے کہ سمندر حائل ہو تو راستہ کو غیر مامون قرار دیا جائے گا یعنی حج فرض نہیں ہو گا، جنحون سخن، دجلہ، فرات دریا ہیں سمندر نہیں ہیں۔ مولف

حدیث نے اس روایت کو شاذ کہا ہے (اور شاذ ناقابل استدلال ہے)۔

اولی جواب یہ ہے

کہ حدیث مذکور کو اس صورت پر محمول کیا جائے کہ حالت صحت میں حج فرض ہو اور اداء فرض سے پہلے اس پر کمزوری کا دور آجائے یا پاؤں سے معذور ہو جائے، ایسے شخص سے فریضہ حج ساقط نہیں ہوتا جب تک اس کی زندگی میں اس کے مال سے کوئی دوسرا شخص اس کی طرف سے حج نہ کرے یا مرنے کے وقت حج کی وصیت نہ کر دے بغیر حج کئے مر جائے تو اس کا وارث اس کی طرف سے حج کرے یا کسی غیر کو مال دے کر اس کی طرف سے حج کرا دے۔ پس کسی کی طرف سے حج فرض کرنا قضائے حج ضرور ہے مگر بمثل نیر معقول (یعنی خلاف قیاس) مگر اس حدیث میں اس کا حکم آگیا ہے (لذا خلاف قیاس بھی مانا جائے گا) جیسے پیرناکارہ کے حق روزہ کا فدیہ کتاب اللہ کی صراحت سے ثابت ہے (اور خلاف قیاس ہے مگر واجب التسليم حج کی فرضیت حدیبیہ کے سال یعنی ۶ھ میں ہوئی تھی۔ اللہ نے فرمایا تھا واتموا الحج والعمرة لله اور حدیث والا قصہ حجتہ الوداع کا ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ اس عورت کا باپ ۶ھ کے بعد حج واداع سے پہلے ضعیف ہو گیا ہو۔ واللہ اعلم۔

امام صاحبؒ کے نزدیک وجوب حج کے لئے بینائی بھی شرط ہے، نابینا پر حج واجب نہیں ہے، خواہ وہ ہیرا اس کے پاس موجود ہو کیونکہ وہ خود اہل استطاعت نہیں ہے اور دوسروں کے سہارے سے استطاعت قابل اعتبار نہیں ہے۔ امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور جمہور کے نزدیک نابینا پر حج فرض ہے بشرطیکہ اس کے پاس رہبر موجود ہو۔ وجوب جمعہ میں بھی یہی اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عورت پر ادائیگی حج اس وقت واجب ہوتی ہے جب اس کے ساتھ اس کا شوہر یا کوئی دوسرا محرم ہو اور مکہ تک جانے میں تین منزل کا فاصلہ ہو۔ امام احمدؒ کے نزدیک مسافت کی قلت و کثرت کا اعتبار نہیں۔ ہر صورت بغیر محرم کے عورت پر وجوب حج ہوتا ہی نہیں۔ اس لئے اگر محرم موجود نہ ہو یا محرم اس کے ساتھ نہ جائے یا اتنی اجرت مانگتا ہو کہ عورت ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو حج واجب نہیں۔ کیونکہ شرعاً عورت کو بغیر شوہر یا محرم کے سفر کرنے کی ممانعت کر دی گئی ہے اور جس چیز کی شرعاً ممانعت کر دی گئی ہے وہ غیر موجود کے حکم میں ہے تو گویا بغیر محرم کے عورت کو صاحب استطاعت ہی نہیں سمجھا جائے گا۔

امام صاحبؒ کے قول کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت بغیر محرم کے تین منزل پر سفر نہ کرے (صحیح بخاری و مسلم) مسلم کی روایت میں آیا ہے کہ جو عورت اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہے وہ تین رات کا سفر بغیر محرم کے نہ کرے۔ دوسری روایت میں تین رات سے زائد کا لفظ آیا ہے۔ تین رات کے لفظ والی حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی مروی ہے جس کو مسلم اور طحاوی نے نقل کیا ہے تین رات سے زائد کا لفظ طحاوی کی روایت میں حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی منقول ہے۔

عمرو بن شعیبؒ کے دادا کی روایت میں تین دن کا لفظ طحاویؒ نے نقل کیا ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت میں ہے تین دن یا زائد کا فاصلہ، یہ روایت مسلم اور طحاوی نے نقل کی ہے۔ مسلم کی روایت میں تین رات سے اوپر یا زائد کا لفظ ہے۔

امام احمدؒ نے فرمایا تین رات یا تین دن سے زائد کی شرط محض اتفاقی ہے (یعین مدت مقصود نہیں ہے پھر امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تو مفہوم مخالف معتبر بھی نہیں ہے کہ اگر تین دن کی مسافت نہ ہو تو بغیر محرم کے عورت کا سفر جائز ہو جائے اگر شرط کو ضروری قرار دیا جائے گا اور اتفاقی نہ مانا جائے گا تو پھر احادیث میں (ناقابل ازالہ) تعارض ہو گا تین اور تین سے زیادہ والی روایات میں توافق نہ ہو سکے گا۔ امام احمدؒ جو تین روز کی مسافت سے کم سفر کو بھی عورت کے لئے بغیر محرم کے ممنوع قرار دیتے ہیں ان کے اس قول کا ثبوت حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت سے ہوتا ہے جو صحیحین میں مذکور ہے اور اس میں ایک دن رات کی مسافت کی صراحت ہے۔ مسلم کی ایک روایت میں فاصلہ ایک یوم اور دوسری روایت میں مسافت ایک شب مذکور ہے اور

حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت میں حسب ذکر مسلم مسافت دور و زور حسب روایت طحاوی فاصلہ دو شب مذکور ہے۔ ابو داؤد اور طحاوی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے حدیث نقل کی ہے کہ سوائے شوہر یا کسی محرم کی ہمراہی کے عورت ایک منزل سفر نہ کرے۔ ابن حبانؒ نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں نقل کیا ہے اور حاکم نے نقل کرنے کے بعد شرط مسلم کے موافق کہا ہے اور طبرانی نے معجم میں تین میل کے لفظ کی صراحت کی ہے۔ ان مختلف روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک دن یا دو دن یا تین دن کی شرط صرف تمسلی ہے (عدد معین مراد نہیں ہے) قلیل ترین تعداد مراد ہے ایک دن تو کم ترین ابتدائی عدد ہوتا ہی ہے اور برید اکثر ایک ہی منزل ہوتا ہے، دوسرے کثرت شروع ہوتی ہے اور تین جمع کا اول مرتبہ ہے۔ بعض احادیث میں بلا شرط ممانعت آئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بغیر محرم کے عورت سفر نہ کرے اور عورت کے پاس کوئی (اجنبی) شخص اس وقت تک نہ داخل ہو جب تک عورت کے پاس اس کا کوئی محرم نہ ہو۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں فلاں جہاد میں جانا چاہتا ہوں اور میری بیوی حج کرنا چاہتی ہے فرمایا تم اس کے ساتھ چلے جاؤ، صحیح مسلم و بخاری۔ اس سلسلہ کی حدیث حضرت ابو سعید خدریؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بھی آئی ہے۔

امام شافعیؒ کا قول ہے کہ معتمد عورتوں کے ساتھ عورت حج کو جاسکتی ہے، دوسرے قول میں کہ کسی ایک معتمد عورت کے ساتھ جاسکتی ہے، لیکن جن معتمد عورتوں کے ساتھ جائے ان میں سے کسی ایک کا محرم مرد اسکے ساتھ ہونا چاہئے۔ منہاج میں (یہ شرط مذکور نہیں ہے) بلکہ اس کا شرط نہ ہونا مذکور ہے۔ ایک روایت میں امام شافعیؒ کا قول اس طرح آیا ہے کہ بغیر (معتمد) عورتوں کے بھی عورت حج کو جاسکتی ہے۔

امام مالکؒ نے فرمایا اگر راستہ بے خطر ہو تو عورتوں کی جماعت (بغیر مرد کے) بھی حج کو جاسکتی ہے ان دونوں اماموں کے قول کے خلاف ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔ استطاعت سے مراد سفر کی ایسی استطاعت ہے جس کی موجودگی میں حج کو جانے سے کوئی خرابی نہ پیدا ہو۔ اسی لئے جمہور کے نزدیک دیگر لوازم سفر کی فراہمی کے علاوہ زاور اور سواری ہونا استطاعت کے لئے ضروری ہے اور یہ بھی لازم ہے کہ قرض دار نہ ہو اور بیوی بچوں کے مصارف واپسی تک کے دے چکا ہو کیونکہ جو مالدار اصلی ضروریات کی فراہمی میں مشغول ہو وہ نادار کی طرح ہوتا ہے اسی لئے اس کے مال پر زکوٰۃ واجب نہیں جس کے پاس زاور یا سواری نہ ہو وہ عموماً سفر کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا اور شریعت میں ہر قسم کی جنگی دفع کردی گئی ہے (یعنی شریعت نے کسی پر جنگی نہیں کی ہے)۔

داؤد ظاہری کے نزدیک وجوب حج کے لئے نہ زاور اور ضروری ہے، نہ سواری۔ امام مالکؒ نے فرمایا اگر یہ شخص مانگنے کا عادی ہو یا راستہ میں کمائی کر سکتا ہو تو اس کے لئے زاور اور شرط نہیں ہے اور اگر پیدل چلنے پر قادر ہو تو سواری کی شرط نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ۔ ہم کہتے ہیں کہ یاتوک ایک واقعہ کی خبر اور امر کا جواب ہے اور جو خبر امر کے جواب میں آتی ہے وہ امر کے حکم میں نہیں ہوتی، اس لئے آیت سے بلا سواری حج کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ رہا پیدل چلنے کی قدرت کا مسئلہ تو چلنے کی قدرت ایک پوشیدہ امر ہے۔ کبھی راستہ میں یہ قدرت جاتی رہتی ہے اس لئے شروع ہی سے زاور اور سواری ہونا لازم ہے تاکہ انجام میں ہلاکت کا سامان نہ کرنا پڑے۔ شرعی احکام عمومی ہوتے ہیں (خاص خاص افراد کے لئے الگ الگ نہیں ہوتے) دیکھو بادشاہ کو سفر

لے اگر کوئی غیر کمائی دار ہو اور اس کی اولاد اپنی طرف سے اس کے زاور اور سواری کا انتظام کر دے تو اس سے یہ شخص صاحب استطاعت نہیں سمجھا جاتا۔ امام شافعیؒ کا قول اسکے خلاف ہے لیکن اگر زاور اور سواری کا انتظام کرنے والا کوئی غیر شخص ہو تو اس میں۔ امام شافعیؒ کے دو قول ہیں، مثبت اور منفی، بعض روایات میں آیا ہے کہ غیر ہونے کی حالت میں امام شافعیؒ عدم استطاعت کے قائل ہیں اور اولاد ہونے کی صورت میں امام شافعیؒ کے دو قول ہیں (فتاویٰ قاضی خانؒ)

میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی لیکن اس کے لئے بھی مسافت سفر میں نماز کا قصر اور روزہ نہ رکھنا جائز ہے اور مسافت سفر سے کم میں اس کے لئے بھی روزہ کا ترک جائز نہیں جس کو روزہ رکھنے سے تکلیف ہوتی ہے۔

جمہور کے قول کا ثبوت حضرت انسؓ کی روایت کردہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا کی تفسیر میں فرمایا کہ سبیل (سے مراد) ہے زاد و سواری۔ یہ حدیث دار قطنی بیہقی اور حاکم نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کی ہے، حاکم نے اس کو شرط شیخین کے موافق صحیح کہا ہے، نیز حضرت حماد بن سلمہؒ کی روایت سے بھی حاکم نے نقل کیا ہے اور شرط مسلم کے مطابق صحیح قرار دیا ہے اور سعید بن منصور نے سنن میں مرسل مختلف طریقوں سے حسن بصری کی روایت سے بیان کیا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے جس کو امام شافعیؒ، ترمذیؒ، ابن ماجہ اور دار قطنی نے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ حج کو واجب کرنے والی کیا چیزیں ہیں فرمایا زاد اور سواری۔ ترمذی نے اس سلسلے کو حسن کہا ہے لیکن اس سلسلہ میں ابراہیم بن یزید جوزیؒ ہے جو امام احمد و نسائی کے نزدیک متروک الحدیث ہے۔ ابن ماجہ اور دار قطنی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زاد و سواری یعنی اس آیت کی تفسیر میں (استطاعت سبیل کی تشریح کرتے ہوئے) فرمایا زاد و سواری مگر اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

دار قطنی نے اس حدیث کی روایت کی نسبت حضرت جابر بن عبد اللہؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت عائشہؓ اور عمرو بن شعیب کے دادا کی طرف بھی کی ہے مگر یہ سب طریقے ضعیف ہیں۔ حج میں توشہ ساتھ لینا واجب ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ اور توشہ لے لیا کرو اور بہترین توشہ سوال سے بچا رہنا ہے۔ بخاری وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اہل یمن بغیر توشہ ساتھ لئے حج کرنے چل دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم متوکل ہیں لیکن جب مکہ میں پہنچتے تھے تو لوگوں سے بھیک مانگتے تھے اس پر آیت وَتَزَوَّدُوا الخ کا نزول ہوا۔

اور جس نے فرضیت حج کا انکار کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن بصریؒ اور عطاء خراسانی نے اس وَصَنَ كُفْرًا کی یہی تفسیر کی ہے۔ عبد بن حمید نے اپنی تفسیر میں تقيع کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی تو قبیلہ بذیل کے ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جس نے حج کو ترک کر دیا وہ کافر ہو گیا۔ فرمایا جس نے (اس طرح) حج کو ترک کر دیا کہ اس کو نہ ترک حج کے عذاب کا خوف رہا، نہ اوائے حج کے ثواب کی امید (وہ کافر ہو گیا) تقيع تابعی ہے اس لئے یہ حدیث مرسل ہے۔ سعید بن مسیب نے فرمایا اس آیت کا نزول یہودیوں کے حق میں ہوا تھا جنہوں نے کہا تھا کہ مکہ کا حج کرنا واجب نہیں ہے۔

سعید بن منصور اور ابن جریر نے ضحاک کا قول بیان کیا ہے کہ جب شروع آیت (وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ الْخ) نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے مختلف مذاہب والوں کو جمع کر کے ایک تقریر کی اور فرمایا کہ اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے اس لئے تم حج کرو۔ یہ سن کر ایک مذاہب والوں نے تو اس حکم کو مان لیا یعنی مسلمانوں نے اور پانچ مذاہب والوں نے ماننے سے انکار

لے فتاویٰ قاضی خاں میں ہے کہ بعض علماء نے کہا اگر کوئی تاجر جس کا گزران تجارت سے ہوتا ہے اتنے مال کا مالک ہو کہ جانے آنے کے لئے زاد و راہ اور سواری کا انتظام کر لے اور واپسی کے وقت تک اہل و عیال کے لئے ضروری مصارف بھی فراہم کر دے اور پھر واپسی کے بعد اس کے پاس اتنا مال بھی رہ جائے کہ تجارت کر سکے تو اس پر حج فرض ہو گا ورنہ نہیں ہو گا اگر کوئی جائیداد والا کچھ جائیداد بیچ کر زاد و راہ اور سواری اور بیوی بچوں کے گزارے کا سامان فراہم کر سکتا ہو اور پھر بھی اس کے پاس اتنی جائیداد رہ جائے کہ اس کی آمدنی سے گزارا کر سکتا ہو تو اس پر حج فرض ہے ورنہ نہیں اگر کوئی کا شیکار زاد و راہ اور سواری اور بیوی بچوں کے گزران کی فراہمی کے بعد بیل، اہل اور دوسرے آلات کشادری باقی رکھتا ہو کہ واپس آکر کھیتی کر سکے تو اس پر حج فرض ہے ورنہ نہیں، (من المولف)

کر دیا یعنی یہودیوں نے، عیسائیوں نے، مشرکوں نے، صابیوں نے، مجوسیوں نے نہ مانا۔ اس پر اللہ نے نازل فرمایا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ۔ سعید بن منصورؒ نے عکرمہؒ کا قول بیان کیا کہ جب آیت وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا (الابیہ) نازل ہوئی تو یہودیوں نے کہا ہم تو مسلمان ہیں رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اللہ نے مسلمانوں پر حج فرض کیا ہے یہودیوں نے حج کرنے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے ہم پر حج فرض نہیں کیا گیا اس پر اللہ نے آیت وَمَنْ كَفَرَ اِلَّا نَزَلَ فَرَمَانًا فرمائی۔

(حج در حقیقت وسعت مال اور صحت جسمانی کا عملی شکریہ ہے) پس حج نہ کرنے کا معنی ہوا خدا اولیٰ وصحت کا شکریہ ادا نہ کرنا یہی کفر ان نعمت ہے (اس صورت میں کفر کا معنی ہوا کفر ان نعمت کیا) اول صورت میں کفر کرنے کا معنی ہے حج نہ کرنا، حج نہ کرنے کی تعبیر کفر سے وجوب حج کو پختہ کرنے اور تارک حج کو سخت تنبیہ کرنے کے لئے کی۔ یہ دونوں معنی حضرت ابو امامہؓ کی روایت کردہ حدیث میں مراد ہو سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کو کھلی ہوئی احتیاج یاروک دینے والا مرض یا ظالم بادشاہ حج سے روکنے والا نہ ہو اور اس پر بھی وہ حج نہ کرے تو چاہے وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر (اللہ کو اس کی پرواہ نہیں) یہ روایت داری نے مسند میں اور بغوی نے اور ابن جوزی نے موضوعات میں ذکر کی ہے۔ حافظ حدیث نے اس حدیث پر نکتہ چینی کی ہے۔ حضرت علیؓ کی حدیث ہے کہ جو شخص زاور راہ اور سواری ایسی رکھتا ہو کہ بیت اللہ تک پہنچ سکے اور حج نہ کرے تو بعید نہیں کہ یہودی اور عیسائی ہونے کی حالت میں مرے۔ (رواہ الترمذی و ضعفہ)۔

فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ⑤ تو بلاشبہ اللہ سارے جہان سے بے نیاز ہے (اس کو کسی کی عبادت کی ضرورت نہیں جو کرے گا اپنے لئے کرے گا)۔

آیت وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حُكْمٌ حَقٌّ لِّمَنْ يَشَاءُ مِنَ الْعَالَمِينَ تک حکم حج کو مندرجہ ذیل وجوہ کی بناء پر تاکید کے ساتھ بیان کر رہی ہے نمبر ۱۔ امر وجوبی کی تعبیر صیغہ خبر سے کی گئی۔ نمبر ۲۔ امر کو جملہ اسمیہ کی صورت میں ظاہر کیا۔ نمبر ۳۔ اللہ کا وجوبی حق ہونا بیان کیا نمبر ۴۔ اول عمومی حکم دیا (اور فرمایا وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حُكْمٌ حَقٌّ لِّمَنْ يَشَاءُ مِنَ الْعَالَمِينَ) پھر حکم کو ایک شرط کے ساتھ مخصوص کر دیا (اور فرمایا مَنْ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا) گویا ابہام کے بعد وضاحت کی اور دوبارہ حکم دیا (ایک بار مبہم دوسری بار واضح) نمبر ۵۔ ترک حج کو کفر فرمایا گویا یہ کافروں کا فعل ہے نمبر ۶۔ اپنا استغنا ظاہر کیا اور اس جگہ استغناء کا ذکر نفرت اور بغض پر دلالت کر رہا ہے (گویا مستغنی ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تارک حج سے نفرت اور بغض کرتا ہے نمبر ۷۔ لفظ اللہ کو دوبارہ ذکر کیا اور ضمیر ذکر نہیں کی تاکہ تارک حج کی طرف سے اللہ کا استغنا بصورت تقییم مدلل طور پر ظاہر ہو جائے اور اللہ کا انتہائی غضب معلوم ہو جائے۔

حُجَّ الْبَيْتِ میں حج کی اضافت بیت کی جانب بتا رہی ہے کہ کعبہ وجوب حج کا سبب ہے اور چونکہ کعبہ متعدد نہیں اس لئے عمر میں حج کا وجوب بھی بار بار نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے حج (فرض) ایک بار ہے جو زیادہ کرے تو نفل ہو گا۔ رواہ احمد والنسائی۔

کعبہ نام کسی خاص چھت یا پتھر مٹی کی دیواروں کا نہیں ہے، پتھر مٹی کو اٹھا کر کہیں دوسری جگہ ڈال دیا جائے تو کعبہ منتقل نہیں ہو جائے گا اگر اس مصالحہ سے کسی دوسری جگہ کوئی عمارت بنادی جائے تو وہ قبلہ سمجھ دینا جائے گی۔ بلکہ کعبہ ایک ربانی لطیفہ ہے جس کی فرد گاہ ایک مہموم مکان ہے جہاں تجلیات ذاتیہ کی بارش ہوتی ہے۔ پس ظاہر کعبہ اگرچہ مخلوق ہے اور اس کا تعلق عالم خلق سے ہے مگر حقیقت میں کعبہ ایک باطنی نسبت ہے جس کا اور اک نہ حس کر سکتی ہے نہ خیال بلکہ محسوس (ظاہری) ہونے کے باوجود وہ محسوس نہیں ہے۔ اور جہت مخصوصہ میں ہونے کے باوجود اس کی کوئی جہت نہیں۔ یہ ظاہر کعبہ کی شان ہے ربی کعبہ کی حقیقت تو وہ کون جانے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے ممکنات کو وجوب کا آمینہ (اور پر تو گاہ) بنایا اور عدم (ذاتی) کو وجوب و وجود کا مظہر قرار دیا۔ پھر کعبہ کی حقیقت سے بالا حقیقت قرآن ہے (جو مخلوق بھی نہیں ہے) اور حقیقت قرآن سے بالا تر نفاذ کی حقیقت ہے اور اس مقام پر پہنچ کر سالک کی سیر بوساطت پیغمبر ختم ہو جاتی ہے اور فنا، وبقاء کا مقام آتا ہے اور اس سے

بھی اور خالص معبودیت (الوہیت) کا مقام ہے جس کی سیر صرف نظری ہی ہو سکتی ہے (سلوکی نہیں ہو سکتی) واللہ اعلم۔
قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ
 (سماوی) تم اللہ کے ان نقلی اور عقلی دلائل کا کیوں انکار کرتے ہو جو محمد رسول اللہ کے فرضیت حج وغیرہ کے دعوے کی سچائی کو ظاہر کر رہی ہیں۔ اہل کتاب کو خصوصیت کے ساتھ مخاطب کرنے کا حکم اس وجہ سے دیا کہ کتاب کو جانتے ہوئے کفر کرنا بدترین فعل ہے۔

وَاللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ۵۸
 (دیکھ رہا ہے) تم کو اس کی ضرور سزا دے گا اس لئے حق کو پوشیدہ رکھنے کی تمہاری خواہش سودمند نہیں ہوگی۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصَدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ مِّنْ أَمَنٍ
 اہل کتاب تم کیوں اللہ کے راستہ سے یعنی اسلام کی راہ سے جو اللہ تک پہنچاتی ہے۔ ایمان لانے والوں کو روکتے ہو یعنی جو لوگ ایمان لانا چاہتے ہیں، ان کو ایمان لانے سے کیوں روکتے ہو خطاب اور استفہام کی ٹکرا سے اس طرف اشارہ ہے کہ کفر اور ایمان سے بازداشت دونوں بجائے خود قبیح اور موجب عذاب ہیں اور کسی ایک فعل کا عذر بھی ممکن نہیں، گویا دو مرتبہ خطاب اور استفہام کر کے یہودیوں کی دونوں بیجا حرکتوں پر قوت کے ساتھ تنبیہ فرمائی ہے۔

تَبْغُونَهَا عِوَجًا
 عِوَجًا مصدر بمعنی اسم مفعول ہے یعنی تم چاہتے ہو کہ اللہ کا راستہ ٹیڑھا ہو یا مصدری معنی ہی مراد ہے اور ہا سے پہلے لام محذوف ہے۔ یعنی تم اللہ کے راستہ کے کج ہونے کے طلب گار ہو۔ یہودی حق کو چھپاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے اوصاف مندرجہ تورات کو بگاڑ کر بیان کرتے تھے مذہب یہودیت کو دوائی کہتے تھے مؤمنوں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکاتے تھے تاکہ ان کی وحدت باقی نہ رہے اوس و خزرج کے قبائل کے درمیان گزشتہ جاہلیت کے زمانہ کی عداوتوں کی یاد دہانی کر کے کوشش کرتے تھے کہ از سر نو دیرینہ عداوتیں زندہ ہو جائیں۔

وَأَنْتُمْ شُهَدَاءُ
 یعنی تم اپنے (نازیبا) کر توت کے خود گواہ ہو یا یہ مراد ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اوصاف اور اسلام کا دین خدا ہونا جو تورات میں مذکور ہے تم خود اس کے گواہ ہو (اگرچہ زبانوں سے اس کی شہادت نہیں دیتے ہو)۔
وَمَا لِلَّهِ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۵۹
 اور اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے اور نہ تمہاری اس خیانت نفس سے ناواقف ہے جو تم مسلمان ہونے والوں کو ایمان لانے سے روکتے ہو۔

ابن اسحاق اور ابوالشیخ اور ابن جریر نے زید کی مرسل روایت بیان کی ہے جس کو بغوی نے بھی ذکر کیا ہے کہ شماس بن قیس یہودی بڑا سخت کافر تھا مسلمانوں پر بہت طعن و تشنیع کرتا تھا ایک مجلس میں اوس اور خزرج قبیلوں کے کچھ لوگ جمع تھے شماس ادھر سے گزرا اور مسلمانوں کو باہم (الفت کی) بات چیت کرتے دیکھ کر جل گیا۔ جاہلیت کے زمانہ میں ان دونوں خاندانوں میں عداوت تھی دور اسلامی میں الفت ہو گئی۔ یہودی کو یہ دیکھ کر بہت غصہ آیا کہ لگا بنی قیلہ کی جماعتیں تو اس ملک میں کبھی جمع نہیں ہوئیں اگر یہ جمع ہو گئے تو ہمیں ان کے ساتھ اس جگہ استقرار حاصل نہ ہو گا یہ کہنے کے بعد اپنے ساتھی کو جو ایک یہودی جوان حکم دیا کہ جاؤ اور جا کر انصار کی مجلس میں بیٹھو ان کے سامنے جنگ بعاث اور جنگ بعاث سے پہلی عداوتوں کا تذکرہ کر دو اور جنگ بعاث کے متعلق فریقین نے جو (رجزیہ اور فحریہ) اشعار کہے ہیں وہ بھی ان کے سامنے پڑھو بعاث قبائل اوس و خزرج کی باہمی ایک لڑائی کا نام ہے جس میں خزرج پر اوس کو فتح حاصل ہوئی تھی۔ یہودی جو ان نے اوس و خزرج سے جا کر گفتگو کی (لور دیرینہ عداوت یاد دلا کر ہر فریق کو دوسرے کے خلاف بھڑکایا) نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں قبیلوں میں سے ایک ایک آدمی زانو کے بل کھڑا ہو گیا آپس میں سب جھگڑنے اور مقابل کے خلاف اپنے فخر کا اظہار کرنے لگے۔

ایک شخص قیلہ اوس کے بنی حارثہ کے خاندان میں سے تھا جس کا نام اوس بن قبطی تھا۔ دوسرا خزرجی تھا جو بنی سلمہ میں سے تھا اس کا نام جہاد بن صحر تھا دونوں کے درمیان لاگ ڈانٹ ہوئی ایک نے دوسرے سے کہا اگر تم چاہتے ہو تو ہم بھی اب از سر

نواس کو (یعنی واقعہ بعثت کو) زندہ کرنے کو تیار ہیں دونوں فریق غضبناک ہو گئے اور کہنے لگے ہم زور آزمائی کو تیار ہیں مدینہ سے باہر، ظاہرہ یعنی حرہ میں جنگ ہوگی سب لوگ حرہ کی طرف چل دیئے۔ اوس اور خزرج نے دور جاہلیت کے نعرے لگائے ہر فریق جمع ہو گیا۔ یہ اطلاع رسول اللہ ﷺ کو بھی پہنچ گئی آپ مجاہدوں کی جماعت ساتھ لے کر تشریف لے آئے اور فرمایا اے گروہ اہل اسلام ابھی تو میں تمہارے اندر موجود ہوں باوجودیکہ اللہ نے تم کو اسلام کی عزت عطا فرمادی اور جاہلیت کی باتیں ختم کر دیں اور تمہارے آپس میں الفت پیدا کر دی پھر کیا دوبارہ تم جاہلیت کی ایسی پکار مچا کر پہلے کی طرح کافر ہو جاؤ گے اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو اس وقت لوگوں کو احساس ہوا کہ یہ شیطانی اغواء اور دشمن کی دسیسہ کاری تھی فوراً ہاتھوں سے ہتھیار پھینک دیئے اور رونے لگے اور آپس میں گلے مل گئے۔ پھر حضور اقدس ﷺ کے ساتھ انتہائی فرمانبرداری اور اطاعت گزاری کے ساتھ لوٹ آئے اس پر مندرجہ ذیل آیت اوس اور جبار اور ان کے ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

اے اہل ایمان یعنی اے انصار۔

إِنْ تَطِيعُوا فَرِيقًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ

اگر تم اہل کتاب کے کسی فریق یعنی شام اور اس کے ساتھیوں کے کہنے میں آ جاؤ گے تو۔

يُرَدُّوكُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كُفْرِينَ ﴿۱۰﴾

وہ تمہارے مؤمن ہونے کے بعد دوبارہ تم کو کفر کی طرف لوٹا دیں گے

یعنی اعمال کفر کی طرف لے جائیں گے، زید کا بیان ہے کہ حضرت جابرؓ نے فرمایا میں نے اس روز سے زیادہ کوئی دن کبھی بد آغاز اور خوش انجام نہیں دیکھا۔

شام بن قیس ہی کے متعلق آیت قل یا اہل الکتاب لم تصدون الخ، نازل ہوئی تھی اس میں رسول اللہ کو حکم دیا گیا کہ اہل کتاب سے دریافت کریں (براہ راست اہل کتاب کو خطاب نہیں کیا گیا کیونکہ وہ اس قابل نہ تھے کہ اللہ ان کو خود مخاطب بناتا) اس سے اہل ایمان کی عظمت قدر کا اظہار اور مخاطب الہی بننے کی طرف اشارہ ہو رہا ہے۔

فریانی اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا ہے کہ دور جاہلیت میں اوس و خزرج میں باہم جنگ تھی (دور اسلامی میں سب متفق ہو گئے لیکن پھر بھی جاہلیت کی یاد دلوں میں باقی تھی) ایک روز سب ملے جلے بیٹھے تھے کہ آپس کی عداوت کا کچھ ذکر آگیا اس تذکرہ (پارینہ) کا نتیجہ یہ ہوا کہ سب غضبناک ہو گئے اور ایک دوسرے کے مقابل ہتھیار اٹھا کر آگیا اس پر آیت۔

وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ

نازل ہوئی کیف استفہامیہ تعجب و انکار کے لئے

ہے یعنی تعجب ہے کہ تم اعمال کفر کی طرف جا رہے ہو حالانکہ ابھی تازہ تازہ اللہ کا کلام رسول اللہ ﷺ کی معرفت تم پر اتارا جا رہا ہے اور پڑھ کر تم کو سنایا جا رہا ہے۔

وَفِيكُمْ رَسُولُهُ

اور اللہ کا رسول بھی تمہارے اندر موجود ہے جو تمہاری روک ٹوک کرتا، وعظ فرماتا اور تمہارے شبہات مٹاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ کفر سے روکنے والے اور ایمان کی طرف بلانے والے سارے اسباب الہی موجود ہیں اور تمہارے سامنے جمع ہیں، قنادہ نے کہا اس آیت میں دو واضح علم مذکور ہیں اللہ کی کتاب اور اللہ کا نبی، رسول خدا تو چلے گئے کتاب اللہ باقی ہے جو اللہ کی رحمت اور نعمت ہے۔

میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعد قیامت تک ہونے والے اپنے جانشینوں کی طرف ہماری رہنمائی فرمادی ہے، حضرت زید بن ارقم کی روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ہمارے مجمع میں کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور اللہ کے حمد و ثناء کے بعد فرمایا لوگو میں محض ایک آدمی ہوں عنقریب میرے رب کا قاصد میرے پاس آئے گا اور میں اس کی دعوت قبول کروں گا میں تمہارے اندر دو بڑی عظمت والی چیزیں چھوڑ رہا ہوں پہلی کتاب اللہ ہے جس کے اندر ہدایت اور نور ہے تم اللہ کی کتاب کو پکڑو اور مضبوطی کے ساتھ تھامے رہو (دوسری چیز) میرے اہل بیت ہیں، میں اپنے اہل بیت کے متعلق تم کو اللہ (کے احکام اور

(خوف) کی یاد دلاتا ہوں۔

دوسری روایت میں آیا ہے کہ اللہ کی کتاب ہی اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے جو اس کے حکم پر چلے گا ہدایت پر ہوگا جو اس کو چھوڑ دے گا گمراہ ہوگا (رواہ مسلم)۔

ترمذی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ میں تمہارے اندر ایسی چیز چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم اس کو تھامے رہو گے تو میرے بعد ہر گز گمراہ نہ ہو گے (یہ دو چیزیں ہیں جن میں سے) ایک دوسری سے مرتبہ میں زائد ہے (ایک) اللہ کی کتاب ہے جو آسمان سے زمین تک ایک آویختہ رسی ہے (اس کو پکڑ کر آسمان تک پہنچا جاسکتا ہے) (دوسری چیز) میری عترت یعنی میرے اہل بیت ہیں۔ حوض پر اترنے کے وقت تک یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے اس لئے تم کو دیکھنا چاہئے کہ ان دونوں کے معاملہ میں تم میری نیابت کس طرح کرتے ہو۔

ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے حج میں عرفہ کے دن رسول اللہ ﷺ کو اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہونے کی حالت میں خطبہ دیتے دیکھا آپ فرمادے تھے کہ لوگو! میں نے تمہارے اندر ایسی چیز چھوڑی ہے کہ اگر اس کو پکڑ لو گے تو ہر گز گمراہ نہ ہو گے اللہ کی کتاب اور اپنی عزت یعنی اہل بیت، میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل بیت کو پکڑے رہنے کا اس لئے مشورہ دیا کہ اہل بیت ہی ولایت کے سلسلہ میں رہنمائی کے قطب ہیں۔ اگلوں اور پچھلوں میں سے کوئی بھی ان کے وسیلہ کے بغیر درجہ ولایت تک نہیں پہنچ سکتا۔ نمبر اول حضرت علیؓ کا ہے پھر آپ کے صاحبزادگان ہیں، حسن عسکری تک یہ سلسلہ آتا ہے اور آخری نمبر غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر جیلانی کا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح بیان کیا ہے، ان کے بعد دوسرے اولیاء اور علماء امت کا مرتبہ ہے جو بطور وراثت اہل بیت کے حکم میں داخل ہیں کیونکہ سب کے سب اہل بیت کے تابع ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

اور جو مضبوط پکڑ لے گا اللہ کو یعنی اللہ کے دین کو اور اللہ کی طرف ہمیشہ رخ رکھے گا، اصل وَ مَن يَتَصَبَّرْ بِآيَاتِهِ لغت میں عصمت کا معنی ہے حفاظت اور کسی چیز کی حفاظت کرنے سے اس کا بچاؤ ہو جاتا ہے لہذا عاصم کا معنی ہوا بچاؤ کرنے والا (یعنی اللہ کے دین کے ذریعہ سے اپنا بچاؤ کرنے والا) اعتصام (باب افعال) کا معنی ہے مضبوطی سے کسی چیز کو پکڑ لینا تاکہ ہلاکت سے محفوظ ہو جائے۔

فَقَدْ هَدَىٰ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۰﴾ تو اس کو ضرور ہدایت مل جائے گی (اللہ تک پہنچنے کی) سیدھی راہ کی یعنی کھلے ہوئے راستہ کی جس پر چلنے والا کبھی بھٹک نہیں سکتا۔

بغویؒ نے مقاتلؒ بن حبانؒ کی روایت سے لکھا ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں لوس اور خزرج کے درمیان دشمنی اور لڑائی تھی جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو آپؐ نے دونوں میں صلح کرادی (اور دونوں قبیلے مسلمان ہو کر باہم صلح کے ساتھ رہنے لگے) اتفاقاً کچھ مدت کے بعد ثعلبہ بن غنم لوسی اور اسعد بن زرارہ خزرجی میں باہمی قبائلی برتری کے متعلق نزاع ہو گیا لوسی نے کہا ہم ہی ہیں سے تھا وہ خزیمہ بن ثابت جس کی تنہا شہادت کو دو گواہیوں کے برابر مانا گیا تھا اور ہم ہی میں سے تھا حنظلہؒ جس کو ملائکہ نے غسل دیا تھا اور ہم میں ہی سے تھا عاصم بن ثابت بن لُح، اور ہم میں ہی سے تھا سعد بن معاذؓ جس کی وفات پر عرش الہی میں لرزہ آگیا تھا اور بنی قریظہ کے متعلق اس کے فیصلہ کو اللہ نے پسند کیا تھا، خزرجی نے کہا ہم میں چار آدمی ایسے ہیں جنہوں نے قرآن کو محکم کر لیا ہے (یعنی قرآن کے حافظ اور لفظ لفظ کے قاری اور معانی کے عالم ہیں)۔

ابی بن کعب اور معاذ بن جبلؓ اور زید بن ثابتؓ ابو زیدؓ اور ہم میں سے ہیں، سعد بن عبادہ جو انصار کے خطیب اور سردار ہیں۔ غرض اسی طرح گفتگو کا رد و بدل ہو گیا دونوں کو غصہ آگیا اور دونوں نے فخریہ اشعار پڑھے آخر دونوں قبیلے لوسی اور خزرج ہتھیار لے کر آگئے پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور اللہ نے آیت ذیل نازل فرمائی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ
اے ایمان والوں اللہ (کے عذاب سے ڈرو جیسا کہ حق
ڈرنے کا ہے نفاقہ صل میں وقیۃ تھانودۃ اور تخمة کی طرح واؤ کو تاء سے بدل دیا پھر یاء کو الف سے بدل دیا کیونکہ یاء سے پہلے
حروف صحیح سالن تھا اور یاء پر فتح تھا اس کے علاوہ یاء کو الف سے بدلنے کی یہ بھی وجہ ہے کہ اس مصدر سے جتنے افعال آتے ہیں
ان میں یاء الف سے بدل دی گئی ہے جیسے وقی و قوا وغیرہ) لہذا الفعل سے موافقت پیدا کرنے کے لئے مصدر میں بھی یاء کی جگہ
الف آگیا۔

عبدالرزاق، فرمائی، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے اپنی اپنی تفسیروں میں اور طبرانی نے معجم میں اور حاکم نے
مستدرک میں اور ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت ابن مسعود کی موقوف روایت نقل کی ہے بلکہ ابو نعیم نے تو اس روایت کو مرفوع
بھی کہا ہے کہ حق تقویٰ کا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے احکام کی اطاعت کی جائے تا فرمائی نہ کی جائے، شکر کیا جائے ناشکری نہ کی
جائے، اس کو یاد رکھا جائے فراموش نہ کیا جائے۔ بغوی نے بحوالہ حضرت ابن مسعود و حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم صرف
اول ٹکڑا نقل کیا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے تا فرمائی نہ کی جائے۔

میں کہتا ہوں یاد کرنے اور بھول جانے کا مدار فناء قلب پر ہے، ربی اطاعت و عدم عصیان اور شکر و عدم کفر ان تو ان امور
کا مدار نفس کے فناء پر ہے۔ حقیقی ایمان اور قلبی ایمان پر ہی اطاعت کلی اور شکر دوامی کی بناء ہے، پس اس آیت کا تقاضا ہے کہ
کمالات ولایت کو حاصل کرنا واجب ہے۔ آیت کے سبب نزول کا بھی یہی تقاضا ہے اوس و خزرج کا باہمی تقاضا باقی ماندہ امراض
نفس کا نتیجہ تھا اس لئے تمام امراض باطنہ سے نفس کو پاک کرنے اور مکارم اخلاق خشیتہ اللہ اور ذکر دوامی سے قلب و نفس کو
آراستہ کرنے کا حکم دیا گیا۔

مجاہد نے آیت کے مطلب کی توضیح اس طرح کی ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا حق ادا کرو احکام خداوندی کی تعمیل
سے تم کو کسی ملامت گر کی ملامت نہ رو کے۔ اللہ کے لئے انصاف قائم کرنے کے لئے کھڑے ہو جاؤ خواہ خود تمہارا، تمہارے ماں
باپ اور اولاد کا اس میں نقصان ہو رہا ہو، حضرت انس کا قول ایک روایت میں آیا ہے کہ بندہ اس وقت تک حق تقویٰ ادا نہیں کرتا
جب تک اپنی زبان کی نگہداشت نہ کرے، میں کہتا ہوں کہ مجاہد اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے وہ راستہ بتایا ہے جو کمالات
ولایت کو پہنچاتا ہے کیونکہ کم کھانا، کم سونا، ہمیشہ ذکر کرنا، زبان کو لغو باتوں سے روکنا، عوام سے اختلاط کو رکھنا، اللہ کے حقوق
کے معاملہ میں لوگوں کی پروا نہ کرنا کمال ولایت تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ اہل تفسیر کا بیان ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہؓ کے لئے بڑی دشواری ہو گئی اور انہوں نے
عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس حکم کی (پوری) تعمیل کرنے کی کس میں طاقت ہے اس قول کے بعد اللہ نے نازل فرمایا فاتقوا اللہ
ما استطعتم، جہاں تک طاقت ہو تقویٰ اختیار کرو پس اس آیت سے حلول آیت کا حکم منسوخ کر دیا گیا۔ مقاتل نے کہا کہ آل
عمران میں سوائے اس آیت کے کوئی دوسری آیت منسوخ نہیں۔

میں کہتا ہوں اس قول کا یہ مطلب نہیں کہ حق تقویٰ کا وجوب منسوخ ہو گیا کیونکہ غرور و بے جا غصہ، حسد، کینہ، نفاق،
بد خلقی، دنیا کی محبت، اللہ کی طرف توجہ میں کمی، دوسروں سے دل کی لگاوٹ اور اسی طرح کی دوسری نفسانی خباثتیں ہر حال ہر
وقت حرام ہیں ان کی حرمت کے منسوخ ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، ان بزرگوں کے قول کا مقصد یہ ہے کہ یک دم تمام
امراض نفسانیہ کا دور کر دینا تو کسی شخص کے اختیار میں نہیں ہے بلکہ اللہ کا طریقہ یوں جاری ہے کہ امراض سے تزکیہ (رفتہ رفتہ)
اہل دل اور مقدس نفوس والوں کی صحبت اور مختلف ریاضتیں کرنے سے ہوتا ہے، یکدم نہیں ہو جاتا اسی لئے اللہ نے اجازت دے
دی اور بقدر امکان نفس کو پاکیزہ بنانے اور دل کو جلادینے کی کوشش کو واجب قرار دے دیا اب جو شخص بالکل تزکیہ نفس کی کوشش
سے منہ موڑ کر خواہشات کی طرف اپنا رخ پھیر لے گا اس پر تمام رزا اکل نفس کا گناہ ہوگا، جو کچھ دلوں کے اندر ہوگا خواہ اس کو
ظاہر کر دیا نہ کرو، اللہ اس کی حساب فہمی ضرور کریگا پھر جس کو چاہے گا معاف کر دے گا اور جس کو چاہے گا سزا دے گا اور جو شخص ازالہ

امراض کے طریقہ کی جستجو میں لگا رہے گا اور اندرونی بیرونی خباثتوں کو دور کرنے کی امکانی کوشش کرتا رہے گا خواہ وہ درجہ کمال تک نہ پہنچا ہو مگر چونکہ ادائے قرض کر رہا ہے اس لئے امید ہے کہ اللہ اس کی کو معاف کر دے گا جس کو پورا کرنا اختیار سے باہر ہے۔

وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۵﴾
یعنی حقیقی اسلام پر ہی تم مرو۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے تمام نواہی و اوامر کے پابند رہو تمام اعمال و افکار میں خلوص رکھو اپنے تمام کام اللہ کے سپرد کر دو اس کے فیصلہ پر دل سے راضی رہو اس کے علاوہ تمہاری کوئی حالت نہ ہونی چاہئے اسی حالت پر تمہاری موت ہو۔

اگر کسی صفت یا حالت کے ساتھ کوئی فعل مقید ہو اور اس فعل کی ممانعت کی جائے تو کبھی (وہ قید محض اتفاقی ہوتی ہے اور) مقصد ہوتا ہے مطلق فعل سے منع کرنا جیسے اللہ کی زمین پر زنا نہ کرو (لفظ زمین پر محض اتفاقاً کر رہے اس سے مراد ہے مطلق زنا کی ممانعت خواہ زمین پر ہو یا ہوائی جہاز میں) کبھی نفی اور نہی کا رخ قید کی طرف ہوتا ہے جیسے اس آیت میں ہے (کہ) مطلق مرنے سے روکنا مقصود نہیں ہے بلکہ اسلام کے علاوہ کسی دوسری حالت پر مرنے کی ممانعت کی ہے جس سے مراد یہ ہے کہ اسلام کے علاوہ تمہاری کوئی دوسری حالت ہی نہ ہو کہ غیر اسلام پر تمہاری موت بھی آجائے) کبھی مجموعہ کی طرف نہی کا رخ ہوتا ہے جیسے مچھلی نہ کھاؤ جب کہ دودھ پی رہے ہو (یعنی دودھ مچھلی ایک وقت میں نہ کھاؤ، الگ الگ مختلف اوقات میں دونوں چیزیں کھا سکتے ہو) کبھی ممانعت کا رجوع دونوں میں سے ہر ایک کی طرف انفرادی حالت میں ہوتا ہے جیسے ہمسایہ کی بیوی سے زنا نہ کرو (اس میں ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنے کی ممانعت بھی مقصود ہے اور مطلق زنا کی بھی)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا لوگو! اللہ سے پورے پورے ڈرتے رہو (یعنی آیت یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ، تلاوت فرمائی اور فرمایا) اگر زقوم کا ایک قطرہ زمین پر پڑا دیا جاتا تو زمین والوں کی زندگی سب برباد ہے، پس کیا حال ہو گا اس شخص کا جس کا کھانا سوائے زقوم کے اور کچھ نہ ہو گا، رواہ الترمذی و قال حسن صحیح۔ اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ اللہ کی رسی سے مراد ہے دین اسلام

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ

کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے ومن یکنف بالطاغوت ویومن باللہ فقد استمسک بالعروة الوثقی لا انفصام لہا، (اس آیت میں ایمان باللہ کو عروۃ وثقیٰ فرمایا ہے) یا کتاب اللہ مراد ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی کتاب ایک ایسی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک تنی ہوئی ہو (اس کو پکڑ کر آدمی اللہ تک پہنچ سکتا ہے)۔

جَمِیعًا سب کے سب یعنی جو تفسیر کلام اللہ یا جماع امت ہو اس کو مضبوطی سے پکڑ لو اجماع کی خلاف متفرق آراء کی طرف نہ جاؤ، حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہاری تین باتیں اللہ کو پسند ہیں اور تین ناپسند تم اللہ کو عبادت کرو، کسی کو اس کا سا جھمی نہ جانو اور سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور اللہ جس کو تمہارا حاکم بنادے اس کی خیر خواہی کرو، یہ باتیں اللہ کو پسند ہیں اور وہ ناپسند کرتا ہے فضول قیل و قال کو اور مال کو برباد کرنے کو اور کثرت سوال کو، رواہ مسلم و احمد۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ میری امت کو گمراہی پر مجتمع نہیں کرے گا، اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے جو پچھڑا وہ (جماعت سے) پچھڑ کر دوزخ میں گیا، رواہ الترمذی، یہ بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے زیادہ عظمت والے فرقہ کا اتباع کرو اس لئے کہ جو اس سے پچھڑا وہ پچھڑ کر دوزخ میں گیا، رواہ ابن ماجہ۔

حضرت مفسر قدس سرہ کے کلام سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ کے نزدیک سوا اعظم سے وہ فرقہ مراد ہے جس کی تعداد زیادہ ہو مگر اس فقیر کی نظر میں یہ مطلب غلط ہے کیونکہ حق و صداقت کا معیار کثرت تعداد نہیں، اگر شمار کی زیادتی پر صداقت کا مدار ہوتا تو سوا اعظم کی جگہ سوا اکثر کا لفظ ہوتا، بلکہ اعظم سے مراد ہے زیادہ عظمت والا، واللہ اعلم۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس طرح بکریوں کو شکار کرنے والا بھیڑیا گلے سے پھڑنے والی، گلے سے دور رہ جانے والی اور گلے سے الگ ہونے والی بکری کو شکار کر لیتا ہے اسی طرح انسان کیلئے شیطان بھیڑیا ہے (جماعت سے ہٹ کر ادھر ادھر کی (گھائیوں) میں بھٹکتے پھرنے) سے بچو اور جماعت و جمہور کے ساتھ رہو، رواہ احمد۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو جماعت سے بالشت بھر الگ ہو اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے نکال دی، رواہ احمد و ابو داؤد، یہ تفسیر اس صورت میں ہوگی جب جمیعاً کو اعتصموا کی فاعلی ضمیر سے حال مانا جائے، لیکن حبیل اللہ سے اگر حال قرار دیا جائے تو یہ مطلب ہوگا کہ اللہ کی پوری کتاب کو پکڑے رہو ایسا نہ ہو کہ کتاب کے کچھ حصہ کو تو مانو اور کچھ کو نہ مانو کیونکہ رسی کے بل الگ الگ ہونے کی صورت میں طاقتور نہیں ہوتے۔

وَلَا تَفَرَّقُوا
اور آپس میں پھوٹ نہ پیدا کرو، یہ جملہ اول صورت میں تاکید کی اور دوسری صورت میں تائیدی ہے، (دوسری صورت پر اس جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ پورے قرآن کو مانو اور آپس میں بھی تفرقہ نہ کرو کہ کوئی مانے کوئی نہ مانے بلکہ سب مل کر پوری کتاب کو پکڑے رہو) مطلب یہ ہے کہ دوسرے اہل کتاب کی طرح آپس میں اختلاف کر کے حق سے متفرق نہ ہو جاؤ۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو حالت بنی اسرائیل کی ہوئی وہی حالت میری امت پر آئے گی یہ ان کے نقش قدم پر چلے گی یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں سے اگر کسی نے اپنی ماں سے علانیہ زنا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی کوئی ایسا کرے گا، بنی اسرائیل پھٹ کر بہتر فرقہ بن گئے تھے اور میری امت پھٹ کر تہتر گروہ ہو جائے گی جن میں سے سوائے ایک فرقہ کے باقی سب دوزخی ہوں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ (نجات پانے والا فرقہ) کون سا ہوگا فرمایا وہ (نجات یافتہ) ہوگا جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر ہوگا، رواہ الترمذی۔

معادیہ کی روایت (جو احمد، ابو داؤد نے نقل کی ہے) کے یہ الفاظ ہیں کہ بہتر (فرقہ) دوزخ میں اور ایک جنت میں ہوگا اور وہ (ایک نجات یافتہ فرقہ) جماعت ہے اور میری امت میں سے عنقریب کچھ جماعتیں ایسی نکلے گی کہ خواہشات (ان کے رگ وے میں گھس جائیں گی اور) ان کو ہلاکت میں گرا دیں گی جیسے داء القلب اپنے مریض کے اندر گھس جاتا ہے کوئی رگ اور کوئی جوڑ ایسا نہیں رہتا کہ یہ بیماری اس میں گھس نہ جائے، میں کہتا ہوں صحابہؓ میں یہ تفرقہ تو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہوا، نہ حضرت ابو بکر و حضرت عمر و حضرت عثمان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خلافتوں میں، امام برحق کے خلاف اول ترین بغاوت اہل مصر نے کی جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف خروج کیا اور خلافت کے معاملہ میں معادیہ کی طرف سے اول ترین اختلاف پیدا ہوا اور دین میں اول ترین اختلاف فرقہ حروریہ (خوارج و نواصب) نے کیا جنہوں نے حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت کی پھر عبد اللہ بن سبا نے مخالفت ڈالی اور حق کو چھوڑا یہی شخص رافضیوں کا سرچشمہ ہے پھر تابعین کے دور میں معتزلہ کا مسلک پیدا ہوا جنہوں نے فلاسفہ کا دامن جاپکڑا، قیل و قال میں بچنس گئے، مناظرہ بازی میں پڑ گئے، کتاب اللہ کی کھلی آیات اور رسول اللہ ﷺ کی سنت اور سلف کے طریقہ کو انہوں نے چھوڑ دیا اور اپنے ناقص گمراہ خیالات کے پیرو ہو گئے۔

وَادْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ
اور اے گروہ انصاریاد رکھو اپنے اوپر اللہ کے احسان کو۔ مجملہ اس کے احسان کے ایک بات یہ ہے کہ اس نے تم کو اسلام کی ہدایت کی جس وجہ سے تمہارے اندر اتفاق پیدا ہو گیا۔

ادْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ
ادْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ
فَالْفَيْنَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ
جب کہ اسلام سے پہلے تم باہم دشمن تھے۔

فَالْفَيْنَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ
اور تم اس کی رحمت و ہدایت سے بھائی بھائی ہو، یعنی دین، دوستی، ہمدردی اور محبت کے اعتبار سے بھائی بھائی بن گئے (اگرچہ نسباً برادری نہیں تھی)۔

محمد بن اسحاق اور دوسرے اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ قبائل اوس و خزرج ایک ماں باپ کی نسل سے تھے لیکن ایک مقتول کی

وجہ سے دونوں میں دشمنی ہو گئی اور اتنی بڑھی کہ ایک سو بیس برس تک باہم جنگ ہوتی رہی، آخر کار اسلام کی وجہ سے اللہ نے ان کی باہمی عداوت کی آگ بجھادی اور رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے سب میں اتفاق ہو گیا ان کے اسلام اور باہمی الفت کا آغاز اس طرح ہوا کہ قبیلہ بنی عمرو بن عوف میں ایک شخص تھا جس کا نام سوید بن صامت تھا اور قوم والے اس کو طاقتور اور اکیلے ہونے کی وجہ سے کامل کہتے تھے۔ سوید حج یا عمرہ کرنے کیلئے مکہ کو گیا اس وقت رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہو چکی تھی اور آپ ﷺ کو اسلام کی دعوت دینے کا حکم مل چکا تھا، آپ نے سوید کی آمد کی خبر سنی تو اس کے پیچھے گئے اور اللہ اور اسلام کی اس کو دعوت دی سوید نے کہا شاید تمہارے پاس ویسی ہی کوئی چیز ہے جیسی میرے پاس ہے حضور نے پوچھا تمہارے پاس کیا ہے، سوید نے کہا لقمہ کار سالہ یعنی لقمہ کار پر حکمت کلام حضور ﷺ نے فرمایا میرے سامنے لاؤ سوید نے پیش کیا (یعنی پڑھ کر سنایا) حضور نے فرمایا یہ اچھا ہے مگر میرے پاس جو چیز ہے وہ اس سے افضل ہے، میرے پاس قرآن ہے جسکو اللہ نے نور اور ہدایت بنا کر اتارا ہے پھر آپ نے اس کو قرآن سنایا اور اسلام کی دعوت دی، سوید نے نفرت نہیں کی اور کہنے لگا یہ اچھی چیز ہے پھر واپس مدینہ چلا گیا اور کچھ ہی مدت کے بعد جنگ بعثت میں قبیلہ خزرج نے اس کو قتل کر دیا، اس کی قوم والوں کا بیان ہے کہ مسلمان ہونے کی حالت میں اسکو قتل کیا گیا۔ اس کے بعد ابوالحسیر انس بن رافع بنی اشہل کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر جس میں لیاں بن معاذ بھی شامل تھا، قریش سے معاہدہ تعاون کرنے کے لئے آیا، رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ تشریف لے گئے اور ان کے پاس بیٹھ کر فرمایا جس کام کے لئے تم آئے ہو کیا اس سے بہتر چیز کی تم کو خواہش ہے، لوگوں نے کہا وہ کیا چیز ہے، فرمایا میں اللہ کا پیغمبر ہوں اللہ نے مجھے اپنے بندوں کے پاس بھیجا ہے میں ان کو دعوت دیتا ہوں کہ کسی چیز کو اللہ کا سا جھیں نہ قرار دو، اللہ نے مجھ پر کتاب بھی نازل فرمائی ہے اس کے بعد آپ نے ان کے سامنے اسلام کا تذکرہ کیا اور قرآن پڑھ کر سنایا۔ لیاں بن معاذ جو نوجوان لڑکا تھا کہنے لگا قوم والو جس کام کے لئے تم آئے ہو خدا کی قسم یہ اس سے بہتر ہے، ابوالحسیر نے ایک لپ بھر کر کنکریاں لیاں کے منہ پر ماریں اور بولا یہ اپنی بات رہنے دے کہ ہم دوسری غرض سے آئے ہیں، لیاں خاموش ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو گئے اور وہ لوگ بھی مدینہ کو لوٹ گئے، مدینہ پہنچنے کے بعد اوس و خزرج کے درمیان جنگ بعثت ہوئی اور کچھ ہی عرصہ کے بعد لیاں کا انتقال ہو گیا پھر جب اللہ نے چاہا کہ اس کا دین ظاہر اور رسول غالب ہو جائے تو ایک حج کے زمانہ میں ہر سال کے معمول کے موافق رسول اللہ ﷺ انصار کی ایک جماعت سے ملے اور - عقبہ کے پاس ایک خزرجی گروہ سے ملاقات ہوئی اس گروہ میں چھ شخص تھے اسعد بن زرارہ، عوف بن حارث یعنی عوف بن عفراء، نافع بن مالک عجلانی، عطیہ بن عامر، عقبہ بن عامر اور جابر بن عبد اللہ، اللہ کو مقصود تھا کہ ان کو خیر نصیب ہو۔

حضور ﷺ نے دریافت کیا تم کون لوگ ہو انہوں نے جواب دیا خزرجی گروہ فرمایا کیا یہودیوں کے دوستوں میں سے ہو، انہوں نے کہا جی ہاں، فرمایا کیا تم بیٹھ کر میری بات نہیں سنو گے انہوں نے کہا کیوں نہیں سنیں گے اس کے بعد سب بیٹھ گئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو اللہ کی دعوت دی اسلام پیش کیا اور قرآن پڑھ کر سنایا (وہ مسلمان ہو گئے) ان کے اسلام کی خدا کی طرف سے ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ مدینہ میں وہ یہودیوں کے ساتھ رہتے تھے یہودی اہل کتاب اور اہل علم تھے اور یہ لوگ بت پرست اور مشرک، یہودیوں سے ان کا کچھ جھگڑا ہو جاتا تھا تو یہودی کہتے تھے اب ایک نبی آنے والا ہے جس کی بعثت کا زمانہ قریب آگیا ہے ہم اس کا اتباع کریں گے اور اس کے ساتھ ہو کر تم کو قوم عادی طرح قتل کریں گے۔ بس اس گروہ نے جب رسول اللہ ﷺ کا کلام اور اسلام کی دعوت سنی تو آپس میں کہنے لگے لوگو تم جانتے ہو کہ یہ وہی پیغمبر ہیں جن نام لے کر یہودی تم کو دھمکیاں دیتے ہیں۔ اب یہودی تم سے اس کی مدد حاصل کرنے میں سبقت نہ کرنے پائیں چنانچہ سب نے حضور ﷺ کی تصدیق کی اور مسلمان ہو گئے اور عرض کیا ہم ایسی قوم کو چھوڑ کر آئے ہیں جن میں آپس کی جنگ اور دشمنی اتنی ہے کہ کسی قوم میں نہیں ہے اب امید ہے کہ اللہ آپ کے ذریعہ سے ان میں اتفاق کر دے گا، عنقریب ہم ان کے پاس جائیں گے اور ان کو اس بات کی دعوت دیں گے، اگر اللہ نے ان سب کو آپ کے معاملہ میں متفق کر دیا تو آپ سے بڑھ کر پھر کوئی عزت یافتہ نہ ہوگا، پھر یہ لوگ رسول اللہ

ﷺ کے پاس سے اپنے شہر کو لوٹ گئے اور مدینہ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ کیا اور مدینہ والوں کو اسلام کی دعوت دی، حضور ﷺ کا ذکر مدینہ میں اتنا پھیل گیا کہ انصار کے ہر گھر میں آپ ہی کا چرچا ہونے لگا۔

پھر آئندہ سال یامحج میں بارہ انصاری آئے، اسعد بن زرارہ، عوف بن عقرء، معاذ بن عقرء، رافع بن مالک عجلانی ذکوان بن عبد القیس، عبادہ بن صامت، زید بن ثعلبہ، عباس بن عبادہ، عقبہ بن عامر، عطیہ بن عامر یہ سب خزرجی تھے اور قبیلہ اوس کے دو شخص تھے ابوالہیثم بن تیمان اور عومیر بن ساعدہ (رضوان اللہ علیہما اجمعین) عقبہ اولیٰ میں حضور ﷺ سے ان کی ملاقات ہوئی اور عورتوں کی بیعت کی انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی کہ شرک نہیں کریں گے، زناء نہیں کریں گے (حضور ﷺ نے فرمایا) اگر تم ان شرطوں کو پورا کرو گے تو تمہارے لئے جنت ہے اگر ان میں کچھ کھوٹ کرو گے اور دینیوی سزائیں گرفتار ہو جاؤ گے تو گناہ کا کفارہ ہو جائے گا لیکن اگر تمہارے جرم پر پردہ پڑا رہا تو تمہارا معاملہ اللہ کے سپرد رہے گا وہ چاہے تم کو عذاب دے چاہے معاف کر دے۔

راوی کا بیان ہے کہ یہ واقعہ جنگ پیش آنے سے پہلے کا ہے ان لوگوں کی واپسی کے وقت رسول اللہ ﷺ نے مصعب بن عمیر بن ہاشم بن مناف کو ان کے ساتھ کر دیا اور حکم دے دیا کہ ان کو قرآن پڑھانا، اسلام کی تعلیم دینا اور احکام سمجھانا، مدینہ میں مصعب کا لقب مقمری (قرآن پڑھانے والا) ہو گیا اور اسعد بن زرارہ کے مکان پر آپ کا قیام ہوا۔

کچھ مدت کے بعد اسعد بن زرارہ مصعبؓ کو ساتھ لے کر بنی ظفر کے ایک باغ کو گئے اور اندر جا کر بیٹھ گئے وہاں دوسرے مسلمان بھی جمع ہو گئے دوسری طرف سعد بن معاذ نے اسید بن حفیر سے کہا یہ دونوں آدمی ہمارے گھر میں آکر ہمارے کمزور سمجھ کے آدمیوں کو بہکانا چاہتے ہیں تم جا کر ان دونوں کو جھڑک کر نکال دو، اسعد میرے ماموں کا بیٹا ہے اگر یہ رشتہ نہ ہوتا تو میں خود ہی یہ کام کر لیتا تمہاری ضرورت بھی نہ ہوتی۔ سعد اور اسید بنی اشہل کے سردار تھے اور اس وقت تک مشرک تھے حسب مشورہ اسید اپنا چھوٹا بیٹا لے کر مصعب اور اسعد کے پاس گیا دونوں باغ کے اندر بیٹھے ہوئے تھے اسیدؓ کو دیکھ کر اسعد نے مصعب سے کہا یہ آنے والا اپنی قوم کا سردار ہے، اس کو مسلمان بناؤ، مصعب نے جواب دیا اگر یہ بیٹھ جائے گا تو میں اس سے بات کروں گا، اسید پہنچ کر دونوں کے سامنے کھڑا ہو گیا، اور گالیاں دینے لگا کہنے لگا تم ہمارے ہاں کیوں آئے ہو کیا ہمارے کمزور سمجھ والوں کو بے وقوف بنا رہے ہو اگر تم کو اپنی جان سے کچھ محبت ہے تو یہاں سے ہٹ کر چلے جاؤ، مصعبؓ نے کہا آپ بیٹھ کر زرارہ ہمارے بات تو سن لیجئے اگر ہماری بات آپ کو پسند آجائے تو مان لینا پسند ہو تو آپ کے ناگوار خاطر بات نہیں کی جائے گی اسید نے کہا یہ بات تم نے ٹھیک کہی، یہ کہہ کر نیزہ زمین میں گاڑ کر دونوں کی طرف رخ کر کے بیٹھ گیا۔

مصعبؓ نے اسلام کے متعلق اس سے گفتگو کی اور قرآن پڑھ کر سنایا۔ مصعبؓ کا بیان ہے ابھی وہ کچھ بولا بھی نہ تھا مگر کم کو اس کے چہرہ کی چمک اور بشارت سے اسلام کے آثار دکھنے لگے تھے قرآن سننے کے بعد کہنے لگایہ تو بڑی اچھی اور خوبصورت چیز ہے اچھا بتاؤ کہ اس مذہب میں داخل ہونے کے وقت تم کیا کرتے ہو۔ مصعبؓ اور اسعد نے جواب دیا غسل کر لو کپڑے پاک کرو پھر شہادت حق دو پھر دو رکعت نماز پڑھو۔ اسید نے فوراً اٹھ کر جا کر غسل کیا کپڑے پاک کئے اور کلمہ شہادت پڑھ کر کھڑے ہو کر دو رکعت نماز ادا کی پھر کہنے لگا میرے پیچھے ایک آدمی اور ہے اگر اس نے تمہاری بات مان لی تو اس کی قوم کا کوئی شخص شامل نہیں کرے گا۔ وہ سعد بن معاذ ہے میں ابھی اس کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں پھر نیزہ لے کر چلے یا اور اپنی چوپال پر جا کر ٹھہر گیا۔ سعدؓ نے پوچھا پیچھے کیا چھوڑ کر آئے اسید نے کہا خدا کی قسم میں نے تو ان میں کوئی جرات نہیں پائی میں نے ان کو روک دیا انہوں نے کہا جیسا آپ کو پسند ہے ہم ویسا ہی کریں گے۔ لیکن مجھے ایک خبر یہ ملی ہے کہ بنی حارثہ اسعد کو قتل کرنے کے لئے نکلے ہیں کیونکہ اسعد تمہارا ماموں کا بیٹا ہے وہ اس کو قتل کر کے تم سے عہد شکنی کرنی چاہتے ہیں یہ سن کر سعد غضب ناک ہو کر فوراً اٹھ کھڑا ہوا نیزہ ہاتھ میں لیا اور بولا خدا کی قسم میرے خیال میں تم نے کچھ کام نہیں کیا باغ میں پہنچ کر دیکھا تو مصعب اور اسعد دونوں کو مطمئن پا کر سمجھ گیا کہ اسید نے مجھے اس لئے بھیجا ہے کہ میں خود پہنچ کر ان کی بات سنوں جب سامنے جا کر کھڑا ہوا تو

گالیاں دینے لگا اور اسعد بن زرارہ سے بولا اگر مجھ سے تیرا رشتہ نہ ہوتا تو پھر میرے متعلق تیری یہ جرات نہ ہوتی تو ہمارے گھر کے اندر ایسی باتیں لے کر آتا ہے جو ہم کو ناگوار ہیں سعد کو دیکھتے ہی اسعد نے مصعب سے کہہ دیا تھا کہ یہ آنے والا اپنی قوم کا سردار ہے اگر اس نے تمہاری بات مان لی تو پھر اس کی قوم میں کوئی تمہاری مخالفت نہیں کرے گا۔ مصعب نے سعد سے کہا زرارہ بیٹھ کر ہماری بات سن لیجئے اگر آپ کو دل پسند اور مرغوب ہو تو مان لیں ورنہ آپ کے ناگوار خاطر کام ہم آپ سے الگ رکھیں گے۔ سعد نے کہا تیری یہ بات ٹھیک ہے۔ پھر نیزہ زمین میں گاڑ کر بیٹھ گیا۔ مصعب نے اسلام پیش کیا اور قرآن پڑھ کر سنایا۔ مصعب اور اسعد کا بیان ہے کہ سعد کے چہرہ کی چمک اور بشاشت دیکھ کر ہی ہم پہچان گئے تھے کہ اسلام اس کو پسند آگیا چنانچہ قرآن سن کر سعد نے کہا جب تم مسلمان ہوتے اور اس دین میں داخل ہوتے ہو تو کیا کرتے ہو۔ مصعب نے کہا غسل کر لو دونوں کپڑے پاک کر لو پھر شہادت حق ادا کرو اور دو رکعت نماز پڑھو۔

سعد نے اٹھ کر غسل کیا۔ کپڑے پاک کئے شہادت حق ادا کی اور دو رکعت نماز پڑھی اور نیزہ لے کر قصد اپنی قوم کی چوپال کی طرف گئے ساتھ میں اسید بن حضیر بھی تھے۔ قوم والوں نے آتا دیکھ کر کہا خدا کی قسم اب سعد کا وہ چہرہ نہیں جو جاتے وقت تھا۔ سعد نے قوم سے کہا اے بنی عبد الاشہل تم مجھے اپنے اندر کیسا جانتے ہو۔ قوم والوں نے کہا کہ آپ ہمارے سردار ہیں سب سے زیادہ آپ کی رائے فضیلت رکھتی ہے۔ آپ کا قول و عمل نہایت مبارک ہے۔ سعد نے کہا تو (سن لو کہ) تمہارے مردوں اور عورتوں سے بات کرنا مجھ پر حرام ہے جب تک تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لے آؤ۔ سعد کے اس قول کے بعد بنی عبد الاشہل کے احاطہ میں کوئی مرد عورت بغیر اسلام لائے نہیں رہا۔

اسعد اور مصعب دونوں لوٹ کر اسعد کے گھر آگئے مصعب یہیں مقیم رہے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہے یہاں تک کہ انصار کے احاطوں میں کوئی احاطہ ایسا نہیں رہا جس میں کچھ مرد اور عورتیں مسلمان نہ ہوں ہاں بنی امیہ بن زید اور حطمہ اور وائل اور واقف کے احاطہ میں مسلمان نہ ہوئے کیونکہ ابو قیس بن اسلٹ شاعر ان میں موجود تھا اور یہ خاندان والے اسی کی بات سنتے اور کہتے تھے۔ اس نے سب کو اسلام سے روک دیا تھا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لے آئے اور بدر، احد اور خندق کی لڑائیاں بھی گزر گئیں (اس کے بعد یہ لوگ مسلمان ہوئے)۔

اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ اس کے بعد مصعب بن عمیر مکہ کو واپس چلے گئے۔ اس وقت آپ کے ساتھ ستر مسلمان انصاری اور کچھ مشرک تھے جو حج کے لئے گئے تھے مکہ پہنچ کر وسط یام تشریق میں عقبہ ثانیہ پر رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہونے کا وعدہ ہوا۔ یہ ہی بیعت عقبہ ثانیہ کہلاتی ہے۔ کعب بن مالک کا بیان ہے کہ میں موجود تھا۔ ہم حج سے فارغ ہوئے اور وعدہ ملاقات والی رات آئی یوں تو ہم اپنے ساتھ والے مشرکوں سے اپنی باتیں چھپا رکھتے تھے مگر ابو جہلہ عبد اللہ بن عمرو بن حرام کو ہم نے بتا دیا تھا اور اس سے گفتگو کر لی تھی اور کہہ دیا تھا کہ آپ ہمارے سرداروں میں سے ایک سردار ہیں اور ہمارے بزرگ ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ آپ کل کو آگ کا ایندھن بنیں اس لئے جس حالت میں آپ ہیں اس حالت میں آپ کو چھوڑ دینا ہم کو پسند نہیں۔ غرض ہم نے اس کو اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہو گیا اور ہم نے رسول اللہ ﷺ کے وعدہ ملاقات کی اس کو اطلاع دیدی اور عقبہ میں ہمارے ساتھ آگیا اور نقیب ہو گیا۔ وعدہ والی رات کا کچھ حصہ ہم نے اپنی فرد گاہوں میں ہی گزارا جب ایک تہائی رات گزر گئی تو ہم چپکے چپکے چھپتے چھپاتے قطا (چکور) کی چال سے نکلے اور عقبہ کے پاس گھائی میں پہنچ کر جمع ہوئے اس وقت ہم ستر مرد اور دو عورتیں تھے ایک بنی نجار کی ام عمارہ نسیبہ بنت کعب اور دوسری بنی سلمہ کی ام ضعیب اسماء بنت عمرو بن عدی۔ گھائی کے اندر ہم رسول اللہ ﷺ کا انتظار کرتے رہے، آخر رسول اللہ ﷺ حضرت عباسؓ بن عبد المطلب کے ساتھ تشریف لے آئے۔

حضرت عباسؓ نے فرمایا اے گروہ خزرج (خزرج کا اطلاق انصاریوں کے پورے گروہ پر ہوتا تھا خزرجی ہوں یا اوسی) تم واقف ہو کہ محمد ﷺ ہم میں سے ہیں جو لوگ ہماری قوم میں ہمارے خیالات کے ہیں ان سے ہم نے ان کی حفاظت کی ہے۔

یہ اپنی قوم میں باعزت اور اپنے شہر میں حفاظت سے ہیں لیکن یہ سب سے کٹ کر تم سے جڑنا چاہتے ہیں اور تم سے کٹنے پر راضی نہیں ہیں پس سوچ لو اگر اس بات کو تم پورا کر سکو جس کے لئے ان کو بلارہے ہو اور مخالفوں سے ان کی حفاظت کر سکو تو تمہاری ذمہ داری تم پر ہے اور اگر تم یہ خیال کرتے ہو کہ جب یہ تمہارے پاس پہنچ جائیں گے (اور ان کو مدد کی ضرورت ہوگی) تو تم ان کو بے مدد، بے سہارا چھوڑ دو گے تو ابھی سے ان کو چھوڑ دو۔ یہ عزت و حفاظت کے ساتھ ہیں (کعب کا بیان ہے) ہم نے جواب دیا جو کچھ آپ نے فرمایا ہم نے سن لیا۔ لیکن اے رسول خدا ﷺ آپ خود کچھ فرمائیے اور اپنے لئے اور اپنے رب کے لئے ہم سے جو عہد لیتا چاہیں لے لیجئے۔

راوی کا بیان ہے اس پر رسول اللہ ﷺ بولے، قرآن مجید کی تلاوت کی اور اللہ کی طرف بلایا اور اسلام کی طرف راغب کیا پھر فرمایا میں تم سے ان شرطوں پر بیعت لیتا ہوں کہ اپنی بیوی بچوں کی جس چیز سے حفاظت کرو گے اس سے میری بھی حفاظت کرنا۔ یہ سن کر براء بن معرور نے دست مبارک پکڑ لیا۔ اور عرض کیا، قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بیجا ہے ہم جس چیز سے اپنی اور اسے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہیں اس سے آپ کی بھی حفاظت کریں گے یا رسول اللہ ﷺ ہماری بیعت قبول کیجئے ہم خود بھی جنگجو ہیں اور دوسروں سے بھی تعاون کا ہمارا معاہدہ ہے جو بزرگوں سے موروثی چلا آتا ہے۔ براء رسول اللہ ﷺ سے بات کر رہے تھے کہ ابوالکشم بن تیمان بیچ میں بول اٹھے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ کچھ لوگوں سے ہمارے معاہدے ہیں اب ان کو ختم کرنا پڑے گا کہیں ایسا تو نہ ہو گا کہ ہم سب سے معاہدے ختم کر دیں اور اللہ آپ کو غلبہ عنایت فرمادے تو آپ ہم کو چھوڑ کر اپنی قوم کی طرف آجائیں۔ یہ کلام سن کر رسول اللہ ﷺ مسکرا دیئے اور فرمایا نہیں۔ تمہارا خون میرا خون ہے۔

تم مجھ سے ہو اور میں تم سے جس سے تم لڑو گے میں بھی لڑوں گا۔ جس سے تم صلح کرو گے میں بھی صلح کروں گا پھر حضور نے فرمایا۔ اپنے میں سے بارہ نمائندے چھانٹ کر نکال لو جو حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کی طرح اپنی اپنی قوم کے ذمہ دار ہوں حسب الحکم بارہ نمائندے چھانٹ گئے نو خیز جہاد میں سے اور تین اوس میں سے۔

عامم بن عمرو بن قتادہ کا بیان ہے کہ جب بیعت کے لئے لوگ جمع ہو گئے تو عباس بن عبادہ بن فضلہ انصاری نے کہا اے گروہ خیز کیا تم جانتے ہو کہ کس شرط پر تم اس شخص کی بیعت کر رہے ہو۔ ہر گورے کالے سے لڑنے کی بیعت کر رہے ہو۔ اگر تمہارا خیال ہو کہ جب تمہارے مالوں پر کوئی مصیبت پڑے گی اور تمہارے سردار مارے جائیں گے تو تم اس کو بے مدد چھوڑ جاؤ گے تو ابھی بیعت نہ کرو، ورنہ اس وقت خدا کی قسم دنیا و آخرت کی رسوائی نصیب ہوگی اور اگر مالوں کی تباہی اور سرداروں کی ہلاکت کے باوجود تم اپنے اس وعدہ کو پورا کر سکتے ہو جس پر تم اس شخص کو دعوت دے رہے ہو تو اس کو لے لو۔ خدا کی قسم یہ دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔

انصار نے جواب دیا ہم مالوں کی تباہی اور سرداروں کے قتل ہو جانے کے بعد بھی ان کو نہیں چھوڑیں گے اور اسی شرط پر ان کو قبول کر رہے ہیں لیکن اے اللہ کے رسول اگر ہم نے یہ شرط پوری کر دی تو ہم کو اس کے عوض کیا ملے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا جنت۔ انصار نے عرض کیا تو دست مبارک پھیلایئے۔ حضور ﷺ نے ہاتھ پھیلایا۔ سب نے بیعت کر لی۔ اول براء بن معرور نے ہاتھ پر ہاتھ مارا پھر یکے بعد دیگرے دوسرے لوگوں نے۔

جب ہم بیعت کر چکے تو عقبہ کی چوٹی سے انتہائی بلند آواز سے شیطان نے چیخ کر کہا اے اہل حباب کیا تم کو منہ منہ (محمدؐ) کی بھی اطلاع ہے بے دین اس کے ساتھ مل کر تم سے جنگ کرنے پر متفق ہو گئے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ اللہ کا دشمن ہے۔ یہ عقبہ کا زب سے (اس شیطان کا نام ازب تھا ازب لغت میں سانپ کو کہتے ہیں) اے دشمن خدا سن لے خدا کی قسم میں تیرے (مقابلہ کے لئے بالکل فارغ ہو جاؤں گا پھر فرمایا اب تم اپنے اپنے پڑاؤ پر چلے جاؤ۔ عباس بن عبادہ بن فضلہ نے عرض کیا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ چاہیں تو ہم کل صبح ہی اہل منابر تلواریں لے کر ٹوٹ

پڑیں فرمایا مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے تم اپنی فرد گاہوں پر چلے جاؤ حسب الحکم ہم اپنی خواب گاہوں پر آگئے اور سو گئے۔ صبح ہوئی تو قریش کے بڑے بڑے لوگ ہمارے پڑاؤ پر آئے اور کہنے لگے اے گروہ خزرج ہم کو اطلاع ملی ہے کہ تم ہمارے اس ساتھی کے پاس آئے ہو اس کو ہمارے پاس سے نکال کر لے جانا چاہتے ہو اور ہمارے خلاف جنگ کرنے کے لئے اس سے بیعت کر رہے ہو خدا کی قسم عرب کے کسی قبیلہ سے جنگ چھڑ جانا ہمارے نزدیک اتنی قابل نفرت نہیں جتنی تم سے ہے یہ سن کر ہمارے (یعنی خزرج اور اوس کے) مشرک کھڑے ہو گئے اور اللہ کی قسمیں کھا کر انہوں نے کہا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی اور نہ ہمیں اس کا علم ہے حقیقت میں انہوں نے سچ کہا تھا ان کو بیعت کا علم ہی نہ تھا۔ ان کی باتوں کے وقت ہم آپس میں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے غرض سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔

قریش میں ایک شخص حارث بن مغیرہ مخزومی نئی جوتیاں پہنے ہوئے تھا۔ میں نے ابو جابر سے ایک بات کہی گویا میں (دوسرے قریش کو یہ دکھانا چاہتا تھا کہ میں) مشرکین انصار کے کلام کی تائید کر رہا ہوں اور بات یہ تھی کہ میں نے اس سے کہا ابو جابر تم ہمارے سرداروں میں سے ہو لیکن اتنی بھی تم میں استطاعت نہیں کہ اس قریشی جو ان کی جوتیوں کی طرح جوتیاں ہی بنو الو حارث نے یہ بات سنی تو فوراً جوتیاں پاؤں سے نکال کر میری طرف پھینک دیں اور بولا خدا کی قسم اب ان کو تو پہنے گا ابو جابر نے کہا ہائیں تو نے جو ان کو غصہ دلادیا جوتیاں واپس کر دے میں نے کہا میں تو واپس نہیں کروں گا۔ یہ شگون اچھا ہے اگر فال بچی ہوئی تو خدا کی قسم میں اس کے کپڑے اتار لوں گا۔ غرض مضبوط معاہدہ کے بعد انصار مدینہ کو لوٹ گئے اور مدینہ میں اسلام کا ظہور ہو گیا۔

قریش کو اس کی اطلاع ملی تو وہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو دکھ دینے لگے حضور ﷺ نے ساتھیوں سے فرمایا اللہ نے تمہارے کچھ بھائی بنادئیے ہیں اور امن کی ایک جگہ بھی دے دی ہے تم ہجرت کر کے مدینہ چلے جاؤ اور اپنے انصاری بھائیوں میں مل کر رہو۔ اس حکم پر سب سے پہلے سلمہ بن عبد اللہ مخزومی کے بھائی نے مدینہ کو ہجرت کی پھر عامر بن ربیعہ نے پھر عبد اللہ بن جحش نے پھر، پے در پے جتھے جانے لگے اس طرح اسلام کی وجہ سے اللہ نے مدینہ والے اوس اور خزرج کے قبیلوں کو متفق بنادیا اور رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ ان میں باہم صلح کرا دی۔

وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ
اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارہ پر تھے یعنی قریب ہی تھا کہ اس میں گر پڑو سوائے موت علی الکفر کے کوئی چیز اس میں گرنے سے مانع نہیں رہی تھی۔

فَأَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا
پس اللہ نے اسلام کی وجہ سے تم کو اس آگ یا گڑھے کے کنارے سے بچالیا۔ شفا کا لفظ اگرچہ مذکر ہے لیکن اس کا مضاف الیہ یعنی حفرة کا لفظ مونث ہے اس لئے مونث کی ضمہ اس کی طرف راجع ہو سکتی ہے اس کے علاوہ شفا اور شفۃ ہم معنی ہیں۔ شفۃ البشر اور شفۃ البشر کنویں کا کنارہ جیسے جَانِبٌ اور جَانِبَةٌ ہم معنی ہیں۔ دونوں کی اصل شفو تھی مذکر میں واؤ کو الف سے اور مونث میں تا سے بدل دیا اس لئے شفا کی جانب مونث کی ضمیر لوٹانا بھی درست ہے۔

كَذَٰلِكَ يَبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ
اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی دلیلیں بیان فرماتا ہے۔ تاکہ تم ہدایت پر جمے رہو تمہاری ہدایت میں اضافہ ہو۔

وَلِتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ
اور تم میں سے بعض لوگوں کی ایک جماعت ہوئی چاہئے میں تبعیض یہ ہے کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کفایہ ہے۔ ہر شخص پر فرض نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ امر و نہی کے لئے علم شریعت اور احتساب کی قدرت ضروری ہے (اور یہ بات سب لوگوں میں نہیں ہو سکتی بعض میں ہوتی ہے) آیت میں خطاب اہل اسلام کی پوری جماعت کو ہے مگر مکلف بعض کو کیا۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی اس فرض کو انجام نہ دے گا تو فرض جماعت اولیٰ ہو گا اور سب گناہ گار ہوں گے (کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جماعت کا فرض ہے) اور اگر بعض نے کر لیا تو سب کے سر سے فرض لیا

ہو جائے گا۔ معنی مانیہ بھی ہو سکتا ہے اس وقت ہر شخص پر ممنوع امر سے بازداشت کرنی لازم ہوگی (خواہ باتھ سے ہو یا زبان سے اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو) کم سے کم دل سے ہی (اس فعل سے نفرت) ہو۔

يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائیں یعنی ان عقائد، اخلاق اور اعمال کی دعوت دیں جن کے اندر دین و دنیا کی بہتری ہو۔ ابن مردویہ نے حضرت امام باقرؑ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ قرآن اور میری سنت پر چلنا ہی خیر ہے۔ سیوطی نے اس حدیث کو معضل کہا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت میں آیا کہ آپ نے اس آیت کو (اتنی ترمیم اور اضافہ کے ساتھ) اس طرح پڑھا تھا وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسْتَغِيثُونَ عَلَى مَا أَصَابَهُمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ یعنی خیر مانگیں کہ لوگوں سے مصیبت دور ہو۔

اور ایسے کام کا حکم دیتے ہیں جس کی خوبی و خوبی طور پر یا استجابی طور سے شریعت کی طرف سے جان لی گئی ہے۔

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور بری باتوں سے روکیں یعنی جن خمرات اور مکروہات کو شرع نے برا قرار دیا ہے ان سے روکیں (خیر کا لفظ عام تھا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو شامل تھا لیکن) امر و نہی کی فضیلت خاص طور پر ظاہر کرنے کے لئے عطف کر دیا گیا۔

وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے ہی کامیاب ہوں گے جو ایسا نہ کرے گا ناکام ہو گا اور گھٹا اٹھائے گا۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جس کو بری بات دکھائی دے وہ اپنے ہاتھ سے اس کو بدل دے ہاتھ سے نہ کر سکے تو زبان ہی سے (اس سے روک تھام کرے) اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو دل سے ہی اس کو برا جائے، اور یہ کمزور ترین ایمان کا (درجہ) ہے۔ رواہ مسلم۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ضوابط الہیہ میں سستی کرنے والے اور ان میں پڑ جانے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگوں نے قرعہ اندازی کی ہو اور قرعہ ڈالنے کے بعد کوئی کشتی کے بالائی درجہ میں سوار ہو گیا اور کوئی نچلے درجہ میں۔ نچلے درجہ والا پانی لے کر بالائی درجہ والوں کی طرف سے گزرتا تھا تو ان کو تکلیف پہنچتی تھی اس لئے نچلے درجہ والے نے کھماڑی لے کر کشتی کے نچلے حصہ میں سوار ہو کر ناس شروع کیا۔ بالائی درجہ والوں نے جا کر کہا تو یہ کیا کر رہا ہے اس نے جواب دیا آپ لوگوں کو میری وجہ سے تکلیف ہوتی تھی اور مجھے پانی کی بہر حال ضرورت ہے (اس لئے کشتی میں سوار ہو کر رہا ہوں) اب اگر وہ لوگ اس کے ہاتھ پکڑ لیں گے تو اس کو بھی ڈوبنے سے بچالیں گے اور خود بھی محفوظ رہیں گے اور اگر (سوار ہو کر) چھوڑ دیں گے تو اس کو بھی ہلاک کریں گے اور خود بھی ہلاک ہوں گے۔ رواہ البخاری۔

حضرت حذیفہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ضرور ضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو گے ورنہ قریب ہے کہ اللہ تم پر اپنا عذاب بھیج دے گا پھر تم اس کے دور ہونے کی دعا کرو گے مگر تمہاری دعا قبول نہ ہوگی۔ رواہ الترمذی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگو! تم آیت **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ** پڑھتے ہو (اور خیال کرتے ہو کہ اگر کوئی برے کام کرے گا تو تم کو اس کا نقصان نہیں پہنچے گا خواہ ہم اس کی روک تھام کریں یا نہ کریں) حالانکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرما رہے تھے کہ اگر لوگ بدکاریاں دیکھ کر ان کو بدلنے کی کوشش (ہاتھ یا زبان یا دل سے) نہیں کریں گے تو ممکن ہے کہ اللہ ان سب پر اپنا عمومی عذاب بھیج دے۔ رواہ ابن ماجہ والترمذی وقال صحیح وروی ابو داؤد نحوه عن جریر بن عبد اللہ جاء نحوه رواہ ابو داؤد وابن ماجہ۔

عدی بن عدی کندی کے ایک آزاد کردہ غلام کے دادا کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے کہ مخصوص لوگوں کے (برے) اعمال سے اللہ تعالیٰ عام لوگوں کو اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ عام لوگ اپنے سامنے بدکاریاں دیکھ کر باوجود تردید کی قدرت کے انکار نہ کرتے ہوں جب وہ ایسا کرتے ہیں تو اللہ عام و خاص سب کو عذاب میں گرفتار کر دیتا ہے۔ رواہ البغوی فی شرح السنہ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب بنی اسرائیل گناہوں میں پڑ گئے تو ان کے علماء نے منع کیا مگر وہ نہ مانے مگر علماء ان کی مجلسوں میں ان کے ساتھ بیٹھتے اور کھاتے پیتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے ان سب کے دل ایک جیسے کر دیئے اور داؤد و عیسیٰ کی زبانی ان پر لعنت کرائی ذَلِکَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ رلوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت تک یہ لگائے ہوئے تھے یہ فرمانے کے بعد بیٹھ گئے اور فرمایا نہیں خدا کی قسم یہاں تک کہ تم بھی ان کی طرف جھک جاؤ گے پورے طور پر۔ رواہ الترمذی و ابوداؤد۔

..... ایک سوال

اگر کوئی خیر نہ کرتا ہو اور شر سے باز نہ رہتا ہو (یعنی بدکار ہو) تو کیا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس پر بھی واجب ہے۔

..... جواب

ہاں آیت کی عبارت سے ثابت ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس پر بھی واجب ہے لیکن اس سے بطور اقتضاء خود بھی پابندی کا وجوب نکل رہا ہے تاکہ آیت اَنَامُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنفُسَكُمْ اَوَلَمْ تَقُولُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَن تَقُولُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ کا مصداق نہ بن جائے۔

حضرت اسامہ بن زید کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن ایک آدمی کو لا کر دوزخ میں ڈال دیا جائے اور وہ اپنی انتڑیاں گھسیٹتا ہو دوزخ میں اس طرح چکر کاٹے گا جیسے گدھا چکی کو لے کر گھومتا ہے، دوزخی اس کے پاس جمع ہو کر کہیں گے اے شخص یہ تیرا کیا حال ہے کیا تو ہم کو اچھے کام کرنے کا حکم اور برے کاموں سے بازداشت نہیں کرتا تھا وہ جواب دے گا میں تم کو نیکی کرنے کا حکم دیتا تھا مگر خود نہیں کرتا تھا اور برے کاموں سے روکتا تھا مگر خود کرتا تھا۔ متفق علیہ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا معراج کی رات میں نے کچھ آدمی دیکھے جن کے لب آگ کی فینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے میں نے پوچھا جبریل یہ کون لوگ ہیں جبریل نے جواب دیا یہ آپ کی امت کے وہ خطیب ہیں جو لوگوں کو نیکی کا حکم دینگے اور خود اپنے کو بھول جائیں گے۔ رواہ البغوی فی شرح السنہ و البیہقی فی شعب الایمان۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا هُوَ جَانَا جُو پھٹ کر بٹ گئے۔ یعنی یہودیوں کی طرح نہ ہو جائنا جو پھٹ کر بٹ گئے۔ اور کھلے ہوئے قطعی دلائل آنے کے بعد باہم اختلاف وَاُخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ

کرنے لگے۔ البیِّنَات سے مراد ہیں اللہ کی آیاتِ محکمہ اور انبیاء کی احادیث متواترہ اور انہی جیسی دوسری دلیلیں جیسے اجماع امت اسلامیہ۔

اختلاف عام ہے خواہ اصول دین میں ہو جیسے اہل سنت سے اہل بدعت (معتزلہ خوارج وغیرہ) کا اختلاف یا ان فردی مسائل میں ہو جن کا ثبوت اجماعی ہے جیسے وضو میں پاؤں دھونا اور خفین پر مسح کرنا اور خلفاء اربعہ کی خلافت۔ قطعیت کی شرط لگانے سے اس امتناعی حکم سے وہ اختلاف خارج ہو گیا۔ جو ظنی دلائل میں اجتہادی اختلاف کی صورت میں ہوتا ہے کیونکہ ظنی دلائل کا اجتہادی اختلاف ضروری ہے اس اختلاف میں بعض مجتہدوں کی اجتہادی غلطی تو لامحالہ ہوتی ہے لیکن اگر ضد اور تعصب کے بغیر اجتہادی طاقت صرف کرنے کے بعد غلطی ہو جائے تو معاف ہے بلکہ لوگوں کے لئے رحمت (اور مجتہد کے

لئے موجب ثواب) ہے عبد بن حمید نے مسند میں اور دارمی اور ابن ماجہ نے اور عبد ربن الجمع بن الصحیحین میں اور ابن عساکر نے اور حاکم نے حضرت عمر بن خطاب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ میں نے اپنے رب سے اپنے ساتھیوں کے اس اختلاف کے متعلق دریافت کیا جو میرے بعد ہوگا (کہ ان لوگوں کا کیا ہوگا) اللہ نے وحی بھیجی کہ محمد تیرے ساتھی میرے نزدیک ستاروں کی طرح ہیں بعض بعض سے زیادہ قوی (روشنی والے) ہیں۔

دوسری روایت میں آیا ہے کہ بعض بعض سے زیادہ روشن ہیں اور روشنی ہر ایک میں ہے۔ اب اختلافی مسائل میں جو بھی جس مسلک کو لے گا وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہوگا۔ رواہ الدارقطنی فی فضائل الصحابہ وابن عبد البر عن جابر والبیہقی فی المدخل عن ابن عباسؓ۔

بیہقی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم کو جو کچھ (حکم) اللہ کی کتاب سے دیا گیا ہے اس پر عمل کرو کسی کیلئے کتاب اللہ کو ترک کرنے کا عذر نہیں ہو سکتا اگر اللہ کی کتاب میں نہ ہو تو نبی کی سنت فیصلہ کن ہے اگر نبی کی سنت (میں) بھی نہ ہو تو جو کچھ میرے صحابہ کہیں (اس پر عمل کرو) میرے اصحاب آسمان کے ستاروں کی طرح ہیں جس کو پکڑ لو گے (اور پیچھے لگ جاؤ گے) ہدایت پاؤ گے میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے لئے رحمت ہے۔

بیہقی نے مدخل میں اور ابن سعد نے طبقات میں قاسم بن محمد کا قول نقل کیا ہے کہ محمد ﷺ کے صحابیوں کا اختلاف اللہ کے بندوں کے لئے رحمت ہے۔ بیہقی نے عمر بن عبد العزیز کا قول بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔

وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۵۰﴾ یعنی قطعی دلائل کے بعد جن لوگوں نے تفرقہ کیا انہی کے لئے عذاب عظیم ہے۔ یَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ وَجُوهٌ مِّنْ دُونِ ۚ جگہ تنوین مضاف الیہ کے عوض میں آئی ہے یعنی جس روز مؤمنوں کے چہرے گورے اور کافروں کے چہرے کالے ہوں گے۔ تنوین تکثیر کے لئے بھی ہو سکتی ہے یعنی بہت چہرے گورے اور بہت چہرے سیاہ ہوں گے۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اہل سنت کے چہرے گورے اور اہل بدعت کے چہرے کالے ہوں گے۔ دیلمی نے مسند الفردوس میں ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل سنت کے چہرے گورے اور اہل بدعت کے چہرے کالے ہوں گے۔

فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ فَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ تَحْتِ بَعْدَ إِيْمَانٍ ۚ گے ان سے کہا جائے گا کہ نبی اور کتاب پر ایمان لانے کے بعد پھر تم نے قطعی دلائل کا انکار کیا اور دین میں تفرقہ کیا اور مشابہات کی تفسیر کے پیچھے بڑ گئے۔ استفہام زجر اور تعجب کے اظہار کے لئے ہے۔

فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۵۱﴾ پس اپنے کفر کرنے کی پاداش میں عذاب کا مزہ چکھو۔ یہ آیت اس امت اور گزشتہ امتوں کے بدعتیوں کے حق میں نازل ہوئی۔ حضرت ابولامہؓ اور قتادہ کا یہی قول ہے۔ امام احمد وغیرہ نے حضرت ابولامہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ خارجی ہیں۔ لیکن حضرت اسماء کی روایت کردہ حدیث بتا رہی ہے کہ اس آیت میں اہل رانی مراد ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں حوض پر دیکھتا ہوں گا کہ کون کون میرے پاس آتا ہے کچھ لوگ مجھ سے پرے ہی پکڑ لئے جائیں گے۔ (یعنی ان کو حوض پر نہیں آنے دیا جائے گا) میں کہوں گا اے رب یہ تو میرے ہیں میری امت کے (افراد) ہیں جواب دیا جائے گا کیا تم کو معلوم ہے کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا کیا، خدا کی قسم یہ برابر اپنی ایڑیوں کے بل (تمہاری ہدایت سے) لوٹتے رہے (رواہ البخاری)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان فتنوں سے پہلے عمل کر لو جو تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح (آئندہ) چھا جائیں گے صبح کو آدمی مؤمن ہوگا اور شام کو کافر، شام کو کافر ہوگا اور صبح کو مؤمن۔ دین کو دنیا کے حقیر سامان کے عوض بیچ ڈالے گا۔ رواہ احمد و الترمذی۔

بعض اقوال میں آیا ہے کہ اس آیت کا نزول مرتدوں کے حق میں ہوا تھا۔ بعض علماء نے مورد نزول ان اہل کتاب کو قرار دیا ہے جنہوں نے حضرت موسیٰ اور تورات پر ایمان لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کا انکار کر دیا یا بعثت سے پہلے تور رسول اللہ ﷺ پر (غائبانہ) ایمان رکھتے تھے۔ مگر بعثت کے بعد انکار کر دیا۔ بعض نے کما تمام کفار کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی کیونکہ اللہ نے سب کو (ازل میں) اپنی ربوبیت کا شاہد بنالیا تھا اور دنیا میں آنے کے بعد لوگ کافر ہو گئے۔ یا یوں کہا جائے کہ دلائل پر غور کرنے کے بعد ایمان لانے پر قادر تھے مگر ایمان نہ لائے۔

وَأَمَّا الَّذِينَ أَبْصَرُوا وَجُوهَهُمْ
اور جن لوگوں کے چہرے گورے ہوں گے یعنی اہل سنت۔

فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ پس وہ اللہ کی رحمت یعنی جنت اور لازوال ثواب میں ہوں گے جنت کی تعبیر بلفظ رحمت کرنے سے اس امر پر تنبیہ کی گئی ہے کہ مؤمن کی چاہے پوری عمر اللہ کی اطاعت میں صرف ہوئی ہو مگر جنت میں اس کا داخلہ اللہ کی رحمت اور فضل کے بغیر ممکن نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا راستی اختیار کرو اور درمیانی رفتار سے چلو اور خوش رہو کیونکہ جنت کے اندر کسی کو اس کے اعمال نہیں لے جائیں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ کو بھی (آپ کے اعمال جنت میں نہیں لے جائیں گے) فرمایا نہ مجھ کو، ہاں اللہ اپنی مغفرت اور رحمت سے مجھ کو ڈھانک لے (تو جنت میں داخلہ مل جائے گا) رواہ الشیخان فی الصحیحین و احمد۔ شیخین نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایسی ہی حدیث بیان کی ہے اور مسلم نے حضرت جابرؓ کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے کہ تم میں سے کسی کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا اور نہ دوزخ سے بچائے گا اور نہ مجھے سوائے اللہ کی رحمت کے۔

یہ حدیث حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے امام احمد نے اور حضرت ابو موسیٰ اور حضرت شریک بن طارق کی روایت سے بزار نے نیز مؤخر الذکر راوی اور حضرت اسامہؓ بن شریک اور حضرت اسد بن کرز کی روایت سے طبرانی نے نقل کی ہے لیکن ان تمام احادیث کا تعدد آیت ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ سے ہوتا ہے (کیونکہ آیت میں اعمال کو داخلہ جنت کا سبب بتلایا گیا ہے) اس کا جواب صرف یہ ہو سکتا ہے کہ جنت کے اندر مختلف مدارج و مراتب ہیں جن کا حصول اعمال پر موقوف ہے آیت کا یہی مطلب ہے باقی ابتدائی داخلہ اور دوامی سکونت یہ اللہ کے فضل و رحمت کی ممنون ہے احادیث کا یہی مقصد ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول کا بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ تم پہل صراط سے گزرو گے اللہ کی معافی کی وجہ سے اور جنت میں داخل ہو گے اللہ کی رحمت سے اور (جنت کے اندر) تمہارے حصے میں (مختلف) منازل آئیں گے تمہارے اعمال کے موافق۔ رواہ ہنادی الزہد۔ ابو نعیم نے عون بن عبد اللہ کی سند سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے۔

وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ وہ رحمت یا جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ مستقل جملہ ماقبل کی تاکید بھی کر رہا ہے اور اس امر کی طرف اشارہ بھی کہ رحمت (یعنی ابتدائی داخلہ) مستقل نعمت ہے اور جنت کے اندر ہمیشہ کا قیام یہ الگ مستقل نعمت ہے۔

تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۝ یہ اللہ کی آیات ہیں جن کے اندر (جنت و رحمت کا) وعدہ اور دوزخ و عذاب سے وعید ہے۔ ہم آپ کو پڑھ کر سنارہے ہیں اور یہ آیات برحق ہیں کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔

وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظَلَمًا لِّلْعَالَمِينَ ۝ اور اللہ اہل جہان پر ظلم کرنا نہیں چاہتا کیونکہ اس کی طرف سے ظلم ہونے کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ وہ مالک مطلق ہے اپنی ملکیت میں جیسا چاہتا ہے کرتا ہے اس پر نہ کچھ کرنا لازم ہے نہ نہ کرنے اور جب کوئی چیز اس پر واجب ہی نہیں ہے تو ظلم کیسا؟ (ظلم تو ترک واجب کو کہتے ہیں)۔

میں کہتا ہوں آیت کی مراد بظاہر یہ ہے کہ اللہ بندوں کے معاملات میں ظلم کرنا نہیں چاہتا کہ نیکی کرنے والے کے ثواب کو گھٹا دے یا جرم کرنے والے کی سزا کو جرم کی مقدار سے بڑھا دے اور کفر چونکہ سب سے بڑا گناہ ہے اس لئے اس کا عذاب بھی سب گناہوں کے عذاب سے زیادہ اور دائمی ہو گا۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

اسی کی ملک۔

وَالِی اللّٰہِ تُرْجِعُ الْاُمُوْرَ

جز اسز اوے گا۔

کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ

اور آسمان وزمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے اسی کی مخلوق ہے اور

اور اللہ ہی کی طرف تمام امور کی آخری واپسی ہوگی پس وہی وعدہ اور وعید کے موافق

بغوی نے عکرمہ کا بیان نقل کیا ہے کہ مالک بن الصیف اور وہب بن یسود یسودی تھے، ان دونوں نے حضرت ابن مسعود اور حضرت معاذ بن جبل اور حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ سے کہا ہم تم سے افضل ہیں اور ہمارا مذہب اس دین سے بہتر ہے جس کی دعوت تم ہم کو دیتے ہو اس پر مندرجہ آیت نازل ہوئی۔ خیر کی اضافت امت کی جانب اضافت صفت الی الموصوف ہے (یعنی واقع میں معنی کے لحاظ سے خیر صفت اور امت موصوف ہے)۔

﴿..... ایک شبہ﴾

کُنْتُمْ ماضی کا صیغہ ہے یعنی ماضی میں تم بہترین امت تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب بہترین نہیں رہے نہ آئندہ بہترین رہنے کی کوئی صراحت ہے۔

جواب :- بے شک گان ماضی ہے جو زمانہ ماضی میں کسی چیز کے ثبوت پر دلالت کر رہا ہے لیکن اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ثبوت ماضی منقطع ہو گیا یا آئندہ منقطع ہو جائے گا اس کی تعیین تو خارجی قرینہ سے ہی ہوتی ہے (جیسے زید نے اگر سر ہو کر کھانا کھالیا ہو اور کوئی کہے کہ زید دو گھنٹے پہلے بھوکا تھا یہاں قرینہ موجود ہے کہ زید اس وقت بھوکا نہیں ہے بھوک کا زمانہ ختم ہو گیا اگر انقطاع ماضی یا انقطاع مستقبل کا خارجی قرینہ موجود نہ ہو تو استمرار ہی سمجھا جائے گا جیسے) اللہ نے فرمایا ہے وکان اللہ غفورا رحیما (یعنی اللہ کا غفور و رحیم ہونا کسی خاص زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اگرچہ اس جگہ یہی کان صیغہ ماضی موجود ہے) پس کُنْتُمْ خیر امة کی آیت دلالت کر رہی ہے کہ وہ ماضی میں بھی بہترین تھے اور وقت خطاب میں بہترین ہیں اور آئندہ بھی بہترین ہوں گے۔

جس طرح آیت تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ میں (مضارع کے صیغہ استعمال کئے ہیں جو حال اور مستقبل دونوں پر دلالت کرتے ہیں) یہ بھی احتمال ہے کہ امت اسلامیہ کے خیر الامم ہونے سے مراد یہ ہو کہ تم علم الہی میں خیر الامم تھے یا ذکر کے وقت گزشتہ اقوام میں خیر الامم تھے۔

اُخْرِجَتْ وہ بہترین امت جو ظاہر کی گئی (عدم سے وجود میں لائی گئی) اور پیدا کی گئی ہے کُنْتُمْ کے مخاطب یا تو صحابہ ہیں، بروایت ضحاک جویر نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا کہ کُنْتُمْ خیر امت ہمارے اولین کیلئے ہے پچھلوں کیلئے نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر اللہ چاہتا تو بجائے کُنْتُمْ کے انتم فرماتا لیکن اس نے کُنْتُمْ صرف صحابہ کیلئے اور ان لوگوں کیلئے جنہوں نے صحابیوں کی طرح کام کئے فرمایا۔ یا مخاطب عام امت محمدیہ ہے دونوں مضمون نصوص سے ثابت ہیں اور یہی اجماع امت کا فیصلہ ہے کیونکہ امت اسلامیہ تمام امتوں سے افضل ہے اور امت اسلامیہ میں قرن صحابہ افضل ہے۔

اللہ نے فرمایا ہے وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرْثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ۔ دوسری آیت ہے ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفٰیْنَا مِنْ عِبَادِنا لَخ اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے جب تک میں داخل نہ

لا حاشیہ از مولف، قنادہ کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آیت کُنْتُمْ خیر امت الخ تلاوت کی پھر فرمایا لوگو! جس کو اس امت میں داخل ہونے سے خوشی ہوتی ہو جو سب لوگوں کی ہدایت کیلئے پیدا کی گئی ہے تو ان شرطا الہیہ کو لو اگر ملازم ہے جو اللہ نے اس امت کیلئے مقرر کر دی ہیں۔

ہو جاؤں جنت میں داخلہ انبیاء کے لئے حرام کر دیا گیا ہے اور جب تک میری امت داخل نہ ہو جائے دوسری امتوں کے لئے جنت میں داخلہ حرام کر دیا گیا ہے۔ رواہ الطبرانی بسند حسن عن عمر بن الخطاب۔

طبرانی کی مرفوع روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ جنت تمام امتوں کے لئے حرام کر دی گئی ہے تا وقتیکہ میں اور میری امت یکے بعد دیگرے اس میں داخل نہ ہو جائیں۔ امام احمد اور بزار اور طبرانی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے یقینی امید ہے کہ جنہوں نے میری پیروی کی وہ (کل) جنت والوں کے ایک چوتھائی ہوں گے پھر فرمایا مجھے امید ہے کہ وہ آدھے ہوں گے۔

ترمذی نے بسند حسن اور حاکم نے سند صحیح بیان کیا ہے کہ اہل جنت کی ۱۲۰ قطاریں ہوں گی جن میں ۸۰ اس امت کی اور باقی دوسری امتوں کی ہوں گی۔ طبرانی نے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے اس حدیث کے راوی حضرت ابو موسیٰ، حضرت ابن عباس حضرت معاویہ بن جندہ اور حضرت ابن مسعود رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم ستر امتوں کا تتمہ ہو اور سب سے بہتر ہو اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والے ہو۔ یہ حدیث بہز بن حکیم کے دادا کی روایت سے ابن ماجہ اور دارمی نے بیان کی ہے اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے اور بغوی نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بھی اس کو بیان کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میری امت کی مثال ایسی ہے جیسے بارش کہ معلوم نہیں اس کا ابتدائی حصہ بہتر ہے یا آخری حصہ۔ یہ حدیث ترمذی نے حضرت انسؓ اور حضرت جعفر بن محمد کے دادا کی روایت سے بیان کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے معاف فرمادی میری امت کے لئے بھول چوک اور وہ گناہ جس پر اسکو مجبور کیا گیا ہو۔ یہ حدیث بیہقی اور ابن ماجہ نے بیان کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہترین لوگ میرے دور کے ہیں پھر وہ لوگ ہیں جو ان سے متصل ہوں گے اس کے بعد وہ لوگ ہیں جو ان کے بعد ہوں گے پھر ایسے لوگ آپس کے جن میں سے بعض کی شہادت قسم سے پہلے اور قسم شہادت سے پہلے ہوگی۔ یہ حدیث حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے شیخین اور ترمذی اور احمد اور طبرانی نے بیان کی ہے اور ایسی ہی حدیث مسلم نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے اور ترمذی و حاکم نے حضرت عمران بن حصین کی روایت سے بیان کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے اصحاب کو گالی نہ دو کیونکہ تم میں سے اگر کوئی (کوہ) احد کے برابر سونا راہ خدا میں خرچ کرے گا تو ان کے سیر بھر بلکہ آدھے سیر (خرچ کرنے کے درجہ) کو بھی نہیں پہنچے گا۔ یہ حدیث شیخین نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہؓ میں سے جو کوئی کسی زمین میں مرے گا قیامت کے دن وہ ان لوگوں کے (یعنی اس زمین والوں کے) لئے قاسم پور نور راہ بنا کر اٹھایا جائے گا۔ یہ حدیث ترمذی نے حضرت بریدہؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔

لِّلنَّاسِ لُغُوں کے لئے۔ اس لفظ کا تعلق خیر سے ہے یعنی تم لوگوں کے لئے خیر ہو۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا، لوگوں کے لئے سب لوگوں سے زیادہ بہتر ہو کہ وہ زنجیروں میں بندھے آتے ہیں اور تم ان کو اسلام میں داخل کر لیتے ہو۔

میں کہتا ہوں کہ گزشتہ اقوام سے زیادہ اس امت کے مبلغین و مرشدین کی ہدایت میں اثر ہے کہ لوگوں کو بھیج کر اللہ کی طرف لے جاتے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، قطب الارشاد اور شاہ ولایت تھے گزشتہ امتوں میں سے کوئی بھی آپ کی روحانی وساطت کے بغیر درجہ ولایت تک نہیں پہنچ سکا پھر آپ کی اولاد میں سے آئمہ کرام اس منصب پر فائز ہوئے جس کا سلسلہ امام حسنؓ عسکری اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تک مسلسل پہنچا، اسی لئے حضرت شیخ جیلانیؒ نے فرمایا دو قنبل قبل قلسی قد صفالی۔ آپ اس منصب پر قیامت تک فائز رہیں گے اسی لئے آپؐ نے فرمایا تھا۔ افلت شمس الاولین و

شمسنا: ابدًا علیٰ افق العلیٰ لا تغرب۔ پہلے لوگوں کے سورج چھپ گئے اور ہمارا سورج ہمیشہ بلندی پر رہے گا کبھی غروب نہ ہوگا۔ بعض لوگوں کے نزدیک للناس کا تعلق اخرجت سے ہے یعنی لوگوں کے لئے تم کو پیدا کیا گیا ہے۔
تَامُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
ہے۔ یا پورا جملہ امت کی صفت ہے یعنی جو امتیں ان صفات کی حامل تھیں ان سب سے تم افضل ہو۔

وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ
یعنی تم نیکی کا حکم دیے ہو بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ ایمان باللہ سے مراد بعض علماء کے نزدیک ہر اس چیز پر ایمان لانا ہے جس پر ایمان لانا ضروری ہے کیونکہ ایسا ہی ایمان قابل اعتبار ہے (صرف اللہ کو ماننا اور کل یا بعض پیغمبروں کا انکار کر دینا قیامت کو نہ ماننا ایمان باللہ کے خلاف ہے) باوجودیکہ اہل کتاب (بعض پیغمبروں اور بعض کتابوں کو مانتے تھے مگر سب پیغمبروں اور کل کتابوں کو نہیں مانتے تھے مگر) اللہ پر ایمان رکھتے تھے پھر بھی اللہ نے ان کے متعلق فرمایا ولو امن اهل الكتاب۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم واقف ہو کہ اللہ واحد پر ایمان لانا کیا (معنی رکھتا) ہے صحابہؓ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بخوبی واقف ہے فرمایا (ایمان باللہ ہے) لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی شہادت دینا اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا اور رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت کا پانچواں حصہ دینا۔ شیخین فی الصحیحین سوال :- ہوتا تو یہ چاہئے تھا کہ ایمان باللہ کا ذکر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے پہلے کیا جاتا، کیونکہ ایمان کا درجہ مقدم ہے۔ اعمال خیر ایمان پر مبنی ہیں لیکن آیت میں ایمان کا ذکر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے بعد کو کیا گیا۔

﴿ جواب ﴾

اس تقدیم و تاخیر سے اس امر پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایمان باللہ اور تصدیق قلبی کے ساتھ کرتے ہیں دکھاوٹ کے لئے نہیں کرتے گویا تو مومن باللہ امر بالمعروف کی خصوصی شرط ہے یا مؤخر ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آئندہ جملہ کے ساتھ ارتباط ہو جائے۔

وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ
یعنی تمہاری طرح تمام اہل کتاب ایمان لے آتے۔
توان کے لئے بہتر ہوتا کیونکہ اس وقت ان کا شمول بھی خیر الامم میں ہو جاتا۔
میں کہتا ہوں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایمان باللہ سے مراد ہو حقیقی ایمان یعنی دل کو ماسوا کے خیال سے پاک اور نفس کو بری خصلتوں سے صاف کرنا اور ایسی خالص محبت کو دل میں بھانا جس میں کسی ذاتی غرض کی آمیزش نہ ہو، نہ دنیوی لالچ ہو، نہ دینی۔

مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُونَ
اہل کتاب میں سے کچھ لوگ قابل اعتبار ایمان رکھتے ہیں جیسے حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ۔

وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ⑤
اور ان میں اکثر ایمان سے خارج ہیں۔ یہ جملہ سابق (ولو امن اهل الكتاب) کا بیان ہے کیونکہ جملہ سابقہ میں تمام اہل کتاب کا ایمان لانا مراد ہے اور موجود بعض کا ایمان ہے اکثر کافر ہیں۔ ولو امن اهل الكتاب سے ان اہل کتاب کو بدگمانی پیدا ہو سکتی تھی جو سچے دل سے مسلمان ہو گئے تھے (کہ اللہ کے نزدیک ہمارا ایمان شاید معتبر نہیں ہے) اس بدگمانی کو دفع کرنے کے لئے منهم المؤمنون فرمادیا۔

لَنْ يَضُرَّكُمْ وَلَا أَذًى
وہ تم کو ہرگز ضرر نہ پہنچا سکیں گے سوائے معمولی تکلیف کے یعنی زبان وغیرہ سے تکلیف کے علاوہ (کوئی جانی و مالی دکھ نہیں پہنچا سکیں گے) مقاتل کا بیان ہے کہ جب سرداران یسود نے مسلمان اہل کتاب (جیسے عبد اللہ بن سلام وغیرہ) کو ضرر پہنچانے کا ارادہ کیا تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی تاکہ مسلمان اہل کتاب کو تسلی ہو۔

وَلَا يَنْفَعُكُمْ تَوَلَّوْكُمْ إِلَّا دَبَّارَةٌ
اور اے مسلمانو! اگر وہ یہودی تم سے لڑیں گے تو پیٹھ دے کر شکست کھا کر بھاگیں گے اور قتل و غارت یا قید کا دکھ تم کو نہ پہنچا سکیں گے۔

ثُمَّ لَا يَنْصَرُونَ ۝
پھر ان کو فتح نہیں مل سکتی فتح تمہاری ہی ہوگی۔ یہ آیت گذشتہ لایضر وکم کا بیان ہے اور ایک (سجی) پیشین گوئی ہے کیونکہ بنی قریظہ، بنی نضیر، اہل خیبر و فدک کا یہی حال ہوا۔

ضَرَبْتُ عَلَيْكُمْ الدِّينَ
ان یہودیوں پر دلت کی مر لگادی گئی ہے یعنی ان کی جان اہل و عیال اور مال کو مباح کر دیا گیا ہے۔

أَيُّنَ مَا تُقِفُوا
جہاں بھی پائے جائیں۔
إِلَّا بِحَبْلِ مِنَ اللَّهِ
مگر قرآن یا دین اسلام کی وجہ سے (ان کی حفاظت ہو سکتی ہے) جس نے امن طلب

کافروں اور ذمیوں سے تعرض نہ کرنے کا حکم دیا ہے اللہ نے فرمایا اِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَاجْرَهُ دوسری جگہ فرمایا ہے حتیٰ يعطوا الجزية من يدوهم صاغرون۔

وَحَبْلِ مِنَ النَّاسِ
اور مسلمانوں کے عہد سے یعنی امان طلبی کے اگر مسلمان امان دہی کا عہد کر لیں یا قبول

جزیہ کے بعد عقد ذمہ ہو جائے (تو یہودیوں کا جانی و مال محفوظ ہو جائے گا) گویا حبل اللہ اور حبل من الناس سے ایک ہی مراد ہے (یعنی عقد ذمہ بعد قبول الجزیہ یا امان دہی) اگر دونوں جدا جدا چیزیں ہوتیں تو دونوں کے درمیان واو عاطفہ نہ ہوتا بلکہ او ہوتا۔

وَبَاءٌ وَيَغْضَبُ مِنَ اللَّهِ
اور اللہ کے غضب کے سزاوار ہو کر اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹیں گے یعنی

میں گے یا مرنے کے بعد زندہ ہوں گے۔ اللہ نے فرمایا ہے کنتم امواتا فاحیاء کم ثم یمیتکم ثم یحییکم۔
اور مسکینی یعنی کنجوسی اور حرص کا احاطہ ان پر کر دیا گیا جیسے نصب کردہ ڈیرہ

خیمہ اپنے اندر رہنے والوں کو گھیرے ہوئے ہوتا ہے۔ کنجوس آدمی مال خرچ نہیں کرتا، ہمیشہ مسکینوں کے حلیہ میں رہتا ہے اور حرص ہمیشہ کمائی کی کوشش اور مشقت میں لگا رہتا ہے۔ بیضادی نے لکھا ہے کہ یہودی بیشتر فقیر اور مساکین ہوتے ہیں (یعنی باوجود مالدار ہونے کے فقیروں کی طرح بھیک مانگتے، مقلسی دکھاتے اور مال کو چھپائے رہتے ہیں)۔

ذَلِكَ
یہ ذلت مسکینی اور غضب خدا کی مراد لئے ہے۔
بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ
کہ وہ کفر کرتے رہے ہیں۔

بِآيَاتِ اللَّهِ
اللہ کی آیات کا
وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ
اور انبیاء کو قتل کرتے رہے ہیں۔

بِغَيْرِ حَقٍّ
ناحق۔ یعنی وہ چانتے رہے ہیں کہ انبیاء کو قتل کرنا ظلم اور خلاف حق ہے مطلب یہ کہ مذکورہ بالا ذلت و خوارگی اور غضب کی مار ان پر کفر اور قتل انبیاء کی پاداش میں پڑی۔

ذَلِكَ
یہ کفر اور قتل انبیاء۔
بِمَا عَصَوْا
ضد اور عناد کے زیر اثر قصد اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے ہوا۔

وَكَاَنُوا يَعْتَدُونَ ۝
اور اس وجہ سے بھی کہ وہ اللہ کے ضوابط سے سرکشی کرتے رہے۔ بعض علماء کے نزدیک

ذکر دوم کا اشاریہ بھی وہی دنیوی ذلت اور اخروی استحقاق عذاب ہے اور ذلت و استحقاق عذاب کی دو علتیں ہیں ایک کفر و قتل انبیاء اور دوسری معصیت و تجاوز از ضوابط کیونکہ وہ فرعی احکام کے بھی مکلف تھے (پس اصول کی مخالفت اور فردعی احکام کی خلاف ورزی دونوں دنیوی ذلت اور اخروی استحقاق عذاب کی موجب ہیں) میں کہتا ہوں کہ اس تفسیر پر دوسرے ذلک پر

حرف عاطف لانا چاہئے تھا۔
مثلاً

ابن مندہ نے الصحابہ میں اور ابن ابی حاتم اور طبرانی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب حضرت عبد اللہ بن سلام اور ثعلبہ بن شعبہ اور اسید بن عتبہ اور اسد بن عبید اور ان کے ساتھ دوسرے یہودی مسلمان ہو گئے اور ایمان لے آئے اور اسلام کی انہوں نے تصدیق کی اور دل سے اسلام کی طرف راغب ہوئے تو علماء یہود نے کہا کہ محمد پر ایمان لانے والے اور ان کی پیروی کرنے والے صرف وہی لوگ ہیں جو ہم میں برے تھے اگر اچھے ہوتے تو اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر دوسرے کی طرف نہ جاتے، اس پر اللہ نے نازل فرمایا لیسوا سواء الی قولہ من الصالحین۔

احمد اور نسائی اور ابن حبان نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا کہ (ایک روز رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز میں تاخیر کر دی پھر دیر کے بعد (نبوت کدہ ہے) برآمد ہو کر مسجد میں تشریف لائے لوگ نماز کے منتظر تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا خبردار ہو جاؤ کہ اس وقت کسی مذہب کا کوئی شخص تمہارے سوال اللہ کی یاد نہیں کرتا اور یہ آیت نازل ہوئی۔

لَیْسُوْا سَوَآءٌ یعنی تمام یہودی مذکورہ برائیوں میں برابر نہیں ان میں سے ہی بعض لوگ ان کے برعکس ہیں جس کی وضاحت یہ ہے کہ

مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ اہل کتاب میں سے ہی ایک گروہ ہے جو نماز میں کھڑا رہتا ہے۔ قائمۃ سے مراد ہے نماز میں کھڑا رہنے والا۔ لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے مراد ہے ہدایت یافتہ اللہ کے امر پر قائم رہنے والا۔ مجاہدؒ نے کہا امت عادلہ مراد ہے۔ یہ لفظ اس جگہ اَقَمْتُ الْعُودَ سے ماخوذ ہے، میں نے لکڑی کو سیدھا کر دیا۔ سدی نے کہا فرماں بردار، اللہ کی کتاب اور ضوابط کا پابند گروہ مراد ہے۔ امۃ قائمۃ سے مراد ہیں حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی یہودی مسلمان۔

یَتْلُوْنَ آیَاتِ اللّٰهِ اُنَّاءَ الْیَلِ جو اللہ کی آیات یعنی قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ اوقات شب میں۔ یعنی کھڑے ہوتے ہیں اور پڑھتے ہیں اوقات شب میں اناء جمع ہے اس کا مفرد اُنَّی ہے۔

وَهُمْ یَسْجُدُوْنَ ۝ ایسی حالت میں کہ وہ سجدے کرتے ہیں یعنی نماز پڑھتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا عشاء کی نماز مراد ہے کیونکہ اہل کتاب عشاء کی نماز نہیں پڑھتے ہیں (یعنی ان کے مذہب میں عشاء کی نماز فرض نہیں ہے)۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ایک رات ہم عشاء کی نماز کا انتظار کرتے رہے ایک تہائی رات گزر جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ برآمد ہوئے ہم کو نہیں معلوم کہ تاخیر کا باعث کوئی کام تھا یا کوئی اور وجہ تھی۔ تشریف لا کر فرمایا تم نماز کے انتظار میں ہو (اس وقت) تمہارے علاوہ کسی اور مذہب والا نماز کا انتظار نہیں کرتا۔ اگر امت پر بار پڑنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ان کو اسی وقت نماز پڑھایا کرتا۔ پھر آپ نے حکم دیا مؤذن نے اقامت کہی اور آپ نے (لوگوں کے ساتھ) نماز پڑھی۔ رواہ مسلم۔

میں کہتا ہوں سیاق کلام سے ظاہر یہ ہے کہ تہجد کی نماز مراد ہے عشاء کی نماز مراد نہیں ہے کیونکہ آیت کی رفتار کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی دوائی حالت یہ ہے (کہ اوقات شب میں نماز پڑھتے اور قیام کھتے ہیں) رہا تاخیر عشاء کا قصہ وہ ضرور ایک واقعہ ہے (دوائی عادت نہیں) پھر اس قصہ کے سلسلہ میں اس آیت کا نازل ہونا عجیب میں مذکور نہیں۔ اس کے علاوہ یتلون جمع کا صیغہ ہے اور عشاء کی نماز میں قرأت کرنے والا صرف امام ہوتا ہے۔ دوسرے لوگوں کو مجازاً ہی قرأت کرنے والا کہا جاسکتا ہے۔ عطاء نے کہا کہ امۃ قائمۃ سے مراد ہیں نجران کے چالیس اور حبش کے تیس اور روم کے آٹھ آدمی یہ سب عیسائی تھے جنہوں نے (بعثت سے پہلے ہی) رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی تھی اور رسول اللہ ﷺ کی ہجرت سے پہلے انصار کی ان سے دوستی تھی۔ انصاریوں میں سے اسعد بن زرارہ اور براء بن معرور اور محمد بن مسلمہ اور محمود بن مسلمہ اور ابو قیس صرمہ بن انس

ان کے دوست تھے چونکہ شریعت حنیفہ (ملت ابراہیمی) سے یہ لوگ واقف تھے اس لئے غسل جنابت کرتے اور رات کو نماز پڑھتے تھے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ مبعوث ہو گئے تو سب نے آپ ﷺ کی تصدیق کی اور مدد دی۔
وہ اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔

يَوْمُنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ ط

اور نیک کاموں میں تیزی سے بڑھتے ہیں کیونکہ ان کو اللہ سے کامل خوف ہے اور ان کے ہوا و ہوس کا سلسلہ کوتاہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس سے پہلے کہ ایسا بڑھایا آجائے جس میں سر پہنے لگے یا غفلت کی حالت میں موت آجائے یا (حرکت سے) روک دینے والی بیماری پیدا ہو جائے یا ناامید گردینے والی تاخیر آجائے نیک اعمال کر لو۔ رواہ البیہقی عن ابی امامہ۔

چونکہ یہودیوں کے اوصاف و اطوار قبیحہ متعدد تھے، حق سے منحرف تھے، دن رات خواب غفلت میں سرشار تھے، مشرک تھے، اللہ کی صفات کے عقیدہ میں کج روی تھے، آخرت کا عقیدہ رکھتے تھے، مگر غلط طور پر۔ بری باتوں کا حکم دیتے اور اچھے کاموں سے روکتے اور خود تیزی سے برائیوں میں گھستے تھے اس لئے آیات مذکورہ میں امۃ قائمۃ کے ایسے متعدد اوصاف بیان کئے جو یہودیوں کے اوصاف کی ضد تھے۔

وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّٰلِحِينَ ﴿۱۵﴾ اور اوصاف مذکورہ کے پورے پورے حامل صالحین میں سے ہیں یعنی ان لوگوں میں ان کا شمول ہے جن کے دل درست اور نفوس پاکیزہ ہیں اور پاکیزگی قلب و نفس کی وجہ سے ان کے جسم بھی حامل صلاح ہیں۔

وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوْهُ ۖ وہ جو نیکی کریں گے اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی۔ یعنی ہم نہ اس نیکی کو گھٹائیں گے نہ ثواب میں کمی کریں گے۔ جس طرح تکمیلِ ثواب کو شکر کہا گیا ہے اسی طرح ثواب سے محرومی یا ثواب کے نقصان کو ناشکری فرمایا۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۶﴾ اور اللہ تقویٰ والوں سے خوب واقف ہے یہ جملہ متقیوں کے لئے بشارت بھی ہے اور ناقدری نہ ہونے کی علت بھی ہے کیونکہ کریم کا اپنے بندہ کی نیکیوں کو جان لینا ہی اچھا ہدہ عطا فرمانے کی علت ہے۔ اس آیت میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ اوصاف مذکورہ سے جو لوگ متصف ہیں وہ صالح بھی ہیں اور متقی بھی۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّٰرِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُونَ ﴿۱۷﴾ جن لوگوں نے کفر کیا (اور کفر پر مرے) ان کے مال و اولاد اللہ کے عذاب کو ان سے بالکل دفع نہیں کر سکیں گے، وہ دوزخی ہوں گے اور وہی دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ اس آیت کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔ دیکھو آغازِ سموت۔

مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِثْلُ شَخْصٍ يَّسْتَفِقُّ يَدِيْنِیْ اور فخر کا مظاہرہ کرنے کے لئے خرچ کرنا جیسے کفار قریش میں کرتے تھے یا ثواب کی امید میں خرچ کرنا جیسے یہودی اپنے علماء کے لئے اور کفار قریش بتوں کے لئے کرتے تھے یا دکھاوت کے لئے خرچ کرنا جیسے منافق کرتے تھے اس کی حالت ایسی ہے۔

کَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صُرٌّ جیسے وہ ہوا جس میں سخت سردی ہو۔ صُرٌّ سخت سردی (قاموس) ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول آیا ہے کہ صر سخت گرم اور ہلاک کر دینے والی لوگو کہتے ہیں۔
أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَاْهْلَكَتْہُمْ کسی ایسے گروہ کی کھیتی کو لگ جائے جس نے کفر و معصیت و بدکاری کی وجہ سے خود اپنے پر ظلم کیا ہو پھر اس کھیتی کو تباہ کر دے۔

مطلب یہ کہ جس طرح سخت سرد ہوایا جلاؤالنے والی لو ظالموں کی کھیتی کو تباہ کر دیتی ہے۔ اسی طرح کافروں کا مال خراج کرنا بھی تباہی کا موجب ہے کیونکہ ایسا خراج اللہ کے عذاب کو لاتا ہے یا مال کو بالکل برباد کر دیتا ہے کہ نہ دنیا میں اس کا کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہے نہ آخرت کے لئے ذخیرہ ہوتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ماینفقون میں ما موصولہ ہو اور تشبیہ مرکب ہو ایک قصہ کو دوسرے سے تشبیہ دی ہے اسی لئے حرف تشبیہ کو حرف پرداختل کرنے کی بجائے ریح پرداختل کر دیا (حالانکہ ریح مشبہ نہیں ہے) یہ بھی جائز ہے کہ ضائع کردہ مال کو کھیتی سے تشبیہ دی گئی ہو لیکن اس وقت ریح سے پہلے لفظ مہلک محذوف قرار دیا جائے گا یعنی وہ کھیتی جو ریح کی وجہ سے تباہ ہو گئی ہو۔

اور اس صرف کو تارک رہا کھیتی کو تباہ کر کے اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا۔

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١٤﴾

بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے کہ مال کو ایسے طریقہ پر صرف کرتے تھے جو اللہ کے ہاں فائدہ رساں نہیں تھا یا کھیتی والے ایسے کام کرتے تھے کہ سزا کے مستحق ہو گئے۔ ابن جریر اور ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ کچھ مسلمانوں کا میل ملاپ کچھ یہودیوں کے ساتھ تھا کیونکہ دونوں ہمسائے تھے اور جاہلیت کے زمانہ میں حلیف (ہم عہد) بھی تھے۔ اس سلسلہ میں ذیل کی آیت نازل ہوئی۔

بسمائے حق اور جاہلیت کے زمانہ میں ایک راوی (احمد بن حنبلہ) نے بیان کیا ہے کہ میں نے اپنے ایک دوست کو اپنے ایک دوست کے پاس لے گیا۔ وہ ایک مسلمان تھا۔ اس نے کہا: اے اہل ایمان اپنے لوگوں یعنی مسلمانوں کو یاد دلاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا یار غار بنا دیا۔ بطانہ رازدار اور وہ شخص جس پر اعتماد کر کے کوئی اس کو اپنے رازوں سے واقف بنا دے۔ دونوں بمعنی ادنیٰ۔ یعنی ان لوگوں کو اپنا یار غار بناؤ جو تم سے نچلے اور کم مرتبہ والے ہیں۔ اس میں مسلمانوں کی مدح ہے کہ تمہارا مرتبہ غیر مسلموں سے زیادہ ہے اور اس بات کی بھی آیت سے ہدایت (مستفاد) ہوئی ہے کہ اونچے مرتبہ والوں کے ساتھ رہو ادنیٰ لوگوں کی صحبت اختیار کرو، گوشہ نشینی برے ہم نشین سے بہتر ہے اور اچھا ہم نشین تمہاری سے بہتر ہے۔

من دو نکم کا لفظ رافضیوں، خارجیوں اور دوسرے بدعتیوں کو بھی شامل ہے اس لئے کافروں کی طرح ان کو بھی اندرونی رازدار بنانا جائز نہیں۔

لا يَأْتُونَكُمْ حَبَآئِلَهُ
یعنی جو لوگ دوسرے مذہب پر ہیں وہ تمہارے اندر شر اور بگاڑ پیدا کرنے میں کوتاہی
نہیں کریں گے بلکہ تمہارے اندر شر فساد کرنے کے لئے اپنی پوری کوشش خرچ کر دیں گے۔
وَكُذُّوا مَا عَنِتُّمْ
ما مصدری ہے یعنی تمہارا سخت دکھ اور تکلیف میں پڑ جانا وہ دل سے پسند کرتے ہیں بلکہ (کبھی)
قَدْ بَدَأَ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهٍ
دشمنی ان کے منہ سے ظاہر ہو جاتی ہے انتہائی بغض کی وجہ
سے وہ اپنے پر قابو بھی نہیں رکھتے اور ایسی باتیں کہہ گزرتے ہیں جن سے تم کو دکھ ہو۔

وَمَا تَخْفِ صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ - اور جو بغض ان کے دلوں کے اندر چھپا ہوا ہے وہ ظاہر شدہ بغض سے بہت بڑا ہے کیونکہ وہ دھوکہ اور فریب دینے کے لئے (عموماً) دوستی کا اظہار کرتے ہیں۔

قَدْ بَيَّنَّا لَكُمْ الْاٰلِيَّتْ
ہم نے تمہارے سامنے کھلی ہوئی نشانیاں کھول کر بیان کر دیں جن سے ان کی عداوت معلوم ہو جاتی ہے یا جو دلالت کر رہی ہیں کہ اللہ کا مخلص ہونا اور مؤمنوں سے دوستی رکھنا اور کافروں سے دشمنی کرنا واجب ہے۔ مذکورہ بالا چاروں جملے علیحدہ علیحدہ مستقل ہیں اور عدم موالات کی علت ہیں یا پہلے تین جملے بطانۃ کے اوصاف ہیں۔ بہر صورت کلام سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم مسلمان سے اس کے ایمان کی وجہ سے دشمنی نہ رکھتا ہو اور شر و فساد اس کا مقصود نہ ہو یا رشتہ داری اور قرابت کی وجہ سے مسلمان سے مودت رکھتا ہو اس سے موالات کرنے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ مسلمان ہونے سے پہلے حضرت عباسؓ اور رسول اللہ کے درمیان معاملہ تھا یا ابو طالب اور رسول اللہ ﷺ کا تعلق تھا۔ حضرت عباسؓ راوی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ابو طالب کو آپ نے کچھ فائدہ پہنچایا وہ تو آپ کے ارد گرد گھومتے رہتے تھے (یعنی آپ کی حفاظت کرتے تھے) اور آپ کی حمایت میں دوسروں پر غصہ کرتے تھے فرمایا ہاں وہ ٹخنوں تک

آگ میں ہے لیکن اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے نچلے طبقہ میں ہوتا۔ رواہ مسلم۔ اسی طرح بزائے حضرت جابرؓ کی روایت سے اور مسلم نے حضرت حذیفہؓ اور حضرت ابوسعیدؓ خدری کی روایت سے بیان کیا ہے۔

یہ شرطیہ جملہ ہے جس کو جزاء کی ضرورت نہیں کیونکہ کلام سابق مفہوم جزاء پر دلالت کر رہا ہے یعنی اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو کافروں کی اندرونی دوستی سے باز رہو ان کو دشمن ہی سمجھو اللہ سے خلوص رکھو اور مسلمانوں سے موالات کرو۔

ہَا أَنْتُمْ أَوْلَىٰ لَهُمْ تَحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ
دیکھو تم تو قرابت یا دوستی کے پیش نظر ان سے محبت کرتے ہو حالانکہ وہ اختلاف مذہب کی وجہ سے تم سے محبت نہیں کرتے (یہ عجیب بات ہے)۔

وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ
باوجودیکہ تم ہی سب کتابوں پر ایمان رکھتے ہو یا پوری تورات پر تمہارا ہی ایمان ہے۔ اول مطلب پر الکتاب میں الف لام جنسی ہو گا اور دوسری صورت میں عمدی۔ اس جملہ میں واو حال ہے اور مبتدا محذوف ہے اصل کلام وَأَنْتُمْ تُوْمِنُونَ بِالْكِتَابِ تھا۔ ائمہ (مندالیہ) کو تو مؤمنون (خبر فعلی) سے پہلے لانا مفید حصر ہے یعنی تم ہی ایمان رکھتے ہو کافر تمام کتابوں پر یا پوری تورات پر ایمان نہیں رکھتے کیونکہ تورات کے اندر جو نبی ﷺ کے لوصاف کا بیان ہے اس کو نہیں مانتے اس بیان میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ جتنے تم لوگ حق پر مضبوط ہو اس سے زیادہ وہ باطل پر سخت ہیں۔

وَلَا ذَا الْقُرْآنِ قَالُوا آمَنَّا
جب وہ تم سے ملتے ہیں تو اتفاق کے ساتھ کہتے ہیں ہم تمہاری طرح محمدؐ اور قرآن کو مانتے ہیں۔

وَلَا ذَا آخِلُوا عَصُوا عَلَيْكُمْ الْأَكْنَ مِلَّ مِنَ الْغَيْظِ
اور جب تمہاری میں (اپنے ہم مشرب لوگوں کے ساتھ) ہوتے ہیں تو غصہ سے تم پر انگلیاں کاٹتے ہیں۔ صحاح میں ہے کہ غیظ کا معنی ہے شدت غضب یعنی وہ حرارت جو دل کے خون کے جوش میں آنے کی وجہ سے انسان محسوس کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب وہ تمہاری سلطنت دیکھتے ہیں اور تم کو ضرر پہنچانے کا کوئی راستہ ان کو نہیں مل جاتا تو شدت غضب کی وجہ سے نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ اپنی انگلیاں چباتے ہیں یا اس سبب سے انگلیاں چباتے ہیں کہ اظہار ایمان کے سوال ان کے لئے کوئی چارہ نہیں ہوتا اور وہ دل سے اس کو پسند نہیں کرتے۔ انگلیاں کاٹنے سے مراد مجازاً شدت غضب بھی ہو سکتی ہے، خواہ واقع میں انہوں نے انگلیاں نہ کاٹی ہوں۔

قُلْ
آپ کہہ دیں۔ یہ خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے یا ہر مسلمان کو ہے آئندہ کلام میں مسلمانوں کو کافروں کی عدولت پر برا بیچتے کیا گیا ہے اور اس طرح خطاب کرنے پر ابھرا گیا ہے جیسے دشمنوں سے خطاب کیا جاتا ہے کیونکہ زخم شمشیر سے بھی زخم زبان تکلیف دہ ہوتا ہے۔

مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ
یعنی اے کافرو! اور منافقو! اپنے غصہ سے خود مر جاؤ۔ مطلب یہ کہ اسلام کی شان یونہی بڑھتی رہے گی اور تم اسلام کی شوکت دیکھ کر ہمیشہ جلتے اور مرتے رہو۔ اس کلام میں ایک خوبی یہ ہے کہ جس کے لئے بد دعا کی جارہی ہے اس کی طرف کلام کا رخ نہیں ہے بلکہ دعا اللہ سے کی گئی ہے۔ بظاہر کلام میں دو باتیں ہیں لول کافروں کو اس امر کی اطلاع ہے کہ آئندہ بھی تمہارے سامنے کوئی ایسی صورت نہیں آئے گی جو تمہارے لئے خوش کن ہو۔ دوسرے اس بات پر آگاہی دینا ہے کہ جو عداوت تمہارے دلوں میں ہے ہم اس سے واقف ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ
یہ حقیقت ہے کہ اللہ دلوں میں چھپی ہوئی باتوں سے خوب واقف ہے یعنی تمہارے دلوں کے اندر جو شدت غضب پوشیدہ ہے اس کو اللہ جانتا ہے۔

یہ جملہ یا تو موتو بغیضکم کی طرح قل کے ذیل میں داخل ہے یعنی تم ان سے موتو بغیضکم بھی کہہ دو اور إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ بھی کہہ دو۔ یا مستقل اور الگ جملہ ہے یعنی اے مسلمانو! تم اگرچہ واقف نہیں کہ کافروں کو تم سے قلبی محبت نہیں ہے اور وہ غصہ سے تم پر اپنی انگلیاں چباتے ہیں مگر اللہ تو واقف ہے اس لئے تم پر لازم ہے کہ اللہ نے تم کو

جو کافروں سے بغض رکھنے کا حکم دیا ہے اس پر چلو اور باہمی تعلقات کی وجہ سے ان سے محبت نہ کرو۔
 اے مسلمانو! اگر تم کو کوئی بھلائی چھو بھی جاتی ہے مثلاً دشمن پر تم کو غلبہ
 حاصل ہو جاتا ہے، اسلام کی شوکت بڑھتی ہے، تم کو مال غنیمت یا زندگی کی فراغت نصیب ہو جاتی ہے تو ان کو دکھ پہنچتا ہے وہ
 اس سے جلتے ہیں۔ لفظ مس سے اس طرف اشارہ ہے کہ تمہاری ادنیٰ بہتری بھی ان کے لئے رنج آفریں ہوتی ہے۔
 وَلَٰنْ تُصِيبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوا بِهَا
 قحط پڑ جاتا ہے اور تمہاری روزی تنگ ہو جاتی ہے تو وہ خوب خوش ہوتے ہیں۔

وَلَٰنْ تُصِيبُوا
 وَتَتَّقُوا اور ان کی موالیات سے اور دوسرے ممنوعات سے بچتے رہو گے۔

تو ان کی مکاری تم کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے گی۔ یعنی وہ پوشیدہ طور پر جو تم کو
 ضرر پہنچانا چاہتے ہیں کچھ ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔ اللہ کا فضل اور اس کی طرف سے حفاظت جس کا وعدہ اہل صبر و تقویٰ سے کیا گیا
 ہے تمہارے شامل حال رہے گا۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ صبر اور تقویٰ کا جو شخص آہستہ آہستہ مشاق ہو جائے اور رفتہ رفتہ
 کوشش کرتا رہے وہ متاثر بھی کم ہوتا ہے پھر مومن کو ہر مصیبت کے ثواب کی امید ہوتی ہے اس لئے نعمت ملنے سے زیادہ اس کو
 مصیبت سے خوشی ہوتی ہے۔ عاشق کو اگر معلوم ہو جائے کہ اس پر جو دکھ آیا ہے وہ محبوب کا بھیجا ہوا ہے تو اس کو اس دکھ میں اتنی
 لذت حاصل ہوتی ہے جتنی نعمت میں نہیں حاصل ہوتی کیونکہ محبوب کی مرضی اور خوشی اس کو اپنی مرضی اور خوشی سے زیادہ
 لذت بخش ہوتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے تھا ارشاد فرمایا لڑکے
 اللہ کا خاطر رکھ، اللہ تیرے گمداشت کرے گا اللہ کا لحاظ رکھ، تو اپنے سامنے اللہ کو پائے گا اگر کچھ مانگے تو اللہ سے مانگ اور مدد کی
 درخواست کرے تو اللہ سے مدد طلب کر اور سمجھ لے کہ اگر سب لوگ جمع ہو کر تجھے کچھ نفع پہنچانا چاہیں تو بس اتنا ہی نفع
 پہنچائیں گے جتنا اللہ نے تیرے لئے لکھ دیا ہو گا اور اگر سب مل کر کچھ نقصان پہنچانا چاہیں گے تو صرف اتنا ہی ضرر پہنچائیں گے
 جتنا اللہ نے لکھ دیا ہے قلم اٹھا لئے گئے اور لکھی ہوئی تحریریں خشک ہو گئیں۔ رواہ احمد والترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن
 صحیح کہا ہے۔ حضرت ابو ذرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے ایک ایسی آیت معلوم ہے کہ اگر لوگ اس کو پکڑ لیں
 تو وہی ان کے لئے کافی ہے اللہ نے فرمایا ہے۔ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ رواہ
 احمد وابن ماجہ والدارمی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر میرے بندے
 میری فرمانبرداری کرتے تو میں رات میں ان پر بقدر سیرابی پانی برساتا اور دن میں سورج نکالتا اور گرج کی آواز بھی نہیں سناتا۔
 (یعنی لوگوں کی تجارت صنعت اور دوسرے کاروبار بھی خراب نہ ہوتے اور زراعت کا بھی نقصان نہ ہوتا اور نباتات و حیوانات
 پیاسے بھی نہ رہتے) رواہ احمد۔

حضرت صہیبؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے اس کے سارے کام خیر
 ہی خیر ہیں اور یہ بات مومن کے علاوہ کسی کو میسر نہیں اگر اس کو راحت ملتی ہے تو شکر کرتا ہے اور یہ شکر اس کیلئے موجب خیر
 ہوتا ہے اور کچھ دکھ پہنچتا ہے تو صبر کرتا ہے اور یہ صبر اس کے لئے موجب خیر ہوتا ہے۔ رواہ مسلم۔

إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ یقیناً اللہ ان کے اعمال کو گھیرے ہوئے ہے یعنی کفار جو مسلمانوں کو ضرر
 پہنچاتے ہیں اللہ کا علم اس کو محیط ہے وہ کافروں کو سزا دے گا اگر وہ چاہے گا تو ان کی ایذا رسانی سے تم کو محفوظ رکھے گا اور اس کی

مرضی ہوگی تو تم کو تکلیف کی جزا عنایت کرے گا۔

وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ

اور یاد کرو اس وقت کو جبکہ تم گھر سے نکل کر مسلمانوں کو لڑائی کے لئے ان کے مقامات یعنی میمنہ، میسرہ اور ساقہ میں ٹھیک کر کے بیٹھا رہے تھے۔

وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۱﴾

اور اللہ ان کے اقوال کو خوب سننے والا اور ان کی نیتوں کو جاننے والا تھا۔ حسن بصری نے فرمایا یہ واقعہ جنگ بدر کا تھا اور مقاتل کے نزدیک جنگ احزاب کا اور باقی اہل تفسیر کے نزدیک جنگ احد کا یہی قول صحیح ہے۔

ابن ابی حاتم اور ابو یعلیٰ نے بیان کیا ہے کہ حضرت مسور بن مخرمہؓ نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے کہا مجھ سے جنگ احد کا واقعہ بیان فرمائیے حضرت عبدالرحمنؓ نے فرمایا آل عمران کی ایک سو بیس آیات کے بعد والی آیات پڑھو تم کو ہمارا قصہ وہاں مل جائے گا اللہ نے فرمایا وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ الی قیولہ إِذْ هَمَّتْ طَلِيفَتَانِ يَنْكُمُ أَنْ تَفْشِلَا یہ بزدل ہو جانے والے وہ لوگ تھے جنہوں نے کافروں سے ایمان طلب کی تھی اور وَلَقَدْ كُنتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ الی میں اس آرزو کا بیان ہے جو مسلمانوں نے دشمن سے مقابلہ کے لئے کی تھی۔ اور افاں مات اوقتل انقلبتم کا قصہ یہ ہوا کہ احد کے دن شیطان نے چیخ کر کہا تھا محمد ﷺ مارے گئے اور اہل بیتؑ نے تعاسا کی صورت یہ ہوئی کہ مسلمانوں پر نیند کا دورہ پڑ گیا تھا (تاکہ خوف اور تھکان اور دہشت دور ہو جائے) حضرت عبدالرحمنؓ نے ساٹھ آیات کے آخر تک یعنی وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ تک تلاوت فرمائی اور اس کے بعد آیت لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ الْخَبْرَ ہے۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اللہ نے آل عمران کی ساٹھ آیات جنگ احد کے حالات کے بیان میں نازل فرمائیں جن کے اندر ان باتوں کو ظاہر فرمایا جو اس روز ہوئی تھیں اور جو لوگ جنگ سے غیر حاضر تھے ان پر عتاب فرمایا۔ مجاہد، کلبی اور واقدی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ صبح کو حضرت عائشہؓ کے مکان سے برآمد ہوئے اور پیادہ چل کر احد تک پہنچے اور لڑائی کے لئے اپنے ساتھیوں کی صف بندی (ایسی سیدھی) کرنے لگے جیسے تیر سیدھا کیا جاتا ہے۔ ابن جریر اور بیہقی نے دلائل میں ابن اسحاق کے حوالہ سے اور عبدالرزاق نے مصنف میں معمر کی وساطت سے زہری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ۱۲ شوال ۳ھ کو بروز بدھ تین ہزار مشرکوں نے احد میں پڑاؤ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ طلب کیا اور عبد اللہ بن ابی بن سلول کو بھی (مشورہ کے لئے) بلوایا اس سے پہلے حضور ﷺ نے عبد اللہ کو کبھی طلب نہیں فرمایا تھا، عبد اللہ اور اکثر انصاریوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ حضورؐ کو (سب مسلمانوں کے ساتھ) مدینہ کے اندر ہی رہنا چاہئے باہر نہ نکلنا چاہئے۔ کیونکہ خدا کی قسم (ہمیشہ یہ طریقہ رہا ہے کہ دشمن کے حملہ آور ہونے کے وقت ہم اگر باہر نکلے ہیں تو دشمن ہم پر کامیاب رہا ہے اور اگر دشمن اندر آکر ہم پر حملہ آور ہوا ہے تو ہم اس پر کامیاب رہے ہیں اب جبکہ آپ ہم میں موجود ہیں ہم کو کیا ڈر ہے۔ اگر مشرک جہاں ہیں وہیں قیام پذیر رہیں گے تو وہ ان کے قیام کیلئے بری جگہ ہے اور اگر وہ شہر کے اندر گھسیں گے تو ہمارے مرد اور ان کے سامنے سے لڑیں گے اور بچے اور عورتیں اوپر سے ان پر پتھر برسائیں گے اور اگر لوٹ کر چلے جائیں گے تو ناکام لوٹیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کو یہ رائے پسند آئی، بزرگ مہاجرین اور انصار کی یہی رائے تھی، لیکن حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب، حضرت سعد بن عبادہؓ، حضرت نعمان بن مالکؓ اور انصاریوں کی ایک جماعت (جن میں اکثر نوجواں تھے اور بدر کی شرکت سے محروم رہے تھے اور دشمن کے مقابلہ میں شہید ہونے کے خواستگار تھے اور اللہ نے احد کے دن ان کو شہادت عطا بھی فرمادی) کی رائے ہوئی کہ ان کتوں کی طرف نکل کر چلنا چاہئے تاکہ یہ خیال نہ کریں کہ ہم بزدل اور کمزور ہو گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے خواب میں گائے دیکھی ہے، جس کی تفسیر ہے بھلائی اور میں نے اپنی تلوار کی دہلڑی دیکھی ہے۔ میرے نزدیک اس کی تعبیر ہے شکست اور میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ میں نے اپنا ہاتھ مضبوط ذرہ میں داخل کیا۔ اس کی تعبیر میں نے دی مدینہ میں داخلہ (یا قیام) پس اگر مدینہ میں ہی قیام رکھنے کی تمہاری رائے ہو (تو بہتر ہے) آپ کو یہی بات پسند تھی کہ دشمن

مدینہ کے اندر آجائیں اور گلی کوچوں میں ان سے لڑائی ہو۔

احمد، داری اور نسائی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ میں نے (اپنا ہاتھ) مضبوط زرہ میں اور دیکھا کائے کو ذبح کئے جاتے دیکھا تو میں نے اس کی تعبیر یہ دی کہ مضبوط زرہ مدینہ ہے اور گائے خدا کی قسم بہتری ہے۔ بزاز اور طبرانی نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے پڑاؤ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا میں نے خواب میں اپنی شمشیر ذوالفقار کو شکستہ دیکھا ہے اور یہ مصیبت ہے اور گائے کو ذبح ہوتے دیکھا ہے یہ بھی مصیبت ہے اور اپنے بدن پر اپنی زرہ دیکھی ہے یہ تمہارا شہر ہے انشاء اللہ وہ تمہارے شہر تک نہیں پہنچ سکیں گے۔

ابن اسحاق، ابن عقبہ اور ابن سعد وغیرہ کا بیان ہے کہ یہ خواب جمعہ کی رات کو دیکھا تھا۔ عروہؓ نے کہا تلوار کی شکستی جو دیکھی تھی وہ وہی زخم تھا جو چہرہ مبارک پر لگا تھا۔ ابن ہشام کی روایت میں ہے کہ (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تلوار کی شکستگی تو یہ ہے کہ میرے گھروالوں میں سے کوئی آدمی مارا جائے گا۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ (حضور ﷺ نے فرمایا) پھر میں نے اس کو یعنی تلوار کو دوبارہ ہلایا تو وہ پہلی حالت سے بہتر حالت پر ہو گئی پس یہ وہی فتح ہے جو اللہ نے عنایت فرمائی۔ حضرت حمزہؓ نے کہا تھا قسم ہے اس کی جس نے آپ پر (قرآن) نازل کیا جب تک میں ان سے مدینہ کے باہر تلوار سے مقابلہ نہیں کر لوں گا، آج کھانا نہیں کھاؤں گا۔ حضرت حمزہؓ جمعہ کے دن بھی روزہ دار رہے اور سیچر کے دن بھی۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ! آپ ہم کو جنت سے محروم نہ کریں۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں تو جنت میں ضرور ضرور داخل ہوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ کیوں۔ حضرت نعمانؓ نے جواب دیا میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے محبت رکھتا ہوں۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور لڑائی کے دن نہیں بھاگوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نے سچ کہا۔ چنانچہ حضرت نعمانؓ اس روز شہید ہو گئے۔ نیز مالک بن سنان خدری اور یاس بن عتیک نے بھی لڑائی کے لئے مدینہ سے باہر نکلنے کی ترغیب دی۔

غرض جب لوگ نہ مانے تو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو جمعہ کی نماز پڑھائی اور نصیحت کی اور خوب کوشش و محنت کرنے کا حکم دیا اور بتادیا کہ اگر صبر رکھو گے تو فتح تمہاری ہوگی لوگ دشمن کی طرف روانہ ہونے (کی اجازت سننے) سے خوش ہو گئے لیکن مدینہ سے خروج بہت سے لوگوں کو پسند بھی نہیں آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز بھی لوگوں کو پڑھادی اور بالاء مدینہ کے رہنے والے بھی آگے عورتوں کو اونچے ٹیلوں پر (محفوظ مقامات میں) بھیج دیا اور رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کو ساتھ لے کر اپنے گھر میں تشریف لے گئے لوگ حجرہ مبارک سے ممبر تک صف بند ہو کر رسول اللہ ﷺ کی برآمدگی کا انتظار کرنے لگے اتنے میں حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت اسید بن حضیرؓ آئے اور لوگوں سے کہا تم نے رسول اللہ ﷺ کی مرضی کے خلاف کیا اور جو کچھ کہنا تھا کہا حالانکہ آسمان سے وحی رسول اللہ ﷺ پر اترتی ہے (تم پر نہیں اترتی) مناسب یہ ہے کہ معاملہ کو حضور ﷺ ہی کے سپرد کر دو اور جو کچھ آپ حکم دیں وہی کرو۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ ہتھیار لگائے زرہ پہنے برآمد ہو گئے۔ اس وقت آپ کمر پر تلوار کا چمڑہ کا پر تلہ بطور پٹی باندھے، عمامہ پہنے اور تلوار لٹکائے ہوئے تھے لوگ حضور ﷺ کی مرضی کے خلاف رائے دینے پر پشیمان ہوئے اور عرض کیا۔

یا رسول اللہ ﷺ ہم نے حضورؐ کی مرضی کے خلاف رائے دی۔ ہم کو یہ نہ چاہئے تھا اب اگر آپ مناسب سمجھیں تو بیٹھ جائیے (یعنی مدینہ سے باہر نہ نکلے) فرمایا میں نے تم کو اسی بات کی دعوت دی تھی مگر تم نے نہ مانا اور کسی نبی کے لئے زیبا نہیں کہ جب وہ ہتھیار لگا لے تو بغیر جنگ کے ہتھیار اتار دے، دیکھو میں جو حکم دوں اس پر چلو۔ اللہ کے نام پر (بھروسہ کر کے) روانہ ہو جاؤ جب صبر رکھو گے تو فتح تمہاری ہوگی۔

اس فرمان کے بعد مالک بن عمرو بخاری کا جنازہ جنازوں کے مقام میں آپ نے رکھا، لپایا، مالک کی وفات ہو گئی تھی اور

لوگوں نے میت کو لا کر رکھ دیا تھا۔ حضور ﷺ نے جنازہ کی نماز پڑھی، پھر باہر نکل کر اپنے گھوڑے پر جس کا نام سب تھا سوار ہو گئے کمان کا ندھے پر ڈالی۔ سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ مسیح دامنیں بائیں موجود تھے اور دوسرے لوگ بھی تھے۔ کھائی کے سرے پر پہنچے تو وہاں ایک بہادر طاقتور فوجی دستہ ملا، دریافت فرمایا یہ کیا ہے لوگوں نے کہا یہ عبد اللہ بن ابی کے یودی معاہدہ ہیں (جنہوں نے عبد اللہ سے تعاونی معاہدہ کیا ہوا ہے) فرمایا کیا یہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ جواب دیا گیا، نہیں۔ فرمایا تو مشرکوں کے خلاف اہل شرک سے ہم مدد کے طالب نہیں، یہاں سے چل کر مقام تیخین میں پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے لشکر بندی کی تیخین دو ٹیلوں کا نام تھا۔

اس روز رسول اللہ ﷺ کے سامنے کچھ لڑکے جن کی عمریں ۱۴ برس کی تھیں لشکر میں شامل کئے جانے کے لئے پیش کئے گئے۔ آپ ﷺ نے ان کو لوٹا دیا، ان کی تعداد سترہ تھی۔ کچھ اور لڑکے جن کی عمریں پندرہ سال کی تھیں پیش ہوئے آپ ﷺ نے ان کو لڑائی میں شامل ہونے کی اجازت دے دی۔ جن میں سے عبد اللہ بن عمر، زید بن ثابت، اسامہ بن زید، زید بن ارقم، براء بن عازب، ابو سعید خدری اور اوس بن ثابت انصاری بھی تھے، رافع بن خدیج کو لوٹا دیا گیا تھا لیکن جب بتایا گیا کہ یہ تیر انداز ہے تو شامل ہونے کی اجازت عطا فرمادی اس پر سمرہ بن جندب بولے کہ رافع بن خدیج کو تو رسول اللہ ﷺ نے اجازت دے دی اور مجھے لوٹا دیا حالانکہ کشتی میں، میں اس کو بچھاؤں گا۔ اس کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو بھی دی گئی تو آپ نے فرمایا دونوں کشتی لڑو، کشتی ہوئی تو سمرہ نے رافع کو بچھا لیا اس لئے سمرہ کو بھی جنگ میں شامل ہونے کی اجازت مل گئی، فوج کا معائنہ ختم ہو گیا اور سورج ڈوب گیا تو بلال نے مغرب کی اذان دی اور رسول اللہ ﷺ نے ساتھیوں کو نماز پڑھائی پھر (کچھ دیر کے بعد) عشاء کی اذان دی اور آپ نے عشاء کی نماز پڑھائی اور رات تیخین میں بسر کی، اس رات لشکر کی نگرانی کے لئے محمد بن مسلمہ کو پچاس آدمی دے کر مقرر کیا گیا ان لوگوں نے لشکر کے گرد گھوم پھر کر چوکیداری کی اور رسول اللہ ﷺ سو گئے۔ سحر ہوئی تو فجر کی نماز پڑھ کر فرمایا کیا کوئی ایسا رہبر ہے جو دشمنوں کی طرف سے گڈارے بغیر ہم کو ٹیلہ سے نکال کر لے جائے، ابوخیثمہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں ایسا کروں گا چنانچہ ابوخیثمہ بنی حارثہ کے میدان اور ان کے باغات کے درمیان سے لے کر چلا یہاں تک کہ مربع بن قسطی کے باغ میں لے پہنچا، مربع منافق اور ناپسند تھا۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی آہٹ پا کر ان حضرات کے منہ کی طرف خاک اڑانے لگا اور کہنے لگا کہ اگر تم رسول اللہ ﷺ بھی ہو تب بھی اپنے باغ میں داخل ہونے کی میں تم کو اجازت نہیں دیتا یہ کہہ کر اس نے لب بھر مٹی لی اور بولا اگر مجھے علم ہو جاتا کہ جس وقت میں یہ مٹی ماروں گا تو تمہارے چہرہ پر بی پڑے گی تو ضرور مار دیتا لوگ اس کو قتل کرنے کے لئے آگے بڑھے مگر حضور ﷺ نے فرمایا اس کا قتل نہ کر دیہ اندھا کو ردل بھی ہے اور کور چشم بھی۔ لیکن حضور ﷺ کی ممانعت سے پہلے ہی سعد بن زبده اشہلی اندھے کے پاس پہنچ چکے تھے اور کمان مار کر اس کو زخمی کر دیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ مدینہ سے ہزار آدمی لے کر کوہ احد کی طرف نکلے تھے، بعض روایات میں نو سو پچاس کی تعداد آئی ہے جب دونوں فوجوں کے ملنے کے مقام پر پہنچے تو عبد اللہ بن ابی ایک تہائی یعنی تین سو آدمی لے کر واپس لوٹ گیا اور کہنے لگا ہم کیوں اپنی اور اپنی اولاد کی جانیں دیں۔ ابو جابر شمس اس کے پیچھے گیا اور کہا میں تم کو تمہارے نبی اور تمہاری جانوں کا واسطہ دیتا ہوں (لوٹ کر نہ جاؤ) عبد اللہ بولا، نَوْنَعْلَمُ قِتَالًا لَا تَبْعَانَاکُمْ۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات سو آدمی اور دو گھوڑے رہ گئے ایک گھوڑا خود آپ کا تھا اور دوسرا ابو بردہ کا، ابن عقبہ کا بیان ہے کہ اس روز مسلمانوں کے پاس کوئی گھوڑا نہیں تھا قبیلہ خزرج میں سے بنو اسلمہ اور قبیلہ اوس میں سے بنو حارثہ اسلامی لشکر کے دو بازو تھے ان دونوں قبیلوں نے بھی عبد اللہ بن ابی کے ساتھ لوٹ پڑنے کا ارادہ کر لیا تھا مگر اللہ نے ان کو محفوظ رکھا اور وہ نہیں لوٹے اللہ نے اپنی یہی نعمت عظمیٰ ان کو یاد دلائی اور فرمایا۔

اِذْ هَمَّتْ طَّائِفَتٌ مِّنْکُمْ اَنْ يَّخْلَوْاْ بِالَّذِیْنَ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ الْکِتَابَ فَاَنْتُمْ عَلَیْہِمْ کَافِرٌ مِّنْکُمْ۔ اِس وقت کو یاد کرو جب دو گروہوں یعنی بنی حارثہ اور بنی اسلمہ نے ارادہ کر لیا تھا۔

مِنْكُمْ
نہیں کیا۔ تم میں سے۔ اس میں عبد اللہ پر طعن ہے کہ وہ اور اس کے ساتھی تم میں سے نہیں تھے اس لئے انکی واپسی کا ذکر

اَنْ تَفْشَلُوا
وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمْ مَّآءُ
کیا سبب تھا کہ وہ بزدل ہو رہے تھے اور اللہ پر اعتماد نہیں کر رہے تھے۔
اور اللہ دونوں گروہوں کا دوست تھا اس خطرہ سے بچانے والا تھا ایمان کا مددگار اور کار ساز تھا پس
وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۳۱﴾
اور اللہ ہی پر اہل ایمان کو بھروسہ رکھنا چاہئے پس منافقوں کے بھاگنے
سے ان کو بزدل نہ ہونا چاہئے تھا۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ نے فرمایا اس آیت کا نزول ہمارے حق میں ہوا تھا (ہم نے ہی بھاگنے کا ارادہ کیا تھا) لوگوں نے
کہا کہ جب اللہ نے فرمایا واللہ ولیہما تو اب ہم کو گزشتہ ارادہ فرار سے اتنی مسرت ہے کہ اگر ہم ارادہ فرار نہ کرتے تو اتنی
مسرت نہ ہوتی۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ
مسلمانوں کی تعداد کی قلت اور اسباب کی کمزوری کے باوجود اللہ نے بدر میں
مسلمانوں کو فتح عنایت کی تھی اور یہ واقعہ موجب توکل تھا، اس لئے یہاں سے واقعہ بدر کی یاد دلائی ہے اکثر کے نزدیک بدر مکہ
اور مدینہ کے درمیان ایک مقام کا نام تھا، بعض نے کہا ایک کنویں کا نام تھا یہ بھی ایک قول مروی ہے کہ بدر نام کے ایک شخص کا
کنواں تھا یہ قول شعبی کا ہے۔

وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ
اذلہ کا مفرد ذلیل ہے ذلیل کی جمع ذلائل بھی ہے مگر اذلہ فرمایا ذلائل نہیں فرمایا اس کی وجہ
یہ ہے کہ (اذلہ بروزن افعلة ہے اور یہ جمع قلت ہے اور ذلائل جمع کثرت ہے) حالات کی کمزوری، سوار یوں اور ہتھیاروں کی
کی ظاہر کرنے کے ساتھ بدر میں مسلمانوں کی قلت کا اظہار بھی مقصود ہے، مسلمان تین سو مرد تھے اور ستر اونٹ ان کے ساتھ
تھے جن پر باری باری سے سوار ہو جاتے تھے اور دو گھوڑے تھے ایک حضرت مقدادؓ کا اور دوسرے حضرت زبیرؓ بن عوام کا۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُشْكُرُونَ ﴿۳۲﴾
اس آیت کا مطلب دو طرح سے ہو سکتا ہے ایک یہ کہ اللہ نے تم کو فتح
عنایت فرمائی تاکہ تم اس کا شکر یہ اس طرح ادا کرو کہ میدان جنگ میں ثابت قدم رہ کر اللہ سے ڈرتے رہو، دوسرا مطلب یہ
ہو سکتا ہے کہ تم شکر گزار ہونے کی امید میں تقویٰ اختیار کرو۔ اس جملہ میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ بندہ کی اصل نظر شکر کی طرف
ہونی چاہئے اس کو اللہ کی نعمت کی رغبت اس لئے ہو کہ حصول نعمت شکر ادا کرنے کا ذریعہ ہے۔

إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ تُبَدِّلُوا دِينَكُمْ بِثَلَاثَةِ آفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِينَ ﴿۳۳﴾
اللہ نے تم کو فتح یاب اس وقت کیا جب تم مؤمنوں سے کہہ رہے تھے کہ کیا تین ہزار فرشتوں کو اتار کر اللہ
کی طرف سے تمہاری امداد کرنا کافی نہیں ہے۔ قنادہؓ نے فرمایا یہ واقعہ بدر کے دن کا تھا شروع میں اللہ نے ایک ہزار ملائکہ سے
امداد فرمائی تھی جیسے فرمایا ہے فاستجاب لكم اني ممدكم بالف من الملائكة پھر فرشتے تین ہزار اور پھر پانچ ہزار
کر دیئے گئے، ان یكفیکم میں استفہام انکاری ہے (اور لن نافیہ ہے اور انکار نفی، اثبات ہوتا ہے پس مطلب یہ ہوا کہ تین
ہزار فرشتوں کی مدد تمہارے لئے کافی ہے)۔

ابن ابی شیبہؒ نے مصنف میں اور ابن ابی حاتم نے شعبیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو
اطلاع ملی کہ کرز بن جابرؓ بخاری مشرکوں کی مدد کرنا چاہتا ہے۔ یہ بات مسلمانوں پر شاق گزری تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ لن
(نفی تاکید) لانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ مسلمان اپنی کمزوری اور قلت کی قوت و کثرت کو دیکھ کر فتح سے گویا
ناامید ہو چکے تھے (ایسی حالت میں اللہ نے مدد کی)۔

بَلٰی لا کیوں کافی نہیں۔ یہ نفی مؤکد کے بعد اثبات ہے، آگے صبر و تقویٰ کی ترغیب دینے اور دلوں کو قوی بنانے کے

لئے مزید مشروط امداد کا وعدہ فرمایا۔

إِنْ تَصْبِرُوا

اگر تم قیام پر صبر رکھو گے۔

وَتَتَّقُوا

اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت سے پرہیز کرتے رہو گے۔

وَيَأْتِيَكُم مِّنْ قَوْمِهِمْ هَذَا

اور اسی حالت میں کہ تم کمزور ہو اور وہ طاقتور ہیں تم پر اسی وقت آپڑیں گے، فوراً بمعنی سرعت۔ اصل میں یہ فارت القدر کا مصدر ہے (ہانڈی میں ابال آگیا) مجازاً بمعنی سرعت ہے پر اس حالت کو کہنے لگے جو موجود ہو۔

میں کہتا ہوں کلام میں فور کی قید لگانے کا کوئی خاص مفہوم نہیں بلکہ بات میں قوت پیدا کرنا مقصود ہے کہ آئندہ جب تم میں مشرکوں سے مقابلہ کرنے کی قوت ہو جائے گی تو اس وقت بدرجہ اولی اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تم کو فتیاب کرے گا لیکن موجودہ حالت میں بھی اگر تم ثابت قدم رہے اور مخالفت امر رسول نہ کی اور مشرک تم پر آپڑے تب بھی۔

يُؤَدِّكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ
اللہ پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا، امداد کا معنی ہے فوجی کمک۔

جو نشاندار یعنی نشان والے ہوں گے۔

مُسَوِّمِينَ ⑩

ابن ابی شیبہ اور ابن ابی حاتم نے اس روایت کی نسبت شعبی کی طرف کی ہے کہ کرز (بن جابر کو بدر کے دن) مشرکوں کی شکست کی خبر پہنچی تو (وہ پست حوصلہ ہو گیا اور) اس نے مشرکوں کو مدد نہیں دی (اور چونکہ مسلمانوں کو ضرورت باقی نہیں رہی تھی) اس لئے پانچ ہزار فرشتوں کی کمک مسلمانوں کے لئے بھی اللہ نے نہیں بھیجی، مسوومین تسویم سے اسم فاعل ہے تسویم کا معنی ہے نشاندار ہونا (یا نشان دار بنانا) قنادہ اور ضحاک نے کہا فرشتوں نے (اپنے) گھوڑوں کی پیشانیوں اور دموں میں اون کا نشان لگا دیا تھا۔ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں عمرو بن اسحاق کی روایت مرسل نقل کی ہے کہ رسول اللہ نے بدر کے دن صحابہ سے فرمایا تم اپنا نشان لگاؤ کیونکہ ملائکہ نے سفید اون کے نشان اپنی ٹوپوں اور خودوں میں لگا لئے ہیں، ابن جریر نے بھی یہ روایت نقل کی ہے اور اتنا زائد لکھا ہے کہ یہ اول ترین جنگ تھی جس میں اون کا نشان لگایا گیا

یا تسویم کا معنی ہے اُسامہ یعنی لٹکانا چھوڑنا۔ عروہ بن زبیر نے فرمایا ملائکہ اہل بق گھوڑوں پر سوار تھے اور ان کے عمامے زرد تھے، لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ان کے عمامے سفید تھے جن کی دھبے دونوں شانوں کے درمیان انہوں نے چھوڑ رکھی تھیں۔ ہشام بن عروہ اور کلبی نے کہا ان کے عمامے زرد تھے جو شانوں پر لٹکے ہوئے تھے۔

قنادہ نے فرمایا بدر کے دن مسلمان صابر رہے اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی سے مجتنب رہے اس لئے اللہ نے حسب وعدہ پانچ ہزار ملائکہ کی ان کو مدد دی، حسن نے فرمایا بس یہی پانچ ہزار قیامت کے دن تک مسلمانوں کے لئے پشت پناہ رہیں گے یعنی بشرط صبر و تقویٰ۔ حضرت ابن عباسؓ اور مجاہد کا بیان ہے کہ بدر کے علاوہ ملائکہ نے کسی معرکہ میں جنگ نہیں کی ہاں موجود ضرور رہے مگر لڑے نہیں، صرف تعداد بڑھانے اور مدد کرنے کے لئے حاضر رہے۔

کچھ علماء کا بیان ہے کہ بدر کے دن اللہ نے مسلمانوں سے وعدہ کیا تھا کہ اگر لڑائیوں میں ثابت قدم رہیں گے اور ممنوعات سے اجتناب رکھیں گے تو اللہ تمام لڑائیوں میں ان کی مدد کرے گا مگر سوائے جنگ احزاب کے مسلمان کسی جنگ میں صابر نہیں رہے، چنانچہ احزاب کے دن قرظہ اور نفیر کے محاصرہ کے وقت اللہ نے ان کی مدد بھی کی، حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی کا بیان ہے کہ ہم بنی قرظہ اور بنی نفیر کا محاصرہ کئے رہے لیکن فتح حاصل نہیں ہوئی، رسول اللہ ﷺ پانی منگو کر مردھور رہے تھے

حاشیہ از مفسر قدس سرہ ل۔ طبرانی اور ابن مردویہ نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لفظ مسوومین کی تشریح میں فرمایا، معلومین، نشان والے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا بدر کے دن فرشتوں کا نشان سیاہ عمامے تھے اور احد کے دن سرخ عمامے۔

کہ جبریلؑ نے آکر کہا تم لوگوں نے ہتھیار کھول دیئے اور ملائکہ نے ابھی تک اپنے اسلحہ نہیں اتارے یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فوراً ایک کپڑا منگو کر سر سے لپیٹا، سر نہیں دھویا پھر ہم کو جمع کرنے کے لئے منادی کرائی ہم فوراً تیار ہو گئے اور قرطہ و تفسیر کی بستیوں پر جا پہنچے اس روز تین ہزار ملائکہ نے ہماری مدد کی اور آسانی سے فتح عنایت کر دی۔

ضحاک اور عکرمہ نے کہا کہ آیت اذ تقول للمؤمنین اللہ یکتفیکم الخ میں جنگ احد کے واقعہ کا بیان ہے (بدر کے واقعہ کا بیان نہیں ہے) اللہ نے مسلمانوں سے وعدہ ہمد و بشرط صبر و تقویٰ کیا تھا لیکن انہوں نے صبر نہیں رکھا، رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت کی اس لئے ان کی مدد نہیں کی گئی۔

مجاہد و ضحاکؒ نے کہا کہ میں فوریہم کا معنی ہے من غضبہم بات یہ ہوئی تھی کہ بدر کے دن کی شکست سے مشتعل ہو کر انتہائی غضب کے ساتھ احد میں لڑنے کے لئے کفار آئے تھے چونکہ رسول اللہ ﷺ احد کے دن ثابت قدم رہے تھے اور اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی تھی اس لئے اللہ نے جبریل اور میکائیل کے ذریعہ سے آپ کی مدد کی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ احد کے دن میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اس وقت آپ کی معیت میں دو آدمی سفید کپڑے پہنے ہوئے دشمن سے لڑ رہے تھے ان دونوں آدمیوں کو میں نے نہ اس سے پہلے دیکھا تھا نہ بعد کو دیکھا، متفق علیہ، یہ دونوں آدمی جبریل و میکائیل تھے۔

محمد بن اسحاق نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر لوگ پرانہ ہو گئے۔ صرف سعد بن مالک حضور ﷺ کی طرف تیر چلاتے رہے تھے اور ایک جوان تیروں میں بوریاں لگا کر دے رہا تھا جب بوریاں ختم ہو گئیں تو جبریل بوریاں لے کر آئے اور اور لا کر بکھیر دیں اور دوسرے کہا ابو اسحاق تیر مار۔ جب معرکہ ختم ہو گیا تو اس جوان کے متعلق دریافت کیا گیا (کہ کون تھا) مگر کسی کو معلوم نہ ہو سکا۔

وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ اور تمہارے دل مطمئن ہو جائیں دشمنوں کی کثرت اور اپنی قلت کی تم کو پروانہ ہو، ظاہری اسباب پر اعتماد انسان کی فطرت ہے، مددگاروں کی ظاہری کثرت دیکھ کر آدمی کو اطمینان خاطر ہوتا ہے۔ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ اور درحقیقت فتح تو اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے سامان کی فراوانی اور تعداد کی کثرت سے نہیں ہوتی، کیونکہ آدمی ہوں یا فرشتے سب کے افعال اللہ ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔

الْعَزِيزُ اِیَّا غَلْبَہِ وَالْاِجْسَ پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ الْحَکِیْمُ حکمت والا کہہ باقتضاء حکمت جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے، خواہ بالواسطہ یا بلاذریعہ اور جس کو چاہتا ہے بے مدد چھوڑ دیتا ہے اگر وہ مدد کرتا ہے تو اپنی مہربانی سے کرتا ہے اس پر لازم نہیں۔

لِیَقْطَعَ تاکہ کاٹ دے (ہلاک کر دے) اس کا تعلق یا نصرتکم اللہ سے ہے یا بمدکم سے یا بالنصر سے۔ مؤخر الذکر صورت میں النصر میں لام عمدی ہوگا۔

طَرَفًا مِّنَ الْکَافِرِیْنَ کُفْرًا تاکہ کافروں کی ایک جماعت کو ہلاک کر دے۔ قاموس میں طرف کا معنی ہے

۱۔ عیاض اشعریؒ راوی ہیں کہ میں جنگ یرموک میں خود موجود تھا اس وقت ہمارے پانچ کمانڈر تھے۔ حضرت ابو عبیدہؓ، حضرت یزید بن ابی سفیان، حضرت ابن حسنہ، حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت عیاضؓ (یہ عیاضؓ اشعری نہیں ہیں)، حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ لڑائی کی نوبت آجائے تو تم سب کے کمانڈر ابو عبیدہؓ ہوں گے۔ ہم نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ موت سامنے ہے، ملک بھیجئے۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا کہ مجھے تمہارا خط ملا تم مجھ سے مدد کے طالب ہو میں تم کو ایسی ہستی بتاتا ہوں جس کی امداد سب پر غالب اور جس کا لشکر ہر وقت موجود ہے، وہ ہستی اللہ کی ہے اسی سے مدد مانگو کیونکہ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ کا ایمان اور جہد تم سے کم تھا مگر اللہ نے ان کو فتح یاب فرمایا تھا جب تم کو میرا یہ خط پہنچے تو خود کافروں سے جنگ کرنا مجھ سے مدد نہ مانگنا، اس خط کے وصول ہونے پر ہم نے دشمن سے جنگ کی اور چار فرسخ تک اس کو بھگا دیا، ۱۲۔

کنارہ، کسی چیز کا ایک ٹکڑا اور شریف آدمی۔ چنانچہ بدر میں کافروں کے کمانڈر اور سردار ستر مارے گئے اور ستر گر قتل ہوئے۔ جس مفسر نے ان آیات کو جنگ احد کے متعلق قرار دیا ہے اس نے کہا کہ احد میں کافروں کے سولہ سردار مارے گئے تھے اور شروع میں فتح مسلمانوں کی ہوئی تھی لیکن جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت کی تو فتح شکست سے بدل گئی۔

اَوْ يَكْبِتُهُمْ یا ان کو لوٹا دے۔ کست کا معنی ہے سختی کے ساتھ لوٹا دینا (صحاح) کبتہ اس کو بچھاڑا، ہلاک کیا، رسوا کیا، پھیر دیا، توڑ دیا، دشمن کو غصہ کے ساتھ لوٹا دیا، ذلیل کر دیا (قاموس)۔

میں کہتا ہوں شکست کے لئے یہ تمام باتیں لازم ہیں، لفظ او تردید کے لئے نہیں بلکہ نوعیت کے اختلاف کو ظاہر کرنے کے لئے ہے یعنی اللہ نے تمہاری مدد کی تاکہ کافروں کی ایک جماعت کو ہلاک کر دے اور باقی کو شکست دے کر بھگا دے۔

فَيَنْقَلِبُوا خَائِبِينَ ۝۱۵ پس وہ اپنے شہروں کو ناکام ہو کر پلٹ جائیں، مسلم اور امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ احد کے دن رسول اللہ ﷺ کا لگا دانت اور چہرہ مبارک زخمی ہو کر خون بہنے لگا، حضور ﷺ نے فرمایا ایسی قوم کیسے ٹھیک ہو سکتی ہے جس نے اپنے پیغمبر ﷺ سے یہ سلوک کیا ہو، حالانکہ پیغمبران کو اللہ کی طرف بلا رہا ہے اس پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ ۚ

آپ کو اس امر کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

(اس آیت کے شان نزول میں ایک اور قصہ بھی آیا ہے) جو امام احمد اور بخاری نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے، حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے، اے اللہ فلاں شخص پر لعنت کر۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے دعا کی اے اللہ ابوسفیان پر لعنت کر، اے اللہ حارث بن ہشام پر لعنت کر، اے اللہ سہیل بن عمرو پر لعنت کر، اے اللہ صفوان ابن امیہ پر لعنت کر، اس پر آیت نازل ہوئی اور ان سب کو توبہ کی توفیق عنایت کی گئی، بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔

شیخ ابن حجرؒ نے دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ جنگ احد کے دن جو واقعہ ہوا، (اور حضور ﷺ نے جو کچھ فرمایا) اس کے بعد مذکورہ بالا اشخاص کے لئے رسول اللہ ﷺ نے نماز میں بددعا کی، پس ان دونوں قصوں پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ سعید بن مسیب اور محمد بن اسحاق نے بیان کیا کہ جب احد کے دن رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے دیکھا کہ کافروں نے مسلمانوں کے ناک کان اور آلات تاسل کاٹ کر سب کو مثلہ بنادیا تو کہنے لگے اگر اللہ نے ہم کو ان پر غلبہ عنایت کیا تو جیسا انہوں نے کیا ہے ہم بھی ایسا ہی کریں گے اور اس طرح مثلہ بنائیں گے کہ کسی عرب نے کسی کے ساتھ نہ کیا ہو گا اس پر اس آیت کا نزول ہوا۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کے بیخ و بن سے تباہ ہو جانے کی بددعا دینے کا ارادہ کیا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی کیونکہ اللہ کو معلوم تھا کہ ان میں سے بہت لوگ مسلمان ہو جائیں گے۔

لیکن ان روایات کا تعارض اس روایت سے ہوتا ہے جو مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز میں پڑھا کرتے تھے اللهم العن عدو ذکوان و عیبتہ یہاں تک کہ اللہ نے یہ آیت نازل فرمادی (اور حضور ﷺ نے بددعا کرنا موقوف کیا) کیونکہ رعل و ذکوان کا قصہ اس کے بعد کا ہے۔ رعل و ذکوان قبائل کا تعلق بیر معونہ کے قصہ سے تھا رسول اللہ ﷺ نے ستر قاری قرآن سکھانے پڑھانے کے لئے ان قبائل کے پاس روانہ کئے تھے جن کے امیر منذر بن عمروؓ تھے۔ مگر عامر بن طفیل نے ان سب قاریوں کو شہید کر دیا، حضور کو اس کا سخت رنج ہوا اور مہینہ بھر تک ہر نماز میں آپ نے ان قبائل کے لئے بددعا کی۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس روایت کو مد رج قرار دیا ہے، تعارض کو دور کرنے کی ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جنگ احد سے چار ماہ بعد ماہ صفر ۳ھ میں رعل و ذکوان کا قصہ ہوا تھا اس لئے ممکن ہے کہ اس آیت کا نزول دونوں واقعات کے بعد ہوا ہو، اگر سب نزول سے کچھ مدت کے بعد آیت کا نزول ہوا تو بعید نہیں۔ لیکن بخاری نے تاریخ میں

اور ابن اسحاق نے سالم بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے آیت کا سبب نزول یہ لکھا ہے کہ ایک قریشی شخص نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر کہا تم ایک بات سے منع کرتے ہو پھر اس کو پلٹ دیتے ہو یہ کہہ کر اس نے اپنی پشت رسول اللہ ﷺ کی طرف پھیر دی اور پیچھے سے سرین کھول دیئے، حضور ﷺ نے (اس گستاخی کی وجہ سے) اس کے لئے بددعا کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی پھر وہ شخص مسلمان ہو گیا اور اس کا اسلام اچھا رہا، یہ روایت مرسل اور غریب ہے۔

اَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ
یہاں تک کہ اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا اگر وہ مسلمان ہو جائیں گے یا ان کو عذاب دے گا اگر وہ کفر پر جبرے رہیں گے۔ دینی عذاب بصورت قتل و گرفتاری ہو گا اور آخرت میں عذاب جہنم ہو گا۔

فَاِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۷﴾
اس لئے کہ وہ ظالم ہیں۔ یہ عذاب دینے کی علت ہے۔ فراء نے کہا اویتوب میں لفظ او، حتی (یہاں تک) کے معنی میں ہے۔ ابن عسلی نے او کا معنی الا ان (مگر یہ کہ) کہا ہے جیسے بولا جاتا ہے لالز منک او تعطینی حقے میں تیرا پیچھا نہیں چھوڑاں گا یہاں تک کہ تو میرا حق دے دے (بر قول فراء) یا مگر یہ کہ تو میرا حق دے دے (بر قول ابن عسلی) آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کو عذاب دینا نہ دینا کوئی بات آپ کے اختیار میں نہیں ہے یہاں تک کہ اللہ مسلمان ہونے کی وجہ سے یا ان پر رحم فرمائے گا اور تم کو اس سے خوشی ہوگی یا (کفر پر جبرے رہنے کی وجہ سے) ان کو عذاب دے گا اور اس سے تم کو تسکین حاصل ہوگی۔

بعض علماء نے یہ احتمال بھی ظاہر کیا ہے کہ اویتوب کا عطف الامر پر یا شئی پر ہو یعنی آپ کو ان کے معاملہ کا یا ان کو عذاب دینے یا رحم کرنے کا کوئی اختیار نہیں آپ صرف اس بات پر مامور ہیں کہ ان کو ڈرامیں اور ان سے جہاد کریں نتیجہ کا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے، تفتازانی نے اعتراض کیا ہے کہ اس صورت میں عام پر خاص کا عطف ہو گا (الامر عام ہے اور یتوب و یعذب خاص ہے) لیکن ایسے موقع پر لفظ او نہیں لایا جاتا، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ امر سے اس جگہ حال مراد ہے، لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امر بمعنی حکم ہو اس وقت یہ مطلب ہو گا کہ آپ جو حکم دیتے ہیں وہ آپ کی طرف سے نہیں ہوتا۔ حکم دینا اور فرض کرنا آپ کے ہاتھ میں نہیں ہے اور نہ رحم کرنا اور عذاب دینا آپ کے اختیار میں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر اس آیت کے نزول کو پہلی آیت سے مربوط قرار دیا جائے تو اویتوب علیہم کا عطف اویکبت پر ہو گا اور مطلب اس طرح ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے بدر میں تمہاری مدد اس لئے کی کہ کافروں کی ایک جماعت کو ہلاک کر دے یا شکست دے کر ایک گروہ کو ناکام لوٹا دے یا مسلمان ہو جانے کی وجہ سے ان پر رحم کرے یا ان کو عذاب دے۔ گویا احوال کفار کی چار انواع بیان فرمائیں، اس تفصیل پر لیس لک من الامر شئی بددعا سے روکنے کے لئے جملہ معترضہ ہو گا۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ
اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اللہ ہی کی مخلوق اور مملوک ہے اس لئے تمام امور اسی کے قبضہ میں ہیں۔

يَغْفِرْ لِمَن يَشَاءُ
وہ جس کی مغفرت چاہے گا اسلام کی توفیق دے کر کر دے گا، خواہ اس نے (گناہوں سے) توبہ کی ہو یا نہ کی ہو۔

وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ
اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا، یہ آیت صراحتہ بتا رہی ہے کہ گناہ گاروں کو عذاب دینا اللہ پر لازم نہیں۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸﴾
اور اللہ غفور و رحیم ہے لہذا تم ان کے لئے بددعا کرنے میں پیش قدمی نہ کرو۔ فریبانی نے مجاہد کا قول بیان کیا ہے کہ لوگ (ادائے ثمن کی) ایک مدت مقرر کر کے خرید و فروخت کرتے تھے اور جب ميعاد ادا پوری ہو جاتی تو ثمن میں اضافہ کر دیتے اور مدت ادا میں بھی توسیع کر دیتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً
اے اہل ایمان سود نہ کھاؤ چند در چند بڑھا کر اضعافاً مضاعفہ قید احترازی نہیں ہے (کہ اگر چند در چند نہ ہو تو سود کھانے کی ممانعت نہیں) بلکہ مطلق ربوا کی

ممانعت ہے اور ان کے طریق کار پر زجر ہے۔

اور فلاح کی امید رکھتے ہوئے سود اور دوسرے ممنوعات میں اللہ سے

وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۳﴾

ڈرتے رہو۔

اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿۱۴﴾

ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے اس آیت میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ آگ اصل میں کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے اور بالعرض گناہ گار مؤمنوں کے لئے۔

میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ (النار کی) صفت (یعنی اعدت للکافرین) تخصیص کے لئے ہے۔ جو آگ کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے وہ الگ ہے اور جو گناہ گار مؤمنوں کے لئے تیار کی گئی ہے وہ الگ ہے۔ اس توضیح پر آیت میں اس طرف اشارہ ہوگا کہ سود کھانے سے دل میں اتنی قسوت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو اکثر کفر تک لے جاتی ہے اس توضیح کی تائید تفسیر مدارک کی اس صراحت سے ہوتی ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے تھے قرآن میں یہ سب سے زیادہ خوفناک آیت ہے کہ اللہ نے اہل ایمان کو بصورت خلاف ورزی احکام اس آگ سے ڈرایا ہے جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے اس کے بعد اللہ نے اپنی رحمت کی امید واری کو اطاعت خدا اور رسول سے وابستہ کیا ہے اس سے آیت سابقہ کے مضمون کی تائید ہوتی ہے (جس میں امید فلاح کو تقویٰ کے ساتھ وابستہ کیا ہے)۔

اور رحمت کی امید رکھتے ہوئے اللہ اور رسول کی

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۱۵﴾

اطاعت کرو، بہر حال آگ کی تخلیق اصل میں کافروں کے لئے اور عارضی طور پر اہل ایمان کے لئے قرار دی جائے یا کافروں کے لئے الگ اور گناہ گار مؤمنوں کے لئے الگ تخلیق مانی جائے دونوں صورتوں میں اس آیت کا مضمون مرجہ کے مسلمہ کے خلاف ہے مرجہ قائل ہیں کہ اگر ایمان موجود ہو تو پھر کسی گناہ سے کوئی ضرر ہوگا

اکثر مفسرین نے صراحت کی ہے کہ اللہ کی طرف سے لعل اور عسلی کا استعمال تحقیق کے لئے ہے۔ (امید کا مفہوم نہیں ہے کیونکہ امید وہ کرتا ہے جس کو کسی بات کا انتظار ہو اور وہ بات حاصل نہیں ہوئی ہو اور اللہ کے لئے کوئی حالت منتظرہ نہیں اس لئے اس کی طرف سے کسی بات کی امید نہیں ہو سکتی) ظاہر یہ ہے کہ لعل اور عسلی مفید و جوب نہیں (یعنی رجا بیت کا مفہوم بالکل معدوم ہو گیا ہو اور قطعیت کا مکمل مفہوم آیا ہو ایسا نہیں ہے) بلکہ بیم آمیز امید کے لئے ہے۔ بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ ایسے مقامات میں لعل اور عسلی آئندہ خبر تک پہنچنے کی دلیل ہوتا ہے۔

اور تیزی سے بڑھو اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف۔

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ

حضرت ابن عباسؓ نے الٰہی مغفرت کی تشریح میں الی الاسلام اور عکرمہؒ کی روایت میں الی التوبہ فرمایا (یعنی مغفرت سے مراد ہے اسلام یا توبہ)۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ادائے فرض اور حضرت انس بن مالکؓ نے نماز کی تکبیر اولیٰ سے تفسیر فرمائی۔ تمام اقوال کا مال یہ ہے کہ مغفرت سے مراد ہیں ایسے عقائد، اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ جس سے گناہوں کی مغفرت، دوزخ سے رہائی، اور غل رحمت میں پہنچنے کا استحقاق ہو جاتا ہے۔ حضرت ابو امامہؓ کی روایت کردہ حدیث پہلے گزر چکی کہ بادر وا بالاعمال ہر ما ناغضا الخ۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سات امور سے پہلے اچھے اعمال کر لو تمہارے سامنے (بس یہی سات امور ہیں) یا تو ایسا فلاں ہے جو ہر چیز کو فراموش کر دینے والا ہے یا ایسی مال داری ہے جو سرکش بنادینے والی ہے یا انجام صحت کو بگاڑ دینے والی بیماری ہے یا شہیادینے والا بڑھاپا ہے یا جلد آجانے والی موت ہے یا دجال ہے اور وہ بدترین انتظار کی چیز ہے یا قیامت ہے اور قیامت عظیم ترین مصیبت اور بہت ہی ناخیز چیز ہے۔ رواہ الترمذی والحاکم۔

یہ جنت کی صفت ہے یعنی یہ جنت کی وسعت آسمانوں اور زمین کی وسعت

عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ

کی طرح ہے۔ یہ کلام بطور تمثیل ہے، حقیقت مراد نہیں ہے (جنت تو ان سب سے زیادہ وسیع ہے لیکن) عوام کے خیال میں سب سے زیادہ وسعت مکانی آسمان وزمین کی ہے اس لئے آیت میں آسمان وزمین کی وسعت سے جنت کی وسعت کو تشبیہ دے کر بیان کیا جس طرح آیت خالدین فیہا مادامت السموات والارض میں جنت کے اندر دوام سکونت کو بقائے ارض و سماء کی مدت سے تشبیہ دی ہے (کیونکہ عامی نظر میں آسمان وزمین سے زیادہ کسی چیز کی مدت کا بقاء نہیں ہے پس) انسانوں کے خیال کے مطابق تشبیہ دی۔ بغویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت انسؓ بن مالک سے دریافت کیا گیا کہ جنت آسمان میں ہے یا زمین میں، فرمایا کس زمین و آسمان میں جنت کی سمائی ہو سکتی ہے، دریافت کیا گیا پھر کہاں ہے، فرمایا ساتوں آسمانوں کے اوپر عرش کے نیچے۔ قادہؒ نے کہا کہ وہ (یعنی صحابہؓ) خیال کرتے تھے کہ جنت ساتوں آسمانوں کے اوپر اور جنہم ساتوں زمینوں کے نیچے ہے ابو الشیخ نے العظیمہ میں باسناد ابوالزرعہ حضرت عبداللہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جنت سب سے اونچے ساتویں آسمان میں (یعنی ساتویں آسمان کے اوپر) ہے اور دوزخ سب سے نیچی، ساتویں زمین میں (یعنی ساتویں زمین کے نیچے) ہے۔

اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ جو کامل طور پر تقویٰ رکھنے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے کامل متقی وہی ہیں جو اللہ کے سوا کسی چیز سے دل بستگی نہیں رکھتے اور رذائل نفس سے مجتنب رہتے ہیں۔

کیا حقیقت میں جنت کامل تقویٰ والوں کے لئے تیار کی گئی ہے اور غیر متقیوں کو ذیلی طور پر (عفو معاصی کے بعد) ملے گی یادوں گروہوں کے لئے الگ الگ مستقل طور پر بنائی گئی ہے یہ دونوں تشریحیں اسی طرح اس آیت کی بھی ہیں جیسے دوزخ کے متعلق دونوں تشریحیں آیت اعدت للكافرين کے ذیل میں بیان کر دی گئی ہیں۔

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وہ مسرت جو مالدار ہونے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ الضراء مال کی کمی (قاموس) یعنی وہ لوگ جو کسی حالت میں راہ خدا میں خرچ کرنے سے باز نہیں رہتے تھوڑا بہت جو کچھ میسر ہو ہر حال میں راہ خدا میں دیتے ہیں۔

بغویؒ نے لکھا ہے کہ من جملہ ان اوصاف کے جو اہل تقویٰ کو مستحق جنت بناتے ہیں سب سے اول سخاوت کا ذکر اس آیت میں کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تخی اللہ سے قرب رکھنے والا ہے، جنت سے قرب رکھنے والا ہے، لوگوں سے قرب رکھنے والا ہے دوزخ سے دور رہنے والا ہے اور کتبوس اللہ سے دور جنت سے دور لوگوں سے دور، اور دوزخ سے قریب ہے۔ جاہل تخی، عابد بخیل سے اللہ کے نزدیک اچھا ہے۔ رواہ الترمذی عن ابی ہریرۃ۔ بغویؒ کی نقل کردہ روایت میں عابد بخیل کی بجائے عالم بخیل کا لفظ آیا ہے۔ مذکورہ حدیث بیہقی نے حضرت جابرؓ کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع روایت ہے کہ سخاوت اللہ کی سب سے بڑی صفت ہے۔ رواہ ابن النجار۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سخاوت جنت کے درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کی شاخیں دنیا میں لٹکی ہوئی ہیں جو شخص ان ٹہنیوں میں سے کسی ٹہنی کو پکڑ لے گا وہ ٹہنی اس کو جنت کی طرف کھینچ کر لے جائے گی اور کتبوس دوزخ کے درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کی شاخیں دنیا میں لٹکی ہوئی ہیں جو شخص ان ٹہنیوں میں سے کسی ایک ٹہنی کو پکڑ لے گا وہ ٹہنی اس کو دوزخ کی طرف لے جائے گی رواہ الدارقطنی والبیہقی عن علیؓ وابن عباسؓ والبیہقی عن ابی ہریرۃ وابو نعیم فی الحلیۃ عن جابرؓ والنبیط عن ابی سعیدؓ وابن عساکر عن انسؓ والدہ بلی فی مسند الفردوس عن معاذ بن عمرو۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک درہم ایک لاکھ سے بازی لے گیا ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ کیسے فرمایا ایک آدمی جو بڑا مالدار ہو اور اپنے مال میں سے وہ ایک لاکھ درہم خیرات کر دے اور ایک لور آدمی ہو جس کے پاس صرف دو درہم ہوں اور وہ دو درہم میں سے ایک درہم خیرات کر دے (پس یہ ایک درہم ایک لاکھ سے بہتر ہوگا) رواہ النسائی وصحیح وابن خزیمہ وابن حبان والحاکم۔

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ اور سخت غصہ کو ضبط کرنے والے۔ کظم کا معنی ہے باوجود بھر بھر کر آنے کے اپنے نفس کو روکنا۔ کظمت القربة میں نے مشک کو بھر دیا اور اس کے منہ کو باندھ دیا۔ یعنی باوجود قدرت رکھنے کے غصہ نکالنے سے

اپنے آپ کو روکنے والے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے سخت غصہ کو روک لیا، باوجودیکہ اس کو پورا کرنے کی قدرت تھی اللہ اس کے دل کو امن اور ایمان سے بھر دے گا۔ رواہ احمد و عبد الرزاق، وابن ابی الدینانی ذم الغضب۔ بغویؒ نے حضرت انسؓ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے جو شخص سخت غصہ کو پی گیا۔ باوجودیکہ غصہ نکالنے پر اس کو قابو تھا قیامت کے دن سب مخلوق کے سامنے اللہ اس کو بلائے گا اور اس کو اختیار دے گا کہ جس حور کو چاہے لے لے۔

ابن ابی الدینانی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ جو شخص اپنے غصہ کو روکے گا اللہ اس کی عیب پوشی کرے گا۔

وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ
والے (کلی) یا حق تلفی کرنے والوں اور براسلوک کرنے والوں سے درگزر کرنے والے یعنی باندی، غلاموں کی بے ادبی کو معاف کرنے والے (کلی) یا حق تلفی کرنے والوں اور براسلوک کرنے والوں سے درگزر کرنے والے (زید بن اسلم و مقاتل) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایسے لوگ میری امت کے تھوڑے ہیں سوائے اس کے جس کی اللہ نے حفاظت فرمائی۔ رواہ الشعلبی فی تفسیرہ عن مقاتل و الشعلبی فی مسند الفردوس من حدیث ابن مالک۔

وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ
المحسنین میں لام جنسی ہے جو مذکورہ بالا متقیوں کو بھی شامل ہے یا عمدی ہے اور مذکورہ اوصاف کے مندرجہ بالا اشخاص ہی مراد ہیں۔ بر تقدیر دوئم اسم ظاہر کو بجائے ضمیر کے لانے کی غرض مدح بھی ہے اور اس امر کی طرف اشارہ کرنا بھی کہ محسنین کے اوصاف وہی ہیں جن کا ذکر کر دیا گیا۔

حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا برائی کرنے والے سے بھلائی کرنا احسان ہے اور بھلائی کا بدلہ بھلائی سے تو تجارت ہے۔ شیخین نے صحیحین میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا کہ جب حضرت جبریلؑ نے رسول اللہ ﷺ سے احسان کی تشریح پوچھی تو آپؐ نے فرمایا احسان (یعنی خوبی عبادت) یہ ہے کہ تم اپنے رب کی اس طرح عبادت کرو جیسے تم اس کو دیکھ رہے ہو پس اگر تم اس کو نہیں دیکھ پاتے تو وہ یقیناً تم کو دیکھتا ہے۔

میں کہتا ہوں اس صورت میں تو اہل احسان صوفیہ ہیں اور شاید کظم غیظ سے بطور کنایہ فناء نفس مراد ہو کیونکہ غرور، حسد، کینہ، بخل اور اسی طرح کی دوسری رذیل صفات ہی غضب کی بنیاد ہیں اور شاید عفو سے بطور کنایہ فناء قلب مراد ہو کیونکہ قلب کے فنا کے بعد آدمی کی نظر سے فاعلیت انسان کا پردہ ہٹ جاتا ہے اور اس کو دیکھنے لگتا ہے کہ تمام افعال کی (فاعل حقیقی) نسبت اللہ ہی کی طرف ہے لہذا وہ کسی آدمی کو کسی عمل کی وجہ سے قابل مؤاخذہ نہیں سمجھتا ہے اور ماخوذ سمجھتا ہے تو بسلسلہ حق اللہ جتنا اللہ نے حکم دیا ہے۔ اور شاید تنگی و فراخی دونوں حالتوں میں راہ خدا میں خرچ کرنے سے یہ مراد ہے کہ ان کے دل دنیوی سامان سے وابستہ نہیں ہوتے۔ واللہ اعلم۔

اصحاب تقویٰ، اہل احسان، عارفوں کے ذکر کے بعد آئندہ آیت میں ان (گناہ گار) مسلمانوں کا ذکر فرمایا جو توبہ کر کے اہل تقویٰ کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں۔ فرمایا

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً
فاحشۃ فحش سے ماخوذ ہے فحش کا اصل معنی ہے بدی اور حد سے باہر نکل جانا یہاں فاحشۃ سے مراد ہے گناہ کبیرہ، کیونکہ مرتکب کبیرہ عصیان اور بدی کی حد سے آگے بڑھ جاتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا فاحشۃ زنا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا مسلمانوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم سے تو بنی اسرائیل ہی اللہ کی نظر میں زیادہ عزت والے تھے ان میں سے اگر کوئی (رات کو) گناہ کر لیتا تھا تو صبح کو دروازہ کی چوکھٹ پر اس کا کفارہ لکھا ہوا ملتا تھا کہ اپنی ناک یا کان کاٹ ڈال یا ایسا کر لے۔ حضور ﷺ یہ سن کر خاموش ہوئے تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

عطاء نے کہا اس آیت کا نزول نہبان خرمہ فروش کے حق میں ہوا تھا جس کی کنیت ابو معبد تھی۔ قصہ یہ ہوا کہ ایک خوبصورت عورت چھوارے خریدنے اس کے پاس آئی نہبان نے کہا یہ چھوارے اچھے نہیں ہیں گھر کے اندر اس سے کھرے

موجود ہیں چنانچہ اس عورت کو لے کر جہان گھر میں گیا اور اندر جا کر اس کو چٹا لیا اور بوسیا عورت نے کہا اللہ سے ڈر۔ جہان نے فوراً اچھوڑ دیا اور اس حرکت پر پشیمان ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قصہ عرض کر دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مقاتل اور کلبی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو آدمیوں کو بھائی بھائی بنادیا تھا۔ ایک انصاری تھا دوسرا ثقفی۔ ثقفی ایک جہاد پر گیا اور انصاری بھائی کو اپنے بال بچوں کا نگرہا بنا گیا۔ ایک روز انصاری نے ثقفی کے گھر والوں کے لئے گوشت خریدا اور ثقفی کی بیوی نے جب انصاری سے گوشت لینا چاہا تو وہ عورت کے پیچھے پیچھے گھر میں آگیا اور اس کے ہاتھ کو چوم لیا پھر اس کو پشیمانی ہوئی اور واپس لوٹ آیا مگر خاک سر پر اڑاتا ہوا سرگرداں ہو کر (جنگل میں) نکل گیا۔ ثقفی لوٹ کر آیا اور انصاری استقبال کے لئے نہ آیا تو اس نے اپنی بیوی سے انصاری کا حال پوچھا عورت نے کہا ایسے بھائیوں کی تعداد خدا زیادہ نہ کرے اور پوری حالت بیان کر دی۔ ادھر انصاری پہاڑوں میں گھومتا اور توبہ استغفار کرتا پھر رہا تھا۔ ثقفی نے اس کی تلاش کی اور جب مل گیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے کر اس امید پر آیا کہ شاید کوئی سکون اور کشائش کا راستہ آپ کے پاس مل جائے۔ انصاری نے قصہ عرض کر دیا اور کہا میں تباہ ہو گیا۔

حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا تیرا براہو کیا تجھے معلوم نہیں کہ غازی کے سلسلے میں اللہ اتنی رحمت رکھتا ہے کہ مقیم کے سلسلے میں نہیں رکھتا۔ اس کے بعد یہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت ابو بکرؓ نے دیا تھا۔ آخر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر آپ نے بھی یحییٰ کا سا جواب دیا اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اَوْ ظَلَمُوا اَنْفُسَهُمْ
یا انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہو یعنی صغیرہ گناہ کر کے یا زنا سے کم درجہ کا گناہ کر کے جیسے بوسہ یا معانفہ اور ہاتھ لگانا۔ بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ فاحشہ کا ارتکاب کیا ہو تو لا اور اپنی جانوں پر ظلم کیا ہو عملاً۔ بعض اہل علم نے کہا کہ فاحشہ وہ ہے جو متعدی گناہ ہو اور ظلم نفس سے وہ گناہ مراد ہے جو متعدی نہ ہو، یہ ہی زیادہ ظاہر ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ جنت ان لوگوں کیلئے بھی تیار کی گئی ہے جو کسی فاحشہ کا ارتکاب یا اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں پھر،
ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ
اللہ کے عذاب کی یاد ان کو ہو جاتی ہے تو گناہ کے پیچھے وہ اپنے گناہوں کی معافی اللہ سے چاہتے ہیں۔ ذکر اللہ سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کے عذاب کو یاد کرتے ہیں اور ان کو یہ احساس ہو جاتا ہے کہ اللہ ان سے پوچھے گا۔ لہذا پشیمان ہو کر وہ توبہ و استغفار کرتے ہیں۔ مقاتل بن حبان کے نزدیک ذکر اللہ سے مراد ہے اللہ کی زبانی یاد۔ میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ ذکر اللہ سے صلوٰۃ استغفار مراد ہو کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے کہ جو مؤمن بندہ یا جو شخص کوئی گناہ کرتا ہے پھر اچھی طرح وضو کر کے کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہے پھر اللہ سے معافی کا طلب گار ہوتا ہے تو اللہ اس کا گناہ ضرور معاف فرمادیتا ہے۔ رواہ ابو داؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ وابن حبان۔ ترمذی نے اتالیف اور روایت کیا ہے پھر حضور ﷺ نے پڑھاؤ الَّذِینَ اِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً وَ ظَلَمُوا اَنْفُسَهُمْ، الْآیۃ۔

وَمَنْ يَغْفِرِ الذُّنُوبَ اِلَّا اللّٰهُ
استثناء مفرغ اور استہقام بمعنی نفی ہے۔ یعنی اللہ کے علاوہ کوئی بھی گناہ معاف نہیں کر سکتا، کیونکہ جو لوگ (دنیا آخرت میں) دوسروں کو معاف کرنے والے ہیں وہ صرف اپنے حقوق سے درگزر کرنے والے ہیں، گناہ معاف نہیں کر سکتے۔ گناہ کو معاف کرنا تو اللہ کا حق ہے (معصیت اللہ کے حق کے خلاف کرنے کا نام ہے) یا یوں کہا جائے کہ معاف کرنے والے اشخاص جو لوگوں کو معاف کرتے ہیں وہ اس امید پر معاف کرتے ہیں کہ اللہ ان کی مغفرت فرمادے گا گویا ان کی معافی تجارتی ہوتی ہے اور گناہوں کو معاف کرنے والا وہی ہوتا ہے جو بلا لالچ اور بغیر غرض کے معاف فرمادے اور ایسا سوائے خدا کے کوئی نہیں۔ یہ جملہ معترضہ درمیان میں وسعت رحمت اور عموم مغفرت کو ظاہر کرنے کے لئے لایا گیا ہے پھر اس میں استغفار کی ترغیب اور توبہ قبول ہونے کا وعدہ بھی ہے۔

وَلَمْ يُصِرُّوا عَلٰی مَا فَعَلُوا
یعنی اور اپنے گناہوں پر جم کر نہ بیٹھ رہے۔ صحاح میں ہے کہ (اس جگہ) اصرار کا معنی ہے گناہ میں گھس کر بیٹھ رہنا اور شدت کرنا اور ترک گناہ سے باز رہنا۔
اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ استغفار کے لئے جس طرح گناہ پر ندامت ضروری ہے اسی طرح ترک گناہ کا عزم بھی لازم ہے خواہ آئندہ یہ عزم ترک ٹوٹ جائے اور گناہ صادر ہو جائے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے استغفار کیا اس نے اصرار نہیں کیا خواہ دن میں لوٹ لوٹ کر ستر بار (گناہ) کیا ہو۔ رواہ ابو داؤد و الترمذی۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا گناہ پر قائم رہتے ہوئے استغفار کرنے والا ایسا ہے جیسے کوئی اپنے رب سے استہزاء کر رہا ہو۔ رواہ البیہقی وابن عساکر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

مسئلہ :- صغیرہ گناہوں پر جم جانا کبیرہ ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا استغفار کے ساتھ کوئی کبیرہ کبیرہ نہیں رہتا۔ اور اصرار کے ساتھ کوئی صغیرہ صغیرہ نہیں رہتا (بلکہ کبیرہ ہو جاتا ہے) رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس۔

وَهُمْ يَعْلَمُونَ
یہ جملہ حالیہ ہے یعنی معصیت پر اصرار کو اس لئے انہوں نے ترک کر دیا کہ وہ معصیت کو معصیت جانتے ہیں اور اصرار سے ان کو اللہ کا خوف روکتا ہے۔ ترک گناہ کی وجہ ان کی اپنی سستی یا طبعی نفرت یا بندوں کا خوف یا موقع کا میسر نہ آنا نہیں کیونکہ اگر اطاعت کی نیت سے کسی ممنوع کام سے نفس کو روکا جائے تو اس پر ثواب مرتب ہوتا ہے (بغیر نیت اطاعت کے) محض ترک ممنوع موجب ثواب نہیں ہاں اس صورت میں اتنا فائدہ ضرور ہوتا ہے کہ مطلقاً ترک معصیت کی وجہ سے اس عذاب سے بچاؤ ہو جائے گا جو معصیت کے لئے مقرر ہے۔ گناہ پر قابو نہ پانا خود ایک قسم کا عذاب ہے (بچاؤ ہے)۔

ضحاکؒ نے کہا ہم يعلمون سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کو مغفرت معاصی کا مالک جانتے ہیں۔ حسین بن فضلؒ نے کہا کہ وہ اس امر کو جانتے ہیں کہ ان کا ایک رب ہے جو گناہ معاف فرماتا ہے۔ بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ گناہ کتنے ہی ہوں اللہ کے غنوں سے بڑے نہیں۔ بعض دوسرے علماء نے یہ مطلب کہا ہے وہ جانتے ہیں کہ اگر وہ اللہ سے معافی کے طلب گار ہوں گے تو اللہ معاف فرمادے گا۔

شیخین نے صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی بندہ نے ایک گناہ کیا پھر عرض کیا میرے رب مجھ سے ایک گناہ ہو گیا ہے تو اسے معاف کر دے، اللہ نے فرمایا میرے بندے نے جان لیا کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ کو معاف بھی کرتا ہے اور پکڑ بھی کرتا ہے، میں نے اپنے بندہ کو معاف کر دیا۔ کچھ مدت کے بعد اسی شخص نے پھر ایک گناہ کیا اور عرض کیا پروردگار مجھ سے ایک اور گناہ ہو گیا تو معاف کر دے، اللہ نے فرمایا میرا بندہ واقف ہے کہ اس کا ایک مالک ہے جو گناہ بخش دیتا ہے اور (کبھی) گرفت بھی کر لیتا ہے، میں نے اپنے بندہ کا گناہ بخش دیا۔ پچھ وقت کے بعد بندہ نے ایک اور گناہ کیا اور عرض کیا پروردگار تو معاف فرمادے۔ اللہ نے فرمایا میرا بندہ سمجھتا ہے کہ اس کا ایک مالک ہے جو گناہ معاف بھی کرتا ہے اور گرفت بھی کر لیتا ہے، میں نے اپنے بندہ کو بخشا ہے وہ جو کچھ چاہے کرے۔
طبرانی اور حاکم نے سند صحیح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے یہ فرمان رسول اللہ ﷺ نقل کیا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا جو شخص مجھے مغفرت معاصی پر قادر جانتا ہے میں اس کو بخش دیتا ہوں اور (اس کے گناہوں کی کثرت کی) پرواہ بھی نہیں کرتا جب کہ اس نے کسی چیز کو میرا سا جی نہیں ٹھہرایا ہو۔

اُولٰٓئِكَ جَزَاؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَبِّهِمْ وَجَنَّتْ تَحِيَّتُكَ مِّنْ تَحِيَّتِهَا اَلَا تَهْتَدُوْنَ خُلْدِيْنَ فِيْهَا

ان ہی سب تقویٰ رکھنے والوں اور توبہ کرنے والوں کی یا انہی توبہ کرنے والوں کی جزا مغفرت الہی ہے اور ایسے باغ ہیں جن کے درختوں کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں ان جنتوں میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

جنت کی تین بتدی ہے کہ وہ اہل تقویٰ جو اوصاف مذکورہ کے حامل ہیں ان کی جزا سے ان مغفور گناہ گاروں کا ثواب کم درجہ کا ہوگا اسی لئے اہل تقویٰ کی جزا والی آیت کا تمہ واللہ یحب المحسنین کے ساتھ کیا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اہل احسان محبت خداوندی کے مستحق ہیں اور مغفور اہل معصیت کے ثواب کا بیان ذیل کی آیت پر ختم کیا۔
وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَمِلِينَ ﴿۵﴾
بے شک اپنی کوتاہی کی تلافی کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جو فوت شدہ چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

لیکن فوت شدہ کی تلافی کر لینے والے میں اور صاحب احسان میں بڑا فرق ہے۔ اول اجر ہے دوسرا محبوب اور اجر محبوب کی طرح نہیں ہو سکتا۔ شاید لفظ جزاء کو اس جگہ لفظ اجر سے بدل کر ذکر کرنے میں یہی نکتہ ہے۔
رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی طرح ہے۔ رواہ الہیثمی وابن عساکر عن عباسؓ والقیسی فی الرسالة وابن النجار عن علی کرم اللہ وجہہ۔

فائدہ :- بے شک جنت اہل تقویٰ اور (گناہ گار) اہل توبہ کے لئے تیار کی گئی ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ گناہوں پر جم جانے والے (اہل ایمان) جنت میں نہیں جائیں گے جیسے دوزخ اگرچہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے لیکن دوسروں کا دوزخ میں نہ ہونا اس سے لازم نہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مومن مرتکب کبیرہ کو اللہ گناہوں سے پاک کر کے جنت میں داخل فرمادے خواہ تطہیر کہ یہ صورت ہو کہ دوزخ کا عذاب دے کر پاک صاف کر دے جیسے بھٹی میں پڑ کر معدنی چیزوں کا میل صاف ہو جاتا ہے یا بغیر عذاب دیئے اللہ بخش دے اور اس طرح توبہ نہ کرنے والا گناہ گار بھی توبہ کرنے والے کی طرح ہو جائے۔
ثابت بنابی نے کہا مجھے اطلاع ملی ہے کہ جب آیت والذین اذا فعلوا فاحشة ، نازل ہوئی تو ابلیس رویا۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِينَ ﴿۵﴾

(سُنَن، سُنَن کی جمع ہے اور) سنت کا معنی ہے اچھائی یا برائی کا وہ راستہ جس کے پیروی کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اچھا طریقہ لایا اس کو خود اس طریقہ پر چلنے کا ثواب بھی ملے گا اور ان لوگوں کو بھی جو اس طریقہ کے موافق عمل کریں گے مگر ان عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور جس نے برا طریقہ ایجاد کیا اس پر خود اپنا بھی گناہ ہوگا اور ان لوگوں کا بھی جو اس طریقہ پر عامل ہوں گے مگر ان عمل کرنے والوں کے بار میں سے کچھ کمی نہیں کی جائے گی۔
سُنَن سے صفات محذوف ماننا بھی جائز ہے یعنی سنن سے مراد اہل سنن ہیں

بعض علماء نے سنن کا ترجمہ کیا ہے اقوام سننہ کا معنی ہے قوم ایک شاعر کا قول ہے لوگوں نے ان کے فضل جیسا کوئی فضل اور ان کی طرح کی کوئی قوم گذشتہ اقوام (سالف السنن) میں نہیں دیکھی۔ اول صورت میں آیت کا مطلب اس طرح ہوگا کہ تم سے پہلے خیر و شر کے بہت طریقوں والے گزر گئے تم ملک میں چل پھر کر دیکھ لو کہ تکذیب خیر کا نتیجہ کیسا ہوا اور انجام کار تکذیب کرنے والوں کی تباہی کس طرح ہوئی۔

مجاہد نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تم سے پہلے گذشتہ کافر قوموں کے لئے میرے طریقے یہ رہے ہیں کہ میں ان کو اس حد تک مہلت اور ڈھیل دیتا رہا کہ وہ اپنی مقررہ حدود زندگی تک پہنچ جائیں آخر جب ان کی تباہی کا وقت آگیا تو میں نے ان کو ہلاک کر دیا۔ اور اپنے پیغمبروں کو اور ان کے مقبوعین کو فتح عنایت کی چل پھر کر دیکھو اور عبرت حاصل کرو۔ کلبی نے کہا ہر قوم کے لئے اللہ کے طرف سے ایک طریقہ اور راستہ رہا ہے جن لوگوں نے اس کو مانا اور اس پر چلے اللہ ان سے راضی ہوا جس نے نہ مانا اور اس طریقہ پر نہ چلا اللہ نے اس کو تباہ کر دیا۔ تکذیب کرنے والوں کا انجام دیکھ لو۔

ہذا یہ قرآن کی طرف اشارہ ہے یا آیت قد خلت کی طرف یا فانظروا کے مفہوم کی طرف۔

بَيِّنَاتٍ لِّلنَّاسِ لَعَلَّ هُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۵﴾

وَهَٰذَا يَوْمَئِذٍ يَكُونُ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجْرٌ يَوْمَئِذٍ يَرْجِعُونَ ﴿۵﴾

اور خصوصیت کے ساتھ متقیوں کیلئے ہدایت اور نصیحت ہے کیونکہ متقی

ہی اس سے فائدہ اندوز ہوتے ہیں۔

اور احد کے دن تمہارے جو آدمی قتل یا زخمی ہو گئے ان کی وجہ سے تم دشمنوں کے مقابلہ سے کمزور اور

وَلَا تَهَيُّوْا

بے ہمت نہ ہو۔

اور مقتولوں کے قتل کا رنج نہ کرو۔

وَلَا تَحْزَنُوْا

وَأَنْتُمْ أَعْلَوْنَ

حالانکہ تم ہی ان سے اونچے ہو کیونکہ اس مصیبت کے اجر و ثواب کے تم امیدوار ہو اور کافروں

کو آئندہ ثواب کی امید نہیں۔ تمہارے مقتولین جنت میں ہیں اور ان کے مقتول دوزخ میں۔ احد کی لڑائی میں پانچ مہاجر حضرت

حزہ اور حضرت مصعبؓ وغیرہ اور ستر انصاری شہید ہوئے تھے۔ یہی مفہوم ہے ایک اور آیت کا جس میں فرمایا ہے۔ وَلَا تَهَيُّوْا

فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ اَنْ تَكُوْنُوْا نَالِمُوْنَ فَاَنْتُمْ بِالْمُوْنِ كَمَا تَالُمُوْنَ وَ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ۔ کبھی کا بیان ہے کہ

جنگ احد میں مسلمانوں کو زخمی ہونے کی تکلیف ہوئی لیکن باوجود زخمی ہو جانے کے رسول اللہ ﷺ نے ان کو دشمن کے تعاقب کا

حکم دیا۔ یہ حکم مسلمانوں پر بارگزر اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یابہ مطلب ہے کہ آخر میں تم ہی اونچے رہو گے اللہ کی طرف سے تم کو ہی فتح و ظفر حاصل ہوگی۔ حضرت ابن عباسؓ کا

بیان ہے کہ گھائی میں صحابہؓ کو شکست ہو گئی، خالد بن ولیدؓ مشرکوں کا سوار دستہ ساتھ لے کر پہاڑ پر چڑھ کر اوپر سے حملہ کرنا

چاہتے تھے رسول اللہ ﷺ نے دعا کی اے اللہ یہ ہمارے اوپر نہ آئے ہم کو تیرے سوا کسی اور کی قوت حاصل نہیں۔ مسلمان تیر

اندازوں کی ایک جماعت پہاڑ پر چڑھ گئی تھی اور انہوں نے رات وہیں گزاری تھی اس گروہ نے مشرک رجسٹ کو تیروں پر رکھ لیا

اور بھگادیا آیت وانتم الاعلون کا یہی مطلب ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

یعنی اگر تم ایماندار ہو اور تمہارا ایمان پکا ہے تو کمزور اور رنجیدہ نہ ہو کیونکہ ثواب کی

امید رکھنا اور اللہ پر بھروسہ کر کے قوی دل ہونا ایمان کا تقاضا ہے یا یہ مطلب ہے کہ اگر تمہارا ایمان درست ہوگا تو تم ہی آخر میں

اونچے رہو گے کیونکہ اہل ایمان کے مدد کرنے کا ہمارا ذمہ ہے۔

اِنْ يَمْسَسْكُمْ قَوْمٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَدْ مِثْلُهُ ۝

قرح اور قرح ہتھیار وغیرہ کی چوٹ جس سے

بدن زخمی ہو جائے (قاموس) فراء نے کہا قرح بفتح قاف زخم اور بضم قاف زخم کی تکلیف یعنی احد کے دن تم کو زخم لگے اور

تکلیف ہوئی تو بدر کے دن کفار قریش کو بھی ایسے ہی زخم لگے اور تکلیف ہوئی تھی مگر وہ دوبارہ تم سے لڑنے کے لئے آنے سے

بے ہمت نہ ہوئے پس تم تو اس کے زیادہ مستحق ہو۔ مسلمان جب دکھ اور رنج کے ساتھ احد سے لوٹے تو مسلمانوں کو تسلی دینے

اور کافروں کے مقابلہ میں حوصلہ بڑھانے کے لئے اس آیت کا نزول ہوا۔

وَتِلْكَ الْاَيَاتُ الْمُرْسَلَاتُ ۝

اور ایام فتح کو ہم لوگوں میں باری باری سے گھماتے

پھیرتے رہتے ہیں یعنی ہماری عادت یونہی جاری ہے کبھی اس گروہ کی فتح ہوتی ہے اور کبھی اس کی۔ حضرت براء بن عازبؓ کی

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پچاس پیادوں کا جبیر بن مطعمؓ کو سردار بنا کر (گھائی کے دہانہ پر جے رہنے کا) حکم دے دیا تھا

اور فرمایا تھا اگر تم دیکھو کہ پرندے ہم کو جھپٹ کر لئے جارہے ہیں تب بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹنا جب تک میرا پیام تمہارے پاس نہ

پہنچ جائے اور اگر دیکھو کہ ہم نے دشمن کو بھگادیا اور روند دیا تب بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا تاوقتیکہ میں تمہارے پاس پیام نہ بھیجوں۔

راوی کا بیان ہے کہ (شروع میں) رسول اللہ ﷺ نے ان کو بھگادیا میں نے خود دیکھا کہ عورتیں ٹانگوں سے کپڑے

اٹھائے تیزی سے بھاگی جارہی ہیں اور ان کی پازیبیں اور پنڈلیاں کھل گئیں ہیں۔ یہ دیکھ کر عبد اللہ بن جبیر کے ساتھی بولے لوگو!

تمہارے ساتھی غالب آگئے تم کیا انتظار کر رہے ہو، لوٹو، لوٹو۔ عبد اللہ بن جبیرؓ نے کہا کیا تم رسول اللہ ﷺ کا فرمان بھول گئے۔

کنے لگے خدا کی قسم ہم تو ضرور ان کے پاس پہنچ کر مال غنیمت حاصل کریں گے۔ چنانچہ جو نبی یہ لوگ (بھاگتے ہوئے) کافروں پر

پہنچے ان کے رخ پھر گئے اور یہ شکست کھا کر بھاگے (اور رسول اللہ ﷺ پچھلی قطار میں کھڑے تم کو پلٹ کر آنے کے لئے پکار

رہے تھے) یہ ہی مفہوم ہے والرسول بد عوکم فی اخر اکم۔ کا حضور ﷺ کے ساتھ بارہ آدمیوں کے سوا کوئی باقی نہیں رہا۔ کافروں نے ہمارے ستر آدمی قتل کئے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ نے بدر کے دن ستر مشرکوں کو قتل اور ستر کو قید کیا تھا۔ ابوسفیان نے تین بار (پکار کر) کہا کیا قوم میں محمد ﷺ ہیں رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو جواب دینے سے منع فرمادیا۔ ابوسفیان نے تین بار کہا کیا ابو قحافہ کا بیٹا موجود ہے۔ پھر تین بار کہا کیا ابن خطاب ہے (جب کوئی جواب نہ ملا تو) لوٹ کر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے سب مارے گئے یہ بات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے قابو ہو گئے اور بولے۔

”اے دشمن خدا، خدا کی قسم تو جھوٹا ہے جن کے تو نے نام لئے وہ سب زندہ ہیں اور تجھے دکھ دینے والا کاٹنا موجود ہے۔“

ابوسفیان بولا آج کا دن، بدر کے دن کا بدلہ ہو گیا۔ لڑائی چرخ کے ڈولوں کی طرح نیچی اونچی ہوتی رہتی ہے۔ مقتولین میں تم کو کچھ لوگ مثلاً (ناک، کان، پیشاب گاہ کٹے ہوئے) ملیں گے لیکن میں نے اس کا حکم نہیں دیا تاہم مجھے یہ برا بھی نہیں معلوم ہوا۔ اس کے بعد جنگی لے میں گانے لگا ہل کی جے۔ ہل کی جے (ہل ایک بت کا نام تھا قریش اس کی پوجا کرتے تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اس کو کیوں جواب نہیں دیتے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم کیا کہیں فرمایا کہو اللہ سب سے بالا اور تر ہے۔ ابوسفیان نے کہا ہماری عزتی ہے تمہاری کوئی عزتی نہیں (عزتی بھی ایک مورتی تھی جس کی شکل عورت کی تھی گویا ہل دیوتا تھا اور عزتی دیوی)۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم جواب نہیں دیتے صحابہؓ نے عرض کیا ہم کیا کہیں فرمایا کہو اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ ابوسفیان نے حضرت عمرؓ سے کہا تم خوشی کے ساتھ یہاں آؤ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عمرؓ جاؤ دیکھو اس کا کیا کام ہے حسب الحکم حضرت عمرؓ گئے۔ ابوسفیان نے کہا عمرؓ میں تم کو اللہ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کیا ہم نے محمد ﷺ کو قتل کر دیا حضرت عمرؓ نے فرمایا بخدا انہیں وہ تو اس وقت بھی تیرا کلام سن رہے ہیں۔ ابوسفیان نے کیا تم میری نظر میں ابن قمیہ سے زیادہ سچے ہو اور سچی قسم والے ہو۔ ابن قمیہ نے قریش سے جا کر کہہ دیا تھا کہ میں نے محمد ﷺ کو قتل کر دیا۔ پھر ابوسفیان نے کہا سال ختم ہونے پر آئندہ بدر صغریٰ پر تم سے مقابلہ ہو گا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہہ دو اچھا ہمارا تمہارا وعدہ ہو گیا پھر ابوسفیان اپنے ساتھیوں کو لے کر لوٹ گیا اور روانہ ہو گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بھی اسی مضمون کی حدیث منقول ہے اس حدیث میں آیا ہے کہ ابوسفیان نے کما دن کے بدلے دن اور لایام کی گردش رہتی ہے اور لڑائی چرخ کے ڈولوں کی طرح اوپر نیچے ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا دونوں برابر نہیں ہیں ہمارے مقتول جنت میں ہیں اور تمہارے مقتول دوزخ میں۔

زجاج نے کہا مسلمانوں کا غلبہ تو ہوتا ہی ہے کیونکہ اللہ نے فرمادیا ہے وان جندنا لهم الغالبون احد کے دن جو مسلمانوں پر کافروں کو غلبہ حاصل ہو گیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمان نے فرمان رسول اللہ ﷺ کے خلاف کیا تھا۔

وَلْيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا
اس جملہ کا عطف ایک محذوف جملہ پر ہے یعنی ہم لایام فتح و شکست کا باری باری تبادلہ مختلف حکمتوں اور مصلحتوں کے تحت کرتے ہیں اور اس لئے بھی کہ جو مومن صبر اور ثبات ایمانی کی وجہ سے لوگوں کے نزدیک ممتاز ہو چکے ہوں ان کو ہم جان لیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ معطوف علیہ محذوف نہ ہو بلکہ اس جملہ پر عطف ہو جو آیت و تلک الایام نداولہا بین الناس سے سمجھ میں آرہا ہے اس صورت میں کلام اس طرح ہو گا کہ لایام فتح و شکست کا تبادلہ ہم اس لئے کرتے ہیں کہ یہی ہمارا معمول ہے پیدا کرنا اور فناء کرنا عادت خداوندی ہے اور اس لئے بھی کہ اللہ جان لے۔

اس جملہ (ثبت) یا اس کیخلاف (منفی) آیات میں اللہ کے علم کو ثابت کرنا یا نفی کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ برہانی طور پر معلوم خارجی کا ثبوت یا اس کی نفی مقصود ہوتی ہے کیونکہ علم خداوندی معلوم خارجی کے لئے لازم ہے اور نفی علم نفی معلوم کے لئے۔ دوسری طرف نفی معلوم کو مستلزم ہے ورنہ علم علم نہیں رہے گا بلکہ جمالت ہو جائے گا۔ پس آیت میں ملزوم

بول کر لازم مراد لیا گیا ہے یعنی تبادلِ لیا م کی علت یہ ہے کہ لوگوں کی نظر میں اہل ایمان کا دوسروں سے امتیاز ہو جائے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ لیعلم سے مراد ہے ایسا علم جس سے جزا و سزا وابستہ ہے اور یہ علم بندہ کے اعمال کے ظہور کے بعد ہی ہوتا ہے (رباہو علم خداوندی جو تخلیق کائنات سے پہلے سے ہے اس پر سزا و جزا مرتب نہیں)۔

وَيَتَّخِذُ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ اور تم میں سے بعض لوگوں کو انعام شہادت سے سرفراز کر دے اس سے مراد شہداء احد ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ قیامت کے دن دوسری اقوام پر صبر اور ثبات کی شہادت دینے کی جن مسلمانوں میں اہلیت ہو ان کو چن لے۔

ابن ابی حاتم نے عکرمہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ (احد کے دن) جب دیر تک عورتوں کو جنگ کی خبر نہ ملی تو دریافت حال کے لئے وہ نکلیں، سامنے سے دو شخص ایک اونٹ پر سوار آتے دکھائی دیئے ایک عورت نے پوچھا رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے سواروں نے کہا زندہ ہیں عورت بولی اب مجھے پروا نہیں کہ اللہ اپنے بندوں میں سے کچھ لوگوں کو شہید بنا دے پس اسی عورت کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ اور اللہ ظالموں یعنی ان کافروں منافقوں کو ناپسند کرتا ہے جن سے ایمان پر ثابت قدم رہنے کا ظہور نہیں ہوا (اور وہ منہ موڑ کر چلے آئے) اس آیت میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ اللہ حقیقت میں تو کافروں کی مدد نہیں کرتا لیکن کبھی کبھی جو ان کو غلبہ عنایت کر دیتا ہے تو یہ ان کے لئے ڈھیل اور مسلمانوں کا امتحان ہوتا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ اہل ایمان کو گناہوں سے پاک صاف کر دے۔

وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ اور کافروں کو آہستہ آہستہ مٹا دے، محق کا معنی ہے تھوڑا تھوڑا کر کے کسی چیز کو توڑ دیا، مطلب یہ ہے کہ اگر کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ ہوتا ہے تو مسلمانوں کے امتیاز کرنے، شہید بنانے اور گناہوں سے پاک کرنے کے لئے ہوتا ہے اور مسلمانوں کا غلبہ ہوتا ہے تو کافروں کو گھٹانے اور ان کے نشان مٹانے کے لئے ہوتا ہے۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ استفہام انکاری اور ام منطقہ ہے۔

وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الضَّالِّينَ حالانکہ تمہارے مجاہدوں کا اللہ نے (لوگوں کی نظر میں) امتیاز ابھی تک نہیں کیا اور نہ صبر کرنے والوں کا امتیاز کیا۔ یعنی ابھی تک نہ تم نے جہاد کیا (کہ لوگوں کو تمہارا مجاہد ہونا معلوم ہو گیا ہو اور نہ تم نے مصائب جنگ پر صبر کیا کہ تمہارا صابر ہونا معلوم ہو جاتا) دوسرے یعلم سے پہلے ان مضمحلے اور داؤ جمع کے لئے ہے جیسے لا تأکل السمک و تشرب اللبن یعنی مچھلی اور دودھ کو ساتھ ملا کر نہ کھاؤ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسکو حالت جزم میں قرار دے کر مفتوح پڑھا جائے کیونکہ دوساکن جمع ہیں اور ساکن سے پہلے حرف (لام) پر فتح ہے۔

ابن ابی حاتم نے بطریق عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ کچھ صحابی کہا کرتے تھے کاش ہم بھی بدر والوں کی طرح دشمنوں کو مارتے یا یوں کہتے کہ کاش بدر کے دن کی طرح ہم کو بھی کسی دن مشرکوں سے لڑنے کا موقع ملتا اور اس روز ہمارا اچھا امتحان ہوتا یا ہم شہادت پا کر جنت میں شہیدوں کی زندگی اور رزق کے طلب گار ہوتے لیکن (آزمائش کے وقت) سوائے ان کے جن کو اللہ نے چاہا کوئی (میدان جنگ میں) نہ ٹھہر سکا۔ اس پر اللہ نے مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی۔

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ ہے لڑائی کیونکہ لڑائی موت کا ایک سبب ہے یعنی تم لڑائی کی تمنا کیا کرتے تھے۔ اور تم بلاشبہ اللہ کی راہ میں مرنے کی تمنا کیا کرتے تھے یا موت سے مراد موت یا لڑائی کو دیکھنے اور اس کی شدت کا معائنہ کرنے سے پہلے۔

فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۱۷﴾

اب تم نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا یعنی تمہارے بھائی بند تمہارے سامنے مارے گئے اور تم نے خود دیکھ لیا۔ آیت میں زجر ہے اس امر پر کہ پہلے لڑائی کی تمنا کیا کرتے تھے پھر لڑائی ہوئی تو بزدل بن کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ یا زجر ہے تمنا شہادت پر کیونکہ شہادت مسلمان کی تمنا کا معنی ہے غلبہ کفار کی تمنا۔

ابن ابی حاتم نے ربیع کا قول نقل کیا ہے کہ احد کے دن جب مسلمانوں پر زخمی ہونے کی جو مصیبت پڑی تھی پڑی تو انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو پکارا۔ لوگوں نے کہا وہ تو شہید ہو گئے کچھ لوگ گئے اگر نبی ہوتے تو مارے نہ جاتے دوسرے لوگوں نے کہا جس چیز کے لئے تمہارے نبی نے قتال کیا تھا اسی کے لئے تم بھی اس وقت تک لڑو کہ اللہ تم کو فتح عطا فرمادے یا تم بھی رسول اللہ ﷺ سے جا ملو۔ ابن المنذر نے حضرت عمرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ احد کے دن ہم رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر پرانگندہ ہو گئے۔ میں پہاڑ پر چڑھ گیا اور ایک یہودی کو کہتے سنا، محمد مارے گئے میں نے کہا جو کوئی بھی کہے گا محمد مارے گئے میں اس کی گردن مار دوں گا اتنے میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اور دوسرے لوگ واپس آ رہے ہیں۔

بیہقی نے دلائل میں ابوالہیج کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک مہاجر کسی انصاری کی طرف سے گزرا انصاری خون میں تڑپ رہا تھا۔ مہاجر نے انصاری سے (یا انصاری نے مہاجر سے) کہا کیا تم کو معلوم ہے کہ محمد ﷺ قتل کر دیئے گئے اس نے جواب دیا اگر محمد ﷺ قتل کر دیئے گئے تو وہ (پیام خداوندی) پہنچا گئے اب تم اپنے دین کی طرف سے لڑو۔ اس پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ﴿۱۸﴾ اور محمد ﷺ نہیں ہیں مگر رسول یعنی خدا نہیں ہیں جن کا مرنا اور فنا ہونا ناممکن ہو اور نہ وہ لوگوں کو اپنی عبادت کی دعوت دیتے ہیں۔

محمد ﷺ کا مادہ حمد ہے اور مصدر تحمید (قاموس میں ہے حمد کا معنی ہے شکر، رضاء، جزا، ادائے حق اور تحمید کا معنی ہے پیہم حمد کرنا پس محمد ﷺ کا معنی ہو وہ شخص جس کی پیہم حمد کی جائے۔ میں کہتا ہوں محمد ﷺ وہ شخص ہے جس کی پیہم غیر متناہی حمد کی جائے۔

بغویؒ نے لکھا ہے محمد ﷺ وہ شخص ہے جو تمام حامد کا جامع ہو کیونکہ حمد کا مستحق صرف وہی شخص ہوتا ہے جو کامل الصفات ہو اور تحمید کا درجہ حمد سے زیادہ ہے (باب تفعلیل میں باب مجرد سے زیادہ قوت اور کثرت ہونی چاہئے کثرت لفظ کثرت معنی پر دلالت کرتی ہے) پس مستحق تحمید وہی شخص ہو گا جو انتہائی کمالات کو محیط ہو۔ حضرت حسان بن ثابت کا قول ہے۔ کیا تم کو نہیں معلوم کہ اللہ نے اپنے بندہ کو اپنی برہان (یعنی قرآن) دے کر بھیجا اور اللہ سب سے بزرگ و برتر ہے۔ اور

۱۔ بخاری نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابو بکر (کاشانہ نبوت سے برآمد ہوئے اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے باتیں کر رہے تھے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا عمرؓ بیٹھ جاؤ پھر فرمایا، اما بعد جو محمد ﷺ کی پوجا کرتا تھا تو (اس کو سمجھ لینا چاہئے کہ) محمد ﷺ کی وفات ہو گئی اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا تو بلاشبہ اللہ زندہ ہے اللہ نے خود فرمایا ہے وما محمد الا رسول الشاکرین تک، راوی کا بیان ہے خدا کی قسم ایسا معلوم ہوا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تلاوت سے پہلے لوگوں کو علم ہی نہ تھا کہ اللہ نے یہ آیت بھی نازل فرمائی ہے اور ابو بکر سے سن کر سب نے اس کی تلاش شروع کر دی میں نے کوئی شخص نہیں پایا کہ وہ پڑھنے نہ لگا ہو۔ حضرت ابو ہریرہؓ اور عروہؓ وغیرہ راوی ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا اگر لوگ اونٹ کے پاؤں میں باندھنے کی رسی مجھے دینے سے انکار کریں گے جو (زکوٰۃ کے اونٹوں کے ساتھ) وہ رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے تو میں ان سے جہاد کروں گا، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم۔

۲۔ حضرت علیؓ نے الشاکرین کی تفسیر میں فرمایا دین پر جتنے رہنے والے یعنی ابو بکرؓ اور ان کے ساتھی۔ حضرت علیؓ فرماتے تھے ابو بکرؓ شاکرین کے سردار تھے، مؤلف

اس کی عزت افزائی کے لئے اپنے نام سے مشتق کر کے (اس کا نام رکھا) پس مالک عرش محمود ہے اور یہ محمد ﷺ ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔

قَدْ خَلَتْ

مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ

یعنی گزر گئے اور مر گئے۔

ان سے پہلے پیغمبر پس یقیناً وہ بھی مرے گئے۔
پس کیا اگر وہ (اپنی موت) مر جائیں گے یا مارے جائیں گے تو تم ایڑیوں کے بل اپنے پہلے مذہب یعنی کفر کی طرف پلٹ جاؤ گے۔ استفہام انکاری ہے یعنی جب سابق انبیاء مر گئے تو ان کا دین نہیں مر گیا پس محمد بھی ایک رسول ہیں اگر مر جائیں گے تو ان کا دین نہیں مرے گا لہذا تم کو لوٹ کر مرتد نہ ہونا چاہئے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ فاء سبیت کے لئے ہے اور ہمزہ انکاری ہے یعنی رسول اللہ کی وفات تمہارے ارتداد کا سبب نہ ہونا چاہئے۔

وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقْبَيْهِ

فَلَنُيْصِرَ اللَّهُ شَيْئًا

وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ۝

اور جو اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جائے گا یعنی دین سے پھر جائے گا۔
وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا۔

۱۔ اور جو لوگ اسلام پر قائم رہ کر نعمت اسلام کے شکر گزار رہیں گے اللہ

ضرور ان کو جزا دے گا۔

﴿قصہ احد﴾

اہل مغازی نے بیان کیا ہے کہ احد کی گھاٹی میں رسول اللہ ﷺ سات سو صحابہؓ کی جمعیت کے ساتھ اترے اور عبد اللہ بن جبیرؓ کو (پچاس) پیادوں کا سردار بنا کر گھاٹی پر مقرر فرمادیا جیسا کہ حضرت براء بن عازبؓ کی سابق روایت میں گذر چکا ہے اب قریش آئے مینمہ پر خالد بن ولید اور میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل کمانڈر تھے عورتیں ان کے ساتھ تھیں جودف بجا بجا کر شعر گارہی تھیں گھمسان کارن پڑا رسول اللہ ﷺ نے دست مبارک میں تلوار لے کر فرمایا یہ تلوار لے کر کون اس کا حق ادا کرے گا کہ دشمن کو مارے اور خوب خون بہائے۔ ابودجانہ سماک بن حرسہ انصاری نے وہ تلوار لے لی اور لے کر سرخ عمامہ باندھ کر اٹھلا کر چلنے لگے، حضور ﷺ نے فرمایا یہ چال اللہ کو ناپسند ضرور ہے مگر اس موقع پر درست ہے مشرکوں کے سرداروں کو ابودجانہ نے اس تلوار سے قتل کیا، رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں نے مشرکوں پر حملہ کیا اور ان کو مار بھگا دیا اور اللہ نے مسلمانوں کو فتح عنایت کی اور اپنا وعدہ پورا کیا مسلمانوں نے کافروں کو تلوار سے کاٹ کر رکھ دیا میدان جنگ سے ان کو بھگادیا اور خوب قتل کیا۔ مشرکوں کے سواروں نے مسلمانوں پر تین بار حملہ کیا لیکن ہر بار ان پر تیروں کی بوچھاڑ کی گئی اور ان کو پسپا ہونا پڑا، تیر انداز مسلمانوں کی پشت کی حفاظت کر رہے تھے اور مشرکوں کے سواروں کو تیروں کا نشانہ بنائے تھے ہر تیر یا گھوڑے کے لگتا تھا یا آدمی کے، آخر کار سب پشت دے کر بھاگے۔

حضرت علیؓ بن ابی طالب نے مشرکوں کے علمبردار طلحہ بن طلحہ کو قتل کر دیا اور مسلمان بکیر کہہ کر کافروں کو خوب ہی مارنے لگے نتیجہ میں کافروں کی صفیں پر آگندہ ہو گئیں، حضرت زبیر بن عوام نے فرمایا میں نے دیکھا کہ ہندہ اور اس کے ساتھ والیاں بھاگتی ہوئی تیزی کے ساتھ پہاڑ پر جا رہی تھیں۔ ان کی پازیبیں (یعنی پنڈلیاں) کھلی ہوئی تھیں ان کی گرفتاری سے کوئی مانع نہ تھا جب حضرت عبد اللہ بن جبیر کے ساتھ والے تیر اندازوں نے دیکھا کہ دشمنوں پر بے چھٹ گئے تو لوٹنے کے لئے یہ بھی میدان جنگ کی طرف چل دیئے جیسا کہ حضرت براء کی سابق حدیث سے واضح ہو چکا ہے۔

۱۔ حضرت علیؓ نے الشکرین کی تفسیر میں فرمایا دین پر جھڑپنے والے یعنی ابو بکرؓ اور ان کے ساتھی۔ حضرت علیؓ فرماتے تھے ابو بکرؓ شاکرین کے سردار تھے، مؤلف

تیر اندازوں کے کمانڈر یعنی حضرت عبداللہ کے ساتھ دس سے کم آدمی رہ گئے خالد بن ولید نے جب پہاڑ کی طرف نگاہ کی اور پہاڑ کے محافظ کم نظر آئے اور مسلمانوں کو لوٹ میں مشغول پایا اور ان کی پشت خالی دکھائی دی تو کافروں کے سواروں کو چیخ کر آواز دی اور مسلمانوں کے پیچھے آکر حملہ کیا، عکرمہؓ بھی خالدؓ کے پیچھے سے آگئے آخر مسلمانوں کو کافروں نے بھگادیا اور قتل کیا، عبداللہ بن جبیر اپنی جگہ جمے رہے یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے، کافروں نے آپ کے کپڑے اتار لئے اور بہت بری طرح سے ملکہ کیا جب مسلمان لوٹ کھسوٹ میں مشغول تھے اسی وقت خالد بن ولیدؓ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں پر پشت کی طرف سے حملہ کیا، مار بھگادیا اور بے تامل قتل کیا، مسلمان ہر طرف سے پرانگندہ ہو گئے جو مال لوٹا تھا اس کو بھی چھوڑ گئے جن لوگوں کو قید کیا تھا وہ بھی چھوڑنا پڑے شروع دن میں ہوا پروا بھی پھر (پچھلے دن میں) کچھمی ہو گئی، بھاگتے لوگوں کے تین حصے ہو گئے، ایک حصہ زخمی ہوا، ایک حصہ قتل ہوا اور ایک حصہ بھاگ گیا۔

بیہقی نے حضرت مقدادؓ کی روایت سے لکھا ہے حضرت مقدادؓ نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے رسول اللہ کو حق کے ساتھ بھیجا آپ اپنی جگہ سے بالشت بھر نہیں بٹے، دشمن کے سامنے مقابلہ پر رہے آپ کی طرف صحابہ کی ایک جماعت (حفاظت کے لئے) لوٹتی رہی اور کبھی اس میں شکاف پڑتے رہے، میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ برابر کھڑے کمان سے تیر پھینک رہے تھے اور پتھر مار رہے تھے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (اس روز) پندرہ آدمی بھی جمے رہے آٹھ مہاجر، ابو بکر، عمر، علی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص اور ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم اور سات انصار حباب بن منذر، ابوجانہ، عاصم بن ثابت، حارث بن صمہ، سہل بن حنیف، محمد بن مسلمہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم۔ بعض روایات میں سعد بن معاذ کی جگہ سعد بن عبادہ کا ذکر ہے۔

عبدالرزاق نے مرسلانہ ہری کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک پر تلوار کے ستر وار ہوئے اور کوئی ضرب کار نہ ہوئی اللہ نے محفوظ رکھا، عتبہ بن وقاص نے حضور پر چار پتھر مارے جن سے آپ کا اگلا دایاں نچلا دانت ٹوٹ گیا اور زیریں لب زخمی ہو گیا، حافظ نے کہا اس سے مراد وہ دانت ہے جو کاٹنے والے اور چبھنے والے دانتوں کے درمیان تھا، حاطب بن بلتعہ کا بیان ہے میں نے عتبہ کو قتل کر دیا اور اس کا سر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لا کر حاضر کر دیا، آپ ﷺ کو اس سے خوشی ہوئی اور میرے لئے دعا فرمائی۔ رواہ الحاکم۔

عبداللہ بن شہاب زہری نے حضور ﷺ کے سر کو زخمی کر دیا، اس واقعہ کے بعد یہ شخص مسلمان ہو گیا تھا۔ چہرہ مبارک پر خون بننے لگا یہاں تک کہ ریش اقدس خون سے تر ہو گئی، عبداللہ بن قمیہ کے پتھر سے رخسار مبارک زخمی ہو گیا اور خود کی دو کڑیاں رخسار میں گھس گئیں عبداللہ بن قمیہ حضور ﷺ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آگے آیا لیکن مصعب بن عمیرؓ نے مدافعت کی۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے علمبردار تھے، ابن قمیہ نے ان کو شہید کر دیا اور یہ سمجھا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو شہید کر دیا، لوٹ کر گیا تو اپنے لوگوں سے کہا میں نے محمد ﷺ کو قتل کر دیا اس پر ایک چیخنے والے نے ندا کی محمد مارے گئے، کہا جاتا ہے کہ یہ پکارنے والا ابلیس تھا، طبرانی نے حضرت ابوامامہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن قمیہ سے فرمایا تھا، اقماک اللہ اللہ تجھے تیغ بن سے ہلاک کر دے۔

اس بددعا کا یہ نتیجہ ہوا کہ کسی پہاڑی بکرے کو اللہ نے اس پر مسلط کر دیا اور بکرے نے سینک مارتے مارتے اس کو پارہ پارہ کر دیا، رسول اللہ ﷺ اٹھ کر ایک چٹان پر چڑھنا چاہتے تھے لیکن تہہ بہ تہہ دوزر ہیں اپنے تھے اس لئے خود چڑھ نہ سکے، حضرت طلحہ نے نیچے بیٹھ کر اپنے اوپر رسول اللہ ﷺ کو اٹھالیا اور اس طرح آپ چٹان پر پہنچ گئے، حضور ﷺ نے فرمایا طلحہؓ نے واجب کر دیا (یعنی اپنے لئے جنت کو) ہندہ اور اس کے ساتھ دوسری عورتیں شہیدوں کے ناک کانٹے لگیں یہاں تک کہ ہندہ نے ان کے بار بنا کر وحشی کو دیئے اور حضرت حمزہؓ کا جگر نکال کر چیلایا مگر نگل نہ سکی تھوک دیا۔

ادھر رسول اللہ ﷺ لوگوں کو پکار رہے تھے اللہ کے بندو (اوپر آؤ) آواز سن کر حضور ﷺ کے پاس تیس آدمی جمع

ہو گئے جن میں سے ہر ایک کہہ رہا تھا میرا چہرہ (زخمی ہو) آپ کا چہرہ نہ ہو، میری جان (کام آئے) آپ کی جان ایسی نہ ہو (یعنی آپ محفوظ رہیں میں قربان ہو جاؤں) آپ سالم رہیں۔ غرض سب آپ کے محافظ ہو گئے اور مشرکوں کو آپ کی طرف سے ہٹا دیا، سعد بن ابی وقاص نے اتنے تیر مارے کہ آپ کی چھ کمانیں ٹوٹ گئیں رسول اللہ ﷺ نے ان کے سامنے اپنی ترکش سے تیر بکھیر دیئے اور فرمایا تیر مار تجھ پر میرے ماں باپ قربان، رواہ البخاری۔

ابو طلحہؓ بھی بڑے تیر انداز تھے اور کمان کھینچنے میں بڑے طاقتور تھے، آپ نے بھی اس روز دو یا تین کمانیں توڑی تھیں جو شخص بھی ان کی طرف سے تیر دان لے کر گزرتا آپ فرماتے تھے ابو طلحہؓ کے لئے تیر بکھیر دو، جب ابو طلحہؓ تیر پھینکتے تو رسول اللہ ﷺ بھی گردن اٹھا کر تیر لگنے کی جگہ کو دیکھتے۔

رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کے لئے حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ کا ہاتھ اتنا چٹیل ہوا کہ آخر خشک ہو گیا۔ ابو داؤد طلیس لوری ابن حبانؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا وہ دن سارا کا سارا طلحہؓ کے لئے ہوا (یعنی حضرت طلحہؓ کی حفاظت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ محفوظ رہے) محمد بن عمرؒ کا بیان ہے کہ اس روز حضرت طلحہؓ کے سر میں ایسی چوٹ لگی کہ خون نچوڑ گیا اور آپ پر غشی طاری ہو گئی، حضرت ابو بکرؓ نے آپ کے چہرہ پر پانی چھڑکا جس سے آپ کو ہوش آگیا، ہوش آتے ہی فرمایا رسول اللہ ﷺ کا کیا ہوا، حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا خیرت سے ہیں انہوں نے ہی مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے، حضرت طلحہؓ نے کہا اللہ کا شکر ہے اس کے بعد ہر مصیبت حقیر ہے اس روز حضرت قتادہؓ بن نعمانؓ کی آنکھ میں چوٹ لگی تھی، جس کی وجہ سے آنکھ رخسار پر آ پڑی تھی رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ جگہ پر لوٹا دی اور آنکھ اچھی بن گئی۔

رسول اللہ ﷺ احد سے واپس آرہے تھے کہ (راستہ میں) ابی بن خلفؓ نجی نے آیا اور کہنے لگا اگر اب (میرے ہاتھ سے) تم بچ نکلے تو مجھے خدا نہ بچائے (یعنی اس وقت میں ضرور قتل کر دوں گا) لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم میں سے کوئی آدمی اس پر نہ جھک پڑے (یعنی قتل نہ کر دے) فرمایا رہنے دو، جب وہ قریب آگیا، اس سے پہلے ابی رسول اللہ ﷺ سے ملنے کے وقت کہا کرتا تھا میرے پاس خاکستری رنگ کی ایک گھوڑی ہے جس کو روزانہ ایک فرق جو اردے کر میں پالتا ہوں اسی پر سوار ہو کر تم کو قتل کروں گا۔ اس کے جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا ایسا نہیں ہو گا بلکہ میں تجھے قتل کروں گا، تو رسول اللہ ﷺ نے حارث بن صمہ سے چھوٹا تیز لے کر ابی کے سامنے اس کی گردن پر مارا جس کی وجہ سے کچھ خراش پڑ گئی، ابی گھوڑے سے ٹھک کر نیچے گر اور بیل کی طرح دھاڑنے لگا اور کہنے لگا محمد ﷺ نے مجھے مار ڈالا لوگوں نے کہا کوئی خطرہ کی بات نہیں ہے، بولا کیوں نہیں ہے اگر یہ نیزہ کا زخم (تمام قبائل) ربیعہ و مضر کے لگتا تو ان کو بھی ہلاک کر دیتا کیا انہوں نے مجھ سے نہیں کہا تھا کہ میں تجھے قتل کروں گا، اس قول کے بعد تو اگر یہ مجھ پر تھوک دیتے تب بھی قتل کر دیتے غرض زیادہ مدت نہیں گزری کہ مقام سرف میں پہنچ کر وہ مر گیا۔

بخاری نے صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے جس کو نبی نے قتل کیا اس پر اللہ کا سخت غضب ہوا اور جس نے رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک کو خون آلود کر دیا اس پر بھی اللہ کا غضب سخت ہوا۔

اہل مغازی نے لکھا ہے کہ لوگوں میں یہ بات پھیل گئی کہ محمد قتل کر دیئے گئے یہ سن کر بعض مسلمان کہنے لگے، کاش کوئی قاصد عبد اللہ بن ابی کے پاس چلا جاتا تاکہ ابن ابی ابو سفیان سے ہمارے لئے امان لے لیتا کچھ صحابی پست ہمت ہو کر بیٹھ رہے بعض اہل نفاق کہنے لگے اگر محمد مارے گئے تو تم اپنے پہلے مذہب میں شامل ہو جاؤ، حضرت انس بن مالکؓ کے چچا حضرت انس بن نصرؓ بولے قوم والو اگر محمد مارے بھی گئے ہوں تو محمد کا رب تو قتل نہیں ہو گیا تم رسول اللہ ﷺ کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے جس کام کے لئے رسول اللہ ﷺ لڑے تم بھی اسی کے لئے لڑو اور جس غرض کے لئے وہ مرے تم بھی اسی کے لئے مر جاؤ پھر بولے اے اللہ یہ لوگ یعنی مسلمان جو کچھ کہہ رہے ہیں میں تیرے سامنے اس کی معذرت کرتا ہوں اور یہ لوگ یعنی منافق جو بات پیش کر رہے ہیں، میں اس سے بیزار ہوں کہ تم لوگ اس کی معذرت کرتے ہو اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

پھر رسول اللہ ﷺ پھر کی چٹان کے پاس جا کر لوگوں کو پکارنے لگے سب سے پہلے حضرت کعب بن مالکؓ نے آپ کو پہچانا، خود کے نیچے حضور ﷺ کی آنکھیں چمکتی دیکھ کر شناخت کی، حضرت کعبؓ کا بیان ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو پہچان کر اونچی آواز سے پکار کر کہا اے گروہ اہل اسلام تم کو بشارت ہو یہ رسول اللہ ﷺ موجود ہیں حضور ﷺ نے میری طرف اشارہ کیا کہ خاموش رہو پھر صحابہؓ کی ایک جماعت حضور ﷺ کے پاس آکر جمع ہو گئی آپ نے بھاگنے پر ان کو ملامت کی صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے نبی ہمارے مال باپ آپ پر قربان ہم کو اطلاع ملی کہ آپ شہید کر دیئے گئے اس لئے ہمارے دل خوف زدہ ہو گئے اور ہم پشت پھیر کر بھاگ نکلے (یعنی آپ کو چھوڑ کر نہیں بھاگے تھے بلکہ جب آپ کی شہادت کی خبر سن لی تو لڑائی کو بیکار سمجھ کر ڈر کر بھاگ نکلے تھے) اس پر اللہ نے نازل فرمایا، وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ
یعنی کوئی شخص بغیر اللہ کی مشیت اور حکم کے نہیں مر سکتا یہ مطلب کہ جب تک ملک الموت کو کسی کی جان قبض کرنے کی اجازت نہ مل جائے وہ نہیں مر سکتا۔

کِتَابًا مُؤَجَّلًا
موجلا، کتاباً کی صفت ہے اور کتاباً مصدر ہے فعل محذوف ہے یعنی اللہ نے موت کی موقت نحر پر لکھ دی ہے لکھے ہوئے وقت سے آگے پیچھے موت نہیں آسکتی اس آیت میں مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب اور جنگ کی جرات دلانی گئی ہے۔

وَمَنْ يُؤَدِّ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا
یعنی جو شخص اپنے عمل کا دنیوی بدلہ چاہتا ہے ہم دنیا میں ہی اس کو اپنی مشیت کے مطابق جو کچھ ہم نے اس کے لئے مقدر کر دیا ہے دے دیتے ہیں اس آیت میں ان لوگوں پر تعریض ہے جو مال غنیمت کی طرف راغب ہو کر جہاد سے غافل ہو گئے تھے۔

وَمَنْ يُؤَدِّ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا
اور جو اپنے عمل سے آخرت کے ثواب کا خواستگار ہو گا ہم آخرت کا ثواب اس کو دیں گے۔

وَسَنَجْزِي الشَّكْرِيْنَ
اور شکر گزاروں کو یعنی ثابت قدم رہنے والوں کو ضرور جزا دیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ شاید اس فقرہ سے یہ مراد ہے کہ جو شخص اپنے عمل سے صرف شکر گزار ہونے کا طلب گار ہو، نہ اس کے پیش نظر ثواب دنیا ہو، نہ ثواب آخرت تو اللہ اس کو ایسی عظیم الشان جزا دے گا جس کا اندازہ کوئی عقل نہیں کر سکتی، نہ کسی فہم کی رسائی وہاں تک ہو سکتی ہے اور یہ جزا صرف ذات باری ہے، جزاء کو ہمیں رکھنا (اور تعین کے ساتھ کسی خاص قسم کے ثواب کا ذکر نہ کرنا) بتا رہا ہے کہ جزاء غیر معروف ہے انسان کی عقل اس کو نہیں جان سکتی۔

قاموس میں ہے شکر کا معنی ہے احسان کو پہچانا اور اس کو پھیلانا۔ حضرت انس بن مالکؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کی نیت طلب آخرت کی ہو اللہ اس کے دل میں دنیا کی طرف سے بے نیازی پیدا کر دیتا ہے اور اس کی پریشانی کو جمع کر دیتا ہے اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے اور جس کی نیت طلب دنیا کی ہو اللہ محتاجی اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیتا ہے اس کی جمعیت (خاطر) کو پر آگندہ بنا دیتا ہے اور دنیا میں سے اس کو اتنا ہی ملتا ہے جو اللہ نے اس کے لئے لکھ دیا ہے، رواہ البغوی۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اعمال صرف نیتوں سے وابستہ ہیں اور آدمی کے لئے صرف اس کی نیت کا پھل ہے پس جس کی ہجرت اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے لئے ہے اس کی ہجرت اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے لئے ہوگی اور جس کی ہجرت مال حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہوگی اس کی ہجرت اسی غرض

لہ مولف قدس سرہ نے اس جگہ حاشیہ میں فارسی کے یہ دو شعر کہے ہیں، ہر کس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند، فرزند و عیال و خانماں را چہ کند، دیوانہ کی ہر دو جہانش بخشی، دیوانہ تو دو جہاں را چہ کند۔

یعنی جس نے تجھے پہچان لیا وہ اپنی جان اہل و عیال اور خاندان کا کیا کرے گا تو اپنا دیوانہ بنانے کے بعد اس کو دونوں جہاں عطا فرماتا ہے تیرا دیوانہ دونوں جہاں کا کیا کرے گا۔

کے لئے ہوگی جس کے لئے اس نے ہجرت کی ہوگی، متفق علیہ۔

اور بہت سے پیغمبروں کے ساتھ مل کر بکثرت

وَكَايْنِ مِّنْ نَّبِيٍّ قَتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ

آدمیوں نے (کافروں سے) جنگ کی۔ حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ اور قتادہؒ نے ربیوں کا ترجمہ کیا ہے کثیر جتنے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے اس کا ترجمہ کیا ہے ہزار ہا کلبی نے کہا ایک ربیہ دس ہزار۔ رضاک نے کہا ایک ربیہ ایک ہزار۔ حسن بصریؒ نے ربیوں کا معنی کیا، فقہاء، علماء، بعض نے تبیین ترجمہ کیا ہے اس صورت میں ربانیوں سے مراد ہوں گے حکام اور ربیوں سے رعایا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ربی، رب کی طرف منسوب ہے یعنی خدا پرست۔

یعنی جو لوگ قتل سے بچ رہے تھے وہ اللہ کی راہ میں زخمی

فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

ہونے، شدا اند سامنے آنے اور ساتھیوں کے مارے جانے کی وجہ سے پست ہمت نہ ہوئے۔

اور نہ جہاد کرنے سے کمزور پڑ گئے۔

وَمَا ضَعُفُوا

اور نہ دشمن کے مطیع ہوئے، نہ ذلیل و عاجز بنے بلکہ وہ اللہ کے حکم پیغمبر کی اطاعت اور دشمن سے

وَمَا اسْتَكَانُوا

جہاد کرنے پر جئے رہے۔

استکان کا مادہ سکُن اور (مجرود کا مصدر) سکون ہے عاجز فرمانبردار بھی اپنے مقابل کے سامنے بے حرکت ہو جاتا

ہے وہ اس کے ساتھ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس جملہ میں تعریف ہے ان لوگوں پر جو ابوسفیان سے امن طلب کرنے کے خواستگار تھے یا لڑائی سے پست ہمت ہو بیٹھے تھے۔

اور اللہ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اس لئے ان کی مدد اور عزت افزائی

وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ﴿۱۴﴾

کرتا ہے۔

قَوْلُهُمْ، کَانَ کی خبر ہے اور اَن

وَمَا كَانَ قَوْلُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا

قَالُوا، کَانَ کا اسم ہے کیونکہ اسم کو خبر سے اعرف ہونا چاہئے اور قالوا چونکہ فاعلی نسبت اور زمانہ پر دلالت کر رہا ہے اس لئے قولہم سے (جو صرف نسبت پر دلالت کرتا ہے) معرفہ ہونے میں زیادہ ہے، ذنوب سے مراد ہیں صغیرہ گناہ۔

اسراف حد عبدیت سے تجاوز۔ امر، حال، معاملہ۔ اسراف سے مراد ہیں کبیرہ گناہ، یعنی

وَأَسْرَفْنَا فِي أَمْرِنَا

شدائد مصائب میں مبتلا ہونے کے بعد بھی ان کا قول (بجائے شکوہ و شکایت اور آہ و بکا بے صبری کے) صرف یہ تھا کہ اے رب ہمارے چھوٹے بڑے گناہ معاف کر دے۔

اور ہمارے پاؤں اپنے سیدھے راستہ پر اور دشمن کے مقابل جہاد میں جمائے رکھ۔

وَنَثَبْتُ أَقْدَامَنَا

وَأَنْصَرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿۱۵﴾ اور کافروں پر ہم کو فتح عطا فرما۔ اس قول کی وجہ صرف یہ ہے کہ اللہ نے اہل ایمان کو نصرت و غلبہ کا وعدہ فرمایا ہے،

چنانچہ ارشاد فرمایا ہے، حَقَّ عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ، دوسری جگہ فرمایا ہے ان جندنا لہم الغالبون اور اہل ایمان پر جو دکھ اور

مصیبت آتی ہے وہ گناہوں کے اور حدود عبودیت سے تجاوز کرنے کے سبب سے آتی ہے، اللہ نے فرمایا ہے مَا أَصَابَكُمْ مِنْ

مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ، پس مصیبت کے وقت مومن کا فرض ہے کہ اپنے گناہ کا اقرار کرے تاکہ

ندامت حاصل ہو اور معافی کا طلب گار ہو پھر اللہ سے امداد دینے اور ثابت قدم رکھنے کی دعا کرے، وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ

عِنْدَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ گناہوں سے پاک ہونے اور استغفار کرنے کے بعد دعا باب قبول تک جلد پہنچی ہے۔

فَأَنْتَهُمُ اللَّهُ اس قول کی برکت سے اللہ نے ان کو عطا فرمایا۔

ثَوَابِ الدُّنْيَا دنیوی ثواب یعنی فتح، مال، غنیمت، ملک اور نیک نامی (وغیرہ)۔

وَحَسُنَ ثَوَابُ الْآخِرَةِ

اور ثواب آخرت کا۔ حسن یعنی جنت، مرتبہ قرب اور اپنی خوشنودی اور رب کی

ادنیٰ خوشنودی ہی سب سے بڑھ کر ہے۔ حسن ثواب معمولی ثواب سے افضل ہے اور واجب القصد بھی، اس لئے ثواب آخرت

کے ساتھ حسن کا ذکر کیا۔

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۸﴾

اور اللہ اہل احسان کو پسند فرماتا ہے۔ یہ جسبہم نہیں فرمایا بلکہ ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو ذکر کیا تاکہ اس امر کی صراحت ہو جائے کہ مذکورہ مقولہ کے قائل ہی اہل احسان ہیں کیونکہ احسان کا معنی ہے اللہ کو حاضر ناظر سمجھتے ہوئے عبادت کرنا یعنی ہر طرح کی غفلت دور کر کے دل کو حاضر رکھنا پس احسان کا تقاضا ہے کہ مقولہ مذکورہ زبان سے کہا جائے اور یہ یقین رکھا جائے کہ راحت و رنج اور دکھ سکھ سب اللہ کی طرف سے آتا ہے مگر اللہ کریم ہے اس لئے انسان جب تک اپنی اطاعت میں کوئی قصور نہ کرے اللہ کی طرف سے نعمت نہیں بدلی جاتی جب اطاعت میں کمی آتی ہے تو اللہ اپنی نعمت بدل دیتا ہے اور نعمت کی جگہ کچھ تکلیف بھیج دیتا ہے تاکہ انسان بیدار ہو کر معافی کا طلب گار ہو اور دنیوی سزا بھگت کر پاک صاف ہو جائے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تُطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا ﴿۵۹﴾
اے ایمان والو اگر تم (ان) کافروں کا کہا مانو گے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ الذین کفروا سے منافق مراد ہیں اور اطاعت سے مراد ہے منافقوں کا یہ مشورہ ماننا کہ اپنے سابق مذہب میں لوٹ جاؤ۔ اگر محمد نبی ہوتے تو مارے نہ جاتے۔ بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اگر تم ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کی اطاعت کرو گے انکے سامنے عاجزی کرو گے اور ان سے امن کے خواہشمند ہو گے تو تو وہ تم کو اسلام سے سابق شرک کی طرف ایڑیوں کے بل پلٹا دیں گے۔
يَذُودُكُمْ عَلَىٰٓ أَعْقَابِكُمْ ﴿۶۰﴾
نتیجہ میں تم لوٹ کر گھاٹ میں پڑ جاؤ گے دنیا اور دین دونوں تباہ ہو جائیں گے۔
فَتَنَقَّبُوا خِصْرِينَ ﴿۶۱﴾
(یہ تمہارے دوست نہیں ہیں) بلکہ اللہ تمہارا دوست مددگار اور مسلمان ہونے کی حالت میں محافظ ہے لہذا اس کے سوا تم کافروں سے (اندرونی) دوستی نہ کرو۔

وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ ﴿۶۲﴾
اور وہی بہترین مددگار ہے پس اس کے ہوتے ہوئے تم کو کسی دوسرے کی دوستی اور امداد کی ضرورت نہیں، روایت میں آیا ہے کہ ۱۶ شوال کو جب ابوسفیان اور مشرک مکہ کو جانے لگے اور روانہ ہو گئے تو کچھ راستہ طے کرنے کے بعد ان کو پشیمانی ہوئی اور کہنے لگے ہم نے برا کیا اول تو ہم نے ان کو قتل کیا پھر جب چند بھاگے ہوئے لوگوں کے سوا ہمارے مقابلہ میں کوئی نہ رہا تو ہم ان کو چھوڑ آئے اس لئے مناسب ہے کہ ابھی لوٹ چلو اور ان کی جڑ ہی اکھاڑ دو۔ کافروں نے یہ ارادہ کیا ہی تھا کہ اللہ نے ان کے دلوں کے اندر مسلمانوں کا رعب ڈال دیا اور وہ اپنے ارادہ سے باز آ گئے اور اللہ نے ذیل کی آیت نازل فرمائی۔

سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطَانٌ

یعنی ہم ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے اس وجہ سے کہ وہ ایسی چیزوں کو اللہ کا سا جہی بناتے ہیں جن کی شرکت کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں اتاری۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب مکہ واپس جاتے وقت مشرکوں نے مدینہ کو لوٹنے کا ارادہ کیا تھا اس وقت ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا گیا۔ اگر اس آیت کا نزول واقعہ کے بعد مانا جائے تو پھر سنلقی میں سین صرف تاکید کے لئے ہوگی، استقبالیہ نہ ہوگی، بلکہ گذشتہ واقعہ کی نقل ہوگی۔

سلطان کا اصل لغوی معنی ہے قوت۔ اس جگہ مراد ہے، برہان۔ مطلب یہ کہ ایسے معبودوں کو انہوں نے اللہ کا سا جہی بنا رکھا ہے جن کے شریک ہونے کی نہ کوئی دلیل ہے نہ برہان بلکہ عقلی نقلی تمام دلیلیں اور حججیں اللہ کی توحید پر دلالت کر رہی ہیں۔

وَمَا لَهُمْ النَّارُ وَهُمْ فِي الظُّلُمَاتِ ﴿۶۳﴾
اور ان کا یعنی مشرکوں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ ظالموں کی بری قرار گاہ ہے، ضمیر کی جگہ الظالمین کہنے کی وجہ سے ناراضگی کی درشتی کا اظہار بھی ہو گیا اور دوزخی ہونے کی علت کی بھی

صراحت ہو گئی۔ محمد بن کعب کا بیان ہے کہ جب احد کی افتاد کے بعد رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ مدینہ کو لوٹے تو بعض صحابیوں نے کہا کہ اللہ نے ہم سے وعدہ تو فتح یاب بنانے کا کیا تھا پھر یہ کیا ہوا اس پر اللہ نے مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی۔
وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ
 یعنی اللہ نے جو تم کو فتح یاب بنانے کا وعدہ بشرط صبر و تقویٰ کیا تھا وہ اس نے پورا کیا آغاز جنگ میں تم کو فتح یاب کیا۔

جب اللہ کے حکم و فیصلہ کے مطابق تم کافروں کو بے دریغ تلوار سے کاٹ رہے تھے۔
إِذْ تَحْسَبُونَهُم بِأَذْنِهِ
 ابو عبیدہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا حَسُّ کا معنی ہے قتل کر کے بیخ و بن سے اکھاڑ دیا، یہاں قتل عام مراد ہے، یہ لفظ أَحْسَہ سے نکلا ہے، أَحْس کا معنی ہے حس کو باطل کر دیا، (پس تحسونہم کا مطلب یہ ہوا کہ تم قتل عام کر کے ان کے حواس بگاڑ رہے تھے ان کے اوسان بجا نہیں رہے تھے۔

حَتَّىٰ إِذَا فُشِلْتُمْ
 لیکن جب تم بزدل اور کمزور پڑ گئے۔ بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جب تمہاری رائے کمزور پڑ گئی اور تم مال غنیمت پر جھک پڑے (گویا کمزوری سے مراد ہے رائے کی کمزوری) کیونکہ مال کی حرص ضعف عقل کی علامت ہے اور قیام و عدم قیام کے معاملہ میں تم باہم جھگڑنے لگے۔ عبد اللہ بن جبیرؓ کے ساتھیوں نے جب مسلمانوں کا غلبہ اور مشرکوں کی شکست دیکھی تو بعض نے کہا اب یہاں ٹھہرے رہنے کی کیا ضرورت، عبد اللہؓ نے کہا کیا تم رسول اللہ ﷺ کا فرمان بھول گئے انہوں نے جواب دیا رسول اللہ ﷺ کی یہ مراد نہیں تھی (کہ کافروں کو شکست ہو جائے تب بھی تم یہاں سے نہ ہٹنا) ہم تو ضرور جا کر لوٹ کا مال حاصل کریں گے، عبد اللہ اور ان کے ہم خیال لوگوں نے کہا، ہم حکم رسول سے بالکل تجاوز نہیں کریں گے۔

وَعَصَيْتُمْ
 اور تم نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کے خلاف کیا، بعض علماء نے کہا کہ حتیٰ اذا فشلتُم اور تنازعتم کے درمیان واوڑا اند ہے (اور تنازعتم جزا ہے یعنی جب تم بزدل ہو گئے تو باہم نزاع کرنے لگے) مگر یہ بات غلط ہے ورنہ لازم آئے گا کہ نزاع باہمی سے پہلے بزدلی پیدا ہو گئی تھی (جزا سے پہلے شرط کا تحقق ضروری ہے) حالانکہ بزدلی باہمی نزاع کے بعد پیدا ہوئی تھی شروع میں تو وہ جرات مند تھے کافروں کی شکست دیکھ کر لوٹنے کے لئے میدان جنگ کی طرف گئے تھے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ اگر واو کو زائد ہی مانا جائے تو کہنا پڑے گا کہ کلام کی ترتیب میں کچھ تقدیم و تاخیر ہے اصل کلام یوں تھا حتیٰ اذا تنازعتم فی الامر وعصیتم فشلتم (یہ خواہ مخواہ کلام کی توڑ مروڑ ہے لہذا) صحیح یہی ہے کہ واو زائد نہیں ہے اور جزا محذوف ہے یعنی جب تم ہار بیٹھے اور قیام و عدم قیام کے متعلق باہم جھگڑنے لگے اور نافرمانی کی تو اللہ نے اپنی مدد روک لی اور تم پر مصیبت ڈال دی، چونکہ واو مطلق عطف کیلئے ہے ترتیب واقعہ کو ظاہر کرنے کیلئے نہیں ہے اس لئے نزاع اور نافرمانی پر بزدلی کی تقدیم لازم نہیں آتی۔

مِنْ بَعْدِ مَا أَرْكَبُ مَا تَحْتَبُونَ
 اس فقرہ کا تعلق فشلتم سے ہے یعنی تم بزدل ہو گئے اس کے بعد کہ تم کو اللہ نے تمہاری محبوب چیز یعنی فتح اور مال غنیمت کی صورت دکھادی تھی۔
مِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا
 طرف متوجہ ہو گئے۔

وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ
 اور کچھ آخرت کے طلبگار تھے جو عبد اللہ بن جبیرؓ کے ساتھ جے رہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں میں سے کسی کو میں نے دنیا کا طلبگار نہیں پایا یہاں تک کہ احد کا دن آیا (اور) یہ آیت نازل ہوئی آپ کے کلام کا مقصد یہ ہے کہ صحابہؓ میں سے کسی نے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے مال غنیمت کی طلب کی تھی دنیا کی طلب نہیں کی اور انہی کے متعلق اس آیت کا نزول ہوا۔
ثُمَّ صَرَّفَهُمْ عَنْهُمْ
 پھر تم کو تمہاری نافرمانی کی نحوست کی وجہ سے کافروں کی طرف سے پھیر دیا، پانسہ پلٹ

گیا، کافر تم پر غالب آگئے اور تم کو شکست ہو گئی۔

لَيْبَسْتَلِيكُمْ تَمَّارِي جَانِجْ كَرْنِي كِيلِي۔ تاکہ اہل نفاق سے مؤمن ممتاز ہو جائیں۔ یا اس فقرہ کا یہ مطلب ہے کہ تمہاری بیجا حرکت کی وجہ سے اللہ نے تم پر مصیبت ڈالنی چاہی۔ اس مطلب پر یہ مسئلہ نکلے گا کہ بعض لوگوں کی نافرمانی کی وجہ سے کبھی عام لوگوں پر مصیبت پڑ جاتی ہے اور یہ مصیبت نافرمان کیلئے سزا اور فرماں بردار کیلئے زیادتی اجر کا باعث ہو جاتی ہے۔

وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ اور اللہ نے تم سے درگزر فرمایا کہ مصیبت اور حکم رسول کی مخالفت کے بعد بھی اللہ کی یہ مہربانی ہوئی کہ کفار تمہارا اتصال نہ کر سکے یا یہ مطلب ہے کہ رسول اللہ کی نافرمانی پر جب تم نادم ہوئے تو اللہ نے تم کو معاف کر دیا۔

وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اور اللہ مومنوں پر بڑا مہربان ہے کہ اگر اس کی مشیت ہوتی ہے تو اپنی مہربانی سے معاف کر دیتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ ہر حال میں اللہ مہربانی فرماتا ہے مصیبت کے بعد مومنوں پر مصیبت ڈالنا بھی اس کی مہربانی ہے کہ گناہوں سے پاکیزگی اور صفائی ہو جاتی ہے۔ بغوی نے اپنی اسناد سے بیان کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کیا میں تم کو قرآن کی وہ بزرگ ترین آیت بتاؤں جو رسول اللہ ﷺ نے ہم سے بیان فرمائی تھی وہ آیت یہ ہے وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فِيمَا كُنْتُمْ آيْدِيكُمْ وَ يَغْفُوا عَنْ كَثِيرٍ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے علیؑ میں تم سے اس آیت کی تفسیر بیان کرتا ہوں تم پر جو بیماری، عذاب یا دنیوی مصیبت آئی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے اعمال کی وجہ سے آئی ہے (ایسے لوگوں کو) آخرت میں دوبار عذاب دینا اللہ کی شان سے بعید ہے اور دنیا میں اگر سزا دینے سے اللہ درگزر فرمادے تو (آخرت میں) دوبارہ پکڑنے کا اس کو اختیار ہے۔

إِذْ تَصْعَدُونَ جب تم تیزی کے ساتھ چلے جا رہے تھے۔ اس فقرہ کا تعلق صرف کم سے ہے یا ببتلیکم سے یا عفا عنکم سے یا ذکر محذوف سے۔ ابو عبد الرحمن سلفی حسن اور قتادہ کی قرأت میں تصعدون فتح تاء مجرد سے آیا ہے لیکن اجماعی قرأت بضم تاء باب افعال سے ہے۔ مفصل نے کہا کہ صعد (صعود سے) اور اصعد (اصعاد سے) اور صعد (تصعيد سے) سب ہم معنی ہیں۔ ابو حاتم نے کہا باب افعال سے اصعاد کا معنی ہے اپنے منہ کے سامنے ہموار میدان میں جانا اور صعود کا معنی ہے پہاڑ پر چڑھنا۔ مبرد نے کہا اصعد یعنی دور چلا گیا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ واقعہ دونوں طرح ہوا تھا کوئی ہموار میدان میں دور نکل گیا تھا اور کوئی پہاڑ پر چڑھ گیا تھا۔

وَلَا تَلُونَّ عَلَى أَحَدٍ اور کسی کی طرف گردن موڑ کر نہیں دیکھ رہے تھے یعنی شدت دہشت کی وجہ سے کوئی کسی کی طرف منہ موڑ کر نہیں دیکھتا تھا۔

وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أَحْسَنِ تَحَالُوتِ اور پچھلی جماعت میں (کھڑے) رسول تم کو پکار رہے تھے اور فرما رہے تھے اللہ کے بندو میری طرف آؤ میں اللہ کا رسول ہوں جو میری طرف مڑ کر آئے گا اس کے لئے جنت ہے۔ یہ جملہ حالیہ ہے۔

فَأَنبَأَكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ اور نافرمانی کے بدلہ میں دیا۔ اثاب، ثواب سے ماخوذ ہے۔ بجائے عقاب کے ثواب کا لفظ (صرف استہزاء کے طور پر) ذکر کیا یعنی تم ثواب کی امید لگائے ہوئے تھے مگر جو حرکت تم نے کی اس کے عوض اللہ نے تم کو سزا دی (اور یہی سزا تمہارے لئے ثواب کی جگہ تھی) جیسے فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (میں عذاب کی وعید کو بشارت سے تعبیر کیا ہے)۔

عَمَّا يَنْفَعُونَ غم بالائے غم یعنی متواتر غم قتل، زخم، شکست، مشرکوں کی فتح اور شہادت رسول کی جھوٹی خبر کی اشاعت۔ بعض علماء نے کہا پہلے غم سے مراد ہے مال غنیمت ہاتھ سے جاتے رہنے کا غم اور دوسرے غم سے مراد ہے قتل اور زخمی ہونا اور شکست کھانا پہلے غم سے قتل اور زخمی ہونے کی مصیبت اور دوسرے غم سے رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی خبر مراد ہے جس نے پہلے غم کو بھلا دیا تھا پہلے غم سے مراد ہے گھائی سے خالد بن ولید کا سواروں کا دستہ لے کر برآمد ہونا اور دوسرے

غم سے مراد ہے ابوسفیان کا سامنے سے نمودار ہو جانا۔ قصہ یہ ہوا کہ اس روز رسول اللہ ﷺ لوگوں کو پکارتے پکارتے اس جگہ پہنچے جہاں چٹان والے (مسلمان) جمع تھے انہوں نے جب آپ کو دیکھا تو (نہ پہچاننے کی وجہ سے) ایک شخص نے کمان میں تیر جوڑ کر آپ ﷺ کو مارنا چاہا آپ ﷺ نے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں رسول اللہ ﷺ کو پا کر وہ لوگ بہت خوش ہو گئے اور محافظین کو پا کر رسول اللہ ﷺ کو بھی خوشی ہوئی پھر یہ لوگ فتح شدہ مال غنیمت کا اور اپنے ساتھیوں کی شہادت کا ذکر کرنے لگے اتنے میں ابوسفیان اپنے ساتھیوں کے ساتھ سامنے سے آکر گھاٹی کے دہانہ پر کھڑا ہو گیا۔ مسلمان ان کو دیکھ کر فکر میں پڑ گئے اور ان کو خیال ہوا کہ یہ لوگ ہم پر ٹوٹ پڑیں گے اور قتل کریں گے اس خیال نے آتے ہی ان کے پہلے خیال کو بھلادیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ لوگ ہمارے اوپر نہیں آسکیں گے۔ اے اللہ اگر یہ گروہ مارا گیا تو زمین پر تیری پرستش کرنے والا کوئی نہیں رہے گا پھر اپنے صحابہؓ کو آواز دی صحابہؓ نے کافروں کو پتھر مار مار کر نیچے اتار دیا۔ میں کہتا ہوں آیت سننقلی فے قلوب الذین کفرو الرعب اسی مقام پر نازل ہوئی۔ اسی جگہ ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے دلوں میں اللہ نے رعب ڈال دیا۔ میں کہتا ہوں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دوسرے غم سے مراد مدینہ کے لوٹے جانے کے خیال سے پیدا ہونے والا غم مراد ہو کیونکہ روایت میں آیا ہے کہ جب ابوسفیان ساتھیوں سمیت کوچ کر کے مکہ کو چل دیا تو رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ لوگ مدینہ پہنچ کر بچوں اور عورتوں کو ہلاک نہ کر دیں اس لئے آپ نے حضرت علیؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو دیکھنے کے لئے بھیجا اور فرمایا اگر وہ لوگ اونٹوں پر سوار ہوں اور اونٹوں کو ساتھ لے جا رہے ہوں تو یقیناً وہ مدینہ کو جانا اور لوٹنا چاہتے ہیں۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر انہوں نے مدینہ پر چڑھائی کی تو میں خود جا کر ان سے مقابلہ کروں گا۔ حسب الحکم حضرت علیؓ اور حضرت سعدؓ مشرکوں کے پیچھے گئے اور دیکھا کہ وہ خود اونٹوں پر سوار ہیں اور گھوڑوں کو پہلو سے لگائے لئے جا رہے ہیں لیکن ایسا انہوں نے مدینہ کو لوٹنے کے متعلق مشورہ کرنے کے بعد کیا تھا کیونکہ صفوان بن امیہ نے ان سے کہہ دیا تھا کہ ایسا نہ کرو (یعنی مدینہ پر چڑھائی نہ کرو)۔

آیت کا مطلب اس طرح بھی بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کر کے جو غم تم نے رسول اللہ ﷺ کو چکھلایا تھا اس کے بدلہ میں اللہ نے تم کو غم دیا۔

لَکَیْلًا تَحْزَنُوْا عَلٰی مَا فَاْتَکُمْ
تاکہ تم فوت شدہ فتح اور مال غنیمت پر غمگین ہو۔ لاتحزنوا میں لا معنی کے اعتبار سے زائد ہے۔

وَلَا مَا اَصَابَکُمْ
اور قتل ہونے، زخمی ہونے اور شکست پانے کی جو مصیبت تم پر پڑی ہے اس پر بھی تم غمگین ہو۔
آیت کا مطلب اس طرح بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ نے تم کو پییم غم دیا اس کی غرض یہ تھی کہ مصائب پر صبر کرنے کی تم میں جرات پیدا ہو اور آئندہ کسی فوت شدہ فائدے یا پہنچنے والے دکھ سے تم کو رنج نہ ہو۔ میں کہتا ہوں یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ نے مسلسل غم کے عوض تم کو ثواب عطا فرمایا اور نبی کی زبانی تم کو اس کی اطلاع کر دی تاکہ فوت شدہ فائدے اور پہنچے ہوئے دکھ کا تم کو غم نہ ہو بلکہ اللہ کے ثواب کی خبر پا کر تم خوش ہو جاؤ۔

بعض علماء کا قول ہے کہ اثاب کی ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع ہے اور باء سببیت یا بدلت کے لئے ہے یعنی اس غم میں رسول اللہ ﷺ تمہارے برابر کے شریک ہو گئے۔ مطلب یہ کہ جس مصیبت کی وجہ سے تم غمگین ہوئے تمہاری طرح رسول اللہ ﷺ بھی ہوئے اور نافرمانی پر انہوں نے تم کو ملامت نہ کی تاکہ تم کو تسلی رہے اور فوت شدہ نعمت اور پہنچنے والی مصیبت کا تم کو غم نہ ہو۔

وَاللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
اور اللہ تمہارے اعمال سے اور اعمال کی غرض سے باخبر ہے۔
ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اٰمَنَةً
پھر اے گروہ اہل اسلام اللہ نے غم کے بعد تمہارے لئے امن
یعنی قلبی اطمینان اور سکون اتارا۔ نزول رحمت کے وقت اس سکون کا وجدان صوفی کو ہوتا ہے۔

یعنی اونگھ۔ یہ امنہ سے بدل یا انزل کا مفعول ہے۔ ممکن ہے کہ نعاس سے مراد وہ استغراقی کیفیت ہو جو نزول رحمت کے وقت صوفی کو حاصل ہوتی ہے اور وہ تمام ماسوا سے غافل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ کیفیت اونگھ سے بہت زیادہ مشابہ ہوتی ہے۔

تَغْشَى طَائِفَةً مِّنْكُمْ جو تمہارے ایک گروہ پر چھا گئی تھی۔ یہ گروہ اہل ایمان کا تھا۔ بخاری وغیرہ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابو طلحہؓ نے فرمایا کہ احد کی دن جب ہم صف بند میدان میں تھے کہ ہم پر ایسی اونگھ چھا گئی کہ میرے ہاتھ سے چھوٹ کر تلوار گری جا رہی تھی اور میں اس کو پکڑ رہا تھا وہ گری جا رہی تھی اور میں پکڑ رہا تھا۔ ثابتؓ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت ابو طلحہؓ نے فرمایا احد کے دن میں نے سر اٹھایا تو لوگوں میں کوئی شخص ایسا نظر نہیں آیا کہ اونگھ کی وجہ سے ڈھال کے نیچے وہ جھکانہ پڑ رہا ہو۔ اور ایک گروہ یعنی منافقوں کو (صرف) اپنی جانوں کو فکر تھی (اس لئے وہ نزول امن و سکون خاطر سے محروم رہے) کیا یہ مطلب ہے کہ ان کے نفسوں نے خود ان کو غموں میں ڈال دیا تھا اور وہ سکون و اطمینان سے محروم تھے۔

يُظَنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ اللہ کے متعلق وہ نازیبا غلط گمان رکھتے تھے یعنی یہ گمان رکھتے تھے کہ اللہ محمد ﷺ کی مدد نہیں کرے گا یہ خیال کرتے تھے کہ اگر محمد ﷺ نبی ہوتے تو مارے نہ جاتے۔ كَلَّ الْجَاهِلِيَّةُ اہل جاہلیت یعنی مشرکوں اور کافروں کے گمان کی طرح۔ يَقُولُونَ وہ رسول اللہ ﷺ سے کہتے ہیں یا اپنے دلوں میں کہتے ہیں۔

هَلْ لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ استفہام انکاری یعنی جس نصرت کا وعدہ اللہ نے کیا تھا ہم کو اس سے کچھ نہیں ملا، روایت میں آیا ہے کہ بنی خزرج کے شہید ہونے کی اطلاع جب ابن ابی کولبی تو اس نے یہ بات کہی۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ ہم کو خود اپنی تدبیر اور انتظار کرنے سے روک دیا گیا، ہمارے اختیار میں کچھ بھی نہیں رہا، یا یہ مطلب ہے کہ کیا ہم پر سے یہ جبر کبھی دور ہو گا اور اپنے معاملہ کا اختیار ہم کو حاصل ہو گا۔

ابن راہویہؒ نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت زبیرؓ بن عوام نے فرمایا مجھے (اب تک) دکھ رہا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا، سخت خوف کا وقت تھا تو اللہ نے ہم پر نیند مسلط کر دی ہم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں رہا کہ اس کی ٹھوڑی سینہ سے نہ جا لگی ہو، خدا کی قسم مجھ پر اونگھ چھائی ہوئی تھی اور ایک خواب کی طرح میں معتب بن قشیر کا یہ قول سن رہا تھا لَوْ كَانَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَا قَتَلْنَا هَهُنَا، اسی کے متعلق اللہ نے آیت ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُم مِّن بَعْدِ الْغَمِّ أَمْنَةً نَّعَاسًا تَغْشَى وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ تک نازل فرمائی۔

قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ اے محمد ﷺ آپ کہہ دیں کہ حکم سارا، اللہ ہی کا ہے وہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے اور جیسی منشا ہوتی ہے کرتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ حقیقی غلبہ تو اللہ اور اس کے دوستوں ہی کو حاصل ہے، اللہ کا گروہ ہی غالب رہتا ہے لیکن کسی مصلحت کی وجہ سے بعض اوقات اس کا (عارضی طور پر) ظہور نہیں ہوتا۔

يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ وہ اپنے دلوں میں ایسی باتیں چھپائے رکھتے ہیں جن کا تم پر اظہار نہیں کرتے یعنی ظاہر تو یہ کرتے ہیں کہ وہ ہدایت کے طلبگار اور فتح کے خواستگار ہیں مگر باہم ایک دوسرے سے اس کے خلاف باتیں کرتے ہیں۔

يَقُولُونَ یعنی ان الامر كله للہ کا انکار کرتے ہوئے آپس میں پوشیدہ طور پر کہتے ہیں۔ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَا قَتَلْنَا هَهُنَا کہ اگر ہمارے لئے وہی ہو تا جو محمد ﷺ نے وعدہ کیا تھا یا جو محمد ﷺ کا خیال تھا کہ غلبہ پورا پورا اللہ کو اور اس کے دوستوں کو ہوتا ہے تو ہم یہاں مارے نہ جاتے، یا یہ مطلب ہے کہ اگر ہمارا

اختیار ہو تا اور ہماری تدبیر چلتی تو ہم مدینہ سے باہر نہ نکلتے جیسا کہ ابن ابی وغیرہ کا مشورہ تھا اور یہاں قتل نہ ہوتے۔

آپ کہہ دیں کہ

قُلْ كُونْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَّيْمُنَ الْكَذِبِينَ كَتَبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَى مَصْنُوعِهِمْ

اگر تم اپنے گھروں کے اندر بھی رہتے تب بھی جن لوگوں کیلئے قتل ہونا لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا تھا اور مقدر ہو چکا تھا وہ ضرور اپنی خواہاں ہوں یعنی قتل گاہوں میں نکل کر پہنچتے، مدینہ میں قیام رکھنا، ان کیلئے سود مند نہ ہو تا بلکہ وہ مدینہ کے اندر ٹھہر ہی نہ سکتے۔

وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ
اس کا تعلق برز سے ہے اور عطف محذوف پر ہے یعنی گھروں میں بیٹھ رہنے والے بھی ضرور اپنی قتل گاہوں میں آتے (اور مارے جاتے) کیونکہ حکم الہی کا نفاذ ضروری تھا اس کے علاوہ دوسری مصلحتیں بھی تھیں۔ نیز دلوں کے اخلاص اور نفاق کی جانچ اور پوشیدہ خیالات کا اظہار بھی مقصود تھا، یا اس کا تعلق فعل محذوف سے ہے اور جملہ کا عطف سابق جملہ پر ہے یعنی اللہ نے ایسا کیا تاکہ امتحان کرے، یا کیلا تحزنوا پر عطف ہے۔

وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ
اور اس لئے بھی کہ تمہارے دلوں کے خیالات کو کھول دے اور چھانٹ دے یا لے
مسلمانو تمہارے دلوں کے اندر پیدا ہونے والے وسوسوں کو دور کر دے۔

وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝
اور اللہ تمہارے اندر دنی خیالات سے بخوبی واقف ہے نہ اس کو اظہار کی ضرورت ہے نہ جانچ کی، صرف مسلمانوں کو کنا اور منافقوں کے حال کو ظاہر کرنا اور ان کے خلاف دلیل قائم کرنا اس کی علت ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَيْنِ جُنُودَ الْمُؤْمِنِينَ أَمْ لَمْ يَلِدْهُمْ أَمْ لَمْ يَرْزُقْهُمْ يَوْمَئِذٍ أَنْ يَحْبُوا وَلَا يَذْهَبَ لِيَأْخُذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا
بھاگ گئے۔ یہ احد کے دن کا واقعہ ہے سوائے تیرہ آدمیوں کے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی باقی نہیں رہا سب بھاگ گئے اور عبد اللہ بن جبیر کے ساتھ صرف دس آدمی قائم رہے (چالیس آدمی ان کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے)۔

إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ
بس شیطان نے ڈمگ دینا چاہا یا شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسے ڈال کر
غرش یعنی گناہ پر آمادہ کر دیا، ازل اور استزل کو ہم معنی بھی کہا گیا ہے۔

بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا
یعنی ان کے گناہوں کی وجہ سے کہ بعض لوگوں نے مرکز کو چھوڑ دینے کا مشورہ دیا تھا،
سن بصری نے فرمایا ما کسبوا سے مراد ہے شیطان کے وسوسہ کو مان لینا۔

وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ
یقیناً اللہ نے ان کو معاف فرمادیا۔
جب مصر والوں نے حضرت عثمانؓ پر نکتہ چینی کی، احد کے دن آپ کے فرار ہونے کا ذکر کیا اور جنگ بدر اور بیعت

رضوان سے غیر حاضر ہونے کا بھی اظہار کیا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہی بات ان کے جواب میں فرمائی، فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ جنگ احد سے فرار کو تو اللہ نے معاف فرمادیا اور بدر سے غیر حاضری کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا آپ کے عقد میں تھیں اور بیمار تھیں (جن کی وجہ سے باجائز آپ کو رکن پڑا) اس لئے حضور ﷺ نے فرمادیا تھا کہ شرکاء بدر کے برابر تم کو ثواب بھی ملے گا اور حصہ بھی، رہا بیعت رضوان سے غیر حاضر رہنے کا معاملہ تو وادی مکہ کے اندر اگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی معزز شخص ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس کو (قریش مکہ کے پاس) بھیج دیتے (لیکن عثمانؓ ہی سب سے زیادہ عزت والے تھے اس لئے) حضور ﷺ نے آپ کو مکہ بھیج دیا تھا اور ان کے جانے کے بعد بیعت رضوان ہوئی، پس حضور ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے پھر اس کو دوسرے ہاتھ پر خود ہی مارا اور فرمایا یہ عثمانؓ کی بیعت ہے، حضرت ابن عمرؓ نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد نکتہ چینی کرنے والے سے فرمایا اب اس (تفصیل) کو اپنے ساتھ لے جا، (رواہ البخاری)۔

لہذا جنگ احد سے فرار کرنے کی بنیاد پر کسی صحابی کو مطعون کرنا جائز نہیں، اس کے علاوہ یہ امر بھی تو ہے کہ فرار کی ممانعت سے پہلے یہ واقعہ ہوا تھا (اس لئے قابل طعن نہیں ہے کیونکہ درود حکم سے پہلے عدم تعمیل کوئی جرم نہیں بلکہ قابل تصور ہی نہیں)۔

کوئی شبہ نہیں کہ اللہ بڑی مغفرت اور حلم والا ہے (اس لئے اس نے اہل فرار سے

إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ حَلِيمٌ

مواخذہ نہیں کیا اور معاف فرمادیا)۔

اے اہل ایمان تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا

جنہوں نے کفر کیا، کافروں سے مراد ہیں عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھی منافق۔

منافقوں کی طرح نہ ہو جانے کا حکم اس لئے دیا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی قوم (کے افکار و اعمال اس) کی مشابہت اختیار کرے گا وہ اسی قوم میں سے ہوگا، اس حدیث کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ابو داؤد نے مرفوعاً اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے طبرانی نے مرفوعاً نقل کیا ہے، خصوصاً ایسی مشابہت (سے تو اجتناب فرض ہے) جو موجب کفر ہو، اس جگہ جس مشابہت کو اختیار کرنے کی ممانعت کی گئی ہے وہ موجب کفر ہی ہے کیونکہ یہ تقدیر کا انکار ہے اور تقدیر کا انکار کفر ہے۔

وَقَالُوا اور انہوں نے کہا، قالوا اگرچہ ماضی ہے لیکن اس جگہ استقبال کا معنی مراد ہے کیونکہ آگے اذا ضربوا اس کا ظرف (یعنی ظرف زمان) آیا ہے اذ نہیں ہے اور اذا اگر ماضی پر بھی داخل ہو تب بھی معنی استقبال کے ہوتے ہیں (گویا مطلب یہ ہوا کہ یہ کافر آئندہ کہیں گے) لیکن صیغہ استقبال کی جگہ ماضی کا صیغہ اس لئے ذکر کیا گیا کہ یہ قول آئندہ کہنا، یقینی تھا اور مستقبل میں جو بات یقینی الوقوع ہو اسکو ماضی کے صیغہ سے تعبیر کر لیا جاتا ہے (گویا وہ بات ہو گئی) جیسے اذا السماء انشقت میں (کہ اگرچہ آسمان ابھی نہیں پھٹا لیکن پھٹنا یقینی ہے اس لئے تنشق مضارع کی جگہ انشقت ماضی ذکر کیا ہے)۔

إِخْوَانِهِمْ اپنے نسبی بھائیوں کے متعلق یا منافق بھائیوں سے۔
بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ لاخوانہم کا مطلب اپنے بھائیوں کے بارے میں اور ان کے متعلق ہے (یعنی لاخوانہم کا ترجمہ بھائیوں سے نہیں ہے) کیونکہ آیت لوکانوا عندنا مامانوا وما قتلوا بتارہی ہے کہ اخوانہم سے مراد وہ لوگ نہیں ہیں جو مخاطب تھے بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو مرچکے یا مارے جا چکے تھے۔
میں کہتا ہوں کہ ممکن ہے اخوانہم سے مراد مخاطب ہی ہوں کیونکہ کچھ لوگ تو حاضر تھے ہی اور لوکانوا عندنا الخ میں وہ لوگ مراد ہوں جو مرچکے یا مارے گئے۔ اگر کسی فعل کے فاعل جماعت کے اندر چند اشخاص ہوں تو فعل کی نسبت جماعت کی جانب کر دی جاتی ہے۔ اگر اخوان سے برادران نفاق مراد ہوں تو پھر صرف مخاطب ہی مراد ہوں گے کیونکہ غازی (سفر جہاد پر جانے والے) اکثر وہ لوگ تھے جو منافق نہ تھے۔

إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ جب وہ تجارت وغیرہ کے لئے ملک میں چلیں پھریں اور دور نکل جائیں۔ اذا کا تعلق قالوا سے ہے، گویا تین افعال کے صدور کا وقت ایک ہی ہے، ملک میں جانا مر جانا اور پھر کافروں کا یہ بات کہنا ایک ہی مدت زمانہ کے واقعات ہیں۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ چونکہ قالوا ماضی کا صیغہ ہے اس لئے بجائے اذا کے اذ ہونا چاہئے تھا لیکن گذشتہ حال کی اس وقت حکایت کی گئی ہے (تو گویا قالوا ماضی کا صیغہ نہیں رہا بلکہ حال کا صیغہ ہو گیا اس لئے اذا لایا گیا) بیضاوی کا یہ قول قابل اعتراض ہے کیونکہ ماضی کے ساتھ اذا کا لانا تو ماضی کو مستقبل بنا دیتا ہے حال کا معنی پیدا نہیں ہوتا پھر ماضی کی حکایت کہ ماضی کو حال فرض کر لیا جائے یا حال کے کلام کو ماضی میں قرار دے دیا جائے کوئی صورت جائز نہیں، نہ اذا کے داخلہ سے ماضی حال بنتی ہے نہ اذا کے ساتھ ماضی لانے سے حال ماضی ہوتا ہے بلکہ ماضی مستقبل ہو جاتا ہے۔ اس لئے صحیح بات یہ ہے کہ قالوا کا معنی اس جگہ استقبال کا ہے۔

أَوْ كَانُوا غُرَى غزی، غازی کی جمع ہے جیسے عفی، عافی کی جمع ہے یعنی سفر پر ہوں یا جہاد پر پھر

أَوْ كَانُوا غُرَى

مر جائیں یا جہاد میں مارے جائیں۔

لَوْ كَانُوا يَعْنَدُونَ مَا مَأَتْوَا وَقَاتِلُوا (جہاد پر نہ جاتے تو) مارے نہ جاتے۔ یہ بات کہنے کی وجہ یہ تھی کہ تقدیر پر ان کا ایمان نہ تھا۔ (اسلام میں) فرقہ قدریہ بھی اسی کا قائل ہے۔

لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ (اور علت ہے) اور ذلک سے اشارہ اعتقاد کی جانب ہے اور لام کا تعلق قالوا سے ہے یعنی ان کا عقیدہ مذکورہ جس پر ان کا قول دلالت کر رہا ہے آخر کار ان کی قلبی حسرت بن جائے گا یا لا تکنونوا سے لام کا تعلق ہے یعنی منافقوں کی طرح تمہارا عقیدہ اور قول نہ ہونا چاہئے تاکہ تمہارا یہ عقیدہ اور قول ان کے لئے حسرت بن جائے عقیدہ اور قول کی مخالفت منافقوں کے لئے حسرت آفریں ہے۔

وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ (اور اللہ ہی زندگی اور موت دیتا ہے یعنی نہ سفر و جہاد موت آور ہیں نہ ترک سفر و جہاد حیات آفریں) بھی مقیم خانہ نشین مر جاتا ہے اور مسافر مجاہد زندہ رہتا ہے۔
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے اس آیت میں اہل ایمان کو منافقوں کی مشابہت (اعتقادی و عملی) اختیار کرنے سے تہدید ہے۔

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ (اور اگر تم اللہ کی راہ میں مارے بھی گئے یا مر گئے۔ نافع، حمزہ اور کسائی کے نزدیک مِيتٌ مِيتٌ مِيتٌ ہر جگہ بکسر میم باب خاف یخاف (سمع یسمع) سے ہے اور ابن کثیر و ابو عمرو ابن عامر و ابو بکر کے نزدیک بھیم میم۔ باب نصر بنصر سے ہے حفص کے نزدیک مُتُّمٌ یہاں دونوں جگہ نصر بنصر سے بضم میم ہے باقی مقامات پر مِيتٌ مِيتٌ بکسر میم۔

لَا تُغْفِرُ اللَّهُ مِنْ اللَّهِ وَرَحْمَةً خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ (یہ کلام جواب قسم ہے اور جزاء شرط کے قائم مقام ہے۔ یعنی سفر اور جہاد کو موت اور زندگی میں کوئی دخل نہیں اللہ ہی حیات بخش اور موت آفریں ہے لیکن ظاہری طور پر اگر سفر و جہاد موت کا سبب نظر آتا بھی ہے تب بھی ایسی موت جس کے نتیجہ میں اللہ کی طرف سے گناہوں کی مغفرت اور رحمت حاصل ہو اس دنیوی مال و متاع سے بہتر ہے پس مناسب یہی ہے کہ آئندہ خیر کی طلب کی جائے اور فوت شدہ دنیا کا افسوس نہ کیا جائے۔

وَلَئِنْ مُتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَأَنَالِيَ اللَّهُ مَحْشَرُونَ (اور اللہ کی راہ میں اگر تم مر گئے یا مارے گئے خواہ کسی طور پر ہو تو اللہ ہی کی طرف تمہارا حشر ضرور ہو گا کسی دوسرے کے پاس جاننا نہ ہو گا اس لئے تم کو امکانی کوشش کرنی چاہئے کہ اللہ کی محبت تم کو حاصل ہو تاکہ مرنے کے بعد تم فراق کے قید خانہ سے چھوٹ کر بارگاہ محبوب تک پہنچ جاؤ۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لَئِنْ لَّهُمْ (پس اللہ ہی کی عظیم الشان رحمت (جو تم پر اور تمہاری امت پر ہے) کی وجہ سے تم مومنوں کے حق میں نرم دل ہو اور باوجودیکہ انہوں نے تمہارے حکم کے خلاف کیا پھر بھی ان کی تکلیف پر اللہ کی توفیق اور خدا داد قلبی وجد ان کے زیر اثر رنجیدہ ہوتے ہو۔ تمہاری یہ نرمی قلب باعث رحمت اس وجہ سے ہے کہ

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ (اگر تم درشت روزشت خوار سخت دل ہوتے۔ لَا نَفْضُوا مِنْ حَوْلِكَ (تو وہ تمہارے آس پاس سے بچھڑ جاتے آپ کے پاس نہ رہتے اور دائرہ اسلام سے نکل جاتے اور جنت کے استحقاق سے محروم ہو جاتے اور قبیحین کی تعداد کم ہونے سے تمہارا اجر کم ہو جاتا۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ (پس ان پر جو تمہارا حق ہے اس سے درگزر کرو ان کو معاف کرو۔
وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ (اور اللہ کے جو حقوق ان کے ذمہ ہیں اور یہ ادا نہیں کر سکے ہیں ان کے لئے ان حقوق کی

معافی کی اللہ سے دعا کرو۔

وَسْأَوِّدُهُمْ فِي الْأَمْرِ

۱۔ اور جنگ کا معاملہ ہو یا کوئی اور معاملہ بہر حال جن چیزوں کا تعلق مشورہ سے ہو اور اللہ کی طرف سے تم کو کوئی خاص ہدایت نہ ملی ہو تو ان کی رائے طلب کرو تاکہ تم کو ان کے مشورہ سے قوت حاصل ہو اور ان کے دل بھی خوش ہو جائیں اور امت کیلئے بھی باہمی مشاورت کا ایک دستور مقرر ہو جائے۔ بغوی نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا رسول اللہ ﷺ سے زیادہ لوگوں کیلئے مشورہ لینے والا میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا۔ پھر جب مشورہ کے بعد تمہارا ارادہ محکم ہو جائے۔

فَإِذَا عَزَمْتَ

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ تو اللہ پر بھروسہ کرو، اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دو اور اس پر اعتماد رکھو۔ رسول اللہ ﷺ کی یہی حالت تھی۔ اسی لئے جب احد کے دن جنگ کے ارادہ سے برآمد ہو گئے (اور پھر پشیمان ہو کر لوگوں نے روکنا چاہا) تو فرمایا کسی نبی کے لئے زیبا نہیں کہ جب اس نے زرہ پہن لی ہو تو بغیر جنگ کے اتارے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ باہم مشورہ کے بعد مشورہ سے جو کچھ طے ہو اس پر عمل کرو اور اعتماد اللہ پر رکھو، یہ مطلب نہیں کہ اپنی رائے پر عمل کرو (اور مشورہ کو نظر انداز کر دو) کیونکہ غیب کا علم تو اللہ کو ہے مگر باہم مشورہ کے بعد افکار و خیالات کے رد و بدل سے وہ بات نکل آتی ہے جو زیادہ مفید ہوتی ہے۔ پھر بھی اجتماعی مشورہ قابل بھروسہ نہیں ہوتا کہ یقیناً مفید ہی ہو کیونکہ انسانی افکار کی رفتار کبھی اندھا دھند ہوتی ہے اور اللہ معمول کے خلاف کبھی نتیجہ پیدا کر دیتا ہے اس لئے بھروسہ لوگوں کی رائے پر نہیں صرف اللہ پر ہونا چاہئے۔

توکل کا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز اللہ کے سپرد کر دی جائے اسی سے درخواست کی جائے کہ کوشش کا نتیجہ اچھا نکلے اور اللہ پر بدگمانی نہ کی جائے حسن ظن رکھا جائے (کہ وہ ضرور اچھا نتیجہ نکالے گا)۔ بعض علماء کا قول ہے کہ رزق حاصل کرنے کے لئے اللہ کی نافرمانی نہ کرنا توکل ہے اس قول پر اللہ کی طرف (رزق کے معاملے میں) رجوع کرنا لازم ہے لیکن گناہ کے معاملہ میں اللہ سے التجا کا کوئی معنی نہیں۔ بعض علماء نے کہا کہ توکل کا معنی یہ ہے کہ اپنی ذات کے لئے اللہ کے سوا کسی کو ناصر اور رزق کا کسی کو خازن اور اعمال کا کسی کو نگران نہ قرار دیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کے ستر ہزار آدمی بلا حساب جنت میں جائیں گے عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ وہ کون ہوں گے فرمایا وہ لوگ وہ ہیں جو داغ نہیں لگواتے، منتر نہیں پڑھتے پڑھواتے، شگون نہیں لیتے اور اپنے رب پر ہی بھروسہ رکھتے ہیں۔ متفق علیہ۔ بغوی نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم اللہ پر توکل کرو جیسا توکل کا حق ہے تو اللہ تم کو اسی طرح رزق دے جیسے پرندوں کو دیتا ہے کہ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس آتے ہیں، رواہ الترمذی وابن ماجہ۔ اگر شبہ کیا جائے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ظاہری معمولی اسباب کو ترک کر دینا توکل ہے جیسے (زخم وغیرہ کے لئے) داغ نہ لگوانا اور منتر، افسوس کو ترک کرنا۔ میں کہتا ہوں ایسا نہیں ہے (ترک

۱۔ (حاشیہ از مولف قدس سرہ، حضرت ابن عباسؓ کا قول منقول ہے کہ آیت و سأودهم فی الامر، میں ابو بکرؓ و عمرؓ سے مشورہ لینے کا حکم ہے، دوسری روایت میں آیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے حق میں نازل ہوئی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم دونوں مشورہ میں متفق رائے ہو جاؤ تو میں مخالفت نہیں کروں گا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ جنگ کے معاملہ میں رسول اللہ ﷺ مشورہ لیا کرتے تھے اس لئے تم بھی مشورہ لیا کرو، ضحاک نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مشورہ لیا کرتے تھے یہاں تک کہ عورت سے بھی، ۱۲۔

اسباب نہیں) بلکہ اسباب پر اعتماد نہ کرنا توکل ہے، دیکھو مشورہ لیتا بھی تو ایک طرح کے سبب کا استعمال ہے جس کا حکم دیا گیا ہے لیکن اس پر اعتماد کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ رہی حدیث ابن عباسؓ تو اس کے آخر میں وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ داغ نہ لگوانے اور افسوس نہ کرنے کرانے کی تفسیر نہیں ہے۔

عطف غیریت کو چاہتا ہے اور ان دونوں جملوں کے مفہوم میں تغایر و تضاد نہیں ہے۔

اور شاید ستر ہزار سے مراد وہ لوگ ہیں جو اکثر اسباب کا استعمال نہیں کرتے (کیونکہ مطلقاً ترک اسباب تو ممکن ہی نہیں) یا ترک تشبث سے مراد ہے اسباب مکروہہ کو چھوڑ دینا کیونکہ اسباب کا استعمال تو زندگی کے لوازم میں سے ہے (انکار ترک تو ناممکن ہے) کھانا پینا عادی زندگی کے اسباب میں سے ہے۔ نماز روزہ غالباً دخول جنت کا سبب ہے اور ان کو ادا کرنا واجب اور ضروری ہے۔ جو لوگ اللہ پر توکل کرتے ہیں اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور اللہ کا محبوب ہونا

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿۵۰﴾

ہی سب سے اونچا مقصد ہے اس کے علاوہ توکل علی اللہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ مدد فرماتا ہے اور (دین دنیا کی) صلاح کا راستہ دکھا دیتا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ حدیث قدسی میں آیا ہے میں اپنے بندہ کے گمان کے پاس ہوں (یعنی بندہ جیسا مجھ پر اچھا برا گمان کرتا ہے میں ویسا ہی اس کے ساتھ سلوک کرتا ہوں)۔

اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو پھر کوئی تم پر غلبہ پانے والا نہیں کیونکہ جو

إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ

اللہ کی طرف سے مدد یافتہ ہو وہ کسی سے مغلوب نہیں ہو سکتا اور نہ اللہ کا عاجز اور کمزور ہونا لازم آئے گا جو قطعاً محال ہے۔

وَلَنْ يَخْذَلَ لَكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ

پھر کون تمہاری مدد کر سکتا ہے (استفہام انگاری ہے) یعنی کوئی مدد نہیں کر سکتا کیونکہ بندوں کے تمام افعال اللہ کے پیدا کردہ ہیں اس لئے اگر وہ بے مدد چھوڑ دے تو پھر کسی کی طرف سے مدد کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔

مَنْ بَعْدَهُ اس کے مدد نہ کرنے کے بعد یہ مطلب ہے کہ جب تم نے اللہ سے مدد کی طلب چھوڑ دی تو کسی دوسرے کی طرف سے مدد کا تصور ممکن ہی نہیں۔ شرعاً اللہ پر توکل رکھنے کا حکم بصیغہ امر واجب ہے لیکن اس آیت میں توکل

کے عقلی وجوب کو دلیل سے بھی ثابت کیا ہے۔

وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۵۱﴾

اور اللہ ہی پر اہل ایمان کو توکل کرنا چاہئے کیونکہ وہ جانتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغْلُفَ

محمد بن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ اس آیت کا نزول وحی کے متعلق ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ کسی لالچ یا خوف یا سہل انگاری کی وجہ سے وحی کا کچھ حصہ ظاہر نہ کرنا نبی کے لئے جائز نہیں۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ کچھ طاقتور لوگوں نے اصرار کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے مال غنیمت کی طلب کی، اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ مطلب یہ کہ مال غنیمت میں خیانت کرنا کہ کسی گروہ کو دے اور کسی کو نہ دے۔ نبی کے لئے جائز نہیں

بلکہ مساوات کے ساتھ سب کو تقسیم کرنا اس پر لازم ہے۔ ابو داؤد ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس کو حسن بھی کہا ہے کہ اس آیت میں اس سرخ دھاری والی کملی کا بیان ہے جو بدر کے دن گم ہو گئی تھی اور بعض لوگوں نے خیال کیا تھا کہ شاید رسول اللہ ﷺ نے لے لی ہو اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ مال غنیمت میں خیانت

نبی ﷺ کے لئے درست نہیں۔

کلبی اور مقاتل کا بیان ہے کہ آیت کا نزول جنگ احد کی غنیمت کے متعلق ہوا جب تیر اندازوں نے احد کی گھاٹی کے

مرکز کو چھوڑ دیا اور کہنے لگے ہم کو اندیشہ ہے کہیں رسول اللہ ﷺ یہ نہ فرمادیں کہ جس نے جو چیز لی ہو وہ اسی کی ہے اور بدر کی لڑائی کی طرح آج بھی غنیمت کی تقسیم نہ کریں پس اس خیال سے انہوں نے اپنی مقررہ جگہ چھوڑ دی اور اموال غنیمت پر جا

پڑے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں نے تم کو حکم نہیں دیدیا تھا کہ جب تک میرا حکم تم کو نہ پہنچے اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔ کہنے لگے ہم اپنے دوسرے ساتھیوں کو وہیں کھڑا چھوڑ آئے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا نہیں۔ بات یہ ہے کہ تم نے یہ خیال کیا کہ ہم مال غنیمت میں خیانت کر لیں گے بانٹ کر تم کو نہیں دیں گے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

ابن ابی شیبہؒ نے مصنف میں اور ابن جریرؒ نے ضحاک کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ جاسوس دشمن کے حال کی دیکھ بھال کے لئے بھیجے تھے ان کی غیر حاضری میں رسول اللہ ﷺ نے ساتھیوں کو مال غنیمت بانٹ دیا اور جاسوسوں کو کوئی حصہ نہیں دیا اس پر اس آیت کا نزول ہوا۔ پس بعض مستحقین کے محروم رہ جانے کو غلول فرمایا۔ اگرچہ یہ خیانت نہ تھی لیکن سختی اور مبالغہ کی وجہ سے اس کو خیانت قرار دیا۔ آیت کی دوسری قرأت میں اَنْ يَغْلُ فَعَلْ مَجْمُول آیا ہے یعنی نبی کو خائن قرار دینا جائز نہیں یا یہ مطلب کہ نبی سے امت کا خیانت کرنا جائز نہیں۔

قائدہ نے فرمایا ہم سے بیان کیا گیا تھا کہ کچھ صحابہ نے مال غنیمت میں خیانت کی تھی ان کے بارے میں اس آیت کا نزول ہوا۔ طبرانی نے کبیر میں باوثوق سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ لشکر کہیں بھیجا مگر اس کا جھنڈا (ناکام) واپس آیا پھر بھیجا تو پھر واپس آگیا اور وجہ یہ تھی کہ انہوں نے ہرن کے سر کے برابر سونے کی خیانت کر لی تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِؕ
اور جو خیانت کرے گا قیامت کے دن چرائے ہوئے مال کے ساتھ آئے گا (مذرم مال کے ساتھ پکڑا ہوا آئے گا) کلبیؒ نے کما دوزخ کے اندر اس چرائی ہوئی چیز کی ہم شکل کوئی شئی بتادی جائے گی اور اس خائن سے کہا جائے گا جاتا کر اس کو لے لے وہ اتر کر اس چیز کو پشت پر اٹھا کر لے آئے گا جب اپنی جگہ آجائے گا تو وہ چیز چھوٹ کو پھر اندر گر پڑیگی اور اس شخص کو حکم دیا جائے گا کہ اتر کر جائے اور اس چیز کو لاد کر لے آئے وہ ایسا کریگا اور یہی معاملہ اس کے ساتھ (خدا جانے کب تک) ہوتا رہے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ خیبر کے سال ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ کابل نکلے وہاں سونا چاندی کچھ لوٹ میں ہاتھ نہیں آیا صرف اونٹ، کپڑے اور سامان ملا۔ یہاں سے حضور ﷺ نے وادی قرئیٰ کا رخ کیا۔ ایک حبشی غلام جس کا نام مدغم تھا۔ رفاعہ بن زید نے رسول اللہ ﷺ کو بہہ کیا تھا (وہ بھی ساتھ تھا) جب ہم وادی قرئیٰ میں پہنچ گئے اور مدغم رسول اللہ ﷺ کے اونٹ کا کبادہ اتارنے لگا تو اچانک ایک نامعلوم تیر اس کے آگے۔ معلوم نہیں کس نے مارا اس تیر سے وہ مر گیا لوگوں نے کہا اس کو جنت مبارک ہو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہرگز نہیں، قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ چھوٹی مہلی جو اس نے خیبر کی جنگ میں مال غنیمت سے لے لی تھی اور اس کے حصہ میں نہیں آئی تھی وہ اس کے اوپر آگ بن کر بھڑک رہی ہے۔ یہ بات سن کر ایک شخص ایک یادو تسمے لے کر آیا اور خدمت گرامی میں پیش کر دیئے۔ فرمایا ایک یادو تسمے بھی آگ کے ہیں (یعنی اگر داخل نہ کئے جاتے تو مرنے کے بعد یہ آگ کے ہو جاتے)، رواہ البغوی۔

صحیحین کی روایت میں بحوالہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک غلام جس کا نام مدغم تھا بطور ہدیہ بھیجا تھا۔

حضرت یزید بن خالد جہنی کی روایت ہے کہ خیبر کے دن ایک شخص کا انتقال ہو گیا لوگوں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا آپ ﷺ نے فرمایا تم اپنے ساتھی کی نماز پڑھو یہ سن کر لوگوں کے رنگ فق ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے ساتھی نے راہ خدا میں خیانت کی ہے ہم نے اس کا سامان کھول کر دیکھا تو اس میں یسودیوں سے لوٹے ہوئے کچھ نقلی سوتی (پوتھ) ملے جو دودر ہم کی قیمت کے ہوں گے۔ رواہ مالک والنسائی۔

حضرت ابو حمید ساعدی راوی ہیں کہ قبیلہ ازد کا ایک شخص تھا جس کا نام ابن السکبہ تھا اسے رسول اللہ ﷺ نے وصول صدقہ کا آفسر بنا کر بھیجا جب وہ مال زکوٰۃ وصول کر کے واپس آیا تو (کچھ مال پیش کر کے) کہنے لگا یہ تمہارا ہے اور یہ مجھے ہدیہ

میں دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا اے اللہ! جن امور کا مجھے مہتمم بنایا ہے میں ان میں سے بعض کاموں کا ناظم تمہارے بعض اشخاص کو بنادیتا ہوں پس وہ آکر کہتے ہیں کہ یہ (مال تو اے مسلمانو!) تمہارا ہے اور یہ مجھے تحفہ میں دیا گیا ہے آخر وہ اپنی اماں اور اپنے ابا کے گھر کیوں نہیں بیٹھ رہتا کہ اگر وہ سچا ہے تو اس کا ہدیہ (گھر بیٹھے) اس کے پاس آجاتا خدا کی قسم جو شخص بھی تم میں سے کوئی چیز ناحق لے گا وہ ضرور جب اللہ کے سامنے جائے گا تو وہ چیز اپنے اوپر لادے ہوگا پس میں کسی کو ایسا نہ پاؤں کہ اللہ کی پیشی کے وقت بلبلاتے اونٹ کو یاد دہاتی گائے کو یا منمناتی بکری کو اپنے اوپر لادے ہوئے لائے۔ متفق علیہ۔

دوسری روایت میں آیا ہے کہ پھر حضور ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا اے اللہ! کیا میں نے (تیرا حکم) پہنچا دیا۔ اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا۔

حضرت عدی بن عمیرہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ ہم نے جس کسی کو تم میں سے کسی کام پر مقرر کیا اور اس نے ہم سے ایک سوئی یا اس سے زیادہ کوئی چیز چھپالی تو یہ چوری ہوگی جس کو ساتھ لے کر قیامت کے دن اس کو آتا ہوگا، رواہ مسلم۔

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (خطاب کرنے) کھڑے ہوئے اور (مال زکوٰۃ یا مال غنیمت کی) خیانت کو بڑا جرم بتایا اور فرمایا خوب سن لو قیامت کے دن تم میں سے کسی کی ایسی حالت میں مجھ سے ملاقات نہ ہو کہ اس کی گردن پر بلبلاتا اونٹ سوار ہو اور وہ کہہ رہا ہو یا رسول اللہ ﷺ وہائی ہے اور میں کہوں اللہ کے مقابلہ میں تیرے لئے کچھ نہیں کر سکتا میں تو تجھے حکم پہنچا چکا تھا پھر حضور ﷺ نے اس شخص کا ذکر کیا جس کی گردن پر گھوڑا اور بکری اور سونا چاندی لدا ہوگا اور اس سے آگے وہی فریاد کرنے اور مدد نہ کرنے کا تذکرہ فرمایا۔ بخاری و مسلم۔

ابو یعلیٰ اور بزاز نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور امام احمد نے حضرت سعد بن عبادہ اور بلب کی روایت سے اور بزار نے حضرت ابن عمرؓ و حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت ابن عباس و حضرت بن مسعود اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم کی روایت سے اسی طرح کی حدیثیں نقل کی ہیں اور یہ تمام احادیث مال زکوٰۃ وصول کرنے والوں کے متعلق ہیں جو مال زکوٰۃ میں خیانت کرتے ہوں۔

حضرت ابومالک اشعری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے نزدیک سب سے بڑی خیانتی چوری گزبھر زمین کی ہے کسی زمین یا مکان میں اگر دو شخص ہم جواری (شریک) ہوں اور ایک دوسرے کے حق کی ایک گز زمین کاٹ لے تو قیامت کے دن اللہ اس کو سات زمینوں کا طوق پہنائے گا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ نے فرمایا مجھے رسول اللہ ﷺ نے (عادل بنا کر) یمن کو بھیجا اور فرمایا میری اجازت کے بغیر کوئی چیز نہ لے لینا کیونکہ وہ خیانتی چوری ہوگی ومن یغلل یات لما غل یوم القیامۃ جو شخص خیانتی چوری کرے گا وہ قیامت کے دن اس خیانتی مال کے ساتھ آئے گا۔

عمرو بن شعیبؓ کے دادر لوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے خیانتی چور کا سامان جلوادیا اور اس کو مارا۔ رواہ ابوداؤد۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامان پر ایک شخص مقرر تھا جس کو کر کرہ کہا جاتا تھا کر کرہ مر گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ روزخ میں ہے لوگ اس کا سامان دیکھنے گئے تو اس میں ایک عبلا جس کی اس نے خیانت کی تھی۔ رواہ البخاری۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا خیر کے دن صحابہؓ کی ایک جماعت آئی اور کہنے لگی فلاں شہید ہوا فلاں شہید ہوا ایساں تک کہ ایک آدمی (کے جنازہ) کی طرف سے گزرے اور بولے فلاں شہید ہوا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر گز نہیں میں نے اس کو آگ میں دیکھا ہے ایک چادر کی خیانت کرنے کی وجہ سے یا فرمایا ایک عبا

کی خیانت کی وجہ سے۔ پھر فرمایا اے خطاب کے بیٹے جاوڑ تین بار لوگوں میں منادی کر دے کہ جنت میں صرف مومن جائیں گے حسب الحکم میں نے باہر نکل کر تین بار لوگوں میں منادی کر دی کہ جنت میں صرف مومن جائیں گے، رواہ مسلم۔

ثُمَّ تَوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ

پورا بدلہ دیا جائے گا۔

وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۱﴾

نہ تا فرمان کے عذاب میں زیادتی۔

أَفَمِنْ أَنْبَعِ رِضْوَانِ اللَّهِ

کَمَنْ بَاءَ بِسَخَطِ اللَّهِ

بعض فاسق۔

وَمَا أُوْدُهُ جَهَنَّمَ

اور جہنم برامقام واپسی ہے۔

وَيُسْأَلُ الْمَصِيرُ ﴿۱۲﴾

مرضی خدا کا اتباع کرنے والے اور اللہ کی ناراضگی لے کر لوٹنے والے مختلف درجات والے ہیں مختلف مراتب ہیں ثواب و عذاب میں اول و دوم کا بڑا تفاوت ہے اس لئے ان لوگوں کو درجات فرمایا۔

عِنْدَ اللَّهِ

دوسرے کافروں اور نافرمانوں سے دوزخ کے زیادہ نچلے درجہ میں ہوں گے۔

وَاللَّهُ بِصِيْرِهِمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۳﴾

اور اللہ ان کے اعمال سے واقف ہے پس اعمال کے موافق بدلہ دیگا۔

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ

مومنوں پر احسان کیا جب کہ ان کے اندر انہی میں سے ایک عظیم الشان پیغمبر مبعوث فرمایا۔

بَعْضُ لِّل تَقْرِيرِ

بعض لیل تفسیر کے نزدیک المؤمنین سے مراد ہیں صرف حضور ﷺ کے خاندان (قریش) کے مومن کیونکہ نعمت بعثت اگرچہ تمام مومنوں کے لئے عمومی ہے لیکن قریش کو زیادہ فائدہ حاصل ہوا اور حضور ﷺ کی ذات سے خصوصی بزرگی ملی۔ اس لئے قریش پر یہ اللہ کا خصوصی احسان تھا کہ ان میں سے اللہ کا پیغمبر مبعوث ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ قریش کے تابع ہیں (عام) مومن قریشی مومنوں کے اور (عام) کافر قریشی کافروں کے۔ متفق علیہ۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ امر یعنی خلافت ہمیشہ قریش میں رہے گی جب تک ان میں سے دو شخص بھی باقی رہیں گے (یہ خبر بمعنی امر ہے یعنی خلافت ہمیشہ قریش میں رہنی چاہئے لیکن یہ حکم بشرط صلاحیت و تقویٰ ہے، فاسقوں اور ظالموں کے خلیفہ بنانے کے لئے امر نہیں ہے) بعض علماء کا خیال ہے کہ المؤمنین سے عرب کے تمام مومن مراد ہیں کیونکہ بنی تغلب کے علاوہ باقی ہر عربی قبیلہ کا قریش سے کچھ نہ کچھ نسبی تعلق ہے اللہ نے فرمایا ہے ہُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا

منهم (الامیین) سے عام عرب مراد ہیں اس لئے المؤمنین سے بھی عام عربی مومن مراد ہونا چاہئے۔

مِنْ أَنْفُسِهِمْ

من انفسہم سے مراد ہے من جنسہم یعنی اللہ نے رسول کو عربوں کی جنس کا بتلایا تاکہ آسانی سے اس کا کلام سمجھ لیں اور اس کی صداقت و امانت کی حالت سے واقف ہوں اور اس کی وجہ سے حامل فخر ہو جائیں۔ حضرت سلمانؓ کا بیان ہے کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ سے بغض نہ رکھنا (یعنی نفرت نہ کرنا) ورنہ دین سے الگ ہو جائے گا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں حضور ﷺ سے کیسے نفرت کر سکتا ہوں۔ حضور ﷺ ہی کے ذریعہ سے تو اللہ نے ہم کو ہدایت فرمائی ہے۔

فرمایا عرب سے بغض رکھے گا تو مجھ سے بغض رہے گا۔ یہ حدیث ترمذی نے نقل کی ہے اور اس کو حسن کہا ہے۔

بَعْضُ عِلْمَاءَ كَاخِيَالِ

بعض علماء کا خیال ہے کہ تمام مومن مراد ہیں (عجمی ہوں یا عربی) جیسے آیت لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ

میں تمام انسان مراد ہیں یعنی پیغمبر انسانوں میں سے آیا کوئی فرشتہ نہیں آیا تاکہ نوعی مناسبت کی وجہ سے اثر آفرینی اور اثر پذیری (بآسانی) ہو سکے۔ اللہ نے فرمایا ہے لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا۔ اگر زمین پر ملائکہ چلتے پھرتے رہتے بستے ہوتے تو ہم ان پر آسمان سے فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتے (مگر انسانوں کے لئے تو انسان ہی رسول ہونا چاہئے)۔

وَيَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ ۚ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ وَهُوَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ ۚ وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۚ
جوانہ کی آیات یعنی قرآن ان کو پڑھ کر سناتا ہے حالانکہ وہ پہلے کچھ نہ جانتے تھے۔
اور ان کو پاک کرتا ہے یعنی ان کے دلوں کو غلط عقائد اور اللہ کے سوا دوسروں کے ساتھ لولگانے سے پاک کرتا ہے، نفوس کو رذیل خصال سے طاہر بناتا ہے اور اجسام کو نجاستوں، گندگیوں اور برے اعمال سے صاف کرتا ہے۔
اور ان کو کتاب کی تعلیم دیتا ہے یعنی وہ علوم سکھاتا ہے جو قرآن سے اخذ کئے جاتے ہیں یا وہ علوم سکھاتا ہے جو اوراق پر لکھے جانے کے قابل ہیں۔

وَالْحِكْمَةَ ۚ وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۚ
اور ان کو حکمت سکھاتا ہے یعنی ایسے صحیح یقینی علوم سکھاتا ہے جو ایک دانشمند دوسرے دانشمند سے کتاب اور بیان کے بغیر سیکھ لیتا ہے۔

وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝
اور ان کا اسم ضمیر شان محذوف ہے یعنی بلاشبہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

أَوَلَمْ أَصَابِكُم مَّصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَهَا قُلْتُمْ أَنَّى هَذَا ۚ
بڑی کہ اس سے دو کئی تم (دشمنوں پر) ڈال چکے تھے تو اب تم کہتے ہو کہ یہ کدھر سے آئی۔ مصیبت سے مراد ہے ستر آدمیوں کا قتل اور شکست جو احد کے دن واقع ہوئی اور دو گنی مصیبت ڈالنے سے مراد ہے بدر کی لڑائی میں کافروں کا قتل اور قید ہونا۔

امام احمد، بخاری، مسلم اور نسائی نے حضرت براءؓ کا قول نقل کیا ہے کہ احد کے دن مشرکوں نے ہمارے ستر آدمی مارے اور بدر کے دن رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ نے ایک سو چالیس مشرکوں پر مصیبت ڈالی۔ ستر کو قتل کیا اور ستر کو قید۔ میں کہتا ہوں قیدی کو بھی اللہ نے مقتول کے حکم میں قرار دیا کیونکہ مسلمان ان کو قتل کر سکتے تھے اور ان کو قتل کر ڈالنے کی ہی اللہ کی مرضی تھی۔ فدیہ لے کر قتل نہ کرنا (اور رہا کر دینا) تو مسلمانوں کی اپنی رائے سے ہوا (جو اللہ کی مرضی کے خلاف ہوا)۔

لَمَّا كَانَتْ تِلْكَ الْأَيَّامُ الَّتِي بَدَأَ اللَّهُ فِيهَا دِينَهُ لِيُظْهِرَهُ لِبَنِي إِسْرَءِيلَ ۚ وَلِيُجْزِيَ الَّذِينَ هُمْ أَغْنَىٰ عَنْهُ مِنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَذَكِّرَ الَّذِينَ لَمْ يَرْجُوا يَوْمَ الْحِسَابِ ۚ
لَمَّا كَانَتْ تِلْكَ الْأَيَّامُ الَّتِي بَدَأَ اللَّهُ فِيهَا دِينَهُ لِيُظْهِرَهُ لِبَنِي إِسْرَءِيلَ ۚ وَلِيُجْزِيَ الَّذِينَ هُمْ أَغْنَىٰ عَنْهُ مِنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَذَكِّرَ الَّذِينَ لَمْ يَرْجُوا يَوْمَ الْحِسَابِ ۚ
چاہئے تھا۔ اس جملہ کا عطف یا آیت لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ پر ہے یعنی اللہ نے جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ پورا کیا اور تم کہتے ہو کہ یہ مصیبت ہم پر کہاں سے آگئی یا استز لہم الشیطان پر عطف ہے بالقد من اللہ پر عطف ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کا موجود ہونا تو تم پر اللہ کا احسان ہے اور تم مصیبت کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کرتے اور کہتے ہو کہ ان کی وجہ سے یہ مصیبت آئی۔

یا محذوف جملہ پر عطف ہے کلام اس طرح تھا کہ اللہ نے تم سے فتح کا وعدہ صبر رکھنے اور تقویٰ اختیار کرنے کی شرط پر کیا تھا تم نے صبر نہیں کیا اور مصیبت پڑی تو کہنے لگے یہ کدھر سے آگئی۔ یا اس طرح کلام تھا کہ تم نے باہم اختلاف رائے کیا اور رسول کی نافرمانی کی اور بزدل بن گئے اور جب مصیبت پڑی تو ایسی بات کہنے لگے۔ وغیرہ

قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ ۚ
اے محمد ﷺ تم کہہ دو کہ یہ مصیبت خود تمہاری طرف سے آئی ہے۔
یعنی مرکز کو چھوڑ دینے اور رسول اللہ ﷺ کا حکم نہ ماننے کی وجہ سے آئی۔ کیونکہ فتح کا وعدہ تو صبر و تقویٰ کے ساتھ وابستہ تھا۔ بعض علماء نے کہا کہ من عند انفسکم سے مراد یہ ہے کہ تم نے بدر کے قیدیوں کا فدیہ لینا پسند کیا اور یہ تمہارا ذاتی فعل تھا اس سے یہ مصیبت پڑی۔ ابن ابی حاتم نے حضرت عمر بن خطابؓ کا قول نقل کیا ہے کہ احد کے دن مسلمانوں کو اس حرکت کی سزا

دی گئی جو انہوں نے بدر کے دن کی تھی کہ قیدیوں کا فدیہ لے لیا تھا (ستر کو فدیہ لے کر رہا کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ احد کے دن ستر مسلمان مارے گئے اور صحابہؓ کو شکست ہو گئی اور رسول اللہ ﷺ کا اگلا دانت شہید ہو گیا اور سر مبارک پر خود ٹوٹ کر گڑ گیا اور چہرہ مبارک پر خون بننے لگا اور اللہ نے آیت **أَوَلَمْآ أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةُ الْخِزْيَانِ** نازل فرمائی۔

بنوئیؒ نے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جبریلؑ نے آکر رسول اللہ ﷺ سے کہا آپ کی قوم کی یہ حرکت اللہ کو ناپسند ہوئی کہ قیدیوں کا معاوضہ لے لیا حالانکہ اللہ نے آپ کو یہ حکم دیا تھا کہ آپ ان کو دو باتوں میں سے ایک بات پسند کر لینے کا اختیار دیدیں یا تو وہ آگے بڑھ کر قیدیوں کی گردنیں مار دیں یا فدیہ لے کر چھوڑ دیں، مگر اس صورت میں ان قیدیوں کی تعداد کے برابر مسلمانوں کا شہید ہونا لازم ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا تذکرہ مسلمانوں سے کیا، انہوں نے جواب دیا یا رسول اللہ ﷺ یہ ہمارے قبیلہ والے ہیں بھائی بند ہیں ہم ان سے فدیہ لے لیں گے اور اس مال سے دشمن کے مقابلہ کے لئے طاقت فراہم کر لیں گے ہم میں سے ان کی تعداد کے برابر شہید ہو جائیں گے تو ہو جائیں (ہم اس پر راضی ہیں) چنانچہ احد کے دن بدر کے قیدیوں کی تعداد کے برابر ستر مسلمان شہید ہو گئے آیت **هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ** کا یہی مطلب ہے۔

﴿فائدہ﴾

سعید بن منصور نے ابوالصخر کی روایت سے مرسل نقل کیا کہ احد کے دن ستر شہید ہوئے چار مہاجر حضرت حمزہؓ، حضرت مصعب بن عمیرؓ، حضرت عبداللہ بن جحشؓ، حضرت شمس بن عثمان اور باقی (۶۶) انصاری۔ لیکن ابن حبان اور حاکم نے حضرت ابی بن کعبؓ کا قول نقل کیا ہے کہ احد کے دن ۶۳ انصاری اور چھ مہاجر شہید ہوئے (چار تو وہی تھے جن کا ذکر ابوالصخر کی روایت میں آچکا ہے اور بقول حافظ پانچویں مہاجر شہید حضرت حاطب بن بلتعہ کے آزاد کردہ غلام سعد تھے اور چھٹے ثقیف بن عمرو اسلمی تھے۔ بخاری نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ انصار سے زیادہ شہداء عرب کے کسی قبیلہ کے ہم کو معلوم نہیں۔ ہم سے حضرت انسؓ نے فرمایا تھا کہ احد کے دن ستر انصاری شہید ہوئے اور بیر معونہ لہ کے دن ستر اور جنگ یمامہ میں ستر۔ حافظ محبت طبری نے بروایت مالک لکھا ہے کہ شہداء احد ۷۵ تھے جن میں ۱۷ انصاری تھے۔ امام شافعیؒ کے ایک قول میں ۷۲ کی تعداد آئی ہے اور اعلیٰوں میں شہداء احد کے ناموں کی ترتیب وار فہرست آئی ہے یہ کل تعداد ۹۶ ہوتی ہے ۱۱ مہاجر ۳۸ اوس کے اور ۴ خزرج کے۔ اعلیٰوں میں دمیاطی کے حوالہ سے کل شہداء احد کی تعداد ۱۰۴ یا ۱۰۵ آئی ہے لیکن قرآن ان کی تعداد ستر بتا رہا ہے۔

مَدَّ كُرْسِيَّ يَابِئَ مَدَّ وَجْهَهُ لَدَى اللَّهِ هَرَجَزٍ بِرَقَدَرْتِ رَكْهَاتِہٖ۔

اور جو مصیبت تم پر پڑی جس روز کہ ان دونوں **وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعُ فَبِإِذْنِ اللَّهِ** کے حکم اور تقدیر سے پڑی یعنی احد کے دن جب مسلمانوں اور کافروں کا مقابلہ ہوا اور مسلمانوں پر قتل و شکست کی مصیبت پڑی تو وہ بحکم خدا پڑی۔

﴿..... ایک شبہ﴾

اُذُن یعنی اجازت خداوندی کا تعلق جائز امور سے ہوتا ہے جو امر غیر مشروع ہے اس کی اجازت اللہ کی طرف سے نہیں ہو سکتی اور جہاد سے فرار امر غیر مشروع ہے اس کا باذن الہی وقوع کیسے ممکن ہے۔

ازالہ :- اُذُن سے مراد ہے امر ٹکونی یعنی وہ امر جس کی تعبیر کن فیکون سے کی ہے اور امر ٹکونی کا تعلق مشروع

۱۔ حضور ﷺ نے قبائل عرب میں تبلیغ کے لئے ستر قراء انصاری بھیجے تھے کافروں نے دھوکہ سے چاہ معونہ کے قریب ان سب کو شہید کر دیا اور حضور ﷺ نے ان قبائل کے لئے بد دعا کی، ۱۲۔

اور غیر مشروع دونوں سے ہے ہاں امر تکلیفی یعنی حکم شرعی کا تعلق امر مشروع سے ہی ہوتا ہے اور امر تکلیفی یہاں مراد نہیں بلکہ قضاء و تقدیر مراد ہے۔

وَلْيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَلْيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۝
اس لئے بھی کہ اللہ مومنوں کو دیکھ لے اور ان لوگوں کو بھی دیکھ لے جنہوں نے نفاق کا برتاؤ کیا۔ یعنی لوگوں کی نظر میں دونوں گروہ الگ الگ آجائیں ان کا ایمان اور ان کا کفر پہچان لیا جائے۔

وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ ادْفَعُوا
میں لڑو یا (کم سے کم) دفعیہ ہی کرو۔ مطلب یہ کہ اگر طاقت رکھتے ہو تو اللہ کی راہ میں کافروں سے جہاد کرو ورنہ مسلمانوں کی جماعت بڑھانے کے لئے اپنی جگہ جمے رہو ورنہ کرو تا کہ دشمنوں کی مدافعت ہی ہو جائے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اگر سچے مومن ہو تو اخلاص کے ساتھ کافروں سے لڑو اور اگر ایسا نہیں کر سکتے (اور اخلاص نہیں رکھتے) تو اپنے بچوں کی طرف سے ہی دشمنوں کو دفع کرو۔

قَاتِلُوا انہوں نے کہا یعنی عبد اللہ بن ابی اور اس کے منافق ساتھی جن کی تعداد تین سو تھی مسلمانوں کے مذکورہ بالا قول کے جواب میں کہنے لگے۔

تَوَعَّلَكُمْ قَاتِلًا لَا تَتَّبِعُكُمْ
اگر ہم (اس ٹکراؤ کو) لڑائی جانتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے مگر یہ تو جنگ نہیں خود کشی ہے یا یہ مطلب کہ اگر تم حق پر ہوتے اور ہم اس جنگ کو راہ خدا میں جنگ سمجھتے تو تمہارا ساتھ دیتے یا یہ مطلب کہ اگر ہم سمجھتے کہ یہ لڑائی ہمارے ساتھ ہے تو ہم تمہارا ساتھ دیتے مگر یہ لڑائی تو ہمارے ساتھ نہیں مشرکوں کو صرف تم سے لڑنا مقصود ہے یا یہ مطلب کہ اگر ہم اچھی طرح لڑنا جانتے تو تمہارا ساتھ دیتے۔ اس صورت میں یہ قول محض استہزاء کے طور پر کہا تھا۔

هُمْ لِلْكَفَرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ
وہ منافق جتنے ایمان سے قریب تھے اس روز اس سے زیادہ کفر کے قریب ہو گئے (یا قریب تھے) یعنی منافق ایمان و کفر کے درمیان چکر میں تھے جیسے اجنبی بکری دو گلوں کے درمیان ہوتی ہے۔ اگر اسلام میں ان کو کچھ دنیوی فائدہ مل گیا تو اطمینان سے رہے اور اگر کچھ دکھ بڑ گیا تو کفر کی طرف پلٹ گئے۔ جنگ احد میں مصیبت آپڑی تھی اور یہ آزمائش تھی پس منافق اس روز کفر سے زیادہ قریب ہو گئے یہ ہی پسلاؤں تھا جس میں ان کا کفر اور نفاق ظاہر ہوا۔ یا یہ مطلب ہے کہ بہ نسبت اہل ایمان کے کافروں سے ان کی مدد زیادہ قریب تھی کیونکہ مسلمانوں سے ان کا کچھڑ جانا اور مندرجہ بالا الفاظ کہنا اہل شرک کی قوت اور مسلمانوں کے ضعف کا باعث ہوا۔

يَقُولُونَ يَا أُولَئِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ
نہیں ہے۔ یعنی اسلام کو منہ سے ظاہر کرتے ہیں اور دلوں میں کفر پوشیدہ ہے۔ قول کی نسبت منہ کی طرف کرنے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اسلام پر ان کا عقیدہ نہیں کہ دل سے اقرار کریں ان کا ایمان صرف زبانی ہے جو بچ ہے۔ اس جملہ میں منافقوں کی عام حالت کو بیان کیا ہے۔ صرف احد کے دن کی خصوصی حالت کا اظہار نہیں ہے اسی لئے الگ یعنی بغیر عطف کے یہ جملہ ذکر کیا گیا۔

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ۝
اور جس بات کو وہ دلوں میں چھپاتے ہیں اللہ اس سے بخوبی واقف ہے یعنی ان کے نفاق کو خوب جانتا ہے۔

الَّذِينَ قَالُوا لَإِنْ خَافْنَا قَعْدًا وَالْوَأْطَاعُونَ مَا قَاتِلُوا
یہ وہی لوگ ہیں کہ خود تو جنگ سے بیٹھ رہے اور اس حالت میں اپنے ان سبھی بھائیوں کے متعلق جو جنگ میں مارے گئے انہوں نے کہا کہ اگر وہ ہماری بات مان لیتے یعنی ہماری طرح جنگ سے بیٹھ رہتے تو جس طرح ہم نہیں مارے گئے وہ بھی نہ مارے جاتے۔

قُلْ قَادِرُوعَنْ أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۱﴾ اے محمد ﷺ آپ ان سے کہہ دیں کہ اب تو اپنی جانوں سے موت کو دفع کر دو اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ تدبیر تقدیر کو نال دیتی ہے۔

اور جو لوگ راہ خدا میں مارے گئے ان کو مردہ نہ کہو۔ ترمذی نے باسناد حسن اور ابن خزیمہ نے سند صحیح اور ابن ماجہ اور بغوی نے بیان کیا ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ مجھے ملے اور فرمایا جابرؓ کیا سبب ہے میں تجھے کچھ شکستہ (خاطر) دیکھ رہا ہوں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرا باپ شہید ہو گیا اور اس کے بچے رہ گئے اور اس پر قرض بھی ہے فرمایا کیا تجھے بشارت نہ دوں کہ اللہ تیرے باپ سے کس طرح ملا، میں نے عرض کیا کیوں نہیں فرمائیے۔ ارشاد فرمایا اللہ نے جس سے بھی کلام کیا پردہ کی اوٹ سے کیا مگر تیرے باپ کو زندہ کر کے رو در رو کلام کیا اور فرمایا میرے بندے اپنی آرزو مجھ سے بیان کر میں تجھے دوں گا۔ تیرے باپ نے کہا میرے رب مجھے پھر زندہ کر دے کہ میں دوبارہ تیری راہ میں مارا جاؤں اللہ نے فرمایا میرا فیصلہ پہلے ہو چکا ہے کہ (مرنے کے بعد) پھر وہ نہیں لوٹیں گے۔ راوی کا بیان ہے پھر ان شہداء کے بارے میں نازل ہوئی آیت لَا تَحْسِبَنَّ الَّذِينَ قَتَلُوا النَّحْ۔

مسلم، امام احمد، ابوداؤد، حاکم اور بغوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ احد کے دن جب تمہارے بھائی مارے گئے تو اللہ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے پوٹوں میں داخل کر دیا وہ جنت کی نہروں پر اترتے ہیں (یعنی انہار جنت کا پانی پیتے ہیں) جنت کے پھل کھاتے ہیں اور جنت میں جہاں چاہتے ہیں سیر کرتے پھرتے ہیں اور لوٹ کر سونے کی ان قندیلوں میں چلے جاتے ہیں جو عرش کے نیچے آویزاں ہیں۔ جب انہوں نے اپنی عمدہ خواب گاہ اور کھانا پیانا دیکھا اور اللہ نے ان کے لئے جو عزت فراہم کی ہے اس کا معائنہ کیا تو بولے کاش ہماری قوم کو ہماری اس موجودہ راحت کی اور اس سلوک کی جو اللہ نے ہمارے ساتھ کیا اطلاع ہو جاتی تاکہ ان کو بھی جہاد کی رغبت ہوئی اور وہ جہاد سے روگرداں نہ ہوتے، اللہ نے فرمایا میں تمہاری طرف سے اطلاع دے دوں گا اور تمہارے بھائیوں کو خبر پہنچا دوں گا، شہداء یہ سن کر خوش اور ہشاش بشاش ہو گئے پس اللہ نے (آیت مذکورہ) نازل فرمادی۔

ابن المنذرؒ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ جب حضرت حمزہؓ اور آپ کے ساتھی احد کے دن شہید ہو گئے تو شہداء نے کہا کاش کوئی خبر پہنچانے والا ہمارے بھائیوں کو اللہ کی عطا کردہ اس عزت کی جس میں ہم آگئے ہیں اطلاع دے دیتا، اللہ نے ان کو وحی بھیجی کہ میں تمہارے بھائیوں کو تمہارا پیام پہنچا دوں گا پس اللہ نے آیت لَا تَحْسِبَنَّ الَّذِينَ قَتَلُوا..... لَا يُضَيِّعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ، تک نازل فرمائی۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ شہداء کے اعزہ و اقارب کو جب (دنیا میں) کچھ راحت اور نعمت ملتی تو ان کو افسوس ہو تاکہ ہم تو ایسے مزے میں ہیں اور ہمارے باپ بھائی بیٹے قبروں میں ہیں (کاش وہ بھی ہمارے ساتھ ہوتے) اس پر اللہ نے آیت مذکورہ نازل فرمائی۔ لَا تَحْسِبَنَّ کا خطاب یا رسول اللہ ﷺ کو ہے یا شہیدوں کے اقارب کو، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ منافقوں کو خطاب ہو کیونکہ (بطور طعن) انہوں نے کہا تھالو اطاعونا ما قتلوا، اس وقت یہ آیت قل کے ذیل میں داخل ہوگی (یعنی قل کا مفعول ہوگی)۔

سبیل اللہ سے مراد ہے جہاد، یہ لفظ عام ہے ہر راہ خیر میں مرنے والے کو شامل ہے مگر لفظ قتل کی وجہ سے دوسرے خیر کے راستوں میں مرنے والوں کو صراحتہً شمول نہ ہو گا مگر بدلات نص بدرجہ اولیٰ یا کم سے کم بالمساوات شمول ہو جائے گا یا نفس کے ساتھ جہاد ہونے والے کو مقتول فی سبیل اللہ پر قیاس کیا جائے گا کیونکہ اپنے نفس سے جہاد کرنا جہاد اکبر ہے اور جہاد اصغر سے زیادہ سخت ہے، اموات سے مراد ہیں وہ مرے جن کو لذت و راحت کا احساس نہ ہو۔

بَلْ أَحْيَاءٌ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ ابو العالیہ نے اس فقرہ کی تشریح میں کہا کہ وہ سبز پرندوں کی شکلوں پر ہیں جنت کے اندر جہاں چاہتے ہیں اڑتے ہیں، رواہ ابو حاتم، بغوی نے لکھا ہے کہ روز قیامت تک ہر رات عرش کے نیچے ان کی رو صیں رکوع

اور سجدہ کرتی رہیں گی۔

ابن مندہ راوی ہیں کہ حضرت طلحہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا میں جنگل میں اپنے اونٹوں کی تلاش میں گیا وہاں مجھے رات ہو گئی تو میں عبد اللہ بن عمرو بن حرام کی قبر کے پاس قیام پذیر ہو گیا وہاں قبر کے اندر سے مجھے قرآن پڑھنے کی ایسی اچھی آواز آئی کہ اس سے بہتر آواز میں نے نہیں سنی، میں نے واپس آکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا تذکرہ کیا فرمایا وہ عبد اللہ تھا کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ نے ان (شہداء) کی ارواح قبض کرنے کے بعد زمرہ قوت کی قندیلوں میں رکھ کر وسط جنت میں ان قندیلوں کو لٹکا دیا ہے جب رات ہوتی ہے تو ان کی رو صیں واپس لوٹا دی جاتی ہیں اور رات بھر ایسی ہی رہتی ہیں پھر فجر نکلتی ہے تو روحوں کو پھر ان کے اصل مقامات پر (قندیلوں کے اندر) واپس کر دیا جاتا ہے، اس قول پر شہید کو مرنے کے بعد کی طاعات کا ثواب اور درجے بھی ملتے رہتے ہیں، اور شہید قبر کے اندر گھٹا سڑتا نہیں اور نہ اس کو زمین کھاتی ہے یہ اس کی زندگی کے نشانوں میں سے ایک نشان ہوتا ہے۔

بیہقی نے اپنی سندوں سے اور ابن سعد و بیہقی نے دوسرے طریقوں سے اور محمد بن عمرو نے اپنے مشنح کی سند سے نقل کیا ہے کہ حضرت جابرؓ نے فرمایا جب معاویہؓ نے چشمہ (نہر) جاری کر لیا تو ہم اپنے شہداء احد کے مزاروں پر چیتے ہوئے پہنچے اور ان کو باہر نکالا تو دیکھا وہ تروتازہ ہیں اور ان کے ہاتھوں اور پاؤں میں (زندہ کی طرح) لچک ہے محمد بن عمرو کے مشنح کا بیان ہے کہ لوگوں نے حضرت جابرؓ کے والد کو ایسی حالت میں پایا کہ ان کا ہاتھ اپنے زخم پر رکھا ہوا تھا جب ہاتھ زخم سے الگ کیا گیا تو خون ابلنے لگا مجبوراً ہاتھ کو پھر اس کی جگہ لوٹا دیا گیا تو خون قلم گیا، حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے باپ کو قبر کے اندر دیکھا معلوم ہوتا ہے کہ سو رہے ہیں اور جس دھاریدار کھلی کا ان کو کفن دیا گیا تھا وہ بھی ویسی ہی تھی حالانکہ اس کو چھالیس برس ہو چکے تھے، ان شہداء میں ایک شخص کی ٹانگ میں (زمین کھودتے وقت) پھاوڑ الگ گیا تو اس سے خون ابل پڑا مشنح نے کہا یہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تھے، حضرت ابو سعید خدری نے فرمایا اس کے بعد کوئی منکر (حیات شہداء کا) انکار نہیں کر سکتا، لوگ (ان مزاروں کی) مٹی کھودتے تھے جب تھوڑی سی ہی مٹی کھودتے تھے تو مشک کی خوشبو مٹکنے لگتی تھی۔

بغوی نے حضرت عبید بن عمیر کا بیان نقل کیا ہے کہ احد سے واپسی کے وقت رسول اللہ ﷺ کا گذر حضرت مصعب بن عمیر (شہید احد) کی طرف سے ہوا مصعب شہید ہو چکے تھے آپ ان کے پاس کھڑے ہو گئے اور ان کے لئے دعا کی پھر یہ آیت پڑھی **مَنْ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ رَجُلٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ**، پھر فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ قیامت کے دن یہ سب اللہ کے نزدیک شہید ہوں گے، متنبہ ہو جاؤ تم ان کے پاس آیا کرو ان کی زیارت کیا کرو اور ان کو سلام کہا کرو، قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قیامت تک جو کوئی ان کو سلام کرے گا وہ ضرور اس کے سلام کا جواب دیں گے۔

حاکم اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور بیہقی نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور ابن مردویہ نے حضرت خبابؓ بن ارت کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت مصعبؓ بن عمیر کی طرف سے گزرتے، حضرت مصعبؓ حضور ﷺ ہی کے راستہ پر شہید پڑے تھے آپ وہاں ٹھہر گئے ان کے لئے دعا کی پھر پڑھا **مَنْ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ رَجُلٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ**، اس کے بعد ارشاد فرمایا میں نے تجھے مکہ میں دیکھا تھا کہ تجھ سے زیادہ مکہ میں نہ کوئی خوش لباس تھا نہ حسین بالوں والا (یعنی نہ تجھ سے زیادہ خوش جمال اور آج اللہ کی راہ میں تیری یہ حالت ہو گئی کہ تجھے مشلہ کیا گیا)۔

سوال :- کیا شہید کے مرتبہ کو کوئی اور پہنچ سکتا ہے۔

جواب :- ہاں پہنچ سکتا ہے شہداء کے فضائل جو کچھ بیان کئے گئے ہیں ان کا اقتضایہ نہیں کہ دوسرے وہاں تک نہ پہنچیں۔ ابو داؤد اور نسائی نے حضرت عبید بن خالد کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو آدمیوں میں بھائی چارہ کرادیا ان میں سے ایک راہ خدا میں شہید ہو گیا پھر تقریباً ایک جمعہ کے بعد دوسرا بھی مر گیا لوگوں نے اس کی نماز پڑھی رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا تم نے (نماز میں اس کے لئے) کیا کہا لوگوں نے عرض کیا ہم نے اللہ سے دعا کی کہ اللہ اس کی مغفرت فرمادے اس پر رحم کرے اور اس کو اس کے ساتھی تک پہنچادے (یعنی اس کو بھی شہید کا درجہ مل جائے) حضور ﷺ نے فرمایا تو پھر اس کی نمازوں کے بعد اس کی نمازیں اور اس کے اعمال کے بعد والے اس کے اعمال یا فرمایا اس کے روزوں کے بعد والے اس کے روزے کہاں جائیں گے ان دونوں کے درمیان (مرتبہ) کا فاصلہ تو اتنا ہے جتنا آسمان زمین کا (یعنی بعد کو مرنے والا پہلے شہید ہونے والے سے مرتبہ میں بہت اونچا ہے اس کی نمازیں اور روزے اس سے زائد ہیں) انبیاء، شہداء، صدیقین اور مومنین کے مقامات کا بیان ہم نے سورہ المطففین میں کیا ہے۔ اور حیاۃ شہداء کا مسئلہ سورہ بقرہ کی آیت وَلَا تَقُولُوا لِلْمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ کی تفسیر کے ذیل میں ذکر کر دیا ہے۔

عِنْدَ رَبِّهِمْ اپنے رب کے پاس یعنی اللہ کے قرب میں جو بلا کیف ہے (جسمانی اور مکانی نہیں، انضمامی، ارغامی اور نسبی نہیں ان سب سے الگ ایک ایسا قرب ہے جس کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی نہ سمجھی جاسکتی ہے یعنی قرب اعزازی ہے)۔ شیخ شہید نے جو میرے شیخ و امام تھے (غالباً حضرت مولف قدس سرہ کی شیخ شہید سے مراد حضرت مرزا مظہر جان جاناں کی ذات مبارک ہے) کہ شہداء پر تجلیات ذاتیہ کی بارش کو کشف کی آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے کیونکہ ان لوگوں نے اللہ کی راہ میں اپنی جانیں دے دیں اور اللہ نے فرمایا ہے وَمَا تَقَدَّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ اُولَئِكَ لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ (یعنی ان کو جنت سے رزق دیا جاتا ہے یہ ان کے زندہ ہونے کی تائید ہے۔)

قَدْ جِئْنَاكُمْ بِمَا آتَاهُمْ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ اللہ جو کچھ ان کو اپنے فضل سے عطا فرماتا ہے وہ اس پر خوش ہوتے ہیں کیونکہ وہاں تک کسی عقل کی رسائی نہیں نہ اس کی تفصیل لفظوں میں بیان کی جاسکتی ہے۔

عبدالرزاق نے مصنف میں اور ابن ابی شیبہ نے اور احمد اور مسلم اور ابن المنذر نے مسروق کا قول بیان کیا ہے کہ ہم نے حضرت عبداللہ یعنی ابن مسعودؓ سے ان آیات کی تشریح پوچھی فرمایا ہم نے بھی رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق دریافت کیا تھا تو حضور ﷺ نے فرمایا تھا ان کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوتی ہیں۔ عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کی طرح ہوتی ہیں (بہر حال) ان پرندوں کے لئے سونے کی قدیلیں (پنجرے) عرش سے آویزاں ہیں وہ جنت میں جہاں چاہتی ہیں سیر کرتی ہیں، پھر لوٹ کر قدیلوں میں آجاتی ہیں، اللہ ان کو ایک بار جھانکتا ہے اور فرماتا ہے کیا تم کچھ چاہتے ہو ایسا (روزانہ) تین بار کرتا ہے دوسری آیت میں آیا ہے کہ اللہ فرماتا ہے مجھ سے مانگو جو کچھ چاہو وہ جواب دیتے ہیں، اے رب ہم کیا مانگیں جس جنت میں ہم چاہتے ہیں سیر کرتے ہیں جب وہ دیکھتے ہیں کہ بغیر مانگے ان کو نہیں چھوڑا جاتا تو عرض کرتے ہیں اے رب ہم چاہتے ہیں کہ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں کے اندر دوبارہ لوٹا دیا جائے تاکہ ہم ایک بار اور تیرے راستے میں جہاد کریں (اللہ فرماتا ہے میں لکھ چکا ہوں کہ دوبارہ دنیا میں لوٹنا نہیں ہوگا) آخر جب اللہ دیکھتا ہے کہ ان کی کوئی ضرورت (باقی) نہیں تو ان کو (ان کی حالت پر) چھوڑ دیا جاتا ہے۔

وَيَسْتَبْشِرُونَ اور وہ بشارت پائیں گے یعنی مسرور و خوش ہوں گے۔ ان لوگوں کی جو ان سے نہیں ملے ہیں یعنی جن کو دنیا میں زندہ ایمان، اطاعت اور جہاد پر چھوڑ کر آئے تھے یا یہ مراد کہ جو مرتبہ میں ان کو نہیں پہنچے۔

مِنْ خَلْفِهِمْ ان کے پیچھے والوں میں سے یعنی بعد کے زمانہ والے یا مرتبہ میں پیچھے رہنے والے۔ کہ ان کو نہ کوئی خوف ہے نہ ان کو رنج ہے (یعنی نہ آئندہ تکلیف کا خوف ہے نہ دنیا کی زائل شدہ نعمت کا رنج) ممکن ہے آیت کا یہ معنی ہو کہ وہ اپنے ان بھائیوں کے سلسلہ میں جو ابھی نہیں مرے ہیں خوش ہوں کہ شہداء پر (زندہ) بھائیوں کی طرف سے کچھ اندیشہ نہیں یعنی بھائیوں کے حقوق جو شہداء کے ذمہ رہ گئے تھے

ان کا کوئی اندیشہ نہیں کیونکہ اللہ (شہداء کی طرف سے) اہل حقوق کو راضی کر دے گا اور دعوت سے دست بردار کر دے گا۔
میں کہتا ہوں یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ شہداء کے بھائی بند اور دوست جو مرتبہ میں شہداء کے درجہ کو نہیں پہنچے
شہداء ان کے معاملہ میں بشارت پائیں گے اور خوش ہوں گے کہ ان کے بھائی بندوں کو بھی عذاب کا کچھ اندیشہ نہیں اور نہ ان کو
رج ہو گا کیونکہ اللہ نے شہداء کو اپنے بھائی بندوں کی شفاعت کرنے کا حق عطا فرمایا ہے۔

ابوداؤد اور ابن حبان نے حضرت ابودرداء کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے شہید اپنے
ستر گھر والوں کی شفاعت کرے گا، احمد اور طبرانی نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور ترمذی و ابن ماجہ
نے حضرت مقدم بن معدیکرب رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے، ابن ماجہ اور بیہقی نے حضرت
عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن انبیاء شفاعت کریں
گے پھر علماء پھر شہداء بزاز نے بھی یہ حدیث لکھی ہے اور آخر میں اتنا زائد لکھا ہے پھر مؤذن۔ میں کہتا ہوں حدیث میں جن علماء
کو شفاعت میں شہداء پر سبقت عطا فرمائی ہے شاید ان سے مراد وہ علماء راسخین ہیں جو حقیقت کے عالم ہیں۔

یَسْتَبْشِرُونَ وہ بشارت پائیں گے یہ پہلے یستبشرون کی تاکید ہے یا پہلے سے دفع مضرت کی بشارت مراد
ہے اور اس سے حصول منفعت کی۔

بِنِعْمَةِ مِّنَ اللّٰهِ اللہ کی طرف سے نعمت کی یعنی اعمال کے ثواب کی۔

وَفَضِّلًا اور (جزاء اعمال سے) زیادہ پانے کی بھی۔ اس سے مراد ہے دیدار الہی اور مراتب قرب، نعمیہ اور فضل
کی تنوین ان دونوں کی عظمت شان کو ظاہر کر رہی ہے (کیونکہ تنوین بھی عظمت قدر کا بھی اظہار کرتی ہے)۔

وَأَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۸﴾ اور اس بات کی بھی ان کو بشارت ہو گی کہ اللہ اہل ایمان کے
اجر کو اکارت نہیں کرے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص راہ خدا میں جہاد کرے اور صرف جہاد
فی سبیل اللہ (کا خیال) اور کلمۃ اللہ کی تصدیق ہی اسکے گھر سے نکلنے کا سبب ہو تو اللہ نے اس کے متعلق ذمہ لے لیا ہے کہ (اگر مر
گیا تو) اسکو جنت میں داخل کرے گا یا اس گھر میں جس سے وہ نکلا ہے ثواب اور مال غنیمت کے ساتھ واپس لے آئے گا، قسم ہے
اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو کوئی راہ خدا میں زخمی ہو گا اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں زخم کھاتا
ہے (اور کون نام آوری اور شہرت کے لئے زخمی ہوتا ہے) جب وہ قیامت کے دن (سامنے) آئے گا تو اس کے زخم سے خون ابلتا
ہو گا جس کا رنگ تو خون کا ہو گا اور خوشبو مشک کی، رواہ ابوغوی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شہید قتل کا دکھ بس اتنا (اتنی دیر) پاتا ہے جتنا
(یعنی جتنی دیر) تم چیونٹی کے کاٹنے سے پاتے ہو، رواہ الدارمی و الترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے، نسائی
نے سنن میں اور طبرانی نے الوسط میں صحیح سند سے حضرت ابو قتادہ کی روایت سے بھی اس کو بیان کیا ہے، آیت دلالت کر رہی
ہے کہ مؤمنوں کا اجر ضائع نہ ہو گا خواہ کوئی مومن ہو، شہید ہو یا نہ ہو گویا شہداء کو سب مؤمنوں کی حالت سے خوشی ہو گی۔
بعض علماء نے کہا کہ اس آیت کا نزول شہداء بدر کے متعلق ہوا جن کی تعداد ۱۴ تھی، آٹھ انصاری اور چھ مہاجر، مگر یہ
روایت ضعیف ہے، کسائی نے اُن کی جگہ اَن بکسر ہمزہ پڑھا ہے اور جملہ کو استینافہ معترضہ کہا ہے گویا آیت اس امر پر دلالت
کر رہی ہے کہ یہ امر شہداء کے ایمان کا ہو گا کیونکہ جس کا ایمان نہ ہو اور اس کے تمام اعمال اکارت جا میں گئے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس آیت کا نزول بر معونہ کے شہداء کے حق میں ہوا جس کی تفصیل محمد بن اسحاق اور
عبد اللہ بن ابی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ وغیرہ کی روایت کی بناء پر اس طرح بیان کی ہے کہ عامر بن مالک بن جعفر عامری
جس کا لقب ملاعب الاریثہ تھا، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دو گھوڑے اور دو اونٹیاں ہدیہ میں پیش کیں حضور ﷺ

نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمادیا میں مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کروں گا اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہارا ہدیہ قبول کر لوں تو مسلمان ہو جاؤ، وہ مسلمان نہیں ہوا لیکن اسلام سے دور بھی نہیں گیا (یعنی نفرت کا اظہار بھی نہیں کیا) اور بولا محمد (ﷺ) جس چیز کی تم دعوت دیتے ہو وہ ہے تو اچھی خوبصورت پس اگر تم اپنے ساتھیوں میں سے کچھ لوگوں کو اہل نجد کے پاس (دعوت دینے کے لئے) بھیج دو تو مجھے امید ہے کہ وہ تمہاری دعوت کو قبول کر لیں گے حضور ﷺ نے فرمایا مجھے اہل نجد کی طرف سے اپنے آدمیوں کا خطرہ ہے۔ ابو براءؓ بولا میں ان کی پناہ کا ذمہ لیتا ہوں چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت منذر بن عمر ساعدی کو ستر منتخب انصاری صحابہؓ کا سردار بنا کر سب کو بھیج دیا، ان ستر آدمیوں کو قاری کہا جاتا تھا (یعنی یہ سب قاری اور عالم قرآن تھے) انہی میں حضرت ابو بکرؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت عامر بن نبیرہ بھی تھے۔ یہ روانگی ماہ صفر ۳ھ میں ہوئی، غرض یہ لوگ چل دیئے اور بیر معونہ پہنچ کر پڑاؤ کیا، بیر معونہ کی زمین بنی عامر کی زمین اور بنی سلیم کے پتھر پیلے علاقہ کے درمیان واقع تھی یہاں پہنچ کر ان لوگوں نے حضرت حرامؓ بن ملحان کو رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک دے کر بنی عامر کے کچھ آدمیوں کے ساتھ عامر بن طفیل کے پاس بھیجا، حضرت حرامؓ نے پہنچ کر کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا قصد ہوں تمہارے پاس آیا ہوں میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ﷺ ہیں لہذا تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آؤ، حضرت حرامؓ کی اس تبلیغ کے بعد ایک شخص نیزہ لے کر گھر کی جھونپڑی سے برآمد ہوا اور آتے ہی حضرت حرامؓ کے پہلو پر بڑا چھاپا جو دوسرے پہلو سے نکل گیا۔ حضرت حرامؓ فوراً بول اٹھے، اللہ اکبر، رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا اس کے بعد عامر بن طفیل نے بنی عامر کو ان صحابیوں کے خلاف حج کرنا اور دی بنی عامر نے اس کی بات قبول کرنے سے انکار کر دیا اور بولے ابو براءؓ کی ذمہ داری کو نہ توڑو، عامر بن طفیل نے بنی سلیم کے قبائل عصبیہ، رعل اور ذکوان کو پکارا انہوں نے آواز پر لبیک کہی اور نکل کر صحابہؓ پر چھا گئے اور فرد گاہ پر آکر سب کو گھیر لیا، صحابہؓ نے مقابلہ کیا یہاں تک کہ سب شہید ہو گئے، صرف کعب بن زید بچ گئے اور وہ بھی اس طرح کہ کافران کو مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے تھے مگر ان میں کچھ سانس باقی تھی اس لئے زندہ رہے اور آخر خندق کی لڑائی میں مارے گئے۔

حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں نے قید کر لیا تھا لیکن عمرؓ نے ان کو بتلایا کہ میں قبیلہ مضر کا ہوں تو عامر بن طفیل نے ان کو چھوڑ دیا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اطلاع دی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ حرکت ابو براءؓ کی ہے، ابو براءؓ کو اس کی اطلاع ملی تو عامر بن طفیل کی طرف سے اس کو اپنی ذمہ داری کی شکست بہت بار گزری۔ محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ عامر بن طفیل کہتا تھا ان میں وہ شخص کون تھا کہ جب وہ مارا گیا تو اس کو آسمان وزمین کے درمیان اٹھا لیا گیا، یہاں تک کہ آسمان مجھے اس سے نیچا نظر آنے لگا لوگوں نے کہا وہ عامر بن نبیرہؓ تھے۔

اس واقعہ کے بعد ابو براءؓ کے بیٹے ربیعہ نے عامر بن طفیل پر حملہ کر دیا، عامر گھوڑے پر سوار تھا، ربیعہ نے اس کے نیزہ مارا اور قتل کر دیا، صحیحین میں بوساطت قنادہؓ حضرت انسؓ کا قول مروی ہے کہ رعل اور ذکوان اور عصبیہ اور بنی لحیان کے قبائل رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ظاہر کیا کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں اور دشمنوں کے خلاف رسول اللہ ﷺ سے (فوجی) مدد مانگی، حضور ﷺ نے ان کے ساتھ ستر انصاری جن کو ہم قاری کہتے تھے بطور مدد کر دیئے یہ حضرات دن میں لکڑیاں جمع کرتے (اور فروخت کر کے گزارا کرتے) اور رات کو نمازیں پڑھتے تھے جب یہ لوگ بیر معونہ پر پہنچے تو کافروں نے ان کے ساتھ دھوکہ کیا اور (سب کو) شہید کر دیا، رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے ایک ماہ تک صبح کی نماز میں دعاء قنوت لے پڑھی جس میں کچھ قبائل عرب یعنی رعل، ذکوان، عصبیہ اور بنی لحیان کے لئے بددعا کی۔

امام احمدؒ اور بخاریؒ اور مسلمؒ اور بیہقیؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور بیہقیؒ نے حضرت ابن مسعود رضی

اللہ عنہ کی روایت سے اور بخاری نے عروہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، ہمارے ساتھ کچھ لوگوں کو بھیج دیجئے جو ہم کو قرآن اور سنت کی تعلیم دیں، حضور ﷺ نے ان کے ساتھ ستر انصاری جن کو قاری کہا جاتا تھا بھیج دیئے، مقام پر پہنچنے سے پہلے ہی یہ درخواست کرنے والے ان قاریوں کے درپے ہو گئے اور سب کو شہید کر دیا، شہداء نے کہا اے اللہ! ہمارے نبی کو یہ خبر پہنچا دے، دوسری روایت میں آیا ہے کہ ہمارے بھائیوں کو یہ خبر پہنچا دے کہ ہم نے (اے اللہ) تجھے پالیا ہم تجھ سے راضی ہیں اور تو ہم سے راضی ہے اللہ نے وحی بھیجی کہ میں شہداء کی طرف سے (اے مسلمانو) تم کو یہ پیام پہنچاتا ہوں کہ اللہ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے راضی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا پہلے ہم (قرآن میں) ان شہداء کے بارہ میں پڑھتے تھے، بلغو عنا قومنا انا قد لقینا ربنا فرضی عنا و ارضانا لیکن پھر یہ جملے منسوخ کر دیئے گئے (اور قرآن سے خارج کر دیئے گئے) اس واقعہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ایک چلہ تک صبح کی نماز میں قباکل رعل، ذکوان، عصیہ اور بنی لحیان کے لئے بددعا کی ان قباکل نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تھی۔

بغویؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے قول کے آخر میں اتنے الفاظ مزید نقل کئے ہیں کہ ہم اس کو ایک زمانہ تک پڑھتے رہے ہیں پھر اس کو اٹھالیا گیا اور اللہ نے نازل فرمایا ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا..... آخر آیت تک۔ میں کہتا ہوں آیت کے شان نزول میں اگرچہ اختلاف ہے جیسا سطور بالا سے ظاہر ہو رہا ہے لیکن آیت کے الفاظ تمام شہداء کو شامل ہیں اور حکم عام ہے۔

مسئلہ :- اجماع علماء ہے کہ شہید کو غسل نہ دیا جائے کیونکہ احد کے شہداء کو غسل نہیں دیا گیا اور رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ان کے ہتھیار اور جھڑے (کاسمان) تو اتار لئے جائیں باقی خون اور کپڑوں سمیت دفن کر دیا جائے۔ رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ عن ابن عباسؓ۔

نسائی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن ثعلبہؓ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ ان کو خون سمیت چھپا دو کیونکہ اللہ کی راہ میں جو شخص زخمی ہو گا وہ قیامت کے دن خون سمیت آئے گا اس کے خون کا رنگ تو خون کا سا ہو گا اور اس کی خوشبو مشک ہو گی۔ اسی بحث کی ایک حدیث حضرت جابرؓ کی روایت سے آئی ہے کہ ایک آدمی کے سینہ میں تیر لگا جس سے اس کی موت ہو گئی اس کو انہی کپڑوں میں اور اسی طرح لپیٹ دیا گیا (اور دفن کر دیا گیا) اور ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب تھے۔ رواہ ابو داؤد باسناد علی شرط مسلم۔

مسئلہ :- اگر جنابت کی حالت میں کوئی شہید ہو جائے تو کیا اس کو غسل دیا جائے۔ یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک غسل دیا جائے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کہتے ہیں غسل نہ دیا جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان مذکور ہے۔ بدمائہم عام ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حضرت حنظلہ بن ابی عامرؓ کا قصہ ماخذ استدلال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ میں نے دیکھا کہ فرشتے حنظلہ بن ابی عامرؓ کو آسمان وزمین کے درمیان سفید ابر کے پانی سے چاندی کے برتنوں میں غسل دے رہے تھے۔ ابواسید ساعدی کا بیان ہے ہم نے جاکر حنظلہؓ کی نعش کو دیکھا تو ان کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا میں نے واپس آکر رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع دی، حضور ﷺ نے ان کی بیوی کے پاس دریافت حال کے لئے آدمی بھیجا بیوی نے کہا وہ جنابت کی حالت میں باہر گئے تھے۔ حنظلہؓ کی اولاد کو اسی لئے غسیل الملائکہ (فرشتوں کے غسل دیئے ہوئے) کی ولاد کہا جاتا ہے۔

ابن الجوزی نے اس حدیث کو محمد بن سعدؒ کی روایت سے مرسل اور ابن حبان اور جاکم اور بیہقی نے ابن اسحاق کے سلسلہ سے (بقول حافظ) مندرج نقل کیا ہے حاکم نے اکیل میں ابواسید کی روایت سے بھی اس کو نقل کیا ہے لیکن اس کی اسناد میں ضعف ہے۔ حاکم نے مستدرک میں اور طبرانی و بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث بیان کی ہے لیکن حاکم کا

روایت میں معلیٰ بن عبد الرحمن راوی متروک ہے اور طبرانی کی اسناد میں حجاج مدلس ہے اور بیہقی کی سند میں ابوشیبہ واسطی ضعیف ہے۔

مسئلہ :- شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے (امام ابو حنیفہ و امام مالک) نہ پڑھی جائے (امام شافعی) امام احمد کے دونوں قول روایت میں آئے ہیں۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نماز یا گناہوں کی مغفرت کے لئے یہ یا میت کی عزت افزائی اور ترقی درجات کے لئے اور شہید عزت افزائی کا زیادہ مستحق ہے اگر نماز نہ پڑھنے میں تکریم میت ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اس کے زیادہ مستحق تھے، آپ کی نماز نہ پڑھی جاتی حالانکہ اجماعاً آپ کی نماز پڑھی گئی۔ پھر اصل نماز ہی ہے (جب تک کوئی شرعی معنی ہو ترک کرنا جائز ہے) امام شافعی نے حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت کردہ حدیث سے استدلال کیا ہے کہ احد کے شہداء میں دودو کور رسول اللہ ﷺ ایک کپڑے میں جمع کر کے فرماتے تھے ان دونوں میں قرآن کس کو زیادہ یاد تھا جب ایک کی طرف اشارہ کر دیا جاتا تو آپ اس کو لحد میں پہلے اتروا تے۔ حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ میں قیامت کے دن ان سب کا گواہ ہوں گا۔ پھر آپ ﷺ نے سب کو انہی کے کپڑوں میں دفن کرنے کا حکم دے دیا اور ان کی نماز نہیں پڑھی نہ ان کو غسل دیا گیا۔ رواہ البخاری والنسائی وابن ماجہ وابن حبان۔

حضرت انسؓ کی بھی روایت ہے کہ احد کے دن رسول اللہ ﷺ نے دودو، تین تین آدمیوں کو ایک ہی کپڑے کا کفن دلویا اور ان کو دفن کر لیا اور ان کی نماز نہیں پڑھی رواہ احمد و ابو داؤد و الترمذی و الحاکم۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور حاکم نے صحیح کہا ہے مگر بخاری نے اس کو معطل قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ اسامہ بن زید کی روایت عن زہری عن انسؓ غلط ہے۔ بخاری نے مذکورہ بالا حضرت جابرؓ کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ شاید رسول اللہ ﷺ نے شہداء احد کی نماز اس لئے نہ پڑھی ہو کہ آپ خود زخمی ہو گئے تھے اور دندان مبارک بھی شہید ہو گیا تھا بہت ممکن ہے دوسروں نے پڑھی ہو اس احتمال کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو ابو داؤد نے مراسیل میں اور حاکم اور طحاوی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت امیر حمزہؓ کی طرف سے گزرے آپ رضی کی میت کو مشلہ کر دیا گیا تھا۔ حضور ﷺ نے حضرت حمزہؓ کے علاوہ (احد کے دن) اور کسی شہید کی نماز نہیں پڑھی۔ طحاوی کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میں قیامت کے دن تمہارا سب کا گواہ ہوں گا۔

ایک شبہ :- یہ حدیث دارقطنی نے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ سوائے عثمان بن عمرو کے اور کسی راوی نے یہ آخری جملہ (کہ حمزہؓ کے علاوہ اور کسی شہید کی نماز نہیں پڑھی) نہیں بیان کیا پس یہ زیادتی (حدیث میں) محفوظ نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ عثمان سے تخریج حدیث صحیحین (بخاری و مسلم) میں کی گئی ہے۔ (معلوم ہوا کہ عثمان ثقہ ہے) اور ثقہ اگر حدیث میں کچھ زیادہ بیان کرے تو قابل قبول ہے۔ طحاویؒ نے لکھا ہے کہ اگر شہید کی نماز نہ پڑھنا سنت ہو تا تو رسول اللہ ﷺ حضرت حمزہؓ کی نماز نہیں پڑھتے حالانکہ آپ کے شرف و فضل سے حضور ﷺ نے آپ کی میت کی نماز پڑھی البتہ دوسروں کی نہیں پڑھی کیونکہ حضور ﷺ کو خود (زخموں کا) دکھ تھا۔ پھر نماز نہ پڑھنے کی احادیث کے خلاف مختلف صحابہؓ سے متعدد احادیث آئی ہیں۔ مثلاً حضرت جابرؓ کی حدیث میں آیا ہے کہ جب لوگ لڑائی سے (واپس) آئے تو رسول اللہ ﷺ نے حمزہؓ پر چادر ڈال دی پھر میت کو لایا گیا اور آپ نے اس کی نماز پڑھی۔ پھر دوسرے شہدائے کولاکر حمزہؓ کے برابر رکھ دیا گیا اور آپ ﷺ نے ان کی نماز پڑھی پھر دوسرے شہداء کو اٹھایا جانے لگا لیکن حمزہؓ کو (وہیں) چھوڑ دیا گیا آخر تمام شہداء کی نماز حضور ﷺ نے پڑھی اور فرمایا قیامت کے دن اللہ کے نزدیک حمزہؓ سید الشہداء ہوں گے۔

اس حدیث کو حاکم نے نقل کر کے صحیح الاسناد کہا ہے مگر اس کی سند میں ایک شخص مفضل بن صدق ابو حماد حنفی ہے جس کو بعض لوگوں نے متروک کہا ہے اور نسائی و یحییٰ نے بھی اسکو ضعیف قرار دیا ہے لیکن ابوزاری کا بیان ہے کہ عطاء بن مسلم اس کو ثقہ جانتے تھے اور احمد بن محمد بن شعیب اس کی پوری پوری تعریف کرتے تھے اور ابن عدی نے کہا کہ مجھے اس میں کوئی

خرابی نظر نہیں آتی۔ ہر حال یہ حدیث حسن کے درجے سے گری ہوئی نہیں ہے۔

ایک حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر حضرت حمزہؓ کی میت کو چادر سے ڈھانک دیا گیا اور آپ نے ان کی نماز سات تکبیروں کے ساتھ پڑھی پھر دوسرے شہداء کو لا کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے برابر رکھا جانے لگا اور حضور ﷺ شہداء کی اور ان کے ساتھ حضرت حمزہؓ کی نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ حمزہؓ کی نماز بہتر مرتبہ پڑھی۔ یہ حدیث ابن اسحاق نے نقل کی ہے اور صراحت کی ہے کہ مجھ سے یہ حدیث ایک ایسے شخص نے بیان کی جس کو میں (کذب سے) متہم نہیں کرتا اور اس سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام مقسم نے بیان کی ہے مقسم سے حضرت ابن عباسؓ نے اس کو بیان کیا۔

مقدمہ مسلم میں عن شعبۃ عن الحسن بن عمارۃ عن الحکم عن مقسم عن ابن عباسؓ منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شہداء احد کی نماز پڑھی۔ لیکن میں نے حکم سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ حضورؐ نے شہداء احد کی نماز نہیں پڑھی۔ سہیلی نے کہا کہ حسن بن عمارہ ضعیف ہے۔ حافظ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث حاکم اور ابن ماجہ اور طبرانی اور بیہقی سب نے یزید بن زیاد کی وساطت سے بروایت مقسم عن ابن عباسؓ بیان کی ہے۔ حافظ نے کہا کہ یزید میں کسی قدر ضعف ہے ابن جوزی نے کہا اس کو پھینک دو۔ بخاریؒ نے کہا یہ منکر الحدیث ہے۔ نسائی نے کہا یہ متروک ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حمزہ کی ستر نمازیں پڑھیں۔ رواہ احمد۔ یہ حدیث بھی ضعیف ہے مگر ابن ہمام نے کہا ہے کہ حسن کے درجے سے گری ہوئی نہیں ہے۔ ایک حدیث ابو مالکؓ غفاری (تابعی) کی روایت کردہ ہے جس کی تخریج ابو داؤد نے مراسل میں کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شہداء احد کی دس دس کی نماز (یکجا) پڑھی اور ہر دس میں حمزہؓ (کا جنازہ) شامل تھا یہاں تک کہ حمزہ کی ستر نمازیں پڑھیں۔ حافظؒ نے کہا اس حدیث کے راوی ثقات ہیں اور ابن مالک تابعی تھے جن کا نام عزوان تھا۔

امام شافعیؒ نے اس حدیث کو معلل قرار دیا ہے کیونکہ اس کے مضمون میں خود باہم ٹکراؤ ہے کیونکہ شہداء ستر تھے جب دس دس کی ٹولی کی نماز پڑھی تو کل سات نماز ہوئیں (ستر کیسے ہوئیں) شافعیؒ کے اس اعتراض کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ حدیث کا مطلب (یہ نہیں ہے کہ دس دس کی ٹولی کی ستر نمازیں پڑھیں بلکہ) یہ ہے کہ ستر آدمیوں کی نمازیں پڑھیں اور ہر ایک کی نماز میں حمزہؓ کی میت کی نماز شامل تھی۔ ان احادیث کے اجتماع سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ شہداء کی نماز پڑھی گئی۔ مذکورہ بالا احادیث مختلفہ میں تطبیق اس طرح دی جائے گی کہ جس حدیث میں شہداء احد کی نماز پڑھنا مذکور ہے اس میں نماز پڑھنے کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف مجازی ہے یعنی آپ ﷺ نے نماز پڑھنے کا حکم دیا (خود نہیں پڑھی) اور جس حدیث میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شہداء احد کی نماز نہیں پڑھی تو یہ کلام حقیقی ہے یعنی خود نہیں پڑھی اور جس روایت میں تفصیل آئی ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نماز حضورؐ نے پڑھی دوسروں کی نہیں تو یہ واقعہ کا صحیح بیان ہے۔

اس موضوع کی ایک حدیث وہ ہے جو نسائی اور طحاویؒ نے شہاد بن ہادی کی روایت سے مرسل بیان کی ہے کہ ایک اعرابی خدمت گرامی میں حاضر ہوا اور ایمان لا کر حضور ﷺ کا پیرو بن گیا اور عرض کیا میں حضور ﷺ کے ہر کام بھرتا کروں گا رسول اللہ ﷺ نے اس کی نگہداشت ایک صحابیؓ کے سپرد کر دی اس کے بعد کوئی جہاد ہوا جس میں رسول اللہ ﷺ کو کچھ چیزیں مال غنیمت کی ملیں آپ ﷺ نے وہ مال تقسیم کیا تو اس اعرابی کا بھی حصہ دیا۔

اس حدیث میں آیا ہے کہ اعرابی نے عرض کیا میں نے آپ کی پیروی اس غرض کے لئے نہیں کی بلکہ اپنے خلق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے (کہا) اس لئے کی ہے کہ اس جگہ میرے تیر لگے اور میں مرجاؤں اور جنت میں چلا جاؤں۔ اس حدیث (کے آخر) میں ہے کہ اس شخص کو (شہید ہونے کے بعد) اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا اور جس جگہ اس نے اشارہ کیا وہیں اس کے تیر لگا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا وہی ہے صحابہؓ نے عرض کیا جی ہاں۔ حضور ﷺ نے اس کو آگے رکھا اور اس

کی نماز پڑھی اور نماز میں جو الفاظ ظاہر طور پر فرمائے تھے وہ یہ تھے اے اللہ یہ تیرا بندہ تیری راہ میں ہجرت کر کے نکلا تھا اور شہید ہو گیا میں اس کی شہادت دیتا ہوں۔ یہ حدیث مرسل ہے اور ہمارے نزدیک مرسل حدیث بھی حجت (کسی مسئلہ کی محکم دلیل) ہے۔

فصل :- بخاری وغیرہ نے حضرت عقبہ بن عامرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شہداء احد کی نماز آٹھ برس کے بعد یعنی اپنی وفات سے کچھ پہلے پڑھی۔ یہی ہے اس حدیث میں لفظ صلوٰۃ سے دعا مراد لی ہے (یعنی حضور ﷺ نے آٹھ برس کے بعد شہداء احد کے لئے دعا کی) مگر یہ تاویل لغو ہے کیونکہ آٹھ برس کے بعد دعا صرف ایک بار کی ہو یہ قطعاً لغو ہے بلکہ طحاوی وغیرہ کی بعض روایات میں ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث آئی کہ ایک روز رسول ﷺ نے باہر نکل کر احد والوں کی نماز ایسی پڑھی جیسی میت کی نماز ہوتی ہے۔

اگر شبہ کیا جائے کہ احناف کے نزدیک تو تین روز کے بعد میت کی نماز جائز ہی نہیں ہے (اور مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ آٹھ برس بعد کا ہے پھر حنفیہ کے پاس اس کا کیا جواب ہے) تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ چونکہ تین روز کے اندر قبر میں مردہ پھٹ جاتا ہے (اور اس کا بدن اپنی ہیئت ترکیبی پر نہیں رہتا) اس لئے حنفیہ تین روز کے بعد جنازہ کی نماز کی اجازت نہیں دیتے لیکن شہید کے متعلق تو ثابت ہو چکا ہے کہ اس کو زمین نہیں کھاتی اور وہ ہمیشہ ویسا ہی رہتا ہے جیسا دفن کے دن ہوتا ہے اس لئے اس کی نماز (خواہ کتنی ہی مدت کے بعد ہو) جائز ہے اور اس کی صحت رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے (پھر انکار کی کوئی وجہ نہیں) الخ۔

فریبانی نسائی اور طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب مشرک احد سے واپس چلے گئے تو آپس میں کہنے لگے تم نے بڑی غلطی کی نہ محمدؐ کو قتل کر سکے نہ نوجوان عورتوں کو (لوٹ کر) اپنی پشت کے پیچھے سوار کر کے لائے اب لوٹ پڑو۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سنی تو مسلمانوں کو بلوایا سب نے دعوت پر لبیک کہی (اور حاضر ہو گئے)۔ محمد بن عمروؓ کی روایت ہے کہ جب سپر کے دن ۱۵ تاریخ کو احد سے لوٹے تو دشمن کے لوٹ پڑنے کے اندیشہ سے خزرج اور اس کے سرداروں نے حضور ﷺ کے دروازہ پر ہی رات گزاری ۱۶ تاریخ اتوار کے دن کی فجر نکلی تو بلالؓ نے اذان دی اور حضور ﷺ کا انتظار کرنے لگے، حضور ﷺ برآمد ہوئے تو ایک مزنٰی شخص نے اطلاع دی کہ مشرک جب روحا، پر پہونچے تو ابوسفیانؓ نے کہا (مدینہ کو) لوٹ چلو تاکہ جو لوگ باقی رہ گئے ہیں ہم ان کا جڑ سے صفایا کر دیں، صفوان بن امیہؓ نے انکار کر دیا اور کہنے لگا لوگو ایسا نہ کرو وہ لوگ شکست کھا چکے ہیں اب مجھے اندیشہ ہے کہ خزرج کے جو لوگ رہ گئے تھے وہ تمہارے خلاف جمع ہو جائیں گے، اگر لوٹ کر جاؤ گے تو مجھے خطرہ ہے کہ کہیں تمہاری فتح شکست سے نہ بدل جائے لہذا (کہہ کو ہی) واپس چلو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صفوان سیدھے راستہ پر تو نہیں ہے مگر اس رائے میں وہ سب سے زیادہ صائب تھا۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ان لوگوں پر برسنے کے لئے تو (نبیؐ) پھر نامزد کر دیئے گئے تھے اگر وہ لوٹ پڑتے تو گزرے ہوئے دن کی طرح گئے گزرے ہو جاتے (ان کا نشان بھی باقی نہ رہا) پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہما کو بلوایا اور اس خبر کا تذکرہ ان سے کیا دونوں نے جواب دیا یا رسول اللہ دشمن کا تعاقب کیجئے کہیں وہ ہمارے بال بچوں پر سرنہ اٹھائیں اس مشورہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بلالؓ کو حکم دیا کہ منادی کر دو کہ رسول اللہ ﷺ دشمن کا تعاقب کرنے کا تم کو حکم دیتے ہیں لیکن ہمارے ساتھ آج وہی لوگ نکلیں جو کل لڑائی میں حاضر تھے۔

اسید بن خضیر جن کے نوزخم لگے تھے اور وہ ان کا علاج کرنا چاہتے تھے اس نداء کو سن کر بولے بسرو چشم ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر حاضر ہیں۔ حضرت اسید زخموں کے علاج کی طرف مائل ہی نہ ہوئے (اور حاضر ہو گئے) خاندان بنی سلمہ کے چالیس زخمی نکل کھڑے ہوئے، طفیل بن نعمان کے ۱۳ زخم لگے تھے خراش بن صمدہ کو دس، کعب بن مالک کو کچھ اور دس اور عطیہ بن عامر کو نو۔ غرض مسلمانوں نے اپنے زخموں کے علاج کی طرف توجہ بھی نہ کی اور دوڑ کر اسلحہ اٹھالئے۔

ابن عقبہؓ راوی ہیں کہ عبد اللہ بن ابی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں حضور ﷺ کے ہم رکاب چلوں فرمایا نہیں۔ ابن اسحاق اور محمد بن عمرؓ راوی کی روایت ہے کہ حضرت جابرؓ بن عبد اللہ نے حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ آپ ﷺ کے منادی نے ندا کی ہے کہ صرف وہی لوگ ہمارے ساتھ آج نکل کر چلیں جو کل جنگ میں شریک تھے میرا قصہ یہ ہے کہ میں جنگ میں شریک ہونے کا بڑا خواہشمند تھا۔ لیکن میرے والد نے مجھے اپنی جگہ میری سات یا نو بہنوں کا نگرال مقرر کیا تھا اور کہا تھا کہ ان عورتوں کو بغیر کسی مرد کی سرپرستی کے یونہی چھوڑ جانا نہ تیرے لئے مناسب ہے نہ میرے لئے اور میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد پر جانے کے لئے تجھے اپنے اوپر ترجیح نہیں دے سکتا شاید اللہ مجھے شہادت نصیب فرمادے (تو میری جگہ تو ان کی نگرانی رکھے گا) اور میں شہادت کی تمنا رکھتا ہوں۔ اس مجبوری کی وجہ سے میں لڑکیوں کا نگرال ہو کر شرکت جہاد سے رہ گیا اور باپ مجھے نگرال چھوڑ کر شہید ہو گئے۔ اب یا رسول اللہ ﷺ مجھے اپنے ہم رکاب جانے کی اجازت دیدیتے۔

اس درخواست پر رسول اللہ ﷺ نے جابر کو اجازت دیدی۔ حضرت جابر کا بیان ہے بہت سے ان لوگوں نے جو گذشتہ دن جہاد میں شریک نہیں ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ سے اس روز نکلنے کی درخواست کی مگر حضور نے انکار کر دیا اور گذشتہ دن کے غیر حاضروں میں سے سوائے میرے کوئی نہ جاسکا۔

ابن اسحاق اور ان کے قبیعین کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ دشمن کو ڈرانے کے لئے تعاقب میں نکلے تھے تاکہ ان کو اطلاع پہنچ جائے کہ رسول اللہ ﷺ ان کے تعاقب میں نکلے ہیں اور مسلمانوں میں قوت ہے اور گزشتہ دن کی شکست دشمن کے مقابلہ سے ان کو کمزور نہیں بنا سکی چنانچہ رسول اللہ ﷺ ستر آدمیوں کو ساتھ لے کر مدینہ سے نکلے ان لوگوں میں حضرت ابو بکرؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح بھی شامل تھے۔

مدینہ سے نکل کر حمراء الاسد کے مقام پر پہنچے یہ مقام مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر راستہ سے بائیں ہاتھ کو ذوالخلیفہ جاتے ہوئے پڑتا ہے، سعد بن عبادہؓ نے تیس اونٹ سواری کے لئے دیئے تھے اور کچھ جانور ذبح کرنے کے لئے اس جگہ پہنچ کر پیر کے دن ۷ اتار بخ کو اور منگل کے دن ۱۸ اتار بخ کو اونٹ ذبح کئے گئے (اور قیام کیا گیا) دن میں لکڑیاں جمع کرنے کا حضور ﷺ نے حکم دیدیا تھا۔ شام ہوئی تو آگ جلانے کا حکم دیا۔ حسب الحکم ہر شخص نے آگ روشن کی اور کل پانچ سو جگہ آگ روشن کی گئی (تاکہ کافروں کو دور سے دیکھ کر مسلمانوں کی کثرت محسوس ہو)۔

معبد خزاعی جو اس زمانہ میں مشرک تھا، لیکن ابو عمرؓ اور ابن جوزیؓ نے اس کے مسلمان ہونے کی قطعی صراحت کی ہے، رسول اللہ ﷺ سے ملا اور بنی خزاعہ کے مسلمان اور کافر سب تمامہ میں رسول اللہ ﷺ سے میل جول رکھتے تھے، حضور ﷺ سے ان کا معاہدہ تھا وہ تمامہ کی کوئی بات رسول اللہ ﷺ سے پوشیدہ نہیں رکھتے تھے معبد خزاعی نے کہا محمد ﷺ جو مصیبت آپ پر اور آپ کے ساتھیوں پر پڑی اس کا ہم کو بڑا دکھ ہوا، ہماری دلی خواہش تھی کہ اللہ (اس سے) آپ کو بچائے رکھتا اس کے بعد یہاں سے نکل کر معبد ابوسفیان کے پاس روعاء میں پہنچا۔ مشرکوں نے لوٹ کر رسول اللہ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور انہوں نے کہا تھا کہ مسلمانوں کے بڑے بڑے ساتھیوں اور لیڈروں کو تو ہم ختم کر چکے ہیں اب لوٹ کر باقی لوگوں پر حملہ کر کے ان کی طرف سے بالکل بے غم ہو جائیں گے۔ ابوسفیان نے جو معبد کو دیکھا تو پوچھا ادھر کی کیا خبر ہے معبد نے کہا محمد ﷺ اور ان کے ساتھی اتنی بڑی فوج لے کر تمہاری تلاش میں نکلے ہیں کہ اتنی فوج میں نے کبھی نہیں دیکھی وہ تم پر دانت چیس رہے ہیں جو لوگ اس روز جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے وہ اب ان کے ساتھ اکٹھے ہو گئے ہیں اور اپنی گزشتہ حرکت پر پشیمان ہیں ان کے اندر تمہارے اوپر اتنا شدید غصہ ہے کہ میں نے کبھی ایسا غصہ نہیں دیکھا۔ ابوسفیان نے کہا اے تیرا براہو کیا کہہ رہا ہے معبد نے کہا خدا کی قسم میرے خیال میں تم کو ج کرنے بھی نہ پاؤ گے کہ گھوڑوں کی پیشانیاں تم کو نظر آجائے گی۔ ابوسفیان نے کہا خدا کی قسم ہم تو یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ لوٹ کر ان پر حملہ کر دیں تاکہ ان کے باقی لوگوں کو بھی جز سے اکھاڑ پھینکیں، معبد نے کہا میں تم کو اس حرکت سے روکتا ہوں، معبد کے اس قول نے صفوان کے مشورہ کے ساتھ مل کر ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں

کارخ موڑ دیا اور تعاقب کے ڈر سے وہ جلد جلد لوٹ پڑے۔

اسی اثناء میں ابوسفیان کی طرف سے عبدالقیس کے کچھ سوار گزرے ابوسفیان نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے سواروں نے کہا مدینہ کو غلہ لینے جا رہے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا کیا تم محمد ﷺ کو میری طرف سے ایک پیام پہنچا دو گے اگر تم اس کام کو پورا کر دو گے تو میں کل عکاظ میں تمہارے اونٹوں پر کشمش لادوں گا، سواروں نے کہا ہاں، ابوسفیان نے کہا جب تم محمد ﷺ کے پاس پہنچو تو اس کو اطلاع دیدینا کہ ہم نے فیملہ کر لیا ہے کہ محمد اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کریں گے تاکہ جو لوگ باقی رہ گئے ہیں ان کی تیج مٹی کر دیں۔ یہ پیام بھیجنے کے بعد ابوسفیان مکہ کو چلا گیا اور سواروں نے جا کر مقام حراء الاسد میں رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع دیدی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ ۷، ۸، ۱۸ اور ۱۹ یعنی پیر منگل اور بدھ تک قیام کیا اور اللہ نے آیت ذیل نازل کی۔

الذین مفعول ہے امدح فعل محذوف ہے یا مبتدا ہے اور آئندہ

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَالرَّسُولِ

جملہ خبر ہے یا المؤمنین کی صفت ہے یعنی جن لوگوں نے اللہ اور رسول کی دعوت جہاد کو قبول کیا یا ایسے مومن جنہوں نے اللہ اور رسول کی دعوت جہاد کو لبیک کہا۔

مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ

لَكِنِّينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا أَجْرٌ عَظِيمٌ

ان میں سے جس نے نیک اعمال کئے اور تقویٰ

اختیار کیا اس کے لئے بڑا اجر ہے۔ احسان اور تقویٰ کا ذکر بطور قید (یعنی بطور وصف تقیدی) نہیں ہے کیونکہ دعوت جہاد کو قبول کرنے والے سب ہی نیکو کار اور متقی تھے بلکہ ان دونوں کا ذکر بطور مدح ہے اور اجر عظیم ملنے کی علت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے لہ مجاہد اور عکرمہ نے اکثر اہل تفسیر کے خلاف صراحت کی ہے کہ اس آیت کا نزول غزوہ بدر صغریٰ کے متعلق ہوا جس کی تفصیل یہ ہے کہ احد سے واپسی کے وقت ابوسفیان نے کہا محمد ﷺ اگر تم کو منظور ہو تو آئندہ سال بدر صغریٰ پر ہمارا تمہارا مقابلہ ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انشاء اللہ ہمارے تمہارے درمیان یہی ہو گا (یعنی آئندہ سال بدر صغریٰ پر فریقین کی جنگ ہو گی) اگلے سال ابوسفیان مکہ سے قریش کو لے کر چلا، کل تعداد دو ہزار تھی جن میں پچاس سوار تھے مکہ سے نکل کر مر الظهران کے اطراف میں بمقام جندہ اس نے پڑاؤ کیا یہاں پہنچ کر اللہ نے اس کے دل میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا اور واپس ہو جانے کا خیال پیدا ہو گیا نعیم بن مسعود اشجعی عمرہ کرنے کے لئے آیا ہوا تھا (جندہ میں) ابوسفیان سے اس کی ملاقات ہوئی ابوسفیان نے اس سے کہا نعیم میں نے محمد اور اس کے ساتھیوں کو چیلنج تو کر دیا تھا کہ آئندہ ہمارا تمہارا مقابلہ بدر صغریٰ کے میلہ میں ہو گا مگر یہ خشکی کا سال ہے اور ہمارے لئے جنگ اسی سال مناسب ہے جب ہم جانوروں کو سبزہ چرائیں اور خود دودھ پیئیں اب میری رائے یہ ہو گئی کہ بدر صغریٰ کو نہ جاؤں لیکن یہ امر بھی مناسب نہیں کہ میں وہاں نہ جاؤں اور محمد ﷺ پہنچ جائیں اس سے مسلمانوں کی جرات بڑھ جائے گی۔ میری طرف سے چیلنج کی خلاف ورزی سے یہ بہتر ہے کہ محمد ﷺ کی طرف سے خلاف ورزی ہو لہذا تم مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کو روک دو اور ان سے جا کر یہ کہو کہ ابوسفیان کے پاس بہت فوج ہے تم میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے اگر تم اس خدمت کو انجام دیدو گے تو میں تم کو دس اونٹ دوں گا جو سہیل بن عمرو کے پاس بطور ضمانت جمع کر دوں گا۔ چنانچہ سہیل اونٹوں کا ضامن ہو گیا اور نعیم مدینہ پہنچ گیا۔ وہاں لوگ ابوسفیان کے چیلنج کی تیدی کر رہے تھے نعیم نے پوچھا تم لوگوں کا کہاں کا ارادہ ہے لوگوں نے جواب دیا بدر صغریٰ کے میلہ کے موقع پر ہم نے ابوسفیان سے لڑنے کا معاہدہ کیا ہے، نعیم نے کہا تمہاری رائے بری ہے وہ تمہارے گھروں میں اور تمہارے مستقر پر آئے تھے تو تم میں سے سوائے بھگوڑے کے اور کوئی بچ نہ

حاشیہ ۱۔ شیخ عبدالقادر جرجانی نے ذکر کیا ہے اور علامہ تفتازانی نے اس کو نقل بھی کیا ہے کہ اگر کسی کلام میں کسی صفت پر کوئی حکم مرتب کیا جائے تو وہ صفت اس حکم کی علت ہوتی ہے آیت میں اجر عظیم کا حکم صفت احسان و تقویٰ پر مرتب کیا گیا ہے اس لئے یہ دونوں وصف اجر عظیم کے استحقاق کی علت ہیں، مترجم۔

سکا اب خود نکل کر (چڑھائی کر کے) جانا چاہتے ہو وہ بھی تمہارے مقابلہ کے لئے بدر صغریٰ کے موقع پر جمع ہو گئے خدا کی قسم (اگر تم وہاں گئے تو) تم میں سے کوئی نہیں بچے گا۔

بعض صحابہ کو یہ تقریر سن کر مدینہ سے نکلنا مناسب نہیں معلوم ہوا اور منافقوں اور یہودیوں کو بڑی خوشی ہوئی اور کہنے لگے محمد ﷺ اس گروہ سے نہیں بچ سکیں گے، یہ اطلاع رسول اللہ ﷺ کو بھی پہنچ گئی اور آپ کو اندیشہ ہوا کہ (شاید) کوئی نہ جائے۔ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی یہ بات سن چکے تھے دونوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ بلاشبہ اللہ اپنے دین کو پھیلانے والا اور اپنے نبی ﷺ کو غالب کرنے والا ہے ہم ان لوگوں سے معاہدہ کر چکے ہیں۔ اب اس سے ہٹنا نہیں چاہتے آپ وقت مقرر پر چلے بخدا ایسی بہتر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس تقریر سے خوشی ہوئی اور فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں ضرور جاؤں گا خواہ کوئی میرے ساتھ نہ جائے۔

چنانچہ آپ صحابہؓ کو لے کر نکل کھڑے ہوئے اور بدر صغریٰ پر پہنچ گئے وہاں مشرکوں سے قریش کے احوال دریافت کئے مشرک مسلمانوں کو خوف زدہ کرنے کے لئے کہتے تھے کہ قریش نے تمہارے مقابلہ کے لئے (بست آدمی) جمع کئے ہیں مسلمان اس کے جواب میں کہتے تھے حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔ جاہلیت کے زمانہ میں بدر کے مقام پر میلہ لگتا تھا لوگ جمع ہوتے تھے یکم ذیقعدہ سے آٹھ ذیقعدہ تک رہتا تھا آٹھویں تاریخ گزرنے کے بعد میلہ اکھڑتا تھا اور لوگ اپنے اپنے شہروں کو چلے جاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ وہاں ٹھہر کر ابوسفیانؓ کا انتظار کرنے لگے ابوسفیانؓ مجھ سے ہی لوٹ کر مکہ کو چلا گیا اور رسول اللہ ﷺ نیز صحابہؓ سے کسی مشرک کا مقابلہ نہیں ہوا مسلمان بازار میں ٹھہرے رہے ان کے پاس کچھ تجارتی مال اور سودے بھی تھے جن کو بیچ کر انہوں نے ایک کے دو کئے اور مدینہ کو صحیح سالم نفع کما کر لوٹے اس وقت آیت الذین استجابوا للہ الخ نازل ہوئی۔

صحیح اول قول ہے معمول بخاری بھی اسی کا مقتضی ہے اور ابن جریرؒ نے بھی اسی کی تائید کی ہے۔ میں کہتا ہوں آیت کی رفتار بھی اسی کی مؤید ہے کیونکہ آیت میں مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ آیا ہے اور مسلمانوں کی تعریف اس بنا پر کی ہے کہ زخمی ہونے اور زخموں کا دکھ پانے کے ساتھ ساتھ وہ جہاد کو نکلے اور اللہ و رسول کی دعوت کو قبول کیا اور ظاہر ہے کہ ایسا (احد کے بعد ہی) حمراء الاسد کے غزوہ میں ہوا۔ بدر صغریٰ کا غزوہ تو ایک سال بعد کو ہوا تھا جبکہ لوگ تندرست اور صحیح سالم ہو چکے تھے اگر یہ کہا جائے کہ غزوہ بدر صغریٰ بھی احد کے بعد ہوا تھا خواہ ایک سال بعد کو ہو مگر ہو بعد ہی کو اس لئے آیت کلام مطلب صحیح ہے، یعنی متصل بعدیت کی ضرورت نہیں۔ تو میں کہتا ہوں پھر بدر صغریٰ کا غزوہ مراد لینے ہی کی کیا وجہ ہے اور غزوہ خندق اور بعد کو آنے والے تمام غزوات پر آیت کو محمول نہ کیوں کیا جائے یہ بھی تواحد کے بعد ہی ہوئے تھے۔ واللہ اعلم۔

الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ
الذین استجابوا سے بدل ہو گا اور اگر دونوں کا نزول یکے بعد دیگرے اور جدا جدا مانا جائے تو یہ الذین یا مدح فعل محذوف کا مفعول ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی هو الذین یا مبتدا ہے اور فانقلبوا خبر ہے۔

اکثر اہل تفسیر کے نزدیک الناس سے مراد عبد القیس کے وہ شتر سوار ہیں جو ابوسفیان کی طرف سے اس وقت خدمت گرامی میں پہنچے تھے جب آپ حمراء الاسد میں تھے۔ مجاہد اور عکرمہ کے نزدیک الناس سے مراد نعیم بن مسعود انجمی ہے جو ابوسفیان اور اس کے مشرک ساتھیوں کی خبر لے کر مدینہ میں اس وقت پہنچا تھا جب رسول اللہ ﷺ غزوہ بدر صغریٰ کی تیاری میں مصروف تھے۔ اور الناس میں الف لام جنسی ہے۔ نعیم بن مسعود بھی انسانوں کی جنس سے تھا اس لئے الناس کہا گیا۔ جسے زید بربکب الحخیل زید گھوڑوں پر سوار ہوتا ہے محاورہ ہے حالانکہ زید کے پاس ایک ہی گھوڑا ہوتا ہے یا یوں کہا جائے کہ نعیم کے ساتھ کچھ مدینہ کے آدمی بھی مل گئے اور انہوں نے اس کے کلام کو پھیلایا تھا یہ سب لوگ مراد ہیں۔ میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ اس آیت کا نزول بدر صغریٰ کے غزوہ کے متعلق ہوا اور الناس سے مراد نعیم بن مسعود ہے اور پہلی آیت غزوہ حمراء

الاسد کے متعلق نازل ہوئی تھی اور ان دونوں کے درمیان ایک سال کا فاصلہ تھا۔ نزول آیت بدر صغریٰ کے متعلق ہوا اس دعوے کا ثبوت یہ ہے کہ آیت ان الناس قد جمعوا الکھم دلالت کر رہی ہے کہ مشرکوں کے جتھے کی یہ بھرتی پہلے نہیں تھی اب ہوئی ہے اور اس حدیث جمعیت کا تصور صرف بدر صغریٰ کے لئے کیا جاسکتا ہے جہاں جمع ہو کر لڑنے کے لئے آنے کا وعدہ کیا گیا تھا، رہا احد کے بعد مدینہ کی طرف رخ کرنے کا ارادہ تو اس کے لئے کسی جدید اجتماع کی ضرورت نہیں تھی سب مشرک تو پہلے ہی سے جمع تھے پھر جمعوا الکھم کہنے کی کوئی وجہ نہیں۔ امام رازی کے قول سے بھی ہماری اس تشریح کی تائید ہوتی ہے کیونکہ امام نے لکھا ہے کہ اللہ نے مومنوں کی تعریف دو غزووں میں شریک ہونے کی بناء پر کی، ایک غزوہ حراء الاسد جس کا ذکر پہلی آیت میں کیا گیا ہے اور دوسرا غزوہ بدر صغریٰ جس کا بیان اس آیت میں ہے۔ واللہ اعلم۔

إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكَ لِنُفِثَ بِهِمْ فَانْهَ عَنْهُمْ وَقُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ نَفَعُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَدْعُونَ لَكَ بِالنِّيبَةِ وَالسَّيْرِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَقَدْ جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ رَبِّكَ فَاعْلَمُوا

پس تم لوگ ان سے ڈرتے رہو (یعنی بدر صغریٰ کو جانے کا ارادہ ہی مت کرو مقابلہ سے بچتے رہو۔ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيْمَانًا تَاۤتَا) پس اللہ نے یا نعیم کے اس قول نے مسلمانوں کے اندر اور ایمان بڑھا دیا مطلب یہ کہ اس قول کی طرف انہوں نے توجہ ہی نہیں کی، نہ ہمت ہارے بلکہ حمایت اسلام کا مظاہرہ کیا اور اس عمل کی وجہ سے اللہ سے قربت بڑھ گئی۔ مراتب بزرگی میں اضافہ ہو گیا اور مرتبہ بلندی کے اضافہ سے ایمان میں بھی ترقی ہو گئی اور جو لوگ ایمان کے گھٹنے بڑھنے کے قائل نہیں ان کی نظر صرف ایمان مجازی پر ہے (یعنی اشاعرہ اور تمام اہل سنت جو ایمان کو کیفیت بسیطہ کہتے ہیں جس کے اندر ایمان کی کمی بیشی نہیں ہو سکتی بلکہ وہ حد فاصل جس سے گرنے کے بعد آدمی حد شرک میں داخل ہو جاتا ہے بسیط ایمان ہے ناقابل تقسیم۔ یہ قول ایمان مجازی کے متعلق ہے ایمان حقیقی بہر حال ترقی کرتا رہتا ہے جتنا مرتبہ قرب بڑھتا ہے اتنا ہی ایمان بڑھتا ہے۔

وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ لَقَدْ جَاءَنَا الْكِتَابُ فَاعْلَمُوا حَسْبُ مَا يُلْقِي الْغَافِلُونَ اور انہوں نے کہا اللہ ہمارے لئے کافی ہے، حَسْبُ مصدر ہے جس کا معنی اسم فاعل کا ہے یعنی مُحْسِبُنَا۔ لَقَدْ مُحْسِبٌ أَحْسَبُ سے مشتق ہے۔ أَحْسَبُ وہ اس کے لئے کافی ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جس طرح اسم فاعل مضاف ہونے کے بعد بھی نکرہ ہی رہتا ہے (کیونکہ اضافت لفظیہ مفید تعریف نہیں ہوتی) اسی طرح حَسْبُ بھی اضافت کے بعد نکرہ ہی رہتا ہے، کہا جاتا ہے ہذا رجل حَسْبِك (رجل موصوف حَسْبِك صفت) یہ ایسا آدمی ہے جو تیرے لئے کافی ہے۔

وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ۝۱۰ وکیل وہ شخص جس کے سپرد کوئی کام کر دیا جائے یعنی وہ بہت اچھا وکیل ہے (مخلوق کے تمام امور کا وہی ذمہ دار ہے) نعم الوکیل جملہ انشائیہ ہے (کیونکہ افعال مدح و ذم انشاء کی قسمیں ہیں) اس کا عطف حَسْبُنَا اللہ پر ہے اور حَسْبُنَا اللہ جملہ خبریہ ہے پھر یہ عطف کس طرح صحیح ہوا یہ مسئلہ آئمہ نحو کا اختلافی ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ واو عاطفہ جو دونوں جملوں کے درمیان ہے وہ مومنین کے کلام کا جز نہیں ہے بلکہ مومنین کے دونوں جملوں کو نقل کرنے والے نے درمیان میں عطف کے لئے بڑھادیا ہے یعنی مومنین نے حَسْبُنَا اللہ کہا اور نعم الوکیل بھی کہا لیکن ظاہر یہ ہے کہ واو عاطفہ مومنین کے کلام کا جز ہے (یعنی مومنوں نے دونوں جملے ملا کر واو عاطفہ کے ساتھ کہے) کیونکہ حضرت ابن عباسؓ کا قول مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا حَسْبُنَا اللہ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ اس (ایک) جملہ کو حضرت ابراہیمؑ نے اس وقت کہا تھا جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا اور محمدؐ نے (اور آپ کے صحابہؓ نے) بھی یہ (جملہ) کہا جبکہ قَالُوا إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيْمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللہ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ (یعنی صحابہؓ اور رسول اللہ ﷺ نے بھی یہ جملہ کہا اس کا ثبوت یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ) انہوں نے کہا لوگوں نے تمہارا مقابلہ کرنے کے لئے بہت آدمی اور ہتھیار جمع کئے ہیں لہذا تم ان سے ڈرو (اور بدر صغریٰ کو نہ جاؤ) لیکن اس قول نے ان کا ایمان اور بڑھادیا اور

انہوں نے کہا حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔ رواہ البخاری۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے کلام میں حسبنا اللہ و نعم الوکیل کی طرف مفرد کی ضمیر راجع کی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں جملے بحیثیت مجموعی حضرت ابراہیمؑ نے کہے تھے اور حرف عطف دونوں کے درمیان ذکر کیا تھا۔ اگر حرف عطف کا اضافہ نقل کرنے والے کی طرف سے ہوتا تو حضرت ابن عباسؓ کا کلام اس طرح ہوتا کہ یہ دونوں (جملے) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہے تھے یعنی تثنیہ کی ضمیر ہوتی۔ (اس صورت میں انشاء کا خبر پر عطف ہوگا) پس بعض علماء نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ اول جملہ (خبریہ) کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اللہ پر اعتماد کیا اور دوسرے (انشائی) جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اپنے امور اللہ کے سپرد کر دیئے۔

(یعنی یہ انشائی جملہ خبری جملہ کے معنی میں ہے) میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ جملوں کا باہم کوئی اعرابی محل نہیں خواہ ایک خبری اور دوسرا انشائی ہو۔ بہر حال ایک کا دوسرے پر عطف جائز ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک عورت نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے باپ نے میرا نکاح اپنے بھتیجے سے کرادیا۔ (یہ جملہ خبریہ ہے) اور وہ بڑا اچھا باپ ہے (یہ جملہ انشائیہ ہے) نیز ایک آیت میں آیا ہے اُولَئِكَ جَزَاءُ هُمْ مَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا (یہ کلام خبری ہے) وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ (یہ کلام انشائی ہے)۔

پس وہ لوٹ آئے اللہ کی نعمت کے ساتھ یعنی ایمان، عافیت، مال اور

فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةِ رَبِّهِمْ

عزت کے ساتھ جس کو ساتھ لے کر مدینہ سے نکلے تھے۔

وَفَضِّلُ اور لوٹ آئے زیادتی کے ساتھ یعنی ثواب کی زیادتی سے ایمان میں ترقی ہوئی اور تجارتی نفع سے مال میں زیادتی ہوئی اور دشمن کی بزدلی سے عزت میں اضافہ ہوا۔ مال کی زیادتی کا تصور اسی وقت ہو سکتا ہے جب غزوہ بدر صغریٰ مراد لیا جائے کیونکہ وہیں یہ مسلمانوں نے بازار لگایا اور تجارت کی اور نفع کمایا تھا غزوہ حراء الاسد میں کوئی تجارت نہیں ہوئی۔

لَمْ يَسْسَمِهِمْ سُوْدٌ کسی دھکے نے ان کو چھوا بھی نہیں۔ یعنی کسی حالت میں کوئی دھکے ان کو نہیں پہنچا، نہ زخمی ہونے کا، نہ قتل ہونے کا، نہ لوٹے جانے کا۔

وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ اور وہ اللہ کی خوشنودی (کے راستہ) پر چلے جس پر دونوں جہان کی بھلائی

موقوف ہے۔

بغویؒ نے لکھا ہے کہ مسلمانوں نے کہا تھا کیا یہ جہاد ہو گا اس پر اللہ نے ان کو جہاد کا ثواب عطا فرمایا اور ان سے راضی ہوا۔

وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ اور اللہ بڑے فضل والا ہے اس میں ان لوگوں کے لئے پیام حسرت ہے جو جہاد میں شریک نہیں ہوئے نیز ان کی غلطی رائے کا اظہار ہے۔

إِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيْطَانُ بَشَرٌ لِّكُمُ شَيْطَانٌ كَافِرٌ بے شک وہ یعنی نعیم ابو سفیان شیطاں ہے اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ ذلکم کا اشارہ قول مذکور کی طرف بھی ہو سکتا ہے اس صورت میں الشیطان سے پہلے مضاف محذوف ہو گا یعنی قول مذکور شیطاں کا فعل ہے شیطاں نے ان کی زبانوں سے یہ بات

کہلوائی ہے تاکہ وہ تم کو خوفزدہ بنادیں اور تم پست ہمت ہو جاؤ۔

يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُمْ جو اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے یعنی ان لوگوں کو ڈراتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کو نہیں نکلے تھے یا اولیاء سے پہلے حرف جر محذوف ہے یعنی اپنے دوستوں (ابو سفیان کے ساتھیوں) سے تم کو ڈراتا ہے۔ سدی

نے یہ مطلب بیان کیا کہ تمہارے دلوں میں اپنے دوستوں کو بڑا کر کے ظاہر کرتا ہے تاکہ تم ان سے ڈر جاؤ۔

فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُوا پس تم ان سے نہ ڈرو کیونکہ اللہ کے بغیر کسی میں طاقت نہیں ہو سکتی۔ اور مجھ سے ڈرو کہ کہیں میں ان کو تم پر غالب نہ کر دوں جیسے احد کے دن کر دیا تھا، غلبہ میری طرف سے

وَأَخَافُونَ

عطا ہوتا ہے لہذا میرے احکام کے خلاف نہ کرو اور میرے رسول ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد کرو۔

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اگر تم ایمان دار ہو کیونکہ ایمان کا یہی تقاضا ہے کہ اللہ سے ڈرا جائے اور اللہ کے سوا کسی سے خوف نہ کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر مانگو تو اللہ سے مانگو اور مدد چاہو تو اللہ سے چاہو اور جان رکھو کہ اگر سب لوگ مل کر نفع پہنچانا چاہیں گے تو بس اتنا ہی پہنچائیں گے۔ جتنا اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اور اگر سب مل کر تم کو کچھ ضرر پہنچانا چاہیں گے تو بس اتنا ہی پہنچائیں گے جو اللہ نے تمہارے لئے مقدر کر دیا ہے قلم اٹھائے گئے اور کاغذ خشک ہو گئے۔ رواہ احمد والترمذی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

وَلَا يَحْزُنُكَ ۝ اور تم کو رنجیدہ نہ کر دیں۔ جمہور کی قرأت یہی ہے۔ نافع کے نزدیک سارے قرآن میں سوائے سورۃ انبیاء کے یہ لفظ باب افعال سے آیا ہے صرف سورۃ انبیاء میں باب نصر سے ہے۔ ابو جعفر کی قرأت میں صرف سورۃ انبیاء میں باب افعال سے ہے بانی مقامات پر مجرد سے۔

الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۝ وہ لوگ جو تیزی سے کفر میں گھس رہے ہیں۔ ضحاک کے نزدیک کفار قریش مراد ہیں اور دوسرے مفسرین کے نزدیک منافق مراد ہیں جو کافروں کی مدد کرنے کی وجہ سے کفر میں تیزی سے بڑھ رہے تھے، یعنی ان منافقوں کے کفر میں تیزی سے گھسنے سے تم کو اسلام اور مسلمانوں کے متعلق کوئی اندیشہ نہ ہو اور تم اس سے رنجیدہ نہ ہو، کیونکہ اِنَّهُمْ لَنْ يَصُرُوْا اللّٰهَ شَيْئًا ۝ وہ اللہ کو یعنی اللہ کے دوستوں کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ اور نہ کافروں پر جذبہ رحم رکھنے کی وجہ سے تم کو منافقوں کی اس حرکت سے کوئی رنج ہو کیونکہ۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حِطًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۝ اللہ ان کے لئے آخرت کے ثواب میں کوئی حصہ مقرر کرنا نہیں چاہتا چونکہ یہ بد بخت مخلوق ہے اور ان کے نقطہ ہائے تعین اللہ کے اسم مفضل کی طرف منسوب ہیں اسی لئے اللہ نے ان کی مدد نہیں کی اور یہ کفر میں تیزی کے ساتھ بڑھ گئے۔ (بقول اہل تصوف انسان صفات الہی کا مظہر ہے اور اللہ کی صفات متضاد ہیں، جس صفت کا جس پر تو پڑا اسی وصف کا نقطہ تعین اس شخص میں پیدا ہو گیا اور وہ اس خصوصی وصف میں ممتاز ہو گیا پس اللہ کا ایک وصفی نام مفضل بھی ہے اس کا بھی بعض لوگوں پر خصوصی پر تو پڑا ہے اور وصف اضلال ان کے اندر پیدا ہو گیا ہے۔ پس منافق جو دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں وہ حقیقت میں اللہ کی صفت اضلال کا ظہور ہوتا ہے لہذا تم کو اپنے جذبہ رحمت کے زیر اثر اس سے رنجیدہ نہ ہونا چاہئے۔)

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اور انہی کے لئے عذاب عظیم ہے۔ یعنی ثواب سے محرومی کے ساتھ ساتھ ان کے لئے عذاب عظیم بھی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اسْتَشْرَوْا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ ۝ جن لوگوں نے ایمان کے عوض کفر لے لیا۔ اس سے مراد اہل کتاب ہیں کہ رسول ﷺ اللہ کی بعثت سے پہلے (غائبانہ) آپ کی بعثت کا یقین رکھتے تھے لیکن جب آپ مبعوث ہو گئے اور کھلی ہوئی نشانیاں صداقت کی پیش کیں تو انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا اور دنیوی حرص میں آکر محض عناد کی وجہ سے ایمان کو چھوڑ دیا۔

لَنْ يَصُرُوْا اللّٰهَ شَيْئًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وہ اللہ کو ہر گز کچھ ضرر نہ پہنچا سکیں گے اور انہی کے لئے دکھ کا عذاب ہو گا۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۝ اور انما نملی دو مفعولوں کے قائم مقام ہے یعنی کافر یہ نہ خیال کریں کہ ہمارا ان کو مہلت دینا اور عمر میں دراز کرنا اور ان کی حالت پر ان کو آزاد چھوڑنا ان کے لئے بہتر ہے انما میں یا مصدری ہے اس لئے رسم الخط میں اس کو ان سے جدا لکھنا چاہئے لیکن مصحف امام (حضرت عثمان کے قرآن) میں اس کو متصل لکھا گیا ہے اس کے اتباع میں ملا کر لکھا جاتا ہے۔

یہ گزشتہ حکم کی علت کا اظہار ہے۔

إِنَّمَا نُنَبِّئُ لَكَ
لِيُزِدَا دَاوَّاءَ إِنَّمَا

ہم ان کو ڈھیل صرف اس وجہ سے دیتے ہیں کہ ان کے گناہ بڑھ جائیں۔ لیز دا دوا میں لام ارادہ کا ہے یعنی ہم ان کے گناہ زیادہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس آیت میں ہمارے مسلک کا ثبوت ہے کہ گناہ بھی اللہ کے ارادہ سے ہوتے ہیں اور یہ ضروری نہیں کہ بندہ کے لئے دنیا و آخرت میں جو چیز بہتر ہو اللہ وہی کرے۔ معتزلہ معاصی کو اللہ کے ارادہ سے وابستہ نہیں جانتے اور خلقِ صالح کو واجب قرار دیتے ہیں پس اس آیت سے ہمارے مسلک کی تائید اور معتزلہ کے قول کی تردید نکلتی ہے۔ معتزلہ کے نزدیک لیز دا دوا کا لام، لام عاقبت ہے یعنی ہمارے ڈھیل دینے کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ زیادہ گناہ گار ہو جاتے ہیں۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ اور انہی کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ اس آیت کا نزول مقاتل کے نزدیک مکہ کے مشرکوں کے حق میں اور عطاء کے نزدیک قرطبہ اور نصیر کے حق میں ہوا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ سب سے اچھا آدمی کون ہے فرمایا جس کی عمر دراز اور اعمال اچھے ہوں۔ عرض کیا گیا سب سے برا کون ہے فرمایا جس کی عمر دراز اور عمل برے ہوں۔ رواہ احمد والترمذی والدارمی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روای ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن ایک منادی پکارے گا ساٹھ برس کی عمر والے کہاں ہیں اور یہی وہ عمر ہے جس کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے اَوَلَمْ نَعْمَرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرُوْا جَاءَكُمْ التَّنْذِيْرُ۔ رواہ الترمذی فی الشعب۔

مَا كَانَ اللهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ
عَلٰى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ
کا کوئی امتیاز نہیں۔ انتم کا خطاب تمام مدعیان اسلام کو ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے مخلص مومن بھی داخل ہیں اور منافق بھی۔

حَتّٰى يُمَيِّزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ط
بغیر ناپاک کو پاک سے جدا کئے یعنی بغیر اس کے کہ چھانٹ کر کافر کو مومن سے جدا کر دے۔ خواہ وحی کے ذریعہ سے اطلاع دیدے جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے يحْذِرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تَنْزِلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تَنْبِئُهُمْ بِمَا فِىْ قُلُوْبِهِمْ قُلْ اسْتَهْزِءْ وَاَنْ اَنْ اِلٰهٌ مَّخْرُجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ يٰۤاَوَاقِعَاتُ الْذَرِيْعَةِ س (جائز کر کے) جیسے احد کا واقعہ ہوا کہ منافق مومنوں کو چھوڑ کر بچھڑ گئے۔

وَمَا كَانَ اللهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ
اور اللہ تم کو غیب سے آگاہ کرنے والا بھی نہیں کہ تم منافقوں اور مومنوں کی الگ الگ تمیز کر لو جب تک اللہ ان دونوں گروہوں کو چھانٹ کر علیحدہ علیحدہ نہ کر دے۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ نِّسَاۤءٍ
بلکہ اللہ پیغمبروں میں سے جس کو چاہتا ہے انتخاب کر لیتا ہے اور بعض غیبی علوم پر کبھی مطلع کر دیتا ہے جیسا کہ اپنے پیغمبر محمد ﷺ کو منافقوں کے احوال پر بنور فراست مطلع فرمادیا۔ اسی کی مثل ہے سورت جن کی یہ آیت عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احدا الا من ارتضٰ من رسول۔ علم غیب کی تشریح ہم نے سورہ جن کی اسی آیت کے ذیل میں کی ہے۔

بغوی نے بروایت سدی لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے سامنے میری امت اپنی شکلوں میں طینی (خمیر کی) حالت میں لائی گئی جیسے آدم کے سامنے (ان کی تمام نسل) لائی گئی تھی اور جو لوگ مجھ پر ایمان لانے والے ہیں اور جو مجھ پر ایمان نہیں لانے والے ہیں سب مجھے بتادیئے گئے اس فرمان کی اطلاع منافقوں کو پہنچی تو وہ مذاق کرتے ہوئے بولے محمد کا دعویٰ ہے کہ جو لوگ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے ان میں کون مومن ہو گا اور کون غیر مومن۔ محمد ان سب سے واقف ہیں اور ہم ان کے ساتھ رہتے ہیں اس کے باوجود وہ ہم کو نہیں پہچانتے۔

منافقوں کے اس قول کی خبر حضور ﷺ کو بھی پہنچ گئی تو آپ نے ممبر پر کھڑے ہو کر اللہ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا لوگ کس وجہ سے میرے علم پر طنز کرتے ہیں تم اپنے زمانہ سے قیامت تک کی جو چیز مجھ سے پوچھو گے میں بتاؤں گا (پوچھو دیکھو) اس پر عبد اللہ بن حذافہ سہمی نے کھڑے ہو کر پوچھا یا رسول اللہ ﷺ میرا باپ کون تھا فرمایا حذافہ۔ اس کے بعد فوراً عمرؓ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم اللہ کے رب ہونے پر اسلام کے دین (برحق) ہونے پر قرآن کے امام (یعنی واجب التسلیم والعمل کتاب) ہونے پر اور آپ کے نبی ﷺ پر رضامند ہیں (یعنی دل سے مانتے ہیں) آپ ہم کو معاف فرما دیجئے اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تم باز آگئے کیا تم باز آگئے پھر ممبر سے اتر آئے اور اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

شیخ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ اس روایت کی مجھے اطلاع نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ بر تقدیر صحت روایت آیت سے اس حدیث کی مناسبت اس طرح ہوگی کہ آیت میں رسول ﷺ کے مجتبیٰ اور غیب پر مطلع ہونے کی صراحت ہے اور حدیث میں ان (منکرین) کے قول کو رد کیا گیا ہے کیونکہ رسول ﷺ کے لئے یہ امر جائز نہیں کہ بغیر اللہ کی اجازت کے دوسروں کو غیبی علم میں شریک بنالے پس پیغمبر کافروں کے کفر سے واقف ہیں لیکن ظاہر نہیں کرتے کیونکہ ان کا غیبی علم شخصی ہے (دوسروں کو بغیر اذن خداوندی مطلع کرنے کا حق نہیں ہے)۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِؕ پس اخلاص کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو تا کہ رسوا نہ ہو۔

وَ اِنْ تُوْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۵﴾ اور اگر تم سچے دل سے ایمان لاؤ گے اور نفاق و معاصی سے پرہیز رکھو گے تو تمہارے لئے بڑا اجر ہوگا۔

وَلَا يَحْسِبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخُلُوْنَ بِمَاۤ اَنۡهَمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لِّهٖمْ جو لوگ خدا وادمال میں بخل کرتے ہیں یعنی زکوٰۃ نہیں دیتے وہ بخل کو اپنے لئے بہتر نہ سمجھیں۔

الذین یبخلون کا فاعل ہے اور مفعول اول محذوف ہے اور مفعول دوم خیراً ہے اور هو ضمیر فصل ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ هو کو مفعول اول کے قائم مقام قرار دیا جائے۔ ہر صورت مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کو اللہ نے مال دیا ہے اور وہ زکوٰۃ نہیں دیتے وہ اللہ کی اس عطا کو یا خدا وادمال کو یا بخل کو اپنے لئے بہتر نہ سمجھیں۔ ما اتاهم اللہ سے خدا وادمال مراد لیتا لوٹی ہے کیونکہ آگے آیا ہے کہ جس چیز میں انہوں نے بخل کیا تھا اس کا ان کی گردنوں میں طوق ڈالا جائے گا (لہذا مناسب یہ ہے کہ وہی چیز مراد لی جائے جو اللہ نے عطا فرمائی اور بخلوں نے اس کی زکوٰۃ نہ دی)۔

بَلْ هُوَ شَرٌّ لِّهٖمْ بلکہ وہ بخل یا عطاء خدا لیا مال جو خدا نے دیا ہے ان کے لئے برا ہے۔

سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَٰخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ جس چیز کی انہوں نے زکوٰۃ نہیں دی قیامت کے دن اس کا طوق ان کو پہنایا جائے گا۔

اس آیت کا نزول زکوٰۃ نہ دینے والوں کے حق میں ہوا، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابو وائل شعمیؓ اور سدیؓ کا یہی قول ہے حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کو اللہ نے مال دیا اور اس نے اس کی زکوٰۃ نہ دی تو قیامت کے دن اس کے مال کو ایسے سانپ کی شکل پر کر دیا جائے گا جو گنجا ہوگا اور اس کی آنکھوں کے اوپر دو سیاہ دھبے ہوں گے۔ قیامت کے دن وہ سانپ زکوٰۃ نہ دینے والے کی گردن کا طوق ہو جائے گا اور اس کی دونوں بائیں پکڑ کر گمے گا میں تیرا مال ہوں میں تیرا بے زکوٰۃ خزانہ ہوں اس کے بعد حضور ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی وَلَا يَحْسِبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخُلُوْنَ اَنْ رَّوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ رلوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی بھی ایسا ہو کہ اس کے پاس اونٹ یا گائے بھینس یا بکریاں ہوں اور وہ ان کا فرض (زکوٰۃ) ادا نہ کرے تو قیامت کے دن یہ جانور بہت ہی جسامت اور فربہ کے ساتھ سامنے آئیں گے اونٹ اپنے موزوں سے اس کو روندیں گے اور گائیں بکریاں اس کو سینگوں سے ماریں گی جب کھچلی قطار

روندتی اور مارتی) اس پر پہنچے گی تو (گھوم کر) اول قطار آپہنچے گی۔ یہ روندنے اور مارنے کا سلسلہ اس وقت تک قائم رہے گا کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم۔

عطیہ کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول آیا ہے کہ اس آیت کا نزول یہودی علماء کے حق میں ہوا جو رسول اللہ ﷺ کے خصوصی احوال اور ثبوت (جن کا اظہار تورات میں کیا گیا تھا) کو چھپاتے تھے۔ بخل سے مراد ہے علم کو پوشیدہ رکھنا اور سیطوقون مابخلوا بہ کا یہ مطلب ہے کہ وہ اپنے گناہ اور جرائم کا بار اٹھائیں گے۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۱۰﴾ آسمان و زمین کی وراثت اللہ ہی کو حاصل ہے یعنی مخلوق کے فنا ہونے کے بعد اللہ باقی رہنے والا ہے، سب مرجائیں گے مال چھوڑ جائیں گے اللہ جس کو چاہے گا ان کا مال دے گا خواہ وارث ہوں یا غیر اور مرنے والوں کی گردن پر اس کا عذاب رہے گا اور (مرتے وقت) مال چھوڑ جانے کی حسرت ہوگی پھر کیا وجہ کہ وہ بخل کرتے ہیں اور راہ خدا میں مال خرچ نہیں کرتے۔

اور اللہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے کئے کا بدلہ ضرور دے گا۔

محمد ابن اسحاق ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق کو ایک تحریر دے کر بنی قینقاع کے یہودیوں کے پاس بھیجا اور تحریر میں ان کو اسلام لانے، نماز پڑھنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور اللہ کے لئے قرضہ حسنہ دینے کی دعوت دی حسب الحکم ایک روز حضرت ابو بکر یہودیوں کے مدرسہ میں گئے وہاں آپ نے دیکھا کہ بہت سے یہودی ایک شخص کے پاس جمع ہیں یہ شخص لحاض بن عازر تھا جو یہودیوں کے علماء میں سے تھا اور اس کے ساتھ ایک اور عالم بھی تھا جس کا نام اشیع تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے لحاض سے فرمایا اللہ سے ڈرو اور مسلمان ہو جاؤ خدا کی قسم تم خوب جانتے ہو کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ﷺ ہیں جو اللہ کی طرف سے حق کے ساتھ آئے ہیں ان کا ذکر تمہارے پاس تورات میں لکھا ہوا موجود ہے لہذا ان پر ایمان لے آؤ ان کی تصدیق کرو اور اللہ کو قرض حسنہ دو، اللہ تم کو جنت میں داخل کرے گا اور دوہرا ثواب دے گا، لحاض نے کہا ابو بکرؓ تم کہتے ہو کہ ہمارا بھم سے ہمارا مال قرض مانگتا ہے قرض تو فقیر غنی سے مانگتا ہے پس اگر تمہاری بات صحیح ہے تو اللہ فقیر ہو اور ہم غنی۔ اللہ تم کو تو سود (دینے) سے منع کرتا ہے اور خود ہم کو دیگا اگر وہ غنی بھی ہو تب بھی ہم کو سود نہیں دیگا۔ یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ کو غصہ آیا اور لحاض کے منہ پر آپ نے زور سے ضرب رسید کی اور فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر ہمارا تجھ سے معاہدہ نہ ہوتا تو اللہ کے دشمن میں تیری گردن مار دیتا۔ لحاض رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا دیکھو محمد ﷺ تمہارے ساتھی نے میرے ساتھ کیسی حرکت کی۔ حضور ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا تم نے ایسی حرکت کس وجہ سے کی حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ اس دشمن خدا نے بہت بڑی بات کہی تھی اس نے کہا تھا کہ اللہ فقیر ہے ہم سے قرض مانگتا ہے۔ یہ بات یہودیوں نے اس کے منہ پر مارا۔ لحاض نے حضرت ابو بکرؓ کے اس قول کا انکار کر دیا (اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا) اس پر اللہ نے لحاض کے قول کی تردید اور حضرت ابو بکرؓ کی تصدیق میں مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی۔ کذا قال عکرمة والحدی و مقاتل۔

لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ ﴿۱۱﴾ بیشک اللہ نے ان لوگوں کی بات سنی جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اللہ فقیر ہے ہم سے قرض مانگتا ہے۔ یہ بات یہودیوں نے اس وقت کہی تھی جب آیت من ذا الذی یقرض اللہ قرضاً حسناً نازل ہو چکی تھی اس پر آیت لقد سمع اللہ نازل ہوئی۔ حسن نے فرمایا کہ اس کلام کا قائل حمی بن اخطب تھا۔ ہم لکھتے ہیں ان کے قول کو یعنی اعمال نائے لکھنے والے فرشتے ہمارے حکم سے لکھ لیتے ہیں سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا

اسی کی مثل ہے آیت و انالہ کاتبون ہم یعنی ہمارے فرشتے اس کو بلاشبہ لکھ لینے والے ہیں۔

وَقَتْلَهُمُ الْاَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ
اور ان کے قتل کر دینے کو انبیاء کو ناحق یعنی ان کے اسلاف نے جو انبیاء کو ناحق قتل کیا تھا اور انہوں نے اپنے اسلاف کے اس فعل کو پسند کیا ان کی اس پسندیدگی اور خوشنودی کو ہم لکھتے ہیں۔ قتل انبیاء کو قول مذکور کے ساتھ ملا کر بیان کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ یہودہ قول ان کا پہلا ہی جرم نہیں ہے (بلکہ اس سے پہلے یہ قتل انبیاء جیسے سخت جرم کر چکے ہیں)۔

وَنَقُولُ
اور قیامت کے دن ان کے قول و فعل کی پاداش میں ہم ملائکہ کی زبانی کہیں گے کہ
ذُو قُوَا عَذَابِ الْحَرِيقِ
آتش سوزاں کے عذاب کو چکھو۔ حریق بمعنی محروق ہے یعنی جلانے والی
آگ۔ جیسے عَذَابُ الْاَلِيمِ میں الیم بمعنی مولم (دکھ رساں) ہے یا عَذَابِ الْحَرِيقِ میں اضافت بیانہ ہے (موصوف کی صفت کی جانب اضافت ہے) یعنی جلانے والا عذاب۔ یہ قول ان سے اس وقت کہا جائے گا جب ان کو آگ میں ڈالا جائے گا۔ ذوق کا معنی ہے کسی مزہ کا احساس مجازاً تمام محسوسات کے احساس کو ذوق کہہ لیا جاتا ہے چونکہ یہودی اپنے زیر دستوں سے رشوت کھاتے تھے اس مناسبت کی وجہ سے ان کی پاداش میں لفظ ذوق ذکر کیا۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ اٰیٰتِیْكُمْ
یہ عذاب ان اعمال کی سزا میں ہے جو تم نے پہلے کئے تھے یعنی قتل انبیاء اور دوسرے گناہ۔ ایدی (ید کی جمع ہاتھ) بول کر اشخاص اور نفوس مراد لئے کیونکہ اکثر حسی افعال ہاتھوں سے ہی ہوتے ہیں اور دل کے کاموں کا اظہار ہاتھوں اور پاؤں کی حرکات سے ہی ہوتا ہے۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَالِمٍ لِّلْعَبِیْدِ
اور یہ عذاب تم پر اس وجہ سے بھی ہے کہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ اللہ ظالم نہیں اور نفی ظلم کے لئے عدل لازم ہے اور عدل کا تقاضا ہے کہ نیک کو ثواب اور بد کو عذاب دیا جائے پس اللہ کے ظالم نہ ہونے کا تقاضا ہے کہ کافروں کو عذاب دیا جائے۔

.....ایک شبہ بر مسلک اشاعرہ.....

ظلم کی نفی اللہ کی ذات کے لئے لازم ہے کیونکہ ظلم قبیح لذاتہ ہے اور تمام بری باتوں سے اللہ کا پاک ہونا ضروری ہے اور نفی ظلم عدل کو مستلزم ہے اور عدل کے لئے لازم ہے کہ نیک کو ثواب اور گناہ گار کو عذاب دیا جائے۔ پس فرمانبردار کو ثواب اور نافرمان کو عذاب دینا اللہ پر لازم قرار پایا اور یہ اشاعرہ کے مسلک کے خلاف ہے جو اللہ پر کسی چیز کو لازم قرار نہیں دیتے (بلکہ اللہ کو مختار کل جانتے ہیں) بلکہ یہ بعینہ معتزلہ کا مسلک ہے۔

.....جواب.....

لغت میں ظلم کا معانی ہے کسی چیز کو اس کی مخصوص جگہ کے علاوہ دوسری جگہ رکھنا خواہ کی بیشی کے ساتھ یا زمان و مکان کے تبدل و تغیر کے سبب اور چونکہ بارگاہ الوہیت میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ورنہ مالک کی اجازت کے بغیر اس کی ملک میں تصرف لازم آئے گا یا حکم کے خلاف خود کرنا لازم آئے گا اور یہ ظاہر ہے کہ اگر بغیر کسی جرم کے اللہ سارے جہان کو عذاب دے تب بھی یہ ظلم نہ ہوگا کیونکہ وہ مالک مطلق ہے اپنی ملک میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے لہذا اس کے لئے اس کے کسی فعل کو ظلم کہا ہی نہیں جاسکتا اور جب اس کی شان میں ظلم کا تصور ہی ممکن نہیں، تو ناممکن چیز کی نفی کا کوئی معنی نہیں کیونکہ قضیہ موجبہ کے لئے تو وجود موضوع کی یا ثبوت موضوع کی یا تقریر موضوع کی ضرورت ہے اور سالبہ اگرچہ ثبوت موضوع کا محتاج نہیں مگر بوقت حکم تصور موضوع بہر حال لازم ہے ورنہ نفی کس چیز کی ہوگی) پس اس جگہ لفظ ظلم کا استعمال حقیقی معنی میں نہیں ہے بلکہ نفی ظلم سے مراد یہ ہے کہ جو فعل بندوں کے باہمی معاملات میں ظلم کہلاتا ہے اگرچہ اللہ سے اس کا

انہوں نے قربانیاں بھی دیں۔

فَلَمَّا قَتَلْتُمُوهُمْ
پھر تم نے ان کو کیوں قتل کر ڈالا یعنی تمہارے اسلاف نے ان کو کیوں قتل کیا اور ان کے
اخلاف نے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھے کیوں ان کی اس حرکت کو پسند کیا چونکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے یہودی
اپنے اسلاف کی اس حرکت کو درست سمجھتے اور پسند کرتے تھے پس گویا یہ بھی اپنے باپ دادا کے فعل کے مرتکب ہوئے اسی
لئے استفہام انکاری کا رخ حاضرین کی طرف کیا گیا۔

إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ
اگر تم سچے ہو۔ اس شرط کی جزا محذوف ہے یعنی اگر تم اس قول میں سچے ہو کہ تمہارا
ایمان نہ لانا اللہ کے سابق حکم کی وجہ سے ہے تو بتاؤ تم زکریا اور یحییٰ وغیرہ پر کیوں ایمان نہیں لائے (انہوں نے تو قربانیاں
بھی پیش کی تھیں) پس جب تم ان پر ایمان نہیں لائے تو ظاہر ہو گیا کہ تمہارا ایمان نہ لانا محض عناد اور تعصب کی وجہ سے ہے
حکم خدا کی وجہ سے نہیں ہے۔

فَإِنْ كَذَّبُوكَ
فَقَدْ كَذَّبَ رَسُولٌ مِّنْ قَبْلِكَ
اگر ان یہودیوں نے تم کو جھوٹا قرار دیا تو تم رنجیدہ نہ ہو۔
تم سے پہلے بھی بہت سے پیغمبروں کی تکذیب کی گئی تھی۔ اس مطلب
پر فَإِنْ كَذَّبُوكَ شرط ہے اور جزاء محذوف ہے اور فَقَدْ كَذَّبَ رَسُولٌ اس کے قائم مقام ہے (دوسرے پیغمبروں کی تکذیب کو
دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کو اپنی تکذیب پر صبر کرنا اور رنجیدہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ پہلے سے کافروں کا دستور یہی چلا آیا ہے۔ صرف
موجود الوقت کافروں ہی کی یہ حرکت نہیں ہے) پس سب کو ذکر کر کے اصل جزاء کو حذف کر دیا۔ ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا
ہے کہ اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو تمہاری آپ کی تکذیب نہیں ہے بلکہ آپ سے پہلے پیغمبروں کی بھی تکذیب ہے
کیونکہ انہوں نے آپ کی بعثت کی خبر پہلے دیدی تھی (اور یہ آپ پر ایمان نہیں لائے پس حقیقت میں انہوں نے گزشتہ
پیغمبروں کی پیشین گوئیوں کو نہیں مانا)۔

جَاءُوا بِالْبَيِّنَاتِ
وَالزُّبُرِ
اور صیغے بھی لائے تھے جیسے حضرت ابراہیم کے صحیفے۔
اور روشن کتاب بھی لائے تھے جیسے تورات و انجیل۔ اول الذکر تفسیر پر فَقَدْ كَذَّبَ سے
المنیر تک رسول اللہ ﷺ کے لئے پیام نسلی ہو گا کہ جیسے گزشتہ پیغمبروں نے صبر کیا آپ بھی صبر کریں اور موخر الذکر توجیہ
پر یہ یہودیوں کی غلطی پر تنبیہ ہو گی کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو جھوٹا قرار دینا حقیقت میں ان پیغمبروں کو جھوٹا قرار دینا ہے جنہوں
نے قربانیاں بھی پیش کی تھیں۔ الزُّبُرُ زبور کی جمع ہے۔ زبور وہ کتاب ہے جس میں صرف احکام ہوں یہ لفظ زَبْرَتُ الشَّيْ
سے ماخوذ ہے زَبْرَتُ کا معنی ہے أَحْسَنَتْ۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ
ہر شخص مؤمن ہو یا کافر موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے
کہ حدیث میں آیا ہے جب اللہ نے حضرت آدم کو پیدا کیا تو زمین سے لکھو کیا کہ میرا ایک جز لیا گیا اور اس سے آدم کو
بنایا گیا اللہ نے زمین سے وعدہ کر لیا کہ جو کچھ تجھ سے لیا گیا ہے وہ تجھے واپس کر دیا جائے گا۔ چنانچہ جو شخص بھی جس مٹی سے بنا
ہے وہ اسی مٹی میں دفن کیا جاتا ہے۔ آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ دنیوی زندگی اور اس کی آسائشیں اطاعت (اور اللہ کی فرماں
برداری) کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ

وَأَنْتُمْ تُوفُونَ أَجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ
اچھے عمل ہوں گے اچھا بدلہ ہو گا، برے عمل ہوں گے برا بدلہ ہو گا۔ پس تم کو صبر و طاعت کی جزا ملے گی اور کافروں کو
تکذیب حق کی سزا۔ لفظ توفون بتا رہا ہے کہ اعمال کا کچھ بدلہ قیامت سے پہلے دنیا میں بھی ملتا ہے اللہ نے فرمایا ہے وَأَتَيْنَاهُ
أَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا ہم نے ابراہیم کو دنیا میں ان کا اجر عطا کیا اور آخرت میں وہ صالحین (کے گروہ) میں ہو گا۔

(بلکہ) واپس آجانا حضرت ابو بکرؓ گردن میں تلوار لٹکائے لحاظ کے پاس پہنچے اور اس کو نامہ مبارک دیدیا، لحاظ نے خط پڑھ کر کہا اب تمہارا رب ہماری مدد کا محتاج ہو گیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے (یہ بے ادبی کے الفاظ سن کر) تلوار کی ضرب رسید کرنی چاہی مگر حضور ﷺ کا فرمان یاد آگیا کہ واپس آجانا تیزی میں کوئی حرکت نہ کر بیٹھنا یہ سوچ کر رک گئے اور یہ آیت نازل ہوئی۔ عبد الرزاق نے بروایت زہری عبد اللہ بن کعب بن مالک کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول کعب بن اشرف کے حق میں ہوا یہ شخص اپنے اشعار میں رسول اللہ ﷺ کی ہجاکرتا تھا مسلمانوں کو گالیاں دیتا تھا اور مشرکوں کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کے خلاف بھڑکاتا تھا۔

میں کہتا ہوں یہ قصہ واقعہ بدر کے بعد کا ہے کعب نے جب اسلامی حکومت دیکھی سرداران قریش بھی اس کی نظر کے سامنے مارے گئے تو مکہ کو خود گیا کہ مشرکوں کو رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے کے لئے جمع کرے اور جب قریش نے اس سے پوچھا کہ ہمارا مذہب زیادہ ہدایت کا ہے یا محمد ﷺ کا دین تو کعب بن اشرف نے کہا تمہارا دین۔ رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اس کی ہجاء کی تھی۔

صحیح روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کعب بن اشرف نے اپنے اشعار میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو دکھ پہنچایا ہے اور ہمارے خلاف مشرکوں کو طاقت بہم پہنچائی ہے، میرے لئے کون اس کا کام تمام کر سکتا ہے محمد بن مسلمہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں حضور ﷺ کی یہ خدمت کروں گا وہ میرا ماموں ہے میں اس کو قتل کر دوں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر تم سے ہو سکے تو ایسا کرو محمد بن مسلمہؓ (گھر) لوٹ کر آئے لیکن تین روز تک سوائے اتنی غذا کے کہ سانس باقی رہے نہ کچھ کھایا نہ پیا، اس کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ سے کیا گیا تو آپ ﷺ نے محمد بن مسلمہؓ سے دریافت کیا تم نے کھانا پینا کیوں چھوڑ دیا بن مسلمہؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں ایک بات کہہ تو گزرا لیکن معلوم نہیں کہ پورا بھی کر سکوں گا یا نہیں حضور ﷺ نے فرمایا تمہارے ذمے کوشش کرنا ہے سعد بن معاذ سے مشورہ کرو۔ محمد بن مسلمہؓ نے سعدؓ سے مشورہ کیا تو انہوں نے فرمایا تم اس کے پاس جاؤ اپنی ضرورت کا اس سے شکوہ کرو اور کچھ غلہ قرض دینے کی اس سے درخواست کرو۔

غرض اس کے بعد محمد بن مسلمہؓ اور عباد بن بشر اور ابونا نملہ سلکان بن سلامہ جو کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی تھے اور حارث بن عیسٰ اور حارث بن اوس بن معاذ جو حضرت سعد بن معاذ کے بھتیجے تھے اور چچانے ان کو بھیجا تھا اور ابو عبس بن جبر ایک جگہ جمع ہوئے اور خدمت گرامی میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم اس کو قتل تو کر دیں گے مگر آپ ہم کو اجازت دیجئے کہ آپ کے متعلق اگر کچھ (نازیبا) باتیں ہم آپس میں کہیں (تو قابل مؤاخذہ نہ قرار دیئے جائیں) فرمایا جیسا سمجھو ویسا کو تم کو آزادی ہے اس کے بعد سب نے ابونا نملہ کو آگے بھیجا۔ ابونا نملہ کعب کے پاس گئے اس سے کچھ باتیں کہیں اور آپس میں شعر سنانے لگے کیونکہ ابونا نملہ بھی شعر کہا کرتے تھے (اور کعب بن اشرف بھی شاعر تھا) پھر ابونا نملہ بولے ابن اشرف میں ایک کام سے تیرے پاس آیا تھا میں اس کا ذکر تو تجھ سے کرتا ہوں مگر شرط یہ ہے کہ ظاہر نہ کرنا ابن اشرف نے کہا بیان کرو۔ ابونا نملہ نے کہا ہمارے ملک میں اس شخص کا آنا ہمارے لئے مصیبت بن گیا ہے تمام عرب ہمارا دشمن ہو گیا اور ہمارے مقابلہ میں ایک کمان بن گیا ہمارے (سفر کے) راستے سارے کٹ گئے یہاں تک کہ بال بچے بھوکے مرنے لگے اور ہم سخت دشوارپوں میں پڑ گئے۔ کعب نے کہا میں نے تو تم کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ آخر یہی ہو گا۔ ابونا نملہ نے کہا میرے ساتھ میرے کچھ ساتھی ہیں ہم سب چاہتے ہیں کہ تم ہمارے ہاتھ کچھ غلہ فروخت کر دو (اور قیمت کے عوض اس وقت) ہم تمہارے پاس کچھ رہن رکھ دیں گے اور تمہارا اعتماد کراویں گے تم ہم سے اتنا سلوک کر دو۔ کعب نے کہا اپنے بچے میرے پاس رہن رکھ دو۔ ابونا نملہ نے کہا ہم کو شرم آتی ہے کہ اپنی اولاد کو گروی ہونے کی عار میں جلا کریں کہ آئندہ لوگ کہیں یہ ایک دسق کے عوض گروی تھا اور یہ دو دسق کے عوض۔ کعب نے کہا تو اپنی عورتیں رہن رکھ دو۔ ابونا نملہ نے کہا عورتوں کو کیسے رہن رکھ دیں تم عرب کے حسین ترین شخص ہو ہم تمہاری طرف سے بے خطر نہیں ہیں تمہاری خوبصورتی کو دیکھ کر کون عورت تم سے بچ سکتی ہے البتہ ہم اپنے

اسلمہ تمہارے پاس رہن رکھ سکتے ہیں اور تم واقف ہی ہو کہ ہم کو اسلمہ کی کتنی ضرورت ہے۔ کعب نے کہا اچھا بیشک اسلمہ پر (ادائے قیمت کا) پورا اعتماد ہے۔ ابونا نملہ نے چاہا کہ کعب ہتھیاروں کو دیکھ کر کہیں انکار نہ کر دے اس لئے اس سے دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے لوٹ آئے اور اپنے ساتھیوں کو آکر اطلاع دیدی سب نے باتفاق رائے طے کر لیا کہ شام کو مقررہ وعدہ کے مطابق کعب کے پاس جائیں گے پھر رات کو آکر رسول اللہ ﷺ کو اس تدبیر اور گفتگو کی اطلاع دے دی۔

محمد بن اسحاق اور امام احمد نے سند صحیح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان لوگوں کو رخصت کرنے بقیع غرقہ تک ان کے ساتھ گئے پھر ان کو بھیج کر فرمایا جاؤ اللہ کے نام پر۔ اے اللہ ان کی مدد فرما۔ اس کے بعد آپ چاندنی رات میں جودن کی طرح تھی اپنے گھر لوٹ آئے یہ چاندنی ماہ ربیع الاول کی چودھویں رات کی تھی۔ ادرودہ لوگ چلے گئے اور رات کو ابن اشرف کی گڑھی پر پہنچے، ساتھیوں سے ابونا نملہ نے کہا میں کعب کے سر کے بل ہاتھ سے بٹوں گا اور جب تم دیکھو کہ میں نے اس کے سر کے بل مضبوطی سے قابو میں کر لئے تو اپنا کام کرنا اور تلواروں سے اس پر حملہ کرنا۔ گڑھی کے پاس پہنچ کر ابونا نملہ نے آواز دی۔ ابن اشرف کی شادی نئی نئی ہوئی تھی آواز سن کر وہ چادر لپیٹے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ بیوی نے چادر کا کونہ پکڑ لیا اور کہنے لگی آپ جنگی آدمی ہیں اور جنگی آدمی ایسے وقت نہیں اتر کرتے (اس وقت باہر نکلنے میں آپ جیسے لوگوں کے لئے خطرہ ہے) میں ایسی آواز سن رہی ہوں جس سے خون ٹپک رہا ہے آپ گڑھی کے اوپر سے ہی ان سے گفتگو کر لیں۔ کعب نے کہا میں نے وعدہ کر لیا ہے اور یہ تو میرا بھانجہ محمد بن مسلمہ اور رضاعی بھائی ابونا نملہ ہے اگر یہ لوگ مجھے سوتا پائیں گے تو بیدار کر لیں گے اور شریف آدمی کو اگر رات میں نیزوں کی طرف بھی بلایا جائے تو وہ قبول کرتا ہے، غرض کعب چادر گلے میں ڈالے نیچے اتر آیا، چادر سے خوشبو مہک رہی تھی۔ تھوڑی دیر تک ان لوگوں سے باتیں کرتا ہوا کچھ دیر ہو گئی تو ان لوگوں نے کہا ابن اشرف چلو شعب عجز تک ٹھلتے ہوئے چلیں وہاں پہنچ کر باقی رات باتیں کریں گے۔ کعب نے کہا اگر چاہتے ہو تو چلو۔ سب پیدل ٹھلتے ہوئے چل دیئے کچھ دیر ہی چلے تھے کہ ابونا نملہ نے کہا مجھے تمہاری طرف سے خوشبو کی مہک آرہی ہے۔ کعب نے جواب دیا فلاں عورت جو عرب کی عورتوں میں سب سے زیادہ معطر رہنے والی ہے میری بیوی ہے۔ ابونا نملہ نے کہا کیا مجھے سونگھنے کی اجازت ہے۔ کعب نے کہا ہاں ابونا نملہ نے اپنا ہاتھ کعب کے سر کے بالوں میں ڈالا پھر اپنے ہاتھ کو سونگھا اور کہا آج کی رات کی طرح میں نے کبھی کوئی خوشبو نہیں سونگھی۔

کعب حسین اور گھوگر یا لے بالوں والا شخص تھا، مشک کو پانی میں گھس کر اور عنبر ملا کر دونوں کپٹیوں پر گوند کی طرح جمالیا کرتا تھا ابونا نملہ کچھ دیر اور چلتے رہے پھر لوٹ کر وہی عمل کیا جو پہلے کیا تھا یہاں تک کہ کعب کو پورا مطمئن کر دیا اور ابونا نملہ کا ہاتھ کعب کے بالوں میں پھرنے لگا آخر کار لوٹ کر اس کے سر کی ٹیٹیں پکڑ لیں اور خوب قابو میں لے کر اپنے ساتھیوں سے کہا دشمن خدا کو مارو۔ فوراً تلواریں چلیں مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا محمد بن مسلمہ کا بیان ہے کہ مجھے ایک خنجر یاد آیا جو تلوار (کی نیام) میں میں نے رکھا تھا فوراً میں نے وہ خنجر ہاتھ میں لے لیا دشمن خدا نے ایک زور کی چیخ ماری۔ چیخ کے ساتھ ہی ہمارے گرد گرد جتنی گڑھیاں تھیں سب پر آگ روشن کر دی گئیں میں نے خنجر اس کے پیٹ میں گھونپ دیا اور خنجر پر دباؤ ڈال کر پیڑوں کی ہڈی تک پہنچا دیا اور اللہ کا دشمن گر پڑا۔

ابن سعد کی روایت میں آیا ہے کہ ابو عبس نے کعب کے پہلو میں برچھا مارا پھر ان لوگوں نے اس کا سر کاٹ لیا۔ حارث بن اوس بن معاذ کے سر پر ہماری ہی کسی تلوار سے چوٹ آگئی تھی ہم سپرہ دار یہودیوں کے ڈر سے وہاں سے نکل کر تیزی سے بھاگے مگر ہمارا سا تھی حارث بن اوس سر کی چوٹ اور خون نکل جانے کی وجہ سے پیچھے رہ گیا اور اس نے ساتھیوں کو پکار کر کہا رسول اللہ ﷺ سے میرا سلام کہہ دینا۔ آواز سن کر لوگ اس کی طرف مڑے اور اٹھالائے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے چل دیئے آخر رات میں بقیع غرقہ پر پہنچ کر سب نے تکبیر کی رسول اللہ ﷺ اس وقت کھڑے نماز پڑھ

رہے تھے یثیع میں تکبیر کی آواز سن کر رسول اللہ ﷺ کو مسجد کے دروازہ پر کھڑا پایا۔ حضور ﷺ نے فرمایا چرے بامراد ہوں آنے والوں نے کہلار رسول اللہ ﷺ آپ کا چہرہ بھی بامراد ہو۔ آنے والوں نے حضور ﷺ کے سامنے کعب کا سر ڈال دیا آپ نے اس کے قتل پر اللہ کا شکر کیا۔ لوگوں نے اپنے ساتھی حارثؓ کو پیش کیا۔ حضور ﷺ نے ان کے زخم پر تھکارا جس کی وجہ سے پھر زخم نے تکلیف نہیں دی اور لوگ اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

صبح کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو یہودی مرد تمہارے ہاتھ لگے اس کو قتل کر دو۔ شعیبہؓ ایک یہودی تاجر تھا جس کا مسلمانوں سے اختلاط تھا اور مسلمانوں سے خرید و فروخت کرتا تھا۔ حبیبہ بن مسعودؓ نے اس کو قتل کر دیا۔ حبیبہ کا ایک بڑا بھائی خویصہ تھا اور اس وقت تک مسلمان نہیں ہوا تھا۔ خویصہ نے حبیبہؓ کو مارا اور کہا اللہ کے دشمن تو نے اس کو قتل کر دیا۔ حالانکہ خدا کی قسم تیرے پیٹ کے اندر جتنی چربی ہے اس کا بیشتر حصہ اسی کے مال سے پیدا ہوا ہے۔ حبیبہؓ نے کہا خدا کی قسم جس نے مجھے اس کے قتل کا حکم دیا تھا اگر وہ مجھے تیرے قتل کرنے کا حکم دیتا تو میں تیری بھی گردن مار دیتا۔ خویصہؓ نے کہا کہ اگر محمد ﷺ تجھے میرے قتل کا حکم دیدیں تو مجھے بھی تو قتل کر دے گا۔ حبیبہؓ نے کہا ہاں۔ خویصہؓ نے کہا جس دین نے تجھے اس حد تک پہنچا دیا۔ خدا کی قسم وہ تو عجب دین ہے اس کے بعد خویصہؓ بھی مسلمان ہو گیا۔ کعب کے قتل کے بعد یہودی ڈر گئے پھر ان کے بڑے لوگوں میں سے کسی نے گردن نہیں اٹھائی اور کچھ نہ بولے ان کو اندیشہ ہو گیا کہ ابن اشرف کی طرح کہیں ان کو بھی رات کو قتل نہ کر دیا جائے۔

ابن سعدؓ کا بیان ہے کہ یہودی خوف زدہ ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر انہوں نے کہا ہمارے سردار کو نامعلوم طور پر قتل کر دیا گیا، رسول اللہ ﷺ نے ان سے کعب کی حرکتوں کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ وہ کس کس طرح سے بھڑکا تا اور رسول اللہ ﷺ سے لڑنے کی ترغیب دیتا اور حضور ﷺ کو دکھ پہنچاتا تھا اس کے بعد ان کو دعوت دی کہ رسول اللہ ﷺ کے اور ان کے درمیان ایک صلح نامہ لکھ دیا جائے چنانچہ صلح نامہ لکھا گیا اور وہ تحریر حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے پاس رہی۔ مسئلہ :- اس قصہ سے امام شافعیؒ نے استدلال کیا ہے کہ اگر کوئی کافر رسول اللہ ﷺ کو گالی دے یا آپ ﷺ کی توہین کرے یا آپ کو دکھ پہنچائے تو اس کو قتل کر دینا جائز ہے، خواہ وہ معاہدہ بہرہ غیر معاہدہ۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا اگر معاہدہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دے تو اس کو قتل کرنا ناجائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دینا کفر ہے اور کفر سے معاہدہ کی شکست نہیں ہوتی (معاہدہ تو پہلے سے ہی کافر ہوتا ہے) رہا ابن اشرف کا قتل تو اس کی وجہ جواز یہ تھی کہ اس نے خود عہد شکنی کی تھی مکہ کو جا کر مشرکوں کو رسول اللہ ﷺ سے لڑنے پر ابھارا تھا حالانکہ اس سے معاہدہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف کسی کی مدد نہیں کرے گا مگر اس نے اس کے خلاف کیا۔

مسئلہ :- اس قتل کو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابونا نملہ کی غداری کہنا جائز نہیں ایک شخص نے حضرت علیؓ کی مجلس میں ایسا کہا تھا تو آپ نے اس کی گردن مار دی تھی۔ غداری تو لمان دینے کے بعد ہو سکتی ہے مگر حضرت محمد بن مسلمہؓ اور آپ کے ساتھیوں نے تو کعب کو لمان نہیں دی تھی صرف بیع اور رہن کی گفتگو کی تھی یہاں تک کہ اس پر قابو پایا۔

فائدہ :- صحیح روایت میں آیا ہے کہ کعب سے گفتگو کرنے والے حضرت محمد بن مسلمہؓ تھے لیکن اکثر اہل مغازی نے لکھا ہے کہ گفتگو کرنے والے حضرت ابونا نملہؓ تھے دونوں روایتوں میں تطبیق کیلئے کہا جاسکتا ہے کہ دونوں حضرات نے گفتگو کی۔

وَلَنْ تَصْبِرُوا

اور اگر تم آزمائشوں پر صبر نہ کرو گے۔

وَتَشْقُوا

اور اللہ کے حکم کی مخالفت سے بچتے نہ ہو گے۔

فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَذَابِ الْمُؤْمِنِينَ ۝

تو یہ صبر و تقویٰ تاکیدی احکام میں سے ہے۔ عزم مصدر بمعنی اسم

مفعول ہے یعنی ان امور میں سے ہے جن پر عزم واجب ہے یا ان امور میں سے ہے جن کا اللہ نے تاکیدی حکم دیا ہے۔ عزم کا

اصل معنی ہے کسی چیز پر رائے کا جم جانا۔ عطاء نے منہ پر انصاف کا ترجمہ کیا ہے حقیقت ایمان۔ میں کہتا ہوں کہ صبر سے مراد ہے آزمائشوں کے وقت بے قرار نہ ہو جانا اور فرمانبردار رہنا اور (مصابہ نازلہ پر) اعتراض نہ کرنا لیکن اگر کفار مسلمانوں کو ایذا دیں تو انتقام لینا صبر کے معنی نہیں ہے جیسے ابن اشرف کے قصہ سے واضح ہو رہا ہے۔ واللہ اعلم

وَإِذَا أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ
سے وعدہ لیا تھا یعنی توریت کے اندر علماء اہل کتاب سے وعدہ لیا تھا۔

لَتَبَيِّنَنَّ لِلنَّاسِ
کہ لوگوں کے سامنے اس کتاب (کے احکام) کو کھول کر بیان کرنا۔

وَلَا تَكْتُمُونَهُ
اور اس (کے احکام اور بیانات) کو پوشیدہ نہ رکھنا۔

فَنَبِّئْهُمْ وَسَاءَ ظُهُورُهُمْ
پھر انہوں نے کتاب کو پس پشت پھینک دیا یعنی اس پر عمل چھوڑ دیا اور توریت کے اندر جو اوصاف محمدی کا بیان تھا اس کو پوشیدہ رکھا۔

وَاسْتَرَوْا بِهِ
اور اس کے (اخفاء کے) عوض انہوں نے لیا۔

ثَمَنًا قَلِيلًا
حقیر معاوضہ یعنی کچھ کھانے کی چیزیں اور رشوتیں۔

فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿۵﴾
پس بری ہے وہ چیز جو وہ (حق کو چھپانے کے) معاوضہ میں لے رہے ہیں یعنی جو چیز وہ اپنے لئے پسند کر رہے ہیں وہ بری ہے۔ قنادہ نے کہا اللہ نے یہ عہد علماء سے لیا تھا کہ جو شخص کچھ جانتا ہو وہ دوسروں کو بتائے، چھپا کر نہ رکھے۔ اخفاء علم موجب ہلاکت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا تھا کہ میں جو کچھ تم سے بیان کروں اس کو نہ چھپانا، پھر آپ نے آیت وَاِذَا اخَذَ اللّٰهُ مِثَاقَ الَّذِيْنَ اٰتٰوْا الْكِتٰبَ، تلاوت کی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رلوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کسی شخص سے کوئی ایسی علم کی بات پوچھی جائے جس کو وہ جانتا ہو اور وہ چھپائے رکھے تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی، رواہ احمد الحاکم بسند صحیح۔ ابن ماجہ نے یہ حدیث حضرت انسؓ کی روایت سے نقل کی ہے۔

بنوئی نے لکھا ہے کہ حسن بن عمارہؓ نے بیان کیا کہ میں زہری کے پاس اس زمانہ میں گیا جب انہوں نے حدیث بیان کرنا چھوڑ دیا تھا میں نے ان کو دروازہ پر پایا اور کہا اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھ سے کوئی حدیث بیان کریں بولے کیا تم کو معلوم نہیں کہ میں نے حدیث بیان کرنی چھوڑ دی ہے میں نے کہا تو آپ بیان کریں یا پھر میں آپ سے ایک حدیث بیان کروں، بولے تم بیان کرو میں نے کہا مجھ سے حکم بن عیینہ نے یحییٰ جزاز کے حوالے سے بیان کیا، جزاز نے کہا کہ میں نے حضرت علیؓ بن ابی طالب سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ اللہ نے جاہلوں سے علم سیکھنے کا عہد اس وقت تک نہیں لیا جب تک علماء سے علم سکھانے کا وعدہ نہ لے لیا، پھر زہری نے مجھ سے چالیس حدیثیں بیان کیں۔ ثعلبی نے اپنی تفسیر میں یہ حدیث حارث کی سند سے ابو اسامہ کی روایت سے لکھی ہے اور مسند الفردوس میں حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ سے یہ حدیث مرفوعاً منقول ہے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا وَيُجِبُونَ أَنَّ إِلَهُهُمُ اللَّهُ وَابِلًا لَّهُمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ
مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۵﴾

جو لوگ اپنے (بد) کردار پر خوش ہوتے ہیں اور جو (اچھے) کام نہیں کئے، چاہتے ہیں کہ ان پر ان کی تعریف کی جائے سو تم ہرگز مت خیال کرنا کہ ایسے لوگ خصوصی عذاب سے بچے رہیں گے، (وہ نہیں بچیں گے) اور ان کو دکھ کا عذاب ہوگا۔ مَا آتَوْا سے مراد ہے لوگوں کو گمراہ کرنا، فریب کاری کرنا، حق کو چھپانا، یا عام گناہ مراد ہیں۔ مَا لَمْ يَفْعَلُوا سے مراد ہے کہ عہد کو پورا کرنا، حق کو ظاہر کرنا سچی خبر دینا اور دوسری نیکیاں، بد کرداری پر خوش ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کی بد کرداری تکذیب نبوت کی مددگار تھی۔

ممکن ہے کہ اَلَّذِينَ يَفْرَحُونَ سے مراد وہ منافق ہوں جنہوں نے واقع میں دل سے تو اطاعت نہیں کی مگر دکھاوٹ کے لئے طاعت کا اظہار کرتے تھے اور باوجود یہ کہ زاید اور اللہ کے فرمانبردار نہ تھے مگر اس بات سے خوش ہوتے اور خواہش کرتے کہ ان کے زید و اطاعت کی تعریف کی جائے اول لَا تَحْسَبَنَّ سے خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے اس کا پہلا مفعول اَلَّذِينَ اور دوسرا مفعول بِمَقَازَةٍ ہے اور دوسرا لَا تَحْسَبَنَّ پہلے لَا تَحْسَبَنَّ کی تاکید ہے اور جو فاعل اور اول مفعول پہلے لَا تَحْسَبَنَّ کا ہے وہی اس کا ہے۔ اَلْعَذَابُ سے مراد ہے دنیا میں رسوائی، مذمت اور عدم قبول اور عَذَابُ الْآخِرَةِ سے مراد ہے آخرت کا عذاب۔ شیخین وغیرہ نے حمید بن عبد الرحمن بن عوف کے طریق سے اور بغوی نے بخاری کے طریق سے بروایت علقمہ بن وقاص بیان کیا کہ مردان نے اپنے دربان سے کہا جا کر ابن عباسؓ سے دریافت کرو کہ جب ہم میں سے ہر شخص اپنے کئے پر خوش اور ناکردہ نیکی پر تعریف کئے جانے کو پسند کرتا ہے اور ایسے شخص کو عذاب دیا جانا یقینی ہے تو کیا پھر ہم سب کو عذاب دیا جائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تمہارا اس آیت سے کیا تعلق، اس کا واقعہ تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کو طلب فرمایا اور کوئی بات پوچھی یہودیوں نے اصل بات چھپالی اور کوئی دوسری بات بتائی اور رسول اللہ ﷺ پر ظاہر یہ کیا کہ آپ نے جو کچھ دریافت کیا تھا ہم نے وہی بتلایا اور اس فعل پر انہوں نے مستحق تعریف بننا چاہا، لیکن اپنی جگہ پر وہ اس امر سے خوش تھے کہ ہم نے وہ بات چھپالی جو رسول اللہ ﷺ نے دریافت کی تھی اس بیان کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے آیت وَاِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ..... بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا تِلْكَ تِلْكَ تِلْكَ کی۔

شیخین نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ کچھ منافق ایسے تھے کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی جہاد پر جاتے تھے تو وہ رہ جاتے تھے جہاد پر نہیں جاتے تھے اور اپنے بیٹھ رہنے سے خوش ہوتے تھے لیکن جب حضور ﷺ واپس آتے تھے تو یہ لوگ قسمیں کھا کر معذرت پیش کرتے تھے اور ناکردہ نیکی پر تعریف کے خواستگار ہوتے تھے اس پر آیت لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوْا النَّارَ نَازِلٍ ہوتی۔

عبد نے اپنی تفسیر میں زید بن اسلمؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت رافع بن خدیج اور حضرت زید بن ثابتؓ مر دان کے پاس موجود تھے۔ مردانؓ نے حضرت رافعؓ سے پوچھا کہ آیت لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوْا النَّارَ نَازِلٍ کس بابت نازل ہوئی تھی حضرت رافعؓ نے فرمایا کچھ منافق ایسے تھے کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی جہاد پر جاتے تو وہ عذر معذرت کر کے ساتھ نہیں جاتے تھے اور کہتے تھے ہم تو دل سے چاہتے تھے کہ آپ ﷺ لوگوں کے ساتھ ہوتے مگر خاص مجبوری کی وجہ سے رکنا پڑ گیا، انہی منافقوں کے متعلق اس آیت کا نزول ہوا، حضرت رافعؓ کا یہ کلام سن کر معلوم ہوتا تھا مردان کو اطمینان نہیں ہوا حضرت رافعؓ نے گفتگو کا رخ بدل کر حضرت زید بن ثابتؓ سے کہا میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں کیا آپ کو اس کا علم ہے حضرت زیدؓ نے فرمایا ہاں (ایسا ہی ہے) حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح دی جاسکتی ہے کہ آیت کا نزول دونوں گروہوں (یہود اور منافقین) کے حق میں ہوا یعنی دونوں واقعات ایک ہی زمانہ میں ہوئے اور آیت کا نزول دونوں کے متعلق ہوا۔ فراء نے بیان کیا ہے کہ یہودی کہتے تھے ہماری کتاب پہلے ہے۔ ہم اہل الصلوٰۃ اور اہل طاعت ہیں لیکن اس کے باوجود وہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا اقرار نہیں کرتے تھے اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن ابی حاتم نے مختلف طریقوں سے تابعین کی ایک جماعت کی روایت سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے اور ابن جریر نے اسی کو ترجیح بھی دی ہے، ہو سکتا ہے کہ اس واقعہ کے متعلق بھی یہ آیت نازل ہوئی ہو کوئی وجہ مانع نہیں، بغوی نے عکرمہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آیت کا نزول فحاض اور اشیع اور دوسرے علماء یہود کے متعلق ہوا جو لوگوں کو گمراہ کرنے اور علماء کہلانے سے خوش ہوتے تھے باوجود یہ کہ علماء نہیں تھے۔ مجاہدؒ نے کہا یہودی خوش ہوتے تھے کہ اللہ نے آل ابراہیمؑ کو مراتب عطا فرمائے حالانکہ وہ خود اس سے بے بہرہ تھے (حضرت ابراہیمؑ کے پیروں تھے)۔

قادہ اور مقاتلؓ نے کہا کہ خیبر کے یہودیوں نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر کہا ہم آپ کو پہچانتے ہیں اور تصدیق

کرتے ہیں (کہ آپ نبی موعود ہیں) اور ہم تمہارے (یعنی مسلمانوں کے) خیال سے متفق ہیں اور تمہارے مددگار ہیں مگر یہ باتیں (وہ صرف زبان سے کہتے تھے) ان کے دلوں میں نہیں تھیں جب حضور ﷺ کے پاس سے اٹھ کر باہر آئے تو مسلمانوں نے ان سے کہا تم نے خوب کہا ایسا ہی کرنا، غرض مسلمانوں نے ان کی تعریف کی اور ان کیلئے دعا کی اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

وَلَيْتَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
اور اللہ ہی کی ہے حکومت آسمانوں کی اور زمین کی، یعنی بارش، رزق اور زمین کی روئیدگی کے خزانے اللہ ہی کے اختیار میں ہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جیسا چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔
وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ
اور اللہ ہر چیز پر قابو رکھتا ہے پس ان کو سزا دینے کی بھی اس کو قدرت ہے، اس آیت میں یہودیوں کے قول ان اللہ فقیر کی تردید ہے۔

طبرانی اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے کہ قریش یہودیوں کے پاس گئے اور ان سے پوچھا موسیٰ کیا معجزات لے کر آئے تھے، یہودیوں نے جواب دیا، عصا اور ید بیضاء۔ پھر عیسائیوں کے پاس گئے اور ان سے پوچھا عیسیٰ کی کیا کیفیت تھی عیسائیوں نے کہا وہ مادرزاد اندھوں اور برص کی بیماری والوں کو تندرست اور مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ کوہ صفا کو ہمارے لئے سونے کا بنادے، حضور ﷺ نے دعا کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
پیشک آسمانوں کی اور زمین کی اور ان کے درمیانی کائنات کی تخلیق میں جو عجائب قدرت ہیں اور باوجود یہ کہ ذات ممکن مقتضی وجود نہیں (کیونکہ ذات امکان کی نسبت وجود عدم دونوں سے برابر ہوتی ہے) پھر بھی اللہ نے ماہیات ممکنات پر فیضان وجود کیا (اور نیست سے ہست کیا)۔

وَ اٰخِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ
اور رات دن کے تعاقب اور تربیت کے ساتھ پر حکمت آمد و رفت میں۔
لَا یَیْـُٔوْنَ
خالق کی ہستی کمال علمی، ہمہ گیری، قدرت اور ارادہ حکمت کے ثبوت کی کھلی ہوئی دلیلیں موجود ہیں۔
اَلْاُولٰٓئِیْ اَلْاَلْبَابِ
ان لوگوں کے (جاننے اور ماننے کے) لئے جن کی دانش و فہم توہمات کی آمیزش سے پاک اور شیطانی وسوسوں سے منزہ ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا افسوس ہے اس پر جو یہ (آیت) پڑھتا ہے اور اس پر غور نہیں کرتا، آخر جہ ابن حبان فی صحیحہ۔

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ (ایک رات) میں رسول اللہ ﷺ کے گھر سو گیا میں نے دیکھا کہ رات کو رسول اللہ ﷺ نے بیدار ہو کر مسواک کی، وضو کیا اور آیت ان فی خلق السموات والارض آخر سورت تک پڑھی، پھر کھڑے ہو کر دو رکعت نماز پڑھی جس میں قیام رکوع اور سجود طویل کیا پھر واپس آکر سو گئے کہ سانس کی آواز آنے لگی پھر اسی طرح حضور ﷺ نے تین بار کیا، اس طرح چھ رکعتیں پڑھیں اور ہر مرتبہ مسواک بھی کی اور وضو بھی کیا اور ان آیات کی بھی تلاوت کی پھر تین و تر پڑھے، رواہ مسلم۔

اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قَلِيْمًا وَّ تَعُوْذًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ
جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے بیٹھے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے۔ یہ اولی الالباب کی صفت ہے کیونکہ ذکر، فکر، تسبیح، استغفار، دعا، تضرع اور ایمان عقلی کا تقاضا ہے جو ان صفات سے متصف نہیں وہ جانور ہے بلکہ جو پایوں سے بھی زیادہ گمراہ کیونکہ چوپائے بھی کسی نہ کسی طرح تسبیح میں مشغول رہتے ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، نخعی اور قتادہ کے نزدیک اس آیت میں آیت سے مراد نماز ہے، کھڑے ہو کر نماز پڑھے، کھڑا نہ ہو سکے تو بیٹھ کر پڑھے، بیٹھ نہ سکے تو کروٹ سے لیٹ کر پڑھے، اسی آیت کی ہم مراد سورہ نساء

کی یہ آیت ہے، فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَادْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ۔
حضرت عمران بن حصینؓ نے فرمایا مجھے بوا سیر بھی میں نے رسول اللہ ﷺ سے مریض کی نماز کے متعلق پوچھا، حضور ﷺ نے فرمایا کھڑا ہو کر نماز پڑھ، کھڑا نہ ہو سکتا ہو تو بیٹھ کر (پڑھ) اور بیٹھ بھی نہ سکتا ہو تو پہلو پر لیٹ کر (پڑھ) (آخر جہ البخاری) و اصحاب السنن الاربعہ۔ نسائی نے حدیث کے آخر میں اتنا زائد نقل کیا ہے کہ اگر (کروٹ سے لیٹ کر) نہ پڑھ سکے تو چت لیٹ کر (پڑھ) اللہ کسی کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مریض کھڑے ہو کر نماز پڑھے اگر (کھڑا) ہو سکے نہ ایسا کر سکے تو بیٹھ کر پڑھے پس اگر سجدہ نہ کر سکتا ہو تو اشارہ کرے اور سجدہ کا اشارہ رکوع سے زیادہ جھکا ہوا کرے اگر (بیٹھنے کی بھی) استطاعت نہ ہو تو دائیں کروٹ سے لیٹ کر قبلہ کی طرف منہ کر کے پڑھے اگر دائیں پہلو پر لیٹ نہ سکے تو چت لیٹ کر پاؤں کو قبلہ کی جانب کر کے پڑھے، رواہ دارقطنی لیکن اس حدیث کے راویوں میں ایک شخص حسین بن زید ہے جس کو ابن الدینی نے ضعیف کہا ہے ایک اور راوی حسن بن مغری بھی ہے جو متردک ہے اسی بنیاد پر امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مریض اگر کھڑا ہونے سے عاجز ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے، بیٹھنے سے بھی عاجز ہو تو دائیں کروٹ سے لیٹ کر قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے، اگر کروٹ سے لیٹنے سے بھی عاجز ہو تو چت لیٹ کر پاؤں کا رخ کعبہ کی طرف کر کے پڑھے تاکہ اس کے رکوع اور سجود کا اشارہ قبلہ کی طرف ہو سکے۔

امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے مگر ان دونوں بزرگوں کا امام شافعیؒ سے اتنا اختلاف ہے کہ (امام شافعیؒ کے نزدیک) چت لیٹنے کی اجازت اس وقت ہے جب دائیں کروٹ سے نہ لیٹ سکتا ہو لیکن ان دونوں کے نزدیک اگر کروٹ سے لیٹ بھی سکتا ہو تب بھی چت لیٹ کر نماز پڑھنا درست ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا اگر بیٹھ نہ سکتا ہو تو چت لیٹ کر کعبہ کی طرف پاؤں کر کے پڑھے اور چت نہ لیٹ سکتا ہو تو کروٹ سے لیٹ کر پڑھے، امام ابو حنیفہؒ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ آیت اور سورۃ نساء والی آیت کوئی بھی صلوٰۃ مریض کے متعلق نہیں ہے، بلکہ عام اہل تفسیر کے نزدیک آیت کی مراد یہ ہے کہ ہر وقت اور ہر حالت میں اللہ کی یاد کی جائے کیونکہ عموماً انسان کی یہی تین حالتیں ہوتی ہیں یا کھڑا ہو تا ہے یا بیٹھتا ہے یا لیٹتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص جنت کے باغوں کی سیر پسند کرتا ہو اس کو اللہ کا ذکر بہت کرنا چاہئے، رواہ ابن ابی شیبہ والطبرانی من حدیث معاذؓ۔

اور اگر ہم مان بھی لیں کہ آیت کا نزول صلوٰۃ مریض کے متعلق ہے تب بھی چت لیٹ کر نماز پڑھنے کی نفی اس سے نہیں نکلتی اور شافعیؒ نے جو ترتیب بیان کی ہے آیت اس پر دلالت نہیں کرتی، رہی حضرت عمران بن حصینؓ والی حدیث تو ابن ہمام (صاحب فتح القدیر) نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت عمرانؓ کو بوا سیر تھی آپ چت لیٹ ہی نہ سکتے تھے اسی لئے حدیث میں چت لیٹنے کا ذکر نہیں ہے، ہاں نسائی نے حدیث کے آخر میں جو زیادتی نقل کی ہے اگر وہ صحیح ثابت ہو جائے تو شافعیؒ کیلئے دلیل ہو سکتی ہے، باقی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث تو وہ (روایت) ضعیف ہے اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ امام ابو حنیفہؒ نے جو چت لیٹنے کو کروٹ سے لیٹنے سے ترتیب میں پہلے ذکر کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ (امام صاحبؒ کے نزدیک) نماز میں رکوع سجود کی اہمیت زیادہ ہے اس لئے امام صاحبؒ نے فرمایا کہ جو شخص رکوع سجود نہ کر سکتا ہو مگر کھڑا ہو سکتا ہو اس کے لئے بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنا افضل ہے کیونکہ بیٹھ کر اشارہ کرنا سجدہ سے قریب پہنچا دیتا ہے (اور کھڑے رہ کر اشارہ کرنے سے سجدہ سے دوری رہتی ہے) لیکن جمہور کا قول اس کے خلاف ہے (اگر قیام کی قدرت ہے تو جمہور کے نزدیک بیٹھ کر نماز صحیح نہ ہوگی سجدہ سے قرب و بعد کی اتنی اہمیت نہیں کہ قیام کا حکم ساقط ہو جائے) اور چت لیٹ کر اشارہ کرنے سے جبکہ

۱۔ سورۃ نساء کی یہ آیت مذکورہ آیت کے ہم معنی اگر قرار دی جائے تو اس آیت کا ترجمہ اس طرح ہو گا جب نماز ادا کرنے کا ارادہ کرو تو کھڑے بیٹھے اور پہلو کے بل لیٹے اللہ کی یاد کرو یعنی نماز پڑھو لیکن آیت کا مشہور مطلب یہ ہے کہ جب تم نماز پڑھ چو تو اللہ کا ذکر ہر طرح کرو، کھڑے بیٹھے لیٹے کوئی وقت یا خدا سے خالی نہ رہنا چاہئے، واللہ اعلم۔

پاؤں قبلہ کی طرف ہوں اشارہ کعبہ کی طرف ہو گا لیکن کروٹ سے لیٹ کر خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے اشارہ کرنے سے اشارہ کعبہ کی طرف نہ ہو گا قدموں کی طرف ہو گا۔ لہذا کروٹ سے لیٹنے سے چپت لیٹ کر پڑھنا بہتر ہے۔

امام مالکؒ امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک رکوع سجود کی اہمیت قیام سے زیادہ نہیں (اگر کان صلوٰۃ ہونے میں سب برابر ہیں) اس لئے جو کھڑا ہو سکتا ہو اس کی نماز بیٹھ کر صحیح نہیں خواہ رکوع سجود نہ کر سکتا ہو بلکہ کھڑا ہو کر اشارہ سے نماز پڑھنا لازم ہے، رہا چپت لیٹنا تو یہ خیال غلط ہے کہ اس کا منہ کعبہ کی طرف ہو گا عام طور پر اس کا منہ آسمان کی طرف ہوتا ہے ہاں کروٹ سے لیٹ کر عموماً اس کا رخ قدموں کی طرف نہیں ہوتا کعبہ کی طرف ہوتا ہے اور آیت فَوَلَّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ میں اسی کا حکم دیا گیا ہے۔

وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
اور اندرتوں پر جو ان کے اندر اور درمیانی کائنات میں ہیں غور کرتے ہیں، تاکہ ان سے خالق، قادر، علیم، حکیم، وحدہ لا شریک کی ہستی پر استدلال کر سکیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (آیات قدرت پر) غور کرنے کے برابر کوئی عبادت نہیں، آخر جبہ البیہقی فی شعب الایمان وابن حبان فی الصغفاء، بیہقی اور ابن حبان دونوں نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک شخص اپنے بستر پر چپت لیٹا ہوا تھا اوپر کو منہ تھا، اچانک اس کی نظر آسمان اور ستاروں پر پڑی تو اس نے کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ تیرا ایک مالک اور خالق ہے اے اللہ مجھے بخش دے اللہ نے اس کی طرف (رحمت کی) نظر فرمائی اور بخش دیا۔ رواہ ابوالشیخ ابن حبان والکلبی۔

(اہل منطق کے نزدیک) فکر کا معنی ہے نامعلوم چیز کو جاننے کے لئے معلوم چیزوں کو (دماغ کے اندر مناسب) ترتیب دینا۔ قاموس میں ہے کہ کسی چیز (کو جاننے) کے لئے غور سے کام لینا فکر ہے۔ جوہری نے صحاح میں لکھا ہے، فکر وہ قوت جو معلوم تک پہنچنے کے لئے علم کا راستہ بتاتی ہے اور تفکر کا معنی ہے قوت فکر کی حرکت جو عقلی نظر کے موافق ہو اور یہ صرف انسان کی خصوصیت ہے دوسرے حیوان تفکر سے محروم ہیں (کیونکہ کسی حیوان کو قوت عقلیہ نہیں ملی حیوان کے پاس صرف حس ہے) تفکر کا تعلق صرف انہی چیزوں سے ہوتا ہے جن کی صورت دماغ میں آنا ممکن ہو اسی لئے روایت میں آیا ہے کہ اللہ کی نعمتوں پر غور کرو، اللہ کی ذات میں غور نہ کرو، کیونکہ اللہ کی ذات ہر صورت سے پاک ہے۔

بعض علماء کا قول ہے کہ لفظ فکر، لفظ فرک کا مقلوب ہے (فرک کا معنی ہے تراشنا، چھیلنا، رگڑنا) مگر فکر کا استعمال معانی میں ہوتا ہے یعنی معانی کو چھیلنا، کھودنا، رگڑنا، تاکہ ان کی حقیقت تک رسائی ہو جائے (تفکر ہے) اتنی کلام الجوہری، میں کہتا ہوں حدیث میں آیا ہے کہ ہر شے میں غور و خوض کرو مگر اللہ کی ذات میں غور نہ کرو کیونکہ ساتویں آسمان سے اللہ کی کرسی تک سات ہزار نور ہیں اور اللہ اس سے بھی بالا ہے، رواہ ابوالشیخ فی العظمتہ عن ابن عباسؓ۔

حضرت ابن عباسؓ کی دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں خلق میں غور کرو خالق (کی ذات) میں غور نہ کرو کیونکہ تم اس کا اندازہ کر نہیں سکتے، حضرت ابو ذرؓ کی روایت بایں الفاظ ہے کہ اللہ کی خلق میں غور کرو اللہ (کی ذات) میں غور نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے کہ اللہ کی مخلوق میں غور کرو اللہ (کی ذات) میں غور نہ کرو، طبرانی نے الاوسط میں اور ابوالشیخ نے اور ابن عدیؒ نے اور بیہقی نے ضعیف سند سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ اللہ کی نعمتوں میں غور کرو، اللہ میں غور نہ کرو۔

ان تمام احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کی ذات میں غور کرنا منع ہے، صرف افعال خدا، صفات خدا اور اسماء خدا پر غور کیا جاسکتا ہے اس سے یہ بات بھی سامنے آجاتی ہے کہ اسماء اور صفات کی آمیزش کے بغیر (اور تمام صفات سے قطع نظر کر کے) تنہا خالص ذات کا علم حصولی (یعنی علم تصوری) ناممکن ہے بلکہ حضرت مجدد قدس سرہ نے تو فرمایا ہے کہ مرتبہ ذات سے تو علم

حضور کی تعلق بھی محال ہے کیونکہ علم حضوری کی حرکت تو عالم کی جانب سے ہوتی ہے یعنی مرتبہ اتحاد و عینیت کی طرف ہوتی ہے۔ (مراد یہ ہے کہ علم حضوری بواسطہ صورت نہیں ہوتا مبدء انکشاف نفس ذات معلوم ہوتی ہے اس لئے علم حضوری کی حقیقت عالم کی ذات کے علاوہ کچھ اور نہیں ہوتی) پس اس سے کفر حقیقت لازم آتا ہے اللہ ہمارے نفس سے بھی زیادہ ہم سے قریب ہے (شدت قرب نے ہی اس کو ہمارے لئے نامعلوم بنا دیا ہے) پس وہ وراء الوراء ہے پھر وراء الوراء ہے پھر وراء الوراء ہے مگر اس کا وراء الوراء (پردہ در پردہ) ہونا بعد کی جانب نہیں (ایسا نہیں کہ انتہائی دوری کی وجہ سے وہ مستور ہو) بلکہ قرب کی جانب ہے (یعنی انتہائی قرب کی وجہ سے وہ مجہول غیر مرئی غیر معقول اور محفی ہے) لہذا مرتبہ ذات میں اس کی ذات کا علم حضوری بھی ناممکن ہے۔ بعض صوفیہ کو جو علم لدنی بسیط (بے کیف بے مقدار بے صورت اور بے حضور) ہر وقت حاصل رہتا ہے اور اس کے علم کا تعلق ذات خالص سے ہوتا ہے وہ علم نہ حصولی ہوتا ہے نہ حضوری، معلوم نہیں اس کی کیا حقیقت اور کیا کیفیت ہوتی ہے اس پر تفکر کا حقیقی اطلاق درست نہیں ہاں مجاز اس کو تفکر کہا جاسکتا ہے جیسا کہ بعض صوفیہ کے کلام میں آیا ہے، شریعت میں اس کی تعبیر لفظ ذکر سے کی گئی ہے، حدیث میں جو آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کہتے تھے، اس سے مراد وہی مرتبہ علمی ہے جو نہ حصولی ہے نہ حضوری، ذکر لسانی مراد نہیں ہے کیونکہ ہر وقت ہمیشہ زبانی ذکر ناممکن ہے۔

چونکہ دوام ذکر ہی اصل مقصد ہے اور اس کا مرتبہ بہت اونچا ہے اور تفکر ہی ایک ایسا طریقہ ہے جو ذکر تک پہنچاتا ہے اس لئے اللہ نے سب سے پہلے اولیٰ الالباب کی صفت دوام ذکر کو قرار دیا اور اس کے بعد تفکر کا ذکر کیا جو علم (ذکر) تک پہنچاتا ہے اور ذکر کے لئے ایسا ہے جیسے کسی چیز کا سایہ پس کھڑے بیٹھے اور کروٹ کے بل ذکر کرنے سے مراد ہے ہر حال میں ہر وقت ذکر کرنا اس کے بعد فرمایا وَتَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ اس کے علاوہ فکر سے پہلے ذکر کو بیان کرنے سے اس امر پر تنبیہ بھی ہوتی ہے کہ عقل تنہا کوئی صحیح حکم اور فیصلہ نہیں کر سکتی جب تک نور ذکر اور ہدایت الہی سے ضیاء چمیں نہ ہو (یعنی تفکر سے پہلے نور ذکر کی ضرورت ہے تنہا تفکر کرنے والے تو بہت ہیں مگر ذکر کی روشنی سے چونکہ وہ نور چمیں نہیں اس لئے علم ذات سے محروم ہیں)۔

وَلَقَدْ بَنَّا مَآخِلَ هَذَا بَاطِلًا وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب تو نے اس کو بیکار بے حقیقت محض کھیل کے لئے نہیں بنایا، یعنی وہ یہ بات کہتے ہوئے غور کرتے ہیں، باطل حق کی ضد ہوتا ہے (قاموس) حق کا اطلاق تین معانی پر ہوتا ہے، ۱۔ وہ موجود جس کا وجود اصلی ہو خود بخود ہو وہ اپنے وجود اور تحقق بلکہ کسی چیز میں دوسرے کا محتاج نہ ہو، بایں معنی حق صرف اللہ ہے، ۲۔ وہ موجود جس کا وجود محض وہی تراشیدہ، اور خیالی نہ ہو بلکہ ذہن سے باہر واقع میں بھی ہو خواہ وہ اپنے تحقق میں موجود حق بمعنی اول سے خوشہ چمیں ہو (جیسے آسمان زمین ہوا پانی انسان حیوان نباتات وغیرہ)، ۳۔ وہ موجود جس کا وجود پر حکمت، پر مصلحت اور مفید ہو بے کار، بے فائدہ، بے حکمت اور بیہودہ نہ ہو۔

حق کے یہ تین معانی ہیں اور ہر معنی کے مقابل لفظ باطل آتا ہے اول معنی کے اعتبار سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ سب سے اچھا قول لیبید (بن ربیعہ) کا یہ قول ہے اَلْاَكْلُ شَيْءٌ مَّا خَلَا اللّٰهُ بَاطِلٌ آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے (یعنی اپنے وجود و لوازم وجود اور ہر وصف میں محتاج ہے کسی چیز کا وجود اصلی اور خود بخود نہیں ہے) باطل کا دوسرا معنی بھی شعر میں مراد ہو سکتا ہے یعنی اللہ کے سوا ہر معبود کی معبودیت وہی زائیدہ اور خیالی تراشیدہ ہے، واقعی نہیں۔ تیسرے معنی کے لحاظ سے باطل کا اطلاق شیطان پر ہوتا ہے اللہ نے فرمایا لَا يَاتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ اس کے آگے پیچھے (کسی طرف) سے شیطان نہیں آتا۔

آیت رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا میں بَاطِلًا بمعنی دوئم اور بمعنی سوئم مراد ہو سکتا ہے اگر باطل بمعنی دوئم مراد ہو تو مطلب یہ ہو گا کہ یہ آسمان و زمین بے حقیقت نہیں ان کا وجود واقعی خارجی ہے محض خیال دوئم نہیں۔ اہل حق (اشاعرہ) نے صانع کے وجود کو ثابت کرنے کے لئے اسی مسئلہ کو اساس قرار دیا ہے اور صراحت کی ہے کہ حقائق اشیاء (یعنی کائنات اراضی و

سمادی کی حقیقتیں) ثابت ہیں (صرف وہم کی آفریدہ اور خیال کی تراشیدہ نہیں ہے) اور ان کا علم واقعی ہے (محض فرضی اور اختراعی نہیں ہے) ہاں سونسطائیہ کا قول اس کے خلاف ہے (ان کے نزدیک سارا عالم ایک فریب اور وہم ہے کسی چیز کی کوئی واقعی حقیقت اور خارجی وجود نہیں) اس آیت میں اہل حق کے قول کی صراحت ہے۔ اور اگر آیت میں باطل بمعنی سوم مراد ہو تو آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ اے رب تو نے اس کو بیکار اور محض کھیل نہیں بنایا بلکہ اس کی تخلیق میں تیری حکمت عظیمہ کار فرما ہے اس کا وجود تیری معرفت کی دلیل اور تیری شکر و طاعت کا موجب ہے۔

ما خلقت هذا میں اشارہ آسمان اور زمین کی طرف ہے۔ اسم اشارہ مذکر اس لئے لایا گیا کہ آسمان و زمین کے مجموعہ سے مراد ہے ان کا وجود جس پر اولی الالباب غور کرتے ہیں یا اس لئے کہ ان کا مجموعہ مخلوق ہے یا اشارہ خلق کی طرف ہے اور خلق بمعنی مخلوق ہے یا خلق بمعنی تخلیق ہے (پیدا کرنا) یہ بھی ممکن ہے کہ آسمان و زمین کے ہر جز کی پیدائش کی طرف اشارہ ہو۔
سُبْحَنَكَ تو پاک ہے یعنی تو ہزل (عذاب کرنے اور محض کھیل) سے پاک ہے کیونکہ ہزل ایک قبیح فعل ہے۔ یہ جملہ حالیہ ہے لیکن اگر باطل بمعنی اول لیا جائے تو جملہ معترضہ ہو گا۔

فَقِنَّا عَذَابَ النَّارِ ۝۹۱ پس ہم کو بچا دوزخ کے عذاب سے یعنی اگر ہمارے تفکر اور غور میں کوئی خرابی ہو جائے اور ہم غور و فکر کا تقاضا پورا نہ کر سکیں (اور عذاب کے مستحق قرار پائیں) تو ہم کو عذاب سے محفوظ رکھ فقینا کی فا (جو) تفریع کے لئے ہے بتا رہی ہے کہ کائنات کی پیدائش (جو وجود صانع پر استدلال کرنے اور شکر و طاعت بجالانے کے لئے ہے) کا تقاضا ہے کہ فرمان بردار کو ثواب اور نافرمان کو عذاب ہو اور تخلیق ارض و سماء کے باطل اور بیکار نہ ہونے کا علم چاہتا ہے کہ ثواب کی امید اور عذاب کا خوف ہوا لہذا ضروری ہے کہ عذاب سے بچنے کی درخواست اور ثواب کی طلب کی جائے اور چونکہ دفع مضرت کی اہمیت حصول منفعت سے زیادہ ہوتی ہے اس لئے عذاب سے بچاؤ کا ذکر حصول ثواب سے پہلے کیا جائے اور رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلٰی رُسُلِكَ کا ذکر فقینا عذاب النار کے بعد کیا جائے۔ بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ نغشائیں فاجزائے ہے اصل کلام اس طرح تھا۔ جب ہم تیری پامانی کے مقرر ہیں تو تو ہم کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

رَبَّنَا اِنَّكَ مَنْ تَدْخِلُ النَّارَ فَقَدْ اُخْزِيتُهُ ۝۹۲ اے ہمارے رب تو نے جس کو دوزخ میں داخل کیا تو بس اس کو رسوا ہی کر دیا۔ بار بار رَبَّنَا کا ذکر (چند وجوہ سے کیا گیا ہے) تضرع اور زاری میں زور پیدا کرنے کے لئے۔ ہر مقصد کو مستقل حیثیت میں ظاہر کرنے کے لئے ہر مطلب کی بلندی شان ظاہر کرنے کے لئے وصف ربوبیت پر پورا پورا اعتماد پیدا کرنے کے لئے اور اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرنے کے لئے قنواہ اس پر غالب آیا اس کو اس کی خواہش سے روک دیا یا غنوا (سبح) مصیبت میں پڑ گیا، اَخْزَاهُ اللّٰهُ (افعال) اللہ نے اس کو رسوا کر دیا (قاموس)۔

وَمَا لِلظَّالِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝۹۳ اور ظالموں کا کوئی ساتھی نہیں۔ بجائے ضمیر کے لفظ ظالمین کہنے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ظلم کی وجہ سے ہی وہ دوزخ میں جائیں گے۔ نصرت کا معنی ہے قوت سے دفع کرنا، قہار کے مقابلہ میں طاقت سے دفع کرنے کا تصور ہی نہیں ہو سکتا ورنہ قہار کا عاجز ہونا لازم آئے گا اور عاجز ہونا صفت ربوبیت کے منافی ہے لیکن اس سے شفاعت کی نفی نہیں ہوتی (کیونکہ شفاعت سے دفع مصیبت قوت کے ساتھ نہیں ہوتا)

ایک شبہ :- اللہ نے فرمایا ہے یَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُ اللّٰهُ نَبِيْ كُوْا وَاِنْ لَوْ كُوْا لَكُنْ لَكُمْ اٰیٰتٌ كَثِيْرَةٌ ۝۹۴ اللہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص دوزخ میں جائے گا اس کو رسوا کر دیا (نتیجہ یہ نکلا کہ بعض مؤمن رسوا ہو گئے) دونوں آیتوں کے تضاد کو دور کرنے کی کیا صورت ہو گی۔

ازالہ :- ہم کہتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص دوزخ میں جائے گا جب تک وہ دوزخ میں رہے گا اس کی رسوائی ہو گی۔ یا جن مؤمنوں کو رسوا نہ کرنے کا وعدہ فرمایا ہے ان سے کامل مؤمن مراد ہیں (معاہ کا لفظ اس کا قرینہ ہے۔ مترجم) حضرت انس اور قتادہ نے مَنْ تَدْخِلُ النَّارَ کا ترجمہ کیا ہے جس کو تو دوزخ میں ہمیشہ رکھے۔ سعید بن منصور نے کہا

اس آیت (میں رسوا نہ کرنے) کا حکم ان لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو کبھی دوزخ سے نہیں نکلیں گے۔ حضرت جابرؓ نے فرمایا مؤمن کو رسوا کرنے سے مراد ہے ادب آموزی، رسوائی کا درجہ اس سے اونچا ہے۔

رَبَّنَا آتِنَا سَمْعَنَا مَنَادِيًا اے ہمارے رب ہم نے ایک ندا دینے والے سے سنا۔ حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابن عباسؓ اور اکثر علماء کے نزدیک منادی سے مراد ہیں رسول اللہ ﷺ قرطبیؒ نے کہا قرآن مراد ہے کیونکہ ہر شخص کی ملاقات تو رسول اللہ ﷺ سے نہیں ہو سکتی۔ میں کہتا ہوں رسول اللہ ﷺ کا متواتر فرمان سننا ہی ایسا ہے جیسے کسی نے خود حضور ﷺ سے سنا (یعنی رو در رو ہو کر سننا جس طرح مفید یقین ہوتا ہے اسی طرح اگر کوئی فرمان تواتر کے ساتھ کسی کے پاس پہنچے تو وہ بھی خود زبان مبارک سے سننے کی طرح مفید یقین ہے) پکارنے والے کو سنا۔ فرمایا، پکارنے والے کے قول کو سنا نہیں فرمایا کیوں؟ سننے کی قوت، بتانے کے لئے، پہلے مُنَادِيًا کو نکرہ ذکر کیا۔ منادی کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے پھر اس کی ندا کو ایمان کے ساتھ مقید کیا منادی اور ندا کی مزید عظمت بیان کرنے کے لئے کیونکہ ایمان کے لئے پکارنے والے سے زیادہ باعظمت منادی اور ندائے ایمانی سے بڑھ کر کوئی ندا ممکن نہیں۔

يُنَادِي لِلْإِيمَانِ جو پکار رہا تھا ایمان لانے کیلئے، مادۂ نداء کے بعد ائی بھی آتا ہے کیونکہ ندا کے مفہوم میں پہنچنے کا مفہوم شامل ہے اور لفظ نداء کے بعد لام بھی آتا ہے کیونکہ لام خصوصیت کو ظاہر کرتا ہے اور مقصود ندائے مخصوص ہوتا ہے۔ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ۔ اَنْ مفسرہ ہے نداء کے اندر قول کا معنی ہوتا ہے (یعنی وہ ایمان کے لئے پکار کر کہہ رہا تھا کہ) يٰ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔

فَاٰمَنُوْا سو ہم اس پر ایمان لائے۔ فقط دعوت ایمان پر ایمان لانا بتا رہا ہے کہ ایمان کی بناء (عقلی دلیلوں پر نہیں ہے بلکہ) صرف شارع کی طرف سے دیئے ہوئے حکم پر ہے اس آیت سے شیخ ابو منصور ماتریدی نے استدلال کیا ہے کہ ایمان میں استثناء باطل ہے (یعنی یہ کہنا غلط ہے کہ میں انشاء اللہ مؤمن ہوں) بلکہ اس طرح کہنا واجب ہے کہ میں یقینی مؤمن ہوں۔ رَبَّنَا فَاعْفُ رَعْنَا ذُنُوْبَنَا اے ہمارے رب پھر معاف کر دے ہمارے کبیرہ گناہ۔ فاعْفُ رَعْنَا میں فاء سبیت کی ہے (یعنی فاء سے پہلا کلام بعد والے کلام کا سبب ہے) کیونکہ ایمان سبب مغفرت ہے مغفرت بغیر ایمان کے نہیں ہو سکتی۔

وَكُفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا اور ہماری بدکاریاں (یعنی صغیرہ گناہ) ہم سے دور کر دے کُفِّرْ باب تفحیل سے امر ہے اور باب تفحیل فعل کی کثرت کو ظاہر کرتا ہے صغیرہ گناہ بکثرت ہوتے ہیں اس لئے درخواست بھی بار بار معاف کرنے کی کی۔ یعنی بار بار ہماری برائیوں پر پردہ ڈال۔

وَكُوْنُوْا مَعَ الْاَبْرَارِ اور نیکوں (کے گروہ) میں شامل کر کے ہمیں موت دے۔ اَبْرَار جمع ہے بُرَّيَا بَارٌّ کی مراد ہیں، سچے اور بکثرت نیکی کرنے والے اور بہت بھلائی والے لوگ۔ اپنے آپ کو نیکوں میں شامل کرنے کی دعا کی اور خود نیک ہونے کا اظہار نہیں کیا محض عاجزی اور خضوع اور انکسار نفس کی وجہ سے کیونکہ خضوع ہی اللہ کو محبوب ہے۔ نیکوں کے ساتھ موت دینے کا معنی یہ نہیں ہے کہ نیکوں کی موت کے وقت ہماری موت ہو ایسی دعا علاوہ غیر مفید ہونے کے عاثر ناممکن بھی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہم کو ان کے زمرہ میں داخل کر کے اور نیک بنا کے موت دے۔

ایک شبہ :- یہ تو موت کی دعا اور تمنا ہے اور موت کی دعا سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا جیسے سورہ بقرہ کی آیت فَمَتْنُوْا الْمَوْتَ اَنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔

ازالہ :- مسئلہ کی تحقیق ہم کر چکے ہیں کہ موت کی تمنا اور دعا کسی مالی نقصان یا جسمانی دکھ سے تنگ آکر ناجائز ہے مطلقاً ناجائز نہیں ہے اس کے علاوہ اس آیت سے مراد موت کی دعا نہیں ہے بلکہ مرتے دم تک نیکی اور صلاح عمل پر قائم رکھنے کی دعا مقصود ہے کہ موت آئے تو صلاح و نیکی کی حالت میں آئے، فوری موت کی طلب کا اظہار مقصود ہی نہیں ہے جیسے آیت وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ میں غیر اسلامی حالت پر مرنے کی ممانعت کرنا نہیں ہے موت (کسی حالت میں ہو) انسان

کے بس میں ہی نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ تمہاری زندگی کی ہر حالت اسلامی ہو اور ہر وقت تم مسلمان رہو تاکہ جب بھی موت آئے تو اسلام پر آئے۔

اے ہمارے پروردگار اور ہم کو عطا کر جو تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے یعنی ثواب جنت۔

اپنا دیدار اور مرتبہ قرب آخرت میں اور دشمنوں پر فتح دینا میں۔

اپنے پیغمبروں پر ایمان لانے کے بدلہ میں پاپ اپنے پیغمبروں کی زبانی کئے ہوئے وعدہ پر۔ یا یہ مطلب کہ پیغمبروں پر جو وعدہ تو نے نازل کیا تھا وہ عطا فرما۔ یا یہ مطلب کہ اپنے پیغمبروں کے ساتھ ہم کو بھی دے اور ہم کو بھی اپنی داد و دہش میں ان کا شریک بنا دے۔ اس صورت میں علی کا معنی ہوگا مع۔ اس درخواست معیت کے اظہار سے مقصود ہے حق رسالت کو ادا کرنا اور پیغمبروں کی شرکت کی برکت سے اپنے لئے فضل کو بڑھانا۔

اٰتِنَا وَوَعَدَتَنَا میں جمع متکلم کی ضمیر سے مراد ہے مسلمانوں کا گروہ یعنی تمام صالحین سے جو تو نے وعدہ کیا وہ عطا فرما۔ ایک شبہ :- کیا اہل ایمان کو اللہ کی طرف سے وعدہ خلافی کا کچھ اندیشہ تھا کہ دعا میں ایفاء وعدہ کی درخواست کی۔ ازالہ :- نہیں ایسا نہیں بلکہ یہ دعا اس اندیشہ کی وجہ سے ہے کہ کہیں سائل کا شمار ان لوگوں میں نہ ہو جائے جن کو برے انجام کی وعید سنائی گئی ہے یا اس غرض سے ایسی دعا کر رہا ہے کہ اس کو اپنے ایمان اور طاعت میں کچھ قصور نظر آ رہا ہے یا یوں کہو کہ یہ دعا محض تعبدی اور اظہار عجز کے لئے ہے، ورنہ ہوگا وہی جو اللہ کو منظور ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جیسا چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ الفاظ دعا کے جس مگر معنی خبر کے مراد ہیں یعنی اے رب بلاشبہ جو تو نے پیغمبروں کی معرفت ہم سے فضل و رحمت کا وعدہ کیا وہ ہم کو ضرور دے گا۔ بعض علماء نے کہا دعا سے مراد ہے ایفاء وعدہ کی تعبیل یعنی یہ تو ہم جانتے ہیں کہ جس فتح کا تو نے وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا کرے گا اس کے خلاف نہیں کرے گا لیکن ہم کو تیرے حکم کی برداشت نہیں اب جلد ان کو رسوا اور ہم کو ان پر فتح فرمادے۔

وَلَا تُخْزِنَا اور ہم کو رسوا نہ کر یعنی ہم کو دوزخ میں داخل نہ کر۔

يَوْمَ الْقِيَامَةِ قیامت کے دن جس دن جب یکدم سب لوگ قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ رسوا نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ ایسے اعمال کے ارتکاب سے بچا جن کے نتیجہ میں قیامت کے دن ہم کو رسوا ہو اور ہم کو بخش دے اور ہمارے قصوروں پر پردہ ڈال دے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ بندہ کو اپنے قریب بلو کر اس پر اینٹا ہاتھ رکھے گا اور مخلوق سے چھپا کر اس کے سامنے اس کا اعمال نامہ لا کر فرمائے گا اپنا اعمال نامہ پڑھ۔ حسب الحکم بندہ پڑھے گا اور نیکی کو لکھا دیکھ کر اس کا چہرہ چمک جائے گا اور دل خوش ہوگا اللہ فرمائے گا میرے بندے کیا تو اس کو پہچانتا ہے، بندہ عرض کرے گا ہاں پروردگار پہچانتا ہوں اللہ فرمائے گا میں نے تیری نیکی قبول کی بندہ فوراً سجدہ میں گر پڑے گا اللہ فرمائے گا اپنا سر اٹھا اور اپنے اعمال نامہ کو (اور آگے) پڑھ۔ حسب الحکم بندہ پڑھے گا اور بدی لکھی دیکھ کر اس کا چہرہ سیاہ اور دل خوف زدہ ہو جائے گا۔ اللہ فرمائے گا میرے بندے کیا تو اس کو پہچانتا ہے بندہ عرض کرے گا، ہاں میرے رب پہچانتا ہوں اللہ فرمائے گا میں تجھ سے زیادہ اس کو جانتا ہوں مگر میں نے تجھے یہ گناہ معاف کیا۔ اسی طرح بندہ پڑھتا جائے گا نیکی کو پڑھے گا اور اللہ کی طرف سے قبول ہونے کا فرمان سن کر سجدہ کرے گا اور بدی کو پڑھے گا اور معافی کا حکم سن کر سجدہ کرے گا مگر مخلوق کو (کچھ معلوم نہ ہوگا کہ واقعہ کیا گزر رہا ہے فقط) اس کا سجدہ کرنا دکھائی دے گا اس لئے بعض لوگ آپس میں چپکے چپکے کہیں گے بشارت ہو اس بندہ کو جس نے سبھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی کسی کو

۱۔ القیامت کی تفسیر یکدم اٹھ کھڑے ہونے سے کرنے میں اس طرح اشارہ ہے کہ القیامت میں تادم وحدت کی ہے یعنی ایک قیام کا دن اور دو دن مقرر رہے یوں تو ہر شخص کا مرنا بھی اس کے لئے قیامت ہے اور ایسی قیامت کی تعداد اموات کے مطابق ہے مگر یہاں ایک مخصوص دن مراد ہے جو سب لوگوں لئے ایک ہی ہوگا یعنی قبروں کے نکلنے سے حساب کتاب اور فیصلہ کے بعد جنت اور دوزخ میں داخلہ تک کا وقت ۱۲۔

معلوم نہ ہو گا کہ اللہ کا اور اس کا کیا معاملہ گزرا۔ رواہ عبد اللہ بن احمد فی الزوائد و آخرج البیہقی عن ابی موسیٰ نخوع۔ حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے صحیحین میں بھی ایسی ہی حدیث آئی ہے۔

اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ﴿۵۰﴾ اس میں شبہ نہیں کہ تو وعدہ کے خلاف نہیں کرے گا یعنی مومن کو ثواب دے گا اور دعا کرنے والے کی دعا قبول فرمائے گا۔ گذشتہ دعا میں اتنا ما وعدتنا سے چونکہ وہم ہو سکتا ہے کہ شاید دعا کرنے والے کے نزدیک اللہ کی وعدہ خلافی کا احتمال ہے اس لئے انک لا تخلف الميعاد کہہ کر اس وہم کو دور کر دیا۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ استجاب اور اجاب بعض علماء کے نزدیک ہم معنی ہیں لیکن بیضاوی نے لکھا ہے استجاب، اجاب سے خاص ہے استجاب کا معنی ہے دعا کو قبول کیا۔ یہ بغیر حرف جار کے مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے اور لام کے ذریعہ سے بھی (پس استجاب لهم اور استجابهم دونوں طرح کننا درست ہے)۔

آتِي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّمَّنْ ذُكِّرُوا وَانْتُذِرُوا بایں طور یا یہ کہتے ہوئے ان کی دعا قبول کی کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا کوئی عمل اکارت نہیں کروں گا، کرنے والا مرد ہو یا عورت۔ حضرت ام سلمہؓ میں سن رہی ہوں کہ ہجرت میں اللہ مردوں کا ذکر فرماتا ہے عورتوں کا کوئی تذکرہ نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ آخر جہ الحاکم و صحیحہ والترندی وابن ابی حاتم و عبد الرزاق و سعید بن منصور۔

بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ تمہارے بعض بعض سے ہیں۔ کبھی نے کہا یعنی دین میں باہم مدد کرنے میں اور آپس کی دوستی میں، بعض نے کہا نسب اور انسانیت میں ایک کا دوسرے سے ہونا مراد ہے کیونکہ سب آدم و حوا کی اولاد ہیں ہر مرد بھی عورت کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے (یابا شفاء آدم و حوا) اور ہر عورت بھی مرد کی پشت سے پیدا ہوتی ہے۔ پس عورتوں کو بھی اعمال کا ثواب اسی طرح ملے گا جس طرح مردوں کو عام عمل کرنے والوں سے جو وعدہ کیا ہے اس میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی شرکت ظاہر کرنے کے لئے یہ جملہ معترضہ بیان کیا، اس سے آگے بعض عمل کرنے والوں کے بعض اعمال کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے مستقل طور پر فرماتا۔

فَاَکْذِبْنَ مَا حَدَّوْنَ وَأُخْرِجُوْنَ مِّنْ دِيَارِهِمْ وَأُوَدُّوا فِي سَبِيلِي چھوڑے اور اپنی بستیوں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ان کو دکھ دیئے گئے۔ میری راہ سے مراد ہے میری طاعت اور میرے دین کی راہ میں یا مجھ پر ایمان لانے کی وجہ سے اور میرے سبب سے۔

وَقَتْلُوا وَتُقْتَلُوا اور لڑے اور مارے گئے۔ مِثْلُ مِثْلِهِمْ میں ضرور ضرور مردوں کا ان سے ان کے گناہ یعنی ان کے گناہ منادوں کا اور مغفرت کر دوں گا۔

وَلَا دُخَانَ لَّهُمْ جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ اور ان کو ضرور ضرور ایسی جنتوں میں داخل کروں گا جن کے درختوں کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔

ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ اللہ کی طرف سے ثواب کے طور پر۔ میر نے کہا ثواباً مفعول مطلق تاکید ہے فعل محذوف ہے یعنی لانیسہم ثواباً میں ان کو ضرور بالضرور یقیناً ثواب عطا کروں گا۔ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ ثواباً جنت سے حال قرار دیا جائے یعنی جنات بطور ثواب دی جائیں گی۔ شاید من عند اللہ ثواب کہنے سے یہ مراد ہو کہ جنات سے بڑھ کر کوئی اور ثواب محض خدا وادان کو ملے گا (اس وقت ثواباً حال نہ ہو گا بلکہ فعل محذوف کا مفعول ہو گا کیونکہ یہ ثواب جنات سے غیر ہو گا یہ ثواب

لہ تم میں سے یعنی اے اہل ایمان تمہارا کوئی عمل ضائع نہیں کروں گا، یہ قید اس لئے لگائی کہ کافروں کا کوئی عمل قبول نہیں تمام نیکیاں اکارت جائیں گی بغیر ایمان کے ہر نیک بیکار ہے ۱۲۰۔

جنات کے علاوہ اللہ کی طرف سے محض عطا ہوگی اور یہ ثواب ان کے اعمال کی جزا ہوگا مگر ہوگا اللہ کی مہربانی سے۔

وَاللَّهُ عِنْدَكَ ۖ
حُسْنُ الثَّوَابِ ۝۴۱

اچھا ثواب۔ حُسن سے مراد حَسَن ہے (اور صفت کی اضافت موصوف کی جانب ہے) یا سب سے اچھا ثواب مراد ہے جس پر کوئی قدرت نہ رکھتا ہو۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے قرب کے بکثرت درجات ہیں اور اس کا قرب تمام جنات اور جنات کی نعمتوں سے بہتر ہے۔

بلغوی نے لکھا ہے کہ شرک بڑی راحت و آسائش میں تھے تجارت کرتے اور آرام سے رہتے تھے بعض مسلمانوں نے کہا دیکھو اللہ کے دشمن کیسے اچھے حال میں ہیں اور ادھر ہم ہیں کہ (بادجوہ مؤمن ہونے کے) دکھ اور تنگ حالی میں مبتلا ہیں اس پر آیت نازل ہوئی۔

لَا يَغْنَصُكَ ۖ
تم کو دھوکے میں نہ ڈالے۔ خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے اور مراد امت ہے (کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو تو کافروں کا عیش فریب دے ہی نہ سکتا تھا) یا مخاطب عام ہے کوئی ہو۔

تَقْلُبُ الْدِّينَ كَفَرًا فِي الْبِلَادِ ۝
ان کافروں کا ملک میں گھومنا، پھرنا شہروں شہروں میں گھومنا یعنی تجارت اور کمائی کے لئے ملک میں چلنا پھرنا (اور کمائی کر کے مزے اڑانا) کافروں کا گھومنا پھرنا مسلمانوں کی فریب خوردگی کا سبب تھا اس فریب خوردگی کی ممانعت فرمائی مراد یہ ہے کہ کافروں کی فراخ حالی پر نظر نہ کرو اور ان کی ظاہری وسعت معاشی سے فریب خوردہ نہ ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی فاجر (کی راحت اور اچھی حالت دیکھ کر اس) پر رشک نہ کرو تم کو نہیں معلوم کہ مرنے کے بعد اس کے سامنے کیا آئے گا اللہ کے نزدیک اس کے لئے ایک ایسا مار ڈالنے والا متعین ہے جو (خود) کبھی نہیں مرے گا یعنی دوزخ۔ رواہ ابیغوی فی شرح السنہ۔

مَتَاعٌ قَلِيلٌ ۖ
یہ تھوڑا اور حقیر سامان ہے یا اس کے لئے تھوڑا اور بے مقدار سامان ہے کیونکہ اس عیش کی مدت کم ہے پھر اس کی مقدار تھوڑی بھی ہے اور حقیر بھی۔ حضرت مسور بن شداد راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا آخرت کے مقابلہ میں دنیا ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی انگلی سمندر میں ڈال کر نکال لے پھر اپنی انگلی کو دیکھے کہ اس پر کتنی (تری لگ کر) لوٹی ہے۔ رواہ مسلم۔

ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَيُثَسِّسُ الْمُهَادَّ ۝
پھر آخر میں ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور جہنم بری چیز ہے۔

لٰكِنَّ الدِّينَ اَتَقْوَا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا
لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرے انہی کے لئے ہوں گی جنتیں جن کے درختوں کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان جنتوں میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اہل نحو کے نزدیک لکن کا استعمال استدراک کے لئے ہوتا ہے یعنی گزشتہ کلام سے جو مقصود کے خلاف وہم پیدا ہو سکتا ہے اس کو دفع کرنے کے لئے لکن سے دوسرا کلام شروع کیا جاتا ہے یہاں بھی یہ وہم پیدا ہوتا تھا کہ جب دنیا میں آسائش کے ساتھ رہنے والوں کی متاع قلیل ہے تو اہل تقویٰ کی متاع اس سے بھی قلیل ہوگی کیونکہ وہ تو دیسے ہی لذتوں سے دست کش ہو چکے ہیں اس وہم کو دور کرنے کے لئے اللہ نے فرمایا کہ جن متقیوں نے دنیا میں ایسی کمائی کر لی جو آخرت کی نعمتوں کے حصول کا وسیلہ اور ذریعہ ہے تو حقیقت میں انہوں نے ہی دنیا سے ایسا بیش بہا فائدہ اٹھالیا کہ اس سے زیادہ ہو ہی نہیں سکتا۔ علماء معانی کے نزدیک لکن کا استعمال مخاطب کے خیال کو رد کرنے کے لئے ہوتا ہے اس صورت میں کافروں کے اس خیال کا رد ہو جائے گا کہ ہم ہی دنیا میں لذت اندوز اور بہرہ یاب ہیں اور مسلمان سراسر گھمٹے میں ہیں۔

نَزَّلَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ
یہ اللہ کی طرف سے (خصوصی) مہمانی ہوگی۔ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ، نَزَّلَا کی صفت ہے۔

نزل مہمانی کا وہ سامان جو کسی آنے والے مہمان کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ نزلا کا لفظ اہل تقویٰ کے مرتبہ کی بلندی کو ظاہر کر رہا ہے کہ اللہ نے ان کو اپنا مہمان بنایا اور کریم میزبان اپنی استعداد و قدرت کے مطابق بہترین ضیافتی سامان مہمان کے لئے مہیا کر تا ہے۔ (پس اللہ اپنے مہمانوں کے لئے اپنی لامحدود قدرت اور محیط کل کرم کے موافق سامان ضیافت پیش فرمائے گا) نزلا جنات سے حال ہے یا مفعول مطلق تاکید اور فعل محذوف ہے یا مفعول بہ دوئم اور فعل مع مفعول اول کے محذوف ہے یعنی جعل ذلک نزلا یا تمیز ہے۔

وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ اور جو چیز اللہ کے پاس ہے یعنی ثواب اور قرب کے درجات اور رضادر حمت۔

وہ دنیا کے مال و متاع سے بہتر ہے یا ہر چیز سے بہتر ہے۔

لِلْآبَرِ ۝ نیکوں کے لئے لہم نہیں فرمایا بلکہ لفظ ابرار کی صراحت کی۔ ان لوگوں کی تعریف اور ان کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے (کہ وہ نیک ہیں)۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں بالاخانہ پر خدمت گرامی میں حاضر ہوا میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ایک گھڑی چٹائی پر استراحت فرما ہیں۔ سر کے نیچے چڑے کا تکیہ تھا جس میں پوست کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے قدموں کے پاس کچھ پکا چڑا تہ کیا رکھا تھا سر ہانے پچی کھال لٹک رہی تھی اور چٹائی کے نشان پہلو مبارک پر پڑ گئے تھے میں یہ دیکھ کر رونے لگا فرمایا کس وجہ سے روتے ہو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کسریٰ اور قیصر اس (عیش کی) حالت میں ہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں (اور اس تنگ حالی میں ہیں) فرمایا کیا تم اس پر رضامند نہیں کہ ان کے لئے دنیا ہو اور ہمارے لئے آخرت۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ دعا فرمائیے کہ اللہ آپ کی امت کو کشائش فرمادے کیونکہ اللہ نے فارس و روم والوں کو کشائش عطا فرمادی ہے حالانکہ وہ (خالص) اللہ کی عبادت بھی نہیں کرتے فرمایا اے ابن خطاب کیا تم اس خیال میں تھے کہ اس قوم کو تو اللہ نے دنیاوی زندگی میں ہی ان کی پسند کی چیزیں فوری طور پر دیدی ہیں۔ صحیحین۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو (بن عاص) راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا مؤمن کے لئے قید خانہ اور کال (کا زمانہ) ہے جب وہ دنیا کو چھوڑتا ہے تو قید خانہ اور کال (کے زمانہ) سے چھوٹتا ہے۔ رواہ البغوی فی شرح السنہ۔ حضرت قتادہ بن نعمان کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو دنیا سے اس کو بچاتا ہے جیسے تم اپنے بیمار کا پانی سے پرہیز کراتے ہو۔ احمد و الترمذی۔

وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ نسائی نے حضرت انسؓ اور ابن جریرؓ نے حضرت جابرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ جب نجاشی کی وفات کی خبر آئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کی نماز پڑھو کسی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہم ایک حبشی غلام کی نماز پڑھیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی، حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے فرمایا یہ آیت نجاشی کے متعلق نازل ہوئی، رواہ الحاکم فی المستدرک۔

بغوی نے لکھا ہے کہ جس روز نجاشی کی وفات ہوئی اسی روز حضرت جبریلؑ نے رسول اللہ ﷺ کو وفات کی اطلاع دے دی آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا (شہر سے) باہر نکل کر اپنے بھائی نجاشی کی نماز پڑھو اس کا انتقال دوسرے ملک میں ہو گیا ہے چنانچہ یثیع کو تشریف لے گئے آپ کے سامنے سے سر زمین حبش تک پردہ ہٹا دیا گیا اور نجاشی کا جنازہ آپ نے خود (آنکھوں سے) دیکھ کر نماز جنازہ پڑھی (جس میں) چار تکبیریں کہیں اور دعا مغفرت کی۔ منافق کہنے لگے ان کو تو دیکھو ایک حبشی عیسائی کافر کی نماز پڑھ رہے ہیں جو ان کے دین پر نہیں تھا۔ نہ اس کو کبھی انہوں نے دیکھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ عطاء نے کہا یہ آیت چالیس خراجیوں کے متعلق نازل ہوئی جن میں ۳۲ حبش کے رہنے والے تھے اور آٹھ رومی تھے یہ سب پہلے حضرت عیسیٰؑ کے مذہب پر تھے پھر رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئے تھے۔ ابن جریرؓ نے ابن جریرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت عبد اللہ بن سلام اور آپ کے ساتھیوں کے بارے میں ہوا مجاہدؓ نے کہا ان تمام اہل کتاب کے متعلق اس آیت کا نزول

ہو اجو ایمان لے آئے تھے۔

اہل کتاب میں سے کچھ لوگ یقیناً اللہ پر یعنی اللہ کی ذات و صفات اور اسماء پر صحیح ایمان رکھتے ہیں۔

لَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ

وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ

وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ

خُشْعِينَ لِلَّهِ

اور اس قرآن پر ایمان رکھتے ہیں جو تمہاری طرف اتارا گیا۔

اور اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ان کی طرف بھیجا گیا یعنی توریت انجیل اور زبور۔

اللہ کے سامنے عاجزی اور خضوع کرتے ہوئے خشعین، مومن سے حال ہے چونکہ مومن معنی کے

حفاظ سے جمع ہے اس لئے خشعین بھینہ جمع لایا گیا۔

اللہ کی آیات (یعنی توریت کی وہ آیات جن کے اندر رسول اللہ

لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ شَيْئًا قَلِيلًا

کے اوصاف کا بیان ہے ان کو چھپا کر اس کے عوض حقیر معاوضہ نہیں لیتے (یعنی رشوتیں لے کر ان کو نہیں چھپاتے) جیسے اللہ کے کلام کو بگاڑنے والے عماء کرتے ہیں۔

أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ

یہی لوگ ہیں جن کا خصوصی اجر ان کے رب کے پاس ہے یعنی

ان کے لئے مخصوص اجر ہے جو دوسروں سے زائد ہے جیسا کہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے اولئک یوتون اجرهم مرتبین حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین (شخص) ہیں جن کا اجر دوہرا ہے (متنوں میں سے) ایک وہ کتابی شخص ہے جو (پہلے) اپنے پیغمبر پر ایمان لایا (پھر) محمد پر بھی ایمان لایا۔ الحدیث صحیح مسلم و صحیح بخاری۔

إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝

یہ حقیقت ہے کہ اللہ جلد حساب کر لینے والا ہے کیونکہ وہ اعمال اور اعمال کے لائق جزا و سزا سے واقف ہے اور سوچنے کی اس کو ضرورت نہیں۔ روایت میں آیا ہے کہ اللہ تمام مخلوق کا حساب آدھے دن کی بقدر مدت میں طے کر دے گا اور آدھا دن بھی دنیا کے ایک دن کے آدھے کے برابر۔ آیت کا مقصود یہ ہے کہ جس اجر کا وعدہ کیا گیا ہے وہ بہت جلد ملنے والا ہے۔ سرعت حساب سے مجازاً مراد ہے جلد بدلہ دینا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا

اے ایمان والو جے رہو یعنی اپنے دین پر لوازم و نواہی کی تکلیفوں پر خواہشات نفس کی مخالفت پر اپنے رب کی محبت و طاعت پر رب کی محبت و طاعت کی وقت نہ چھوڑو نہ دکھ میں نہ سکھ میں نہ سختی میں نہ نرمی میں۔ اور جے رہو دشمنوں سے جہاد کرنے پر شداوند مصائب برداشت کرنے پر۔ جنیدؒ نے فرمایا صبر کا معنی ہے مصائب پر بغیر بے تابی کے نفس کو جمائے رکھنا۔

وَصَابِرُوا

اور شداوند جنگ پر دشمنوں سے زیادہ جے رہو کیونکہ تمہاری طرح (دشمنوں کا اور بھوک پیاس تھکان وغیرہ کا) ان کو بھی دکھ ہوتا ہے مگر (نتیجہ میں) ان کو (جزاء آخرت اور جنت کی) کوئی امید نہیں ہوتی اور تم اللہ سے امید رکھتے ہو۔ اصبروا میں عام صبر کا حکم دیا گیا ہے اور صابر وا میں خاص قسم کے صبر کا۔

جس طرح کفار کے مقابلہ میں جہاد اصغر کرنے پر صبر ہوتا ہے اسی طرح نفس کے مقابلہ میں جہاد اکبر کرنے کا حکم ہے نفس، دنیا اور دنیا کی خواہشات کی طلب میں بڑی بڑی تکلیفیں اور دکھ برداشت کرتا ہے اور کبھی ابدی نعمات جنت کو حاصل کرنے کے لئے بھی دکھ اٹھاتا ہے پس صوفی پر لازم ہے کہ ان سب سے زیادہ مولیٰ کی طلب کے لئے شداوند برداشت کرے۔

وَسَابِرُوا

اور مقابلہ کے لئے مستعد رہو۔ یعنی سرحدوں پر دشمنوں سے لڑنے کے لئے خود بھی تیار رکھو۔ یا یہ مراد ہے کہ اپنی جانوں کو اپنے دلوں کو اور اپنے بدنوں کو اللہ کے ذکر و طاعت اور مسجدوں کے اندر ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار اور ذکر کے حلقوں کے لئے تیار رکھو۔ ربط کا لغوی معنی ہے باندھنا۔ مراد سرحدوں پر گھوڑے باندھ کر رکھنا اس کے بعد ربط کے مفہوم میں مزید توسیع کی گئی اور معنی ہو گیا سرحد پر ہر مقیم کا دشمن کو دفع کرنے کیلئے مستعد رہنا خواہ اس کے پاس گھوڑا ہو یا نہ ہو۔ پھر مفہوم میں اس سے بھی زیادہ توسیع کی گئی اور معنی ہو گئے۔ ہر ٹکرائی پر لگے ہوئے آدمی کا رکاوٹوں کو دفع کرنا۔ مربوطہ (باب مفاعله) مستعدی اور

چو کسائی میں دشمن سے بڑھ جانا یعنی تم سے لڑنے کے لئے مستعد تو دشمن بھی ہوتے ہیں۔ مگر تم کو ان سے زیادہ مستعد رہنا چاہئے۔

حضرت سہل بن سعد ساعدی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی راہ (یعنی جہاد) میں سرحد پر ایک دن کی چو کسائی دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے بہتر ہے اور جنت کے اندر ایک کوڑے کی برابر تم میں سے کسی کی جگہ دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے بہتر ہے اور جو بندہ ایک شام یا ایک صبح کو راہ خدا میں نکلتا ہے وہ اس کیلئے دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے بہتر ہے، رواہ البغوی من طریق البخاری۔ اس حدیث کا پہلا حصہ یحییٰ بن جابر میں حضرت سہل کی روایت سے اور تیسرا ائمہ حضرت انسؓ کی روایت سے بھی آیا ہے۔

حضرت سلمان الخیر کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اللہ کی راہ میں ایک دن اور ایک رات کی چو کسائی سرحد پر کی اس کو حالت اقامت میں ایک ماہ کے روزوں کا ثواب ملے گا اور جو سرحد پر چو کسائی کرنے کی حالت میں مر گیا اس کے لئے (قیامت تک یہ عمل اور) اس کا جیسا اجر جاری رکھا جائے گا اور (شہیدوں کی طرح) اس کو رزق ملتا رہے گا اور وہ (قبر کے) فتنہ سے مامون رہے گا۔ رواہ البغوی۔

مسلم کی روایت کے یہ الفاظ ہیں ایک دن رات کی سرحد پر چو کسائی مہینہ بھر کے روزوں سے اور مہینہ بھر راتوں کو نماز پڑھنے سے بہتر ہے اگر اسی حالت میں مر جائے گا تو جو عمل وہ کر رہا تھا وہ (قیامت تک) جاری رہے گا اور اس کا رزق جاری رکھا جائے گا اور وہ فتنہ سے محفوظ رہے گا۔ احمد اور ابن ابی شیبہ کی حدیث کے یہ الفاظ ہیں جس نے ایک دن یا ایک رات اللہ کی راہ میں سرحد پر چو کسائی کی اس کے لئے یہ عمل ایسا ہو گا جیسے رمضان بھر کے روزے اور رات بھر کی نمازیں کہ کوئی روزہ ناغہ نہ ہو اور قضاء حاجت کے علاوہ (کسی اور کام کے لئے) نماز کو ترک نہ کرے۔

حضرت فضالہ بن عبیدر راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر میت اپنے عمل پر ختم ہو جاتی ہے۔ (یعنی ہر شخص کا عمل مرنے سے ختم ہو جاتا ہے) سوائے اس کے جو راہ خدا میں سرحد پر چو کسائی کرتا ہو امر تا ہے اس کا عمل قیامت تک بڑھتا رہے گا اور وہ قبر کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔ رواہ الترمذی و ابوداؤد۔ دارمی نے یہ حدیث حضرت عقبہ بن عامرؓ کی روایت سے نقل کی ہے۔ حضرت عثمانؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا راہ خدا میں سرحد پر ایک دن کی چو کسائی دوسرے مقامات پر ہزار دنوں (کی چوکیداری) سے بہتر ہے۔ رواہ الترمذی والنسائی

بغوی نے ابو سلمہ عبد الرحمن کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں کبھی کوئی جہاد ایسا نہیں ہوا کہ اس میں سرحد پر چو کسائی کی گئی ہو بلکہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار ہی چو کسائی تھا اور یہی آیت میں مراد ہے) اس تفسیر کا ثبوت حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ حدیث سے ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو ایسا عمل بتاؤں جس سے اللہ تو گناہوں کو مٹاتا اور درجات اونچے کرتا ہے وہ ہے پورا پورا وضو کرنا باوجود مکروہات کے (یعنی سخت سردی، برنباری وغیرہ کے وقت پورا پورا وضو کرنا) اور مسجدوں تک جانے کے لئے اپنے قدموں سے زیادہ مسافت طے کرنا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں لگا رہنا یہی تمہارا باطل ہے یہی تمہارا باطل ہے یہی تمہارا باطل ہے۔ رواہ البغوی و الترمذی و نحوہ عن ابی ہریرہؓ۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ
اور اللہ سے ڈرو۔

لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ ﴿۱۰﴾ کامیاب ہونے کی امید رکھتے ہوئے۔ فلاح کا معنی ہے نامرغوب چیز سے خلاص ہونے کے بعد محبوب چیز کو پالنا۔ لعل (شاید امید رکھو) کا لفظ اس لئے استعمال کیا کہ مال تو پوشیدہ ہے۔ میں لوگ بغیر اعمال کے امیدوں کے سہارے پر ہی نہ رہنے لگیں۔

..... سورہ آل عمران کی تلاوت کے فضائل ﴿۱۱﴾

حضرت عثمان بن عفانؓ نے فرمایا جو شخص آل عمران کا آخر حصہ کسی رات کو تلاوت کرے گا اس کے لئے قیام شب کا

ثواب لکھا جائے گا۔ (رواہ الداری) حضرت ابوامامہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ زہرا و بن یعنی بقرہ اور آل عمران کو پڑھو قیامت کے دن یہ دونوں (پڑھنے والے کے سر پر) ایسی ہوں گی جیسے دو بدلیاں یا دو سائبان یا چھائے ہوئے پرندوں کے دو جھنڈ۔ اپنے پڑھنے والوں کی یہ دونوں سورتیں حمایت کریں گی۔ رواہ مسلم۔ حضرت نواسؓ بن سمان کی روایت ہے کہ میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے قیامت کے دن قرآن اور ان قرآن والوں کو پیش کیا جائے گا جو قرآن پر عمل کرتے تھے سب سے آگے سورہ بقرہ اور آل عمران ہوں گی یہ دونوں ایسی ہوں گی جیسے دو بدلیاں یا دو سیاہ سائبان جن کے اندر روشنی کی چمک ہو یا جیسے چھائے ہوئے پرندوں کے دو جھنڈ۔ یہ دونوں سورتیں اپنے پڑھنے والے کی حمایت کریں گی۔ (رواہ مسلم) مکحول کا قول ہے جمعہ کے دن جو شخص سورت آل عمران پڑھتا ہے رات تک اس کے لئے فرشتے دعا کرتے ہیں۔ رواہ الداری۔ ۱۔

الحمد لله رب العلمين وصلی الله تعالى علی خير خلقه محمد وآله واصحابه اجمعين۔

سورہ آل عمران کی تفسیر ۹ ذیقعد بروز دو شنبہ ۱۱۹۷ھ کو ختم ہوئی اس سے آگے سورہ نساء کی تفسیر انشاء اللہ عنقریب آئے گی۔

الحمد لله و المنة له کہ سورہ آل عمران کی تفسیر مظہری کا ترجمہ ۲۹ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ کو صبح تین۔ ۵ ختم ہوا۔
فالحمد قبل له والحمد بعدله۔

۱۔ طبرانی نے ضعیف سند کے ساتھ ابن ملیک کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن وہ سورت تلاوت کرے گا جس میں آل عمران کا تذکرہ ہے غروب آفتاب تک اللہ اس پر رحمت نازل فرمائے گا اور فرشتے اس کے لئے دعاء رحمت کریں گے۔ منہ۔ (حاشیہ از مولف قدس سرہ)

اے اللہ! اے مالک ملک ہم تیری شاکرتے ہیں تو جس کو چاہتا ہے حکومت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک نکال لیتا ہے جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ تیرے ہی ہاتھ میں ہر بھلائی ہے۔ درحقیقت تو ہر چیز پر قابو رکھتا ہے۔ اے ہمارے رب پھر ہمارے کبیرہ گناہ معاف کر دے اور ہماری خطاؤں کو دور کر دے اور نیکیوں کے گروہ میں شامل کر کے ہم کو موت دے اور اپنی رحمت سلامتی اور برکت نازل فرما اپنے حبیب، پیغمبر اور ہمارے آقا اور شفیع اور سردار پر جن کا نام محمد ﷺ تھا اور وہ امی تھے لیکن تمام لوگوں کے لئے رحمت و ہدایت بنا کر ان کو بھیجا گیا تھا۔ اللہ کی رحمت و سلامتی ہو ان پر اور ان کی اولاد پر اور ان کے ساتھیوں پر سب پر۔ آمین

..... سورة النساء ﴿﴾

یہ سورۃ مدنی ہے اس میں ایک سو چھیالیس آیات ہیں۔ بیہقی نے دلائل میں مختلف طریقوں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ سورۃ نساء مدینہ میں نازل ہوئی۔ ابن منذر نے قنادہ کا قول بھی یہی نقل کیا ہے اور بخاری نے قنادہ کی روایت سے ہی یہ مقولہ بیان کیا ہے۔

| | | |
|-------------------|---------------------------------------|-------------------------|
| رَبِّكَ سُبْحَانَ | بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ | وَتَمَجِّدُ بِالْخَيْرِ |
|-------------------|---------------------------------------|-------------------------|

یَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا لِلَّهِ الْيَوْمَ نَسُفُ الدِّينَ الَّذِي كُنْتُمْ تُكْفِرُونَ
اے لوگو! جو لوگ نزول آیت کے وقت موجود تھے ان کو براہ راست خطاب ہے اور آئندہ تمام آنے والے ان کے ذیل میں مخاطب ہیں۔
اِنَّ رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجًا
اپنے رب سے ڈرو یعنی اسکے عذاب سے ڈرو جسکی (ظاہر) صورت یہ ہے کہ اس کے احکام پر چلو۔
جس نے تم کو پیدا کیا یعنی آغاز تخلیق کے زمانہ میں
ایک شخص سے یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے
اور اسی سے پیدا کیا اس کے جوڑے کو یعنی حضرت حوا کو بائیں پسلی سے۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورتیں آدم کی پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔ الحدیث صحیحین۔

ابو الشیخ نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ حوا کو آدم کی سب سے چھوٹی پسلی سے پیدا کیا گیا۔ ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے مجاہد کا قول بیان کیا ہے کہ آدم جب سو رہے تھے تو حوا کو ان سے پیدا کیا گیا پھر وہ بیدار ہوئے۔ دوسرا جملہ خلق منہا پہلے جملہ خلقکم من نفس واحدة کے مضمون کو پختہ کرنے کیلئے ذکر فرمایا۔
وَبَنَیْ مِنْهُمْ رِجَالًا کَثِیْرًا وَنِسَاءً
اور آدم و حوا سے پھیلایا، بہت مردوں اور بہت عورتوں کو یعنی جن کو خطاب کیا گیا ہے ان کے علاوہ بھی بہت مرد اور عورتیں حضرت آدم و حوا کی نسل سے اللہ نے پھیلانے لے کثیراً رجلاً کی صفت ہے اور چونکہ رجلاً سے مجموعہ مراد ہے اس لئے کثیراً بصیغہ مذکر ذکر کیا۔ مردوں کی کثرت کا ذکر کر کے عورتوں کی

۱۔ (حاشیہ از مولف قدس سرہ) ابن اسحاق اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباس کا قول بیان کیا ہے کہ آدم کے چالیس بچے ہوئے جس میں لڑکے اور بیس لڑکیاں ۱۲۔

کثرت کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں رہی مگر مراد عورتوں کی کثرت بھی ہے کیونکہ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہو اسی حکمت کا اقتضا ہے کہ ایک مرد کے لئے چار عورتیں حلال کر دیں۔

تمام لوگوں کو ایک شخص کی نسل سے پیدا کرنا بلکہ اس کی بیوی کو بھی اسی سے تخلیق فرمانا اللہ کی قدرت کاملہ پر دلالت کرتا ہے اور یہ اس کی عظیم الشان نعمت بھی ہے قدرت و احسان کا تقاضا ہے کہ اس سے خوف کیا جائے اور اس کی اطاعت کی جائے اس لئے آئندہ حکم تقویٰ کو اس آیت پر مبنی کیا اور فرمایا۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ (اور اللہ سے ڈر) (یعنی اس سے ڈرو اس لئے کہ وہ رب ہے اور اس لئے کہ اس نے تم کو عجیب طریقہ سے پیدا کیا ہے اور اس لئے کہ اس کی تمام صفات کامل ہیں اور اس لئے کہ اس کی ذات واجب الخشیۃ اور مستحق اطاعت ہے۔

اللہ نے نساء لئون بہ (جس کا واسطہ دے بہ تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، یہ تمہید ہے آئندہ دونوں حکموں کی ایک رشتہ داریوں کو جوڑے رکھنے کے حکم کی اور دوسرے حقوق العباد کو ادا کرنے کے حکم کی۔

وَأَرْحَمَ حَامِلٌ (اور رشتہ داریاں قطع کرنے سے ڈرو، الارحام کا عطف اللہ پر ہے حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، رحم عرش سے آویختہ ہے اور کہہ رہا ہے آگاہ رہو جو مجھے جوڑا رکھے اللہ اس کو (اپنے سے) جوڑا رکھے اور جو مجھے کاٹ دے اللہ اس کو (اپنے سے) کاٹ دے (یا کلام خبری ہے اس صورت میں ترجمہ اس طرح ہو گا کہ جو مجھے جوڑے رکھے گا۔ اللہ اس کو جوڑے رکھے گا اور جو مجھے کاٹے گا اللہ اس کو کاٹ دے گا، متفق علیہ۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ مخلوق کو پیدا کر چکا تو رحم نے کھڑے ہو کر اللہ کا دامن پکڑ لیا اللہ نے فرمایا، ہائیں، رحم نے عرض کیا یہ مقام اس کا ہے جو کاٹے جانے سے تیری پناہ لے رہا ہے اللہ نے فرمایا کیا تو اس پر راضی نہیں کو جو تجھے جوڑے رکھے، میں اس (سے تعلق) کو جوڑے رکھوں اور جو تجھے کاٹ دے میں اس (سے تعلق) کو کاٹ دوں، رحم نے کہا بیشک میرے رب (میں اس پر راضی ہوں) اللہ نے فرمایا تو یونہی ہو گا، صحیح بخاری و صحیح مسلم۔ ۱۰

حضرت عبد اللہ بن عمر و راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (رحم کو) جوڑنے والا وہ نہیں جو برابر بدلہ کرنے والا ہو جبکہ جوڑنے والا وہ ہے کہ اگر اس سے رشتہ منقطع کیا جائے تب بھی وہ جوڑے رکھے، رواہ البخاری، حضرت انس کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو پسند کرتا ہو کہ اس کے رزق میں کشائش کی جائے اور اس کی عمر میں برکت ہو تو اس کو صلہ رحمی کرنی چاہئے، متفق علیہ، حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے کچھ رشتہ دار ہیں میں ان سے میل کرتا ہوں وہ مجھ سے کاٹ کرتے ہیں میں ان سے بھلائی کرتا ہوں وہ مجھ سے برائی کرتے ہیں میں ان کی برداشت کرتا ہوں اور وہ مجھ پر جہالت کرتے ہیں فرمایا اگر تو ایسا ہی ہے جیسا تو نے کہا تو گویا تو ان پر خاک ڈال رہا ہے اور جب تک تو اس حالت پر قائم رہے گا اللہ کی طرف سے ایک (غیبی) مددگار تیرے ساتھ ان کے مقابلہ میں رہے گا، رواہ مسلم۔ ۱۱

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ مَقِيبًا (بیشک اللہ تمہارے احوال سے پورا پورا باخبر اور نگران ہے لہذا تم اس کی طرف سے غافل نہ ہو مقاتل اور کلبی نے بیان کیا کہ ایک غطفانی آدمی کے پاس اس کے یتیم بھتیجے کا بہت مال تھا جب یتیم بالغ ہو گیا تو اس نے چچا سے اپنا مال طلب کیا چچا نے دینے سے انکار کر دیا دونوں مقدمہ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر

۱۰۔ اس حدیث میں لفظ حقوق آیا ہے جس کا معنی ہے کمر اور ہم نے کمر پکڑنے کا لازمی اور مرادوی ترجمہ کیا ہے دامن پکڑ لینا، حضرت مفسر نے لفظ حقوق کی مندرجہ عاشر یہ تشریح کی ہے، حقوق متبند باندھنے کی جگہ مجازاً متبند کو بھی کہہ لیتے ہیں رحم نے جب رحمت اپنا شکوہ کیا تو بطور استعارہ اس کو متبند پکڑ لینے سے تعبیر کیا جیسے ایک رشتہ دار دوسرے رشتہ دار کو اور ایک عزیز دوسرے عزیز کو پکڑ لیتا ہے، حقوق کا استعمال اس جگہ مجاز و تشبیہ کے طور پر ہے، اجتہاد فی التماہی۔ (حاشیہ از مفسر قدس سرہ)

۱۱۔ ابن جریر ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے اس آیت کی تشریح میں مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ لوگ باہم کہتے ہیں میں تجھ سے اللہ اور رحم کا واسطہ ہے کہ سوال کرتا ہوں، ابراہیم اور حسن کا مقولہ بھی اسی طرح منقول ہے، (از مفسر قدس سرہ)۔

ہوئے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْيَتَامَىٰ أَمْوَالُهُمْ

اور یتیموں کو ان کا مال دے دو چچا نے جب یہ حکم سنا تو کہا ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمانبردار ہیں ہم گناہ کبیرہ سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں پھر اس نے یتیم کا مال دے دیا، حضور ﷺ نے فرمایا جو نقصانی حرص سے محفوظ رہا اور اس طرح اپنے رب کا حکم مانا وہ اللہ کے گھر میں یعنی اللہ کی جنت میں ضرور فروکش ہو گا۔ اس لڑکے نے مال وصول کرنے کے بعد اللہ کی راہ میں خیرات کر دیا، اس پر حضور ﷺ نے فرمایا اجر پکا ہو گیا اور بارہ گیا یعنی اس لڑکے کا ثواب پکا ہو گیا اور اس کے باپ پر اس مال کو کمانے کا بارہ گیا، رواہ احمدی والواحد ذکرہ لبغوی، آیت میں اداء مال کا حکم سر پرستوں کو اور ان لوگوں کو ہے جن کو میت نے وصیت کی ہو۔

یتامی یتیم کی جمع ہے یتیم وہ بچہ ہوتا ہے جس کا باپ ہونہ داوا لفظ، یتیم یتیم سے مشتق ہے جس کا معنی ہے اکیلا ہونا اسی سے درۃ یتیمۃ کہا جاتا ہے سیب میں اکیلا کہتا موتی، لفظ یتامی کی تحقیق کے سلسلہ میں بیضاوی نے لکھا ہے کہ یتیم (اگرچہ صفت مشبہ کا صیغہ ہے لیکن) اسماء کی طرح مستعمل ہے (گویا یہ موصوف کا محتاج نہیں رہا) جیسے صاحب اور فارس (باوجود اسم فاعل ہونے کے) اسماء کی طرح مستعمل ہیں اس لئے یتیم کی جمع یتائم ہے یا اور یتائم کے ہمزہ اور میم کا قلب مکانی کرنے کے بعد یتامی ہو گیا یا یوں کہا جائے کہ یتیم کی جمع یتیمی ہے جیسے اسیر کی جمع اسیری کیونکہ دونوں کے معنی کے اندر کسی نہ کسی دکھ کا مفہوم موجود ہے پھر یتیمی کی جمع یتائی ہو گئی جیسے اسرای کی جمع اسارئی۔

چونکہ یتیم کا معنی ہے اکیلا ہونا اور باپ کے مرنے کے بعد اولاد بن باپ کے رہ جاتی ہے اس لئے ازروئے لغت تو یتیم سب کو کہہ سکتے ہیں بالغ ہو یا نابالغ، لیکن عرف نے اس لفظ کی تخصیص نابالغ کے ساتھ کر دی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بلوغ کے بعد یتیمی نہیں اور دن بھر رات تک خاموش رہنا روزہ نہیں، (رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ حسن عن علیؓ) پس یہ حدیث یا تو عرفی معنی پر مبنی ہے یا شریعت کا ایک ضابطہ بیان کرنا مقصود ہے کہ بالغ ہونے کے بعد یتیمی کا حکم نہیں رہتا، آیت کا مطلب باجماع علماء یہ ہے کہ یتیموں کو ان کا مال بالغ ہونے کے بعد دے دو، آیت ولا توتوا السفہاء اموالکم بھی اسی مطلب پر دلالت کر رہی کیونکہ سفیہ (سبک سر) باوجود یہ کہ صاحب عقل اور بالغ ہوتا ہے لیکن اس آیت میں اس کے قبضہ میں مال دینے کی ممانعت کر دی لہذا یتیم جو نابالغ ہو اس کو مال نہ دینے کی ممانعت بدرجہ اولیٰ ہونی چاہئے۔

ایک شبہ :- بالغ ہونے کے بعد تو یتیم نہیں رہتا اور یتیم کو مال دینے کا حکم ہے پس بالغ ہونے کی قید کہاں سے آئی۔
ازالہ :- اصل لغت کے اعتبار سے تو یتیم کا اطلاق بالغ پر بھی ہو سکتا ہے پس اس جگہ بالغ پر اس لفظ کا اطلاق مفہوم لغوی کے اعتبار سے ہے، باطلاق مجازی ہے چونکہ بالغ ہونے کے بعد ان کی یتیمی کا دور قریب ہی گزر رہا ہے اتنا قریبی کہ قابل اعتبار قلیل مدت بھی نہیں گزری اس لئے لفظ یتامی کا اطلاق ان پر کر دیا گیا، اس صورت میں آیت میں اس امر کی ترغیب ہو گی کہ بالغ ہونے کے بعد جہاں تک ممکن ہو جلد سے جلد یتیموں کا مال دے دو۔

وَلَا تَتَّبِعُوا الْخَيْثَ بِأَلْطِيبٍ
اور تپاک کو پاک کے عوض نہ لو یعنی یتیم کے مال کو جو تمہارے لئے تپاک اور حرام ہے اپنے مال کے عوض جو تمہارے لئے پاک اور حلال ہے نہ لو، تبدل باب تفعّل سے ہے مگر استبدال یعنی باب استفعال کے معنی میں ہے اور ایسا ہونا جائز ہے۔ سعید بن جبیر، زہری اور سدی کا بیان ہے کہ یتیموں کے سر پرست کا عمدہ مال خود لے لیتے اور اس کی جگہ اپنا دی مال رکھ دیتے تھے، مولیٰ بکری لے لی اور دہلی بدلہ میں دے دی۔ کھرا درہم نکال لیا اور کھوٹا درہم ان کے مال میں رکھ دیا، وہ کہتے تھے کہ درہم کے عوض درہم ہو گیا اس آیت میں ایسا کرنے کی ممانعت کر دی گئی، مجاہد نے کہا آیت کا معنی یہ ہے کہ فوری حرام رزق کو نہ لو اور جس حلال رزق کا اللہ نے وعدہ کر لیا ہے اس کے ملنے سے پہلے حرام روزی حاصل کرنے میں عجلت نہ کرو، بعض علماء نے کہا کہ خبیث سے مراد ہے خبیث امر یعنی یتیموں کے مال کو یونہی بغیر غمداشت کے چھوڑ دینا اور طیب سے مراد ہے امر طیب یعنی یتیموں کے مال کی نگرانی رکھنا اور اصل مالک کو دینا۔

وَلَا تَكُلُوا أَمْوَالَهُم بِآلِ أَمْوَالِهِمْ
اور یتیموں کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ بعض علماء نے کہا کہ الیٰ اموالکم میں الیٰ کا معنی ہے مع ابن النذر نے قتادہ کا قول اسی طرح نقل کیا ہے۔

إِنَّهُ كَانَ حُبًّا كَبِيرًا ①
یتیموں کا مال کھانا بلاشبہ بڑا گناہ ہے، حضرت ابن عباسؓ نے یہی مطلب بیان فرمایا، حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سات تباہ کن چیزوں سے پرہیز رکھو، حضور ﷺ نے یتیم کا مال کھانے کو بھی ان سات چیزوں میں ذکر فرمایا، صحیح بخاری و صحیح مسلم۔

وَلَنْ يَخْفَظَهُ إِلَّا تَقْسِطًا فِي الْيَتَامَى
نہ کرنا، کیونکہ قسط (مثلاً مجرد) کا معنی ہے ظلم کرنا اور باب افعال کا ہمزہ سلب ماخذ (مادہ) کے لئے ہے اس لئے اقساط کا معنی ہو گیا ظلم نہ کرنا یعنی اے یتیموں کے سرپرستو! اگر تم کو اندیشہ ہو کہ جو یتیم لڑکیاں تمہاری زیر سرپرستی ہیں ان سے نکاح کرنے میں تم عدل نہ کر سکو گے اور حق تلفی کر دو گے۔

فَأَنكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ الْيَتَامَى
تو پھر یتیم لڑکیوں کے علاوہ دوسری عورتوں میں سے جو تم کو پسند ہوں ان سے نکاح کر لو یتامی کا اطلاق مرد و عورت دونوں پر آتا ہے، بخاری نے صحیح میں زہری کی روایت سے لکھا ہے کہ عروہ بن زبیر بیان کرتے تھے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا فرمایا اس سے مراد وہ یتیم ہے جو اپنے ولی کی سرپرستی میں ہوتی تھی اور ولی اس کا محرم نہ ہوتا تھا جیسے چچا کا بیٹا، ولی یتیم کے حسن و مال کو دیکھ کر سمجھ جاتا تھا اور اس سے نکاح کر لینا چاہتا تھا مگر مہر مثل سے کم دینے کا ارادہ کرتا تھا آیت میں ایسے سرپرستوں کو اپنی زیر پرورش یتیم لڑکیوں سے بغیر تکمیل مہر کے نکاح کرنے کی ممانعت کر دی گئی، باقی دوسری عورتوں سے (ہر طور سے) نکاح کی اجازت دے دی گئی، حضرت عائشہؓ نے فرمایا پھر لوگوں نے یتامی سے نکاح کا مسئلہ پوچھا تو آیت یسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ سے ان تنکحواھن تک نازل ہوئی اس میں اللہ نے کھول کر بیان کر دیا اگر یتیمہ حسین اور مالدار ہوتی ہو تو لوگ اس کی طرف راغب ہوتے ہیں مگر اس کے درجہ کے موافق اس کو مہر نہیں دینا چاہتے اور جب مال و جمال کے لحاظ سے وہ گری ہوئی ہوتی ہے تو اس سے منہ موڑ لیتے ہیں اور دوسری عورتوں سے نکاح کے طلب گار ہوتے ہیں، پس جس طرح مال و حسن کی کمی کے وقت لوگ یتیمہ سے نکاح کرنے کے خواہشمند نہیں ہوتے اسی طرح مال و جمال کی زیادتی کے وقت بھی ان کو نکاح کا طلب گار نہ ہونا چاہئے ہاں اگر یتیمہ کا پورا پورا حق اور کامل ترین مہر (مثلاً) ادا کر دیں تو نکاح کر سکتے ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حسن (بصری) نے فرمایا، مدینہ میں کچھ لوگوں کے پاس یتیم لڑکیاں رہتی تھیں جن میں بعض ایسی بھی ہوتی تھیں جن سے اس سرپرست کا نکاح ہو سکتا تھا (اور وہ مالدار بھی ہوتی تھیں) یہ شخص مال کے لالچ میں اس یتیمہ سے نکاح کر لیتا تھا اور یہ امر اس کو گوارا نہ تھا کہ کوئی دوسرا اجنبی آجائے (اور مال میں شریک ہو جائے)۔

اس آیت کی تفسیر میں عکرمہ نے کہا اور حضرت ابن عباسؓ کا بھی عطاء کی روایت میں یہ قول آیا ہے کہ بعض قریشی دس دس بلکہ دس سے زیادہ عورتوں سے نکاح کر لیتے تھے اور جب بیویوں کے مصارف کی وجہ سے نادار ہو جاتے تو زیر پرورش یتیم کے مال کی طرف جھکتے اور اس کو خرچ کرتے اسی بناء پر ان کو حکم دے دیا گیا کہ چار سے زائد سے نکاح نہ کر دو کہ یتیموں کا مال لینے کی ضرورت پڑے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب یتیموں کا مال کھانے کے سلسلہ میں وعید نازل ہوئی تو اموال یتامی کو صرف کرنے میں بڑی دشواری محسوس ہونے لگی تو (اس کا حل لوگوں نے یہ نکالا کہ) یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے لگے اور جس سے چاہتے نکاح کر لیتے مگر اکثر عورتوں میں برابر کا سلوک نہ کرتے اس پر حکم نازل ہوا کہ حقوق یتامی میں عدل نہ کرنے کا جب تم کو خوف ہے تو عورتوں میں برابر کا سلوک نہ کرنے سے بھی ڈرو اس لئے اتنی ہی عورتوں سے نکاح کرو جن کے حقوق تم ادا کر سکتے ہو، اگرچہ ابن جریر، سعید بن جبیر، ضحاک اور سدی کا بھی یہی قول منقول ہے، بعض علماء نے کہا کہ لوگ یتیموں کی سرپرستی میں تو وقت

محسوس کرتے تھے مگر زنا میں ان کے لئے کچھ دشواری نہ تھی اس پر حکم دیا گیا کہ جب یتیموں کے معاملہ میں عدل نہ کرنے سے تم ڈرتے ہو تو زنا سے بھی ڈرو اور حسب پسند نکاح کر لو۔ یہ مجاہد کا قول ہے ما طاب لکم میں بجائے من کے ماذکر کیا گیا کیونکہ ما کا استعمال ذی عقل کے اوصاف کے لئے ہوتا ہے (اور من کا استعمال ذی عقل کی ذات کے لئے) اور یہاں صفت ہی کا بیان مقصود ہے گویا یوں کہا گیا کہ جن پسندیدہ اوصاف کی عورتوں سے چاہو نکاح کر لو، یوں کہا جائے کہ عورتیں چونکہ کم عقل ہوتی ہیں اس لئے ان کو بے عقل قرار دیتے ہوئے ایسا لفظ استعمال کیا جو بے عقل کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، جیسے مامملکت ایمانکم میں۔ بعض علماء نے ما طاب لکم من النساء کا مطلب بیان کیا ہے کہ جو یتیم عورتیں بلوغ کو پہنچ جائیں ان سے نکاح کر سکتے ہو محاورہ میں طابت التمرہ کا معنی ہوتا ہے خرماتوڑنے کے قابل ہو گیا۔

یہ مطلب اس تفسیر کے مناسب ہے جو بخاری نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے نقل کی ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح نہ کرو اور بالغ عورتوں سے نکاح کرو مگر اس تفسیر پر لکم کا لفظ نامناسب ہوگا، فانحکوا ما طاب من النساء کہنا ہی مناسب ہے (یعنی جو عورتیں بالغ ہو جائیں ان سے نکاح کر سکتے ہو، جب یہ مطلب ہے تو پھر لکم کا اضافہ کیوں کیا گیا ورنہ یوں مطلب ہو جائے گا کہ جو عورتیں تمہارے لئے بالغ ہو جائیں ان سے نکاح کرو، اور یہ مطلب بظاہر غلط ہے۔)

بعض علماء نے طاب کا ترجمہ حل کیا ہے یعنی جو عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں ان سے نکاح کرو کیونکہ بعض عورتوں سے نکاح حرام بھی ہے جن کی تفصیل آیت تحریم میں آگئی ہے ان سے نکاح کی اجازت نہیں، یہ مطلب مجاہد کی تفسیر کے مناسب ہے کہ زنا سے ڈرو اور جو عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں ان سے نکاح کر لو، لیکن اس تفسیر پر آیت کا مجمل ہونا لازم آئے گا اور اجمال حکم خلاف اصل ہے، لہذا سب سے بہتر یہ ہے کہ وہی ترجمہ کیا جائے جو ہم نے لکھ دیا ہے کہ جو عورتیں دل کو پسند ہوں اور تمہاری طبیعت جن کی طرف مائل ہو ان سے نکاح کر لو یہ مطلب تمام تفسیری اقوال کے مناسب ہے، حضرت عائشہؓ کے قول کے موافق اس آیت کی تشریح یہ ہوگی کہ چونکہ یتیم لڑکیاں بے بس ہوتی ہیں ان کا کوئی حمایتی نہیں ہوتا پس اگر تم کو ان کی حق تلفی کا اندیشہ ہو اور عدل نہ کر سکنے کا خوف ہو تو جو پسند خاطر ہو اس سے نکاح کر لو خواہ وہ یتیمہ نابالغہ ہو یا بالغہ کیونکہ تمہارا طبعی میلان ان کے حقوق کا محافظ ہو جائے گا اور منکوحہ کی طرف میلان اور تکاب زنا سے بھی روک دے گا، چونکہ مرغوبات کا وجود زیادہ نہیں ہوتا اس لئے یہ کہنا بھی مناسب ہے کہ چار سے زیادہ کے ساتھ نکاح نہ کرو (ورنہ محبوبات بھی مرغوبات نہیں رہیں گے اور رغبت طبیعت بھی اعراض سے بدل جائے گی) واللہ اعلم۔

مسئلہ

اسی لئے پیام نکاح بھیجنے والے کے لئے نکاح سے پہلے مخطوبہ کے چہرے اور دونوں کف کو دیکھ لینا بالاجماع مسنون ہے، داؤد ظاہریؒ تو مخطوبہ کے تمام بدن کو سوائے عورت غلیظہ کے نکاح سے پہلے دیکھنے کو جائز کہا ہے، حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر تم میں سے کوئی کسی عورت کو نکاح کا پیام بھجوائے تو اگر ایسی چیزوں کو دیکھ لینا ممکن ہو جو نکاح کی رغبت دلا رہی ہوں تو ایسا کرے (یعنی دیکھ لے) رواہ ابو داؤد، حضرت مغیرہ بن شعبہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک عورت کو نکاح کا پیام بھجویا حضور ﷺ نے فرمایا کیا تو نے اس کو دیکھ لیا ہے میں نے عرض کیا نہیں، فرمایا اس کو دیکھ لے یہ دیکھ لینا تم دونوں کے درمیان اتفاق پیدا کرنے کے لئے بہت مناسب ہے، رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجہ والدارقطنی۔

مَثْنٰی وَثَلَاثَ وَرُبَاعٍ دو دو اور تین تین اور چار چار یہ تینوں الفاظ اعداد مکررہ سے بنائے گئے، مثنیٰ ثنتین ثنتین (دو دو) اور ثلث ثلاث ثلاث (تین تین) اور رباع اربع اربع (چار چار) سے معدول ہے۔ یہ تینوں لفظ نحوی اعتبار سے غیر منصرف ہیں کیونکہ یہ معدول بھی ہیں اور ان کے مفہوم میں معنی و مثنیٰ بھی ہے۔ ان الفاظ کی بناء ہی و مثنیٰ پر ہے ہاں ان کے اصول یعنی ثنتین اور ثلاث اور اربع کی بناء و صفیت پر نہیں ہے (بلکہ ان کی و صفیت عارضی ہے) بعض لوگوں نے ان الفاظ کے غیر منصرف ہونے کی علت تکرار عدل کو قرار دیا ہے کیونکہ یہ الفاظ باعتبار لفظ بھی معدول ہیں اور باعتبار معنی بھی

والمحصنات المؤمنات، والمحصنات من الذین ابوتوا الكتاب یہ بھی صحیح روایت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ کے نکاح میں نو عورتیں تھیں اس میں رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت کی کوئی دلیل ہونی چاہئے ورنہ عدم خصوصیت اصل ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ آیت کا نزول قیس بن حارث کے متعلق ہوا، بغوی نے لکھا ہے کہ قیس بن حارث کی آٹھ بیویاں تھیں اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا چار کو طلاق دے دو اور چار کو رکھ لو، قیس کا بیان ہے کہ میں نے ان بیویوں سے جن کے اولاد نہیں ہوئی تھی کہہ دیا تم جاؤ اور جن بیویوں کے اولاد ہوئی تھی ان سے کہہ دیا تم آؤ، پس رسول اللہ ﷺ کا فرمان آیت کا بیان ہو گیا، آپ ہی اللہ کی مراد کو خوب سمجھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نکاح میں اصل حلت نہیں بلکہ حرمت اور حکم تنگی اصل ہے جیسے سورہ بقرہ کی آیت فَإِذَا تَطَهَّرْنَ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ کی تفسیر میں ہم بیان کر چکے ہیں، نکاح میں اصل حلت کو قرار دینا قابل تسلیم ہے، یہی آیت و احل لکم ما وراء ذلکم تو اس سے مراد یہ ہے کہ محرمات مذکورہ کے علاوہ اور عورتیں تمہارے لئے حلال کر دی گئی لیکن ان کی کوئی خاص تعداد ہے یا ہر عورت حلال ہے اس پر کوئی دلالت نہیں (نہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ محرکات کے علاوہ لاتعداد عورتوں سے نکاح حلال ہے نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف چار سے حلال ہے) باقی دوسری آیت و المحصنات من المؤمنات الخ میں جمع کا مقابلہ جمع سے جس کا تقاضا ہے کہ اکائیوں کی تقسیم اکائیوں پر ہو۔

نتیجہ کلام یہ ہے کہ آیت زیر بحث فقط حلت نکاح کے لئے نہیں اتار دی گئی بلکہ حلال تعداد کی تعیین کے لئے اتاری گئی، نفس نکاح کی حلت تو اس سے پہلے دوسری آیات و احادیث سے معلوم ہی ہو گئی تھی، اس آیت میں حلت کو تعداد کے ساتھ متعید کرنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ صرف حد تعداد کا بیان مقصود ہے یا یوں کہو کہ آیت میں حلت نکاح کا بیان ہی مقصود ہے مگر مطلق حلت کا نہیں بلکہ حلت متعید بالعدد کا۔

چار سے زیادہ عورتوں سے (ایک زمانہ میں) نکاح جائز نہ ہونا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ غیلان بن سلمہ ثقفی مسلمان ہوئے تو ان کے ساتھ ان کی وہ دس بیویاں بھی مسلمان ہو گئیں جو زمانہ جاہلیت میں ان کے نکاح میں تھیں حضور ﷺ نے فرمایا چار کو رہنے دو باقی کو چھوڑ دو، رواہ الشافعی و احمد و الترمذی و ابن ماجہ۔

حضرت نوفل بن معاویہ کا بیان ہے کہ میں جب مسلمان ہوا تو اس وقت میرے پاس پانچ بیویاں تھیں میں نے حضور ﷺ سے حکم دریافت کیا فرمایا ایک کو چھوڑ دو، چار کو روک لو میں نے اس عورت کو چھوڑ دیا جو سب سے پرانی ساٹھ برس سے میری رفیق تھی مگر بانجھ تھی، رواہ الشافعی و ابوغوی فی شرح السنۃ۔ صرف چار عورتوں کو نکاح میں رکھنے پر اجماع ہو چکا ہے، اجماع کے مقابلہ میں بعض لوگوں کا قول باطل ہے غیر محدود تعداد سے نکاح کے جواز کا تو کوئی بدعتی بھی قائل نہیں، خارجیوں اور رافضیوں کے نزدیک بھی تعداد معین ہے، ۸ اور نو۔

مسئلہ :- اگر کوئی شخص اسلام لایا اور اس کے نکاح میں چار سے زیادہ عورتیں تھیں یا دو بہنیں تھیں یا ماں اور اس کی بیٹی دونوں نکاح میں تھیں اور یہ عورتیں بھی مسلمان ہو گئیں یا کتابی تھیں تو امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام محمد کا فیصلہ ہے کہ وہ جو کسی چار چاہے رکھ لے زیادہ کو چھوڑ دے اور دو بہنوں میں سے جس ایک کو چاہے رکھ لے اور ماں بیٹی میں سے جس کو چاہے رکھ لے۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا اگر ایک ہی عقد میں سب سے نکاح کیا ہے تو (چونکہ کسی کو کسی پر ترجیح نہیں ہے اس لئے) سب کو چھوڑ دینا پڑے گا اور اگر ایک کے بعد دوسری سے نکاح کیا ہے تو جس عورت کی نکاح میں تقدیم ہو اس کا نکاح قائم رہے گا اور جس کی وجہ سے چار کی تعداد سے بیشی یا (دوسری بہن کے ساتھ نکاح میں) پہلی بہن کا اجتماع ہو رہا ہے اس کا نکاح ختم ہو جائے گا ہاں ماں اور بیٹی اگر کسی کے نکاح میں جمع ہوں تو اسلام کے بعد دونوں کا نکاح جاتا رہے گا بشرطیکہ دونوں سے قربت صحتی کر لی ہو کیونکہ اس وقت دونوں میں سے کسی ایک سے بھی نکاح درست نہیں۔

احادیث مذکورہ (جن میں رسول اللہ ﷺ نے زیادہ بیویاں رکھنے والے یادو بہنوں کو ایک وقت میں نکاح میں جمع رکھنے

والے شوہروں کو انتخاب کا اختیار دیا تھا) اور مندرجہ ذیل حدیث امام ابو حنیفہؒ کے قول کے خلاف ثبوت بہم پہنچا رہی ہیں، ضحاک بن فیروز دیلمی کی روایت اپنے باپ کے حوالہ سے ہے ضحاکؒ کے والد نے کہا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں مسلمان ہو گیا ہوں اور میرے نکاح میں دو گھنٹیں ہیں، فرمایا دونوں میں سے جو کسی کو چاہئے اختیار کر لے۔

مسئلہ :- تین لہاموں کے نزدیک غلام کو صرف دو عورتوں کو نکاح میں رکھنا جائز ہے، امام مالکؒ کے نزدیک غلام کیلئے چار کو نکاح میں رکھنا جائز ہے کیونکہ آیت مذکورہ عام ہے آزاد اور غلام سب اس کے حکم میں داخل ہیں، داؤد ظاہری اور ربیعہ کا بھی یہی قول ہے۔

ہم کہتے ہیں آیت مذکورہ میں روئے خطاب صرف احرار کی طرف ہے غلام مخاطب ہی نہیں ہیں کیونکہ آیت کے آخر میں ہے فان خفتهم الا تعدلوا فواحدة او مملکت ایمانکم اگر تم کو عدل نہ کرنے کا اندیشہ ہو تو (اللہ نے تمہارے لئے صرف ایک حلال کی ہے یا) ایک سے نکاح کرو یا ان باندیوں کو اپنے پاس رکھو جن کے تم مالک ہو، باندیوں کی ملکیت غلاموں کو تو حاصل ہو نہیں سکتی، معلوم ہوا کہ آیت میں غلام مخاطب نہیں ہیں۔ ابن جوزیؒ نے التحقیق میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا غلام دو عورتوں کو نکاح میں رکھ سکتا ہے اور (صرف) دو طلاقیں دے سکتا ہے اور باندی کی عدت دو حیض ہیں، بغوی نے معالم میں بھی یہ روایت لکھی ہے بلکہ روایت کے آخر میں اتنا زائد ہے کہ اگر اس کو حیض نہ آتا ہو تو دو ماہ یا ڈیڑھ ماہ عدت گزارے، ابن جوزی نے حاکم کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کا اجماع ہے کہ غلام دو عورتوں سے زائد نکاح میں نہ رکھے، رواہ ابن ابی شیبہ والبیہقی۔

پس اے نکاح کا ارادہ کرنے والو! اگر تم کو عورتوں کے درمیان عدل نہ رکھ سکنے کا اندیشہ ہو۔

فَوَاحِدًا ۱۱ پس ایک نکاح کرو (یا نکاح میں رکھو) اور (دو یا دو سے زائد کو نکاح میں) جمع کرنا چھوڑ دو۔
اَوْ مَمْلَكَةً اَيْمَانِكُمْ ۱۲ یا باندیاں ہوں، مساوات حقوق جو منکوحہ (آزاد) عورتوں کے لئے لازم ہے وہ باندیوں کے لئے لازم نہیں نہ ان کی تعداد کی کوئی خاص حد مقرر ہے۔

مسئلہ :- حق تلفی کے ذریعے سے صرف ایک بیوی یا باندیوں پر اکتفا کرنے کی ہدایت بتا رہی ہے کہ اگر بیویوں کے حقوق ادا کرنے کی طاقت ہو اور ان میں عدل کر سکتا ہو تو تعدد نکاح افضل ہے، اور مغلوب الشہوت پر تو بالاجماع نکاح فرض ہے بشرطیکہ بیوی کا خرچ ادا کرنے کی طاقت ہو اور مغلوب الشہوت نہ ہونے کی صورت میں نکاح مسنون ہے بشرطیکہ ادائے حقوق میں کوتاہی کا اندیشہ نہ ہو، حضرت ابن مسعودؓ روایت ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے گروہ جو انہن تم میں سے جو نکاح کی طاقت رکھتا ہو وہ نکاح کر لے اور استطاعت نہ ہو تو روزہ کا التزام کرے روزہ اس کے لئے خصی ہونا ہے (یعنی مغلوب الشہوت غیر مستطیع کے لئے خصی ہونا تو جائز ہی نہیں ہے اگر شہوت کا زور توڑنا اور فتنہ میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہنا مقصود ہو تو روزے رکھنا چاہئے، روزہ شہوت کے زور کو توڑ دے گا) متفق علیہ، یحییٰ بن یحییٰ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مگر میں روزہ رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں جو شخص میرے طریقہ سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے متعلق نہیں۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نکاح کرنے کا حکم دیتے تھے اور ترک نکاح کی سخت ممانعت کرتے تھے اور فرماتے تھے شوہر سے زیادہ محبت کرنے والی، زیادہ بچے پیدا کرنے والی سے نکاح کرو، میں قیامت کے دن تمہاری کثرت کا (دوسرے) انبیاء (کی امتوں) سے مقابلہ کروں گا، (رواہ احمد) حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عکاف بن خالد رضی اللہ عنہ سے فرمایا کیا تمہاری بی بی ہے عکاف نے عرض کیا نہیں فرمایا اور نہ باندی ہے عکاف نے کہا نہیں فرمایا

اور تم خیر سے مالدار بھی ہو عکاف نے کہا میں مالدار بھی ہوں فرمایا تو تم برادران شیاطین میں سے ہو ہمارا طریقہ نکاح ہے تم میں رنڈوے رہنے والے بہت برے ہیں اور کہتے ہیں تم میں رنڈوے رہنے والے مردے ہیں شیطانوں کے باپ۔
 داؤد ظاہریؑ اسی آیت فانحکوا ما طاب لکم سے استدلال کرتے ہوئے نکاح کو فرض عین کہتے ہیں بشرطیکہ جماع اور بیوی کے مصارف کی طاقت ہو، واللہ اعلم۔

ذٰلِكَ اَدْنٰی اَلَا تَعُوْذُوْنَ ﴿۱﴾ یہ فعل یعنی صرف ایک عورت سے نکاح اور باندیوں پر قناعت ایک طرف مڑنے جانے کے قریب تر ہے۔ ابن ابی حاتم اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ (اَلَا تَعُوْذُوْا کِی تَشْرَحَ مِیْنِ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یعنی حق تلفی نہ کرنے کے قریب تر ہے۔ اَلَا تَعُوْذُوْا سے مراد ہے ایک کی طرف بہ نہ جاؤ مڑ نہ جاؤ۔ عال المیزاب پر نااہل مہر گیا مڑ گیا۔ عال الحاکم۔ حاکم عدل سے پھر گیا۔ عول الفریضہ، مقرر کردہ میرانی سهام کی حد سے مڑ جانا مجاہد نے اس کا ترجمہ کیا ہے گمراہ نہ ہو جاؤ۔ فراء نے کہا اللہ کے فرض کی حد سے تجاوز نہ کر جاؤ۔ عول کا لغوی ترجمہ ہے تجاوز کرنا۔ عول الفرائض (علم الفرائض میں مخرج تقسیم کو وسیع کرنا) اسی سے بنا ہے۔

امام شافعیؒ نے ترجمہ کیا کہ تمہارے بچے زیادہ نہ ہو جائیں۔ بغوی نے کہا لا تعولوا کا یہ معنی کسی نے نہیں کہا۔ عیال کی کثرت ہو تو (باب افعال سے) عال (ماضی) یعیل (مضارع) اعالة (مصدر) آتا ہے۔ ابو حاتم نے کہا شافعیؒ ہم سے زیادہ عربی زبان سے واقف تھے ممکن ہے یہ بھی لغت ہو۔ بعض علماء نے کہا یہ قبائل حمیر (یعنی اہل یمن) کی لغت ہے۔ بیضاوی نے کہا عال الرجل عیالہ اس شخص نے بیوی بچوں کا بار اٹھایا (یعنی اس کے بیوی بچے بہت ہیں) کثرت عیال کی درپردہ تعبیر کثرت مصارف سے کی (گویا بطور کنایہ کثرت عیال مراد ہے پس شافعیؒ کا ترجمہ صحیح ہو گیا) عیال سے مراد ہیں بیویاں اور اگر بچے مراد ہوں تب بھی درست ہے کیونکہ منکوحہ عورتوں کے مقابلہ میں باندیوں سے بچے ہونے کا احتمال کم ہے باندی سے عزل بھی جائز ہے جیسے ایک بیوی سے چار بیویوں کے مقابلہ میں کثرت اولاد کا احتمال کم ہے۔

وَ اٰتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ اور عورتوں کو ان کے مہر دو، صداق اور صدقہ مہر کو کہتے ہیں۔ کلبی اور علماء کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ اس آیت میں خطاب عورت کے سرپرستوں کو ہے۔ ابن ابی حاتم نے ابو صالح کا قول نقل کیا ہے کہ بعض لوگ اپنی لڑکی کا نکاح کرانے کے بعد مہر خود لے لیتے تھے لڑکی کو نہیں دیتے تھے اللہ نے اس کی ممانعت میں یہ آیت نازل فرمادی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ عورت کا دلی جب اس کا نکاح کر دیتا اور نکاح کے بعد عورت خاندان میں ہی رہتی تو دلی مہر خود لے لیتا تھا اس کو کچھ بھی نہیں دیتا تھا اور اگر کوئی اجنبی آدمی عورت سے نکاح کر کے خاندان سے باہر لے جاتا تو دلی مہر پر خود قبضہ کرنے کے بعد عورت کو ایک اونٹ پر سوار کر کے روانہ کر دیتا بس یہ اونٹ اس کو مہر میں ملتا اور کچھ نہ ملتا۔
 حضرمی نے بیان کیا کہ لوگ نکاح شغار (تور کا نکاح) کرتے تھے جس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ کسی عورت کا دلی اس عورت کا نکاح کسی شخص سے کر دیتا اور وہ شخص اپنی بہن بیٹی کا نکاح تبادلہ میں اول شخص سے کر دیتا اور اس طرح عورتوں کا تبادلہ ہو جاتا مہر کسی کا کچھ نہ ہوتا اس کی ممانعت کر دی گئی اور مہر مقرر کرنے کا حکم دیدیا گیا۔

مسئلہ :- امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک نکاح شغار باطل ہے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا اگر نفس عقد میں یہ الفاظ کہے کہ ہر ایک کا جمع (گوشت کا ٹکڑا امراد فرج) دوسری کا مہر ہے تو ہر ایک کا نکاح باطل ہے اور اگر یہ الفاظ نہ کہے بلکہ اس طرح کہا کہ میں نے اپنی لڑکی کا نکاح تجھ سے اس شرط پر کیا کہ تو اپنی لڑکی کا نکاح مجھ سے بغیر مہر کے کر دے اور دوسرے شخص نے جواب میں کہا میں نے (اپنی لڑکی کا نکاح) تجھ سے کر دیا تو دونوں نکاح صحیح ہو گئے اور دونوں میں مہر مثل لازم ہو گا۔ امام مالکؒ و امام احمدؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی نکاح باطل ہو گا۔ حقیقت میں یہ اختلاف شغار کی تعریف میں ہے۔ امام مالکؒ و احمدؒ کے نزدیک مؤخر الذکر صورت بھی شغار کی ہے اور امام شافعیؒ اس کو شغار نہیں کہتے۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا دونوں صورتوں میں نکاح صحیح ہو گا اور مہر مثل

لازم ہوگا۔

اگر ایک شخص نے کہا میں نے اپنی بیٹی کا نکاح تجھ سے اس شرط پر کیا تو اپنی بیٹی کا نکاح مجھ سے کر دے۔ اور مہر کا ذکر نہیں کیا، نہ بغیر مہر کا لفظ کہا۔ تو بعض روایات میں آیا ہے کہ بائناق آئمہ اربعہ نکاح صحیح ہوگا یہ شغار ہی نہ ہوگا اور اگر یوں کہا کہ میری بیٹی کا بھج تیری بیٹی کا مہر ہوگا اور دوسرے نے (زبان سے) قبول نہیں کیا بلکہ اپنی لڑکی کا نکاح کرادیا اور اس کا مہر کچھ مقرر نہیں کیا تو دوسرا نکاح بائناق آئمہ صحیح ہوگا (اور مہر مثل لازم ہوگا) لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک پہلا نکاح بھی صحیح ہوگا) اور اس میں بھی مہر مثل لازم ہوگا) نکاح شغار کے باطل ہونے پر حضرت ابن عمرؓ کی حدیث دلالت کر رہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نکاح شغار کی ممانعت فرمائی ہے اور شغار یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیٹی (یا بہن) کا نکاح کسی شخص سے کر دے کہ وہ شخص لہنی بیٹی (یا بہن) کا نکاح اس سے کر دے اور کسی کا مہر نہ ہو۔ یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہے اور اصحاب نے بھی اس کو ذکر کیا ہے۔ مسلم کی ایک روایت میں آیا ہے اسلام میں شغار (تور کا نکاح) نہیں۔ یہ حدیث شغار کے شرعی وجود کی نفی کر رہی ہے اور اول الذکر حدیث میں شغار کی ممانعت مذکور ہے اور ممانعت کا تقاضا ہے کہ شئی ممنوع (کا) اگر ارتکاب کیا جائے تو صحیح نہ ہو اور غیر صحیح نکاح مفید ملک بالاتفاق نہیں ہوتا (لہذا مہر مثل ادا کرنے کے بعد شغار صحیح نہ ہوگا) شغار کے باطل ہونے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ شغار میں ہر بھج بجائے خود منکوح بھی ہوتا ہے اور دوسرے بھج کا مہر بھی پس منکوح ہونے کے اعتبار سے مستحق مہر ہوگا اور مہر ہونے کے اعتبار سے دوسرے کے نکاح کا بدل گویا اس کی حیثیت مشترک ہوگی اور یہ باطل ہے۔

احناف نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ احادیث مذکورہ میں نہی یا نفی کا تعلق شغار کے مفہوم سے ہے یعنی جس کو شغار کہا جاتا ہے وہ ممنوع اور منفی ہے شغار کے مفہوم کے دو جز ہیں (۱) مہر سے خالی ہونا۔ (۲) بھج کو مہر قرار دینا۔ اگر اس مفہوم کا شغار ہو تو ہم بھی کہتے ہیں کہ بھج کو مہر قرار دینا باطل ہے۔ حقیقت شغار شرعاً منفی اور ممنوع ہے لیکن ماہیت شغار کی نفی سے نکاح کا نہ ہونا لازم نہیں بلکہ نکاح ہو جائے گا اور (بطور شغار جس چیز کو مہر قرار دیا ہے وہ مہر نہ ہوگا بلکہ) مہر مثل لازم ہوگا۔ جیسے وہ نکاح جس میں شراب یا خنزیر کو مہر قرار دیا گیا ہو باطل نہیں ہے بلکہ مہر مثل کا موجب ہے اور جس (مہر شغاری یعنی بھج) سے شرعی نہی کا تعلق ہے اس کو ہم ثابت نہیں کرتے اور جس (مہر مثل) کو ہم ثابت کرتے ہیں اس سے نہی غیر متعلق ہے بلکہ شرع کی عمومی عبارتیں تو اس کے صحیح ہونے کی مقتضی ہیں لہذا بھج کو مہر قرار دینا باطل ہے اور نکاح ہر طرح درست ہے بعض علماء کے نزدیک (اولیاء زوجہ کو خطاب نہیں ہے بلکہ) نکاح کرنے والے مردوں کو خطاب ہے کہ اپنی بیویوں کا مہر ادا کرو۔

نَحْلَهُ ط بطیب خاطر (ابو عبیدہ)۔ یہ اَنْتَوَا کا مفعول مطلق ہے یا اَنْتَوَا کی فاعلی ضمیر سے حال ہے یعنی طیب خاطر رکھتے ہوئے دو یا صدقات سے حال ہے یعنی عورتوں کے مہر اس مال میں سے دو جو اللہ نے اپنی عنایت سے تم کو دیئے ہیں مراد یہ ہے کہ کسی غیر کے مال میں سے نہ دو نہ مشتبہ مال میں سے۔ ابو عبیدہ نے کما نحلہ محدود معین ہی ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے نحلہ کا ترجمہ عطیہ اور بخشش کیا ہے یعنی اللہ کی طرف سے عورتوں کے لئے مہر (ضروری قرار دینا) ایک مہربانی اور عطیہ ہے اور چونکہ حق مہر عورتوں کو اللہ کی طرف سے عنایت کیا ہوا ہے اس لئے مردوں کے ذمے وہ فرض اور لازم ہو گیا۔ اسی کا لحاظ کر کے قتادہ نے نحلہ کا ترجمہ فریضہ کیا ہے اور ابن جریج نے مقررہ فریضہ لیکن زجاج نے نحلہ کا ترجمہ نَدَّيْنَا کیا ہے یعنی مہر کا قانون اللہ کی طرف سے جاری کیا ہوا ہے پس دینی ضابطہ ہونے کی وجہ سے تم ان کا مہر ادا کرو۔

فَاِنْ طَبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا پس اگر وہ بیویاں خوش دلی کے ساتھ تم کو مہر کا کچھ حصہ چھوڑ دیں۔ منہ میں واحد مذکر کی ضمیر صدق کی طرف راجع ہے کیونکہ کلام سابق سے یہ سمجھا جا رہا ہے کہ ہر ایک کو اس کا مہر دیدو (جب تمام عورتوں کو ان کے مہر دینے کا حکم دیا تو ہر ایک کو اس کا مہر دینے کا حکم سمجھ میں آئی گیا) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صدقات کے اندر جو صدق ضامنہ مذکور ہے اس کی طرف ضمیر راجع ہو۔ بعض کے نزدیک ایفاء (دینا) کی طرف ضمیر راجع ہے (جس پر

اَتُوا دِلَالَت کر رہا ہے) نفساً تمیز ہے طین معنی و تجاوز کو متضمن ہے یعنی اگر عورتیں خوش دلی کے ساتھ کچھ مہر چھوڑ دیں کچھ مہر سے درگزر کریں۔ منہ میں من تبعیضیہ ہے اس سے مردوں کو اس بات پر آمادہ کرنا ہے کہ مہر کا جو کچھ حصہ عورتیں تم کو معاف کر دیں تم اسی پر بس کرو کل یا زیادہ مہر کی معافی کی طمع نہ کرو۔

فَكُلُوْهُ هَنِيْئًا مَّرِيْنًا ⑤ تو اس کو کھا لو یعنی لے لو جتنے چاہتے۔ مزے اور خوشگوار کی معنی ہے۔ یعنی بطور حلال بلا اعتراض۔ ہنئی پاکیزہ خوشگوار جس میں کوئی ٹکدر نہ ہو۔ بعض نے کہا مزہ دار مریئی کا معنی ہے خوش انجام کامل الہضم غیر مضر ہنئی یھنی (ضرب بضر) اور مریٰ یثری (مع سمع) سے ہنیا اور مریئا صفت مشبہ کے صیغے ہیں اور بجائے مصدر کے مستعمل ہیں۔ یا محذوف مصدر کی صفت ہیں۔ ابو جعفر نے دونوں لفظ بغیر ہمزہ کے یاء کی تشدید کے ساتھ پڑھے ہیں۔ باقی قرائن ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو جعفر اور دوسرے قاریوں کا یہی اختلاف بریئوں بریئا اور کھیتہ میں ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمُ بچوں کو سفیہ اس لئے فرمایا کہ (شرع کے نزدیک) یہ سبک عقل ہوتے ہیں ضحاک مجاہد زہری اور کلبی وغیرہ نے یہی بیان کیا اور آئندہ آیت کے بھی یہی مناسب ہے۔

الَّتِي جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيَمًا جن کو اللہ نے تمہارے لئے مایہ زندگانی بنایا ہے یعنی مال سے تمہاری زندگی کا بقاء اور گزران ہوتا ہے ضحاک نے کہا (مال کے مایہ زندگانی ہونے کا یہ مطلب ہے کہ) مال ہی سے حج، جہاد اور نیکی کے کام ہوتے اور اسی کے ذریعہ سے دوزخ سے نجات ملتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے (آیت کے مطلب کی توضیح میں) فرمایا جو مال اللہ نے تم کو عنایت فرمایا ہے اور ذریعہ معاش بنایا ہے اس پر اپنی عورتوں اور بچوں کو تسلط نہ دو، ورنہ وہ تمہارے خلاف کھڑے ہو جائیں گے اور تم ان کے ہاتھوں کو تکتے رہو گے بلکہ اپنا مال اپنے قبضہ میں رکھو اور اس کو ترقی دو اور خود اہل و عیال کی پرورش اور تربیت میں صرف کرو جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے۔

وَأَسْرُؤْهُمْ فِيْهَا وَاَكْسُوْهُمْ اور اس میں سے اہل و عیال کو کھانے کو اور پہننے کو دیتے رہو۔

وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ⑥ اور ان سے نرم گفتگو کرتے رہو کہ ان کے دل خوش رہیں۔ سعید بن جبیر اور عکرمہ نے فرمایا اس آیت میں وہ یتیم مراد ہیں جو تمہارے زیر پرورش ہوں کہ ان کے قبضہ میں ان کا مال نہ دو۔ بلکہ خود ان کے صرف میں لاؤ۔ اموالکم میں خطاب اولیاء کو ہے یتیموں کے مال کو سرپرستوں کا مال قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ سرپرست ہی اس مال کے منتظم اور کرتادھر تا ہوتے ہیں۔ یہ تفسیر آیت کے سیاق اور اول و آخر حصوں کے مناسب ہے کیونکہ گذشتہ اور پیوستہ آیات میں روئے خطاب سرپرستوں ہی کی طرف ہے۔ وَأَسْرُؤْهُمْ بِنِهَا فرمانے سے یہ مقصود ہے کہ اصل مال میں سے ان کے مصارف نہ کرو، ورنہ سارا مال خرچ ہو جائے گا بلکہ اس مال کو تجارت میں لگا کر اس کے نفع سے یتیموں کے مصارف کرو۔

وَابْتَئُوا الْيَتٰمٰی اور یتیموں کی جانچ کر لو۔ یعنی بالغ ہونے سے پہلے یتیموں کی عقل کی جانچ کر لو تھوڑا سا مال ان کے قبضہ میں دے کر دیکھو کہ وہ کس طرح اس میں تصرف کرتے ہیں اگر وہ ہوشیار ہوں گے تو شروع میں ہی ان کی ہوشیاری ظاہر ہو جائے گی۔ ہوشیار بچہ کو تجارتی لین دین کی اجازت اس آیت سے معلوم ہوتی ہے۔ یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔ امام شافعی کے نزدیک بچہ کو تجارت کی اجازت نہیں اور آیت میں جانچ کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان کے نکاح کے مبادی ان کے سپرد

لے بہت سی نے شعب میں اور حاکم نے صحیح کے ساتھ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین شخص ہیں جو اللہ سے دعا کرتے ہیں اور ان کی دعا قبول نہیں ہوتی (ایک) وہ شخص جس کی بیوی بدخلق ہو اور اس نے اس کو طلاق نہ دی ہو اور (دوسرا) وہ شخص جس کا کسی پر کچھ مال ہو (یعنی مال کا دعویٰ کرے) اور شہادت پیش نہ کرے اور (تیسرا) وہ شخص جو سفیہ کو اس کا مال دے دے حالانکہ اللہ نے فرمایا ہے وَلَا تُوَالِّ السُّفَهَاءَ اموالکم، از مقرر رحمۃ اللہ۔

کر دیے جائیں۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول زیادہ ظاہر ہے۔

حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۖ یہاں تک کہ جب وہ نکاح کو پہنچ جائیں یعنی اس عمر کو پہنچ جائیں کہ نکاح اور نسل آفرینی کی ان میں صلاحیت پیدا ہو جائے، لڑکے میں اس کی علامت احتلام، جماع کے وقت انزال اور صلاحیت تولید ہے اور لڑکی میں حیض، احتلام اور حاملہ ہونے کی صلاحیت ہے اگر ان علامات میں سے کوئی علامت نہ پیدا ہو تو امام مالکؒ، امام احمدؒ، امام شافعیؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک لڑکے اور لڑکی کے بلوغ کی عمر پورے پندرہ سال ہیں۔ ایک روایت میں امام ابو حنیفہؒ کا قول بھی یہی آیا ہے اور اسی پر فتویٰ بھی ہے۔ مگر امام صاحب کا مشہور قول یہ ہے کہ لڑکی کے لئے پورے سترہ اور لڑکے کے لئے پورے اٹھارہ سال اور ایک روایت کے بموجب پورے انیس سال ہونا چاہئے۔

جمہور نے اپنے مسلک کی دلیل میں حضرت انسؓ کی روایت کو پیش کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مولود (بچہ) اور بچی کی عمر پورے پندرہ سال کی ہو جاتی ہے تو اس کے مفید مضمر اعمال لکھے جاتے ہیں اور اس پر حدود قائم کی جائیں۔ رواہ البیہقی فی الخلائیات، اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ کا قول آیا ہے کہ احد کے دن جب کہ میری عمر چودہ سال تھی (شرکت جنگ کی اجازت کیلئے) مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا آپ نے شرکت کی اجازت نہیں دی۔ پھر خندق کے دن جب کہ میری عمر ۱۵ سال تھی مجھے حضور ﷺ کے معاینہ میں پیش کیا گیا اس وقت آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ امام احمدؒ کے نزدیک بلوغ کی ایک علامت پوشیدہ بالوں کی روئیدگی بھی ہے (مشرکین کے لئے بھی اور مسلمانوں کے لئے بھی) امام شافعیؒ کے نزدیک شرکین کے لئے بلوغ کی علامت روئیدگی ہے۔ مسلمانوں کے لئے نہیں ہے یا ہے۔ یہ دونوں روایتیں امام شافعیؒ سے منقول ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ پوشیدہ بالوں کی روئیدگی یا عدم روئیدگی کو ہیج قرار دیتے ہیں ناقابل اعتبار۔ امام احمدؒ و امام شافعیؒ کے قول کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ابن حبان اور حاکم اور اصحاب سنن نے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے کہ عطیہ قرظی نے فرمایا بنی قریظہ (کی گرفتاری و قتل) کے دن مجھے رسول اللہ ﷺ کے معاینہ میں پیش کیا گیا کیونکہ لوگوں کو میرے بالغ اور نابالغ ہونے میں شک تھا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ پوشیدہ بالوں کو دیکھو پیدا ہو گئے ہیں یا نہیں۔ لوگوں نے حکم کی تعمیل کی مگر بال نہ پائے اس لئے مجھے (قتل سے) چھوڑ دیا گیا اور قیدیوں میں شامل کر دیا گیا۔

پس اگر بلوغ کے بعد تم ان سے ہوشیاری دیکھو (محسوس کرو) یعنی لین قَانَ اَنْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا ۖ دین میں خرابی محسوس نہ ہو اور معاملات میں درستی نظر آئے۔ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ نے رشدا کا مطلب یہی بیان کیا ہے امام شافعیؒ نے فرمایا۔ صلاح دین، حفاظت مال اور مال کو ترقی دینے کی تدبیروں کا علم رشدا سے مراد ہے۔

بیہقی نے علی بن طلحہؓ کی سند سے حضرت ابن عباسؓ کا قول بیان کیا ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم کو ان کے اندر دینی صلاح اور حفاظت مال بلوغ کے بعد نظر آئے۔ ثوری نے جامع میں منصور کی روایت سے مجاہد کا قول بھی یہی نقل کیا ہے اور بیہقی نے یزید بن ہارون از ہشام بن حسان کی روایت سے حسن بصریؒ کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی ہے۔ نتیجہ اختلاف یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک فاسق صاحب رشدا نہیں ہے اور دوسرے لوگوں کے نزدیک فاسق رشید ہے۔

فَاَذْفَعُوا لِيَهُمْ اَمْوَالَهُمْ ۖ تو ان کا مال فوراً نابالغ ہوتے ہی بلا تاخیر ان کو دیدو۔ ترکیب عبارت :- اذابلغوا ظرف ہے لیکن اس میں شرط کا معنی ہے اور ظرف کا تعلق اذفعوا سے ہے حتیٰ ابتداء ہے، ما قبل متما مابعد کا سبب ہے یہ حتیٰ جارہ نہیں ہے کیونکہ اذا کے اندر فی (ظرفیت) کا معنی ہے اس لئے حتیٰ جارہ اس پر داخل نہیں ہو سکتا۔

مطلب یہ ہے کہ یتیموں کی جانچ کر لو تا کہ نکاح کی عمر کو پہنچنے پر جب تم کو ان کی ہوشیاری نظر آجائے تو ان کا مال ان کو دیدو۔ گویا جانچ کر مال دینے کا سبب ہے لیکن دینا دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے بلوغ اور احساس رشدا۔ اسی لئے امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ جب تک رشدا دیکھ نہ لیا جائے ان کا مال ان کے ہاتھوں میں نہ دیا جائے مگر امام ابو حنیفہؒ کے

نزدیک احساس رشد لازم نہیں۔ مال دینے کے لئے پچیس سال کی عمر پوری ہو جانا کافی ہے کیونکہ مال دینے کی ممانعت بچپن کے آثار کی وجہ سے کی گئی ہے اور ابتدائی بلوغ میں بچپن کے آثار باقی رہتے ہیں اور زیادہ وقت گزرنے پر نشان طفولیت ختم ہو جاتا ہے لہذا ممانعت کا حکم بھی باقی نہیں رہ سکتا۔ اسی لئے امام صاحب کا قول ہے کہ بلوغ کے وقت اگر کوئی بچہ صاحب رشد تھا پھر (کسی بیماری کی وجہ سے) سفیہ ہو گیا تو مال سے اس کو نہیں روکا جائے گا کیونکہ اس کی یہ سفاہیت بچپن کے اثر کی وجہ سے نہیں ہے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ (رشد کی تنوین تھلیل کے لئے ہے یعنی اگر تم کو ان کے اندر کسی قسم کا تھوڑا سا رشد بھی نظر آئے تو ان کا مال دیدو۔ تکمیل رشد کا انتظار نہ کرو اور چونکہ پچیس سال کی عمر میں کسی نہ کسی قسم کا رشد کسی درجہ میں حاصل ہو ہی جاتا ہے لہذا اس کا مال دیدو، مال کی روک کا حکم تو ادب آموزی کے لئے تھا اس عمر کے بعد ادب سیکھنے کا بظاہر کوئی امکان نہیں یا یوں کہو کہ غالباً امکان ادب آموزی ختم ہو جاتا ہے ایسی حالت میں مال روکنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ لہذا دیدنا لازم ہے۔

مسئلہ :- جس سفیہ کو مال دینے کی ممانعت کی گئی ہے اس کا کوئی مال معاملہ نافذ نہیں ہو سکتا نہ بیع کر سکتا ہے نہ غلام کو آزاد کر سکتا ہے، یہ مسلک امام شافعی کا ہے۔ لیکن امام محمد کے نزدیک سفیہ کا وہ تصرف تو جاری ہو جائے گا جو بیع کر دینے کے قابل ہی نہیں ہے اور وہ تصرف نافذ نہ ہو گا جس کو ولی کی اجازت سے رخ کیا جاسکتا ہے جیسے خرید و فروخت لیکن امام ابو یوسف اور اکثر علماء کے نزدیک جب تک قاضی نے روک نہ کر دی ہو۔ سفیہ کے تمام تصرفات نافذ ہوں گے اور قاضی ہر تصرف سے روک سکتا ہے۔

قاضی روک دے تو سفیہ کی نہ بیع نافذ ہوگی نہ کوئی ایسا تصرف نافذ ہو گا جس میں مذاق کے طور پر زبان سے کہہ دینا بھی سنجیدگی کا حکم رکھتا ہے لیکن غلام کی آزادی کا حکم نافذ ہو جائے گا اور امام ابو یوسف کے نزدیک غلام پر لازم ہو گا کہ محنت مزدوری یا اور کوئی کام کر کے اپنی قیمت (سفیہ کے ولی کو) ادا کرے۔ امام محمد کے مثبت و منفی دو قول آئے ہیں اول قول امام ابو یوسف کے قول کے موافق ہے اور دوسرے قول میں غلام کو اپنی قیمت کا ذمہ دار نہیں قرار دیا۔

امام ابو حنیفہ نے فرمایا قاضی کے لئے جائز ہی نہیں کہ کسی عاقل بالغ کو سبکی عقل یا دین یا فسق کی وجہ سے تصرفات سے روک دے۔ اس فعل کا معنی یہ ہو گا کہ آدمیت کے حقوق سلب کر کے چوپایوں میں اس کو پہنچا دے اور حقوق انسانیت کا سلب بربادی مال سے زیادہ سخت ہے ادنیٰ ضرر کو دفع کرنے کے لئے بڑے ضرر کو نہیں اختیار کیا جاسکتا۔

شافعی اور احمد وغیرہ سفیہ کو تصرفات سے روک دینے کے جواز کے قائل ہیں ان کے اس مسلک کی دلیل یہی آیت ہے۔ آیت دلالت کر رہی ہے کہ سفیہ سے مال کو روک دیا جائے لیکن اگر اس کے ہاتھ کو تصرف سے روک بھی دیا جائے تب بھی کوئی نتیجہ نہ ہو گا کیونکہ وہ زبان سے (خرید و فروخت وغیرہ) تصرفات کر سکے گا اس لئے اس کو ہر طرح کی بازداشت قاضی کی طرف سے ہونی چاہئے۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا مالی تصرف سے صرف ہاتھ کو روکنا بھی مفید ہو سکتا ہے کیونکہ سب کی عقل کا نظور اکثر ہبہ اور صدقہ و خیرات کی صورت میں ہوتا ہے اور ایسا تصرف ہاتھ کا محتاج ہے زبانی ہبہ (اور صدقہ) بغیر قبضہ کے نافذ نہیں۔ امام اعظم کی دلیل حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ایک آدمی بیع و شراء کے معاملہ میں کمزور تھا مگر خرید و فروخت کرتا ضرور تھا اس کے گھر والوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس کو خرید و فروخت سے روک دیا جائے حضور ﷺ نے اس کو بلوا کر بیع کرنے کی ممانعت فرمادی۔ اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھ سے تو بغیر بیع کے صبر نہیں ہو تا فرمایا تو جب بیع کیا کرو تو یہ کہہ دیا کرو کہ کوئی دھوکہ نہ ہونا چاہئے (مجھے) (کا اختیار ہے) رواہ الترمذی و احمد۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے دیکھو رسول اللہ ﷺ نے اس کو بیع سے بالکل بازداشت نہیں کی اور تحریری ممانعت نہیں فرمائی۔

شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اس کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ وہ شخص خود قصد اپنا مال برباد نہیں کرتا تھا بلکہ سبک عقلی کی وجہ سے خرید و فروخت میں اس کو نقصان ہو جاتا تھا اس کا تذکرہ حضور ﷺ کے اس قول سے ہو سکتا تھا کہ کوئی دھوکہ نہ ہونا چاہئے۔ (چنانچہ آپ نے یہی فرمایا) اور ہماری گفتگو اس سفیہ کے متعلق ہے جو دانستہ خود اپنا مال برباد کرتا ہو۔ بغوی

نے لکھا کہ سفیہ کو تمام مالی تصرفات سے روک دینے کے جواز کی دلیل صحابہ کا اتفاق آراء ہے۔

عروہ نے ہشام سے ہشام نے قاضی ابو یوسف سے امام ابو یوسف نے امام محمد سے امام محمد نے امام شافعی سے بیان کیا کہ عبد اللہ بن جعفر نے کچھ بھوڑ زمین ساتھ ہزار درہم کو خریدی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا میں عثمان کے پاس جا کر تیری خرید کا اختیار بند کرادوں گا۔ عبد اللہ نے جا کر حضرت زبیر سے یہ بات کہہ دی حضرت زبیر نے کہا میں اس بیع میں تمہارا شریک (مشورہ) ہوں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا اپنے بھتیجا کو تصرفات سے روک دیجئے (وہ سفیہ ہے) حضرت زبیر نے کہا میں (مشورہ میں) ان کا شریک ہوں۔ حضرت عثمان نے کہا اب میں کسی کو کیسے اس تصرف سے روک دوں جس (کے مشورہ) میں زبیر شریک ہیں۔ ابو عبیدہ نے کتاب الاموال میں اپنی سند سے ابن سیرین کی روایت سے لکھا ہے کہ عثمان نے علی سے کہا۔

آپ اپنے بھتیجا کا ہاتھ کیوں نہیں پکڑتے اور اس کی خرید و فروخت کی بندش کیوں نہیں کر دیتے اس نے ساتھ ہزار درہم کے ایسی شورتاک زمین خریدی ہے کہ مجھے وہ اپنی جوتی کے بدلہ میں بھی نہیں بھاتی۔ بغوی نے کہا اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سفیہ کی بندش اختیار پر صحابہ متفق تھے اسی وجہ سے تو حضرت زبیر نے بندش اختیار کو دور کرنے کا حیلہ کیا۔

مسئلہ :- اگر نابالغ بالغ ہونے کے وقت تو صاحب رشد ہو پھر سبک سر برباد کن ہو جائے تو اس کو ممنوع التصرف قرار دینا ان علماء کے نزدیک جائز ہے جو بلوغ کے وقت سفیہ کو ممنوع التصرف قرار دینے کے قائل ہیں جیسا کہ عبد اللہ بن زبیر کے قصہ سے واضح ہو رہا ہے۔ رہا قرض دار تو اس کو بھی ممنوع التصرف قرار دیا جاسکتا ہے جیسا کہ کعب بن مالک نے اپنے باپ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ کو مال میں تصرف (خرید و فروخت) کرنے سے قرض دار ہونے کی وجہ سے روک دیا تھا اور آپ کا مال بکوا دیا تھا۔ رواہ الدارقطنی والحاکم والبیہقی۔

ابوداؤد نے مراسیل میں اور سعید نے سنن میں مرسلہ عبد الرزاق کی روایت سے اور ابن جوزی نے ابن مبراک از معمر کی روایت سے مرسلہ بیان کیا کہ حضرت معاذ بن جبل تنہی جوان تھے کچھ روک کر نہیں رکھتے تھے اور برابر قرض لیتے رہتے تھے یہاں تک کہ آپ کا کل مال قرض میں ڈوب گیا مجبوراً آپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ حضور ﷺ قرض خواہوں سے آپ اس کے متعلق کچھ گفتگو کریں اگر قرض خواہ کسی کو چھوڑ دیتے تو رسول اللہ ﷺ کی سفارش سے حضرت معاذ کو چھوڑ دیتے (لیکن انہوں نے کچھ نہیں چھوڑا) رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ کا مال فروخت کر دیا اور حضرت معاذ ہاتھ جھاڑ کر کھڑے ہو گئے۔ عبد الحق نے کہا کہ یہ حدیث بصورت ارسال متصل سے زیادہ صحیح ہے۔ ابن صلاح نے احکام میں لکھا ہے کہ یہ حدیث ثابت ہے۔ یہ واقعہ ۹ھ کا ہے۔ حضور ﷺ نے قرض خواہوں کے مطالبہ کا ۵ حصہ دیا۔ قرض خواہوں نے کہا ۷/۲ بھی فروخت کر کے ہم کو دیدیجئے فرمایا اب تمہارے لئے (باقی مال پر قبضہ کر نیکا) کوئی راستہ نہیں۔

امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ قاضی قرض دار کو نہ ممنوع التصرف کر سکتا ہے نہ اس کا مال فروخت کر سکتا ہے کیونکہ اس کے مال کی خود اپنے حکم سے فروختگی بھی ایک قسم کی بندش تصرف ہے اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ یہ بغیر رضامندی کی بیع ہے جو ناجائز ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے الا ان تکون تجارة عن تراض بلکہ قاضی یہ کر سکتا ہے کہ قرض دار کو قید کر دے یہاں تک کہ وہ تنگ آکر اپنا مال فروخت کر دے اور قرض خواہوں کا قرض چکا دے اور اس پر بھی (قاضی کی طرف سے) ظلم نہ ہو۔ رہا حضرت معاذ کا قصہ تو ہم کو یہ تسلیم نہیں ہے کہ حضرت معاذ کی مرضی کے خلاف رسول اللہ ﷺ نے ان کا مال فروخت کر دیا تھا یہ ناممکن تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے عمل سے معاذ تراض ہوتے بلکہ حضور ﷺ نے ان کی مرضی سے ان کا مال فروخت کیا تھا جیسے کسی کی طرف سے وکیل فروخت کرتا ہے یا فضولی آدمی کسی کا مال بیچ ڈالتا ہے اور بعد کو اصل مالک رضامندی دیدیتا ہے۔

غالباً کتابت کی غلطی ہے حضرت عثمان نے حضرت علی سے یہ بات نہیں کہی بلکہ حضرت علی نے حضرت عثمان سے کہی تھی جیسا کہ

شافعی کی مذکورہ بالا روایت میں صراحت ہے ۱۲۰۔

روایت میں جو آیا ہے کہ حجر علی معاذ مالہ وا باعد۔ یہ صرف راوی کا خیال ہے کہ حضرت معاذ کے مال کی فروخت کو انہوں نے حجر علی معاذ قرار دیا کیونکہ واقعتی کے سلسلہ سے پہنچتی ہے اس حدیث کو بیان کیا ہے اس حدیث کے آخر میں اتنا زائد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد حضرت معاذ کی شکستہ دلی دور کرنے کے لئے یمن کا عامل بنا کر بھیج دیا۔ طبرانی نے کبیر میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب حج کیا تو معاذ کو یمن کا عامل بنا کر بھیجا آپ ہی سب سے پہلے اللہ کے مال (وصول کرنے) کے لئے اجر بنے۔ اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ کو ممنوع التصرف نہیں کیا تھا۔

مسئلہ :- اگر کوئی دیوالیہ ہو جائے اور حاکم اس کا مال قرض خواہوں کو تقسیم کر دے اور پھر بھی قرض باقی رہ جائے مگر اس کو پیشہ ایسا آتا ہو جس کی اجرت اس کے ضروری مصارف سے زائد ہو تو امام احمدؒ نے (ایک روایت کے اعتبار سے) کہا ہے کہ حاکم ادائے قرض کے لئے اس کو مزدوری کرنے کی اجازت دے سکتا ہے دوسری روایت میں امام احمدؒ کا قول اس کے خلاف ہے باقی ائمہ نفی اجازت کے قائل ہیں۔

اول قول کے ثبوت میں امام احمدؒ نے اس حدیث کو پیش کیا ہے جو دارقطنی نے زید بن اسلم کی روایت سے لکھی ہے زید بن اسلم نے کہا میں نے اسکندریہ میں ایک بوڑھا شخص دیکھا جس کو سرق کہا جاتا تھا میں نے کہا یہ کیسا نام ہے بوڑھے نے کہا میرا یہ نام رسول اللہ ﷺ نے رکھا تھا اور میں اس کو ہر گز ترک نہیں کروں گا۔ میں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے تمہارا یہ نام کیوں رکھا تھا، بوڑھے نے کہا میں (ایک بار) مدینہ کو گیا اور لوگوں سے کہا میرا مال آنے والا ہے۔ لوگوں نے میرے ساتھ آنے والے مال کا سودا کر لیا مال برباد ہو گیا (اور میرا مال نہیں آیا) لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے حضور ﷺ نے فرمایا تو چور ہے اور حضور ﷺ نے مجھے چار اونٹوں کی قیمت میں بیچ ڈالا جس شخص نے مجھے خریدا تھا قرض خواہوں نے اس سے پوچھا تم اس کو کیا کرو گے اس نے کہا میں اسے آزاد کر دوں گا قرض خواہوں نے کہا تو ثواب کی طلب میں ہم تم سے کم نہیں ہیں چنانچہ قرض خواہوں نے مجھے آزاد کر دینا مباح رہ گیا۔

ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ یہ امر ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی ذات کو تو فروخت کیا نہ تھا کیونکہ آزاد تھا (اور آزاد مملوک نہیں ہو سکتا) بلکہ اس کے منافع (یعنی مزدوری کی آمدنی) کو فروخت کیا تھا پس آزاد کرنے سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے خدمت لینے سے مجھے آزاد کر دیا۔

میں کہتا ہوں کوئی وجہ نہیں کہ اس حدیث میں لفظ بیع سے بیع منافع مراد لی جائے کیونکہ یہ تو عمل مجہول کا ٹھیکہ ہو جائے گا لہذا یہ حدیث باجماع علماء متروک ہے (کیونکہ آزاد کی بیع بالاجماع ناجائز ہے) کہ ہر رسول اللہ ﷺ کا عمل تو حضور ﷺ کو لوگوں کی جانوں میں تصرف کرنے کا حق تھا۔ دوسروں کو وہ حق حاصل نہیں۔ حضرت ابو سعیدؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک شخص نے پھل خریدے اور اس کے پھل مارے گئے اور اس پر قرض بہت ہو گیا حضور ﷺ نے فرمایا اس کو خیرات دو حکم کی تعمیل کی گئی مگر چندہ اتنا نہیں ہوا کہ اس کا قرض پورا ہو سکتا۔ حضور ﷺ نے قرض خواہوں سے فرمایا جتنا تم کو مل گیا لے لو بس اس سے زیادہ تم کو نہیں ملے گا۔ یہ حدیث صاف بتا رہی ہے کہ وصول قرض کیلئے قرضدار کا فقط مال لیا جاسکتا ہے مدیون پر (قرض خواہوں کا) اور کوئی حق نہیں (یعنی قرضدار کو نہ ممنوع التصرف کیا جاسکتا ہے نہ مزدوری یا نوکری وغیرہ سے روکا جاسکتا ہے) واللہ اعلم۔

(یعنی اے یتیموں کے سر پرستو) یتیم کا مال نہ کھاؤ۔

وَلَا تَأْكُلُوا حَلْوَا

(حد اعتدال اور ضرورت سے) زیادہ اور جلدی جلدی۔

اِسْرَاقًا وَبِدَارًا

قاموس میں ہے سَرَفٌ توسط کی ضد۔ صحاح میں ہے سرف کا معنی ہے ہر فعل میں حد سے تجاوز کرنا۔ اللہ نے فرمایا ہے لَا تَسْرِفْ فِي الْقَتْلِ تَلْ فِيهِ دَمٌ تَجَاوِزْهُ كَرُو۔ دوسری آیت ہے يَا عِبَادِ الَّذِينَ اسْرِفُوا عَلَىٰ انْفُسِهِمْ اے میرے

بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے لیکن مال کے صرف میں حد سے تجاوز کرنے پر صرف کا اطلاق زیادہ ہوتا ہے۔ حد سے تجاوز کبھی تو مقدار کے اعتبار سے ہوتا ہے یعنی کثرت ہو جاتی ہے، اللہ نے فرمایا ہے کَلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا کھاؤ اور پیو اور حد اعتدال سے آگے نہ بڑھو۔ اور کبھی کیفیت کے لحاظ سے حد سے تجاوز ہوتا ہے اسی لئے سفیان ثوری نے فرمایا کہ اللہ کی طاعت سے ہٹ کر جو کچھ بھی خرچ کیا جائے وہ اسراف ہے خواہ اس کی مقدار قلیل ہی ہو، اللہ نے فرمایا ہے ان المسرِفین ہم اصحاب النار (اللہ کی طاعت سے ہٹ کر صرف کرنے والے ہی دوزخی ہیں۔ آیت کا یہ ترجمہ حضرت مؤلف کے مقصد کی تائید کر رہا ہے کیونکہ مؤلف قدس سرہ نے اسراف حسب الکیف کی تمثیل میں یہ آیت ذکر کی ہے لیکن ممکن ہے کہ المسرفین سے مراد وہ لوگ ہوں جو نافرمان گناہ گار اور حد اطاعت سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ اس صورت میں یہ ترجمہ ہو گا کہ اللہ کی طاعت سے ہٹنے والے خواہ تجاوز عملی ہو یا نظری یا مالی دوزخی ہیں)۔

میں کہتا ہوں اس صورت میں مالدار سرپرست کے لئے یتیم کا مال کھانا خواہ قلیل مقدار میں ہی ہو اسراف ہے اور نادار کے لئے یتیم کا مال اتنا کھالینا جو دستور کے خلاف ہو (یعنی اجرت تربیت سے زائد ہو) اسراف اور افراط کہلائے گا۔

آن یُکَبِّرُوْا اِس اندیشہ سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے اور اپنا مال تم سے لے لیں گے۔ اسرافاً اور بدارا دونوں مصدر بمعنی اسم فاعل ہیں اور مقام حال میں ہیں یعنی اسراف اور جلدی کرتے ہوئے دونوں مفعول لہ بھی ہو سکتے ہیں یعنی اسراف اور جلدی کرنے کی وجہ سے۔

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ
اور جو مالدار ہو وہ یتیم کے مال سے بچتا رہے۔ یتیم کا مال بالکل نہ لے تھوڑا نہ بہت۔ استعفاف کے معنی میں عفاف سے زیادہ زور ہے عفاف بچنا۔ استعفاف بچتا رہنا۔

وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ
اور جو محتاج ہو وہ دستور کے مطابق کھا سکتا ہے۔ حضرت عمرو

بن شعیب کے دادا کی روایت ہے کہ ایک شخص نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا میں محتاج ہوں میرے پاس کچھ نہیں ہے اور میرے زیر پرورش ایک یتیم ہے (جس کا مال موجود ہے) حضور ﷺ نے فرمایا اپنے یتیم کے مال میں سے کچھ کھا لو مگر (حد اعتدال سے) زیادتی نہ کرنا نہ جلدی جلدی ہڑپ کرنا نہ (اپنی مزدوری کے) مال کو بچا کر اس کے مال کو کھانا۔ رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا میری گود میں ایک یتیم ہے کیا یہ ۱۰ کے مال میں سے کھا سکتا ہوں فرمایا (کھا سکتے ہو) بغیر اس کے کہ اپنے مال کو بچا کر اس کے مال کو کھاؤ اور اپنا مال جمع رکھو۔ رواہ الثعلبی۔ مراد یہ ہے کہ یتیم کی تربیت کے معاوضہ کے بقدر کھا سکتے ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی مسلک ہے اور ہم بھی اسی مطلب کو لیتے ہیں۔ عطاء اور نکرہ نے یا کل بالمعروف کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ انگلیوں کے پوروں سے کھائے زیادتی نہ کرے اور (یتیم کے مال میں سے) کپڑے نہ پہنے۔ نخعی نے کہا یتیم کے مال سے کتان اور صوف خرید کر نہ پہنے صرف بھوک دور کرنے کی بقدر کھالے۔ اور ستر پوشی کے بقدر پین لے اور ان مصارف میں جتنی رقم آئی ہو اس کی واپسی لازم نہیں۔ حسن بصری اور ایک جماعت علماء نے کہا یتیم کے درختوں کے پھل کھا سکتا ہے اس کے جانوروں کا دودھ پی سکتا ہے مگر دستور کے موافق۔ اور اس کا معاوضہ لازم نہیں۔ البتہ چاندی سونانہ لے، اُڑے گا تو اس کا معاوضہ ادا کرنا لازم ہے۔ کلی نے کہا معروف سے مراد ہے یتیم کی سواری پر سوار ہونا اس کے خادم سے خدمت لینا یتیم کے مال میں سے کچھ کھانا جائز نہیں۔

بنو نے اپنی سند سے قاسم بن محمد کی روایت لکھی ہے کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر حضرت ابن عباسؓ سے عرض کیا میرے زیر تربیت ایک یتیم ہے اور اس کے اونٹ ہیں کیا میں ان کا دودھ پی سکتا ہوں، فرمایا اگر ایسا ہو کہ تم اس کے کم شدہ اونٹوں کو تلاش کرو۔ خارجی اونٹوں کی مالش کرو، ان کے پیاد کو درست کرو اور پانی پلانے کے دن ان کو پانی پلاؤ تو ان کا دودھ بھی پی سکتے ہو لیکن اس طرح کہ اونٹوں کے بچوں کو (بھوک کا) ضرر نہ پہنچے اور نہ بالکل تھنوں سے دودھ چھوڑ لیا جائے۔ شعبی نے کہا ایسی

مجبوری کے بغیر جس میں آدمی مردار کھانے پر مجبور ہو جاتا ہے یتیم کا مال نہ کھائے۔ مجاہد اور سعید بن جبیر نے معروف کا ترجمہ قرض کیا ہے یعنی ضرورت ہو تو یتیم کے مال میں سے قرض لے سکتا ہے جب فراخ دستی ہو تو واپس کر دے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے اللہ کے مال (بیت المال) کے معاملہ میں اپنی ذات کو یتیم کے سر پرست کی طرح قرار دے رکھا ہے۔ اگر غنی ہوں گا تو پتھار ہوں گا اور محتاج ہوں گا تو معروف کے ساتھ (یعنی بطور قرض) کھالوں گا اور جب فراخ دست ہوں گا تو ادا کر دوں گا۔

فَاِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ (یعنی بالغ ہونے اور ہوشیار پانے کے بعد) جب ان کا مال تم ان کو دو۔ تو دیتے وقت شاہد بنالو۔ یہ حکم احتجابی ہے واجب نہیں ہے۔ نہت کو دور کرنے اور آئندہ جھگڑے کو کانٹنے کے لئے گواہ بنانا اولیٰ ہے۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اگر سر پرست یتیم کے بالغ ہونے کے بعد مال ادا کر دینے کا دعویٰ کرے تو بغیر گواہوں کے اس کا دعویٰ قابل قبول نہ ہوگا۔ امام اعظمؒ نے فرمایا اگر گواہ نہ ہوں تو اس کا قول قسم کے ساتھ قبول کر لیا جائے گا کیونکہ وہ اپنے اوپر تاوان عائد کئے جانے کا منکر ہے (اور منکر کا قول قسم کے ساتھ قبول کیا جاتا ہے) اسی مفہوم پر دلالت کر رہا ہے آئندہ قول۔ فرمایا۔

وَكُفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا اور اللہ تعالیٰ ہی حساب لینے والا کافی ہے یعنی حساب فہمی کرنے والا، بدلہ دینے والا اور شہادت دینے والا اللہ ہی کافی ہے، کسی دوسرے گواہ کی ضرورت نہیں بلکہ ولی کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہے حقیقت معاملہ کو اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔ باللہ، کفے کا فاعل ہے باء زائد ہے۔

آئندہ آیت کی شان نزول

ابو الشیخ ابن حبان نے کتاب الفرائض میں بطریق کلبی ابو صالح کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ اہل جاہلیت نہ لڑکیوں کو میراث دیتے تھے نہ بالغ ہونے سے پہلے چھوٹے لڑکوں کو۔ ایک انصاری کا جن کا نام اوس بن ثابت تھا انتقال ہو گیا اور انہوں نے دو لڑکیاں اور ایک چھوٹا لڑکا چھوڑا اس کے دو چچا زاد بھائی خالد اور عرجہ تھے دونوں نے آکر ساری میراث پر قبضہ کر لیا اس کی بیوی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور واقعہ عرض کر دیا ارشاد فرمایا مجھے نہیں معلوم کہ کیا کہوں اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ

یعنی والدین اور (باہم وارث ہونے والے) نزدیک ترین رشتہ داروں کے ترکہ میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی۔ عورتوں کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے مستقلاً ان کے لئے والدین اور اقارب کے ترکہ کا ذکر کیا۔ وَمِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ترکہ کم ہو یا زیادہ۔ یہ فقرہ محاکمہ ترک سے بدل ہے، قلیل مقدار کی جو لوگ پروا نہیں کرتے تھے اس فقرہ میں ان کو تنبیہ کر دی گئی (کہ ترکہ کم ہو یا زیادہ میراث سب میں جاری ہوگی)۔

نَصِيبًا مَّفْرُوضًا (حصہ قطعی۔ یہ مفعول مطلق تاکید ہے) (فعل محذوف ہے) یا فاعل ظرف (للرجال) سے حال ہے، حال در حقیقت مفروضاً ہے نصیباً اس کی تمہید، یا فعل اختصاص محذوف ہے اور نصیباً کا نصب اختصاص کی وجہ سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے وارثوں کے حصے قطعی اور واجب کر دیئے ہیں کسی کے لئے ان کو تبدیل کرنا جائز نہیں، لفظ مفروضاً بتا رہا ہے کہ وارث اگر اپنے حصہ سے اعراض بھی کر لے یا اظہار بیزاری کر دے تب بھی اس کا حصہ ساقط نہیں ہوتا، یہ آیت دو لحاظ سے مجمل ہے۔

(۱)..... اس میں حصوں کی تعیین نہیں (۲)..... اقرب سے کیا مراد ہے اس کی وضاحت نہیں ان دونوں باتوں کا بیان شریعت (یعنی حدیث) میں آیا ہے۔

والدین بھی اگرچہ اقربین میں داخل تھے مگر مستقلاً والدین کے ذکر کی دوجہیں ہیں۔ ایک تو والدین کی اہمیت دکھانی مقصود ہے، دوسری یہ کہ والد کے ترکہ کی تقسیم کے متعلق (اصل میں) آیت کا نزول ہوا تھا (اقرباء کا ذکر تو ضمنی طور پر کر دیا گیا)۔

بغویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت اوس بن ثابت انصاری کا انتقال ہوا اور پسماندگان میں ایک بیوی ام کھ اور تین لڑکیاں رہیں، سوید اور عرفجہ جو میت کے چچا کے بیٹے اور وصی تھے کھڑے ہو گئے اور کل مال پر قابض ہو گئے نہ بیوی کو کچھ دیا نہ بیٹیوں کو کیونکہ جاہلیت کے زمانہ میں وہ لوگ نہ عورتوں کو میراث دیتے تھے نہ چھوٹی اولاد کو خواہ اولاد میں کوئی لڑکا ہی ہوتا صرف بالغ مردوں کو میراث کا حصہ دیتے تھے اور کہتے تھے ہم صرف اسی کو دیں گے جو دشمن سے لڑے اور مال غنیمت لوٹے۔ ام کھ نے خدمت گرامی ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اوس بن ثابت کا انتقال ہو گیا اوس نے تین بیٹیاں پیچھے چھوڑیں اور میں اس کی بیوی ہوں اور میرے پاس اتنا بھی نہیں کہ میں لڑکیوں کو کھلا سکوں، لڑکیوں کے باپ نے اچھا خاصا مال چھوڑا ہے مگر وہ مال سوید و عرفجہ کے قبضہ میں ہے انہوں نے نہ مجھے کچھ دیا نہ میری بچیوں کو، بچیاں میرے پاس ہیں نہ ان کے کھانے کو کچھ ہے نہ پینے کو۔ رسول اللہ ﷺ نے سوید اور عرفجہ کو طلب فرمایا وہ بولے یا رسول اللہ ﷺ اس عورت کی اولاد اس قابل نہیں کہ گھوڑے پر سوار ہو سکے نہ (دیت اور تالوان وغیرہ کا) بار اٹھا سکتی ہے نہ دشمن سے لڑ سکتی ہے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ نے سوید اور عرفجہ کو بلوا کر فرمایا بھی اوس بن ثابت کے مال کو بالکل تقسیم نہ کرنا اللہ نے ترکہ میں اسکی لڑکیوں کو حصہ دار بنایا ہے مگر حصہ کی تعیین نہیں کی۔ میں منتظر ہوں کہ لڑکیوں کے بارے میں کیا حکم (تعیین کے ساتھ) نازل ہوتا ہے اس پر اللہ نے آیت یوصیکم اللہ الخ نازل فرمائی رسول اللہ ﷺ نے سوید اور عرفجہ کو حکم دیا کہ اس کے مال میں سے ۸/۱۱ ام کھ کو اور ۲/۳ لڑکیوں کو دید و باقی تمہارا ہے میں کہتا ہوں کہ جب آیت للرجال نصیب کے بعد ہی آیت یوصیکم اللہ نازل ہو گئی تو وقت حاجت سے بیان کی تاخیر لازم نہیں آتی واللہ اعلم۔

سعدؒ نے لکھا ہے کہ معتبر کتابوں میں اور

صحیح روایات میں آیا ہے کہ حضرت اوس بن ثابت، حضرت حسان بن ثابت کے بھائی تھے اور جنگ احد میں شہید ہوئے تھے۔ مگر شیخ جلال الدین سیوطی کی نظر میں یہ قول محل اعتراض ہے کیونکہ بھائی کی موجودگی میں چچا کے بیٹوں کو میراث ملنے کا کوئی قانون نہیں (اور حضرت حسانؒ موجود تھے) بغویؒ کے بیان کردہ شان نزول کو ابن حجر نے اصحابہ میں لکھا ہے اور غلط قرار دیا ہے کیونکہ حضرت حسانؒ کے کسی بھائی کا نام اوس نہیں تھا اور نہ آپ ﷺ کے چچا اوسوں میں کوئی فسط یا خالد تھا۔ اس کے بعد شیخ سیوطی نے لکھا ہے کہ متعدد صحابہ کا نام اوس تھا مگر سب کی ولایت الگ الگ تھی اس لئے ممکن ہے کہ انہی میں سے کسی کی میراث کے سلسلہ میں آیت کا نزول ہوا ہو۔

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُو الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسْكٰیۤنُ
خیر مستحق (قربندار اور یتیم اور مسکین آجائیں۔ اُولُو الْقُرْبٰی سے وہ قربندار مراد ہیں جن کا میراث میں کوئی حصہ مقرر نہیں۔
فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ توتر کہ سے یا تقسیم سے ان کو بھی بطور خیرات کچھ دیدو۔

حسن نے بیان کیا کہ لوگ تابوت، برتن، پرانے کپڑے اور وہ سامان جس کو آپس میں تقسیم کرنے سے شرم آتی تھی دیدیا کرتے تھے۔ سعید بن جبیر اور ضحاک نے کہا کہ آیت یوصیکم اللہ سے یہ آیت منسوخ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ شعی، عجمی، زہری، مجاہد اور علماء کی ایک جماعت نے اس آیت کو محکم قرار دیا ہے۔ قتادہ نے یحییٰ بن عمر کا قول نقل کیا ہے کہ میں مدنی آیات جو محکم ہیں لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا ہے ایک یہی آیت اور دوسری طلب اجازت کے متعلق آیت یا ایہا الذین امنون یستأذنین الدین ملککم ایمانکم اور تیسری یا ایہا الناس انا خلقنکم من ذکر و انشی۔ آیت کو محکم قرار دینے کی صورت میں بعض علماء کے نزدیک فارز قوہم کا امر وجوب کے لئے ہے۔ وارث چھوٹے ہوں یا بڑے سب کے مال میں مقامی مساکین اور اقارب بعید کا واجب حق ہے اگر وارث بڑے ہوں تو خود دیدیں اور نابالغ ہوں تو ان کی طرف سے ان کے ولی

دیدیں۔ محمد بن سیرین کی روایت ہے کہ اسی آیت کی وجہ سے عبیدہ سلمانی نے یتیموں کے مال میں سے بانٹ کر کچھ حصہ نکال کر ایک بکری خرید کر ذبح کر کے کھانا پکوا لیا اور اس آیت میں جن کا ذکر ہے ان کو دیدیا ہے اور فرمایا اگر یہ آیت نہ ہوتی تو یہ میرے مال سے ہوتا۔ صحیح یہ ہے کہ امر اسبابی ہے (وجوبی نہیں ہے)۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اگر وارث بڑے ہوں تو مذکورہ بالا آیت والوں کو کچھ دیدیں اور اپنے دیئے کو قلیل سمجھیں ان پر احسان نہ جنائیں اور اگر وارث چھوٹے ہوں تو ان کا دلی یا وصی مذکورہ بالا مستحقین سے عذر کر دے اور کہہ دے یہ مال بچوں کا ہے میرا نہیں ہے، اگر میرا ہو تا تو میں ضرور کچھ دیتا، جب یہ بچے بڑے ہو جائیں گے تو تمہارے حقوق پہنچائیں گے۔ (اس وقت ان کو تمہارے حقوق کا علم نہیں) آیت ذیل میں قول سے یہی قول مراد ہے۔

اور ان سے اچھائی کے ساتھ بات کرو۔

وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ⑤

اور ڈریں وہ لوگ

وَلَبِخَشٍ الْذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعْفًا خَافُوا عَلَيْهَا ⑥

جن کو اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے چھوٹے بچوں کے تباہ ہو جانے کا اندیشہ لگا رہتا ہے بظاہر ڈرنے کا یہ حکم طاقت والے وارثوں کو ہے اور اس آیت کا ربط آیت للرجال نصیب اور اذا حضرا القسمة سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ طاقتور وارث عورتوں اور کمزور وارثوں کا مقررہ میراثی حصہ دیدیں، کہیں یہ کمزور طبقہ برباد نہ ہو جائے جیسے ان کو اپنے بعد بانی رہنے والی بیوی اور کمسن بچوں کے تباہ ہونے کا اندیشہ لگا رہتا ہے اسی طرح مورث کے دور اور قریب کمزور رشتہ داروں کا بھی پاس لحاظ رکھنا چاہئے۔

فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ (یعنی جب ان کو اپنے بیوی بچوں کے تباہ ہونے کا ڈر رہتا ہے تو مورث کی بیوی اور دوسرے کمزور وارثوں اور دور کے رشتہ داروں اور یتیموں، فقیروں کے متعلق بھی ان کو ایسا ہی سوچ رہنا چاہئے کہ کہیں یہ تباہ نہ ہو جائیں اور ان کی بربادی کی باز پرس اللہ ہم سے کرے، پس ان کو اللہ کی باز پرس سے خوف کرنا چاہئے۔) غشیت کی انتہا تقویٰ ہے اس لئے دونوں کا حکم دیا اول ضعف کی تباہی سے ڈرنے کا اور آخر میں اللہ سے ڈرنے کا۔

کلبی نے کہا حکم مذکور یتیموں کے سرپرستوں اور وصیت والوں کو دیا گیا ہے کہ یتیموں کے معاملہ میں اللہ سے ڈریں اور ان سے سلوک اچھا کریں جیسا اپنے ان کمزور بچوں کے ساتھ لوگوں سے سلوک کرنا پسند کرتے ہیں جو ان کے پیچھے رہ جائیں اس وقت اس آیت کا تعلق وابتلوا الیتیمی سے ہو گا اور للرجال نصیب سے آخر تک معترضہ کلام ہو گا اور اس کلام کو بیچ میں لانے کا فائدہ یہ ہو گا کہ جب تک جاہلیت کے دستور کو ختم نہ کر دیا جائے اور اہل جاہلیت جو کمزوروں کو میراث نہ دینے اور صرف اہل حرب کو حصہ دینے کے قائل تھے ان کے قول کو دفع رفع نہ کر دیا جائے اس وقت تک کہ یتیموں کی سرپرستی کا کوئی نتیجہ ہے، نہ ان کی جانچ کا، نہ ترکہ کی تقسیم ہو سکتی ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ وارثوں کو حکم ہو کہ کمزور غیر وارث رشتہ دار اور یتیم و فقیر اگر تقسیم کے وقت موجود ہوں تو ان سے شفقت کا سلوک کریں اور یہ خیال کریں کہ اگر یہ ہماری اولاد ہوتے اور ہمارے بعد رہ جاتے تو ہم کسی طرح ان کو محروم رکھنا گوارا نہ کرتے۔

بعض علماء نے کہا کہ آیت میں وہ شخص مراد ہے جو مرنے کے قریب ہو اور اس کے گرد و پیش کے آدمی اس سے کہیں کہ تیرے اور تیرے وارث کام نہیں آئیں گے لہذا فلاں غلام کو آزاد کر دے اور فلاں فلاں شخص کو اتنا اتنا دے دے، غرض کل مال اپنی زندگی میں ہی تقسیم کر دینے کا اس کو مشورہ دیں، ایسے ہی لوگوں کو اللہ نے حکم دیا ہے کہ اللہ سے ڈریں اور مریض کی اولاد کو اپنی اولاد سمجھیں کوئی ایسا مشورہ نہ دیں کہ ان کو نقصان پہنچے اور تمام مال صرف ہو جائے یا وصیت کرنے والوں کو حکم ہے کہ وہ کمزور وارثوں کے تباہ ہو جانے کا لحاظ رکھیں، وصیت میں حد سے تجاوز نہ کریں ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت نہ کریں تاکہ ورثہ محروم نہ رہ جائیں۔

وَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلَا سَدِيدًا ⑦ اور ان کو ٹھیک بات کہنی چاہئے، یعنی طاقت والے وارث کمزور وارثوں سے مریبانے

اور تمہذیب سے بات کریں، یا سرپرست یتیموں سے شفقت اور مریبانے سے بات کریں جیسے اپنے بچوں سے کرتے ہیں یا مرنے

کے وقت موجود ہونے والے لوگ مرنے والے کو مشورہ دیں کہ وہ تمہائی مال سے کم خیرات کرنے اور کسی کو دینے کی وصیت کرے یا تقسیم کے وقت جو فقراء آجائیں ان سے تقسیم کرنے والے معذرت کریں، یا وصیت کرنے والے وصیت میں اچھی بات کہیں، ایک تمہائی سے کم کی وصیت کریں اور وصیت میں نیت کو اللہ کے لئے خالص رکھیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظٰلِمًا
اپنے یتیم بھتیجا کا مال کھا لیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی جو لوگ یتیموں کا مال بیجا طور پر کھاتے ہیں۔ ظلماً مفعول مطلق ہے اس وقت موصوف محذوف ہو گا یعنی اکلاً ظلماً۔ یا حال ہو گا اس وقت مصدر بمعنی اسم فاعل ہو گا۔

اِنَّمَآ يَأْكُلُوْنَ فِي بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ﴿١٦﴾
 عنقریب بھڑکتی آگ میں داخل ہوں گے یعنی ایسی چیز پیٹ میں بھرتے ہیں جو ان کو کھینچ کر دوزخ میں لے جائے گی۔ حدیث میں آیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شب معراج میں، میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ اونٹ کے لبوں کی طرح تھے بالائی لب سکڑا ہوا دونوں نتھنوں پر تھا اور نچلا ہونٹ سینہ پر لٹکا ہوا، جہنم کے کارندے ان کے منہ میں دوزخ کے انگارے اور پتھر بھر رہے تھے میں نے پوچھا جبریلؑ یہ کون ہیں جبریلؑ نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال بجا طور پر کھاتے تھے۔ رواہ ابن جریر وابن ابی حاتم من حدیث ابی سعید الخدریؓ۔

ابن ابی شیبہ نے مسند میں اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں اور ابن ابی حبان نے صحیح میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ قبروں سے کچھ لوگوں کو ایسی حالت میں اٹھائے گا کہ ان کے منہ سے آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے عرض کیا گیا یہ کون لوگ ہوں گے فرمایا کیا تم کو نہیں معلوم کہ اللہ فرما رہا ہے کہ جو لوگ تیسوں کا مال ظلم کے ساتھ کھاتے ہیں بس وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور عنقریب بھڑکتی آگ میں داخل ہوں گے۔ سعیر بروزن فعیل اسم مفعول کے معنی میں مستعمل ہے۔ یہ لفظ سعیر النار (میں نے آگ روشن کی) سے ماخوذ ہے۔

بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے لکھا ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ نے فرمایا (محلہ) بنی سلمہ میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ میری عیادت کو تشریف لائے اور مجھے غشی میں پا کر پانی منگو کر وضو کیا پھر مجھ پر پانی کا چھینٹا دیا، فوراً مجھے ہوش آگیا میں نے عرض کیا حضور ﷺ کا کیا حکم ہے، میں اپنے مال میں کیا (وصیت) کر سکتا ہوں۔ اس پر آیت یٰوہاب صیکم اللہ الخ نازل ہوئی۔ امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت سعد بن ربیع کی بیوی نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ سعدؓ آپ کے ہمراہ ہو کر احد میں شہید ہو گئے اور ان کی یہ دو لڑکیاں ہیں لڑکیوں کے چچا نے ان کا مال لے لیا اور ان کے لئے کچھ بھی نہ چھوڑا اور بغیر مال ان کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ ان کا فیصلہ فرمادے گا اس کے بعد آیت میراث نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے لڑکیوں کے چچا کو طلب فرما کر حکم دیا کہ ۳/۲ مال لڑکیوں کو اور ۱/۸، سعد کی بیوی کو وید و باقی تمہارا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے کہا جو لوگ آیت کا نزول سعد کی لڑکیوں کے سلسلہ میں قرار دیتے ہیں اور جابر کے معاملہ میں نزول تسلیم نہیں کرتے ان کی دلیل یہ ہے کہ اس زمانہ میں حضرت جابرؓ کی اولاد ہی نہ تھی۔ (اور آیت میں میراث اولاد کا بیان ہے) اس کا جواب یہ ہے کہ سبب نزول دونوں واقعات ہوئے لڑکیوں کا بھی اور حضرت جابرؓ کا بھی (اور متعدد واقعات کا ایک حکم کے لئے سبب نزول ہونا ممکن نہیں) یہ بھی احتمال ہے کہ آیات کا ابتدائی حصہ حضرت سعد کی لڑکیوں کے حق میں اور آخری حصہ یعنی وان کان یورث کلالۃ الخ حضرت جابرؓ کے سلسلہ میں نازل ہوا ہو اور حضرت جابرؓ نے جو فرمایا تھا کہ اللہ نے آیت یومصبکم اللہ نازل فرمائی تو اس سے مراد ہے اس آیت سے بعد آنے والی آیت (جو کلالہ کے متعلق ہے)۔

لڑکیوں کو میراث دیتے تھے نہ چھوٹے لڑکوں کو۔ اولاد میں سے میراث اسی کو ملتی تھی جو دشمن سے لڑنے کی طاقت رکھتا تھا۔

حضرت حسان شاعر کے بھائی عبدالرحمن کا انتقال ہوا تو انہوں نے اپنے پیچھے ایک بی بی ام کہ اور پانچ لڑکیاں چھوڑیں دوسرے وارث آکر مال پر قبضہ کرنے لگے ام کہ نے اس کی شکایت رسول اللہ ﷺ سے کی تو آیت فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترک بازل ہوئی اور ام کہ کے متعلق نازل ہوا اولھن الربع مما ترکتم الخ حضرت سعد بن ربیع کے سلسلہ میں ان آیات کا نزول ایک اور سند سے بھی مروی ہے۔ قاضی اسماعیل نے احکام القرآن میں عبد الملک بن محمد بن حزم کے طریق سے بیان کیا ہے کہ عمرہ بنت حرام، حضرت سعد بن ربیع کی بیوی تھیں اور عمرہ کے بطن سے سعد کی ایک لڑکی تھی۔ عمرہ اپنی لڑکی کی میراث طلب کرنے کے لئے خدمت گرامی میں حاضر ہوئیں تو ان کے حق میں ہی آیت یو صیکم اللہ الخ نازل ہوئی۔

یُوصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ
اللہ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کی میراث کے بارہ میں۔ فی اولادکم میں فی بمعنی لام بھی ہو سکتا ہے یعنی تمہاری اولاد کے لئے اللہ تم کو حکم دیتا ہے جیسے حدیث مبارک میں آیا ہے دخلت امرأ النار فی ہرة ایک بلی کی وجہ سے ایک عورت دوزخ میں گئی۔ یہاں تک مجمل حکم ہے آگے اس کی تفصیل ہے۔

لِلَّذِکْرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِیِّ
ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔ اگر لڑکا اور لڑکی دونوں قسمیں موجود ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر دو یا زیادہ لڑکیاں ہوں اور ایک لڑکا ہو یا ایک سے زیادہ لڑکے اور ایک لڑکی ہو تو ہر لڑکی سے ہر لڑکے کا حصہ دو گنا ہو گا۔ خصوصیت کے ساتھ لڑکے کے حصہ کا ذکر لڑکے کی فضیلت کو ظاہر کر رہا ہے اور اس امر پر تنبیہ کر رہا ہے کہ لڑکے کا دو گنا حصہ ہونا ہی اس کی فضیلت کے لئے کافی ہے لیکن رشتہ میں چونکہ دونوں اصناف برابر ہیں اس لئے محروم کوئی نہیں ہو گا یہ حکم تو اس وقت ہو گا جب دونوں صنفیں موجود ہوں لیکن اگر محض لڑکیاں ہوں تو

فَإِنْ کُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَکَ
ان کے لئے میت کے ترکہ کا دو تہائی حصہ ہے۔

وَاِنْ کَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ
اور اگر بچی ایک ہی ہو تو اس کے لئے (کل ترکہ کا) آدھا حصہ ہے۔ اس آیت میں دو لڑکیوں کے حصہ کو بیان نہیں کیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ دو لڑکیوں کے لئے بھی وہی ہے جو ایک کے لئے ہے کیونکہ (دو تہائی اور نصف دونوں کا احتمال ہے مگر) کم سے کم لڑکی کا حصہ نصف یقینی ہے (لہذا یقینی کو چھوڑ کر احتمالی کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا)۔

سچ یہ ہے کہ دو ہوں یا زیادہ سب کے لئے دو تہائی مقرر ہے اسی پر اجماع منعقد ہو چکا ہے لیکن آیت میں تو لفظ فوق موجود ہے، تو اس کی تاویل کے لئے بعض علماء نے کہا کہ لفظ فوق زائد ہے جیسے آیت فاضربوا فوق الاعناق میں لفظ فوق زائد ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو حضرت سعد بن ربیع کے ترکہ کے سلسلہ میں اوپر ذکر کی جا چکی ہے اور آیت کا نزول بھی سعد کی دو لڑکیوں کے حق میں ہی ہوا ہے۔ بعض علماء نے دو لڑکیوں کے حصہ کو دو بہنوں کے حصہ پر قیاس کیا ہے۔ اللہ نے ایک بہن کا حصہ نصف مقرر کیا ہے جیسے ایک لڑکی کا حصہ نصف مقرر کیا ہے اور بھائی بہن اگر مخلوط ہوں تو بہن کا اکہر اور بھائی کا دو ہر حصہ قرار دیا ہے جیسے اولاد اگر کچھ مذکر اور کچھ مونث ہو تو ان کا حصہ بھی دو ہر اور اکہر رکھا ہے اور اگر محض دو بہنیں ہوں تو ان کیلئے دو تہائی کی صراحت کی ہے پس اگر صرف دو لڑکیاں ہوں تو قیاس کا تقاضا ہے کہ دو بہنوں کی طرح ان کو بھی دو تہائی دیا جائے پس سنت اور اجماع سے ثابت ہے کہ دو بہنوں سے زائد کا حصہ بھی اتنا ہی ہے جتنا دو بہنوں کا نص سے ثابت ہے اور دو لڑکیوں کا بھی وہی حکم ہے جو دو سے زائد کا نص میں آیا ہے۔ دو لڑکیوں کو ایک کی طرح قرار دینے کی تو کوئی وجہ ہی نہیں۔

پھر ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر ایک لڑکی اور ایک لڑکا ہو تو لڑکی کا حصہ ایک تہائی سے کم نہیں ہو سکتا (دو تہائی لڑکے کا اور ایک تہائی لڑکی کا ہو گا) لہذا اگر ایک لڑکی کے ساتھ دوسری اس کی بہن ہو تب بھی اس کا حصہ ایک تہائی سے کم نہ ہونا چاہئے (پس دو لڑکیوں کا دو تہائی ہو گا) آیت میں تہا لڑکے کا حصہ نہیں بتلایا۔ یہ سکوت دلالت کر رہا ہے کہ اگر زینہ اولاد تہا ہو تو کل مال اس کا ہے محروم تو ہو نہیں سکتا کیونکہ لڑکی سے ہر حال اس کو فضیلت حاصل ہے اور جب تہا لڑکی محروم نہیں ہوتی تو لڑکے کو محروم

نہ ہونا چاہئے لیکن اس کا حصہ کوئی مقرر نہیں کیا اگر اس کا کل مال نہ ہو تا تو کچھ حصہ مقرر کرنا اور بتانا چاہئے تھا ضرورت کے وقت بیان سے سکوت ناجائز ہے، لڑکے کی موجودگی میں کوئی دوسرا عصبہ بھی وارث نہیں ہو سکتا کیونکہ قریب ترین عصبہ لڑکا ہی ہے مال کا کوئی حصہ لڑکے سے بچ ہی نہیں سکتا کہ دوسرا کوئی وارث ہو۔

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ نے لڑکے کا لڑکی سے دو گنا حصہ مقرر کیا ہے اور لڑکی اگر تنہا ہو تو اس کے لئے نصف مقرر ہے لہذا لڑکا اگر تنہا ہو تو اس کے لئے نصف کا دو گنا یعنی کل ہونا چاہئے۔ چونکہ لڑکے کے لئے کل مال ہے اس لئے لڑے کی موجودگی میں پوتے اور پوتیاں بالاجماع محروم رہیں گے۔

مسئلہ :- اجماع سلف ہے کہ اگر صلبی اولاد نہ ہو تو پوتے اور پوتیاں صلبی اولاد کی قائم مقام ہو جائیں گے اگر صرف ایک پوتیا یا چند پوتے ہوں تو کل مال ان کو ملے گا اور ایک پوتی ہوتی تو آدھا مال ملے گا اور زیادہ ہوں گی تو دو تہائی اور پوتے پوتیاں مخلوط ہوں تو مذکور کا دہر اور مونث کا اکرا ہو گا۔ اور اگر پوتے پوتیوں کے ساتھ ایک صلبی لڑکی یا چند لڑکیاں ہوں تو جو لڑکی یا لڑکیوں سے بچے گا وہ پوتے پوتیوں کو دہرے اور اکرا کے حساب سے ملے گا۔ طحاویؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دو بیٹیوں کی موجودگی میں پوتیوں اور پوتوں کو بقیہ (ایک تہائی) میں (دوہرے اور ایکہرے کے حساب سے) باہم شریک کر دیا اسی طرح حقیقی بہنوں کی موجودگی میں علانی (ایک باپ اور دو ماؤں کی اولاد) بہنوں اور بھائیوں کو باقی مال میں شریک کیا۔

اگر ایک صلبی لڑکی یا چند لڑکیوں کی موجودگی میں تنہا ایک پوتیا یا چند پوتے ہوں گے تو لڑکیوں سے جو کچھ باقی رہے گا وہ پوتوں کو دیا جائے گا۔ بخاری اور مسلم نے صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فرض حصے اہل فرائض کو دو اور فرائض ادا کرنے سے جتنا بچ جائے وہ قریب ترین مرد کو دیدو۔ اگر ایک صلبی بیٹی ہو اور ایک یا زیادہ پوتیاں تو بیٹی کو (نصف) دینے کے بعد پوتیوں کو کل ترکہ کا چھٹا حصہ دیا جائے گا تاکہ دو تہائی ہو جائے (بیٹیوں، پوتیوں، بہنوں کا دو تہائی سے زائد نہیں ہے اس لئے دو تہائی پورا کرنے کے لئے پوتیوں کو چھٹا حصہ دیا جائے گا)۔

بخاری نے ہذیل بن شریل کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابو موسیٰ اور حضرت سلمان بن ربیعہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسئلہ پوچھا کہ اگر کسی میت کی ایک بیٹی اور ایک حقیقی بہن رہ جائے تو ترکہ کی تقسیم کس طرح کی جائے، دونوں صحابیوں نے فیصلہ کیا کہ بیٹی کو آدھا اور بہن کو آدھا دیا جائے پوتی محروم ہوگی مگر یہ بھی فرمادیا کہ تم ابن مسعودؓ سے بھی جا کر پوچھو وہ بھی (اس فیصلہ میں) ہمارا ساتھ دیں گے وہ شخص حضرت ابن مسعودؓ کی خدمت میں پہنچا، آپ نے فرمایا اگر ایسا فیصلہ میں کر دوں تو گمراہ ہو جاؤں گا، راہ راست پر نہ ہوں گا، میں تو وہی فتویٰ دوں گا جو رسول اللہ ﷺ نے دیا تھا۔ بیٹی کو آدھا اور پوتی کو چھٹا حصہ اور باقی ایک تہائی (بطور عصبیت) بہن کو دیا جائے۔ ہم حضرت ابو موسیٰؓ کے پاس لوٹ کر گئے اور حضرت ابن مسعودؓ کا فتویٰ ان سے بیان کیا فرمایا جب تک یہ علامہ موجود ہے مجھ سے نہ پوچھا کرو (حضرت ابن مسعودؓ کے فتویٰ کی وجہ یہ تھی کہ میت کی نسل کی موجودگی میں میت کے باپ کی نسل کا رشتہ قریب ترین نہیں ہے اس لئے بیٹی اور پوتی کی موجودگی میں بہن وارث بطور فرض نہیں ہو سکتی ہے ہاں عصبہ ہو سکتی ہے لہذا بیٹی اور پوتی کا حصہ دو تہائی دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ بہن کو دیا جائے گا)۔

دو حقیقی بیٹیوں کی موجودگی میں پوتیاں وارث نہ ہوں گی کیونکہ بیٹیوں کو دو تہائی پورا ملے گا (اور عورتوں کا حصہ بطور فرضیت دو تہائی سے زائد نہیں) ہاں اگر پوتیوں کے ساتھ مساوی رشتہ کا کوئی پوتا ہو گا یا پوتیوں سے نچلے درجہ میں کوئی پوتا ہو گا تو وہ چونکہ عصبہ ہو گا تو وہ اپنے ساتھ مساوی درجہ رکھنے والی پوتیوں کو بھی عصبہ بنادے گا بلکہ اوپر درجہ والی پوتیاں بھی اس کی وجہ سے عصبہ ہو جائیں گی۔

اور میت کے مال

وَلَا يَوِيهٖ لِحُلٍّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الشُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ

باپ کے لئے یعنی دونوں میں سے ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ ترکہ کا چھٹا حصہ ہے بشرطیکہ میت کی کوئی اولاد ہو صرف لایویہ کے لفظ سے شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید چھٹا حصہ دونوں کو مشترکاً ملے گا یعنی ایک ایک کو بارہواں حصہ دیا جائے گا اس شبہ کو دور کرنے کے لئے فرمادیا کہ دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہوگا۔ ولد کا لفظ عام ہے بیٹا ہو یا بیٹی یا بیٹے کی اولاد، لیکن اگر مذکر اولاد نہ ہو بیٹی ہو تو باپ کو چھٹا حصہ بطور فرض ملے گا اور ذوی الفروض کو دینے کے بعد جتنا باقی رہے گا وہ بطور عصبہ ہونے کے ملے گا کیونکہ بیٹوں اور پوتوں کے بعد باپ کا رشتہ تمام عصبات سے زیادہ قریب ہے۔

اگر میت کی کوئی صلیبی اولاد نہ ہو، نہ پوتا

فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَتُهُ أَبَوُهُ فَلِلثَّلَاثِ

ہو اور ماں باپ اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کے لئے ایک تہائی حصہ ہے یعنی اگر ماں باپ کے علاوہ کوئی دوسرا صاحب فرض وارث نہ ہو تو ماں کو کل ترکہ کا ایک تہائی حصہ ملے گا اور اگر کوئی دوسرا صاحب فرض یعنی شوہر یا بیوی بھی ہو تو شوہر یا بیوی کا حصہ دینے کے بعد جو کچھ بچے گا۔ اس کا ایک تہائی حصہ ملے گا۔ اگر اولاد صلیبی اور پوتانہ ہو اور ماں باپ موجود ہوں تو علاوہ شوہر اور بیوی کے کوئی دوسرا صاحب فرض تو مستحق ہو سکتا ہی نہیں۔ بہن بھائی اور دادا باپ کی موجودگی میں وارث نہیں۔ اور دادی ثانی ماں کی موجودگی کی وجہ سے محروم ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ اگر صرف ماں باپ وارث ہوں تو کل ترکہ کا ایک تہائی ماں کا ہے کیونکہ اولاد نہ ہونے کی صورت میں کل ترکہ کا ایک تہائی حصہ ماں کا تھا جیسا گذشتہ آیت میں بیان کیا تھا۔ رہی یہ بات کہ اگر زوجین میں سے کوئی موجود ہو تو ماں کو کیا دیا جائے (اس کی صراحت آیت میں نہیں ہے البتہ) اس کی تعیین قیاس سے معلوم ہو جاتی ہے اگر ماں باپ کے سوا کوئی وارث نہ ہو تو باپ کے مقابلہ میں ماں کو کل ترکہ کا ایک تہائی دیا جاتا ہے اور دو تہائی باپ کا ہو جاتا ہے پس اگر زوجین میں سے کوئی موجود ہو تو اسی پر قیاس کر کے زوج یا زوجہ کو دینے کے بعد جو کچھ باقی رہے گا اس کا ایک تہائی ماں کو دیا جائے گا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا جس راستہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ چلتے تھے ہم کو وہی آسان نظر آتا تھا اور ہم بھی اسی پر چلتے تھے آپ سے دریافت کیا گیا کہ اگر کسی میت کے وارث ایک بیوی اور ماں باپ ہوں تو کیا حکم ہے۔ فرمایا عورت کا چوتھائی اور باقی ماندہ میں سے ماں کا ایک تہائی اور بقیہ (دو تہائی) باپ کا ہوگا۔ یہی قول حضرت زید بن ثابتؓ کا ہے کہ شوہر اور ماں باپ یا بیوی اور ماں باپ کی صورت میں زوجین کا حصہ دینے کے بعد باقی مال کے تین حصے کر کے ایک ماں کا اور دو باپ کے ہوں گے۔

اسی پر اجماع ہے اور اگر باپ نہ ہو بلکہ اس کی جگہ دادا ہو تو ماں کو کل مال کا ایک تہائی ملے گا۔ بیہقی نے عکرمہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک دونوں مسکوں میں کل ترکہ کا ایک تہائی ماں کا حصہ ہوگا۔ شریح کا بھی یہی قول ہے لیکن ابن سیرین کے نزدیک بیوی اور ماں باپ کے مسئلہ میں تو ماں کے لئے کل مال کا ایک تہائی ہوگا مگر شوہر اور ماں باپ کے مسئلہ میں ماں کے لئے شوہر کو دینے کے بعد باقی مال کا ایک تہائی ہوگا۔ بیہقی نے غمی کا قول بیان کیا ہے کہ اس مسئلہ میں حضرت ابن عباسؓ کا قول تمام علماء فرائض کے خلاف ہے۔ آیت وورثہ ابواہ میں باپ کا کوئی حصہ نہیں بیان کیا۔ یہ سکوت بتا رہا ہے کہ باقی دو تہائی باپ کا ہے کیونکہ ماں سے زیادہ باپ مستحق ہے اس کو محروم رکھنا شیعہ نہیں اور باپ کی موجودگی میں کوئی دوسرا عصبہ وارث بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ اولاد نہ ہونے کی صورت میں باپ ہی قریب ترین عصبہ ہے کسی دوسرے کے لئے کچھ باقی ہی نہیں رہے گا۔ آیت وورثہ ابواہ سے یہ بات بھی معلوم ہو رہی ہے کہ اگر باپ نہ ہو اور ماں تنہا وارث ہو تو بدرجہ اولیٰ اس کو ایک تہائی مال ملے گا۔ زیادہ ملنے کی (آیت میں) کوئی دلیل نہیں ہے۔

فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ پس اگر میت کے بھائی (بہن) ہوں خواہ حقیقی ہوں یا علاقائی یا خیانی (باپ کی طرف سے یا ماں کی طرف سے) مرد ہوں یا عورت یا مخلوط۔ اخوة سے مراد بالا جماع دو اور دو سے زائد ہیں۔ باب فرائض و وصیت میں ہر جگہ جمع کے صیغہ سے مراد ایک سے زائد ہوتا ہے یہ فیصلہ باتفاق علماء ہے۔ لیکن حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ (اخوة سے مراد کم سے کم تین ہیں) تین سے کم بھائی بہن میت کی ماں کے حصہ کو ایک تہائی سے گھٹا کر چھٹا حصہ نہیں بنا سکتے۔ حاکم نے بیان کیا ہے اور اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا دو بھائیوں کی وجہ سے آپ

ماں کے حصہ کو ایک تہائی سے گھٹا کر ۶/۱ کیسے کرتے ہیں حالانکہ دو بھائی اخوة نہیں ہوتے (اخوة جمع کا صیغہ ہے اور جمع کا اطلاق کم سے کم تین پر ہوتا ہے)۔

حضرت عثمانؓ نے فرمایا جو مسئلہ مجھ سے پہلے ہو چکا ہے اور ملک میں جاری ہو چکا ہے اور لوگ برابر اس پر عمل کرتے رہے ہیں، میں اس کو پلٹ نہیں سکتا، گویا حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے جواب میں اجماع امت سے استدلال کیا لیکن جب حضرت زید بن ثابتؓ سے لوگوں نے یہی مسئلہ دریافت کیا اور یہی اعتراض کیا تو آپؓ نے فرمایا عرب دو بھائیوں کو بھی اخوة کہتے ہیں (گویا حضرت زید بن ثابتؓ نے لغت سے استشاد کیا اور اشارہ کیا کہ ہمارا مسلک خلاف لغت نہیں ہے)۔

فَلْيَصِدِّ السُّدُسُ تو میت کی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے۔ یہ آیت مفہوم مخالف کے طور پر اور سابق آیت مفہوم موافق کے ساتھ دلالت کر رہی ہے اس امر پر کہ اگر ماں اور ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ماں کو بدرجہ اولیٰ تہائی حصہ ملے گا کیونکہ جب ماں کو باپ کی موجودگی میں ایک تہائی ملتا ہے تو بھائی یا بہن کے ساتھ تو بدرجہ اولیٰ تہائی ملنا چاہئے۔

مسئلہ :- اگر ماں باپ اور چند بہن بھائی ہوں تو بھائی بہن اگرچہ باپ کی وجہ سے محروم ہوں گے مگر ماں کا حصہ گھٹا کر تہائی سے چھٹا کر دیں گے۔ یہ فتویٰ جمہور کا ہے لیکن حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا (باپ کو دو تہائی اور) ماں کو چھٹا حصہ دیا جائے گا تو ۶/۱ اجوبائی رہے گا وہ بہن بھائی کو دیدیا جائے گا۔ بھائی بہن محروم نہیں ہوں گے۔

مسئلہ :- دادا اور دادا سے اوپر جو دادا جہاں تک ہو سب کا حکم باپ کے نہ ہونے کی صورت میں باپ کا ہے ناناکا کوئی حصہ نہیں ہے کیونکہ نانائے تو باپ کی جگہ لے سکتا ہے اس لئے کہ ناناکا میت سے رشتہ باپ کی طرف سے نہیں ہے۔ نہ ماں کی جگہ لے سکتا ہے۔ کیونکہ دونوں جنسیں الگ الگ ہیں (ایک عورت دوسرا مرد) اسی لئے اس کو جد فاسد کہتے ہیں۔ پس دادا محض عصبہ ہے اگر میت کی اولاد نہ ہو (یعنی اصحاب فرائض کو دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ سب دادا لے لے گا) اور اگر زینہ اولاد ہو تو دادا کو ۶/۱ اکل ترکہ کا ملے گا اور اگر میت کی اولاد مؤنث ہو تو دادا کو چھٹا حصہ بھی ملے گا اور جو کچھ بچے گا وہ بھی آخر میں لے گا یعنی عصبہ بھی ہوگا۔

باپ سے دادا کے حکم کا اختلاف

دادا کی وجہ سے ماں کا ایک تہائی حصہ گھٹ کر ۶/۱ نہیں ہو تا جب کہ ورثہ دادا ماں اور شوہر ہوں اور اگر دادا کی جگہ باپ ہو تو ماں کا حصہ ۶/۱ ہو جاتا ہے۔ صحیح مسئلہ چھ سے ہوگی ۳ شوہر کے بہر حال ہوں گے ایک دادا کا اور ۲ ماں کے۔ اور اگر باپ ہو گا تو شوہر کے ۳ اور ۲ باپ کے اور ایک ماں کا ہوگا۔ لیکن اگر دادا یا باپ کے ساتھ میت کی ماں اور بی بی ہو تو دادا ماں کا حصہ ۳/۱ نہیں کر دے گا مگر باپ کر دے گا۔ اگر باپ ہو گا تو صحیح مسئلہ ۴ سے ہوگی ایک بی بی کا ایک ماں کا اور ۲ باپ کے ہوں گے لیکن باپ کی جگہ اگر دادا ہو گا تو مسئلہ ۱۲ سے ہوگا ۳ بی بی کے ۴ ماں کے اور ۵ دادا کے ہو گئے۔ باپ کی طرح دادا بھی تمام یعنی اور علانی اور اخیانی بھائیوں اور بہنوں کو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک محروم کر دیتا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور صحابہؓ کی کثیر تعداد سے بھی یہی قول منقول ہے باقی تینوں ائمہ اور صاحبین قائل ہیں کہ دادا اخیانی بھائی بہن کو محروم کر دیتا ہے۔ علانی اور یعنی پر کوئی اثر نہیں ڈالتا۔

ابن جوزیؒ نے محروم نہ ہونے کی یہ دلیل بیان کی ہے کہ اخوت کی وجہ سے وراثت (یعنی بھائی بہن کا وارث ہونا) تو قرآن میں صراحت کے ساتھ موجود ہے لہذا ان کو محروم الارث قرار دینے کے لئے بھی کوئی قرآنی نص ہی ہونا چاہئے (اور ایسی کوئی نص دادا کے سلسلہ میں موجود نہیں ہے)۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر یہی بات ہے تو دادا کی وجہ سے اخیانی بھائی بہنوں کے محروم ہونے کے آپ کیوں قائل ہیں۔ اخیانی

کے وارث ہونے کی تو قرآن میں نص موجود ہے پھر جب تم پوتے کو ہر قسم کے بھائیوں کے لئے حاجب (محروم کن) مانتے ہو اور کہتے ہو کہ پوتا بیٹے کا قائم مقام ہے تو دادا کو ہر قسم کے بھائی بہنوں کے لئے حاجب (محروم کن) کیوں نہیں مانتے، دادا بھی تو باپ کی جگہ ہوتا ہے۔ امام صاحبؒ کے قول کی دلیل یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فرائض (مقررہ) اہل حصص کو پہنچا دو۔ پھر جو کچھ رہ جائے وہ میت سے قریب ترین معلق رکھنے والے مرد کو دیداد اور یہ امر یہی ہے کہ دادا کا تعلق پوتے سے قریب ترین ہے کیونکہ وہ پوتے کی جڑ ہے۔ بھائی کو یہ قرب (نسبی) حاصل نہیں۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ دادا اور بھائی بہنوں کی جہات قرابت جدا جدا ہیں۔ بھائیوں کی وجہ سے دادا کے محروم ہونے کا تو کوئی بھی قائل نہیں اور مقاسمہ کی کوئی وجہ نہیں لہذا دادا کی وجہ سے بھائی بہنوں کو ہی محروم کیا جائے گا شیخ ابن حجر نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ ابن حزمؒ نے کچھ لوگوں کے اقوال ایسے بھی نقل کئے ہیں جو بھائی بہنوں کو دادا سے مقدم قرار دیتے ہیں (یعنی دادا کو محروم کہتے ہیں) پھر دادا کے محروم نہ ہونے پر اجماع کہاں ہوا۔ ہم کہتے ہیں کہ دادا کو محروم کر دینے والے تو دنیا سے چلے گئے اور ان کے مسلک کا کوئی قائل بھی نہیں رہا، انقطاع مسلک کے بعد امت کا اجماع اس بات پر ہو گیا کہ یا بھائی بہن محروم ہوں گے یا مقاسمہ ہو گا لہذا اجماع ثابت ہو گیا۔

مقاسمہ کا قول حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے حضرت زید بن ثابتؓ (رضی اللہ عنہ) کے نزدیک اگر عینی یا علاتی بھائی بہن دادا کے ساتھ ہوں گے تو دادا کے لئے یا جمع مال کا تہائی حصہ یا مقاسمہ کیا جائے گا جو دادا کے لئے بہتر ہو گا وہی اس کو دیا جائے گا بشرطیکہ کوئی دوسرا صاحب فرض موجود نہ ہو مقاسمہ کی توضیح اس طرح کی گئی ہے کہ تقسیم کے وقت دادا کو بجائے ایک بھائی کے مان لیا جائے اور جتنا ایک بھائی کا حصہ ہو اتنا دادا کو دیدیا جائے۔ اس وقت دادا کا حصہ کم کرنے کے لئے علاتی بھائی بہن حقیقی بھائی بہن کے ساتھ شریک ہو کر ان کی تعداد بڑھا دیں گے تاکہ دادا کا حصہ بحیثیت ایک بھائی ہونے کے کم ہو جائے اور دادا واجب اپنا حصہ پالے گا تو علاتی تقسیم سے باہر نکل جائیں گے صرف حقیقی بھائی بہن وارث ہوں گے علاتی محروم رہیں گے۔ لیکن اگر ایک بہن کے سوا کوئی اور حقیقی بھائی بہن نہ ہو اور دادا کے ساتھ علاتی بھائی بہن موجود ہوں تو دادا کا حصہ اور حقیقی بہن کا حصہ یعنی کل مال کا نصف دینے کے بعد جو کچھ باقی رہے گا وہ علائیوں کا دوہرے اور اکہرے کے حساب سے دے دیا جائے گا اور کچھ باقی نہیں رہے گا تو کچھ نہیں دیا جائے گا مثلاً دادا ایک حقیقی بہن اور دو علاتی بہنیں (اس صورت میں اگر مقاسمہ ہو گا تو دادا کو بجائے ایک بھائی کے مانا جائے گا اور ایک بھائی دو بہنوں کے برابر ہوتا ہے تو گویا کل پانچ بہنیں ہو گئیں اصل مسئلہ دس سے ہو گا دادا چونکہ دو بہنوں کی جگہ ہے اس لئے اس کو چار اور حقیقی بہن کو کل ترکہ کا نصف یعنی پانچ دینے کے بعد ایک باقی رہے گا وہ دونوں علاتی بہنوں کا ہو گا اور ایک کی دو پر تقسیم صحیح نہیں ہوتی اس لئے مسئلہ کی صحیح ۲۰ سے کی جائے گی آٹھ دادا کو دس حقیقی بہن کو اور دو علاتی بہنوں کو ملیں گے) لیکن اگر اسی مسئلہ میں دو علاتی نہ ہوں صرف ایک علاتی بہن ہو تو گویا وارث چار بہنیں ہوں گی دادا بجائے دو بہنوں کے ہے اس لئے دس سام اس کے ہوں گے اور حقیقی بہن کل مال کا نصف یعنی دس سام لے لے گی علاتی بہن کے لئے کچھ نہیں بچے گا۔

اگر دادا اور بھائی بہنوں کے ساتھ کوئی دوسرا فرضی قطعی وارث بھی موجود ہو تو دادا کو کل مال کا ۶/۷ یا ذوی الفروض کو دینے کے بعد باقی مال کا ۱/۷ یا حصہ مقاسمہ تینوں میں سے جو بھی بہتر ہو گا وہ اس کو دیا جائے گا جیسے اگر دادا، دادی، بیٹی اور دو بھائی موجود ہو (تو اصل مسئلہ کی صحیح چھ سے ہو گی ۳ بیٹی کو ایک دادی ایک دادا کو اور ایک دونوں بھائیوں کو دیا جائے گا۔ اس مسئلہ میں دادا کو کل مال کا چھٹا حصہ یعنی ایک دینا زیادہ مفید ہے کیونکہ بصورت مقاسمہ تین بھائی ہو جائیں گے اور دو سہم کو تین بھائیوں پر تقسیم کرنے سے ایک ایک کے حصہ میں ایک سہم کا ۳/۲ آئے گا پورا سہم نہیں آئے گا اور بقیہ مال کا دس یعنی چھٹا حصہ تو اس سے بھی کم ہو گا)۔

صورت مذکورہ میں کوئی مثال ایسی بھی ہوتی ہے کہ ذوی الفروض کو دینے کے بعد کچھ بھی باقی نہیں رہتا، لامحالہ مسئلہ میں

عول کیا جاتا ہے یعنی مخرج میں توسیع کی جاتی ہے اور دادا کو چھٹا حصہ دیا جاتا ہے جیسے اگر دو بیٹیاں، ماں، شوہر اور دادا موجود ہوں (تو بیٹیوں کا دو تہائی شوہر کا چھٹا حصہ ہونا چاہئے مگر تنگی مخرج اس کی اجازت نہیں دیتی مجبوراً ۱۲ کو ۵ کی طرف عول کیا جائے گا) اور ۵ کی تقسیم اس طرح کی جائے گی بیٹیاں ۸، شوہر ۳، ماں ۲، دادا ۲۔

تنبی: ذوی الفروض کو دینے کے بعد کچھ باقی تو رہتا ہے مگر ۶/۱ سے کم جیسے اگر دو بیٹیاں اور شوہر موجود ہوں (اس صورت میں اصل تصحیح ۱۲ سے ہوگی بیٹیوں کے آٹھ اور شوہر کے تین دینے کے بعد ایک باقی رہے گا جو ۱۲/۱۶ نہیں ہے (لہذا عول کر کے ۳ اسے تصحیح کی جائے گی اور دادا کو ۲ سهام دیئے جائیں گے) کبھی پورا چھٹا حصہ باقی رہتا ہے جیسے اگر دو بیٹیاں اور ماں اور دادا موجود ہوں تو تصحیح ۶ سے کر کے بیٹیوں کو ۴ ماں کو اور دادا کو ایک دے دیا جائے گا) بہر حال ان تینوں صورتوں میں اگر بھائی بھی موجود ہوں گے تو محروم رہیں گے۔

دوسری صورت کی مثال (یعنی دادا کے لئے کل مال کا چھٹا حصہ دینے یا مقاسمہ کر کے حصہ دینے سے باقی مال کا چھٹا حصہ زیادہ مفید ہوتا ہے) جیسے اگر دادا، دادی دو بھائی اور ایک بہن موجود ہوں (تو اصل تصحیح ۶ سے ہوگی چھٹا حصہ دادی کو دینے کے بعد پانچ رہیں گے اور پانچ کا تہائی بغیر کسر کے نکل نہیں سکتا لہذا تہائی کے مخرج یعنی تین کو اصل تصحیح یعنی ۶ میں ضرب دی جائے گی تو ۱۸ ہو جائیں گے ۱۸ میں سے ۳ دادی کو دیئے جائیں گے اور باقی پندرہ کا ایک تہائی یعنی ۵ دادا کو اور ہر بھائی کو ۴ اور بہن کو ۲ دیئے جائیں گے، اگر دادا کو کل مال کا چھٹا حصہ دیا جائے تو اصل مسئلہ ۶ سے ہوگا ایک دادا کے حصہ میں آئے گا اور اس ایک سے پندرہ کا تہائی یعنی ۵ بہر حال زائد ہے۔ اور مقاسمہ سے بھی دادا کے یہ پانچ زائد ہیں کیونکہ اگر دادا کو ایک بھائی کی جگہ مان لیا جائے تو تین بھائی اور ایک بہن اور ایک دادی وارث ہوں گے اور دادا کا حصہ ایک بھائی کے برابر ہوگا یعنی ۱۱ اور اگر دادی کا حصہ ادا کرنے کے بعد باقی مال کا ایک تہائی دادا کو دیا جائے تو ۱۱ ہوگا اور ۱۱ زائد ہے ۱۱ سے)۔

..... مسئلہ اکدریہ ❦

حضرت زید بن ثابتؓ کے نزدیک دادا کی موجودگی میں حقیقی یا علاتی بہن صاحب فرض نہیں ہوتی صرف مندرجہ ذیل صورت اس سے مستثنیٰ ہے اس میں بہن صاحب فرض ہے، صورت مسئلہ یہ ہے کہ شوہر، ماں، دادا، بہن (اصل مسئلہ ۶ سے ہوگا) شوہر کو نصف، ماں کو ایک تہائی، دادا کو چھٹا حصہ (چھ پورے ہو گئے، بہن کے لئے کچھ نہیں بچا لیکن حضرت زید اس صورت میں بہن کو وارث قرار دینا ضروری سمجھتے ہیں اور ایک بہن کے لئے نصف ترکہ ہونا چاہئے لہذا) عول کر کے چھ کو نو قرار دیا جائے گا اور تین سهام بہن کے ہو جائیں گے اس صورت میں دادا کے لئے ایک اور بہن کے لئے ۳ ہوں گے پس دادا کا حصہ بہن سے کم ہو جائے گا اس لئے دادا کا حصہ بہن کے حصہ سے ملا دیا جائے گا (اور مجموعہ چار ہو جائے گا اور چونکہ دادا بجائے بھائی کے ہے اور بھائی کا حصہ دو بہنوں کے برابر ہوتا ہے اس لئے دادا بجائے دو بہنوں کے ہو گیا اور مسئلہ میں تین بہنیں ہو گئیں جن کو چار سهام دیئے جائیں گے اور چونکہ عدد دس یعنی ۳ اور سهام یعنی ۴ میں تباہ ہے اس لئے ۳ کو عدد عول یعنی ۹ میں ضرب دیا جائے گا اور حاصل ضرب ۲۷ ہوگا) اور ۲۷ سے صحیح مسئلہ کی جائے گی، شوہر کو ۹ ماں کو ۶ دادا کو ۸ اور بہن کو ۴ دیئے جائیں گے لیکن اگر بجائے ایک بہن کے ایک بھائی یا دو بہنیں ہوں تو نہ عول ہوگا نہ مسئلہ اکدریہ رہے گا (اصل تصحیح ۶ سے ہوگی شوہر کے ۳ ماں کے ۲ دادا کا ایک۔ بھائی عصبہ ہے مگر اس جگہ کچھ باقی نہ رہنے کے وجہ سے محروم ہے اور اگر بھائی کی جگہ دو بہنیں ہوں تو ماں کا حصہ ایک تہائی نہ ہوگا بلکہ چھٹا ہوگا۔ شوہر کو ۴ ماں کو ایک دادا کو ایک، دو بہنوں کو ایک اور چونکہ ایک کی تقسیم دو پر بغیر کسر کے نہیں ہوتی اس لئے ۲ کو اصل عدد تصحیح یعنی ۶ میں ضرب دیں گے اور حاصل ۱۲ ہوگا اب تقسیم اس طرح ہوگی شوہر ۶ ماں ۲ دادا ۲ ایک بہن ۲، دوسری بہن ۲)۔

چونکہ مسئلہ اکدریہ بنی اکدریہ کی ایک عورت کا واقعہ ہے اس لئے اس مسئلہ کو بنی اکدریہ یہ کہا جانے لگا۔

فائدہ :- اگر دادا کے ساتھ بہن یا بھائی ہوں تو صحابہؓ کے درمیان تقسیم حصص میں اختلاف ہے۔ یہی نے لکھا ہے کہ حجاج نے شعبی سے مسئلہ پوچھا کہ اگر کل درشہ ماں، ایک بہن اور دادا ہو تو تقسیم فراغ کس طرح ہوگی، شعبی نے کہا اس کے متعلق پانچ صحابہؓ کرام کے پانچ مختلف اقوال ہیں، حضرت عثمانؓ نے فرمایا میں کل مال کے تین حصے کروں گا ہر ایک کا ایک حصہ ہوگا، حضرت علیؓ نے فرمایا میں ترکہ کو چھ سهام پر تقسیم کروں گا تین بہن کے دماں کے ایک دادا کا، حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا میں بھی ترکہ کے چھ سهام کروں گا مگر ۳ بہن کے دو دادا کے اور ایک ماں کا ہوگا۔ حضرت زیدؓ بن ثابت نے فرمایا میں ترکہ کے نو سهام بناؤں گا بہن کو تین دوں گا، اور دادا کو چار اور باپ کو دو (حضرت ابن عباسؓ کا قول حجاج اور شعبی فضل سے نہیں پوچھا اس لئے شعبی فضل نے نہیں بیان کیا) یہی نے ابراہیمؓ غمی کی سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھائی کو دادا پر ترجیح نہیں دیتے تھے لیکن ابن حزم نے اپنے طریق روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ بہن کو نصف، ماں کو ۱/۶، اور دادا کو بقیہ (ایک تہائی) دیتے تھے (گویا بھائی کو اگرچہ فضیلت نہیں دیتے تھے مگر بہن کو دادا پر ترجیح دیتے تھے)۔

امام ابو حنیفہؒ کا مسلک نص اور قیاس دونوں سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔

مسئلہ :- امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جدہ صحیحہ وہ ہے کہ میت سے اس کا رشتہ کسی جد فاسد کے ذریعہ سے نہ ہوتا ہو، امام صاحب کے نزدیک صحیح جدات (دادیاں) کتنی ہی ہوں سب وارث ہوں گی بشرطیکہ فاسدات نہ ہوں اور ہم درجہ ہوں۔ امام مالکؒ اور داؤد ظاہریؒ کا قول ہے کہ صرف دو جدات وارث ہوں گی باپ کی ماں یعنی دادی اور دادی کی ماں اور اس کی ماں اور اس کی ماں غرض دادی سے اوپر کی تمام نانیاں اور ماں کی ماں اور پرتانی کی ماں اور سکر تانی کی ماں، غرض ماں کی تمام نانیاں، قریب والی جس طرف کی ہو دور والی کو محروم کر دے گی۔

ایک قول شافعیؒ کا بھی یہی ہے لیکن امام شافعیؒ کا دوسرا قوی قول اور امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ ماں باپ کے اوپر والی صرف تین عورتیں وارث ہوتی ہیں تانی، دادی اور دادا کی ماں۔

اجماعی قول ہے کہ ہم درجہ اور جدات صحیحہ چند ہوں یا صرف ایک ہو بہر حال ایک سدس یعنی ۱/۶ ادیا جائے گا اگر ایک جدہ کامیت سے ایک رشتہ ہو مثلاً دادی کی ماں ہو اور دوسری کے دورشتے ہوں جیسے ماں کی تانی ہو اور وہی دادا کی ماں بھی ہو تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک (دوسری اور اکہری رشتہ داری کا کوئی فرق نہیں بلکہ) دونوں کو چھٹا حصہ برابر برابر بانٹ دیا جائے گا، لیکن امام محمدؒ کے نزدیک رشتہ داریوں کا تعداد اور وحدت قابل لحاظ رہے گا جس کا دوہر رشتہ ہو گا اس کو دوہر حصہ اور جس کا اکہر رشتہ ہو گا اس کو اکہر حصہ دیا جائے گا۔

تقسیم جدات کے سلسلہ میں قبضہ بن ذویبؓ کی روایت ذکر کی گئی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں ایک جدہ اپنی میراث مانگنے حاضر ہوئی، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی کتاب میں تیرا کوئی حصہ نہیں، نہ رسول اللہ ﷺ کی سنت میں تیرا کوئی حصہ ہے اب تو واپس چلی جا، میں لوگوں سے تیرا مسئلہ دریافت کروں گا۔ حسب وعدہ آپ نے لوگوں سے دریافت کیا تو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے کہا کہ ایک جدہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی اور آپ نے اس کو ترکہ کا ۱/۶ ادیا تھا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا اس وقت تمہارے ساتھ کوئی اور بھی تھا حضرت مغیرہؓ نے کہا محمد بن مسلمہؓ بھی تھے چنانچہ محمد بن مسلمہؓ نے بھی وہی کہا جو مغیرہؓ نے کہا تھا حضرت ابو بکرؓ نے سائلہ عورت کے لئے بھی یہی حکم جاری کر دیا۔

پھر ایک اور جدہ حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہو کر اپنی میراث کی طالب ہوئی حضرت عمرؓ نے فرمایا، وہی چھٹا حصہ تیرا بھی ہے تم دونوں اگر موجود ہو تو ترکہ کا ۱/۶ تم دونوں کو (برابر برابر) تقسیم کیا جائے گا اور اگر (تم دونوں نہ ہو بلکہ) صرف ایک ہو تو (پورا) چھٹا حصہ اس ایک ہی کا ہوگا۔ رواہ مالک و احمد و الترمذی و ابو داؤد و الدارمی و ابن ماجہ۔ ابن وہب کا بیان ہے کہ جس جدہ کو رسول اللہ ﷺ نے حصہ دیا تھا وہ میت کی ماں کی ماں (تانی) تھی اور تانی ہی حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئی تھی اور جو عورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی تھی وہ باپ کی ماں (دادی) تھی حضرت عمرؓ نے لوگوں سے اس کا مسئلہ پوچھا مگر کسی نے کچھ نہیں بتلایا، بنی

حادثہ کے ایک لڑکے نے کہا امیر المومنین آپ اس عورت کو ایسی میت کی میراث کیوں نہیں دیتے کہ اگر یہ عورت مر جاتی اور دنیا بھر کو چھوڑ جاتی تب بھی یہ مردہ اس کا وارث ہوتا (کیونکہ پوتا تھا بیٹا نہ ہوتا تو پوتا ضرور وارث ہوتا) یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو وارث قرار دے دیا۔

مؤطا اور سنن بیہقی میں ہے کہ دو جدات (ثانی اور داوی) حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئیں آپ نے ثانی کو ترکہ کا چھٹا حصہ دینا چاہا تو ایک انصاری نے کہا آپ ایسی عورت کو کیوں وارث نہیں قرار دیتے کہ اگر وہ مر جاتی اور یہ مردہ زندہ ہو تا تو یہ ضرور اس کا وارث ہوتا، یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ نے ترکہ کا ۶/۱۰ دونوں کو (یعنی ثانی اور داوی کو برابر) بانٹ دیا، یہ اثر دار قطنی نے ابن عیینہ کے طریق سے بیان کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ وہ انصاری عبدالرحمن بن سہل بن حارثہ تھے۔

علماء نے بیان کیا ہے کہ ثانی ماں کے قائم مقام تھی اس لئے اس کو ماں کا کم سے کم حصہ (یعنی ۱/۶) دے دیا اور داوی کو ثانی پر قیاس کر کے حصہ دار بنادیا کیونکہ بہر حال وہ بھی میت (کی اصل یعنی) باپ کی ماں تھی (ورنہ داوی حقیقت میں نہ ماں کی قائم مقام ہو سکتی ہے کیونکہ ماں کے ذریعہ سے اس کا میت سے رشتہ نہیں ہوتا، نہ باپ کے قائم مقام ہو سکتی ہے کیونکہ باپ کی جنس جدا ہے وہ مرد ہے یہ عورت) حضرت ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین جدات کو ترکہ کا چھٹا حصہ دیا تھا دو ماں کی طرف سے تھیں اور ایک باپ کی طرف سے۔ دار قطنی نے اس روایت کو مرسل سند سے بیان کیا ہے، ابو داؤد نے مر اسیل میں دوسری سند سے ابراہیم نخعی کی وساطت سے نقل کیا ہے، دار قطنی اور بیہقی نے اس کو مرسل حسن (بصری) قرار دیا ہے۔ بیہقی کا بیان ہے کہ محمد بن نصر نے اس پر تمام صحابہؓ اور تابعینؓ کا متفق ہونا بیان کیا تھا البتہ سعد بن ابی وقاص اس کے منکر تھے مگر سعد کا یہ انکار صحیح اسناد سے مروی نہیں۔

مسئلہ :- ماں تمام جدات کو (باپ کی طرف سے ہوں یا ماں کی طرف سے) محروم کر دیتی ہے کیونکہ حضرت زیدہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جدہ کے لئے ترکہ کا چھٹا حصہ مقرر کیا ہے اگر اس کو روکنے والی ماں نہ ہو، رواہ ابو داؤد والنسائی، اس حدیث کی اسناد میں ایک راوی عبید اللہ عتقی ہے جس کے متعلق علماء نقد کا اختلاف ہے ابن سکن نے اس کو صحیح کہا ہے۔

باپ اپنی وساطت کی تمام جدات کا حجاب ہوتا ہے اس میں امام احمدؒ کے دو قول ہیں، انکاری اور تائیدی۔ انکاری قول کی تائید میں امام احمدؒ نے حضرت ابن مسعودؓ کی یہ روایت پیش کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میت کے باپ کے زندہ ہوتے ہوئے داوی کے لئے سدس (ترکہ کا چھٹا حصہ) عطا فرمایا تھا، رواہ الترمذی والداری، ہم کہتے ہیں کہ ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے، جمہور کے قول کا ثبوت اس ضابطہ سے ہوتا ہے کہ قریب ترین رشتہ دار دور والے کے لئے حجاب ہوتا ہے۔

بعد اس وصیت کے جو مرنے والا کرے، اس فقرہ کا تعلق لِأَمِّهِ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّتِهِ يُؤْصِي بِهَا (یعنی ماں کا چھٹا حصہ وصیت پوری کرنے کے بعد (باقی ترکہ میں سے) ہے۔ یہ تو لفظی تعلق ہے لیکن معنوی التمسد سے ہے، یعنی مرد کا دوہر اور عورت کا اگر حصہ ہوتا، اور دو بیٹیوں کے لئے ترکہ کا دو تہائی ہونا اور ایک بیٹی ہو تو اس کے لئے نصف ہونا اور ماں باپ میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہونا اور ماں کا ایک تہائی حصہ ہونا یہ تمام احکام اجراء وصیت کے بعد جاری ہوں گے بشرطیکہ کوئی وصیت ہو۔

اَوْدَبْنِیْ اور ادائے قرض کے بعد اگر میت پر کچھ قرض ہو۔ داوی جگہ لو کا استعمال بتا رہا ہے کہ وصیت ہو یا قرض یا دونوں بہر حال تقسیم ترکہ، اجراء وصیت اور ادائے دین کے بعد ہوگی، وصیت کی دعوت چونکہ سب کو دی گئی ہے اس لئے باوجود یہ کہ دین ادا کرنے کا حکم اجراء وصیت سے پہلے ہے ذکر میں وصیت کو مقدم کر دیا گیا اور دین چونکہ سنت اسلامیہ کے نزدیک مغفرت سے بھی مانع ہے اس لئے تقاضائے سنت ہے کہ اتفاقاً کسی میت پر ہو پس دین کو وصیت سے پیچھے ذکر کیا۔

حضرت ابو قتادہؓ راوی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر میں ثواب کی امید میں صبر کے ساتھ کافروں کے مقابل راہ خدا میں مارا جاؤں اور مقابلہ کے وقت پیٹھ نہ دوں تو کیا اللہ میرے گناہوں

کا اتار کر دے گا فرمایا (ایسا ہو جائے گا) سوائے قرض کے، جبریل نے ایسا ہی کہا ہے، رواہ مسلم، حضرت عبداللہ بن عمر و رلوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سوائے قرض کے شہید کا ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے، رواہ مسلم۔

مسئلہ :- علماء کا اجماع ہے کہ میت کی تجنیز کا تعلق اس کے ترکہ سے مقدم ترین ہے پھر ادائے قرض لازم ہے خواہ پورے ترکہ سے ہو اس کے بعد ایک تہائی ترکہ سے میت کی وصیت پوری کی جائے آخر میں جو کچھ بچ رہے وہ وارثوں کو تقسیم کر دیا جائے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا تھا تم یہ آیت من بعد وصیة توصون بها اودین پڑھتے ہو، اور رسول اللہ ﷺ نے تکمیل وصیت سے پہلے قرض ادا کرنے کا حکم دیا تھا، رواہ الترمذی وابن ماجہ، (یعنی آیت میں عطف ترتیبی نہیں ہے ادائے قرض کا مرتبہ اجراء وصیت سے مقدم ہے)۔

مسئلہ :- وصیت پوری کرنے کے لئے (صرف) ایک تہائی ترکہ صرف کیا جاسکتا ہے (علماء کا اس پر اتفاق ہے) کیونکہ حضرت سعد بن ابی وقاص کا بیان ہے کہ میں فتح مکہ کے سال ایسا بیمار ہوا کہ موت کے کنارے سے جا لگا، رسول اللہ ﷺ میری عیادت کو تشریف لائے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے پاس بہت مال ہے اور سوائے ایک لڑکی کے اور کوئی (ذوی الفروض میں سے) وارث نہیں کیا میں اپنے کل مال کے متعلق وصیت کر سکتا ہوں، فرمایا نہیں، میں نے عرض کیا تو دو تہائی مال کی، فرمایا نہیں، میں نے عرض کیا تو آدھے مال کی فرمایا نہیں، میں نے عرض کیا تو ایک تہائی مال کی فرمایا تہائی (کی وصیت کر سکتے ہو) اور تہائی بھی بہت ہے اگر تم اولاد کو مالدار چھوڑ جاؤ تو اس سے بہتر ہے کہ ان کو فقیر چھوڑ جاؤ کہ وہ لوگوں کے ہاتھ تکتے پھریں تم جو خرچ بھی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کرو گے تو اس کا ثواب تم کو ضرور ملے گا یہاں تک کہ جو لقمہ اٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں دو گے (اس کا ثواب بھی ملے گا) بخدا ہی و مسلم۔

ترمذی کی روایت کے الفاظ کچھ بدلے ہوئے ہیں اس روایت میں آیا ہے کہ (حضور ﷺ نے فرمایا) دسویں حصہ کی وصیت کر سکتے ہو، میں حضور سے برابر کم ترکہ چھوڑنے کی درخواست کرتا رہا یہاں تک کہ حضور ﷺ نے فرمایا ترکہ کے تیسرے حصہ کے متعلق وصیت کر سکتے ہو اور تہائی بھی بہت ہو۔

حضرت معاویہ کی مرفوع روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے کہ مرنے کے وقت تہائی مال (کی وصیت کرنے کی اللہ نے اپنی مہربانی سے تمہاری نیکیاں بڑھانے کے لئے تم کو اجازت دے دی ہے تاکہ وہ تمہارے مالوں کو پاک کر دے، رواہ الطبرانی بسند حس، یہ حدیث طبرانی اور لما احمد نے حضرت ابو درداء کی روایت سے مرفوعاً بیان کی ہے، ابن ماجہ، بزاز اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور عقیلی نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کی ہے۔

اباکم وابتاکم لا تدرون ایہم اقربکم نفعاً
تمہارے اصول و فروع جو ہیں تم
پورے طور پر نہیں جانتے کہ ان میں کون شخص تم کو نفع پہنچانے میں نزدیک تر ہے یعنی تم کو نہیں معلوم کہ دنیا اور آخرت میں تمہارے لئے تمہارے اصول زیادہ مفید ہوں گے یا فروع۔ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب آدمی جنت میں داخل ہو جائے گا تو اپنے ماں، باپ، بیوی اور اولاد کے متعلق دریافت کرے گا جواب ملے گا کہ تیرے مرتبہ اور تیرے عمل تک ان کی رسائی نہیں تھی (اس لئے وہ یہاں نہیں ہیں) وہ شخص عرض کرے گا میرے مالک میں نے تو اپنے اور ان کیلئے عمل کئے تھے فوراً حکم ہو گا کہ مذکورہ متعلقین کو اس کے ساتھ شامل کر دیا جائے یہ روایت طبرانی نے کبیر میں اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں لکھی ہے۔

۱۔ حضرت مفسر قدس سرہ نے تجنیز میت کو ادائے قرض سے مقدم قرار دیا ہے لیکن اس کلام میں کچھ ابہام ہے شاید مفسر کی مراد یہ ہے کہ جو قرض متعلق بعین نہ ہو اس پر تجنیز مقدم ہے کیونکہ علماء فرائض کا فیصلہ ہے کہ جو دین متعلق بعین ہو اس کی ادائیگی تجنیز پر بھی مقدم ہے جیسے زید نے اگر دو سو روپیہ کو گھوڑا خریدا مگر قیمت ادا نہ کر سکا ادائے ثمن مؤجل تھا پھر ادائیگی سے پہلے مر گیا اور گھوڑا موجود ہے تو گھوڑے کا بائع تجنیز و تکفین سے پہلے اپنا گھوڑا واپس لے جائے گا یا دوسرے قرض خواہوں کا قرض ادا کرنے کی تجنیز و تکفین کے بعد کی جائیگی۔ واللہ اعلم

بنوئی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تم میں جو میں سب سے زیادہ اللہ کا فرمانبردار ہو گا قیامت کے دن وہی سب سے اونچے مرتبہ والا ہو گا، اور اللہ مومنوں کی ایک دوسرے کے لئے سفارش قبول فرمائے گا اگر جنت میں باپ عالی مرتبہ ہو گا تو بیٹے کو اٹھا کر اس کے پاس پہنچا دیا جائے گا اور بیٹے کا درجہ اونچا ہو گا تو باپ کو اٹھا کر اس کے پاس پہنچا دیا جائے گا ایسا صرف اس لئے کیا جائے گا کہ باپ اور بیٹوں کو آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہو اور چونکہ لوگوں کو معلوم نہیں کہ وارثوں میں سے کون ہمارے لئے زیادہ فائدہ رساں ہو گا اس لئے ترکہ کی تقسیم ان کی مرضی پر موقوف نہیں رکھی گئی یعنی اگر معلوم ہو جاتا کہ کون ہمارے لئے زیادہ مفید ہو گا تو زیادہ مفید آدمی ہی کی طرف جھکاؤ ہو جاتا اور جب زیادہ مفید شخص کا علم ہی نہیں ہے تو (سب وارث برابر ہیں) کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دینی ناجائز ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، وارثوں کی مرضی کے بغیر کسی وارث کے لئے وصیت کرنی درست نہیں، رواہ الدارقطنی من حدیث ابن عباس ورواہ ابو داؤد مرسلًا عن عطاء الخراسانی ورواہ یونس موصولًا عن عطاء عن عکرمہ عن ابن عباس ورواہ الدارقطنی من حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ۔

ابو داؤد نے حضرت ابوامامہؓ کی روایت نقل کی ہے حضرت ابوامامہؓ نے فرمایا میں نے خود سنا کہ حجۃ الوداع کے سال رسول اللہ ﷺ خطبہ میں فرما رہے تھے کہ اللہ نے ہر حقدار کو اس کا حق عطا فرمایا ہے لہذا وارث کے حق میں وصیت (درست) نہیں، یا یہ مطلب ہے کہ تم کو نہیں معلوم کہ کون سا مورث تمہارے لئے زیادہ نفع رساں ہے کیا وہ مورث زیادہ نفع رساں ہے جو وصیت کرتا ہے اور تم کو موقع دیتا ہے کہ اس کی وصیت پوری کر کے تم کو ثواب حاصل کرو یا وہ مورث زیادہ نفع رساں ہے جو وصیت نہیں کرتا اور کل مال تمہارے لئے چھوڑ جاتا ہے۔

فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ
یہ حکم من جانب اللہ مقرر کر دیا گیا ہے۔ فريضة فعل محذوف کا مفعول مطلق تاکید کی ہے آیت یوصیکم اللہ بھی فرضیت پر دلالت کر رہی ہے اور وصیت کرنے کا مفہوم بھی فرض کرنے کے علاوہ کچھ نہیں فريضة سے اسی کے مفہوم کی تاکید کر دی گئی۔

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ⑪
یہ حقیقت ہے کہ اللہ بڑے علم و حکمت والا ہے، یعنی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے اور میراث وغیرہ کے احکام جو فرض کئے ہیں وہ پر حکمت ہیں۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَسْرَاجُكُمْ
ازواج سے مراد ہیں بیویاں۔
ان کے ترکہ میں سے تمہارا حصہ اپنی بیویوں کے ترکہ میں سے (کل ترکہ کا) نصف ہے بشرطیکہ ان کی (بطنی) اولاد (صاحب فرض اور عصبہ موجود) نہ ہو (یعنی اولاد یا اولاد کی اولاد غرض نسل میں سے کوئی موجود نہ ہو)۔

فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمْ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَنَّ
انکے ترکہ میں سے تمہارا چارم ہے۔

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِ يَوْصِيَنَّ بِهَا أَوْ دَيْنٍ
ان کی وصیت (تمہاری مال سے) پوری کرنے اور (کل مال سے) قرض ادا کرنے کے بعد۔

وَلَهُنَّ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَنَّ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ
تمہارے ترکہ کا چارم ہے اگر تمہاری اولاد نہ ہو یعنی صلی اولاد اور بیٹے کی اولاد نہ ہو۔

فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكَنَّ
لئے تمہارے ترکہ کا آنکھواں حصہ ہے۔

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِ يَوْصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ
تمہاری وصیت (تمہاری مال سے) پوری کرنے اور (کل مال سے) قرض ادا کرنے کے بعد۔

جو عورت طلاق رجعی کی عدت میں ہو اور شوہر نے صحیح طلاق دی ہو تو وہ وارث ہوتی ہے اگر طلاق بائن کی عدت میں ہو

تو وارث نہیں ہوتی۔ شوہر نے اگر مرض موت میں طلاق رجعی دی تو ایسی مطلقہ بالا جماع وارث ہوتی ہے لیکن یہ مسئلہ ذرا تفصیل طلب ہے، امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ایسی عورت اس وقت وارث ہوگی جب شوہر کے مرنے کے وقت عدت میں ہو۔ امام احمدؒ نے فرمایا عدت گزر جانے کے بعد بھی وارث ہوگی، بشرطیکہ شوہر کی موت سے پہلے اس نے نکاح جدید نہ کر لیا ہو۔ امام مالکؒ نے فرمایا اگر شوہر کے مرنے سے پہلے انقضاء عدت کے بعد اس نے کسی سے نکاح بھی کر لیا ہو تب بھی وارث ہوگی۔ امام شافعیؒ کے تین مختلف قول منقول ہیں ہر قول ایک امام کے موافق ہے، اگر مرض موت میں شوہر نے طلاق بائن دی ہو تب بھی امام ابو حنیفہؒ اور امام احمد کا یہی قول ہے مگر امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس صورت میں وارث ہونے کی یہ شرط ہے کہ عورت نے خود طلاق کی درخواست نہ کی ہو، ورنہ سمجھا جائے گا کہ وہ خود اپنے حق کے سوخت ہونے پر راضی ہے (اس لئے اس کو میراث نہیں دی جائے گی) امام شافعیؒ کے دو قول آئے ہیں قوی قول یہ ہے کہ طلاق بائن والی عورت وارث نہ ہوگی۔

امام احمد نے معمر کی روایت سے لکھا ہے کہ غیلان بن سلمہ کی مسلمان ہونے کے وقت دس بیویاں تھیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان میں سے چار کا انتخاب کر لو (باقی کو چھوڑ دو) جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو غیلان نے بیویوں کو (رجعی) طلاق دے دی اور اپنا مال اپنے لڑکوں کو تقسیم کر دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع پہنچی تو فرمایا میرا خیال ہے کہ جو شیطان (فرشتوں کی گفتگو) چوری سے سن لیتا ہے اسی نے تیری موت کی خبر سن کر تیرے دل میں ڈال دی ہے اور تجھے بتا دیا ہے کہ تو زیادہ مدت زندہ نہیں رہے گا خدا کی قسم یا تو تو اپنی عورتوں سے مراجعت کر لے اور (لڑکوں سے) مال واپس لے لے، ورنہ میں ان عورتوں کو تیرا وارث بنادوں گا اور حکم دے دوں گا کہ جس طرح ابو رغال (دور جاہلیت میں ایک قومی غدار تھا) کی قبر پر سنگ باری کی جاتی ہے اسی طرح تیری قبر کو سنگسار کیا جائے۔

یہ حدیث جمہور سلف کے اس مسلک کی تائید کر رہی ہے کہ طلاق رجعی کے بعد (عدت کے اندر) عورت اپنے شوہر کی وارث ہوتی ہے، رہا طلاق بائن کے بعد عورت کا وارث ہونا تو جمہور کے اس قول کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے انی بیوی کو (جس کا نام تماظر بنت اصغ بن زیاد تھا اور یہ خاندان کلب میں سے تھی یا بنت عمرو بن الشرید کو جو قبیلہ سلم کی تھی) جب طلعی طلاق دے دی اور عدت پوری ہونے نہ پائی تھی کہ آپ کا انتقال ہو گیا تو حضرت عثمانؓ نے مطلقہ بیوی کو حضرت عبدالرحمنؓ کا وارث قرار دیا یہ فیصلہ تمام صحابہؓ کی موجودگی میں صادر کیا اور کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا تو گویا اجماع ہو گیا اور یہ بھی فرمایا کہ میں عبدالرحمنؓ پر بدگمانی نہیں کرتا میرا مقصد صرف سنت پر عمل کرنا ہے۔

ہمارے مسلک کی تائید حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت مغیرہؓ کے اقوال سے ہوتی ہے، ابو بکرؓ رازی نے حضرت علیؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت عبدالرحمنؓ بن عوفؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ رضی اللہ عنہم کے اقوال بھی اسی کی موافقت میں نقل کئے ہیں بلکہ کسی صحابی کا قول اس کے خلاف منقول نہیں۔ حمی، شعبی، سعید بن مسیب، ابن سیرین، عروہ، شریح، ربیعہ بن عبدالرحمن، طاؤس بن شبرمہ ثوری، حارث اور حماد بن ابی سلیمان کا بھی یہی مسلک ہے۔

وَلَا كَانَ رَجُلٌ
أَوْ لَوْ كُنَّا كَوْنِي أَدْمِي لَعَنِي مَيْتًا وَارِثًا۔

یوں نہ تھا کہ اگر کوئی آدمی لے لے میت یا وارث۔ جس کی وراثت تقسیم کی جا رہی ہو یا جس کو وارث بنایا جا رہا ہو۔ اگر رجل سے مراد میت ہو تو اول ترجمہ ہوگا اور اگر وارث مراد ہو تو دوسرا ترجمہ کیا جائے گا۔

کَلَالَةٌ ناٹھا ٹگوڑا ہو۔ کلالہ اصل لغت میں کلال کی طرح مصدر ہے اور کلال کا معنی ہے تھکنا عاجز ہو جانا کل الرجل فی مشیہ کلالاً فلاں شخص اپنی رفتار میں ست ہو گیا، تھک گیا وکل السیف عن ضربته کللاً وکلالہ اور تلوار مارنے سے کند ہو گئی، کل اللسان عن الكلام زبان بات سے عاجز ہو گئی، تیز نہ رہی، مجازاً کلالہ سے مراد وہ قرابتدار ہوتے ہیں جن کا آپس میں رشتہ تو والد نہ ہو یعنی باپ دادا اور بیٹے پوتے کا ان کے آپس میں رشتہ نہ ہو، یہ بھی ایک قسم کی عاجزی اور

درماندگی ہوتی ہے پھر کلالہ کو ذی کلالہ کے معنی میں استعمال کر لیا جاتا ہے اور اس سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جس کی نہ اصل ہونہ نسل کہ اس کی وارث ہو یا اس کا وارث ہو کذا قال البیضاوی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ کلالہ وہ شخص ہے جس کی نہ اولاد ہونہ والد، حضرت علیؑ اور حضرت ابن مسعودؓ نے یہی فرمایا گویا دونوں طرف اس کے نسب ستون کمزور ہیں سعید بن جبیرؓ نے کہا کلالہ وہ وارث ہے جو میت کا نہ والد (باپ دادا پر دادا وغیرہ) ہونہ اولاد، ایسے وارث میت کو اپنے گھرے میں لے لیتے ہیں لیکن بیچ میں کوئی نسب ستون ہوتا ہے جیسے سرپرستی پر بندھی ہوئی شاہی پٹی کو سر کو چاروں طرف سے محیط ہوتی ہے مگر سر کا درمیانی حصہ خالی ہوتا ہے، حضرت جابرؓ والی حدیث میں کلالہ کا یہی مطلب ہے آپ ﷺ نے کہا تھا کہ میرے وارث کلالہ ہیں، یعنی نہ میری نرینہ اولاد ہے نہ والد۔

حضرت ابو بکرؓ سے کلالہ کے متعلق دریافت کیا گیا، فرمایا میں اپنی رائے سے کہتا ہوں اگر صحیح ہوگا تو اللہ کی طرف سے اور غلط ہوگا تو میری طرف سے ہوگا اور شیطان کی طرف سے، میرے خیال میں کلالہ وہ ہے جو نہ (کسی کا) والد ہو اور نہ اولاد جب حضرت عمرؓ خلفہ ہوئے تو فرمایا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کہا مجھے ان کی تردید کرنے سے جھجک آتی ہے (یعنی ٹھیک ہے) رواہ البیہقی عن الشعمی، ابن ابی حاتم نے بھی اپنی تفسیر میں اس کو نقل کیا ہے اور حاکم نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کو حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کہ کلالہ کی تشریح میں آپ نے فرمایا وہ ایسا شخص ہے جو نہ (میت کا) والد ہو نہ مولود، رواہ الحاکم۔

ابو الشیخ نے حضرت براءؓ کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کلالہ کے متعلق دریافت کیا فرمایا (میت کے) والد اور اولاد کے سوا (جو وارث ہو وہ) کلالہ ہے۔ ابو داؤد نے مراسیل میں ابو سلمہ بن عبد الرحمن کے روایت سے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو والد کو چھوڑے نہ اولاد کو اس کے وارث کلالہ ہوتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ کلالہ کی تشریح میں والد اور ولد سے مراد ہیں مذکر اصول و فرع پس اگر میت کی ماں یا بیٹی موجود ہو اور باپ اور بیٹا نہ ہو تو وہ کلالہ ہے اس قول کا ثبوت حضرت جابرؓ کی حدیث سے ملتا ہے کیونکہ نزول آیت کے وقت حضرت جابرؓ کی ایک لڑکی موجود تھی، والد نہ تھے آپ کے والد عبد اللہ بن حرام کا انتقال احد کے دن ہو چکا تھا اور بہن بھائی ماں اور بیٹی کی موجودگی میں بالافتقار وارث ہوتے ہیں ولد کا لفظ بھی عام ہے پوتا بھی اس میں داخل ہے، یہاں تک کہ پوتے کے ساتھ بھائی بھی بالا جماع وارث ہوتے ہیں۔ اسی طرح والد سے مراد بھی عام ہے، حقیقی والد ہو یا دادا کیونکہ کلالہ کی تشریح میں جو ولد کا مفہوم ہے وہی والد کا دونوں میں فرق نہیں (یعنی جس طرح لفظ ولد پوتے کو شامل ہے اسی طرح دادا بھی لفظ والد کے تحت داخل ہے)۔

یا عورت ہو اس کا عطف رجل پر ہے یعنی یا کلالہ عورت ہو۔

ضمیر مذکر رَجُل کی طرف راجع ہے، جس سے کلام کا آغاز کیا گیا ہے یا احد ہما کی طرف راجع ہے مراد یا عورت۔

آخر آؤ اُحْتِیٰ اور اس میت کا کوئی بھائی یا بہن ہو۔ باجماع اہل تفسیر اس جگہ بھائی بہن سے مراد ہیں اخیانی بھائی بہن، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی قرأت میں تو یہ صراحۃً آیا ہے۔ یہی بیان ہے کہ سعد (روی کے گمان کے مطابق سعد ہے مراد ہیں سعد بن ابی وقاصؓ) پڑھتے تھے وَلَهُ أَخٌ اَوْ اُحْتِیٰ ابوبکر بن منذر نے بھی حضرت سعد کی طرف اس قرأت کی نسبت کی ہے۔ زعفرانی نے حضرت سعد اور حضرت ابی بن کعبؓ دونوں کی یہی قرأت بیان کی ہے بعض علماء نے حضرت ابن مسعودؓ کی قرأت بھی اسی طرح نقل کی ہے لیکن ابن حجر نے لکھا ہے میں نے ابن مسعودؓ سے کوئی روایت ایسی نہیں دیکھی، یہاں سے یہ بات بھی ظاہر ہو رہی ہے کہ غیر متواتر قرأت پر بھی عمل کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس کی اسناد صحیح ہو۔ امام ابو حنیفہؒ کا یہی مسلک ہے۔ شافعیؒ نے اس کی مخالفت کی ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا تھا۔

سوال اللہ تعالیٰ نے جو آیت سورۃ النساء کے شروع میں بیان میراث کے سلسلہ میں نازل فرمائی وہ والد اور ولد کے متعلق ہے اور دوسری آیت شوہر بیوی اور اخیانی بھائی اور بہن کے متعلق ہے اور جس آیت پر سورت کو ختم کیا وہ حقیقی بھائیوں اور بہنوں کے متعلق ہے اور جس پر سورۃ انفال کو ختم کیا وہ ان رشتہ داروں کے متعلق ہے جو اصحاب فرائض نہیں ہیں اللہ کی کتاب میں جن کا تعلق بعض کے ساتھ بعض کا زیادہ ہے۔

فَلِكُلِّ وَاٰحِدٍ مِنْهُمَا الشُّدُّ لَئِي تَرَكَ كَاجْتِهَادِهِ

اگر ایک اخیانی بھائی یا بہن ہو تو دونوں میں سے کوئی ایک ہو ہر ایک کے لئے ترکہ کا چھٹا حصہ ہے۔

فَاِنْ كَانُوا اَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ

اور اگر ایک سے زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی میں (برابر کے) شریک ہوں گے یعنی اخیانی بھائی بہن اگر دو یا دو سے زائد ہوں تو ان کا کل حصہ ترکہ کا ایک تہائی ہے اس کی تہائی میں مرد عورت سب برابر کے شریک ہوں گے استحقاق اور حصہ میں سب مساوی ہیں۔

..... مسئلہ ہمارا یہ ❦

شوہر، ماں، دو اخیانی بھائی۔ ایک حقیقی بھائی، صحیح مسئلہ ۶ سے ہوگی نصف یعنی ۳ شوہر کے چھٹا حصہ یعنی ۶/۱ ماں کا ایک تہائی یعنی ۲ اخیانی بھائیوں کے ہوں گے۔ حقیقی بھائی چونکہ عصبہ ہے اور اصحاب فرائض سے کچھ نہیں بچا اس لئے حقیقی بھائی کو امام ابو حنیفہ کے نزدیک کچھ نہیں ملے گا خواہ حقیقی بھائی ایک ہو یا متعدد۔ امام مالک اور امام شافعی حقیقی بھائی کو اخیانی بھائیوں کے ساتھ تہائی میں شریک کر دیتے ہیں۔

طحاوی نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حقیقی بھائی کو اخیانی بھائیوں کے ساتھ میراث میں شریک نہیں کرتے تھے آخر ایک سوال سے لاجواب ہو گئے ایک حقیقی بھائی نے کہا امیر المومنین فرض کر لیجئے کہ ہمارا باپ گدھا تھا تو کیا کم سے کم ہم سب ایک ماں کی اولاد نہیں ہیں اس سوال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حقیقی بھائیوں کو بھی اخیانیوں کے ساتھ شریک کر دیا اسی وجہ سے اس مسئلہ کو حمار یہ کہتے ہیں، اس مسئلہ کو حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے سنن میں حضرت زید بن ثابتؓ کی طرف بھی نسبت کر کے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس روایت کو صحیح بھی کہا ہے مگر اس کی اسناد میں ایک شخص ابو امیہ بن یعلیٰ ثقفی ہے جو ضعیف ہے، حاکم نے بطریق شعبی حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کا بھی یہ قول نقل کیا ہے اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ باپ نے حقیقی بھائیوں کے قرب کو میت سے اور بڑھادیا (یعنی اخیانی بھائیوں کو میت سے صرف قرب بطنی حاصل ہوتا ہے اور حقیقی بھائیوں کو قرب بطنی بھی اور شرکت صلبی بھی)۔

دارقطنی نے بطریق وہب بن منہ مسعود بن حکم ثقفی کی روایت سے لکھا ہے کہ کچھ لوگوں نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسئلہ پوچھا کہ اگر کوئی عورت مر جائے اور شوہر ماں چند اخیانی بھائی اور چند حقیقی بھائی چھوڑ جائے تو کیا حضرت عمرؓ نے حقیقی بھائیوں کو اخیانی بھائیوں کیساتھ (تہائی میں) شریک کر دیا ایک شخص نے عرض کیا آپ نے فلاں سال تو حقیقی بھائیوں کو اخیانیوں کی میراث میں شریک نہیں کیا تھا فرمایا وہ ویسا ہی رہے گا جو ہم نے کر دیا تھا اور یہ ایسا ہی ہو گا جیسا ہم نے فیصلہ کر دیا۔

عبد الرزاق نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے اور بیہقی نے بطریق ابن مبارک، معمر کی روایت سے بھی لکھا ہے لیکن اس روایت میں مسعود بن حکم کا نام نہیں ہے بلکہ حکم از ابن مسعود کی روایت ہے نسائی نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے، بیہقی نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے سب (اخیانی اور حقیقی) بھائیوں کو شریک کیا تھا اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے (حقیقی بھائیوں کو اخیانیوں کے حصہ میں) شریک نہیں کیا۔

مسئلہ :- اگر میت کا بیٹا یا پوتا یا باپ یا دادا موجود ہو تو اخیانی بھائی بہن باقی آراء ساقط ہو جاتے ہیں۔ اختلاف اس مسئلہ

میں ہے کہ اگر ادا موجود ہو تو علاقائی یا حقیقی بھائی بہن ساقط ہو جاتے ہیں یا نہیں، قیاس کا تقاضا ہے کہ ماں موجود ہو تو اخائی بھائی بہن ساقط ہو جائیں کیونکہ جس شخص کا رشتہ میت سے کسی ذریعہ سے ہو جب وہ ذریعہ خود موجود ہو تو وہ شخص ساقط ہی ہو جاتا ہے لیکن (اجماع سلف اس کے خلاف ہے، اجماع کے خلاف ہم نے قیاس کو ترک کر دیا۔ ترک کی ایک قیاسی وجہ یہ بھی ہے کہ ماں پورے ترکہ کی وارث نہیں ہوتی) لہذا اخائی بھائی بہن کے محروم ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

جو وصیت کی جائے اس کو پوری کرنے کے بعد۔

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا

أَوْ ذِينَ لَا غَيْرَ مَضَاءً

اور اداء قرض کے بغیر اس کے کہ ضرر پہنچائے یعنی تمائی سے زیادہ کی وصیت کر کے یا کسی کے قرض کا جھوٹا قرار کر کے وارثوں کو ضرر نہ پہنچائے، وارثوں کو نقصان پہنچانا مقصود ہو کہ اللہ کا قرب حاصل کرنا تو مقصود نہ ہو صرف وارثوں کو دکھ پہنچانے کی غرض ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بعض مرد اور عورتیں ساٹھ برس اللہ کی طاعت کے کام کرتے ہیں پھر موت کا وقت آتا ہے تو وصیت میں (وارثوں کو) ضرر پہنچاتے ہیں اسی وجہ سے دوزخ ان کے لئے واجب ہو جاتی ہے، یہ حدیث بیان کرنے کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ نے آیت من بعد وصية يوصي بها او دين غير مضار..... ذلک الفوز العظیم تک تلاوت کی، رواہ احمد والترمذی والبوداؤد وابن ماجہ۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو وارثوں کی میراث کھائے گا اللہ قیامت کے دن اس کا جنت کا حصہ کاٹ دے گا۔ رواہ ابن ماجہ۔ بیہقی نے شعب الایمان میں یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا اگر میں پانچویں حصہ کی وصیت کروں تو چوتھائی مال کی وصیت کرنے سے میرے نزدیک زیادہ اچھا ہے اور تمائی مال کی وصیت کروں تو چوتھائی مال کی وصیت کرنے سے میرے نزدیک زیادہ بہتر ہے، رواہ ابیہمی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ۱۵ مال کی وصیت کرنے والا چھام مال کی وصیت کرنے والے سے افضل ہے، الحدیث، رواہ ابیہمی۔

نکتہ :- اس آیت میں اللہ نے وصیت اور قرض کو عدم ضرر کے ساتھ مشروط کیا اور پہلی آیت میں یہ قید نہیں لگائی حالانکہ وہاں بھی یہ قید ضروری ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قرابت تو الدیاعلاقہ زوجیت کا خود تقاضا ہے کہ وصیت یا اقرار دین سے اس کو ضرر نہ پہنچایا جائے ہاں اخائی رشتہ دار چونکہ قریبی قرابت نہیں رکھتے اس لئے ان کے معاملہ میں احتمال ہو سکتا تھا کہ کہیں وصیت کرنے اور اقرار قرض کرنے میں ان کو ضرر پہنچانے کا جذبہ کار فرما ہو اس لئے اس جگہ قید لگادی۔

فصل :- وصیت کی مختلف قسمیں ہیں۔ واجب، مستحب، مباح، حرام اور مکروہ۔ اگر میت قرض دار ہو یا اس پر زکوٰۃ یا منت یا حج فرض یا فوت شدہ نماز یا روزہ واجب الادا ہو تو اس وقت قرض اور زکوٰۃ وغیرہ کو ادا کرنے اور نماز روزہ وغیرہ کا فدیہ دینے کی وصیت کرنا واجب ہے پس اس کے کل ترکہ سے قرض ادا کیا جائے اور قرض میں بھی اس قرض کی ادائیگی مقدم ہے جس کا سبب متعین معلوم ہو یہ قول امام ابو حنیفہؒ کا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ہر قسم کا قرض برابر ہے معلوم السبب ہو یا مجهول السبب، قرض کے علاوہ ہر قسم کی وصیت تمائی ترکہ سے پوری کی جائے گی (زیادہ کی وصیت ناقابل تعمیل ہے) اس قسم کی (واجب) وصیت کی طرف سے غفلت کرنا جائز نہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس مسلمان آدمی پر کوئی حق ہو جس کی اس کو وصیت کرنا ہے اس کے لئے درست نہیں کہ دو راتیں بھی بغیر تحریر وصیت کے گزارے، صحیح بخاری و صحیح مسلم۔ مسلم کی روایت میں دو راتوں کی جگہ تین راتوں کا لفظ بھی آیا ہے۔

جس پر کوئی حق واجب نہ ہو اس کے لئے ۱۰/۱۱ سے ۱۳/۱۴ تک خیرات کرنے کی وصیت کرنا مستحب ہے بشرطیکہ اس کے وارث غنی ہوں اس کا ثبوت گذشتہ احادیث سے ملتا ہے اور اگر وارث نادار ہوں تو ایسی حالت میں وصیت اور خیرات کرنا مکروہ تنزیہی ہے ترک وصیت اولیٰ ہے ترک وصیت میں اقارب کے لئے اس کا مال میراث ہو گا اور خیرات بھی رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا کسی (غیر) مسکین کو خیرات دینا خیرات ہے اور کسی قربات دار کو خیرات دینا خیرات بھی ہے اور صلہ رحم بھی، رواہ احمد و الترمذی و ابن ماجہ والداری۔ جس وصیت سے وارثوں کو ضرر پہنچانا مقصود ہو یا ضرر پہنچ رہا ہو ایسی وصیت حرام ہے۔
وَصِيَّةٌ مِّنَ اللَّهِ
یہ یوصیکم کا مفعول مطلق تاکید ہے یا مضار کا مفعول بہ ہے یعنی اللہ نے جو حکم دیدیا ہے کہ تمہاری ترکہ سے زائد وصیت نہ ہو یا اولاد اور زوجین و اقارب (قریبہ) کیلئے وصیت نہ ہو اس حکم کو ضرر نہ پہنچایا جائے نہ وصیت کی شرعی حدود سے تجاوز کر کے نہ جھوٹے قرض کا اقرار کر کے۔

وَاللَّهُ عَلِيمٌ
اور اللہ ضرر پہنچانے والے کو خوب جانتا ہے۔
حَلِيمٌ (۱۵)
(مگروہ) حلیم بھی ہے اس لئے عذاب میں جلدی نہیں کرتا۔

یہ یتیموں اور وصیتوں اور میراثوں کے تمام احکام۔

نَبْلًا

حُدُودُ اللَّهِ

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (۱۶)
وَمَنْ يُعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا سَأَلَ عَنْ عَذَابِ ذَٰلِكَ الَّذِينَ فِيهَا مِنْ أَصْحَابِهَا (۱۷)

اور جو شخص اللہ اور اس کے

رسول کی پوری اطاعت کرے گا اللہ اس کو ایسی جنتوں میں لے جائے گا جن کے (درختوں کے) نیچے نہریں بہتی ہوں گی ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ ہی بڑی کامیابی ہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا (یعنی حکم کا انکار کرے گا) اور اس کے ضابطوں سے ہٹ جائے گا وہ اس کو آگ میں لے جائے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کو ذلت آفریں عذاب ہو گا۔
چونکہ لفظ مَنْ مفرد ہے اس لئے ضمیر مفرد مذکر اور خَالِدًا حال بصیغہ مفرد مذکر ذکر کیا لیکن معنی کے لحاظ سے مَنْ جمع ہے اس لئے خَالِدِينَ حال بصیغہ جمع مذکر ذکر کیا۔ واللہ اعلم۔

حقیقی اور علانی بہن بھائی کا ذکر اس سورت کے آخر میں آئے گا۔ ہم چاہتے ہیں کہ فرائض کے مسائل اس جگہ پر سیر حاصل طور پر بیان کریں۔

”مسئلہ عول“

اگر اہل فرائض کے حصے ترکہ کے سهام سے زائد ہوں تو لامحالہ ہر حصے والے کے حصہ میں اس کے حصہ کے تناسب سے کچھ کمی کی جائے گی اور اس طرح تمام اہل فرائض کو ان کا حصہ (کچھ کمی کے ساتھ) دیدیا جائے گا ایسے مسئلہ کو عاکلہ (اور ایسا عمل کرنے کو عول) کہتے ہیں۔ عول کا معنی ہے موڑنا جھکانا چونکہ اہل فرائض میں باہم تعارض ہوتا ہے اور کسی ایک کے مقررہ حصہ کو دوسرے کو مقررہ حصہ پر ترجیح نہیں دی جاسکتی اس لئے ترکہ کے اندر مقرر کئے ہوئے سهام کو (اصل تعداد سے) موڑ کر کچھ بڑھادیا جاتا ہے۔ عول کی وجہ تسمیہ یہی ہے اس کے علاوہ میراث کو قرض پر بھی قیاس کیا جاتا ہے (اگر قرض خواہ متعدد ہوں جن کے لئے ترکہ کافی نہ ہو تو قرض کے تناسب سے ہر قرض خواہ کے حق میں کچھ کمی کر کے دیا جاتا ہے اور قرض کے مناسب ٹکڑے کر دیئے جاتے ہیں)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عول پر اجماع منعقد ہوا تھا آپ کی خدمت میں ایک مسئلہ پیش ہوا کہ ایک عورت شوہر اور دو بہنوں کو چھوڑ کر مری تو تقسیم کس طرح ہوگی (شوہر کو نصف ترکہ کا اور دو بہنوں کو دو تہائی ترکہ کا حق ہے نصف اور دو تہائی مل کر کل ترکہ سے ۶/۱ بڑھ جاتا ہے پھر تقسیم کیسے ہو، مثلاً مسئلہ کی تصحیح ۶ سے کی گئی تو ۳ شوہر کے اور ۴ بہنوں کے ہونا چاہئے اور ان دونوں کا مجموعہ ۷ ہوتا ہے گویا ۶ سے ایک زائد ہو گیا پھر چھ کو دونوں فریق پر کس طرح بانٹا جائے)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیا اور فرمایا دیکھو اگر کوئی شخص مر جائے اور اس کا

ترکہ صرف چھ روپیہ ہو لیکن دو مستحق ہوں ایک تین روپیہ کا طلب گار ہو اور دوسرا چار روپیہ کا تو کیا کل مال کے ساتھ حصے کر کے تقسیم نہیں کی جائے گی، صحابہؓ نے اس کی تائید کی اور آپ کے قول کے موافق عمل کیا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے اس کی مخالفت کی کسی نے پوچھا آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایسا کیوں نہیں کیا فرمایا ان کی ہیبت کی وجہ سے، وہ پُر ہیبت شخص تھے۔ لوگوں نے کہا جو رائے آپ کی جماعت کے ساتھ تھی ہم کو آپ کی اس انفرادی سے وہی زیادہ پسند ہے۔ یہی حق نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو شخص (صحراء عالج کے) ذروں کو گن سکتا ہے وہ مال کو آدھا آدھا کرنے کے بعد پھر اسی میں سے ایک تہائی بھی نکالتا ہے (یہ کیسا حساب ہے) نصف اور نصف کرنے سے پورا مال ختم ہو جاتا ہے پھر تہائی مزید نکالنے کی گنجائش ہی کہاں رہتی ہے۔ دریافت کیا گیا سب سے پہلے میراث کے مقررہ حصوں میں عول کس نے کیا تھا فرمایا حضرت عمرؓ نے، اس کے بعد پورا قصہ نقل کر دیا۔ پھر آپ نے فرمایا خدا کی قسم اگر اس کو حصہ میراث میں مقدم رکھا جائے جس کو اللہ نے مقدم رکھا ہے اور اس کو پیچھے رکھا جائے جس کو اللہ نے پیچھے رکھا ہے تو فرائض میں عول کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑے گی۔ حاکم نے بھی حضرت ابن عباسؓ کا یہی مقولہ نقل کیا ہے ایک اور روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا گیا فرائض میں مقدم کون ہے اور مؤخر کون ہے۔ فرمایا اللہ نے مقدم اس کو رکھا ہے کہ جب اس کا مقرر کردہ حصہ کچھ گرایا گیا تو بدلے ہوئے حصہ کی بھی مقدار مقرر کر دی اور پیچھے اس کو رکھا ہے کہ جب اس کے مقررہ حصہ کو بدلا تو پھر اس کے لئے کوئی حصہ مقرر نہیں کیا بلکہ اگر کچھ بچ رہے تو اس کو دیدیا جائے گا ورنہ کچھ نہیں۔ مقدم فریضہ والے تو شوہر بیوی اور ماں ہے (کہ شوہر کا اصل حصہ نصف اور بیوی کا چہارم اور ماں کا تہائی ہے لیکن اگر میت کی لولاد ہو تو نصف بدل کر چہارم اور چہارم بدل کر آٹھواں اور تہائی بدل کر چھٹا ہو جاتا ہے) اور مؤخر فریضہ والی بیٹیاں اور بہنیں ہیں (کہ ان کا اصل حصہ تو ایک بیٹی کے لئے یا ایک بہن کے لئے نصف ہے اور دو بیٹیاں یا دو بہنیں ہوں تو دو تہائی ہے اور ایک بیٹی ایک بہن کے ساتھ ہو تو بیٹی کا نصف اور بہن کا چھٹا حصہ ہے لیکن جب بیٹیاں یا بہنیں اپنے بھائی کے ساتھ ہوں تو ان کا حصہ مقرر نہیں رہتا بلکہ یہ عصبہ ہو جاتی ہیں) اب اگر وہ وارث بھی ہوں جن کو اللہ نے مقدم رکھا اور وہ وارث بھی جن کو اللہ نے پیچھے رکھا ہے تو مقدم وارثوں کا پورا حصہ دیا جائے گا اور اگر کچھ باقی رہے گا تو بیٹیوں اور بہنوں کو دیا جائے گا ورنہ کچھ نہیں۔ محمد بن حنفیہ کا قول بھی اس مسئلہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے موافق ہے۔

مسئلہ :- اجماع صحابہؓ ہے کہ اہل فرائض کے مقررہ حصے دینے کے بعد جتنا مال باقی رہے گا وہ اس مرد کو دیا جائے گا جس کی قرابت میت سے سب سے زیادہ ہوگی جیسا کہ حدیث مذکورہ بالا میں آچکا ہے ایسے شخص کو عصبہ کہتے ہیں اگر اہل فرض نہ ہو تو عصبہ کل مال کا وارث ہوتا ہے۔ میت کا قریب ترین قرابت دار اس کا بیٹا ہوتا ہے بیٹے کے بعد پوتا، اسی طرح نیچے تک تمام زینہ نسل کا درجہ ہے۔ زینہ نسل کے بعد قریب ترین شخص باپ ہے، پھر دادا، پھر پردادا۔ اسی طرح زینہ سلسلہ کی اصل کا حسب ترتیب مرتبہ ہے۔ پھر حقیقی بھائی کا پھر علائی بھائی پھر حقیقی بھائی کے بیٹے کا، پھر علائی بھائی کے بیٹے کا، اسی طرح باپ کی زینہ نسل کی ترتیب نیچے تک دی جائے گی۔ پھر دادا کے حقیقی بھائی کا پھر اس کے علائی بھائی کا پھر دادا کے حقیقی بھائی کے بیٹے کا پھر دادا کے علائی بھائی کے بیٹے کا اسی طرح پردادا کی نسل نیچے تک جائے گی وغیرہ وغیرہ۔

حضرت علی کریم اللہ وجہہ، کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حقیقی بھائی باہم وارث ہوتے ہیں (یعنی عصبہ ہوتے ہیں) ان کی موجودگی میں علائی بھائی وارث نہیں ہوتے۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ والحاکم۔ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں صرف مقاسمۃ الجد کے مسئلہ میں اختلاف ہے۔

مسئلہ :- علماء کا اجماعی قول ہے کہ جن عورتوں کے لئے ایک ہونے کی حالت میں نصف اور دو ہونے کی حالت میں دو تہائی مقرر ہے وہ اپنے بھائی کے ساتھ مل کر عصبہ ہو جاتی ہیں اہل فرض نہیں رہتیں۔ کیونکہ اولاد (مذکورہ مومنٹ اگر مخلوط ہوں) اور بھائیوں بہنوں کے لئے اللہ نے فرمایا ہے للذکر مثل حظ الانثیین اور جو عورتیں اہل فرض نہیں ہیں اور ان کا

بھائی عصبہ ہے تو ایسی عورتیں بھائی کے ساتھ مل کر بھی عصبہ نہیں ہوتیں جیسے پھوپھی اور بھتیجی

مسئلہ :- باجماع اہل فرائض آخری عصبہ مولیٰ عتاقہ ہے (اگر کسی آقا نے غلام کو آزاد کر دیا تو اس آقا کو مولیٰ عتاقہ کہا جاتا ہے۔ آزاد شدہ غلام اگر مر جائے تو سب سے پہلے اس کے وارث اس کے اہل فرائض ہوں گے پھر ورثہ دار وارث ہوں گے جو رشتہ میں عصبہ ہیں پھر نسبی عصبہ نہ ہوں گے تو عصبہ سببی یعنی مولیٰ عتاقہ وارث ہوگا)۔

بیہقی اور عبد الرزاق نے لکھا ہے کہ ایک آدمی دوسرے شخص کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میں نے اس کو خرید کر آزاد کر دیا اس کی میراث کا کیا حکم ہے فرمایا اگر یہ (نسبی) عصبہ چھوڑے گا تو (اہل فریضہ کے بعد) عصبہ سب سے زیادہ مستحق ہوگا ورنہ حق آقائی (یعنی آزاد شدہ غلام کی میراث) تجھے ملے گا۔ صحیحین میں ہے کہ حق آقائی اس کا ہے جس نے آزاد کیا ہو پھر مولیٰ عتاقہ کے عصبہ کو حق آقائی حاصل ہے اور عورتوں کے لئے صرف انہی غلاموں کا حق آقائی ہے جن کو انہوں نے آزاد کیا ہو یا ان کے آزاد کردہ غلاموں نے آزاد کیا ہو۔

نسائی اور ابن ماجہ نے بنت حمزہ کی حدیث کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ بنت حمزہ نے کسی غلام کو آزاد کیا۔ آزادی کے بعد وہ غلام مر گیا، اور اس کی ایک بیٹی اور آزاد کرنے والی بی بی رہ گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا آدھا مال اس کی بیٹی کو اور آدھا بنت حمزہ کو دلوادیا۔ دار قطنی اور طحاوی نے اس حدیث کو مرسل بیان کیا ہے۔ بیہقی نے لکھا ہے کہ تمام راویوں کا متفقہ قول ہے کہ آزاد کرنے والی بنت حمزہ تھی بنت حمزہ کا باپ نہ تھا اس بحث کی ایک روایت حضرت ابن عباسؓ کی بھی آئی ہے جس کو دار قطنی نے ذکر کیا ہے۔

مسئلہ :- اہل فرائض کے حصے دینے کے بعد اگر کچھ مال بچ رہے اور عصبہ نہ ہوں تو لوٹا کر پھر اہل فرائض کو ان کے حصوں کے تناسب سے بانٹ دیا جائے گا مگر شوہر اور بیوی کو لوٹا کر دوبارہ کچھ نہیں دیا جائے گا یہ قول امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ کا ہے۔ امام مالکؒ اور شافعیؒ کے نزدیک بقیہ مال اہل فرائض کو دوبارہ نہیں دیا جائے گا بلکہ بیت المال میں داخل کر دیا جائے گا۔ متاخرین شافعیہؒ نے امام ابو حنیفہؒ کے قول پر فتویٰ دیا ہے کیونکہ بیت المال کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ بقول قاضی عبد الوہاب مالکی، ابوالحسن نے بیان کیا کہ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ غنی، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن مسعودؓ بقیہ مال کا وارث نہ ذوی الارحام (وہ رشتہ دار جو نہ لہل فرائض ہیں نہ عصبہ) کو قرار دیتے تھے نہ اہل فرائض کو دوبارہ تقسیم کراتے تھے۔ ابوالحسن نے کہا یہ روایت صحیح ہے طحاوی نے اپنی سند سے ابراہیم (غنی) کا مقولہ نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عبد اللہ ذوی الارحام کو وارث قرار دیتے تھے۔ راوی کا بیان ہے میں نے کہا کہ کیا حضرت علیؓ بھی ایسا کرتے تھے ابراہیم نے کہا حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ تو اس امر میں بہت سخت تھے۔

طحاوی نے دو طریقوں سے سوید بن غفلہ کا بیان نقل کیا ہے، سوید نے کہا ایک شخص مر گیا اس کی ایک لڑکی ایک بیوی اور اس کو آزاد کرنے والا ایک مرد پسماندگان کی فہرست میں رہے میں بیٹھا ہوا تھا کہ یہ مسئلہ حضرت علیؓ کی خدمت میں پیش ہوا آپ نے لڑکی کو نصف ترکہ اور بیوی کو ۸/۱۰ دیا اور جو باقی رہا وہ بھی لڑکی کو دوبارہ دیدیا مولیٰ (آزاد کرنے والے آقا) کو کچھ نہیں دیا۔ ابو جعفر کا مقولہ دو سلسلوں سے منقول ہے کہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ، (عطاء فرائض کے بعد) باقی مال بھی ان قریب داروں کو دلواتے تھے جو اہل فریضہ ہوتے تھے۔

طحاوی نے اپنی سند سے مسروق کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ سے مسئلہ پوچھا گیا کہ اگر چند اخیانی بھائی ہوں اور ماں ہو تو تقسیم میراث کس طرح کی جائے آپ نے بھائیوں کو ایک تہائی اور ماں کو باقی کل مال دلوادیا۔ اور فرمایا جس کا کوئی عصبہ نہ ہو تو ماں اس کی عصبہ ہے۔ آپ ماں کی موجودگی میں اخیانی بھائیوں کو لوٹا کر باقی مال میں سے کچھ نہیں دیتے تھے نہ حقیقی بیٹی کی موجودگی میں پوتی کو دوبارہ کچھ دیتے تھے نہ حقیقی بہن کے ساتھ علانی بہنوں پر مال کو رد کرتے تھے اور نہ بیوی اور شوہر کو۔ اور ابو کو فریضہ مقررہ سے زائد (بطور رد) کچھ دیتے تھے۔ طحاوی نے لکھا ہے کہ ہماری نظر میں حضرت علیؓ کا مسلک صحیح ہے حضرت ابن

مسعود کا قول ہمارے ہمارے لئے جاذب نہیں یعنی ذوی الفروض کو بقیہ میراث ان کے حصوں کے مطابق لوٹا کر دی جائے اور دور کے رشتہ والے پر قریب کے رشتہ دار کو ترجیح نہ دی جائے بلکہ سب کو ان کے حصوں کے موافق دیا جائے کیونکہ قرابت داروں کے جو حصہ مقرر کئے ہیں ہم نے دیکھا کہ وہ سب اپنی مختلف قرابتوں کے لحاظ سے وارث ہیں اور کوئی بھی اپنے قرب قرابت کی وجہ سے دور کی قرابت والے سے استحقاق میراث میں اولیت کا حامل نہیں ہے یہی مسلک امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ کا ہے۔

مسئلہ :- اجماع علماء ہے کہ جب کسی شخص میں دو جہتیں جمع ہو جائیں، اہل فرض بھی ہو اور عصبہ بھی تو دونوں کا لحاظ کیا جائے گا۔ مثلاً ایک عورت مرگئی اس کے تین چچا کے بیٹے رہے (تینوں کا شمار عصبہ میں ہے) لیکن اس کا اخیانی بھائی بھی ہے اور دوسرا اس کا شوہر ہے، تو اخیانی بھائی کو اس کا فریضہ یعنی ۶/۱۸ دیا جائے گا شوہر کو نصف ملے گا اور باقی مال تینوں کو عصبہ ہونے کی وجہ سے برابر برابر دیدیا جائے گا۔ مسئلہ کے ابتدائی سام ۶ ہوں گے اور صحیح ۱۸ سے کی جائے گی جن میں ۵ اخیانی کے ۱۱ شوہر کے اور ۲ صرف عصبہ کے ہوں گے (کیونکہ شوہر کا فریضہ ۱۸ میں سے نو ہے اور ۲ عصبہ ہونے کی جہت سے ملا کر کل ۱۱ ہو گئے اور اخیانی کے فریضہ کے ۳ ہیں اور دو عصبہ ہونے کی جہت سے ملا کر ۵ ہو گئے اور تیسرے کی جہت صرف عصبہ ہونے کی ہے اس لئے اس کو صرف ۲ ملیں گے)۔

اگر کسی شخص کو دو طرف سے فریضہ کا استحقاق ہو تو یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک تو قوی ترین قرابت کا لحاظ کیا جائے گا اور ضعیف قرابت قابل ترک ہوگی۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک دونوں استحقاق معتبر رہیں گے اور دونوں قرابتوں کا حصہ اس کو دیا جائے گا۔ اس قسم کی صورت صرف دو مسئلوں میں پیش آسکتی ہے، ایک تو صورت یہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی محرم عورت سے وطی شبہ میں کر لے اور پھر مر جائے (تو اس عورت کا دوسرا استحقاق ہو جاتا ہے) دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی مجوسی کسی محرم عورت سے نکاح کرے پھر مسلمان ہو جائے اور مر جائے مثلاً کسی مجوسی نے اپنی بیٹی (پروین) سے نکاح کیا اور لڑکی (زرینہ) پیدا ہوئی پھر اس نواسی (زرینہ) سے بھی نکاح کر لیا اور اس سے لڑکا پیدا ہوا (سراب) پس زرینہ سراب کی ماں بھی ہے اور باپ کی لڑکی یعنی علاتی بہن بھی، اور پروین، سراب کی نانی ہے اور علاتی بہن بھی۔

مسئلہ :- اس پر تو علماء کا اجماع ہے کہ شوہر اور بیوی کو چھوڑ کر باقی اہل فرائض میں سے کوئی ایک بھی موجود ہو گا یا عصبہ میں سے اگر ایک شخص بھی ہو گا تو ذوی الارحام کو کچھ نہیں ملے گا۔ لیکن (باستثناء زوجین) اگر کوئی اہل فرض بھی نہ ہو اور عصبہ بھی نہ ہو تو ذوی الارحام کی میراث میں اختلاف رائے ہے۔ ہاں صرف سعید بن مسیب قائل ہیں کہ (باوجودیکہ ماموں ذوی الارحام میں سے ہے اور بیٹی اہل فرض ہے مگر) بیٹی کی موجودگی میں ماموں کو بھی میراث ملے گی۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ ذوی الارحام کو وارث قرار دیتے ہیں۔ حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہی مسلک منقول ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ ذوی الارحام کو وارث نہیں مانتے اور (عصبہ نہ ہونے کی صورت میں بقیہ) کل مال بیت المال میں داخل کراتے ہیں۔ علماء کا قول ہے کہ یہی مسلک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، زہریؒ اور اوزاعیؒ کا بھی منقول ہے، متاخرین شافعیہ کا فتویٰ امام ابو حنیفہؒ کے مسلک پر ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ذوی الارحام کو وارث بنانے کے سلسلہ میں اللہ نے فرمایا ہے واولوا الارحام بعضهم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے خطبہ میں فرمایا یہ آیت ذوی الارحام کے متعلق نازل ہوئی کہ ذوی الارحام میں بعض بعض سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔ مخالفین نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ تمہارے قول کی کوئی دلیل نہیں۔ واقعہ یہ تھا کہ اہل جاہلیت منہ بولے بیٹے کو بھی میراث دیتے تھے جیسے رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ کو بیٹا بنایا تھا اسی طرح کچھ لوگ آپس میں معاہدہ کر لیتے تھے کہ ایک دوسرے کا وارث ہو گا اس کی تردید میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی تاکہ میراث ذوی الارحام (قرابت داروں) ہی کی طرف لوٹ جائے اور (بنائے ہوئے بیٹوں کے متعلق) فرمایا ادعوہم لا ہم ہوا قسط عند اللہ۔ آیت میں اولوا الارحام سے مراد ہیں ذوی الفروض اور عصبہ۔

ہم کہتے ہیں کہ آیت کا نزول اگر اسی سلسلہ میں مان لیا جائے جو آپ نے بیان کیا تب بھی اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے خصوص سبب کا نہیں ہوتا اور اولوالارحام کا لفظ عام ہے ذوی القربىٰ کو بھی شامل ہے اور عصبات کو بھی اور دوسرے رشتہ داروں کو بھی۔

بعض احادیث سے بھی ہمارے قول کا ثبوت ملتا ہے، حضرت امامہ بن سہل کی روایت ہے کہ ایک شخص کے تیر لگادہ مر گیا اور ماموں کے سوا اس کا کوئی وارث نہ تھا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھا آپ نے جواب میں لکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، جس کا کوئی وارث (زندہ) نہ ہو اس کا ماموں وارث ہے۔ رواہ احمد والبیہقی۔ طحاوی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کا سرپرست اللہ اور اس کا رسول ہے اور جس کا کوئی وارث نہ ہو (اور ماموں موجود ہو) تو ماموں اس کا وارث ہے۔

حضرت مقدم بن معدیکرب کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کا کوئی وارث نہ ہو، ماموں اس کا وارث ہے وہ اس کا وارث ہو گا اور اس کی طرف سے دیت دے گا۔ رواہ احمد و ابوداؤد و النسائی و ابن ماجہ و الحاکم و ابن حبان، حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے ابن ابی حاتم نے ابو زرہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے لیکن بیہقی نے اس کو مضطرب قرار دیا ہے۔ طحاوی کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے جس نے مال چھوڑا تو وہ اس کے وارثوں کے لئے ہے اور میں اس کا وارث ہوں جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کی طرف سے دیت ادا کر دوں گا اور اس کا وارث ہو گا اور ماموں اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو وہ اس کے مال کا وارث ہو گا اور اس کی دیت بھی دے گا۔ دوسری روایت میں ہے میں اس کا وارث ہوں گا اور اس کی جان چھڑاؤں گا اور جس کا کوئی وارث نہ ہو ماموں اس کا وارث ہو گا اس کا مال بھی اس کی جان بھی چھڑائے گا۔ میں کہتا ہوں کہ حضور ﷺ نے جو فرمایا کہ میں اس کا وارث ہوں جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا مال بیت المال کا ہے اور رسول اللہ ﷺ بیت المال کے متولی تھے۔

حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ماموں اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو۔ رواہ الترمذی و النسائی و الطحاوی۔ نسائی نے اس حدیث کو مضطرب اور دارقطنی نے راجح اور بیہقی نے موقوف کہا ہے۔ حضرت واسع بن حبان کا بیان ہے کہ ثابت بن و حداح کا انتقال ہو گیا، ثابت باہر سے آیا ہوا تھا اس کے اصل (خاندان) کا کسی کو پتہ نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے عائشہ بن عدی سے فرمایا کیا تم کو اپنے (گروہ کے) اندر اس کا نسب معلوم ہے، عائشہ نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ ﷺ (مجھے نہیں معلوم) حضور ﷺ نے ثابت کے بھانجے ابوالبابہؓ بن منذر کو بلوا کر ثابت کی میراث اس کو دیدی رواہ الطحاوی۔ حضرت عمر بن خطابؓ کے چند آثار طحاوی نے نقل کئے ہیں کہ پھوپھی اور خالہ کو آپ ﷺ نے وارث قرار دے کر پھوپھی کو دو تہائی اور خالہ کو ایک تہائی دیا۔ پھوپھی کی قرابت باپ سے ہوتی ہے اس لئے اس کو دہر اور خالہ کی قرابت ماں سے ہوتی ہے اس لئے اس کو اکہر حصہ دیا جو لوگ ذوی الارحام کو وارث نہیں کہتے وہ اپنی دلیل میں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث پیش کرتے ہیں کہ حضور ﷺ سے پھوپھی اور خالہ کی میراث کے متعلق دریافت کیا گیا فرمایا جب تک جبریلؑ نہ آئے مجھے نہیں معلوم، کچھ دیر کے بعد فرمایا پھوپھی اور خالہ کی میراث کا مسئلہ پوچھنے والا کہاں ہے وہ شخص حاضر ہو گیا۔ فرمایا جبریلؑ نے مجھے خاموشی سے بتادیا ہے کہ ان دونوں کے لئے کچھ نہیں ہے جو الہ الدار قطنی۔ یہ حدیث ضعیف ہے اسناد میں مسندہ عن محمد بن عمرو ہے جو ضعیف ہے بلکہ جھوٹی حدیثیں بنانے والا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے۔ امام احمد بن حنبلؓ نے فرمایا ہم نے اس کی حدیث کو آگ لگا دی۔ حاکم نے یہ حدیث عبد اللہ بن دینار عن ابن عمر بیان کی ہے اور اس کو صحیح بھی کہا ہے مگر اس کی سند میں عبد اللہ بن جعفر مدنی ہے جو ضعیف ہے۔ حاکم نے ایک اور حدیث اس کی شاہد بھی بیان کی ہے۔ شریک بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ حارث بن ابی عبیدہؓ نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ سے پھوپھی اور خالہ کی میراث کے متعلق دریافت کیا گیا اس میں سلیمان بن داؤد وافع ہے جو متروک ہے۔ دارقطنی نے شریک کی وساطت کے بغیر دوسرے طریقہ سے اس حدیث کو مرسل بیان کیا ہے۔

زید بن اسلم نے عطاء بن یدار کی روایت سے بیان کیا کہ ایک انصاری رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ایک شخص مر گیا اور ایک پھوپھی اور خالہ چھوڑ گیا۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت اپنے گدھے پر چڑھ رہے تھے یہ بات سن کر رک گئے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا اے اللہ ایک آدمی مر گیا اور اپنی پھوپھی اور خالہ کو چھوڑ گیا، اس شخص نے دوبارہ سوال کیا آپ ﷺ نے دوبارہ ایسا ہی کہا، اس نے تیسری بار پوچھا آپ نے تیسری مرتبہ بھی ایسا ہی کیا، پھر فرمایا ان دونوں کے لئے کچھ نہیں ہے۔ اس حدیث کو طحاوی نے چند طریقوں سے بیان کیا ہے اور نسائی و دارقطنی نے بھی نقل کیا ہے حدیث مرسل ہے۔ ابو داؤد نے مراسیل میں اس کو لکھا ہے۔ حاکم نے مستدرک میں موصولاً بروایت ابو سعید بیان کیا ہے لیکن اس کی سند میں ضعف ہے طبرانی نے صغیر میں محمد بن حارث مخزومی کی سوانح کے ذیل میں اس حدیث کو موصولاً ابو سعید کی روایت سے بیان کیا ہے اس سلسلہ میں بھی کوئی دوسرا شخص سوائے ابو سعید کے قابل نظر نہیں۔

احادیث مختلفہ کو باہم مطابق اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ آیت واولوالارحام بعضهم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ کے نزول سے پہلے جب حضور ﷺ سے پھوپھی اور خالہ کی میراث کا مسئلہ پوچھا گیا تو چونکہ اس وقت تک ذوی الارحام کے متعلق کچھ نازل نہیں ہوا تھا اس لئے آپ نے فرمادیا کہ ان کے لئے کچھ نہیں ہے پھر جب ذوی الارحام کی میراث کا حکم نازل ہو گیا تو آپ نے فرمایا ماموں اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو، واللہ اعلم۔

مسئلہ :- ذوی الارحام کی چار قسمیں ہیں (۱) میت کی نسل (۲) میت کی اصل (۳) میت کی اصل قریب کی نسل (۴) میت کی اصل بعید کی نسل۔ نمبر اول نمبر دوم کو وارث ہونے سے روک دیتا ہے اور نمبر دوم نمبر سوم کو اور نمبر سوم نمبر چہارم کو (یعنی نمبر چہارم کو اس وقت میراث ملے گی جب نمبر سوم بھی نہ ہو اور نمبر سوم اس وقت وارث ہو گا جب نمبر دوم بھی نہ ہو اور نمبر دوم کا استحقاق اس وقت ہو گا جب نمبر اول نہ ہو) ہر صنف میں جو میت سے زیادہ قریب ہو گا وہ دور والے کو میراث پانے سے روک دے گا اگر قرب میں سب برابر ہوں تو میت سے جس کا رشتہ کسی وارث کے ذریعہ سے ہو گا وہ اس شخص کو روک دے گا جس کا میت سے رشتہ کسی ذی رحم کے ذریعہ سے ہو گا بھائی بہن چچا چچی ماموں اور خالہ کی نسل میں قوت قرابت کا لحاظ ہوتا ہے بشرطیکہ دائرہ قرابت سب کا ایک ہو مثلاً حقیقی چچا کی لڑکی باپ کے علاقائی بھائی کی لڑکی سے اولیٰ ہوتی ہے اگر دائرہ قرابت مختلف ہو تو قوت قرابت کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا جیسے باپ کی علاقائی بہن اور ماں کی حقیقی بہن کوئی بھی دوسری کے لئے حاجب نہیں ہے۔ ترکہ کے تین حصے کر کے دو تہائی باپ کی قرابت والی کو اور ایک تہائی ماں کی قرابت والی کو دیا جاتا ہے، طحاوی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر اسی طرح نقل کیا ہے۔

جس کی قرابت دو جہت سے ہو اس کا حصہ ایک جہت کی قرابت والے سے دگنا ہو گا۔

ذوی الارحام میں امام ابو حنیفہؒ امام ابو یوسفؒ اور حسن بن زیاد کے نزدیک (تعدد جہات کا اعتبار نہیں بلکہ) اشخاص کا اعتبار ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک اشخاص کے ساتھ ساتھ کیفیت رشتہ بھی قابل لحاظ ہے (مثلاً اگر ایک دور شتہ والی ہو اور ایک کامیت سے رشتہ اکرا ہو تو امام صاحبؒ کے نزدیک ترکہ آدھا آدھا تقسیم کر دیا جائے گا اور امام محمدؒ کے نزدیک کل ترکہ کے تین حصے کر کے دو حصے دو قرابت والی کو اور ایک حصہ ایک قرابت والی کو دیا جائے گا) اس جگہ تفصیل کی گنجائش نہیں۔

مسئلہ :- اجماعی فیصلہ ہے کہ قتل عمد قاتل کو مقتول کی میراث سے محروم کر دیتا ہے اسی طرح قتل خطاء بھی امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک مانع میراث ہے، امام مالکؒ کے نزدیک قتل خطاء کا مرتکب مقتول کے مال کا وارث ہو گا لیکن جو دیت خود ادا کرے گا اس میں بطور ارث قاتل کا کوئی حصہ نہ ہو گا، ہماری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا عام فرمان ہے کہ قاتل وارث نہیں ہوتا، حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے لیکن اس کی سند میں ایک راوی اسحاق بن عبد اللہ ہروی ہے جو متردک الحدیث ہے، نسائی اور دارقطنی نے ایسی ہی حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی روایت سے بیان کی ہے اور بیہقی دارقطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے۔

امام مالکؒ نے اپنے قول کے ثبوت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث پیش کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا دو (مختلف) مذہبوں والے باہم وارث نہیں ہونگے پیوی اپنے شوہر کی دیت کی بھی وارث ہوگی اور اس کے مال کی بھی اور شوہر اپنی پیوی کی دیت کا بھی وارث ہوگا اور اسکے مال کا بھی، بشرطیکہ ایک نے دوسرے کو قتل نہ کیا ہو اگر ایک نے دوسرے کو عداً قتل کیا ہو تو قاتل مقتول کی دیت کا وارث نہ ہوگا، رواہ الدار قطنی، اس سند میں حسن بن صالح راوی مجروح ہے۔ دوسری حدیث امام مالکؒ نے یہ بیان کی کہ ہشام بن عروہ نے بروایت عروہ بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی اپنے ولی (قرابت دار مورث) کو خطا قتل کر دے وہ اس کے مال کا وارث ہوگا اور (اپنی دی ہوئی) دیت کا وارث نہ ہوگا۔ اس سند میں ایک راوی مسلم بن علی ہے جس کے متعلق یحییٰ نے کہا کہ وہ کچھ نہیں ہے اور دار قطنی نے کہا وہ متروک الحدیث ہے۔ دار قطنی نے مرسل سعید بن مسیب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ (حضور ﷺ نے فرمایا) قاتل عداً ہو یا خطا دیت کا وارث نہ ہوگا۔ رواہ ابوداؤد۔

ہم کہتے ہیں ان احادیث کے مفہوم سے پتہ چلتا ہے کہ قتل خطا کا مرتکب مقتول کے ترکہ کا وارث ہوگا اور مفہوم ہمارے نزدیک قابل حجت نہیں۔ پھر یہ بات اصول کے بھی خلاف ہے کیونکہ قاتل جب مقتول کے ترکہ کا وارث ہوگا تو دیت کا کس طرح وارث نہ ہوگا۔ (دیت بھی ترکہ کا ایک حصہ ہے)۔

مسئلہ :- اجماعی فیصلہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا اور نہ کافر مسلمان کا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے مسلمان کافر کا وارث نہیں اور نہ کافر مسلمان کا۔ اس حدیث کے راوی حضرت اسامہ بن زید ہیں۔ رواہ الشیخان واصحاب السنن الاربعہ حضرت معاذ اور ابن مسیب اور غنی کا قول اس طرح روایت میں آیا ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوگا کافر مسلمان کا وارث نہ ہوگا جیسے اگر کوئی مسلمان کتابی عورت سے نکاح کر لے تو اس کا وارث ہوگا لیکن وہ اس کی وارث نہ ہوگی۔

امام احمدؒ نے عدم توارث کے قانون سے دو صورتوں کو مستثنیٰ کیا ہے ایک یہ کہ اگر آزاد شدہ غلام کافر ہو اور مر جائے تو اس کا حق ولاء مسلمان آقا کو مل جائے گا۔ حضرت جابرؓ کی مرفوع حدیث ہے کہ مسلمان نصرانی کا وارث نہیں ہوتا ہاں اگر وہ نصرانی اس کا غلام یا باندی ہو (تو وارث ہو جائے گا) رواہ الدار قطنی۔ دار قطنی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ باندی غلام سے وہ باندی غلام مراد ہیں جن کو تجارت کرنے کی آقا کی طرف سے اجازت ہو ایسے باندی غلام کا مال آقا کا ہوتا ہے اسی مال کو مجازاً میراث کہا ہے کیونکہ آزاد کردہ غلام تو غلام ہی نہیں ہوتا (اور حدیث میں لفظ عبد آیا ہے) دوسری استثنائی صورت یہ ہے کہ میت مسلمان ہو اور اس کے قرابتدار کافر ہوں لیکن تقسیم ترکہ سے پہلے مسلمان ہو جائیں اس وقت میراث کے مستحق ہو جائیں گے۔ دوسری روایت میں امام احمدؒ کے نزدیک بھی میراث کے مستحق نہیں ہوں گے گویا اس صورت میں امام احمدؒ کا قول بھی جمہور کے موافق ہے۔ اول قول کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو حصہ جاہلیت کے زمانہ میں بانٹ دیا گیا وہ سابقہ تقسیم کے موافق رہے گا اور جو حصہ اسلام کے دور میں تقسیم ہوا وہ اسلامی تقسیم کے موافق ہوگا، رواہ ابوداؤد۔

حضرت ابن عمرؓ کی حدیث کے یہ الفاظ ہیں کہ جو میراث جاہلیت کے زمانہ میں بانٹ دی گئی وہ جاہلیت کی تقسیم پر رہے گی اور جو میراث دور اسلامی میں تقسیم ہوئی وہ اسلامی تقسیم پر ہوگی رواہ ابن ماجہ۔ لیکن دونوں حدیثوں میں امام احمدؒ کے قول کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی حالت میں اللہ کے قائم کردہ حصص کے مطابق تقسیم کی جائے گی۔ جاہلیت کے نظام کے مطابق تقسیم نہیں ہوگی۔ عروہ بن زبیرؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان ہونے کے وقت جو چیز جس کی تھی وہ اسی کی ہے۔ علماء نے اس سے بھی امام احمدؒ کے قول پر استدلال کیا ہے مگر اس سے بھی کسی دلیل کا استنباط نہیں کیا جاسکتا۔ رواہ ابن الجوزی۔

مسئلہ :- یہودی نصرانی کا وارث ہوگا اور نصرانی یہودی کا اسی طرح الگ الگ ملت والے باہم وارث ہوں گے کیونکہ کفر

ایک ہی ملت ہے (خواہ کوئی فرقہ ہو) اور اصل میراث ہے۔ یہ مسلک امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا ہے۔ امام احمدؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک ایک فرقہ کا کافر دوسرے فرقہ کے کافر کا وارث نہیں ہوگا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے دو مختلف ملتوں والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے، رواہ احمد والنسائی و ابوداؤد وابن ماجہ والدارقطنی من حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ۔ اس سند میں ایک راوی یعقوب بن عطاء ہے جو ضعیف ہے ابن حبان نے یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کی ہے اور ترمذی نے حضرت جابرؓ کی روایت سے اس کو لکھا ہے اور روایت کو غریب کہا ہے اس سند میں ایک ضعیف راوی ابن ابی لیلیٰ ہے۔ بزاز نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کوئی ملت دوسری ملت کی وارث نہیں ہوگی اسکی سند میں عمرو بن راشد ہے جو لیس الحدیث ہے۔

نسائی حاکم اور دارقطنی نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کی روایت سے انہی الفاظ کے ساتھ اس حدیث کو لکھا ہے لیکن دارقطنی نے کہا ہے کہ حضرت اسامہؓ کی حدیث میں یہ الفاظ محفوظ نہیں ہیں عبدالحق کو وہم ہو گیا انہوں نے اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ مسلم کی طرف منسوب کیا ہے، یہی ہے حضرت اسامہؓ کی روایت کردہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا اور نہ کافر مسلمان کا اور نہ دو ملتوں والے باہم وارث ہوں گے اس سند میں خلیل بن مرہ ضعیف راوی ہے پھر یہ بات بھی ہے کہ دو ملتوں سے مراد اسلام اور کفر ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ :- اجماعی فیصلہ ہے کہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ انبیاء کا ترکہ خیرات کا مال ہے جو مسلمانوں کے کاموں میں صرف کیا جانا چاہئے۔ اس فیصلہ کے مخالف صرف شیعہ ہیں جو حضرت ابو بکرؓ صدیقؓ پر طعن کرتے ہیں کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کا ترکہ حضرت سیدہ فاطمہؓ کو نہیں دیا۔ شیعہ نے اعتراض کیا ہے کہ حدیث نحن معاشر الانبیاء لانورث ماترکناہ صدقہ ہمارا انبیاء کا گروہ ہے ہم کسی کو اپنے مال کا وارث نہیں کرتے ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ (عمومی) خیرات ہوتی ہے۔ یہ حدیث خبر واحد ہے اور آیت یوصیکم اللہ الخ کے مخالف ہے لہذا آیت پر خبر واحد کی ترجیح لازم آتی ہے پھر دوسری آیات کے بھی یہ حدیث خلاف ہے۔ ایک آیت ہے وورث سلیمان داود الخ سلیمان داؤد کے وارث ہوئے۔ دوسری آیت میں حضرت زکریاؓ کا قول نقل کیا رب ھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من ال یعقوب۔ یہ لوگ عجیب بے وقوف ہیں اتنا نہیں سمجھتے کہ یہ حدیث ہمارے لئے آحاد میں سے ہے لیکن صدیق اکبرؓ نے جب اپنے کانوں سے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سن لی تو متواتر سے بھی بڑھ گئی محسوس کا درجہ متواتر سے بڑھ کر ہے۔ پھر یہ کہنا کہ اس حدیث کو صرف حضرت ابو بکرؓ نے روایت کیا بجائے خود غلط ہے اس کی راوی تو صحابہؓ کی ایک جماعت ہے جن میں سے حضرت حذیفہؓ بن یمان حضرت ابودرداءؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ بھی ہیں۔

بخاری نے بیان کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کے سامنے جن میں حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت زبیرؓ بن عوام اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بھی تھے، حضرت عمرؓ نے کہا میں آپ کو اس اللہ کی جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں قسم دیتا ہوں کیا آپ کو علم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا لانورث ماترکناہ صدقہ ہم کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ خیرات ہے اس سے مراد حضور ﷺ کی اپنی ذات تھی سب صحابہؓ نے جواب دیا جی ہاں (ایسا فرمایا تھا) پھر حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کی طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (خصوصی) رخ موز کر کہا میں آپ دونوں صاحبوں کو اللہ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کیا آپ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا فرمایا تھا دونوں نے جواب دیا جی ہاں بیشک۔ الحدیث

ان تمام صحابہؓ کی روایات حدیث کی کتابوں میں صحت کے ساتھ مذکور ہیں۔ پس یہ حدیث ہمارے لحاظ سے بھی درجہ شہرت تک پہنچ چکی ہے اور امت اسلام نے بھی اس کو (بالافتاق) قبول کیا ہے اور سب کا اس کی صحت پر اجماع ہو چکا ہے پھر شیعہ کی کتابوں میں بھی ایسی احادیث آئی ہیں جو اس حدیث کی تائید کرتی ہیں۔ محمد بن یعقوب رازی نے بروایت ابوالبختری

حضرت ابو عبد اللہ جعفر بن محمد صادق کا قول نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا علماء انبیاء کے وارث ہیں اور یہ اس طرح کہ انبیاء نے نہ درہم کا کسی کو وارث کیا، نہ دینار کا بلکہ صرف اپنی احادیث کا وارث بنایا ہے جس کو ان احادیث کا کچھ حصہ بھی مل گیا اس کو پورا حصہ مل گیا (یعنی پوری میراث مل گئی) اس حدیث میں لفظ صرف حصر کے لئے ہے (مطلب یہ کہ انبیاء کی میراث مال نہیں ہوتا علم کے سوا ان کا کوئی ترکہ بطور میراث تقسیم نہیں کیا جاسکتا)۔

رہی آیت وورث سلیمان داؤد کا جواب، تو اس میں علم کی میراث مراد ہے آیت اسی پر دلالت کر رہی ہے کیونکہ حضرت سلیمان نے فرمایا تھا یا بیہا الناس علمنا منطق الطیر اس آیت میں علمنا سے اسی علمی میراث کو بیان کیا ہے۔ حضرت زکریا کی دعا میں بھی ایسے لڑکے کیلئے دعا ہے جو علمی میراث کا وارث ہو کیونکہ اس کا تو امکان ہی نہیں ہے کہ حضرت یحییٰ بن زکریا تمام بنی اسرائیل کے مال کے وارث ہوتے ہاں علم کے وارث ہو سکتے تھے اور ہوئے تھے (اسی علمی میراث کی دعا حضرت زکریا نے کی تھی) واللہ اعلم۔

وَالَّتِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَاءِ كُمْ
اور تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں کھلی بے حیائی
کریں الفاحشہ سے مراد ہے زنا اسی حکم میں عورت سے عورت کی زنا بھی داخل ہے کیونکہ لفظ عام ہے کسی غیر عورت سے
لواطت کرنے کو بھی یہ لفظ شامل ہے۔

فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِنْكُمْ
پس (اے حکام الزام زنا، لگانے والوں سے) تم اپنے لوگوں میں
سے چار گواہ طلب کرو یعنی چار مرد جو مؤمن ہوں اور فاسق نہ ہوں عورتوں کی شہادت زنا کے مقدمہ میں بالاجماع جائز نہیں۔
مرد شہادت دیں کہ ہم نے اس طرح دیکھا جیسے سرمہ والی میں سلا۔

فَإِنْ شَهِدُوا فَإِنُكِّلُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ
اب اگر وہ (چاروں) شہادت دیدیں تو عورتوں کو گھروں کے
اندر (قیدی کے طور پر) بند کر دو۔

حَتَّى يَتَوَفَّيَهُنَّ الْمَوْتُ
یہاں تک کہ ان کو یعنی ان کی جانوں کو موت یعنی موت کے فرشتے لے لیں۔
أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا
یا اللہ ان کے لئے کوئی راہ نکال دے یعنی کوئی شرعی حکم جاری کر دے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ اس جگہ لفظ اَوْ بمعنی اِلٰی اُن کے ہے (یعنی اس وقت تک قید رکھو کہ اللہ ان کے لئے کوئی جدید حکم جاری کرے) مسلم نے حضرت عبادہ بن صامت کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لو مجھ سے لو مجھ سے۔ عورتوں کے لئے اللہ نے راہ نکال دی ناکتھذا ناکتھذا سے کرے تو اس کے لئے سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی اور شادی شدہ سے کرے تو سو کوڑے اور سنگساری۔

فائدہ :- گھر میں بند کرنا کیا ایک طرح کی سزا تھی جو منسوخ ہو گئی یا حوالات تھی کہ حکم سزا ظاہر ہونے تک کے لئے تھی یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ حکم سزا کے نزول تک اللہ نے بند رکھنے کا حکم دیا لیکن حکم سزا کے نزول کے بعد بھی یہ حکم منسوخ نہیں ہو گیا بلکہ باقی ہے تاکہ حوالات کے بعد (جب تحقیقات سے جرم ثابت ہو جائے تو) سزا دی جاسکے۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ اصل میں مذکور ہے حاکم اس کو بند کر دے تاکہ گواہوں کے عادل یا فاسق ہونے کی انکوائری کر لے۔ زنا کی سزا کے مسائل ہم انشاء اللہ سورہ نور میں ذکر کریں گے۔

وَالَّذِينَ يَأْتِيْنَهَا مِنْكُمْ فَادُّوْهُمَّا
تم میں سے جو دونوں فاحشہ یعنی زنا یا لواطت کا ارتکاب کریں تو
دونوں کو دکھ پہنچاؤ۔ اکثر علماء کے نزدیک دونوں سے مرد دونوں زنا کرنے والے مرد اور عورت ہیں۔ اور اذوہمما کی تشریح میں
عطا اور قتادہ نے کہا ان کو زبانی دکھ پہنچاؤ سخت ست کہو کہ تجھے اللہ سے شرم نہیں آتی تو اللہ سے نہیں ڈرتا۔ حضرت ابن عباس
رضی اللہ عنہما نے فرمایا زبان سے عار دلاؤ اور ہاتھ سے بھی دکھ پہنچاؤ جوتے مارو۔ اگر آیت میں زانی اور زانیہ مراد ہوں تو اشکال بخیر
پیدا ہوتا ہے کہ سابقہ آیت میں تو جس کی سزا تجویز کی تھی اور اس آیت میں ایذا کا حکم دیا (کون سا حکم قابل عمل ہے اور دونوں

میں تطبیق کی کیا شکل ہے) اس اشکال کو دور کرنے کے لئے بعض علماء نے کہا کہ پہلی آیت میں کتھا کی سزا کا بیان ہے اور اس آیت میں ناکتھا کی سزا کا۔ بعض نے کہا کہ مؤخر الذکر آیت نزول میں مقدم الذکر آیت سے پہلے ہے پہلے زانی کی سزا ایذا مقرر کی پھر جس پھر تازیانہ۔

میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ اللذان سے مراد (زانی اور زانیہ نہیں ہیں بلکہ) وہ دونوں مرد ہیں جو لواطت کے مجرم ہوتے ہیں یہی قول مجاہد کا ہے اس وقت اشکال دفع ہو جائے گا (کیونکہ پہلی آیت میں زانی اور زانیہ کی سزا کا ذکر ہے اور اس آیت میں اہل لواطت کی سزا کا) ایذا کی شرع میں کوئی حد مقرر نہیں ہے بمقدار اور کیفیت ایذا امام (حاکم) کی تجویز پر موقوف ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے امام جیسا مناسب سمجھے دونوں کو تعزیر کرے بار بار سزا دینے کے بعد بھی اگر مجرم باز نہ آئے تو امام دونوں کو قتل کر سکتا ہے اس میں شادی شدہ اور کنوارے کی کوئی تفریق نہیں ہے سیاست کا جیسا تقاضا ہو ویسا کیا جائے۔ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک حد مقرر نہیں بلکہ تعزیر کی جائے اور مرتے دم تک قید رکھا جاسکتا ہے اور اگر کوئی لواطت کا عادی ہو تو امام اس کو قتل کرادے۔

امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک لواطت موجب حد شرعی ہے امام احمدؒ کے قوی قول میں اور امام شافعیؒ سے ایک قول میں اور امام مالکؒ کی رائے میں لواطت کی سزا سنگسار کر دینا ہے۔ شادی شدہ ہو یا کنوارہ۔ شافعیؒ کے دوسرے قول میں آیا ہے کہ تلوار سے اس کو قتل کر دیا جائے۔ صاحبینؒ کا اور امام احمدؒ کا ایک قول اور شافعیؒ کا قوی ترین قول یہ ہے کہ لواطت کی سزا زنا کی طرح ہے ناکتھا کو کوڑے مارے جائیں اور شادی شدہ کو سنگسار کیا جائے حقیقت کے اعتبار سے لواطت بھی ایک قسم کا زنا ہے یہ بھی کامل شہوت رانی ہے بلکہ زنا سے بھی زیادہ سخت ہے کیونکہ فعل زنا کی حرمت تو نکاح سے ختم ہو جاتی ہے (اور لواطت کی حرمت بھی ختم نہیں ہوتی) پس دلالت النص سے لواطت حکم زنا میں داخل ہے۔ اس کے علاوہ بیہقی نے حضرت ابو موسیٰ کی مرفوع حدیث بھی بیان کی ہے کہ جب مرد مرد سے اس فعل کا ارتکاب کرتا ہے تو دونوں زانی ہوتے ہیں لیکن اس حدیث کی سند میں ایک راوی محمد بن عبد الرحمن قشیری ہے جس کو ابو حاتم نے جھوٹا کہا ہے اور ابوالفتح ازدی نے اس کا شمار ضعیفاء میں کیا ہے۔ طبرانی نے اس حدیث کو ایک اور سند سے حضرت ابو موسیٰ کی روایت سے بیان کیا ہے مگر اس سلسلہ میں ایک شخص بشر بن فضل بجلی مجہول ہے۔ یہ حدیث ابو داؤد نے اپنی مسند میں بھی نقل کی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا کہنا ہے کہ لغتہ لواطت زنا کا ہم معنی نہیں ہے اسی لئے صحابہؓ کا اس کے موجب میں اختلاف ہے اور زنا کی نسبت سے اس جرم کا وقوع بھی کم ہوتا ہے کیونکہ دونوں طرف سے اس فعل کے ارتکاب کا جذبہ تو کار فرما ہوتا نہیں (صرف فاعل کا اقتضاء ہوتا ہے) لہذا لواطت زنا کے معنی میں نہیں ہے۔ جو علماء لواطت کو موجب حد شرعی کہتے ہیں ان کی دلیل حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کو تم قوم لوط کا ایسا عمل کرتے پاؤ تو فاعل و مفعول دونوں کو قتل کر دو۔ رواہ احمد و ابو داؤد الترمذی و ابن ماجہ و الحاکم و البیہقی عن عکرمہ عن ابن عباسؓ، ترمذی نے کہا حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت عکرمہ ہی کے ذریعہ سے معلوم ہوئی ہے، حاکم نے اس روایت کو صحیح الاسناد کہا ہے، بخاری نے کہا کہ عکرمہ کا شاگرد عمرو بن ابی عمرو ہے تو سچا مگر عکرمہ کی طرف نسبت کر کے اس نے بہت سی منکرات نقل کی ہیں، نسائی نے بھی اس کو منکر قرار دیا اور کہا یہ قوی نہیں ہے۔ ابن معین نے اس کو ثقہ کہا ہے مگر جو حدیث اس نے بوساطت عکرمہ از ابن عباسؓ بیان کی ہے اس کو منکر کہا ہے ایک جماعت نے اس سے روایت کی ہے۔ حاکم نے دوسرے طریقوں سے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور جرح و تعدیل کی طرف سے خاموشی اختیار کی ہے البتہ ذہبی نے گرفت کی ہے کہ عبد الرحمن عمری ساقط الاعتبار ہے، ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے اس حدیث کو نقل کیا ہے مگر اس کی سند اول اسناد سے بھی زیادہ کمزور ہے حافظ نے کہا کہ ابو ہریرہؓ سے یہ حدیث جو نقل کی گئی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

بزاز نے عاصم بن عمر عمری کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے مگر عاصم متردک ہے، ابن ماجہ نے اپنے طریق سے ان

الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ اوپر اور نیچے والے کو سنگسار کرنے کا حکم دینے کا ثبوت رسول اللہ ﷺ سے نہیں ملتا ہاں اتنا حضور ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا فاعل اور مفعول (دونوں) کو قتل کر دو۔

امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ہمارے نزدیک صحیح خبر آحاد سے بھی کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں اور اس حدیث کی صحت تو محل تردد میں ہے اس لئے اس حدیث کی وجہ سے قتل کر دینے کا اس بنیاد پر فیصلہ کرنا کہ لواطت کی حد شرعی قتل ہے درست نہیں ہے کتاب اللہ سے صرف ایذا ثابت ہے اور ہر تعزیر ایذا ہے۔

ایک شبہ :- آیت مذکورہ کا لواطت کے متعلق ہونا قطعاً ثابت نہیں بلکہ اکثر اہل تفسیر نے اس آیت کو زانی اور زانیہ کے متعلق قرار دیا ہے۔

ازالہ :- آیت کا رد اگرچہ زانی کے سلسلہ ہی میں ہوا مگر لفظ عام ہے کیونکہ فاحشہ کا لفظ جس طرح زنا کو شامل ہے اسی طرح لواطت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اللہ نے قوم لوط کے سلسلہ میں فرمایا ہے اتاتون الفاحشۃ ماسبقکم بہامن احد من العالمین۔

بحث لواطت کے متعلق صحابہؓ کے مختلف اقوال روایات میں آئے ہیں، بیہقی نے شعب الایمان میں ابن ابی الدنیا کے طریق سے محمد بن المنکدر کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت خالد بن ولید نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو لکھا کہ اطراف عرب میں ایک مرد ہے جس سے عورت کی طرح جماع (یا نکاح) کیا جاتا ہے حضرت ابو بکرؓ نے صحابہؓ کو جمع کر کے مشورہ لیا تمام مشوروں میں حضرت علیؓ کا قول شدید ترین تھا آپؓ نے فرمایا یہ ایسا گناہ ہے کہ صرف ایک امت نے اس کا ارتکاب کیا تھا اور اللہ نے جو کچھ اس کے ساتھ کیا آپؓ لوگوں کو معلوم ہی ہے اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس کو آگ سے جلادیا جائے چنانچہ اس سزا پر سب صحابہؓ کا اتفاق رائے ہو گیا۔

ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ایسے مجرم کو بستی کی سب سے اونچی عمارت کی چوٹی سے اٹھا کر نیچے پھینک دیا جائے اور اوپر سے سنگ باری کی جائے اس قول کا ماخذ یہ ہے کہ قوم لوط کو اسی طرح ہلاک کیا گیا تھا ان کی بستیوں کو اٹھا کر الٹا کر کے گرادیا گیا تھا اور یقیناً جب انکو نیچے گرایا گیا تھا تو اوپر سے منہدم عمار میں ان پر گری گئیں۔ حضرت ابن زبیرؓ کا قول منقول ہے کہ انتہائی بدبودار مکان میں دونوں کو بند کیا جائے یہاں تک کہ دونوں مر جائیں۔ بیہقی نے چند طریقوں سے نقل کیا ہے کہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے ایک لوطی کو سنگسار کر لیا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع حدیث اور ان تمام اقوال کی وجہ جامع یہ صورت ہے کہ اگر کوئی شخص اس فعل کا عادی ہو بار بار اس سے یہ حرکت سرزد ہوئی ہو اور تعزیر سے بھی باز نہ آیا ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے خواہ کسی طریقہ سے ہو۔ بار بار کرنے اور عادی ہو جانے پر حدیث کا لفظ یعمل دلالت کر رہا ہے فرمایا ہے من وجدتم یعمل یعمل قوم لوط جس کو تم پاؤ کہ وہ قوم لوط کا عمل کیا کرتا ہے من یعمل یعمل قوم لوط نہیں فرمایا۔ یہی قول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

فَإِنْ تَابَا وَأَصْلَحَا پھر اگر وہ فاحشہ سے توبہ کر لیں اور اپنے عمل درست کر لیں یعنی توبہ کے بعد ان کے اعمال درست ہو جائیں۔

فَاعْرِضْهُمَا لِنَاصِرِ اللَّهِ كَأَن لَّهُ تَابًا بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔ توبہ کا لغوی معنی ہے لوٹنا بندہ کی توبہ کا معنی ہے توبہ سے لوٹنا اور اللہ کے توباب ہونے کا معنی ہے ارادہ عذاب سے باز رہنا توبہ قبول کرنا توبہ کی توفیق عطا کرنا۔

تَجِيبُهُ ۵۱ مہربان ہے یعنی توبہ کرنے والوں پر رحم کرتا ہے۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ اللہ کے ذمہ یعنی اس ذمہ داری کے تحت جس کا اللہ نے خود وعدہ کر لیا ہے۔

لَّذِينَ يَعْمَلُونَ الشُّوْءَ بَٰجَهَالَةٍ
صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو نادانی کے ساتھ گناہ کرتے ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ قتادہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کے صحابیوں کا اتفاق رائے ہے اس امر پر کہ ہر گناہ خواہ قصداً ہو یا بلا قصد جہالت ہے جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے وہ جاہل ہے۔ ابن جریر نے ابو العالیہ کا قول بھی یہی نقل کیا ہے۔ کلبی نے (بَٰجَهَالَةٍ کی تفسیر کرتے ہوئے) کہا کہ گناہ ہونے سے وہ ناواقف نہیں ہے مگر اس کے عذاب سے ناواقف ہے، بعض علماء نے جہالت کی تشریح میں کہا دوائی عیش کو چھوڑ کر عارضی فناپذیر لذت کو اختیار کرنا جہالت ہے۔ میں کہتا ہوں کہ نفس حیوانی کے جوش کے وقت اللہ کے عذاب سے غافل ہو جانا ہی جہالت ہے۔

ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ
پھر قریب وقت میں ہی توبہ کر لیتے ہیں مِنْ قَرِيبٍ میں مِنْ تبعیضہ ہے۔ قریب سے مراد یہ ہے کہ نیکیوں کو گناہ گھیر کر تباہ نہ کر چکے ہوں یا یہ مراد ہے کہ گناہ کی محبت دل کو چرنہ گئی ہو، دل پر گناہ کا ٹھپہ نہ لگ گیا ہو۔ رنگ نہ چڑھ گیا ہو، سدی اور کلبی نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ مرض موت میں مبتلا ہونے سے پہلے صحت کی حالت میں توبہ کی ہو۔ صحیح بات یہ ہے کہ قریب وقت میں توبہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ موت کے سامنے آنے سے پہلے زندگی میں توبہ کر لی ہو یعنی عذاب کے فرشتوں کو دیکھنے سے پہلے توبہ کی ہو۔ عکرمہ اور ضحاک نے یہی تفسیر کی ہے اسی مفہوم پر دلالت کر رہی ہے آیت اذا حضر احدہم الموت الخ (جس میں حضور موت کے وقت توبہ کو قبول کرنے کی نفی کی گئی ہے) اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان کہ غرغره ہونے سے پہلے اللہ بندہ کی توبہ قبول فرمالتا ہے۔ رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ وابن حبان والحاکم والبیہقی عن ابن عمرؓ یہ حدیث صحیح ہے۔ دوسری حدیث حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شیطان نے عرض کیا تیری عزت و جلال کی قسم میں آدمیوں کو برابر گمراہ کرتا رہوں گا جب تک ان کے اندر جان ہوگی اللہ نے فرمایا مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم میں بھی ان کو ہمیشہ بخشتا رہوں گا جب بھی وہ مجھ سے معافی کے طلب گار ہوں گے۔ رواہ احمد وابو یعلیٰ۔

حضرت ابو موسیٰؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ رات میں اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن کا گناہ گار توبہ کر لے (اور اس کی توبہ کو اللہ اپنے ہاتھ سے لے کر قبول فرمائے) اور دن میں اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کا گناہ گار توبہ کر لے (اور یہ سلسلہ بند نہ ہوگا) یہاں تک کہ سورج مغرب کی طرف سے برآمد ہو جائے رواہ مسلم۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورج کے مغرب کی جانب سے برآمد ہونے سے پہلے تک جو شخص توبہ کر لے گا اللہ نے اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ رواہ مسلم۔

اللہ نے مدت عمر کو قریب اس لئے فرمایا کہ زندگی کے بعد آنے والی مدت بہت زیادہ (اور بعید) ہے اللہ نے خود فرمایا ہے قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ (یعنی آئندہ زندگی کے مقابلہ میں اس دنیا کا ساز و سامان قلیل ہے) پس یہی وہ لوگ ہیں جن کی توبہ اللہ قبول فرمائے گا کیونکہ اللہ کے وعدہ کی خلاف ورزی ناممکن ہے اور اس نے (اپنے وعدہ کے ساتھ) توبہ قبول کرنے کو اپنے لئے فرض قطعی کی طرح کر لیا ہے۔ گویا یہ جملہ کلام سابق کے نتیجہ کی طرح ہے۔

وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝
اور اللہ علیم و حکیم ہے یعنی اخلاص کے ساتھ توبہ کرنے والے کو جانتا ہے توبہ کے بعد عذاب نہیں دے گا۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الشَّنَّ
اور توبہ قبول ان لوگوں کی نہیں ہے جو بدیاں کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب موت سامنے آجاتی ہے تو کہتے ہیں کہ اب میں نے توبہ کی۔ یعنی جاں کنی کی حالت ہو گئی اور عذاب کے فرشتے دیکھنے لگے اور روح کی روانگی ہونے لگی تو اس وقت کافر کا ایمان اور (مؤمن) گنہگار کی توبہ قبول نہیں کی جاتی۔

وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَرَاءُ
اور نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہے جو حالت کفر میں مر جائیں۔
یعنی اللہ ان کی مغفرت نہیں کرے گا اور نہ ان کے عذاب سے رجوع کرے گا یا یہ مطلب کہ آخرت میں جب وہ توبہ کریں گے اور کہیں گے ربنا البصرنا و سمعنا فارجعنا نعمل صالحاً انا موقنون (اے ہمارے مالک ہم نے عذاب کو دیکھ لیا اور سن لیا اب ہم کو دنیا میں دوبارہ لوٹا دے اگر تو دوبارہ دنیا میں لوٹا دے گا تو ہم اچھے عمل کریں گے یقیناً ہم ایماندار ہو گئے) تو اس وقت ان کی توبہ قبول نہ ہوگی یا یہ مطلب ہے کہ اگر بعض گناہوں سے توبہ کر لی ہو مگر خاتمہ کفر پر ہوا ہو تو ان کی توبہ کا کوئی اثر نہ ہو گا بلکہ کفر اور معاصی دونوں کا عذاب ان کو ہو گا۔

اُولَٰئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝
یہ ہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔ اَعْتَدْنَا، عتید سے ماخوذ ہے اور عتی کا معنی ہے حاضر۔ یہ جملہ توبہ قبول نہ ہونے کی مزید تاکید کر رہا ہے۔
بخاری اور ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ (دور جاہلیت میں دستور تھا کہ) جب کوئی شخص مر جاتا تھا تو اس کے قریب ترین عزیز اس کی بیوی کے زیادہ حقدار ہوتے تھے اگر چاہتے تو خود نکاح کر لیتے اور چاہتے تو کسی دوسرے سے نکاح کر دیتے عورت کے قریب ترین عزیزوں کو بھی اس کا اختیار نہیں ہوتا اس پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرِهًا

نہیں کہ زبردستی عورتوں کے مالک بن جاؤ۔ یعنی یہ جائز نہیں کہ عورتوں کو مال میراث کی طرح اپنے قبضہ میں لے لو اور ان سے نکاح کر لو مجبور کر کے یا کُرہاً کا یہ معنی ہے کہ وہ نہ چاہتی ہوں اور تم ان سے نکاح کر لو (اول معنی پر کُرہاً مصدر مجہول ہو گا اور دوسرے معنی پر مصدر مبنی للفاعل) حمزہ اور کسائی نے اس جگہ اور سورہ توبہ میں کُرہاً بضم کاف بڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے ہر جگہ کُرہاً کاف روایت کیا ہے۔ قراء نے کما بضم کاف کا معنی یہ ہے کہ دوسرے کو مجبور کیا جائے اور کُرہاً کاف کا معنی یہ ہے کہ کوئی خود مادل ناخواستہ کوئی فعل کرے۔ کسائی نے کہا دونوں لفظوں کا ایک ہی معنی ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ دور جاہلیت میں جب کوئی شخص بیوی کو چھوڑ کر مر جاتا تھا تو ایسی حالت میں..... اس شخص کا جو (بڑا) بیٹا ہوتا تھا وہ یا (اس کے نہ ہونے کی صورت میں کوئی اور) مردہ کا قریبی عزیز آکر اپنا کپڑا اس عورت پر یا اس کے خیمہ پر ڈال دیتا تھا اور اس کا حقدار بن جاتا تھا اس عورت کو اپنی ذات پر خود کوئی حق نہ رہتا تھا اب اگر چاہتا تو بغیر کسی جدید مہر کے صرف مردہ باپ کے مہر پر اس سے نکاح کر لیتا تھا (یعنی خود کچھ مہر نہ دیتا تھا بلکہ باپ نے جو مہر دیا ہوتا وہی کافی سمجھا جاتا) اور خود نکاح کرنا نہ چاہتا تو کسی دوسرے سے نکاح کر دیتا اور مہر خود لے لیتا اور اگر چاہتا تو بالکل ہی نکاح سے روک دیتا کہ عورت مجبور ہو کر وہ مال واپس کر دے جو مردہ کے ترکہ سے اس کو ملا ہو اور اس طرح اپنی جان چھڑا لے۔

اس آیت میں اس فعل کی ممانعت کر دی گئی۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ ہی بیان نقل کیا ہے۔ بغوی نے اتنا مزید بیان کیا ہے کہ اگر عورت مر جاتی تھی تو جس نے اس پر اپنا کپڑا ڈالا ہوتا تھا وہی اس کا وارث ہوتا تھا اور اگر مردہ شوہر کے کسی قریب ترین عزیز کے کپڑا ڈالنے سے پہلے وہ اپنے میکے میں چلی جاتی تھی تو پھر اس کو اپنا خود اختیار ہوتا تھا۔ یہی اہل جاہلیت کا دستور تھا اور یہی دستور رائج تھا کہ (دور اسلامی میں) ابو قیس کے بیٹے نے جس کا نام حصن بتایا گیا ہے اور مقاتل بن حبان نے قیس بن ابی قیس کہا ہے اپنا کپڑا امیغہ پر ڈال دیا اور اس کے نکاح کا وارث ہو گیا لیکن اس کو یونہی چھوڑے رکھنا نہ قربت کی نہ خرچ دیا مقصد یہ ہے کہ تنگ کر کے اس سے (وہ مال وصول کر لے جو ترکہ میں اس کو ملا ہے اور) نہ یہ لے کر چھوڑ دے، امیغہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ابو قیس مر گیا اور اس کا بیٹا میرے نکاح کا وارث ہو گیا۔ اب نہ وہ مجھے خرچ دیتا ہے نہ میرے پاس آتا ہے نہ میرا رستہ چھوڑتا ہے حضور ﷺ نے فرمایا تو اس وقت تک اپنے گھر میں بیٹھ جا کہ اللہ کا حکم تیرے متعلق نازل ہو جائے۔ اس پر آیت لایحل لکم ان ترثوا النساء کرہاً الح نازل ہوئی۔
وَلَا تَعْصِلُوهُنَّ
اور نہ یہ حلال ہے کہ تم ان کو روکے رکھو۔ لفظ لا تاکید نفی کے لئے ہے یعنی نہ مال میراث کی

طرح ان کا مالک بن جانا حلال ہے نہ ان کو روکے رکھنا۔ عضل کا لغوی معنی ہے تنگ کرنا مراد ہے نکاح سے روک دینا۔

لَتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ (وائس) لے لو۔ آیت میں خطاب تمام مسلمانوں کو ہے مگر مخاطب کی تفسیر سے بعض افراد مراد ہیں لَتَذْهَبُوا سے مردہ کے عزیز مراد ہیں اور اَتَيْتُمْ سے مردہ شوہر۔ مطلب یہ ہے کہ مردہ شوہر نے جو مہر عورتوں کو اپنی زندگی میں دیا ہو اس کے کچھ حصہ کو بطور فدیہ ربائی وصول کرنے کے لئے عورتوں کو نکاح سے باز نہ رکھو۔ بعض علماء کا قول ہے کہ تورات نساء اور عضل دونوں کی ممانعت کا رخ شوہروں کی طرف ہے جو عورتوں کو رد کر رکھتے تھے نہ تو ان کو ان عورتوں کی کوئی ضرورت ہوتی تھی نہ رغبت خاطر۔ صرف مقصد یہ ہوتا تھا کہ ان کے مال کے وارث ہو جائیں (اگر وہ مر جائیں) یا وہ عورتیں مال دے کر اپنے کو رہا کر لیں۔ میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ کرہا میں تو خطاب کا رخ مردہ کے عزیزوں کی طرف ہے اور اس کے بعد از سر نو کلام شروع ہوتا ہے جس میں خطاب کا رخ شوہروں کی طرف ہے اور لَا تَعْضَلُوهُنَّ نئی کا صیغہ ہے جو حالت جزم میں ہے (یعنی اس کا عطف ثبوتاً بہ نہیں ہے ورنہ حالت نصب میں ہو گا ورنہ لا تاکید نفی کے لئے ہے بلکہ نفی کے لئے ہے)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہ آیت اس شخص کے بارے میں ہے جو خود بیوی کی طرف راغب نہ ہو اس کی صحبت سے نفرت کرتا ہو لیکن عورت کا مہر اس پر واجب ہو اور اس طرح تنگ کر کے چاہتا ہو کہ جو کچھ مہر دیا ہو (یادینے والا ہو) اس کو تاوان رہائی کے طور پر واپس لے لے۔ اللہ نے لَا تَعْضَلُوهُنَّ فرما کر اس حرکت سے ممانعت کر دی۔ اس صورت میں جملہ کا عطف جملہ پر ہو گا مفرد کا مفرد پر نہ ہو گا۔

پہلا جملہ منفی خبری ہے اور یہ جملہ منہی انشائی لیکن چونکہ دونوں کا کوئی محل اعرابی نہیں اس لئے خبر پر انشاء کا عطف جائز ہے اس کے علاوہ جملہ لَا يَحِلُّ لَكُمْ اگرچہ لفظاً نفی ہے خبر ہے مگر معنی کے اعتبار سے منہی اور انشاء ہے اس لئے لَا تَعْضَلُوهُنَّ کا عطف اس پر درست ہے۔

إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيَّنَةٍ مگر یہ کہ وہ کھلی ہوئی بے حیائی کا ارتکاب کریں یعنی کسی وقت فدیہ لینے کے لئے نہ روکو مگر اس وقت روک سکتے ہو جب وہ ارتکاب فاحشہ کریں (استثناء محل ظرفیت میں ہے) یا یہ مطلب کہ فدیہ وصول کرنے کی غرض سے یا کسی اور وجہ سے ان کو نہ روکو صرف ارتکاب فاحشہ کی وجہ سے روک سکتے ہو (استثناء مفعول لہ ہے) یا یہ مطلب کہ وصول فدیہ کی غرض ہو یا کوئی دوسری غرض کسی غرض سے نہ روکو مگر روکنے کی علت اگر ارتکاب فاحشہ ہو تو روک سکتے ہو (اس صورت میں بھی استثناء مفعول لہ ہو گا) یا یہ مطلب کہ کسی حالت میں سوائے ارتکاب فاحشہ کی حالت کے نہ روکو۔ حضرت ابن مسعودؓ اور قتادہؓ کے نزدیک فاحشہ سے شوہر کی نافرمانی مراد ہے اور حسن بصریؒ کے نزدیک زنا یعنی اگر عورت ناشرہ ہو جائے یا ارتکاب زنا کرے تو شوہر کے لئے اس سے عوض خلع طلب کرنا جائز ہے۔ خلع کے مسائل ہم سورہ بقرہ میں ذکر کر چکے ہیں۔ قتادہؓ نے کہا جب کسی شخص کی بیوی فاحشہ کی مرتکب ہو جاتی تھی تو وہ اس کو دیا ہو مال واپس لے لیتا اور پھر نکال دیتا تھا۔ اس حکم کو حد زنا سے منسوخ کر دیا گیا۔

وَعَايَشُوا بِالنِّسَاءِ بِالنِّسَاءِ اور گزران کرو خوبی کے ساتھ یعنی حسن معاملہ، ادائے حقوق اور اچھے کلام کے ساتھ۔ اس جملہ کا عطف لَا تَعْضَلُوهُنَّ یا لَا يَحِلُّ ہے۔ حسن بصریؒ نے کہا اس کلام کا ربط آیت اَتُوا النِّسَاءَ صَدُقْتِهِنَّ يَحِلُّ لَكُمْ سے ہے (یعنی خوشی خاطر کے ساتھ عورتوں کے مہر ادا کرو اور ان سے اچھا برتاؤ کرو)۔

فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ اور اگر تم ان کو ناپسند کرتے ہو یعنی بد صورتی یا بد اخلاقی کی وجہ سے تو پھر بھی مہر کرو، نہ ان کو دکھ دو، نہ ترک تعلق کرو۔

کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ایک چیز

تَعَلَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ۝

تم کو پسند نہ ہو اور اللہ اس میں تمہارے لئے بڑا فائدہ کر دے یعنی (آخرت میں) بڑا ثواب یا (دنیا میں) نیک اولاد عطا کر دے عسی کا فاعل (صرف اَنْ تَكْرَهُوا نہیں ہے بلکہ) معطوف اور معطوف علیہ سے مل کر جو پورا جملہ بنتا ہے وہ فاعل ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو کوئی چیز ناپسند بھی ہو تب بھی (اس کا برا ہونا ضروری نہیں) ہو سکتا ہے کہ اللہ اس میں بھلائی کر دے پس ناپسندیدگی کے وقت بھی اس چیز کی بھلائی کی امید رکھنی چاہئے۔

وَإِنْ أَرَدْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مِّمَّا كَانَ زَوْجٌ
بغیر نافرمانی کرنے اور مرتکب زنا ہونے کے اگر کسی بیوی کو طلاق دے کر تم دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہو۔

اور بیویوں میں سے کسی بیوی کے مہر میں تم نے ڈھیروں مال دیدیا ہو۔ مہر کی ضمیر زوج کی طرف راجع ہے کیونکہ زوج کا اطلاق واحد پر بھی ہوتا ہے اور جمع پر بھی اور چونکہ یہاں مردوں کی جماعت سے خطاب ہے اس لئے زوج سے عورتوں کی جماعت مراد ہے تاکہ افراد کا مقابلہ افراد سے صحیح ہو جائے۔ قنطار کا معنی ہے مال کثیر، مراد ہے مہر میں دیا ہوا مال کثیر۔ ابن جریر نے حضرت انسؓ کی روایت سے قنطار کی تشریح میں رسول اللہؐ کا فرمان نقل کیا ہے کہ ایک ہزار دو سو (قنطار) ہے اس آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ (شارع کے نزدیک) کثرت مہر کی کوئی حد بندی نہیں، اسی پر اجماع ہے۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زیادہ مہر مقرر کرنے کی ممانعت کی تو ایک عورت نے اسی آیت سے کثرت مہر کے جواز را استدلال کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس دلیل کو سن کر فرمایا۔ عمرؓ سے ہر شخص دینی سمجھ زیادہ رکھتا ہے یہاں تک کہ پردہ نشین عورتیں بھی۔

اجماعاً مستحب یہ ہے کہ مہر میں زیادتی نہ کی جائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا خبردار عورتوں کے مہر میں کثرت نہ کرنا اگر مہر کی کثرت دنیا میں عزت اور اللہ کے نزدیک تقویٰ کی چیز ہوتی تو رسول اللہؐ سب سے زیادہ اس کے مستحق تھے میں نہیں جانتا کہ رسول اللہؐ نے اپنی کسی بی بی سے یا کسی بیٹی کا بارہ ۱۲ اوقیہ سے زائد مہر پر نکاح کیا ہو۔ رواہ احمد و اصحاب السنن الاربعہ والداری۔

خطابی نے لور ابن حبان نے صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے کہا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا بہترین عورت وہ ہے جس کا مہر سب سے زیادہ سہل (الاداء) ہو۔ ابن حبان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے لکھا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا بی بی کے امور (نفقات وغیرہ) کا آسان ہونا اور مہر کا کم ہونا اس کی برکت ہے۔ احمد اور بیہقی کی روایت میں ہے سب سے بڑی برکت والی وہ عورت ہے جس کا مہر سب سے آسان (یعنی کم) ہو۔ اس روایت کی سند عمدہ ہے۔

ابو سلمہؒ کا بیان ہے میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ رسول اللہؐ کا (یعنی حضورؐ کی بیویوں کا) مہر کتنا تھا فرمایا رسول اللہؐ کی بیویوں کا مہر ۱۲ اوقیہ اور نش تھا تم جانتے ہو کہ نش کتنا ہوتا ہے میں نے کہا نہیں فرمایا نش آدھا اوقیہ ہوتا ہے، رواہ مسلم۔ بارہ اوقیہ اور ایک نش کے پانچ سو درہم ہوتے ہیں۔ حضرت ام حبیبہؓ کے علاوہ حضورؐ کی تمام بیویوں کا مہر یہی تھا۔ حضرت ام حبیبہؓ کا مہر چار ہزار درہم تھا کیونکہ حضورؐ کی طرف سے نجاشی نے یہ مہر ادا کیا تھا۔ رواہ ابو داؤد و النسائی۔ ابن

عبدالرحمن سلمیٰ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا کہ عورتوں کے مہر بیش از بیش نہ کیا کرو ایک عورت نے عرض کیا عمرؓ آپ کو یہ حکم دینے کا اختیار نہیں ہے کیونکہ اللہ فرماتا ہے، واتیتم احد اھن قنطاراً من ذھب، راوی کا بیان ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کی قرأت اس طرح ہے (یعنی من ذھب کا لفظ بھی آیا ہے) حضرت عمرؓ نے فرمایا ایک عورت مناظرہ میں عمرؓ پر غالب آگئی بکر بن عبد اللہ مزیٰ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں تم کو مہر کی کثرت سے منع کرنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن قرآن مجید کی آیت اتیتم احد اھن قنطاراً میرے سامنے آگئی، یہ دونوں حدیثیں کہ کثرت مہر کی ممانعت سے حضرت عمرؓ نے رجوع کر لیا تھا میرے نزدیک صحیح ہیں، اور حضرت عمرؓ نے کثرت مہر کی ممانعت تحریمی نہیں کی احتیابی ممانعت فرمائی تھی اور تحریمی نہیں سے رجوع کیا تھا، ۱۲۔ (حاشیہ از مولف)

اسحاق نے ابو جعفرؑ کی روایت سے چار سو دینار لکھا ہے۔ خلاصہ السیرا میں حضرت خدیجہؓ کے نکاح کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے آپ کا مہر بارہ اوقیہ طلائی مقرر کیا تھا ایک طلائی اوقیہ کے سات مثقال ہوتے ہیں۔ احمد اور ابو داؤد نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ جویریہ ثابت بن قیس بن شماس اور ان کے چچازاد بھائی کے حصہ میں مشترکا آئی تھیں مدینہ میں ثابت کے کچھ کھجور کے درخت تھے ثابت نے چچازاد بھائی کو وہ درخت دے کر جویریہ کو منفرداً خود لے لیا اور مکاتب بنادیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا بدل کتابت اپنے پاس سے ادا کر دیا اور خود ان سے نکاح کر لیا اور بدل کتابت ہی ان کا مہر قرار پایا۔ سبیل الرشاد میں ہے کہ ثابتؓ اور ان کے چچازاد بھائی نے مشترکا جویریہ کو مکاتب کیا تھا اور نو اوقیہ طلائی بدل کتاب مقرر کیا تھا۔
تو نہ لوہے ہوئے مال میں سے کچھ۔

فَلَا تَأْخُذْ وَهِنَّ شَيَاً
اَتَاخُذْ وَهِنَّ بُهْتَانًا وَارْتِمًا مُبِينًا ①
کیا تم اس مال کو باطل طور پر اور کھلے ہوئے گناہ کا ارتکاب کر کے لو گے۔ بُهْتَانًا اور اَرْتِمًا حال ہیں بمعنی اسم فاعل یا مفعول لہ ہیں۔ بُهْتَان کا معنی ہے باطل قول (تمہمت) باطل فعل میں بھی اس کا استعمال آیا ہے یہاں باطل فعل ہی مراد ہے اسی لئے بُهْتَان کا تفسیری معنی ظَنَمًا کیا گیا ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ جب کوئی شخص سابق عورت کی جگہ جدید عورت سے نکاح کرنا چاہتا تھا تو پہلی عورت پر زنا کی تمہمت لگاتا تھا تاکہ وہ مجبور ہو کر کچھ مال دے کر اپنی گلو خلاصی کرالے (اس صورت میں بُهْتَان سے مراد ہو گا باطل قول) اَتَاخُذْ وَهِنَّ میں استفہام انکاری زجر آگیا ہے (یعنی ایسا نہ کرنا چاہئے یا ایسا کرنے کی کوئی وجہ نہیں)۔

وَكَيْفَ تَأْخُذْ وَهِنَّ
واجب ہو گیا تو پھر واپس لینے کی کوئی وجہ نہیں۔ وَقَدْ أَفْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ
امام شافعیؒ کے نزدیک انشاء سے کنایہ جماع مراد ہے۔ اسی لئے انہوں نے آیت کا ترجمہ کیا ہے تم جماع کر چکے ہو۔ امام شافعیؒ کے دو قول ہیں ظاہر ترین قول یہ ہے کہ صرف خلوت سے مہر بچتے نہیں ہوتا ہے اگر جماع نہ کیا ہو، اسی بنا پر انہوں نے فرمایا کہ اگر خلوت صحیح ہو گئی اور جماع نہ کیا مگر جماع سے کوئی طبعی اور شرعی مانع نہ تھا پھر طلاق دیدی تو نصف مہر کی ادائیگی واجب ہے۔ امام اعظمؒ اور امام احمدؒ نے فرمایا خلوت صحیح سے (پورا) مہر بچتے ہو جاتا ہے خواہ جماع نہ کیا ہو۔ انشاء کا معنی ہے فضاء یعنی صحراء میں داخل ہو جانا یہاں فضاء میں داخل ہونے سے مراد ہے خالی مکان میں (جہاں کوئی روک ٹوک نہ ہو) داخل ہو جانا۔ امام مالکؒ کے نزدیک بھی خلوت صحیح بغیر جماع کے موجب مہر ہو جاتی ہے بشرطیکہ خلوت کی مدت طویل ہو۔ ابن قاسم نے طول مدت کی حد ایک سال بیان کی ہے۔

امام شافعیؒ کے قول کی دلیل یہ آیت ہے وَاِنْ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمْسُوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ یعنی اگر تم نے عورتوں کا مہر مقرر کر دیا تھا اور جماع سے پہلے طلاق دیدی تو مقرر کردہ مہر کا آدھا لازم ہے (گویا شافعیؒ کے نزدیک اس آیت میں مس (چھوئے) سے مراد جماع ہے)۔

ہم کہتے ہیں یہ امر قطعی ہے کہ مس سے مجازی معنی مراد ہے مس کا حقیقی معنی تو جماع نہیں ہے (بلکہ مس کا لفظ عام ہے اور جماع کا معنی خاص) عام لفظ بول کر شافعیؒ نے خاص معنی مراد لیا ہے اور یہ مجاز ہے لیکن لفظ مس سے خلوت بھی بطور مجاز مراد لی جاسکتی ہے کیونکہ خلوت مس کا سبب ہے اور مس خلوت کا نتیجہ ہے مسبب بول کر سبب مراد لینا مجاز کا عام ضابطہ ہے۔ عام بول کر خاص مراد لینے سے تو تسمیہ السبب باسم السبب اولیٰ ہے لہذا آیت میں خلوت مراد ہے۔ (ربانصف یا کل مہر کا وجوب تو ہم کل مہر کے وجوب کے قائل ہیں کیونکہ) قرن اول کا اجماع ہے کہ اگر خلوت صحیح ہو گئی خواہ جماع نہ ہو ابھی بھی کل مہر واجب ہے۔ شیخ ابو بکر رازی نے الاحکام میں اس کو نقل کیا ہے اور طحاوی نے اس پر صحابہ کا اجماع ہونا بیان کیا ہے۔ لہٰذا مندر نے کہا کہ یہی قول حضرات عمرو علی وزید بن ثابت و عبد اللہ بن عمر و جابر و معاذ بن جبل و ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔ بیہقی نے بروایت

بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کا مہر میں جو ان دونوں یا چار سواشر فیاں تھیں۔ کذا فی شرح خلاصہ السیر، (از مولف)

احص بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر دروازہ بند کر لیا اور پردہ چھوڑ دیا تو عورت کے لئے پورا امر لازم ہو گیا اور عدت بھی ضروری ہو گئی۔ یہ روایت منقطع ہے۔

مؤطا میں یحییٰ بن سعید کی وساطت سے سعید بن مسیب کی روایت آئی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا جب پردے چھوڑ دیئے گئے (یعنی کامل خلوت ہو گئی) تو مہر واجب ہو گیا۔ عبدالرزاق نے مصنف میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول اسی طرح نقل کیا ہے۔

دار قطنی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جب دروازہ بند کر دیا اور پردہ چھوڑ دیا اور ستر کو دیکھ لیا تو شوہر پر مہر واجب ہو گیا۔ ابو عبیدہؓ نے کتاب النکاح میں زرارہ بن اوئی کا قول نقل کیا ہے کہ خلفاء راشدینؓ کا یہ فیصلہ ہے کہ جب دروازہ بند کر دیا اور پردہ چھوڑ دیا تو مہر واجب ہو گیا اور عدت لازم ہو گئی۔ دار قطنی نے اس بحث کی ایک مرفوع حدیث محمد بن عبدالرحمن بن ثوبان کی روایت سے مرسل نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے عورت کا دوپٹہ کھول دیا اور اس کی طرف دیکھ لیا تو مہر واجب ہو گیا جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابن لہیعہ ضعیف ہے لیکن ابن جوزی کا بیان ہے کہ علماء نے ابن لہیعہ کی روایت کو لیا ہے۔ ابو داؤد نے مراسیل میں ابن ثوبان کی اس روایت کو نقل کیا ہے اس سند کے تمام راوی ثقہ ہیں اور مرسل ہمارے نزدیک قابل استدلال ہے۔ مذہب شافعیؒ کی تائید میں حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بعض اقوال بھی روایات میں آئے ہیں لیکن یہ روایات صحیح نہیں ہیں۔ بیہقی نے بروایت شعبی حضرت ابن مسعودؓ کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے کہ اگر کسی نے کسی عورت سے خلوت کر لی ہو اور جماع نہ کیا ہو تو عورت کا نصف مہر لازم ہو جاتا ہے۔ یہ روایت منقطع ہے، شافعیؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول نقل کیا ہے مگر وہ سند بھی صحیح نہیں ہے۔

اور عورتیں تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں۔ اس جملہ کا عطف افضلی پر
وَآخِذْنَ مِنْكُمْ مِّمَّا تَأْتِيَنَّاهُنَّ ۖ
ہے۔ حسن، ابن سیرین، ضحاک اور قتادہ کے نزدیک پختہ عہد سے مراد عورت کے دلی کا یہ قول ہے کہ میں نے اس عورت کو تیرے نکاح میں ان شرائط و حقوق کے بموجب دیا جو اللہ نے عورتوں کے لئے مردوں پر رکھے ہیں یعنی ضابطہ اور دستور کے مطابق نکاح میں رکھنا یا خوبی کے ساتھ آزاد کر دینا۔

شعبی اور عکرمہ نے کہا پختہ عہد سے وہ مضمون مراد ہے جو حدیث مسلم میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو تم نے انکو بامان خدا لیا ہے اور ان کی شرم گاہوں کو بحکم خدا اپنے لئے حلال بنایا ہے۔ رواہ جابر۔ ابن جریرؒ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ نے عورتوں کے لئے تم پر کچھ بندشیں لگائی ہیں گویا عورتوں نے تم سے عہد لیا ہے (کہ ان بندشوں کی پابندی کریں گے)۔

ابن سعد نے محمد بن کعب قرظی کا بیان نقل کیا ہے کہ (دور جاہلیت میں دستور تھا کہ) جب کوئی شخص مر جاتا تھا تو اس کی بیوی کا حقدار اس کا (بڑا) بیٹا ہوتا تھا چاہے وہ خود اس سے نکاح کر لے بشرطیکہ وہ عورت اس لڑکے کی ماں نہ ہو اور چاہے کسی دوسرے سے اس عورت کا نکاح کرادے۔ ابو قیس بن سلمہ کا انتقال ہوا تو (دستور جاہلیت کے مطابق) ابو قیس کا بیٹا محض باپ کی بیوی سے نکاح کا حقدار ہو گیا اور ابو قیس کی بیوی کو ترکہ میں کوئی حصہ اس نے نہیں دیا عورت نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اب تو واپس چلی جا امید ہے کہ تیرے بارے میں کوئی حکم نازل ہوگا۔

ابن ابی حاتم، فریانی اور طبرانی نے حضرت عدی بن ثابت کی وساطت سے یہ قصہ ایک انصاری کی روایت سے نقل کیا ہے، اس روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ابو قیس بن سلمہ کا انتقال ہو گیا ابو قیس بڑا نیک انصاری تھا اس کے بیٹے قیس نے ابو قیس کے مرنے کے بعد اس کی بیوی سے نکاح کرنا چاہا عورت نے قیس سے کہا میں تو تجھے اپنا بیٹا جانتی ہوں اور تو قوم کے نیک لوگوں میں سے بھی ہے (پھر نکاح کیسا) اس کے بعد عورت نے حاضر ہو کر رسول اللہ ﷺ کو واقعہ کی اطلاع دیدی، حضور ﷺ نے فرمایا اب تو اپنے گھر چلی جا (اور حکم کا انتظار کر) اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ اور جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا نے نکاح کیا ہو ان سے نکاح نہ کرو۔ مامولہ ہے اور چونکہ وصلی معنی مراد ہے اس لئے (بجائے من کے کالفاظ ذکر کیا۔ بعض نے کہا مامصدری ہے اور مصدر بمعنی مفعول ہے) باپ کی نکاح کی ہوئی عورت سے نکاح نہ کرو یہ تو ظاہر تھا کہ باپ دادا نے جن سے نکاح کیا ہوگا وہ عورتیں ہی ہوں گی پھر بھی ماں کے ابہام کی توضیح من النساء سے صرف تعیم کے لئے کر دی۔

إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ بظاہر یہ استثناء منقطع ہے یعنی جو پہلے ہو چکا اس کا مؤاخذہ نہ ہوگا۔ بعض علماء نے کہا استثناء متصل ہے نہی کے لئے جو معنی لازم تھا اس سے استثناء نے گویا یوں کہا گیا کہ جس سے باپ دادا نے نکاح کیا ہوگا اس سے اگر نکاح کرو گے تو عذاب ہوگا مگر جو پہلے ہو چکا اس پر عذاب نہ ہوگا۔

إِنَّهُ كَانَ فَا حِشَّةً یہ کام یقیناً بڑی بے حیائی کا ہے یعنی اللہ کے نزدیک بدترین گناہ ہے کسی گزشتہ امت کو اللہ نے اس کی اجازت نہیں دی۔

وَمَقْنَنَاءَ اور نفرت کا اللہ کے نزدیک بھی اور شرفاء کے نزدیک بھی۔ مقت کا معنی ہے سخت ترین بغض (بدترین نفرت) اگر باپ کی بیوی سے کسی کا کوئی بیٹا ہو جاتا تھا تو عرب اس کو مقیت (بمعنی ممقوت انتہائی قابل نفرت) کہتے تھے۔ اشعث بن قیس اور ابو معیط عمرو بن امیہ مقیت ہی تھے۔

وَسَاءَ سَبِيلًا اور برا طریقہ ہے۔ حضرت براء بن عازب کا بیان ہے کہ میرا مامول جھنڈا لے میری طرف سے گزرا میں نے پوچھا کہاں جا رہے ہو اس نے جواب دیا ایک شخص نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے اس کا سر لانے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے مجھے بھیجا ہے۔ رواہ الترمذی و ابو داؤد، ابو داؤد اور نسائی اور ابن ماجہ اور دارمی کی روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ ایں کے کہا مجھے رسول اللہ ﷺ نے اس لئے بھیجا ہے کہ میں اس کی گردن مار دوں اور اس کا مال لیلوں۔ اس روایت میں مامول کی بجائے چچا کا لفظ آیا ہے۔

فائدہ :- باجماع علماء آباء سے مراد عموم مجاز کے طور پر تمام اصول ہیں خواہ دھیلی ہو یا نہیلی۔ بعض علماء کے نزدیک نکاح کا حقیقی معنی ہے جماع اور یہی معنی اس جگہ مراد ہے، ابن جوزی نے تحقیق میں یہی لکھا ہے اور اسی آیت سے مزنیہ کی بیٹی اور ماں سے نکاح کو حرام قرار دیا ہے اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جس عورت سے تمہارے باپ دادا نانا وغیرہ نے جماع کیا اس سے نکاح نہ کرو خواہ نکاح صحیح کے بعد جماع کیا ہو یا نکاح فاسد کے بعد یا حق تملیک کی وجہ سے یا (بیوی ہونے کے) شبہ میں یا بصورت زنا۔

قاموس میں ہے نکاح کا معنی ہے جماع اور عقد اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کا لفظ مشترک ہے۔ صحاح میں جوہری نے لکھا ہے کہ نکاح کا اصل (یعنی حقیقی) معنی ہے، عقد مجاز اجماع پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ممکن نہیں کیونکہ جماع کے عمل کو عرب جس طرح قبیح جانتے تھے اسی طرح اس کے ذکر کو بھی صراحتاً برا سمجھتے تھے اسی لئے معنی جماع پر دلالت کرنے والے تمام الفاظ بطور کنایہ بولتے تھے۔ اس صورت میں ناممکن ہے کہ فحش لفظ بول کر وہ معنی مراد لئے جائیں جو فحش نہیں ہیں۔ اللہ نے فرمایا ہے وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰی مِنْكُمْ وَغَيْرَہ۔

میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اس آیت میں نکاح سے مراد ہے عقد، جماع مراد نہیں ہے کیونکہ بالا جماع باپ کی منکوحہ بیٹی کے لئے حرام ہے خواہ باپ نے اس سے جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو اور مزنیہ کی ماں اور بیٹی سے نکاح کی حرمت اجماعی نہیں اختلافی ہے (شافعی کے نزدیک حرمت نہیں ہے) اس لئے اجماعی معنی پر آیت کو محمول کرنا ہی لوٹی ہے۔

ایک اعتراض :- اگر آیت میں نکاح سے مراد عقد ہی ہے تو کیا وجہ کہ جس عورت سے باپ نے ملکیت کی وجہ سے جماع کر لیا ہو اس سے بیٹے کے لئے بالا جماع نکاح حرام ہو جاتا ہے وہ تو باپ کی منکوحہ نہیں ہے۔ جواب :- یہ حرمت دلالت النص کی وجہ سے ہے کیونکہ نکاح سے اصل مقصد ہوتا ہے جماع اور جماع ہی جزیت کا سبب ہے پس جب وہ نکاح جو حلال جماع کا

سبب ہے حرمت مصاہرت کا موجب ہے تو جائز جماع بدرجہ اولیٰ موجب حرمت مصاہرت ہوگا۔
 مسئلہ :- امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک زنا سے حرمت مصاہرت نہیں ہوتی (یعنی مزنیہ کی ماں یا بیٹی سے نکاح حرام نہیں ہو جاتا) امام اعظمؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک زنا حرمت مصاہرت کی موجب ہے امام مالکؒ کا بھی ایک قول اسی طرح مروی ہے۔ امام احمدؒ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اگر کوئی مرد کسی عورت یا مرد سے لواطت کرے تو اس مفعول مرد و عورت کی ماں اور بیٹی سے اس فاعل کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس آیت سے حرمت مصاہرت پر استدلال ضعیف ہے قوی استدلال یہ ہے کہ حلال جماع پر زنا کو قیاس کیا جائے علت حرمت صرف یہ ہے کہ جماع سبب اولاد ہے حلال اور حرام جماع کی قید قابل التفات نہیں۔ دیکھو مشترک باندی سے یا بیٹی کی باندی سے یا مکاتب باندی سے یا ظلمہ والی عورت سے یا مجوسی باندی سے یا چاھدہ عورت سے یا نفاس والی عورت سے یا حالت احرام یا روزہ میں جماع کرنا حرام ہے ان میں سے ہر صورت ممنوع ہے لیکن باجماع علماء اس سے حرمت مصاہرت ہو جاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ اصل موجب حرمت جماع ہے حرام ہو یا حلال اس کی کوئی تعیین نہیں، ابن ہمام نے بیان کیا ہے کہ ہمارے علماء نے اس کی تائید میں چند احادیث ذکر کی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جاہلیت کے زمانہ میں میں نے ایک عورت سے زنا کیا تھا کیا اس کی لڑکی سے اب نکاح کر سکتا ہوں فرمایا میں اس کو جائز نہیں سمجھتا یہ مناسب نہیں کہ جن مخفی حصوں پر کسی عورت کے تم مطلع ہو گئے ہو اس کی بیٹی کے بھی ان ہی مخفی حصوں پر مطلع ہو۔ یہ روایت مرسل منقطع ہے اس کی سند میں ایک راوی ابو بکر بن عبد الرحمن بن بنت حکیم ہے۔

ابن وہب نے بوساطت ایوب ابن جریج کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس نے ہاتھ سے کسی عورت کو دیا یا ہوا اس سے زیادہ کچھ نہ کیا ہو کہ اس کی لڑکی سے نکاح نہ کرے یہ روایت بھی مرسل منقطع ہے مگر ہمارے نزدیک مرسل منقطع کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں اگر تمام راوی ثقہ ہوں (انتہی کلام ابن ہمام) امام شافعیؒ نے اپنی دلیل میں دو حدیثیں بیان کی ہیں ایک حضرت عائشہؓ کی روایت سے آئی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا حرام حلال کو فاسد نہیں کرتا۔ مدواہ الدار قطنی۔

اس سند میں ایک راوی عثمان بن عبد الرحمن و قاصی ہے جس کو یحییٰ بن معین نے کہا ہے یہ سچ ہے جھوٹ کہتا تھا۔ ابن مدینی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ بخاری، نسائی، رازی اور ابوداؤد نے بھی کہا ہے کہ یہ کچھ نہ تھا دار قطنی نے موقوف کہا ہے۔ ابن حبان نے کہا یہ ثقات کی طرف نسبت کر کے موضوع احادیث نقل کرتا تھا اس کی روایت سے استدلال صحیح نہیں ہے۔ دوسری حدیث حضرت عائشہؓ کی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے بھی آئی ہے یہ حدیث دار قطنی اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے اس کی سند میں عبید اللہ کا بھائی عبد اللہ بن عمرؓ ہے جس کے متعلق ابن حبان نے کہا اس کی خطافا حش ہے اس لئے مستحق ترک ہے۔ ایک راوی اسحاق بن محمد عربیؒ بھی ہے جس کو یحییٰ نے کہا ہے کہ یہ کچھ نہیں ہے بڑا جھوٹا ہے۔ بخاری نے کہا ہے علماء روایت نے اس کو ترک کر دیا ہے۔

مسئلہ :- مزنیہ کے بیٹے کے لئے زانی باپ کی منکوحہ حرام ہے اسی طرح مزنیہ کی بیٹی اپنے زانی باپ کے لئے حرام ہے کیونکہ اول صورت میں وہ زانی کا بیٹا اور دوسری صورت میں زانی کی بیٹی ہے عربی زبان میں وہ بیٹا بیٹی ہی ہے (خواہ نکاحی نہیں ہے) اور جب تک لغت کے خلاف نقل شرعی نہ ہو اس وقت تک لغوی معنی ہی کلام میں معتبر رہیں گے ہاں اگر نقل شرعی ہو تو شرعی معنی کا اعتبار ہو گا جیسے لفظ صلوة (کہ مخصوص ہیئت کی عبادت کو شرعاً کہا جاتا ہے اور یہی معنی شرعاً مراد ہوتا ہے) اگر زید نے اپنی بیوی ہندہ سے لعان کیا کہ تیرا بیٹا عمر میرا بیٹا نہیں ہے اور قاضی نے بھی اس دعوے کو تسلیم کر لیا اور زید سے عمر کے نسب کی نفی کر دی اس صورت میں عمر کے لئے جائز نہیں کہ زید کی منکوحہ سے نکاح کر سکے اور نہ زید کے لئے اس عورت کی بیٹی سے نکاح درست ہے کیونکہ ممکن ہے زید اپنے دعوے کی خود تکذیب کر دے اور اس وقت گذشتہ دعویٰ اور حاکم کی ڈگری لغو قرار

پاجائے۔

مسئلہ :- اگر کسی مرد نے کسی عورت کو اور کسی عورت نے کسی مرد کو شہوت کے ساتھ چھو لیا تو اس چھونے کا حکم جماع کی طرح ہے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک اس سے حرمت مصاہرۃ ہو جاتی ہے اس طرح اگر مرد نے عورت کی اندرونی شرم گاہ کو یا عورت نے مرد کی شرم گاہ کو شہوت سے دیکھ لیا تو اس سے بھی حرمت مصاہرت ہو جاتی ہے۔

اگر مرد نے عورت کو چھو لیا اور انزال ہو گیا یا اندرونی شرم گاہ کو دیکھنے سے انزال ہو گیا یا کسی عورت سے لواطت کی اور انزال ہو گیا تو ایک روایت میں آیا ہے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک اس سے حرمت مصاہرت ہو جاتی ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ حرمت مصاہرت نہیں ہوتی باقی تینوں اماموں کے نزدیک چھونے اور دیکھنے سے حرمت مصاہرت نہیں ہوتی۔ امام اعظمؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ چھونا اور دیکھنا جماع کے داعی ہیں لہذا احتیاط کے مقام میں ان کو جماع کے قائم مقام قرار دیا جائے گا لیکن انزال کے بعد جماع کا مقتضی ہی ختم ہو جاتا ہے اس لئے انزال کے بعد حرمت مصاہرت کا حکم نہ ہوگا۔ شہوت کے ساتھ چھونے سے مراد یہ ہے کہ آلہ میں انتشار پیدا ہو جائے یا زیادہ ہو جائے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ
تمہاری مائیں تمہارے لئے حرام کر دی گئی ہیں بطور عموم مجازاؤں سے مراد ہیں باپ دادا یا ماں اور نانی نانا کی طرف سے تمام اصولی عورتیں (جیسے ماں، دادی پر دادی نانی پر نانی وغیرہ) بعض علماء نے کہا کہ لفظ ام کا لغوی معنی ہے اصل۔ قاموس میں ہے ام کل شئی اصلہ ہر چیز کی ماں اس کی اصل کو کہتے ہیں۔ ام القریٰ مکہ ام الکتاب سورۃ فاتحہ یا لوح محفوظ اس تحقیق پر لفظ امہات باپ اور ماں کی طرف سے تمام جدات کو خواہ کتنا ہی اونچا رشتہ ہو لختہ باجماع علماء شامل ہے۔

وَبَنَاتُكُمْ
اور تمہاری بیٹیاں۔ بنات کا لفظ بھی بطور عموم تمام فروع کو شامل ہے پوتیاں اور نواسیاں نیچے تک بالا جماع اس لفظ میں داخل ہیں۔

وَأَخَوَاتُكُمْ
اور تمہاری بہنیں حقیقی ہوں یا علاقائی یا خیانی۔
وَعَمَلَاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ
اور تمہاری پھوپھیاں اور خالائیں لفظ عمت کے اندر باپ کی حقیقی اور علاقائی اور خیانی بہنیں داخل ہیں۔ اسی طرح خیالات کے اندر ماں کی حقیقی اور علاقائی اور خیانی بہنیں مندرج ہیں۔ یہ فیصلہ اجماعی ہے۔ انہی کے ذیل میں باجماع علماء باپ اور ماں کی پھوپھیاں اور خالائیں اور دادا دادی نانا نانی کی پھوپھیاں اور خالائیں اور اسی طرح تمام ذکور و اثنا اصول کی پھوپھیاں اور خالائیں داخل ہیں گویا بطور عموم مجازا اصل بعید کی تمام فروع قریبہ کو حکم حرمت شامل ہے لیکن اصل بعید کی فرع بعید بالا جماع جائز ہے جیسے چچا پھوپھی یا خالہ یا ماموں کی بیٹیاں۔

وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ
اور بھائی بہن کی بیٹیاں یعنی بھائی اور بہن کی تمام فروع لڑکیاں پوتیاں نواسیاں نیچے تک۔ بھائی اور بہن کا لفظ عام ہے حقیقی ہوں یا علاقائی یا خیانی۔ اللہ نے نسبی محرمات سات بیان فرمائیں جن کا خلاصہ یہ ہوا کہ چار اصناف کی عورتیں حرام ہیں۔ نکاح کرنے والے کی اصل، نکاح کرنے والے کی فرع، اصل قریب کی فرع خواہ قریب ہو یا بعید، اصل بعید کی فرع قریب۔ اس سے بھی زیادہ مختصر الفاظ میں اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ ان دو مرد و عورت کا باہم نکاح حرام ہے جن میں باہم رشتہ ولادت ہو یا ایک دوسرے کے باپ یا ماں کی فرع ہو۔

وَأُمَّهَاتُكُمُ الَّتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمُ مِنَ الرِّضَاعَةِ
اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو اور دودھ شریک بہنیں باجماع علماء رضاعی پھوپھیاں خالائیں بھتیجیاں بھانجیاں بھی حرام ہیں اور نسب کی وجہ سے جس سے نکاح حرام ہے رضاعت کی وجہ سے بھی اس سے نکاح درست نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے رضاعت سے (بھی) وہی حرام جو نسب سے حرام ہے، دوسری روایت میں نسب کی جگہ ولادت کا لفظ آیا ہے، رواہ الشیخان، (البخاری و المسلم) یہ حدیث حضرت عائشہؓ کی روایت سے مذکور ہے۔ حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا

آپ کو اپنے چچا حمزہؓ کی لڑکی (سے نکاح کرنے) کی خواہش ہے وہ قریش میں حسین ترین عورت ہے فرمایا کیا تم کو علم نہیں ہے کہ حمزہؓ میرے رضاعی بھائی ہیں اور اللہ نے جس نسبی رشتہ میں نکاح حرام کیا ہے اسی رضاعی رشتہ میں بھی حرام کیا ہے۔ رواہ مسلم۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میرا رضاعی چچا آیا اور میرے پاس اندر آنے کی اس نے اجازت طلب کی۔ میں نے اجازت دینے سے انکار کر دیا تا وقتیکہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت نہ کر لوں اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے میں نے مسئلہ دریافت کیا فرمایا وہ تیرا چچا ہے اس کو اجازت دیدے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے تو عورت نے دودھ پلایا تھا مرد نے نہیں پلایا فرمایا بلاشبہ وہ تیرا چچا ہے تیرے پاس اندر آسکتا ہے۔ یہ واقعہ پردہ کی آیت نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ متفق علیہ۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف فرما تھے کہ میں نے ایک مرد کی آواز سنی جو حضرت حصہؓ کے گھر میں داخلہ کی اجازت مانگ رہا تھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کوئی شخص آپ ﷺ کے گھر کے اندر داخلہ کی اجازت کا طلب گار ہے آپ ﷺ نے حضرت حصہؓ کے رضاعی چچا کے متعلق فرمایا میرے خیال میں فلاں شخص ہو گا میں نے (یہ سن کر) اپنے رضاعی چچا کا نام لے کر کہا یا رسول اللہ ﷺ اگر فلاں شخص زندہ ہو تا تو کیا وہ (میرے پاس) اندر آسکتا تھا فرمایا ہاں جو حرمت ولادت (کے رشتہ) سے ہوتی ہے وہی رضاعت (کے رشتہ) سے ہوتی ہے۔ رواہ ابوغوی

فائدہ :- امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک رضاعت تھوڑی ہو یا بہت (چاہے ایک چسکی ہو) وہی حرمت پیدا کر دیتی ہے جو نسب سے ہوتی ہے کیونکہ یہ آیت مطلق ہے نیز حدیث یحرم من الرضاۃ ما یحرم من النسب بھی مطلق ہے (آیت اور حدیث دونوں میں کمی زیادتی کی کوئی قید نہیں) ایک روایت میں امام احمدؒ کا قول بھی یہی آیا ہے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا رضاعت سے حرمت صرف اس وقت ہو گی جب بھوک کی حالت میں پانچ مختلف جدا جدا اوقات میں پانچ مرتبہ پیٹ بھر کر دودھ پیا ہو۔ ایک روایت میں امام احمدؒ کا قول بھی یہی آیا ہے ایک اور روایت میں امام احمدؒ بجائے پانچ مرتبہ کے تین مرتبہ کے قائل ہیں، ابو ثور، ابن المنذر، داؤد اور ابو عبیدہ کا قول بھی یہی ہے۔ تین مرتبہ کی تعیین کی وجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک چسکی اور دو چسکیاں حرمت کی موجب نہیں۔ ام فضل کی مرفوع روایت میں چسکی اور دو چسکی کی جگہ۔ ایک بار پینا اور دو بار پینا کا لفظ آیا ہے۔ بعض روایات میں املا جۃ و املا جتان کا لفظ آیا ہے مطلب ایک ہی ہے یہ تمام روایات مسلم نے نقل کی ہیں۔

احمد غسانی، ابن حبان اور ترمذی نے یہ حدیث بحوالہ حضرت عبد اللہ بن زبیر بوساطت حضرت زبیر حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کی ہے لیکن طبری نے اس کو مضطرب کہا ہے کیونکہ حضرت عبد اللہ نے حضرت زبیر کی وساطت سے رسول اللہ ﷺ کا فرمان نقل کیا ہے اور بعض روایات میں عبد اللہ عن عائشہ عن رسول اللہ ﷺ اور بعض میں بلا واسطہ عن عبد اللہ عن رسول اللہ ﷺ آیا ہے۔ ابن حبان نے تینوں اسناد کی وجہ جامع اس طرح بیان کی ہے کہ ممکن ہے حضرت ابن زبیرؓ نے اپنے باپ سے بھی سنا ہو اور حضرت عائشہؓ سے بھی اور خود حضور ﷺ کی زمان مبارک سے بھی۔

بخاری نے لکھا ہے کہ یہ حدیث عن ابن الزبیر عن عائشہ صحیح ہے بیچ میں حضرت زبیر کی وساطت صرف محمد بن دناہ کے قول میں ہے اور اس میں ضعف ہے اور اختلاف بھی ہے۔ بعض روایات میں حضرت عائشہؓ کا ذکر نہیں ہے اور سند میں ارسال ہے لیکن مرسل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ نسائی نے یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کی ہے ابن عبد البر نے کہا یہ حدیث مرفوعاً صحیح نہیں ہے۔

علماء متابعہ نے اسی حدیث کو اپنے مسلک کی تائید میں پیش کیا ہے کیونکہ حدیث میں صرف ایک یا دو بار دودھ پینے کو غیر حرم فرمایا ہے لہذا تین بار پینے سے حرمت ہو جائے گی۔ جو لوگ کم سے کم پانچ مرتبہ دودھ پینے کو موجب حرمت قرار دیتے ہیں ان کی دلیل حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے ام المومنینؓ نے فرمایا کہ قرآن میں عشر رضعات معلومات نازل ہوا تھا پھر خمس

معلومات سے اس کو منسوخ کر دیا گیا اور رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو قرآن میں اسی کو پڑھا جاتا تھا۔ ترمذی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ قرآن میں عشر رضعات نازل ہوا تھا۔ پھر اس سے پانچ منسوخ کر دیئے گئے اور پانچ رضعات رہ گئے اور رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی تو اس وقت تک امر یونہی تھا (یعنی اسی کو پڑھا جاتا تھا) ہم کہتے ہیں کہ قرآن کی نص متواتر کے مقابلہ میں حدیث آحادنا قابل وقعت ہے اور تعارض کے وقت احتیاطاً تحریم کو ترجیح دی جائے گی اس کے علاوہ حضرت عائشہؓ کی حدیث اگرچہ سند کے لحاظ سے صحیح ہے مگر واقع میں متردک ہے ورنہ لازم آئے گا کہ حضور ﷺ کی وفات تک قرآن میں خمس معلومات کی قرأت کی جاتی تھی (یعنی حضور ﷺ کی وفات کے بعد قرآن جمع کرنے کے وقت اس لفظ کو چھوڑ دیا گیا) اس صورت میں روافض کی بات صحیح ماننی پڑے گی کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد قرآن کا بہت حصہ ضائع ہو گیا حالانکہ یہ کلمہ کفر ہے اس سے آیت وانالی فخلو کی تکذیب لازم آتی ہے۔ اگر حضرت عائشہؓ کے قول کی توجیہ اس طرح کی جائے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہونے سے حضرت عائشہؓ کے قول میں مراد ہے حضور ﷺ کی وفات کا زمانہ قریب آ جانا تو مطلب اس طرح ہو جائے گا کہ عشر معلومات کا نسخ تو خمس معلومات سے ہو گیا تھا پھر حضور ﷺ کی وفات سے کچھ تھوڑا پہلے خمس معلومات بھی منسوخ ہو گیا یہی صحیح ہے حضرت ابن عباسؓ سے جب کہا گیا کہ لوگ کہتے ہیں ایک بار دودھ پینے سے حرمت نہیں ہوتی تو فرمایا پہلے ایسا تھا پھر یہ منسوخ کر دیا گیا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا امر رضاعت بھی موجب حرمت ہے جب حضرت ابن عمرؓ سے کہا گیا کہ حضرت ابن زبیرؓ تو فرماتے ہیں کہ ایک دو بار پینے سے حرمت نہیں ہوتی فرمایا اللہ کا فیصلہ ابن زبیرؓ کے فیصلے سے بہتر ہے اللہ نے فرمایا ہے و امسأتمکم الاتی ارضعنکم (یعنی اس آیت میں ایک دو بار پینے کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا) اگر حضرت عائشہؓ کے قول توفی رسول اللہ وہی فیما یقرء کا مطلب یہ بیان کیا جائے کہ وفات کے وقت پانچ رضعات کا حکم قرأت میں موجود تھا تو یہ مطلب غلط ہے کیونکہ قرأت کا تعلق الفاظ سے ہوتا ہے حکم سے نہیں ہوتا۔

مسئلہ :- مدت شیر خواری کے بعد دودھ پینا موجب حرمت نہیں کیونکہ اس سے نہ تولید ہوتی ہے نہ نمو۔ مدت رضاعت کے بعد دودھ پلانے والی کو ماں نہیں کہا جاتا۔ داؤد (ظاہری) کے نزدیک ہر زمانہ میں شیر خواری سے حرمت پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ ابو حذیفہؓ کی بیوی سہلہ بنت سہیل نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ سالم (ابو حذیفہؓ کے حلیف ہیں) کے آنے سے میں ابو حذیفہؓ کے چہرہ پر کچھ ناگواری محسوس کرتی ہوں فرمایا سالم کو تو پانچ بار دودھ پلا دے تو اس کی محرم ہو جائے گی۔ رواہ الشافعی۔ مسلم وغیرہ نے اس حدیث میں تعداؤں کا ذکر نہیں کیا ہے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ باجماع علماء یہ حدیث منسوخ ہے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان روایہ صحیح ہے کہ صرف وہ رضاعت موجب حرمت ہے جو پستان سے ہو اور انتڑیوں کو پھاڑنے والی ہو۔ حضرت ام سلمہؓ کی روایت سے یہ حدیث ترمذی نے بیان کی ہے اور اس کو صحیح کہا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے ابو داؤد نے رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث بیان کی ہے کہ صرف وہی رضاعت موجب حرمت ہے جس سے گوشت پیدا ہو اور ہڈیوں میں نمو ہو۔ صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت آئی ہے حضرت عائشہؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اس وقت میرے پاس ایک آدمی موجود تھا فرمایا عائشہؓ یہ کون ہے میں نے عرض کیا میرا رضاعی بھائی ہے فرمایا عائشہؓ اپنے بھائیوں کو دیکھ لیا کہ در رضاعت (وہی موجب حرمت ہے جو) بھوک سے ہو (یعنی دودھ پینے کے زمانہ میں ہو)۔

مسئلہ :- موجب حرمت رضاعت کی مدت دو سال ہے امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام مالکؒ، سعید بن مسیبؒ، عروہؒ اور شعبیؒ کا یہی قول ہے۔ دارقطنی نے حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔ ابن ابی شیبہؒ نے حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کی طرف بھی اسی قول کی نسبت کی ہے۔ امام مالکؒ کے تین قول اور بھی مروی ہیں ایک قول میں دو سال ایک ماہ دوسری روایت میں ایک سال دو ماہ آئے ہیں اور تیسری روایت میں کوئی محدو مدت نہیں ہے جب تک بچہ حاجتمند ہو وہی مدت رضاعت ہے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک دو سال چھ ماہ اور امام زفرؒ کے نزدیک تین سال مدت رضاعت

ہے۔ لول قول کے ثبوت میں یہ دلیل پیش کی گئی ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے والوالدات یرضعن اولادھن حولین کا ملین لمن اراد ان یتیم الرضاعہ اس آیت میں پوری مدت رضاعت دو سال بیان کی ہے پوری کے بعد زیادہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ ایک اور آیت میں وفصالہ فی عامین صاف فرمایا ہے ایک تیسری آیت ہے وحملہ و فصالہ ثلثون شہرا حمل اور فصال کی مدت تیس ماہ ہے اور چونکہ حمل کی مدت (کم سے کم) چھ ماہ ہے اس لئے دودھ پلانے کی مدت دو سال ہی باقی رہتی ہے رسول اللہ ﷺ کا بھی ارشاد ہے کہ رضاعت (معتبر) نہیں مگر وہی جو دو سال کے اندر ہو۔ دار قطنی نے یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کی ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ صرف پٹم بن جمیل نے اس حدیث کو مرفوع کیا ہے، مگر پٹم ثقہ اور حافظ تھا احمد اور عیسیٰ نے بھی اس کو ثقہ کہا ہے ابن عدی نے کہا یہ غلطی کر دیتا تھا سعید بن منصور نے ابن عیینہ کی روایت سے اس کو موثقاً بیان کیا ہے (مرفوع نہیں کیا)

امام اعظمؒ کی دلیل یہ ہے کہ آیت وحملہ وفصالہ ثلثون شہرا میں حمل اور فصل دو چیزوں کی مدت ۳۰ ماہ بیان کی ہے لہذا دونوں میں سے ہر ایک کی مدت پوری ۳۰ ماہ ہو تو ہر مقروض کے اداء قرض کی مدت ۳۰ ماہ کامل قرار دی جاتی ہے (ایسا نہیں ہو سکتا کہ ۱۵ ماہ ایک کے لئے اور ۱۵ ماہ دوسرے کے لئے) لیکن مدت حمل کو (باجودیکہ آیت سے ۳۰ مستنبط ہوتی ہے ہم نے) دو سال قرار دیا ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ کے قول میں یہی آیا ہے کہ بچہ ماں کے پیٹ کے اندر دو سال سے زیادہ نہیں رہتا اگرچہ تکے کے دمڑ کے برابر ہو۔ دوسری روایت میں ہے اگرچہ تکے کے سایہ کے برابر ہو۔ یہ قول اگرچہ حضرت عائشہؓ کا ہے لیکن مدت کی حد بندی صرف رائے سے نہیں ہو سکتی سماع کے بغیر تعین مدت ممکن نہیں (معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر یہی یہ تحدید مدت کی ہے) مگر یہی مدت فصال تو وہ ظاہر آیت کے مطابق (۱۳۰ ماہ) ہی رہے گی۔

یہ دلیل چند وجوہ سے غلط ہے (۱) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو سال کے بعد رضاعت (کا حکم) نہیں۔ آیت میں آیا ہے یرضعن اولادھن حولین کا ملین لمن اراد ان یتیم الرضاعۃ یہ دونوں مدت رضاعت کی (۳۰ ماہ سے کم کر کے) دو سال میں تحدید کر رہی ہیں پھر یہ کہنا کہ حضرت عائشہؓ کے قول نے مدت حمل کی تنقیص کر دی قابل ترجیح نہیں لفظ ثلثون شہرا میں حقیقت و مجاز کا اجتماع لازم آئے گا حمل کے پیش نظر ۲۴ ماہ (مجازاً) مراد ہوں گے اور مدت رضاعت کے لحاظ سے ۳۰ ماہ (حقیقتاً) لفظ ثلاثین سے ۲۴ مراد لینا پڑے گا حالانکہ اسماء عدد کو بول کر دوسرا عدد مجازاً مراد نہیں لیا جاسکتا اسم عدد کا درجہ وہی ہے جو اسم معین کا اپنے معین شخص کے لئے ہے بکثرت اہل تحقیق نے اس کی صراحت کی ہے۔ امام اعظمؒ کے قول کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ دو سال تک اعضاء کا نمود دودھ سے ہوتا رہتا ہے۔ اس کے بعد غذا بدلنے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے مزید اتنی مدت کی ضرورت ہے کہ بچہ تبدیل غذا کا عادی ہو جائے۔ امام مالکؒ نے اس اضافی مدت کی کوئی حد بندی نہیں کی۔ امام زفر نے ایک سال کی تعیین کی ہے تاکہ چاروں فصلیں گزر جائیں اور امام صاحبؒ نے ایک ششماہی مقرر کی کیونکہ یہی حمل کی کم سے کم مدت ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ دو سال کے اندر دودھ کے علاوہ کوئی اور غذا دینے کی شریعت نے ممانعت نہیں کی ہے پھر دو سال سے زیادہ مدت مقرر کرنے کی کیا ضرورت ہے دو سال ختم ہونے سے پہلے بھی بچہ دودھ کے ساتھ دوسری غذا کا عادی بن سکتا ہے۔ ابن ہمام اور طحاوی نے صاحبین کے قول کو ہی اختیار کیا ہے۔

وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ اور تمہاری عورتوں کی مائیں۔ یہ لفظ تمام جدات کو شامل ہے تمام دور اور قریب کی داویاں اور نانیاں اس میں داخل ہیں اور ازروئے حدیث بیویوں کی رضاعی مائیں اور نانیاں داویاں بھی کبھی کے ساتھ شامل ہیں۔ جن عورتوں سے ملکیت یا شبہ ملکیت کی وجہ سے قربت کر لی گئی ہو۔ باجماع علماء ان کی ماؤں کا بھی یہی حکم ہے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک مزنہ (جس عورت سے زنا کیا گیا ہو) کی امہات بھی اسی حکم میں داخل ہیں اور اگر کسی اجنبی عورت کو شہوت کے ساتھ چھو لیا تو اس کی امہات بھی مزنہ کی امہات کی طرح حرام ہو جائیں گے۔

وَرَبَائِبُکُمْ اور تمہاری پروردہ لڑکیاں۔ ربائبہ کی جمع ہے ربیب وہ بچہ جو پہلے شوہر کا ہو اور ماں کے ساتھ

چلا آئے (کدھیلو۔ پرکنا) لفظ ربائب میں مہموم مجاز از روئے قیاس باجماع علماء بیویوں کی تمام پوتیاں اور نواسیاں خواہ قرہبی ہوں یا دور کی داخل ہیں اور ان عورتوں کی نسل کو بھی یہ لفظ شامل ہے جن سے ملکیت یا شبہ ملکیت کی وجہ سے قربت کر لی ہو۔ بلکہ امام صاحبؒ کے نزدیک تو مزنیہ کی تمام نسوانی نسل کا یہی حکم ہے۔

الثَّانِي فِي حُجُورِهَا (یعنی زیر پرورش) ہوں بالا جماع یہ شرط احترازی نہیں (کہ اگر ربائب زیر پرورش نہ ہوں تو حلال ہو جائیں) بلکہ عام طور پر چونکہ ایسا ہوتا ہی ہے کہ یتیم لڑکیاں سوتیلے باپوں کی پرورش میں آجائی ہیں اس لئے اس قید کو ذکر کر دیا۔ داؤد کے نزدیک قید احترازی ہے یعنی جو ربائب زیر پرورش نہ ہوں وہ حلال ہیں عبد الرزاق اور ابن ابی حاتم نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت علیؓ کا قول بھی یہ بیان کیا ہے اگر روایت حضرت علیؓ کا یہ قول ثابت ہو جائے تو پھر مطلق ربائب کی حرمت پر اجماع صحابہؓ ثابت نہ ہو گا بلکہ اجماع سے قرن اول کے بعد کا اجماع مراد ہو گا۔

قِمْنٌ نِّسَائِكُمُ الثَّانِي دَخَلَتْهُمُ بَهَنٌ (ربائب ان عورتوں کی بیٹیاں ہوں جن سے تم نے قربت کر لی ہو۔ النبی دخلتم بھن نساء کی صفت ہے اور باجماع علماء قید احترازی ہے) (یعنی جن عورتوں سے قربت نہ کی ہو ان کی بیٹیاں حرام نہ ہوں گی) یہ دونوں نسائکم کی صفت نہ ہوگی کیونکہ دونوں کے عامل مختلف ہیں اور ایک معمول پر دو مختلف عاملوں کا عمل نہیں ہو سکتا صرف فراء کا ایک قول اس کا مجوز ہے۔

ترکیب عبارت :- من نسائکم کا تعلق فعل محذوف سے ہے اور فی حجورکم اسی سے متعلق ہے اس وقت اول الذکر النبی کا یہ صلہ ہو گا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فی حجورکم کی ضمیر سے من نسائکم حال ہو لیکن زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس کو ربائیکم سے حال قرار دیا جائے۔ اس صورت میں من نسائکم کا تعلق امہات سے نہ ہو گا کیونکہ ربائب سے تعلق ہونے کی بناء پر من نسائکم میں من ابتدائیہ ہو گا اور امہات سے تعلق کی بناء پر من بیانیہ ہو گا اور جمہور کے نزدیک ایک لفظ کا (ایک حالت میں) دو مختلف معانی پر حمل نہیں کیا جاسکتا ہاں امام شافعیؒ عموم مشترک کے جواز کے قائل ہیں۔ اس کے علاوہ ایک خرابی یہ ہوگی کہ جب من کو بیانیہ کہا جائے گا تو اس کا حال ہونا بھی صحیح ہو گا تو اس کا یہ معنی ہوا کہ من نسائکم جس طرح ربائیکم سے حال ہے اسی طرح نسائکم (جو امہات نسائکم میں مذکور ہے) سے بھی حال ہے اور یہ کسی کے نزدیک جائز نہیں کہ ذوالحال دو ہوں اور دونوں کا حال ایک ہو ربائیکم تو مرفوع ہے اور نسائکم مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے ہاں اگر لفظ من اتصالیہ (یعنی محض ملا بہت اور مصاحبت کے لئے) ہونہ ابتدائیہ ہونہ بیانیہ تو دو معنی مختلف نہ ہوں گے اس وقت من محض مصاحبت کے لئے ہو گا اور امہات سے بھی حال ہو گا اور ربائب سے بھی کیونکہ دونوں مرفوع ہیں اور دونوں کا رفع ایک ہی جہت سے ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ توجیہ دور از کار ہے اس کے علاوہ حدیث مرفوعہ اور اجماع علماء کے خلاف ہے ترمذی کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا ہو اس شخص کے لئے جائز نہیں کہ اس عورت کی ماں سے نکاح کرے خواہ جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ ترمذی نے لکھا ہے کہ سند کے لحاظ سے یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ ابن لبیعہ اور حنفی بن صبا جہ اس سند میں دوراوی ہیں دونوں کمزور ہیں۔

شیخ ابن حجرؒ نے لکھا کہ ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں نہایت قوی سند سے حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر کوئی اپنی بیوی کو طلاق دیدے یا عورت مر جائے اور جماع کی نوبت نہ آئی ہو تب بھی اس عورت کی ماں سے اس شخص کو نکاح کرنا درست نہیں۔ طبرانی نے اس مسئلہ پر اجماع ہونا بیان کیا ہے لیکن حضرت زید بن ثابت کے قول کے متعلق روایات میں

۱۔ روایت میں آیا ہے کہ کسی شخص کو اپنی بیوی کی ماں پسند آگئی اور بیوی سے اس نے قربت نہیں کی تھی اس نے حضرت ابن مسعود سے مسئلہ پوچھا آپ نے حکم دیا کہ بیوی کو طلاق دے کر اس کی ماں سے نکاح کر سکتے ہو اس شخص نے ایسا کر لیا اور چند بچے بھی پیدا ہو گئے کچھ بچہ اگلے سن پر

اختلاف ہے مسند ابن ابی شیبہ میں ہے کہ اگر جماع نہ کیا ہو اور طلاق دیدے تو حضرت زید کے نزدیک مطلقہ کی ماں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن جماع سے قبل عورت مر جائے تو اس کی ماں سے نکاح کرنے کو آپ مکروہ جانتے تھے۔ مالک نے یحییٰ بن سعید کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت زید سے دریافت کیا گیا کہ اگر کسی کی بیوی جماع سے پہلے ہی مر جائے تو کیا اس کی ماں سے اس کے لئے نکاح کرنا درست ہے فرمایا نہیں۔ ماں کا کوئی حال وضاحت سے نہیں بیان کیا گیا ہے (جماع کی) شرط رباب کے متعلق ہے۔ ابن ابی حاتم نے حضرت علی کا قول نقل کیا ہے کہ دونوں کی حرمت (جماع سے) مشروط ہے۔ مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔ ابن ابی شیبہ وغیرہ نے حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن عباس کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی ہے۔ عبد الرزاق اور ابن ابی حاتم کی روایت میں حضرت ابن زبیر کا بھی یہی قول منقول ہے۔ اگر حضرت علی اور مجاہد کا قول مذکور روایت صحیح ثابت ہو جائے تو طبرانی کے قول میں جو اجماع کا لفظ آیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہوگی کہ صحابہ اور تابعین کے دور کے بعد علماء کا اجماع ہے کہ ساس سے بہر حال نکاح جائز نہیں خواہ بیوی سے جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

میں باء تعدیہ کے لئے ہے یعنی تم نے عورتوں کو پردہ کے اندر داخل کر لیا ہو یا مصاحبت کے لئے ہے یعنی تم ان کو لے کر پردہ کے اندر داخل ہو گئے ہو۔ پردہ میں داخل ہونے سے بطور کنایہ جماع مراد ہے جیسے عرب کا محاورہ ہے بنی علیہا و ضرب علیہا الحجاب اس عورت پر خیمہ نصب کر دیا اور پردہ لگا دیا یعنی جماع کیا۔ کسی عورت کو شہوت سے چھوٹا اور اندرونی شرم گاہ کو شہوت کے ساتھ دیکھ لینا امام اعظمؒ کے نزدیک جماع کے حکم میں ہے۔

فَإِنْ لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْؓ
پھر اگر تم ان کے پاس داخل نہ ہوئے ہو تو رباب سے نکاح کرتے میں تم پر کوئی گناہ نہیں (ممکن تھا کہ غیر مدخولہ کو مدخولہ پر قیاس کر کے غیر مدخولہ کی بیٹیوں سے بھی نکاح کو حرام سمجھ لیا جاتا اس) قیاس کو دفع کرنے کیلئے صراحۃً فرمایا کہ غیر مدخولہ کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں کوئی گناہ نہیں اگرچہ بطور اشارہ گذشتہ آیت میں (التي دخلتم بهن) سے بھی یہ بات معلوم ہو گئی تھی (لیکن صراحت نہیں تھی اس جگہ صراحت ہے)

وَحَلَائِلُ اور حرام کی گئی ہیں بیویاں۔ حلائل جمع ہے حلیلہ کی حلیلہ کا معنی ہے بیوی، بیوی کو حلیلہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ بیوی شوہر کے لئے حلال ہوتی ہے۔ (اس صورت میں فعلیل بمعنی مفعول ہوگا) یا یہ وجہ کہ عورت شوہر کے بستر پر فروکش ہوتی ہے (اس صورت میں فعلیل بمعنی فاعل ہوگا۔ اول معنی کے لحاظ سے حلیلہ کا مصدر حل ہوگا اور دوسرے معنی پر مصدر حلول ہوگا)۔

جن عورتوں سے بیٹوں نے بحق ملکیت یا شبہ ملکیت جماع کر لیا ہو گا وہ بھی بیویوں کے حکم میں آجائیں گی یہ مسئلہ اجماعی ہے اور جن عورتوں سے بیٹوں نے زنا کیا ہو امام اعظمؒ کے نزدیک باپ کے لئے ان کی حرمت بھی منکوحہ کی طرح ہے۔
أَبْنَائِكُمْ تمہارے بیٹوں کی عموم مجاز۔ کے طور پر لفظ ابنا تمام افراد کو شامل ہے پوتے ہوں نواسے ہوں غرض نیچے تک بیٹوں اور بیٹیوں کے تمام بیٹوں کو شامل ہے۔

الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْؓ جو تمہاری پشت سے (یعنی نسل سے) ہوں اس قبیلہ سے منہ بولا بیٹا خارج ہو گیا اہل عرب منہ بولے بیٹے کو بھی بیٹا کہتے تھے۔ ابن جریرؒ نے لکھا ہے کہ لمن جرح کہتے تھے میں نے عطاء سے آیت و حلائل ابنائکم الذین من اصلا بکم کی تشریح دریافت کی عطاء نے جواب دیا ہم آپس میں کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب زید بن حارثہ کی بیوی سے نکاح کر لیا تو مشرک چہ میگوئیاں کرنے لگے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور آیت وما جعل ادعیاء

(بقیہ) مدت کے بعد حضرت ابن مسعودؓ مدینہ منچے تو حضرت عمرؓ سے یہ مسئلہ پوچھا دوسری روایت میں آیا ہے کہ صحابہؓ سے دریافت کیا سب نے جواب دیا جائز نہیں، جب آپ کو فہم ہو کر آئے تو اس شخص سے فرمایا وہ عورت تیرے لئے حرام ہے حسب الکلم اس شخص نے عورت کو چھوڑ دیا، میں کہتا ہوں اس روایت میں ثابت ہوتا ہے کہ اس مسئلہ پر صحابہ کا اجماع تھا، ۱۲۔

کم ابناء کم بھی نازل ہوئی اور آیت ماکان محمد ابا احد من رجالکم بھی نازل ہوئی۔ نسبی پوتا اور نواسا خواہ بلا واسطہ ہو یا بلا واسطہ اس آیت سے خارج نہیں ہوا کیونکہ یہ سب صلبی نسل سے ہوتے ہیں۔ رہا رضاعی بیٹا اور اس کی فروغ تو اس قید (من اصلا بکم) سے وہ ضرور خارج ہو گئے مگر ان کی بیویوں کی حرمت حدیث بحرم من الرضاع مایحرم من النسب سے ثابت ہے اور اس پر اجماع بھی منعقد ہو چکا ہے۔

وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ اور حرام ہے دو بہنوں کو جمع کرنا یعنی نکاح میں جمع کرنا اور ملکیت کی وجہ سے دونوں سے جماع کرنا لیکن دو نسبی بہنیں ہوں (۱) دور رضاعی بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی حرمت حدیث کی وجہ سے نسبی بہنوں کو جمع کرنے کی حرمت کی طرح ہے دونوں بہنیں نسبی حقیقی ہوں یا علاقائی یا اختیانی یا رضاعی حقیقی یا رضاعی اختیانی، لیکن اگر ایک بہن سے زنا کیا ہو تو دوسری سے نکاح کرنا حرام نہیں جیسے ایک بہن کے مرنے کے بعد یا طلاق دیدینے اور عدت گزر جانے کے بعد دوسری بہن سے نکاح حرام نہیں۔

حدیث اور اجماع کی وجہ سے مندرجہ ذیل دو عورتوں کو بھی نکاح میں جمع کرنا درست نہیں۔ پھوپھی، بھتیجی، خالہ، بھانجی کوئی عورت اور اس کے باپ یا ماں کی پھوپھی یا دونوں میں سے کسی کی خالہ یا دادا یا نانا اور دادی یا نانی کی پھوپھی خواہ کتنے ہی لو پر کی ہو اور باپ کی طرف سے ہو یا ماں کی طرف سے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورت کو اس کی پھوپھی کے ساتھ جمع نہ کیا جائے نہ عورت کو اس کی خالہ کے ساتھ جمع کیا جائے۔ (متفق علیہ) ابو داؤد ترمذی اور دارمی کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے پھوپھی پر بھتیجی سے نکاح نہ کیا جائے اور نہ بھتیجی پر اس کی پھوپھی سے اور نہ خالہ پر اس کی بھانجی سے اور نہ بھانجی پر اس کی خالہ سے نہ چھوٹی پر بڑی سے نہ بڑی پر چھوٹی سے۔ نسائی کی روایت میں آخری جملہ نہیں ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ بخاری نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث نقل کی ہے اور ابن عبد البر نے مختلف سندوں سے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے اس کو نقل کیا ہے اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے احمد اور ابو داؤد اور ترمذی اور ابن حبان نے اور حضرت ابو سعیدؓ کی روایت سے ضعیف سند کے ساتھ ابن ماجہ نے اور حضرت علیؓ کی روایت سے بزاز نے اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے ابن حبان نے یہ حدیث بیان کی ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کی بی بی زینبؓ اور حضرت ابوامامہؓ اور حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ اور حضرت سرہؓ بن جندبؓ بھی اس حدیث کے ناقل ہیں۔ ابن عدی نے اور صحیح میں ابن حبان نے عکرمہ کے حوالہ سے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے یہ پوری حدیث بیان کی ہے جس کے آخر میں اتنا زائد ہے کہ اگر تم ایسا کرو گے تو ان عورتوں کے آپس کی قرباتیں منقطع کر دو گے۔

ابو داؤد نے مر اسیل میں عیسیٰ بن طلحہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی عورت سے اس کی قربت (یعنی اصل یا نسل) پر نکاح کرنے سے اس اندیشہ کے تحت ممانعت فرمائی ہے کہ اس سے قربت کٹ جائے گی۔ ابن حبان نے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ تم اگر ایسا کرو گے تو ان کی قرباتیں کاٹ دو گی۔

دور رضاعی بہنوں کو (نکاح وغیرہ میں) جمع کرنے کی ممانعت پر اجماع سلف ہونا بتا رہا ہے کہ جس طرح قربت نسبی منقطع کرنا حرام ہے اسی طرح رشتہ رضاعت کاٹنا بھی ممنوع ہے۔ اکرام مرضعہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی حدیث منقول ہے کہ حضرت ابو طفیل غنوی نے کہا میں حضور ﷺ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عورت سامنے سے آئی حضور ﷺ نے اس کے لئے چادر مبارک بچھا دی اور وہ بیٹھ گئی جب وہ چلی گئی تو بتایا کیا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کو دودھ پلایا تھا۔ رواہ ابو داؤد۔

خلاصہ بیان یہ ہے کہ نسب و رضاعت دونوں سلسلوں میں عورت کے لئے شوہر کے اصول و فروغ سے مطلقاً نکاح حرام ہے اور شوہر کے لئے عورت کے اصول سے تو مطلقاً نکاح ناجائز ہے اور عورت کی فروغ سے اس وقت ناجائز ہے جب عورت سے قربت کر لی ہو اور زوج و زوجہ کے اقارب میں سے سوائے نسبی ستونوں کے اور کسی سے نکاح ناجائز نہیں ہاں قطع رحم اور رشتہ رضاعت منقطع ہونے کے اندیشہ سے ایسی دو عورتوں کو جمع کرنا ناجائز ہے جن میں سے ایک دوسری کی اصل قریب کی

فرع ہو۔ واللہ اعلم۔

إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۝

مگر جو گزر گیا یعنی منوعہ عورتوں سے نکاح پر عذاب ہو گا مگر ممانعت کے حکم سے پہلے جو ہو چکا اس پر عذاب نہ ہو گا یہ مطلب کہ جو پہلے گزر چکا اس پر اللہ مؤاخذہ نہیں کرے گا معاف فرمادے گا اول صورت میں مستثنیٰ منہ وہ معنی ہو گا جو نہی کے لئے لازم ہے اور دوسری صورت میں استثناء منقطع ہو گا۔

إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ بلاشبہ اللہ غفور رحیم ہے معاف کر دے گا اور رحم فرمائے گا۔ قانون خداوندی کو نہ جاننے کا عذر مقبول ہو جائے گا۔ اللہ نے خود فرمادیا ہے وما كان الله ليضل قوما بعد اذ هداهم حتى يبين لهم ما يتقون دوسری آیت میں آیا ہے وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا۔

﴿چوتھا پارہ ختم﴾

۱۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ اگر دو باندیاں آپس میں بہنیں ہوں اور ایک کے بعد دوسری سے جماع کیا جائے تو کیا جائز ہے؟ آپ نے اس کی ممانعت فرمادی اور فرمایا دونوں کو جمع کرنے کی اجازت دینا میں پسند نہیں کرتا۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے بروایت قیس بن ذویب بیان کیا کہ ایک شخص نے حضرت عثمانؓ سے دو بہنوں کو ملکیت میں جمع کرنے (اور دونوں سے جماع کرنے) کا مسئلہ پوچھا فرمایا ایک آیت نے تو دونوں کو حلال کہا ہے اور دوسری آیت نے حرام کہا ہے اور میں تو ایسا نہیں کر سکتا، سائل نے حضرت عثمانؓ کے پاس جا کر ایک اور صحابی سے دریافت کیا میرے خیال میں وہ حضرت علی بن ابی طالبؓ تھے انہوں نے فرمایا اگر میرا کچھ اختیار ہو تا تو اور پھر میں کسی کو ایسا کرتے پاتا تو اس کو عبرت ناک سزا دیتا، لیکن ابو صالحؒ کی روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے دو مملوک بہنوں کے مسئلہ میں فرمایا ایک آیت نے دونوں کو حلال قرار دیا ہے اور دوسری آیت نے حرام، نہ حکم ہے نہ ممانعت۔ میں نہ حلال کہتا ہوں نہ حرام اور خود نہ میں کرتا ہوں نہ میرے اہل خانہ۔ رواہ ابن ابی شیبہؒ والبیہقیؒ، ابن منذرؒ اور بیہقیؒ نے حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جو حرمت آزاد عورتوں کی ہے وہی حکم باندیوں کی حرمت کا ہے سوائے تعداد کے (کہ باندیاں رکھنے کی کوئی تعداد مقرر نہیں اور نکاح میں چار عورتوں سے زیادہ نہیں رکھ سکتا) یہی قول عبدالرزاقؒ نے حضرت عمارؓ بن یاسرؒ کا بھی نقل کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت عثمانؓ یا حضرت علیؓ کا یہ قول کہ ایک آیت نے دونوں کو حلال کہا ہے اور دوسری آیت نے حرام اس سے مراد شک کا اظہار نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ جب محرم اور محلل دونوں موجود ہیں تو محرم کو محلل پر ترجیح ہے ابن عبدالبرؒ نے استدکار میں لکھا ہے کہ ایسا بن عامرؒ نے آپ سے پوچھا کہ دو بہنیں باندیاں ہیں میں نے ان کو غنیمت میں حاصل کیا ہے اور ایک کے بطن سے میری ولاد بھی ہوئی ہے اس میں دوسری سے رغبت کرنا چاہتا ہوں کیا کروں فرمایا جس سے تم جماع کرتے تھے پہلے اس کو آزاد کرو پھر دوسری سے قربت کرنا، پھر فرمایا مملوک باندیوں کی حرمت کا بھی وہی حکم ہے جو آزاد عورتوں کے متعلق قرآن میں حکم حرمت آیا ہے سوائے تعداد کے یا فرمایا سوائے چار کے اور سلسلہ رضاعت کی حرمت کا بھی یہی حکم ہے جو کتاب اللہ میں نسبی حرمت کا ہے۔ (از مولف قدس سرہ)

کی مطبوعہ مفتی کتب یک نظر میں

فتاویٰ رشیدیہ مؤبب _____ حضرت مفتی رشید احمد گنگوہی

تسهیل الغزوری لسائل القدوری _____ مولانا محمد عاصق الحق البرنی

فتاویٰ رحیمیہ اردو ۱۰ حصے — مولانا مفتی عبدالرحیم لاچپوری

فناوی عالمگیری اردو، جلد مع پیش لفظ مولانا محمد تقی عثمانی — اورنگ زیب عالمگیر

شماوی دَارِ الْعُلُومِ دیوبند ۲ جلد کا حکم ————— مولانا مفتی محمد شفیع رح

مسائل معارف القرآن (تفہیم القرآن میں ذکر قرآنی احکام)

پراویڈنٹ فنڈ

ہمیشہ زندگی _____ مولانا مفتی محمد شفیع رح

سَلَامَتِی قَانُونِ نِکاحِ طلاق، وراثت۔ فضیلتِ رضیہ، طلاق

سازے اذاب و احکام ————— انشاء اللہ خان مرحوم

از بھی لی سہری حقیقت ————— حضرت مولانا فارسی محمد قیسی صاحب

ہین کی بایں یعنی مسائل بہت سی زیور — مولانا محمد شرف علی صاحبی رحمہ اللہ

روح فقہ اسلامی ————— شیخ محمد حضری

حکام اسلام فصل کی لطیفیں ————— مولانا محمد شرف علی صاحب دہلوی

اِنَّا سَاعَتَہٗ ﴿۱﴾ اُردو بازار ۱۵ ایم ای جٹ روڈ

از ابراهیم ساعتی * اردو بازار ۱۵۰ اسماء علیہ السلام درود
مستند اسلامی و علمی کتب کا مرکز
کراچی پاکستان ۱۹۳۸۱۱

اردو بازار ۵۰ ایم ای جٹ روڈ
کراچی پاکستان ۷۴۸۱۱

کتاب ادعیہ عملیات و تقویٰ ذات، طب و معالجات

| | | |
|--|---|---------------------------|
| آئینہ عملیات | بحرِ عملیات و تقویٰ ذات | مولانا عزیز الرحمن |
| اصلی جواہر خمسہ | عملیات کی مشہور کتاب | شاہ محمد نوٹ گوئیاری جلد |
| اصلی بیاض محمدی | بحرِ عملیات و تقویٰ ذات | شیخ محمد تصانیوی |
| اعمالِ قتر آفی | قرآنی وظائف و عملیات | مولانا اشرف علی تھانوی |
| مکتوبات و بیاض یعقوبی | علمائے دیوبند کے بحرِ عملیات و تقویٰ | مولانا محمد یعقوب |
| بیماریوں کا گھریلو علاج | ہر وقت پیش آنے والے گھریلو نسخے | |
| جنات کے پراسرار حالات | ان سے محفوظ رہنے کی تدابیر | شبیر حسین چشتی |
| حصن حصین | عربی دعائیں مع ترجمہ اور شرح اردو | امام ابن جزالی |
| خواص صبا اللہ و نعم الوکیل | اردو | شیخ ابوالحسن شازلی |
| ذکر اللہ اور فضائل درود شریف | | مولانا مفتی محمد شفیع |
| ذاد العید | فضائل درود شریف | مولانا اشرف علی تھانوی |
| شمس المعارف الکبریٰ | تقویٰ ذات و عملیات کی مستند کتاب | علامہ بونی |
| طب جسمانی و روحانی | ایک مستند کتاب | امام غزالی |
| طب روحانی مع خواص القرآن | ستر آنی عملیات | مولانا محمد ابراہیم دہلوی |
| طب نبوی کلان اردو | | امام ابن اقصم الجوزی جلد |
| طب نبوی حنورد | آنحضرت کے فرمودہ علاج و نسخے | حافظ اکرام الدین |
| علاج الغرباء | طب یونانی کی مقبول کتاب جس میں مستند نسخے درج ہیں | |
| کمالات عزیز | حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے بحرِ عملیات | |
| میرے والد ماجد اور ان کے مجرب عملیات | | مولانا مفتی محمد شفیع |
| مناجات مقبول مرتب | دعاؤں کا مستند و مقبول مجموعہ | مولانا اشرف علی تھانوی |
| مناجات مقبول | عرف عربی بہت چمکنا بیسی سائز | مولانا اشرف علی تھانوی |
| مناجات مقبول | لائقہ میں مکمل اردو ترجمہ | مولانا اشرف علی تھانوی |
| نقش سلیمانی | عملیات و نقوش و تقویٰ ذات کی مشہور کتاب | خواجہ اشرف مکنوی |
| مشکل کشا | تمام دینی و دنیوی مقاصد کے لئے مجرب مانیں | مولانا احمد سعید دہلوی |
| مصیبت کے بعد راحت مع رسالہ دفع الافلاس | | مولانا مفتی محمد شفیع |
| نافع الخلائق | عملیات و تقویٰ ذات کی مشہور کتاب | عاجی محمد زرارغاں |
| مجموعہ وظائف کلان | مستند ترین نسخہ | |